8

مرقاۃ المفاتیح

شرح اردو

مشکوٰۃ المصابیح

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

مکتبہ رحمانیہ

مرقاۃ المفاتیح اردو

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری ھجری ۱۰۱۴

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

للامام العلامۃ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

جلد ہشتم

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب: .... مرقاۃ المفاتیح اردو (جلد ہشتم)

مترجم: .... مولانا راؤ محمد ندیم

ناشر: .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: .... لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

الموضوع

كِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحُ

شکار اور ذبیحوں کا بیان

شرح الالفاظ: ''صید'' مصدر ہے جو''اصطیاد'' کے معنی میں ہے۔کبھی اس کا استعمال''مصید'' پر بھی ہوتا ہے۔تسمیہ للمفعول بالمصدر کے اعتبار سے۔ترجمۃ الباب میں یہی معنی مراد لینا مناسب معلوم ہوتا ہے چونکہ''ذبائح'' کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔''ذبائح''ذبیحہ کی جمع ہے بمعنی مذبوح۔

شکار کے احکام

شکار کا مباح ہونا کتاب سنت دونوں سے ثابت ہے۔امت کا اجماع بھی اسی پر ہے۔اس کی اصل دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾......[المائدہ:۵:۴] ''اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھار رکھا ہو۔اور جس (طریق) سے خدا نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے۔(اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کے چھوڑنے کے وقت) خدا کا نام لیا کرو۔اور خدا سے ڈرتے رہو۔بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔'' اس کا عطف''طیبات'' پر ہو رہا ہے۔أی أحل لکم صید ما علمتم ۔''ما'' شرطیہ ہے اور''جواب'': فکلوا مما أمسکن علیکم ہے۔

① غیر محرم کیلئے حدودِ حرم سے باہر ہر جگہ شکار کرنا حلال ہے۔

② شکار کئے گئے جانور کا کھانا حلال ہے، بشرطیکہ وہ جانور ماکول الحم ہو۔حالتِ احرام میں شکار کرنا حرام ہے اور دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾[المائدۃ:۵:۲] اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾...... [المائدۃ:۵: ۹۶] ''اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور خدا سے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔''

③ لہولعب کی خاطر شکار کرنا مکروہ ہے۔
④ شکار تیر کے ذریعہ بھی جائز ہے اور سکھائے ہوئے ذی ناب جانوروں کتے، چیتے وغیرہ کے ذریعے بھی جائز ہے۔ کسی ''کلب'' کے معلم وغیر معلم ہونے کا پتہ یوں چلتا ہے کہ اس کو تین بار شکار پر چھوڑا جائے ایک بار بھی شکار میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔
⑤ سکھائے ہوئے ذی مخلب پرندوں: (جیسے باز، شاہین وغیرہ) کا پکڑا ہوا شکار بھی حلال ہے اور ان کے معلم ہونے کی پہچان یہ ہے کہ ان کو عین شکار سے واپس بلایا جائے تو یہ واپس آ جائیں۔
⑥ غیر تربیت یافتہ کتے وغیرہ کا مارا ہوا شکار حلال نہیں۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۰۴۶)
⑦ شکار پر کلب معلم چھوڑتے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہنا ضروری ہے۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۰۶۴)
⑧ اگر کسی نے شکار پر کلب معلم کو چھوڑتے وقت بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا تو اس صورت میں اس شکار کو کھانا حلال ہوگا۔
(ماخوذ از فوائد حدیث ۴۰۶۴)
⑨ اگر کتا وغیرہ چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا۔ پھر مالک نے کتے کو ڈانٹا۔ کتا جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کتے کے رکنے کے بعد اس نے بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور اس کے بعد کتے نے شکار کو پکڑ کر مار ڈالا تو وہ شکار حلال نہیں رہے گا۔
(ماخوذ از فوائد حدیث ۴۰۶۴، بحوالہ فتاوی قاضی خان)
⑩ اگر سکھاتے ہوئے ذی مخلب جانور نے شکار میں سے کچھ خود کھالیا تو بھی وہ شکار حلال رہے گا۔ اس کو کھانا درست ہے۔
⑪ اگر ذی ناب جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ غیر معلم کتے کے حکم میں ہے۔ اس کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا۔ اگر کسی تربیت یافتہ کتے وغیرہ نے شکار میں سے کچھ کھالیا تو وہ بے سیکھے ہوئے کتے کے حکم میں ہے اور وہ شکار بھی حرام ہوگا۔
⑫ اگر کوئی کتا اپنے طور پر جنگل میں جا کر شکار کو مار لائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ (ماخوذ از فوائد حدیث۔ ۴۰۶۴)
⑬ اگر کسی مجوسی کا کتا شکار مار کے لائے وہ شکار مسلمان کیلئے حلال نہیں۔
⑭ مسلمان کے کلب معلم کے ساتھ اگر کسی غیر مسلم کا کتا شریک ہو جائے اور معلوم ہو نہ کہ شکار کو کس کتے نے مارا ہے۔ تب بھی اس کا کھانا حلال نہیں۔
⑮ اگر کسی نے شکار کو تیر مارا شکار زخمی ہو کر بھاگا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شکاری نے اس کی جستجو نہیں کی جب بعد میں شکار مرا ہوا ملا تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ یا اس پر کسی جانور کے کھانے کا اثر پائے تو اس کو نہ کھائے، ممکن ہے کہ جانور کے حملہ کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (ماخوذ از فوائد حدیث۔ ۴۰۶۴)
⑯ اگر کتے نے جانور کا گلہ گھونٹ کر مار دیا تو اس کا کھانا حلال نہیں کیونکہ ذبح اضطراری کیلئے زخمی کرنا شرط ہے۔
(از افادات حدیث: ۴۰۶۴)
⑰ بغیر نوک کے تیر کے ذریعہ شکار کرنے کی صورت میں اگر وہ تیر اس شکار کو اپنی دھار کے ذریعہ مار ڈالے تو وہ حلال ہوگا اور اگر معراض نے اس کو اپنی چوڑائی کے ذریعہ مارا ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ (از افادات حدیث: ۴۰۶۵)

الفصل الاول :

ذبح کے احکام

۴۰۶۴: عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ : قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ اَمْسَكَ عَلَيْكَ فَاَدْرَكْتَهٗ حَيًّا فَاذْبَحْهُ وَاِنْ اَدْرَكْتَهٗ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَاِنْ اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ فَاِنْ وَجَدْتَّ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهٗ وَقَدْ قُتِلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَيُّهُمَا قَتَلَهٗ وَاِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ اِلَّا اَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ اِنْ شِئْتَ وَاِنْ وَجَدْتَّهٗ غَرِيْقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَاْكُلْ۔ (متفق عليه)

تخريج : اخرجه البخاری فی صحیحه ٩ / ٦١٠ كتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان، و كتاب الذبائح والصيد، باب اذا اكل الكلب، ح ٥٤٨٤ و مسلم فی ٣ / ٥٣١، الحديث رقم (١٩٢٩/٦) والترمذی فی السنن ٤ / ٥٦ الحديث رقم ١٤٧٠، والنسائی فی ٧ / ١٨٢، الحديث رقم ٤٢٦٩، والدارمی فی ٢ / ١٢٣، الحديث رقم ٢٠٠٢ وأحمد فی المسند ٤ / ٤٥٦

ترجمه: ''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اللہ کا نام لیا کرو (یعنی جب تم سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑنے کا ارادہ کرو تو اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا کرو) اور پھر اگر اس کتے نے تمہارے لئے شکار کو پکڑ لیا ہو اور تم نے اس کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کر لو (اگر اس کو قصداً ذبح نہیں کرو گے تو اس کا کھانا حرام ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مردار ہوگا) اور اگر تم اس شکار کو اس حالت میں پاؤ کہ کتے نے اس کو مار ڈالا ہے لیکن اس نے اس میں سے کچھ کھایا نہیں ہے تو اس (شکار) کو کھاؤ لیکن اگر اس کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہے تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ (اس صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ) کتے نے اس شکار کو اپنے لئے پکڑا ہوگا (جو اس بات کی علامت ہوگی کہ کتا سدھایا ہوا نہیں ہے جب کہ اس کتے کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے جو سدھایا ہوا ہو) اور اگر تم (شکار کے پاس اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پاؤ' اس حال میں کہ (ان دونوں میں سے کسی ایک کتے نے) اس شکار کو مار ڈالا ہو تو اس صورت میں بھی اس شکار کو مت کھاؤ کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس شکار کو ان دونوں کتوں میں سے کس نے مارا ہوگا (تو ہو سکتا ہے کہ وہ سدھایا ہوا نہ ہو یا اس کو چھوڑنے والے نے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ کہی ہو اور یا اس کو کسی ایسے شخص نے چھوڑا ہو جس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا جیسے مجوسی یا بت پرست وغیرہ) اور جب تم (کسی شکار پر) اپنا تیر چلاؤ تو (اس وقت) اللہ کا نام لیا کرو (یعنی بسم اللہ کہہ کر تیر چلاؤ اور) پھر اگر وہ شکار ایک دن تک تم سے اوجھل رہا (اور اس کے بعد تمہیں ملا) اگر تم چاہو تو اس کو کھا لو بشرطیکہ تم نے اس شکار پر اپنے تیر کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشان نہ پایا ہو اور اگر وہ شکار تمہیں پانی میں ڈوبا ہوا ملے (اور اس میں تمہارے تیر کا نشان بھی موجود ہو تو) تم اس کو نہ کھاؤ (کیونکہ ممکن ہے وہ تمہارے تیر سے نہ مرا ہو

بلکہ پانی میں ڈوب کر مرا ہو'' ۔ (بخاری و مسلم)

راویٔ حدیث:

عدی بن حاتم: عدی بن حاتم ''طائی'' ہیں ۔ شعبان ۷ھ میں آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۔ پھر کوفہ آئے اور وہاں ہی رہنے لگے ۔ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں ان کی آنکھ پھوٹ گئی تھی ۔ جنگ ''صفین'' اور ''نہروان'' میں بھی شریک ہوئے ۔ ۶۷ھ میں کوفہ کی سرزمین پر انتقال ہوا ۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی تھی ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ قرقیسیا میں انتقال کیا ۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے ۔

تشریح: ''حاتم'' میں حائے مہملہ اور تائے فوقانی مکسور ہے ۔

عرض مرتب:

بعض نسخوں میں ''قرفیسا'' ہے لیکن وہ غلط ہے ۔ اھ

''**فانّك لا تدری ايّهما قتله**'' ۔

مشکوٰۃ کے متن میں لفظ قتل بغیر ضمیر کے مذکور ہے ۔ جبکہ ملا علی قاریؒ نے اپنے متن میں **قتله** ذکر فرمایا ہے ۔

شمنیؒ فرماتے ہیں کتب ستہ میں عدی بن حاتم کی یہ حدیث منقول ہے:

''**قلت: يا رسول الله! انی أرسل كلبی فاجد معه كلباً آخر لا ادری ايهما اخذه، فقال: لا تأكل فانما سميت علی كلبك ولم تسم علی كلب آخر**'' ۔

دونوں احادیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل شرائط معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ مسلمان کے کلب معلم کے ساتھ، غیر معلم ۔

۲۔ کلب مجوسی (ہر وہ شخص داخل ہے جس کا ہاتھ ذبیحہ حلال نہ ہو) یا ایسا کلب شریک نہ ہوا ہو جس کو شکار کی نیت سے نہ چھوڑا گیا ہو ۔

۳۔ شکار کیلئے چھوڑا گیا ہو لیکن چھوڑتے وقت قصداً و عمداً بسم اللہ نہ پڑھی ہو ۔

وجہ استدلال: یہاں حرمت اور اباحت جمع ہیں اور جب حرمت اور اباحت جمع ہو جائیں تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے ۔

ہمارے احناف نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ ذابح ذبح کے وقت تسمیہ عمداً ترک نہ کرے ۔ چاہے وہ مسلم ہو یا کتابی ۔

وجہ دلالت:

حدیث میں حرمت کی علت ترک تسمیہ عمداً قرار دیا گیا ہے ۔ اگر نسیاناً تسمیہ متروک ہو جائے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ۔ کیونکہ ناسی مرفوع الحکم ہے ۔ چنانچہ حدیث: **رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استكرهوا عليه** ۔ (رواہ الطبرانی بسند صحیح عن ثوبان) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر نسیان کو بھی حرمت میں شامل کریں تو امت پر حرج لازم آتا ہے ۔ جبکہ

شریعت میں حرج مدفوع ہے۔

''فان امسك عليك'' في الاساس :امسك عليك زوجك ، وامسك عليه ماله حبسه''۔

مطلقاً کسی چیز کوروکنا پکڑنا، مال انسان سب کے پکڑنے اورروکنے کیلئے مستعمل ہے۔

امورِ نحویہ: ''اذا ارسلت کلبك'' کلب کی صفت ''المعلم'' یہاں محذوف ہے۔

''وان ادرکته'' ضمیر منصوب الصد کی طرف راجع ہے۔''اقد قتل'' قتل معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ضمیر مستتر فاعل ہے، الکلب کی طرف راجع اور مفعول محذوف ہے۔اصل میں ہے۔''قد قتَله'' ایک نسخہ میں یہ لفظ تینوں مواضع میں فعل مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

''فاذکر اسم الله علیه'' علیہ سے مراد ارسال ہے۔یعنی ضمیر ارسال کی طرف راجع ہے۔جو کہ مصدر سے سمجھ میں آرہا ہے۔

''فانك لا تدری ایهما قتله'' ایهما مبتداء ہے اور قتلہ خبر پھر پورا جملہ محلاً منصوب ہو کر لا تدری کا مفعول ہے۔

ابوالبقاء نے آیت مبارکہ: لا تدرون ایهم اقرب لکم نفعًا میں ایهم اقرب..... کو ''لا تدرون کا مفعول بتایا ہے اور لکھا یہ ہے کہ یہ جملہ لفظاً ملغنی عن العمل ہے۔

''فاذکر اسم الله''۔

کلب معلم کو جب شکار پر چھوڑا جائے تو اوّلاً بسم اللہ پڑھی جائے۔کیونکہ کلب معلم یہاں بمنزل تیر اور چھری کے ہے۔ جس طرح تیر اور چھری چلاتے وقت تسمیہ ضروری ہے اسی طرح کلب معلم کے ارسال کے وقت تسمیہ ضروری ہے وگرنہ شکار حلال نہیں ہوگا۔

''وقد قتل فلا تأکل'' یہاں اس شکار کے نہ کھانے کا حکم جزم کے ساتھ ہے۔یہی اکثر کا قول ہے۔ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔امام شافعیؒ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔اصح قول یہی ہے کہ کلب کو شکار پر باقاعدہ چھوڑنا ضروری ہے۔اگر اپنے مالک کے ہاتھ سے چھوٹ کر از خود بھاگ گیا اور حملہ آور ہو کر شکار کر لایا تو یہ شکار کسی کیلئے بھی حلال نہیں ہے۔(برجندی)

''فلم تجد فيه الا أثر سهمك فكل ان شئت''۔

یہاں مشیت کے ساتھ مقید اس لئے کیا کہ شبہ کی طرف اشارہ ہو جائے۔کیونکہ کافی دیر تک شکار نہ ملنے کی وجہ سے یہ احتمال پیدا ہو چکا ہے کہ ممکن ہے کسی اور سبب سے مرا ہو جو کہ ہمیں معلوم نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہمارے احناف فرماتے ہیں کہ جس جانور کو تیر مارا جائے اس کے حلال ہونے کیلئے جس طرح تسمیہ اور ذبح شرط ہے' اسی طرح اگر شکار کے جسم میں تیر پیوست ہوا اور وہ اسی حال میں بھاگ کھڑا ہو تو ضروری ہے کہ شکاری اس کو مسلسل تلاش کرے۔

چنانچہ اسی مسئلہ کے متعلق ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں ابن رزین سے نقل کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے جانور کے بارے میں پوچھا گیا جو تیر لگنے کے بعد بھاگ نکلے اور پھر مرا ملے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے

کھانے سے منع فرمایا اور علت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "لعل هوام الارض قتله" نیز امام عبدالرزاقؒ نے اپنی "مصنف" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "ان وجدته غريقًا فى الماء فلا تأكل" کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے مرا ہو نہ کہ آپ کا تیر لگنے سے۔

عرضِ مرتب:

فوائد حدیث: تعلیم الکلب کی شرائط۔ (۱) اذ أشلى استشلى۔ (۲) اذا زجرا نزجر۔ (۳) واذا اخذ الصيد امسك ولم يأكل"۔

جب یہ عمل کئی بار ہو جائے اور خوب یقین ہو جائے تب اس جانور کا کیا ہوا شکار حلال ہے۔

شکار کرتے وقت ترکِ تسمیہ میں ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال:

(۱) مطلقاً حلال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے یہ حضرات فرماتے ہیں حدیث میں تسمیہ (بسم اللہ) پڑھنے سے مراد دل میں پڑھنا ہے اور یہ دل میں خیال کرنا اس وقت واجب ہے۔ جب کلب معلم کو اصطیاد کی غرض سے چھوڑا جائے۔

(۲) متروک التسمیہ بالکل حلال نہیں۔ چاہے ترک تسمیہ عامداً ہو یا ناسیاً۔ یہ روایت منقول ہے امام محمد بن سیرینؒ اور شعبیؒ سے اور یہی قول امام ابوثورؒ اور امام داؤد کا بھی ہے اور قرآن وسنت کے (ظاہر کے) قریب ہے۔

(۳) اگر تسمیہ عمداً ترک کرے تو حرام ہے اگر ناسیاً ترک کرے تو حلال ہے۔ یہ قول سفیان ثوری، امام اسحاق اور ائمہ احناف کا ہے۔

۴۰۶۵: وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَا اَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَاِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَاِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ اِنَّا نَرْمِىْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَاخَزَقَ وَمَا اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَقَتَلَ فَاِنَّهٗ وَقِيْذٌ فَلَا تَاْكُلْ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخارى فى صحيحه ۹ / ۶۰۴، الحديث رقم ۵۴۷۷، و مسلم فى ۳ / ۱۵۲۹ كتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمه، الحديث رقم (۱ ـ ۱۹۲۹) و أبو داود فى السنن ۳ / ۲۶۸، الحديث رقم ۲۸۴۷، والنسائى فى ۷ / ۱۹۴ الحديث رقم ۴۲۰۵، وابن ماجه فى ۲ / ۱۰۷۲، الحديث رقم ۳۲۱۴ و أحمد فى المسند ۴ / ۳۸۰

ترجمہ: "اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم تربیت یافتہ (یعنی سدھائے ہوئے) کتوں کو (شکار کے پیچھے) چھوڑتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے (یعنی تمہارے کتے نے) تمہارے لئے جو شکار پکڑ کر رکھا ہے اس کو کھالو"۔ میں نے عرض کیا "اگر چہ وہ شکار کو مار ڈالیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! اگر چہ مار ڈالیں" پھر میں نے عرض کیا کہ "ہم (شکار پر) بغیر پر کا تیر چلاتے ہیں (اور اس کے ذریعے شکار کر لیتے ہیں تو

کیا وہ شکار کھانا درست ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شکار کو وہ تیر زخمی کر دے (یعنی اگر وہ تیر سیدھا جا کر نوک کی جانب سے شکار کو لگے اور وہ مر جائے) تو اس کو کھا لو اور اگر وہ تیر (نوک کی جانب سے نہیں بلکہ) عرض یعنی چوڑائی کی جانب سے جا کر اس شکار کو (اس طرح) لگے (کہ وہ شکار کو زخمی نہ کرے بلکہ زور اور قوت کے دباؤ سے اسے مجروح کرے) اور وہ مر جائے تو وہ وَقِیْذ ہے (یعنی وہ چوٹ لگنے سے مرا ہے اور ایسا جانور ظاہر ہے حرام ہے' چنانچہ) اس کو نہ کھاؤ''۔ (بخاری ومسلم)

اللغات: **المعلمة**: لام کے فتحہ اور تشدید کے ساتھ۔ مقصد پوچھنے کا یہ تھا کہ کلب معلم کا کیا ہوا کون سا شکار ہمارے لئے جائز ہے، اور کون سا حرام ہے؟

معراض: میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''قال: **كل ما امسكن عليك**'' یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں مطلقاً فرمایا ''**كل ما امسكن عليك**'' اس لئے کہ قرآن کریم نے بھی بغیر تفصیل اور قید کے ارشاد فرمایا ہے: **فكلو مما امسكن عليكم** [المائده: ٤]

چنانچہ امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ اگر کلب معلم شکار کر کے لائے اور شکار کو زخمی نہ بھی کیا ہو اس کا کھانا حلال ہے۔ مذکورہ بالا آیت سے استدلال بالکل واضح ہے۔

لیکن ظاہر مذہب میں ذبح اضطراری کے لیے جرح شرط ہے خواہ کسی بھی جگہ ہو۔

وجہ وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ دم مسفوح کا اخراج ہمارے ہاں ضروری ہے اور یہ عادۃً جرح (زخمی) کرنے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا نفس جرح کو ہمارے ہاں اخراج دم مسفوح کا قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسے ذبح اختیاری اور رمی بالسہم میں زخمی کرنے کو اخراج دم مسفوح کا قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔

اگر کلب معلم شکار کو مجروح نہ کرے تو یہ موقوذہ کے حکم میں ہوگا اور موقوذہ نصًا حرام ہے۔

خلاصۃ الآراء:

معراض ایسے تیر یا ڈنڈے کو کہا جاتا ہے جس میں منہ کی جانب پر نہ لگے ہوئے ہوں۔ چاہے نوکدار ہو یا نہ ہو۔ نوک دونوں جانب سے ہو یا ایک جانب سے۔ اس کا درمیانی حصہ موٹا ہو یا پتلا، سیدھا جاتا ہو یا ترچھا۔

قوله: كل ما خزق......:

خزق: خاء معجمہ زاء معجمہ اور قاف کے ساتھ ہے۔ آر پار ہونا، نیزہ مارنا

ہر وہ آلہ جو شکار کو زخمی کر کے مار ڈالے اور وہ لگا بھی اس جانب ہو جو دھاری دھار ہو اس کا کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ (دیگر لازمی) شرائط پوری ہوں۔

''**قتل**'' یہ فعل معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ ایک صحیح نسخہ میں **فقتله** ہے

وقیذ: ذال معجمہ کے ساتھ صفت مشبہ کا صیغہ ہے لیکن معنی میں اسم مفعول یعنی ''موقود'' کے ہے۔

وقیذ کی تعریف میں اقوال:

وقیذ اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کو غیر دھاری دار آلہ سے مار ڈالا گیا ہو۔ یا آلہ تو دھاری دار تھا لیکن جانب دھار سے ذبح نہ کیا گیا بلکہ الٹی جانب سے مار مار کے مار ڈالا گیا ہو۔ چاہے وہ آلہ پتھر ہو یا لکڑی ہو، عصا ہو یا کلہاڑی ہو اس کو کھانا حلال نہیں اگر زخمی کرنے بعد شرعی طریقہ سے باقاعدہ ذبح کر لیا تھا تو پھر اس کا کھانا جائز ہوگا۔

امور نحویہ: ''فلا تأكل '' یہ جملہ یا تو جواب شرط ہے، یا مبتداء کی خبر ہے اور مبتدا (بہر دو تقدیر) متضمن معنی شرط ہے۔ ''فانه وقیذ'' نہی کی علت ہے علت کو معلل پر مقدم کر دیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ یہ بھی ممکن ہے جملہ اسمیہ (فانه وقيذ) ہی شرط کی جزاء ہو اور فلا تأكل 'جملہ تفریعیہ' چنانچہ اس صورت میں اس کا مستدل آیت: الموقوذة والمترديه...... ہوگا۔

معراض اور بندقہ سے شکار کئے ہوئے جانور کے متعلق ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال:

فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ اگر معراض سے جانور کو مارا گیا اور وہ اس کی نوک لگنے سے زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

اور اگر ترچھا لگے اور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔

مکحول، امام اوزاعی اور دیگر فقہاء شام اس بات کے قائل ہیں کہ معراض اور بندقہ سے کیا ہوا شکار بغیر ذبح کے بھی حلال ہے۔

حضرت عدی بن حاتم سے روایت منقول ہے:

''قلت یا رسول اللّٰہ! انی ارمی بالمعراض الصید فاصید قال: اذا اصاب بحدہٖ فکل ، واذا اصاب بعرضه فقتل فلا تأکل فانه وقیذ'' کیونکہ ذبح کے تحقق کے لئے جرح ضروری ہے جبکہ معراض کی چوڑائی جرح میں کار آمد نہیں کیونکہ وہ زخمی نہیں کرتی بلکہ توڑ دیتی ہے اور یہی معاملہ بندقہ کا ہے کہ اگر شکار کو بندقہ ثقیلہ کے ذریعہ مارا جو دھار دار تھی تو اس شکار کو کھانا حرام ہے، چونکہ بندقہ جسم کو توڑتی ہے، زخمی نہیں کرتی۔ البتہ اگر شکار کو ایسی بندقہ خفیفہ کے ساتھ مارا جو معمولی دھار دار تھی تو اس شکار کو کھانا حرام نہیں، چونکہ اس صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ اس جانور کی موت زخم کے سبب واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر شکار کو چھری یا تلوار سے مارا گیا، اگر شکار کو دھار دار حصہ لگا تو شکار حلال ہے، وگرنہ حرام ہے۔ اگر شکار کو بھاری پتھر سے مارا تو شکار نہیں کھایا جائے گا، اگر چہ جانور زخمی بھی ہوا ہو۔ چونکہ احتمال ہے کہ وہ ثقل کی وجہ سے مرا ہو، اور اگر ہلکا پتھر تھا، دھار دار تھا اور اس کے ذریعہ جانور زخمی ہوا ہو تو یہ جانور حلال ہے، کیونکہ موت بسبب زخم یقینی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جو بھی آلہ زخم پیدا کرے اس کے حلال ہونے میں کلام نہیں اور جو ثقل اور دھکے سے مارے، یا اس میں شک ہو تو اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔

۴۰۶۶: وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ قَوْمٍ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَفَنَاْكُلُ فِیْ اٰنِیَتِهِمْ

وَبِاَرْضِ صَيْدٍ اَصِيْدُ بِقَوْسِيْ وَبِكَلْبِيْ الَّذِيْ لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ وَبِكَلْبِيَ الْمُعَلَّمِ فَمَا يَصْلُحُ لِيْ قَالَ اَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ اٰنِيَةِ اَهْلِ الْكِتٰبِ فَاِنْ وَجَدْتُّمْ غَيْرَهَا فَلَا تَاْكُلُوْا فِيْهَا وَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَكُلُوْا فِيْهَا وَمَا صِدْتَّ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ غَيْرَ مُعَلَّمٍ فَاَدْرَكْتَ ذَكَاتَهٗ فَكُلْ۔ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۰۴' کتاب الذبائح والصید' باب۳' الحدیث رقم ۵۴۷۸' و مسلم فی ۳ / ۱۵۳۲ کتاب الصید والذبائح' باب الصید بالکلاب الملعمه' الحدیث رقم (۸۔۱۹۳۰) وأبو داود فی السنن ۳ / ۲۷۴' الحدیث رقم ۲۸۵۵' والنسائی فی ۷ / ۱۸۱ الحدیث رقم ۴۲۶۶

ترجمه: "اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے نبی! ہم ایک ایسی قوم کے درمیان سکونت پذیر ہیں جو اہل کتاب ہے تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں اور ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شکار بہت ہیں میں اپنی کمان (یعنی تیر) اور غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار کرتا ہوں اور تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار کرتا ہوں تو میرے لئے کیا چیز درست ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو تم نے اہل کتاب کے برتنوں کے بارے میں پوچھی ہے تو (ان کے متعلق یہ حکم ہے کہ) اگر ان برتنوں کے علاوہ تم اور برتن پاؤ تو پھر ان برتنوں میں مت کھاؤ پیو اور اگر دوسرے برتن نہ پاؤ تو (پہلے) ان کو اچھی طرح دھولو اور پھر ان میں کھا پی لو۔ (رہی شکار کی بات تو) جس جانور کو تم نے اپنے تیر سے شکار کیا ہے اور (تیر چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا ہے اس کو کھا لو۔ اسی طرح جس جانور کو تم نے تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ شکار کیا ہے اور (اس کتے کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا ہے تو اس کو بھی کھا لو اور نیز وہ شکار جو تم نے غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ کیا ہے اگر اس کو ذبح کر لو تو اس کو بھی کھا لو"۔ (بخاری و مسلم)

اللغات: "الخشنی" خاء کے ضمہ اور شین کے فتحہ کے ساتھ۔

اختلاف نسخ: "یا نبی اللّٰه" ایک نسخہ میں "یا نبی اللہ" کی جگہ "یارسول اللہ" منقول ہے۔

امور نحویه: "اهل الكتاب" لفظ "قوم" سے بدل یا عطف بیان ہے۔

"أفنأكل فی انیتهم" ۔اس میں دو احتمال ہیں:

⌘ أفنأكل میں ہمزہ مقحمہ ہے۔ کیونکہ یہ جملہ استخبار کی غرض سے لایا گیا ہے اور فنأكل کے شروع میں فاء عاطفہ ہے۔ اُس کا عطف جملہ استفہامیہ سے ماقبل جملہ پر ہے۔ تقدیری عبارت یوں بنے گی۔ "انا نكون بارض قوم فنأكل"۔

⌘ دوسرا احتمال یہ ہے کہ فنأكل جواب استفہام ہے۔ اس صورت میں جملہ استفہامیہ کا معطوف مقدر ہوگا۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: "أتأذن لنا فنأكل فی آنيتهم"۔

"وبارض صيد" یہاں ارض کی اضافت صید کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ اصل عبارت: "بارض يوجد فيها الصيد" ہے یا "يصيد أهلها" ہے۔ أصيد بقوسی: یہ جملہ حالیہ ہے۔ ما صدت بكلبك غير معلم"

غیر مجرور ہے بدل ہونے کی وجہ سے ایک نسخہ میں غیر منصوب ہے۔ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے ایک اور نسخہ میں لفظ معلم نکرہ کی بجائے معرفہ (یعنی المعلم) منقول ہے۔

''اصید...... فما يصلح لی؟'' یہ عبارت دو سوالوں پر مشتمل ہے۔

قوله :قال :اما ما ذكرت ...... فلا تاكلوا منها......:

''وقال'' یہاں سے دونوں مسئلوں کا تفصیلی جواب ہے۔

''فلا تأكلو فيها''۔

۴۰۶۷ :وَعَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَاَدْرَكْتَهُ فَكُلْ مَا لَمْ يُنْتِنْ۔

تخریج : اخرجه مسلم فی صحيحه ۳ / ۱۵۳۲ ' كتاب الصيد والذبائح' باب اذ غاب عنه الصيد ثم وجده' الحديث رقم (۹ ـ ۱۴۳۱) وأبو داود فی السنن ۳ / ۲۷۸ الحديث رقم ۲۸۶۱' وأحمد فی المسند ۴ / ۱۹۴

ترجمہ:''اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم نے (اللہ کا نام لے کر کسی شکار پر) اپنا تیر چلایا اور پھر وہ (شکار تیر کھا کر) تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گیا (یعنی کسی ایسی جگہ گر کر مر گیا جو اس وقت تمہیں نہ مل سکے) اور پھر تم نے اس کو پالیا (اور تم نے اس اپنے تیر کا نشان دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہ تمہارے اس تیر کے لگنے سے مرا ہے) تم اس کو کھا سکتے ہو جب تک کہ وہ بدبودار نہ ہو جائے۔''۔(مسلم)

اللغات:۔''بسهمك'' ایک نسخہ میں بغیر حرف جر کے ہے اور منصوب ہے۔''اذا رميت بسهمٍ''۔لفظ ''رمی'' صلہ اور بغیر صلہ کے بھی متعدی ہوتا ہے۔ چنانچہ القاموس میں ہے:''رمی الشیٔ وبه''۔

بغیر حرف جر کے عبادت یوں ہوں گی: اذا رميت السهم على الصيد اور حرف جر کے ساتھ عبارت یوں ہوگی: اذا رميت الصيد بسهم ''الصاق اور علی دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔

''مالم ينتن'' یاء پر ضمہ اور فتحہ دونوں طرح جائز ہے اور تاء کسرہ کے ساتھ ہے۔

اور صحاح میں ہے: نتن الشیٔ ككرم فهو نتين كقريب ونتين كضرب، وانتن انتاناً'

قاموس اور صحاح دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مجرد اور مزید فیہ دونوں سے مستعمل ہے اور دونوں سے ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔ بمعنی بدبودار ہو جانا۔ چنانچہ مجرد میں عین پر ماضی و مضارع ہر دو میں ضمہ، فتحہ اور کسرہ تینوں جائز ہیں۔ یعنی کرم، ضرب اور سمع تینوں سے مستعمل ہے۔

بدبودار گوشت کے مسئلہ میں ائمہ کی رائے:

حنفیہ فرماتے ہیں ''مالم ينتن'' کا حکم بطریقہ استحباب ہے۔ وگرنہ گوشت میں بو کا پیدا ہو جانا اس کی حرمت کو لازم نہیں۔ چنانچہ ابن الملک لکھتے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا گوشت کھایا ہے جس میں بو پیدا ہو چکی تھی۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدبودار گوشت کھانے کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے نہ کہ نہی تحریمی پر۔ اور یہی حکم دوسرے

تمام کھانوں کا ہے، جن میں بدبو پیدا ہوگئی ہو۔الا یہ کہ اس کے کھانے سے کسی تکلیف یا نقصان کا اندیشہ ہو پھر درست نہیں ہوگا۔

شکار تین دن بعد مردہ حالت میں ملنے کا بیان

۴۰۶۸: وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الَّذِيْ يُدْرِكُ صَيْدَهٗ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَكُلْهُ مَا لَمْ يُنْتِنْ . (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحیحه ۳ / ۱۵۳۲ کتاب الذبائح، باب ۲، الحدیث رقم (۱۰ ـ ۱۹۳۱) والنسائی فی ۷ / ۱۹۴، الحدیث رقم ۴۴۰۴

ترجمہ: "اور حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکاری کے حق میں کہ جو اپنے شکار کو تین دن کے بعد پائے فرمایا اس کو کھالو جب تک کہ اس میں بدبو پیدا نہ ہو جائے"۔ (مسلم)

تشریح: فکله" اصل نسخہ میں اسی طرح ہے۔ایک نسخہ میں بغیر ضمیر کے فکل ہے۔یعنی ضمیر محذوف ہے۔

"فکله" امام طیبیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ جزا ہے شرط محذوف کی۔اصل عبارت یوں ہے۔"اذا ادرکته فکله، مالم ینتن"۔

نومسلموں کے ذبیحہ کا بیان

۴۰۶۹: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هُنَا اَقْوَامًا حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَاْتُوْنَنَا بِلُحْمَانٍ لَانَدْرِيْ اَيَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اَمْ لَا قَالَ اُذْكُرُوْا اَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوْا۔ (رواه البخاری)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۳۴، کتاب البیوع، باب من یرالوساوس ونحوها من الشبهات، ح ۵۰۰۷ وأبو داود فی السنن ۳ / ۲۵۴، الحدیث رقم ۲۸۲۹، والنسائی فی ۷ / ۲۳۷، الحدیث رقم ۴۴۳۶، وابن ماجه فی ۲ / ۱۰۵۹، الحدیث رقم ۳۱۷۴، و مالك فی المؤطا ۲ / ۴۸۸، الحدیث رقم ۱، من کتاب الذبائح۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے شرک کا زمانہ بہت قریب کا ہے (یعنی وہ نومسلم جنہوں نے اسلام کے احکام اور دینی مسائل پوری طرح ابھی تک نہیں سیکھے) وہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ آیا انہوں نے اس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں (تو کیا ان کا لایا ہوا گوشت ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم اللہ کا نام لے لیا کرو اور اس کو کھالیا کرو"۔ (بخاری)

اللُّغَاتُ: "اَقوامًا" جمع ہے قوم کی (بڑی جماعت) اس سے عموم بلوی کی طرف اشارہ ہے جو فتوی پوچھنے کا باعث بنا۔

(حدیث) تنوین کے ساتھ بمعنی جدید "نیا"۔

بلحمان: لام کے ضمہ کے ساتھ، **لحم** کی جمع ہے۔

اختلافِ نسخ:

عهدهم یہاں رفع کے ساتھ منقول ہے۔جبکہ ایک نسخے میں مجرور منقول ہے۔(مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔)

قوله :قال:"اذكروا اسم اللّٰه"

مشکوٰۃ کے متن میں اذاکروا اسم اللّٰه انتم ہے جبکہ ملاعلی قاریؒ کے زیر نظر مشکوٰۃ کے نسخہ میں اذكروا اسم اللّٰه والی عبارت ہے۔اس لئے انہوں نے اس کو اصل اور اذكروا انتم اسم اللّٰه کو فی بعض الفسخ سے تعبیر فرمایا ہے۔

امور نحويه :عهدهم: حدیث کی ترکیب کے متعلق امام طیبیؒ نے دو احتمال ذکر فرمائے ہیں:

① حدیث عہد یہ جملہ اسمیہ ہے عہدہم مبتدا مؤخر ہے اور حدیث خبر مقدم ہے اور پھر یہ پورا جملہ لفظ اقواما کی صفت ہے۔

② حدیث یہ "انّ" کی خبر ثانی ہے،اور عهدهم يه حديث کا فاعل ہے۔

"بشركٍ" یہ حدیث کے ساتھ متعلق ہے۔

قالوا سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ کا پوچھنا مراد ہے۔ان هنا سے مدینہ منورہ یا کسی دوسری جگہ کی طرف اشارہ ہے۔

لاندری کا مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت ہمارے ہاں آتا ہے بعض کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان پر ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا کہ نہیں۔

قال اذكروا انتم اسم اللّٰه": اس کے مطلب کے متعلق ابن ملک فرماتے ہیں:

اذكروا اسم اللّٰه" کا یہ مطلب نہیں کہ بسم اللہ پڑھ کر اس گوشت کو کھالو تو اس وقت تمہارا یہ بسم اللہ پڑھنا ذبح کرنے والے کے بسم اللہ پڑھنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ بلکہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔باقی جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جو گوشت تمہارے پاس لایا گیا ہے اس کے بارے میں تم یہ نہیں جانتے کہ آیا وہ اس ذبیحہ کا ہے جو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہے یا بسم اللہ پڑھے بغیر ذبح کر دیا گیا ہے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس گوشت کو کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کو ذبح کرنے والا ان میں سے ہو جن کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا شرعاً جائز ہے۔کوئی مسلمان تمہیں گوشت دے جائے تو تم یہی حسن ظن رکھو کہ وہ بہر حال مسلمان ہے۔اس نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ضرور لیا ہوگا۔(انتهٰی)۔

فائدہ: صاحب شرح السنہ لکھتے ہیں:

جو لوگ تسمیہ کو شرط نہیں مانتے ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر تسمیہ اباحت کیلئے شرط ہوتی تو شک کی صورت میں اس کا کھانا حلال نہ ہوتا۔جبکہ یہاں اس کی حلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔لہٰذا اصل ذبح کے وقت بھی اگر شک ہو تب بھی اس کا کھانا حلال ہوگا۔

جو حضرات عند الذبح تسمیہ کو شرط قرار دیتے ہیں انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت:﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ......﴾ [الانعام: ١٢١] "اور جس چیز پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔اور اگر تم لوگ ان کے کہے پر چلے تو

بیشک تم بھی مشرک ہوئے۔'' سے استدلال کیا ہے کہ اس سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عندالذبح بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔
بعض حضرات نے اس آیت میں تاویل کی ہے کہ اس آیت میں اس ذبیحہ کی حرمت بیان کی گئی ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح ہو۔ کیونکہ آیت میں ہے: **وانه لفسق**۔ اس کی تفصیل سورہ انعام کے آخر میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **قل لا آجد فيما اوحى الى محرمًا ...... فسقا اهل لغير الله به**۔ کہ فسق کا بیان **اهل لغير الله به** سے فرمایا گیا ہے۔
صاحب مدارک فرماتے ہیں قرآن کریم کی یہ آیت متروک تسمیہ کو حرام قرار دیتی ہے۔ البتہ نسیان کی حالت حدیث مشہور کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ **ناسی تقديرًا** ذاکر کے حکم میں ہے۔
فائدہ: دیندار شخص کو تو متروک التسمیہ بالکل نہیں کھانا چاہیے کیونکہ آیت: **وان اطعتموهم انكم لمشركون** میں اس کے متعلق سخت وعید آئی ہے۔ اگرچہ یہ آیت میتۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن حکم میں اصل اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، نہ خصوص سبب کا۔ بعض لوگوں نے آیت: **والا تأكلو لما لم يذكر اسم الله......** میں یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت میں غیر اللہ کے نام پر کیا ہو ذبیحہ مراد ہے اور آیت کے اول حصہ سے میتۃ مراد ہے۔ انہوں نے ظاہر النص سے انحراف کیا ہے جس کو ہم قابل التفات نہیں سمجھتے۔ (شرح السنہ)
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اگر میتۃ والی آیت میں علت دیکھی جائے تو اس کی حرمت کی علت بھی عندالذبح تسمیہ کا نہ پایا جانا ملتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے مجوسی کا ذبیحہ حرام قرار دیا اور ذمی کا ذبیحہ حلال کیونکہ ذمی ان لوگوں میں سے ہے جو ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ رہی بات تسمیہ قلبیہ کی تو تسمیہ قلبیہ شرعًا غیر معتبر ہے، کیونکہ جو بھی ذکر وجوبًا یا ندبًا مشروع ہے اس کو بغیر تلفظ کے ذکر شمار نہیں کیا جاتا۔
احادیث باب سے بوقت ارسال کلب اور عندالرمی بھی تسمیہ کا شرط ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ارسال قائم مقام ذبح کے ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا لعنتی ہے

۴۰۷۰: وَعَنْ اَبِیْ الطُّفَیْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِیٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَیْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَیْءٍ لَمْ یَعُمَّ بِهِ النَّاسَ اِلاَّ مَا فِیْ قِرَابِ سَیْفِیْ هٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِیْفَةً فِیْهَا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ (وَفِیْ رِوَایَةٍ) مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهٗ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا۔ (رواہ مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحيحه ٣ / ١٥٦٧، كتاب الاضاحى، باب تحريم الذبائح لغير الله تعالى ولعن فاعله، الحديث رقم (٤٥ ـ ١٩٧٨) والنسائى فى السنن ٧ / ٢٣٢، الحديث رقم ٤٤٢٢

ترجمہ: ''اور حضرت ابو طفیل کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (اہل بیت) کو کسی چیز کے ذریعہ خصوصیت و امتیاز عطا کیا ہے؟ یعنی کیا یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کو جو اہل بیت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں کچھ ایسے احکام دیئے ہیں جو اور دوسرے لوگوں کو نہیں دیئے؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''(نہیں!) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کوئی ایسی چیز مخصوص نہیں کی ہے جو اور دوسروں کے لئے عام نہ کی گئی ہو' علاوہ اس چیز کے جو میری تلوار کی نیام میں (چند احکام کے مجموعہ کی صورت میں) موجود ہے (لیکن ان احکام کے بارے میں بھی' میں یہ نہیں جانتا کہ وہ احکام آیا محض ہم اہل بیت کے لئے خاص ہیں یا ان کا تعلق عمومی طور پر پوری امت سے ہے)'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (اپنی تلوار کی نیام میں سے) ایک کاغذ نکالا جن میں یہ احکام درج تھے کہ ''اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو غیر اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کرے' اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو زمین کا نشان چوری کرے'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو زمین کے نشان میں تبدیلی واقع کرے۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اس شخص پر لعنت ہو جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے''۔ (مسلم)

قوله :سئل علی هل...... فاخرج صحيفة:

قراب : قاف کی کسرہ کے ساتھ۔

تشریح: میان کو قراب کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے پاس کچھ لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ جو کہ میری تلوار کی میان میں پڑی ہوئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ بھی ان عام چیزوں میں سے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو بتائی ہیں۔ شاید یہ ذوالفقار تلوار تھی جو آپؐ نے انہیں ہدیہ فرمائی تھی۔

''منار'' میم کے فتحہ کے ساتھ ''منارہ'' کی جمع ہے۔

منارہ کی تعریف: ⟨۱⟩ **ھی علامة الأراضی التی یتمیزبھا حدودھا**''۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ لکھتے ہیں: ''**المنار العلم والحد بین الارض**۔'' مراد وہ علامتی پتھر وغیرہ ہے جو زمین کی حدود پر نصب ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ ایک دوسرے کی زمین کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے۔

ولعن اللہ من آوی ''متعدی بنفسہ ہے اس کو صلہ کے ذریعہ متعدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (تورپشتی)

بعض حضرات مد کو اصل قرار دیتے ہیں اور قصر کا انکار کرتے ہیں۔ زین العربؒ نے بھی قصر والی لغت اختیار کی ہے اور ازہری نے اس کو لغت فصیحہ قرار دیا ہے۔

''**محدثًا**'' دال کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

بدعتی اس شخص کو کہتے ہیں جو دین میں کوئی ایسی بات پیدا کرے جس کی کچھ اصل موجود نہ ہو اور وہ بات شریعت کے خلاف اور سنت میں تبدیلی پیدا کرنے والی ہو۔

ایسے شخص کو ٹھکانا دینا اس کی عزت کرنا، اس کی مدد وحمایت کرنا شریعت کی نظر میں قابل مواخذہ ہے۔

''**من سرق منار الارض**''۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نشان کو چرانے یا اس میں تغیر وتبدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص زور وزبردستی کے ساتھ اپنے ہمسایہ کی زمین دبا لینا چاہتا ہو۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں: پڑوسی کے حق کو جبراً اپنے لئے مباح کرنے کی کوشش کرنا

مراد ہے۔

قولہ "لعن اللّٰہ من لعن والدہ"

کوئی اپنے باپ پر خود صریحاً لعنت کرے، یا کسی دوسرے شخص کے باپ پر لعنت کرے اور وہ شخص انتقاماً اس کے باپ پر لعنت کرے۔ اس دوسری صورت میں اس نے اگرچہ اپنے باپ پر خود صراحۃً لعنت نہیں کی ہے مگر اس لعنت کا سبب چونکہ وہی بنا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا۔ کہ گویا اس نے اپنے باپ پر لعنت کی۔ قرآن کریم نے بھی ان اسباب کو پیدا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ...... ﴾ [الانعام: ۱۰۸:۵] "اور جن لوگوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُنکی نظروں میں) اچھے کردکھائے ہیں۔ پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے" سبب سے اس لئے منع فرمایا تا کہ مسبّب پیدا نہ ہو۔"

تخریج: مؤطا احمد اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

امور نحویہ: "الا ما فی قراب سیفی" یہ مستثنیٰ متصل اور منقطع دونوں بن سکتا ہے۔ اگر متصل مانے تو اس بات کا مدار حضرت علیؓ کے ظن پر ہوگا۔ اگر منقطع مانے تو حضرت علیؓ کی یہ مراد ہے۔ کہ مجھے اس کا علم نہیں' یہ ہم اہل بیت کے ساتھ مخصوص ہے یا دیگر لوگوں کو بھی آنحضرت ﷺ نے بتائی ہے۔

۞ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ استثناء بطور مبالغہ کیا ہو۔ جیسا شاعر کے اس قول میں ہے۔

"ولا عیب فیهم غیران سیوفهم"۔

۞ امام طیبیؒ فرماتے ہیں۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس حدیث کے تحت دوبارہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

ذبح کے کچھ احکامات

۴۰۷۱: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَاقُوا الْعَدُوِّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكَ عَنْهُ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَاَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشِ وَاَصَبْنَا نَهْبَ اِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْاِبِلِ اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَاِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوْا بِهٖ هٰكَذَا۔ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۳۸، کتاب الشرکه، باب ۳ قسمة الغنم، الحدیث رقم (۲۴۸۸ ۵۵۰۹) و مسلم فی ۳ / ۱۵۵۸، الحدیث رقم (۲۰ ـ ۱۹۶۸) وأبو داود فی السنن ۳ / ۲۴۷، الحدیث رقم ۲۸۲۱ والترمذی فی ٤ / ٦٩ الحدیث رقم ۱٤۹۲، والنسائی فی ۷ / ۱۹۱، الحدیث رقم ٤۲۹۷، وابن ماجه فی ۲ / ۱۰٦۲، الحدیث رقم ۳۱۸۳، والدارمی فی ۲ / ۱۱٤، الحدیث رقم ۱۹۷۷، وأحمد فی المسند ۳ / ٤٦۳

ترجمہ: ''اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کل دشمن (یعنی کفار) سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس چھریاں موجود نہیں ہیں (یعنی ہوسکتا ہے کہ جنگی ہنگاموں کی وجہ سے ہمارے پاس چھریاں موجود نہ رہیں اور ہمیں جانوروں کو ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس صورت میں) کیا ہم سرکنڈے (کھپچی) سے ذبح کرسکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو (یعنی اس جانور کو کھانا جائز ہے جو کسی بھی ایسی چیز سے ذبح کیا گیا ہو جس سے خون بہہ جائے خواہ وہ لوہا ہو یا کوئی اور چیز) مگر دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنا درست نہیں ہے اور میں تمہیں ان (دونوں) کے بارے میں بتاتا ہوں (کہ ان کے ذریعہ ذبح کرنا کیوں درست نہیں ہے) تو (سنو کہ) دانت تو ہڈی ہے اور جہاں تک ناخن کا تعلق ہے تو وہ حبشیوں کی چھریاں ہے۔ (حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دشمن کے) کچھ اونٹ اور بکریاں لوٹ میں ہمارے ہاتھ آئیں، ان میں سے ایک اونٹ (بدک کر) بھاگ نکلا، لیکن (ہم میں سے) ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک دیا (یعنی وہ اونٹ تیر کھا کر زمین پر گر گیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ دیکھ کر) فرمایا: ''ان اونٹوں میں بعض اونٹ بھی اس طرح انسانوں سے بھاگنے والے ہوتے ہیں جس طرح جنگلی جانور، انسانوں سے بھڑکتے ہیں، لہٰذا اگر ان اونٹوں میں سے کوئی اونٹ بے قابو ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قولہ: **یا رسول الله انا لاقوا العدو...... افنذبح بالقصب:**

لاقوا قاف کے ضمہ کے ساتھ لقی یلقی از باب سمع اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ نون کو اضافت کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

''**ولیست معنا**'' ایک روایت میں بجائے ''معنا'' کے ''لنا'' کا لفظ ہے۔ ''**وذکر اسم اللّٰہ**'' چنانچہ ایک نسخہ اور ایک روایت میں علیہ کا لفظ موجود ہے۔

''**ولیست معنا مدی**'' یہ جملہ حالیہ ہے۔

''**مدی**'' میم کے ضمہ اور قصر کے ساتھ۔ مدیۃ کی جمع ہے۔ (چھری)۔

القصب: قاف اور صاد دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہڈی کے معنی میں استعمال ہو تو اس سے ہر چوڑی ہڈی مراد ہوتی ہے۔

القاموس میں ہے: **القصب محرکۃ کل نیاب ذی انابیب**''۔ مقصود دھاری دار چیز ہے، چاہے وہ ہڈی ہو یا پتھر۔

انهر: اس کے معنی خون بہانے کے ہیں اور ''صب'' کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کثرت سے کوئی چیز بہائی جائے۔ یہاں خون کو پانی کے بہاؤ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ **والظفر** ظاء اور فاء دونوں کے ضمہ کے ساتھ اس آیت: **وحرمنا علیهم کل ذی ظفر**۔ میں لفظ ''ظفر'' کے ظاء اور فاء کے ضمہ کی قرأت پر تمام قراء کا اجماع ہے۔ ظاء کے کسرہ اور فاء کے سکون کے ساتھ پڑھنا شاذ ہے۔ (قاموس)

الحبش حاء مہملہ کے ضمہ اور یاء کے سکون کے ساتھ۔ اکثر نسخوں میں اس طرح منقول ہے۔ البتہ ایک نسخہ میں حاء اور باء دونوں کے فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ یہ ایک سوڈانی وحشی قوم کا نام ہے اس کی جمع ''حبشان'' اور ''احابش'' آتی ہے۔ قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔ یا با قبیلہ کے جد طرف نسبت ہے۔

اوابد: آبدۃ کی جمع ہے۔

''ما انهر الدم وذكر اسم الله فكل'' امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ما شرطیہ وموصولہ دونوں ہوسکتا ہے۔اگر شرطیہ بنائیں تو ''فكلى'' اس کی جزاء بنے گی۔اگر مبتداء بنائیں تو ''فكل'' خبر ہوگی۔

الام کا ''ال'' مضاف الیہ کے بدلے میں ہے۔اصل عبارت یوں ہے۔''دم صيد'' جبکہ ''ذكر اسم الله'' لفظ ''دم'' سے حال ہے۔(طیبی)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں بظاہر مضاف الیہ ''صید'' سے اعم ہے کیونکہ وہ ہر ذبیحہ کو شامل ہے۔مصاف الیہ مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔چنانچہ صحابہ کرام کا کردہ سوال افنذبح ؟ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔وذکر ''اسم الله'' کا عطف ما انهر الدم پر ہے۔چاہے ''ما'' شرطیہ ہو یا موصولہ، یہاں حکم پورے مرکب پر مرتب ہے۔

ليس السن والظفر: یہاں لیس ''الا'' کے معنی میں ہے۔ای ا لا السن والظفر''

کتاب الفائق میں لکھا کہ ''لیس'' بطور کلمہ استثناء استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ کہتے ہیں: ''جاء القوم ليس زيدًا'' یہ الا زیدًا کے معنی میں ہے۔نحویوں کے ہاں اس کی تقدیری عبارت ''ليس بعضهم زيدًا'' ہے یا ''لا يكون بعضهم زيدًا'' بہرحال استثناء کے معنی موجود ہیں۔

''وسأ حدثك عنه'' یہاں سین محض تاکید کیلئے ہے۔مطلب یہ ہے۔مستثنیات کی تفصیل اور استثناء کا سبب ابھی بتا دیتے ہیں، اگرچہ ان دونوں کا حکم استثناء کے ذیل میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔

قوله :وأصبنا لهب ابل وغنم ......:

''ان لهٰذا الابل اوابد'' اسم اشارہ اور لام کے متعلق مشہور ائمہ کی دو آراء ہیں:

⌘ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسم اشارہ سے جنس ابل کی طرف اشارہ ہے اور لام ''من'' تبعیضہ کے معنی میں ہے۔

⌘ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لام کو اپنے ہی معنی پر محمول کیا جانا چاہیے، تبعیضیت خود اسم انّ سے مستفاد ہے۔کیونکہ وہ نکرہ ہے۔ جس طرح آیت مبارکہ: سبحان الذى اسرىٰ بعبده ليلاً میں لیلاً نکرہ ہے، اور اس سے ''بعضُ الليل'' مراد ہے۔

ملا علی قاریؒ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔یہاں امام طیبیؒ سے تسامح ہوا ہے۔چونکہ انہوں نے اسم وخبر کے ایک دوسرے پر حمل کی صحت وعدم صحت پر غور نہیں کیا۔

⌘ قاضی عیاضؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: یہاں اصل میں دو مقدمے تھے جن میں سے دوسرے مقدمے کو حذف کر دیا گیا ہے۔کیونکہ صحابہ کرام کے ہاں اس مسئلہ کی تحقیق اور وضاحت پہلے سے موجود تھی کہ کسی بھی ہڈی سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''الا لسن'' فرما کر اشارہ فرمایا۔اھ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بات ماننے کی کوئی ضرورت نہیں کہ صحابہ کرام کے تئیں یہ مسئلہ بالکل واضح تھا۔ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علت ہی سے استدلال کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دانت کا استثناء فرمایا ہے اور دانت ہڈی

ہے۔لہٰذا ہر ہڈی کا یہی حکم ہوگا۔

⌘ شیخ ابن صلاح اور شیخ عبدالسلام فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت زیادہ تحقیق وتفتیش اور غور وفکر کے باوجود میں یہ جاننے میں ناکام رہا ہوں کہ ہڈی کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت کی کیا معقول وجہ ہے؟ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو اس میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ دانت سے ذبح کرنا اس لئے درست نہیں کہ وہ ہڈی ہے اس کے علاوہ اور کسی ظاہری علت وسبب کی طرف اشارہ نہیں۔

⌘ امام نوویؒ اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وجہ یہ ہے کہ اگر ہڈی سے ذبح کیا جائے گا۔تو وہ ہڈی ذبیحہ کے خون سے نجس ہو جائے گی اور ہڈی کو ناپاک کرنے کی ممانعت منقول ہے۔کیونکہ ہڈی کو جنات کی خوراک بتایا گیا ہے۔

ہڈی سے ذبح کرنے کے متعلق ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب ودلیل:

دانت اور ہڈی سے ذبح کرنے کے متعلق ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

⌘ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: کسی بھی ہڈی سے جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں اور دلیل یہ جملہ ہے: **الا السن و الظفر ۔**

⌘ امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال حضرات فرماتے ہیں: ہڈی سے ذبح کرنا مطلقاً جائز نہیں، چاہے وہ دانت ہو یا اور کوئی ہڈی متصل ہو یا منفصل۔

اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت نے دانت کی نفی استثناء فرمائی ہے۔اس لئے کہ یہ ہڈی ہے۔لہٰذا اس سے خود بخود معلوم ہوا کہ مطلقاً ہڈی سے ذبح کرنا جائز نہیں، اور نہ وہ گوشت کھانا حلال ہے۔

⌘ امام مالکؒ سے دو روایتیں منقول ہیں۔مشہور روایت یہ ہے کہ دانت سے ذبح کرنا جائز نہیں، متصل ہو یا منفصل۔دانت کے علاوہ دیگر کسی ہڈی سے ذبح کریں تو جائز ہے۔

⌘ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ان دانتوں اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنا جائز نہیں جو متصل ہوں۔ہاں جو دانت اور ناخن اپنی جگہ سے اکھڑ کر الگ ہو چکے ہوں ان کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے لیکن یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے۔(وجہ کرامت آگے آرہی ہے) تاہم اس ذبیحہ کا گوشت کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ہماری دلیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔(ملاحظہ فرمایئے اگلی حدیث باب)

ہم اس حدیث کی وجہ سے یہ کہتے ہیں جب پتھر آلہ ذبح بن سکتا ہے تو جو ناخن اور دانت منفصل ہوں تو ان سے بھی جراحت ثابت ہو جائے تو وہ ذبح بھی درست ہونا چاہیے۔لیکن ہم کراہت اس لئے بتلاتے ہیں کہ اس میں جانور کیلئے ضرر ہے کیونکہ ناخن وغیرہ میں وہ تیزی نہیں ہوتی جو چھری پتھر وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔رہی بات غیر منزوع (اکھڑے ہوئے) دانت اور ناخن کی تو ان سے ذبح کرنے کو ہم اس لئے ممنوع قرار دیتے ہیں کہ یہ گلہ گھونٹنے کے مترادف ہے، اس کو کوئی ذبح نہیں کہتا۔

حضرت رافع اس حدیث کا تعلق بغیر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے والے مسئلہ کے ساتھ ہے۔اس طرح دونوں روایتوں میں موافقت ہو جائے گی۔نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کی مشابہت سے منع فرمایا اور حبشیوں کا یہی طریقہ تھا کہ وہ پالتو اور غیر پالتو ہر طرح کے جانور کو منہ کے دانتوں سے کاٹ کر اور ناخنوں سے نوچ کر مار ڈالتے تھے۔وہ اپنے

دانت تیز رکھتے تھے اور ناخن تراشتے نہ تھے۔امام طیبی فرماتے ہیں اگر ناخن سے ذبح کرنا بوجہ تشبہ بالکفار حرام ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ چھری کے ساتھ ذبح کرنا بھی حرام ہونا چاہئے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ چھری سے ذبح کرنا اصل ہے اس کے ملحقات و متفرعات میں تشبہ کا اعتبار کیا گیا ہے، چونکہ یہ ضعیف ہیں۔اھ واضح رہے کہ وہ تشبہ ممنوع ہے جو ان کا شعار ہو، اور ان کے ساتھ مخصوص بھی ہو۔لہٰذا مذکورہ بالا اعتراض اصلاً ساقط ہے۔

عرض مرتب:

ذہن نشین رہے کہ تشبہ اور مشابہت میں فرق ہے۔تشبہ اسے کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد اور اختیار سے آدمی دوسری ملت والے کے مشابہہ بننے کی کوشش رے تا کہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ تو ناجائز اور حرام ہے اور دوسری چیز ہے مشابہت۔وہ یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد اور ارادہ تو نہیں تھا، لیکن بلا قصد ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی۔یہ ''مشابہت'' حرام تو نہیں ہے۔البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔اس لئے حتی الامکان مشابہت سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔(تقریر ترمذی۔ج۔۲:ص ۳۳۱ ملخصاً)

''**فاذا غلب عليكم......هكذا**''۔اگر گھر کا پالتو کوئی جانور جیسے اونٹ' گائے اور بکری وغیرہ بھاگ کھڑا ہو تو وہ ذبح کے معاملہ میں وحشی جانور کے شکار کی مانند ہوگا کہ جس طرح وحشی جانور پر بسم اللہ پڑھ کر مثلاً تیر چلایا جائے تو وہ تیر اس جانور کے جسم کے جس حصہ پر بھی لگ کر اس کو ختم کر دے گا وہ ذبیحہ کے حکم میں ہو جائے گا' اسی طرح اس بھاگنے والے پالتو جانور کا سارا جسم اور اس کے سارے اعضاء بھی ''ذبح کی جگہ'' ہوں گے۔چنانچہ بسم اللہ پڑھ کر اس پر چلایا جانے والا تیر اس کے جسم کے جس حصے میں لگ کر اس کو ختم کر دے گا اس کا گوشت حلال ہوگا اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اونٹ وغیرہ کنوئیں یا اس طرح کے کسی اور گڑھے وغیرہ میں گر پڑیں! یہاں خاص طور پر صرف اونٹ کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ اس میں توحش بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس میں مزید دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: **لو طعنت في فخذها لاجزأ عنك** ۔

اس حدیث میں ان ہی جانوروں کا حکم بیان ہوا ہے جن پر انسان کو ذبح اختیاری کی قدرت حاصل نہ ہو۔

اگر کوئی وحشی جانور انسان سے مانوس ہو جائے تو اس کو اس طرح ذبح کیا جائے جس طرح پالتو جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔یعنی ''آلہ ذبح'' سے ذبح کرنا ضروری ہے۔

پتھر کے ذریعہ ذبح کئے گئے جانور کا بیان

۴۰۷۲: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ لَهُ غَنَمٌ تَرْعٰى بِسَلْعٍ فَأَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا۔ (رواه البخاری)

تخريج : اخرجه البخاری فی صحيحه ٤ / ٤٨٢ كتاب الوكالة' باب اذا ابصر الراعی او الوكيل شاة تموت' الحديث رقم ٢٣٠٤ وابن ماجه فی ٢ / ١٠٦٢' الحديث رقم ٣١٨٢

ترجمہ:''اور حضرت کعب بن مالک (انصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان (کعبؓ) کے پاس بکریوں کا ایک

ریوڑ تھا جو مدینہ کی ایک پہاڑی سلع پر چرا کرتا تھا۔(ایک دن) ہماری ایک لونڈی نے ہماری بکریوں میں سے ایک بکری کو مرنے کے قریب دیکھا تو اس نے ایک پتھر کا ٹکڑا توڑا اور اس ٹکڑے کے ذریعہ اس بکری کو ذبح کر دیا۔ پھر (کعبؓ نے) نبی کریم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا (اس صورت میں اس بکری کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟) انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کو اس (بکری کا گوشت) کھانے کا حکم فرمایا''۔ (بخاری)

تشریح: قولہ :انه كانت له غنم......:

''انه كان'' مشکوۃ کے موجود متن میں کانت ہے ملا علی قاریؒ کے زیر نظر مشکوۃ کے نسخہ میں شاید کان کے الفاظ تھے۔ اس لئے وہ فرماتے ہیں ایک نسخہ میں بجائے کان کے کانت ہے۔

اللغات: ''ترعى ''فعل مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔''سلع ''سین کے فتحہ لام کے سکون اور عین مہملہ کے ساتھ) مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ کچھ کا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک گھاٹی کا نام ہے۔

موتاً کا مضاف محذوف ہے۔ ای اثر موت۔

''غنم'' بکریوں کا ریوڑ۔

جارية سے لڑکی مراد ہے یا لونڈی مراد ہے۔

ہر معاملہ میں ''احسان'' لازم ہے

۴۰۷۳: وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحیحه ۳ / ۱۵۴۸ کتاب الصید والذبائح' باب الامر باحسان الذبح والقتل' الحدیث رقم (۵۷ ـ ۱۹۵۵) وأبو داود فی السنن ۳ / ۲٤٤ الحدیث رقم ۲۸۱۵' والترمذی فی ٤ / ١٦' الحدیث رقم ۱٤۰۹' والنسائی فی ۷ / ۲۲۹' الحدیث رقم ٤٤۱۲' وابن ماجه فی ۲ / ۱۱۵۰۸ الحدیث رقم ۳۱۷۰' والدارمی فی ۲ / ۱۱۲ الحدیث رقم ۱۹۷۰' وأحمد فی المسند ٤ / ۱۲۳

ترجمہ: ''اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو حسن وخوبی اور نرمی کے ساتھ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ سزاءً کسی کو قتل کرنے یا جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی مہربانی ونرم دلی اور خوبی ونرمی کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے) جب تم (کسی شخص کو قصاص یا حد کے طور پر) قتل کرو تو اس کو نرمی وخوبی کے ساتھ قتل کرو (تاکہ اس کو ایذاء نہ ہو مثلاً تیز تلوار استعمال کرو اور قتل کرنے میں جلدی کرو) اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو خوبی ونرمی کے ساتھ ذبح کرو لہٰذا تم میں سے ہر شخص اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ (یعنی ذبح کئے جانے

والا جانور) کو آرام پہنچائے''۔(مسلم)

تشریح: ''کتب الاحسان علٰی کل شئ'' یہاں ''علی'' یا تو الی کے معنی میں ہے۔ای کتب الی کل شیء یا ''فی'' کے معنی میں ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کے معاملہ میں احسان (خوبی ونرمی) کا حکم فرمایا ہے۔چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، انسان ہو یا حیوان۔چنانچہ اس آیت مبارکہ میں بھی ''علی'' اسی معنیٰ میں ہے: ودخل المدینة علی حین غفلة۔

[القصص: ۱۵]

امام شمنیؒ فرماتے ہیں۔یہاں ''علی'' بمعنی ''لام'' ہے۔یہ یا تو ''احسان'' کے متعلق ہے۔یا ''کتب'' کے انسانوں کو یہاں ایک اور لفظ ''علی'' کو محذوف ماننا ضروری ہے جو استعلاء مجازی کے معنی میں ہو اور وہ کتب کے متعلق ہوگا۔

تقدیری عبارت یوں ہوگی۔''کتب علی الناس الا حسان لکل شئ''، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہر چیز کے ساتھ نرمی کا حکم فرمایا ہے۔

''ان اللّٰہ تبارك وتعالٰی کتب الاحسان علی کل شئ''

اس عبارت سے ان کا مقصود عموم بیان کرنا ہے کہ احسان والا معاملہ صرف انسان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ کی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ہر ایک کے ساتھ احسان والا معاملہ ہونا چاہیے وہ انسان ہو یا حیوان زندہ ہو یا مردہ۔اس سے خود آنحضرت ﷺ کا رحمت اللعالمین ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا ہے آپ ﷺ کی بات کو بھی آپ کی متابعت کرتے ہوئے اس میں سے حظ وافر حاصل کرنا چاہیے۔

امام طیبیؒ کہتے ہیں یہاں احسان سے مراد یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چھری اچھی طرح تیز کر لی جائے۔ذبحہ کے وقت چھری جلدی چلانا مستحب ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں سے ہے اور ایک قاعدہ پر مشتمل ہے۔کہ انسان کو جب قصاصاً یا حدًا قتل کیا جائے۔

یا جانور کو ذبح کیا جائے تو احسان کا معاملہ کیا جائے۔

علماء احناف فرماتے ہیں:

- کہ ذبح کئے ہوئے جانور کی کھال اتارنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک کہ وہ اچھی طرح ٹھنڈا نہ ہو جائے۔
- جس جانور کو ذبح کیا جانے والا ہے۔اس کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔اسی طرح ہر وہ بلا فائدہ کلام جو تعذیب کا باعث ہو، اس حدیث کے پیش نظر مکروہ ہے۔

امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ایک صحابی نے ذبح کرنے کی غرض سے بکری لٹائی۔بکری لیٹانے کے بعد چھری تیز کرنا شروع کی۔آنحضرت ﷺ نے یہ حال دیکھ کے فرمایا: کیا دو مرتبہ اس کو مارنا چاہتے ہو؟ اس کو لٹانے سے قبل چھری تیز کر لیتے۔[الحاکم فی المستدرک۔۲۳۱/۴]

- ذبح میں ''نخع'' مکروہ ہے۔''نخع'' کے مختلف مطالب بیان کئے گئے ہیں:

[۱] قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت حرام مغز تک چھری لے جانا مکروہ ہے۔ [۲] بعض کہتے ہیں کہ موضع ذبح کو ظاہر کرنے کیلئے جانور کی گردن کو کھینچنا ''نخاع'' کہلاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جان کنی سے قبل ہی جانور کی گردن توڑ ڈالنا نخع کہلاتا ہے۔ جو کہ تعذیب ہے اور حرام ہے۔

چنانچہ طبرانی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے: **ان النبی ﷺ نهی عن الذبیحة ان تفرس۔**

امام نوویؒ فرماتے ہیں اکثر نسخوں میں لفظ ''**الذبیحه**'' ذال، کے فتحہ اور بغیر ہاء مدّ ورہ کے (الذبح) روایت کیا گیا ہے۔ البتہ کچھ نسخوں میں ذال کے کسرہ اور ھاء مدّ ورہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ جس طرح کے لفظ ''**قتله**'' ہے۔

قتلة :قاف کے کسرہ کے ساتھ اسی حالت کا نام ہے جس حالت پر بیٹھ کر قاتل قتل کرتا ہے۔ یہاں ذبیحہ مراد ہے کہ جیسے ذبح کرنے والا ذبح کرتا ہے۔

جیسے ''**جِلْسَة**'' اور ''**رِكْبَة**'' یعنی ''**فِعَلَةٌ**'' کے وزن پر ہے۔

''**لیحد**'' یاء کے ضمہ، حاء کے کسرہ اور دال مشدد مفتوح کے ساتھ اور مکسور بھی پڑھنا جائز ہے۔

شفرته : شین کے فتح کے فتحہ کے ساتھ۔

یسرح یاءٔ کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنی نرمی کے ساتھ ذبح کر کے کھلا چھوڑ دے، یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو جائے۔ عرب کہتے ہیں: اراح الرجل۔

یہ دونوں افعال احسان فی الذبح کا بیان ہیں۔

۴۰۷۴: **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ تُصْبَرَ بَهِيْمَةٌ اَوْغَيْرَهَا لِلْقَتْلِ۔** (متفق عليه)

تخریج : اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ٦٤٢، الحدیث رقم ٥٥١٤، وأحمد فی المسند ۲ / ۹٤ و مسلم، کتاب الذبائح و الصید، باب ما یکره من الثلثة و المصبورة و المجثمة، الحدیث رقم ٥٥١٤۔

ترجمه: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ اس بات سے منع فرماتے تھے کہ کسی چوپائے یا کسی اور چیز کو قتل کرنے کے لئے (رسّی سے) باندھ کر نشانہ لگایا جائے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :سمعت رسول الله......:

تصبر فعل مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔

''**ینهٰی ان تصبر**'' اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

[۱] کسی جانور کو باندھ کر تیروں پتھروں یا گولیوں سے مارنا ممنوع ہے۔

[۲] کسی چوپایہ وغیرہ کو بغیر دانے پانی کے بند کر کے مار ڈالنا ممنوع ہے۔

امام احمدؒ، امام مسلمؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔:

''انه ﷺ نهى عن ان يقتل شئ من الدواب صبرًا ''۔

جبکہ امام داؤد نے ابوایوب سے یوں نقل کیا ہے: نهى عن قتل الصبر۔

فائدہ : کہا جاتا ہے ان احادیث کے خلاف کرنے والا سب سے پہلے شخص حجاج بن یوسف تھا جس نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ وتابعین، شریف وضعیف کو اس طرح ہلاک کیا اور جو لوگ جنگ وغیرہ میں مارے گئے ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

ذی رُوح پر نشانہ بازی کرنے والا ملعون ہے

۴۰۷۵: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا. (متفق عليه)

تخریج : اخرجه البخارى فى صحيحه ۹ / ٦٤٣' الحديث رقم ٥٥١٥' و مسلم' كتاب الصيد والذبائح' باب النهى عن اصبر البهائم' الحديث رقم (٥٩ ـ ١٩٥٨) والنسائى فى السنن ٧ / ٢٣٨' الحديث رقم ٤٤٤١' وأحمد فى المسند ٢ / ٨٦

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی ذی روح (یعنی جاندار) چیز کو باندھ کر اس پر نشانہ لگائے''۔ (مسلم)

تشریح: ''غرضًا'' غین اور ضاد دونوں معجمہ ہیں اور دونوں کے بیچ راء مہملہ ہے۔ ہدف نشانہ۔

''یہ حدیث بھی حدیث سابقہ کے جملہ ''ينهٰى ان تصبر'' کی تائید ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے جانوروں کے مثلہ کرنے کی ممانعت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت ہے: لعن اللّٰه من مثل با لحيوان ''جانوروں کے مثلہ کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' یعنی جانور کے کان یا دم وغیرہ کاٹنا۔

توضیح و تخریج: یہ حدیث امام مسلم بخاری اور نسائی نے بھی نقل کی ہے۔

<u>عرضِ مرتب:</u>

مرتب عرض کرتا ہے صاحب تخریج کا کہنا ہے کہ مجھے یہ روایت صحیحین میں نہیں مل سکی۔

جاندار پر نشانہ بازی کی ممانعت

۴۰۷۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَتَّخِذُوْا شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا۔

(رواه مسلم)

تخریج : اخرجه مسلم فى صحيحه ٣ / ١٥٤٩ كتاب الصيد والذبائح' باب ١٢' الحديث رقم (٥٨ ـ ٩٥٧) والنسائى فى السنن ٧ / ٢٣٨' الحديث رقم ٤٤٤٣' وابن ماجه فى ٢ / ١٠٦٣' الحديث رقم ٣١٨٧' وأحمد فى المسند ١ / ٢١٦

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی ایسی چیز کو جس میں

روح ہو (باندھ کر) نشانہ نہ بناؤ''۔

تشریح: ''امام نوویؒ کہتے ہیں اس حدیث میں نہی تحریم کے لئے ہے یعنی مکروہ تحریمی مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: لعن الله من فعل هذا۔

جانور کو اس طرح مارنے سے چار طرح کی قباحتیں جمع ہوتی ہیں: [۱] تعذیب [۲] اتلاف نفس۔ [۳] مال کا ضیاع [۴] اگر وہ جانور حلال جانور میں سے تھا تو ذبح کرنے کے حکم شرعی کی تفویت لازم آتی ہے اور اگر حلال جانور نہیں تھا تو اس صورت میں اس منفعت کی تفویت لازم آتی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔

تخریج و توضیح: جامع صغیر میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے: ''نهٰى ان يتخذ شئ فيه الروح غرضًا''۔ اس کو احمد ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ [الجامع الصغیر ۲/ ۵۹۷، الحدیث رقم ۹۵۴۶]

منہ پر مارنے اور داغنے کا بیان

۴۰۷۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۳ / ۱۶۷۳ كتاب اللباس و الزينته' باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه' الحديث رقم (۱۰۶ ـ ۲۱۱۶) وأخرجه الترمذي في السنن ٤ / ۱۸۳' الحديث رقم ۱۷۱۰' وأحمد في المسند ۳ / ۳۱۸

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر (طمانچہ) مارنے اور منہ پر (جلا کر) داغ دینے سے منع فرمایا ہے (یعنی کسی آدمی یا جانور کے منہ پر طمانچہ یا کوڑا وغیرہ نہ مارا جائے اور نہ کسی کے منہ پر داغ دیا جائے)۔ (مسلم)

تشریح: منہ پر مارنا مطلقاً ممنوع ہے۔ انسان ہو یا حیوان۔ چاہے انسان کافر ہو یا مسلم، البتہ حالت جنگ میں کافر کے منہ پر وار کرنے کی گنجائش ہے۔ جامع صغیر میں یوں منقول ہیں:

''نهٰى عن الوسم في الوجه والضرب في الوجه'' اور فرمایا: یہ روایت امام احمدؒ مسلم اور ترمذی نے جابرؓ سے نقل کی ہے۔ جبکہ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔

طبرانی میں الفاظ یوں ہیں: ''لعن الله من يسم في الوجه'' ۔

امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت عمران ابن حصین سے نقل کیا ہے: نهٰى عن الكي۔

منہ کو داغنے کا بیان

۴۰۷۸: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهِ حِمَارٌ وَقَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهٖ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِيْ وَسَمَهٗ ۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحیحه ۳ / ۱٦۷۳ کتاب اللباس والزینته' باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ووسمه فیه' الحدیث رقم (۱۰۷ ۔ ۲۱۱۷) وأبو داود فی السنن ۳ / ۵۷ الحدیث رقم ۲۵٦٤' وأحمد فی المسند ۳ / ۲۹۷

ترجمه: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک گدھا گزرا جس پر داغ دیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو دیکھ کر) فرمایا: ''اس شخص پر لعنت ہو جس نے اس کو داغا ہے''۔ (مسلم)

امور نحویہ: ''**وقد وسم فی وجهه**'' ''**وسم**'' کا مفعل مطلق محذوف ہے۔ ای'' **وسمًا فاحشًا**'' اور یہ جملہ ''حمار'' سے حال ہے۔

تشریح: **لعن الله الذی وسمه**: اگر یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گدھے کے منہ پر داغ دینے والے پر لعنت فرمائی حالانکہ مسلمانوں پر لعنت کرنے سے منع کیا گیا ہے؟ اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں: (۱) ہوسکتا ہے کہ داغنے والا مسلمان نہ ہو بلکہ داغنے والا کافر ہو اس وجہ سے آپ نے لعنت فرمائی۔ اس کی کراہت کو تغلیظاً بیان کرنا مقصود تھا۔ اس لئے لعنت کے الفاظ استعمال فرمایا یا منافقین میں سے ہو احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لعنت کرنا بددعا کے طور پر نہ ہو بلکہ ''اخبار بالغیب'' کے طور پر ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کے ذریعہ گویا یہ خبر دی ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں لعنت کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ بایں طور کہ اس نہی کا علم ہونے کے باوجود اس نے اس فعل کی جسارت کی۔ اس شخص پر سے اللہ کی رحمت اٹھالی گئی ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے۔ ''**الراحمون یرحمهم الرحمن**'' رحم کرنے والوں پر ''رحمٰن'' رحم کرتا ہے۔

امام طیبیؒ کہتے ہیں: ممکن ہے کہ وہ داغنے والا کافر ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کی کراہت کو تغلیظاً بیان کرنا مقصود تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لعن الله من اتخذ شیئا فیه الروح ......:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کسی بھی جاندار کے منہ کو داغنا بالاجماع ممنوع ہے۔ انسان کے منہ کو داغنے کی حرمت تو اس کی کرامت کی وجہ سے ہے۔ نیز اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تعذیب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ غیر انسان کے چہرے کو داغنا اصحاب شوافع میں سے اکثر کے نزدیک مکروہ ہے۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں: داغنا جائز نہیں۔ اس حدیث کا ظاہر اس کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ لعنت کرنا حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔

چہرے کے علاوہ کسی اور حصہ کا داغنا:

جانور کے منہ کے علاوہ اس کے جسم کے کسی اور حصے پر ''داغنا جائز ہے۔ امتیاز و تعین کے مقصد سے زکوٰۃ اور جزیہ کے جانوروں کو چہرہ کے علاوہ کسی اور جگہ داغنا مستحب ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ چھوٹے جانور کے کان پر اور اونٹ گائے وغیرہ کی ران کے آخری حصہ پر داغا جائے۔

عرضِ مرتب:

جہاں تک آدمیوں کے باقی جسم کو داغنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے مختلف اکبار و آثار قولاً و فعلاً منقول ہیں، جو تین طرح کے ہیں:

[۱] بعض اقوال یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اچھا فعل نہیں۔

[۲] بعض اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ داغنا مستحسن ہے۔

[۳] بعض اقوال صریح ممانعت کو ثابت کرتے ہیں۔

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جن اقوال میں انسانی جسم داغنے کی ممانعت مذکور ہے ان کا تعلق قصداً بلا ضرورت داغنے سے ہے۔ ہاں اگر کسی مرض وغیرہ کے سلسلے میں داغ دینے کی ضرورت ہو تو جائز ہے۔ البتہ (علاج کی نیت سے) انسانی جسم کے کسی حصہ کو داغنا اسباب وہمیہ میں سے ہے۔ اس کو اختیار کرنا جذبۂ توکل اور اعتماد علی اللہ کے اعتبار سے مناسب نہیں۔ ہاں اگر اس بات کا ظن غالب ہو کہ داغنا، مرض کے دفیعہ کیلئے ایک سودمند علاج ہوگا تو اس صورت میں اس کو اختیار کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اہل فتویٰ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ داغنا بذات خود مکروہ تحریمی ہے۔ مگر ظن غالب حاصل ہونے کی صورت میں بایں طور کہ طبیب حاذق پر کہہ دے کہ مرض کے دفعیہ کا انحصار داغنے پر ہے اور اس کے علاوہ دوسرا علاج نہیں ہے' تو داغنا مکروہ تحریمی نہیں ہوگا۔ (مظاہر حق)

''داغنے کی وجہ ممانعت'':

بعض حضرات کہتے ہیں کہ داغنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اس بات پر پختہ عقیدہ رکھتے تھے کہ داغنا مرض کے دفعیہ کیلئے ایک قطعی علاج ہے۔

ظاہر ہے اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک باطل عقیدہ تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا۔ (مظاہر حق)

جانوروں کو داغنے کا بیان

۴۰۷۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَدَوْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ لِيُحَنِّكَهُ فَوَافَيْتُهُ فِیْ يَدِهِ الْمِيْسَمُ يَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَةِ. (متفق عليه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۳ / ۳۶۶ کتاب الزکوۃ' باب وسم الامام اهل الصدقة بیده' الحدیث رقم ۱۵۰۲' و مسلم فی ۳ / ۱٦٧٤' الحدیث رقم (۱۰۹ - ۲۱۱۹)

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) صبح کے وقت عبداللہ بن ابوطلحہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا تا کہ آپ ﷺ ان کو گھٹی دیں (یعنی کھجور چبا کر اس کے تالو میں لگا دیں) چنانچہ اس وقت میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں داغنے والا آلہ تھا جس کے ذریعہ آپ ﷺ زکوۃ

کے اونٹوں کو داغ رہے تھے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: "لیحنکه" نون کی تشدید کے ساتھ۔ کتاب الفائق میں تخفیفاً ومشدداً دونوں طرح سے منقول ہے۔

میسم میم کے کسرہ کے ساتھ اسم آلہ ہے۔ وہ آلہ جس سے جانوروں کو داغا جاتا تھا۔

یسم: فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ **وسم یسم وعدہ یعدہ** کی طرح ضرب سے ہے۔

فی یدہ المیسم: یہ جملہ حالیہ ہے۔

تشریح: عبداللہ ابن ابی طلحہ حضرت انسؓ کے اخیافی بھائی ہیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحنیک کی غرض سے لے کے جا رہے تھے۔ یہ بچوں میں حصول برکت کیلئے ایک سنت عمل ہے۔

عرضِ مرتب:

مرتب عرض کرتا ہے اس کے تفصیلی احکام "کتاب العقیقہ" میں ملاحظہ فرمائیے۔

قوله :بسم ......:

"**اهل الصدقه**" آنحضرت ﷺ صدقہ کے اونٹوں کو ممتاز کرنے کی غرض سے نشان لگا رہے تھے۔ اس حدیث کو منہ کے علاوہ جسم کو داغنے پر محمول کیا جائے گا۔ اگرچہ یہاں اس کی تصریح نہیں ہے اور نہی والی احادیث منہ پر داغنے اور بلاضرورت داغنے پر محمول ہیں۔

جانور کے کس حصہ پر داغا جائے؟

۴۰۸۰: وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ مِرْبَدٍ فَرَأَيْتُهُ يَسِمُ شَاءً حَسِبْتُهُ قَالَ فِيْ اٰذَانِهَا (متفق عليه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ٦٥٣' كتاب الذبائح والصيد' باب الوسم والعلم فی الصوة' الحديث رقم ٥٥٤٢ و مسلم فی ٣ / ١٦٧٤' الحديث رقم (١١١ ـ ٢١١٩) و أبو داود فی السنن ٣ / ٥٧ الحديث رقم ٢٥٦٣

ترجمه: "اور حضرت ہشام بن زید' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ جانوروں کے باڑے میں تھے' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بکریوں وغیرہ (کے کسی عضو) پر داغ دے رہے تھے"۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ ﷺ ان (بکریوں وغیرہ) کے کان پر (داغ لگا) رہے تھے"۔ (بخاری ومسلم)

"مربد" کی لغوی تحقیق میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

① ابن الملک کہتے ہیں: مربد میم کے کسرہ راء کے سکون اور باء کے فتحہ کے ساتھ "ربد" سے مشتق ہے۔ جانوروں کا باڑا (خواہ اونٹ کا ہو' خواہ بکری، گائے وغیرہ کا ہو)۔

﴿۲﴾ امام طیبیؒ کہتے ہیں مربد اونٹ کے باڑے کو کہتے ہیں۔ بکریوں کے باڑے کو "خطیرۃ" کہتے ہیں۔ یہاں حدیث میں دونوں احتمال ہیں: ﴿۱﴾ اگر بکریوں کا باڑا مراد ہو تو یہ مجاز ا ہوگا (یعنی خطیرہ کے معنی میں ہوگا۔) ﴿۲﴾ اگر اپنے ظاہر پر محمول کریں تو پھر یہ اونٹ والا باڑا ہی ہے۔ بکریوں کو اس میں داغنے کی غرض سے لایا گیا ہوگا۔

﴿۳﴾ النہایہ میں ہے: "المربد الموضع الّذی یحبس فیہ الابل والغنم" (یعنی اونٹوں اور بکریوں کے باڑہ کو کہا جاتا ہے۔)

﴿۴﴾ القاموس میں ہے۔ "المربد کمنبر المحبس"۔ یعنی "مربد" مطلق ہے۔

اس نسخے میں شین مفتوحہ کے بعد الف پھر ہمزہ ہے۔ یعنی "شاء" ہے۔ جبکہ ایک اور نسخہ میں "شیاہ" شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد یاء پھر ھاء ہے۔

قاموس میں ہے: واحد کیلئے "شاۃ" آتا ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور جمع "شاء" آتی ہے۔

"آذان" ہمزہ کے مد کے ساتھ "اُذُن" کی جمع ہے۔

"شاء" یہ مفعول بہ ہے یسم کیلئے اور فی آذانہا مفعول فیہ ہے۔

فائدہ: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان، چہرے میں شامل نہیں۔ کیونکہ چہرہ پر داغنے سے تو منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کان کا تعلق بھی چہرہ سے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کان پر کیوں داغتے۔

الفصل الثّانی:

کیا ذبح کیلئے چھری ہونا ضروری ہے؟

۴۰۸۱: عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اَحَدُنَا اَصَابَ صَیْدًا وَلَیْسَ مَعَہٗ سِکِّیْنٌ اَیَذْبَحُ بِالْمَرْوَۃِ وَشِقَّۃِ الْعَصَا فَقَالَ اَمْرِرِ الدَّمَ بِمَ شِئْتَ وَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

تخریج: اخرجہ أبو داود فی السنن ۳ / ۲۴۹ کتاب الاضاحی، باب فی الذبیحۃ بالمروۃ، الحدیث رقم ۲۸۲۴ والنسائی فی ۷ / ۱۹۴، الحدیث رقم ۳۴۰۴، وابن ماجہ ۲ / ۱۰۶۰، الحدیث رقم ۳۱۷۷، وأحمد فی المسند ۴ / ۲۵۶

ترجمہ: "اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص (کسی جانور کا) شکار پکڑے اور اس وقت اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ کسی پتھر کے ٹکڑے یا کسی لکڑی کے سرکنڈے سے اس (شکار) کو ذبح کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم جس چیز سے چاہو خون بہا دو اور اللہ کا نام لو"۔ (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: قولہ: یا رسول اللہ ارایت ...... و شقہ العصا:

''ارأيت احدنا'' اصول معتمدہ میں لفظ احدنا رفع کے ساتھ منقول ہے۔(مبتداء ہونے کی وجہ سے) اور جملہ ''اصاب'' اس کی خبر ہے۔ایک نسخہ میں ''احدنا'' نصب کے ساتھ منقول ہے۔

مشکوٰۃ کے موجود نسخہ میں لفظ ''امر'' فک ادغام کے ساتھ ہے۔جبکہ ایک نسخہ میں ادغام کے ساتھ ہے اور راء پر فتحہ ہے۔ اگرچہ کسرہ بھی صحیح ہے۔ایک اور نسخہ میں ہمزہ وصلی کے کسرہ، میم کے سکون اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔''ضرب یضرب'' سے منقول ہے۔ضرب سے دودھ دھونے کے معنی میں آتا ہے۔یہاں خون بہنا مراد ہے۔

① شارح نے آخری والے نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔کیونکہ وہ فرماتے ہیں راء کی تشدید کے ساتھ اس کو ''امرار'' سے لینا لحن (غلطی) ہے۔ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمزہ قطعی کے فتحہ، میم اور راء مخففہ کے کسرہ کے ساتھ خون بہانے کے معنی میں آتا ہے۔

② امام خطابی فرماتے ہیں: اصحاب حدیث کا خیال ہے کہ اس حدیث میں امر الدم، راء کی تشدید کے ساتھ ہے' یہ غلط ہے' راء کی تشدید من مری یمری'' ہے۔

③ وروى بعضهم: بتحريك الميم وقطع الالف من امار الذى هو افعل من مار الدم مورًا اذا جرى''۔

④ وقال التوربشتى، يلحن كثير من المحدثين فى هذا اللفظ ويشدون الراء و يحركون الميم ظنًا منهم أنّه من الامرار وليس بتقويم وانما هو بتخفيف الراء من مرى يمرى اذمسح الضرع ليدر''۔

⑤ قال صاحب الجامع: الذى قرأته فى كتاب ابى داؤد براء ين مظهرتين بغير ادغام وفى احدى روايات النسائى كذالك''۔

⑥ قال فى النهايه: وفى حديث آخر كامرار الحديد على الطست الجديد امررت الشيىء أمره امرارًا اذا جعلته بمرأ ى ليذهب''۔يريد كجر الحديد على الطست اه. فعلى هذا يكون الدم عبارة عن سيلانه وأن سيلانه مستلزم لامرادو۔

خلاصہ:

مقام کے اعتبار سے سارے معنی ٹھیک ہیں۔لیکن محدثین کی اکثریت نے تخفیف والی لغت کو ترجیح دی ہے اور مقصود یہ ہے کہ خون کا بہانا ضروری ہے۔وہ جس چیز سے بھی ہو جائے۔

''أرأيت احدنا اصاب صيدا وليس معه سكين''۔

احدنا مبتدا ہے۔اصاب خبر اور وليس معه سكين یہ ''اصاب'' کی ضمیر سے حال ہے۔مبتدا خبر مل کر محلاً منصوب ''اريت'' کا مفعول ہے۔

''شقة: شین کے کسرہ کے ساتھ۔لکڑی کا چھوٹا سا ٹکڑا۔

ملا علی قاریؒ نے اس مقام پر دو رائے ذکر فرمائی ہیں۔ایک علامہ طیبیؒ کی اور دوسری اپنی۔

امام طیبیؒ نے کشاف کے حاشیہ میں اس آیت: ارأيت الّذى ينهٰى عبدًا اذا صلّٰى [سورہ علق: ۱۰] کے تحت لکھا ہے۔

کہ اسم موصول مع جملہ شرطیہ "ارأیت" کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

ابوحیان نے علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک جملہ شرطیہ مفعول اول ہے اور صلہ مفعول دوم ہے۔

ارأیت کا مفعول ثانی ہمیشہ جملہ استفہامیہ ہوتا ہے۔ قرآن عزیز میں اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً: ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى﴾ [النجم: ۵۳: ۳۳۔۳۵] اسی طرح: ﴿أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ﴾ [الواقعة: ۵۶: ۵۹] ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ [مريم: ۱۹: ۷۷]

اس طرح کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام آیات قاعدہ کلیہ یہ بتاتی ہیں کہ أرأیت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہم اس حدیث کو بھی قرآن کریم کے تابع قرار دیں گے۔ کہ یہاں أرأیت کا مفعول ثانی "أيذبح بالمروة وشقة العصا" تاکہ کتاب وسنت دونوں لفظاً معنیً اعراباً وبیاناً موافق ہو جائیں۔

"بم شئت" "بم میں" "ما" استفہامیہ ہے۔ باء جارہ کے داخل ہونے کی وجہ سے الف گر گیا ہے۔

ذبح اضطراری کے بارے میں

۴۰۸۲ وَعَنْ اَبِى الْعُشَرَاءِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَكُوْنُ الذَّكَاةُ اِلَّا فِى الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ فَقَالَ لَوْطَعَنْتَ فِىْ فَخِذِهَا لَاَجْزَاَ عَنْكَ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی وقال ابوداود هذا ذكاة المتردی وقال الترمذی هذا فی الضرورة)

تخریج: اخرجه أبو داود فی السنن ۳ / ۲۵۰، الحديث رقم ۲۸۲۵، والترمذی فی ٤ / ٦٢ كتاب الاطعمة، باب ما جاء فی الزكاة فی الحلق واللبة، الحديث رقم ۱٤۸۱ والنسائی فی ۷ / ۲۲۸ الحديث رقم ٤٤۰۸، وابن ماجه فی ۲ / ۱۰٦۳ الحديث رقم ۳۱۸٤، والدارمی فی ۲ / ۱۱۳ الحديث رقم ۲ / ۱۱۳ الحديث رقم ۱۹۷۲، وأحمد فی المسند ٤ / ۲۳٤

ترجمہ: "اور حضرت ابوالعشراء رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا (شرعی) ذبح کا تعلق حلق اور سینہ کے سرے کے درمیانی حصے سے ہے؟ (یعنی کیا شرعی طور پر ذبح صرف اسی کو کہا جائے گا کہ جانور کے حلق اور سینے کے سرے کے درمیان جراحت کے ساتھ خون بہایا جائے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تم شکار کی ران میں بھی جراحت (یعنی زخم) پہنچا دو گے تو تمہارے لئے کافی ہوگا"۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ (یعنی حدیث میں) مذکورہ اس جانور سے متعلق ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو (یعنی یہ "ذبح اضطراری" کی صورت کا حکم ہے) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ ضرورت کی حالت کا حکم ہے"۔

راویٔ حدیث:

ابو العشراء۔ ابو العشراء ان کی کنیت ہے اور نام اسامہ ہے۔ مالک کے بیٹے ہیں۔ ''بنودارم'' میں سے ہیں، تابعی ہیں۔ اپنے والد سے روایت کی اور ان سے حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے۔ اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے اور جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ سب سے زیادہ مشہور قول ہے۔ ''عشراء'' میں عین پر پیش شین منقوطہ پر زبر، اور آخر میں الف ممدودہ ہے۔

قال ابو داؤد هٰذا ۔ یہ وہ نسخہ ہے جو ملا علی قاری کے زیر نظر ہے۔ ایک نسخہ میں وهٰذا ہے جبکہ مرقات کے موجودہ متن میں وهٰذہ منقول ہے۔

تشریح: هذا ذكاة : اسم اشارہ کا مشار الیہ الحدیث ہے۔ یا لو طعنت...... '' ہے۔

قوله :أما تكون الذكاة......:

''اما يكون'' ہمزہ استفہامیہ ہے اور ''ما'' نافیہ یہ استفہام تقریری ہے۔ ''الذكاة'' ذال معجمہ کے ساتھ ہے۔

لبة لام کے فتحہ اور ''باء'' کی تشدید کے ساتھ حلق اور سینہ کا درمیانی حصہ۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: حدیث مذکورہ میں ذبح اضطراری کی صورت کا حکم ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ضرورت کی حالت کا حکم ہے۔

امام ترمذی نے گویا امام ابوداؤد کی وضاحت کو اور زیادہ توسع کے ساتھ بیان کیا تا کہ اس حکم میں بھاگے ہوئے اونٹ کو ذبح کرنے کی صورت بھی شامل ہو جائے۔

اسنادی حیثیت:

شرح السنہ میں ہے: ''قال ابو عيسى :لا نعرف لابی العشر عن ابيه غير هٰذا الحديث'' اھ

ہمارے علماء احناف کہتے ہیں: ذبح کی دو قسمیں ہیں:

① ذبح اختیاری: اس کیلئے بالفعل ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر قدرت ہوتے ہوئے ذبح نہ کرے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ حرمت کی دلیل یہ آیت ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ......[المائدة:۳] ذبح اختیاری کی تفصیل باب کے شروع میں ملاحظہ فرمائیے۔

② ذبح اضطراری: اس میں جہاں سے بھی زخمی کرے اور وہ مر جائے تو حلال ہے۔ اگلی حدیث میں اسی کے جواز کا بیان ہے۔

مردہ شکار کا بیان

۴۰۸۳ :وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَلَّمْتَ مِنْ كَلْبٍ اَوْبَازٍ ثُمَّ اَرْسَلْتَهُ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مِمَّا اَمْسَكَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَاِنْ قَتَلَ قَالَ اِذَا قَتَلَهُ وَلَمْ يَاكُلْ مِنْهُ

شَيْئًا فَإِنَّمَا اَمْسَكَهُ عَلَيْكَ۔ (رواہ ابوداود)

تخریج: اخرجه أبو داود فی السنن ۳ / ۲۷۱ کتاب الصید' باب فی الصید' الحدیث رقم ۲۸۵۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے کتے یا باز کو (شکار کرنے کے لئے) سدھایا اور پھر تم نے (ان میں سے) کسی کو (شکار پر) چھوڑا اور (چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا تو تم اس جانور کو کھالو جس کو اس (کتے یا باز) نے تمہارے لئے پکڑا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ ''اگرچہ اس نے اس (شکار) کو مار ڈالا ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے (یعنی کتے یا باز نے) اس کو (یعنی شکار کو) مار ڈالا ہو اور خود اس میں سے کچھ نہ کھائے تو اس کا مطلب (یہ) ہوا کہ اس نے اس شکار کو تمہارے (ہی) لئے پکڑا ہے''۔ (ابوداؤد)

علمت لام کی تشدید کے ساتھ اور ''ما'' میں دو احتمال ہیں:

① ''ما'' شرطیہ ہے۔ ② موصولہ ہے۔ بظاہر موصولہ ہی ہے۔

تشریح: ''ثم ارسلته'': ضمیر غائب کلب اور باز کی طرف راجع ہے۔ ''وذکرت اسم اللّٰہ'' مفعول فیہ مقدر ہے۔ ای عند ارساله۔

'فکل مما امسك علیك: یہ جزاء ہے۔ شرط محذوف ہے۔ ''أن لم یأکل منه شیأ''۔ ''قلت: وان قتل؟'':

''ان'' میں دو احتمال ہیں: ① وصلیہ۔ ② شرطیہ۔ شرطیہ مانیں تو اس صورت میں جزا مقدر ہوگی۔ ای ''فما حکمه؟''۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''اذا قتله یہ جواب ہے'' ''وان قتل کا۔'' ''وان قتل'' کے جواب میں ''اذا'' شرطیہ کو ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ سوال تردد کی وجہ سے پوچھا گیا تھا۔ ''ان'' شرطیہ عدم جزم کا تقاضہ کرتا ہے تو اس لئے جواب اذا سے دیا گیا ہے جو کہ جزم و تحقیق کا تقاضہ کرتا ہے اور فانما أمسکه علیك کا اعادہ کیا کہ شک کی بنا پر کوئی حلال حرام نہیں ہوتا۔

تیر سے زخمی ہو کر مر جانے والے جانور کے گوشت کا بیان

۴۰۸۴: وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْمِيْ الصَّيْدَ فَاَجِدُفِيْهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِيْ قَالَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهٗ وَلَمْ تَرَفِيْهِ اَثَرَسَبُعٍ فَكُلْ۔ (رواہ ابوداود)

تخریج: اخرجه الترمذی فی السنن ٤ / ٥٥' کتاب الصید' باب ما جاء فی الرجل یرمی الصید فیغیب عنه' الحدیث رقم ١٤٦٨ والنسائی فی ٧ / ١٩٣' الحدیث رقم ٤٣٠٠

ترجمہ: ''اور حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں شکار پر اپنا تیر چلاتا ہوں اور پھر اگلے دن (جب وہ شکار کہیں پڑا ہوا مجھے ملتا ہے تو) اس میں میں اپنا تیر پاتا ہوں (کیا میں وہ شکار کھا سکتا ہوں؟)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تمہیں اس بات کا علم ہو کہ اس شکار کو تمہارے ہی تیر نے قتل کیا ہے (جس کی پہچاننے اور رکھنے کی ایک علامت یہ ہے کہ تم دیکھو) اور اس (شکار) پر تم کسی درندے کا کوئی نشان نہ پاؤ تو اس کو کھا سکتے ہو (اور اگر اس شکار میں کسی درندے کے دانت یا پنجے وغیرہ کا کوئی نشان پاؤ یا کسی دوسرے شخص کے تیر کی علامت پاؤ تو

اس صورت میں اس کو مت کھاؤ)۔‘‘۔(ابوداؤد)

تشریح: **فاجد فيه من الغد**: ’’من ‘‘ کے متعلق دو احتمال ہیں:

﴿۱﴾ تبعیضیہ ہے۔ ﴿۲﴾ ’’في ‘‘ کے معنی میں ہے اور دونوں احتمال صحیح ہیں۔

تبعیضیه کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ ہے: **منهم من كلم الله** ۔**فی** کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اذ نودي للصلوٰة من يوم الجمعة** اور یہاں حدیث میں ’’**في** ‘‘ کے معنی میں لینا بہتر ہے۔

امام طیبیؒ نے ایک اور احتمال بیان کیا ہے۔ کہ ’’من ‘‘ زائدہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: **اللّٰہ لامر من قبل ومن بعد**۔ کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ ’’قبل‘‘ اور ’’بعد‘‘ کو مجرور بھی پڑھا گیا ہے۔ گویا کلام یوں ہے: ’’**قبلاً و بعدًا**‘‘۔

غیر مسلم کے ذبیحہ کا بیان

۴۰۸۵: **وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوْسِ** . (رواه الترمذی)

تخریج : اخرجه الترمذی فی السنن' ٤ / ٣٤٠' كتاب الصيد ' باب ما جاء في صيد كلب المجوس' الحديث رقم ١٤٦٦ وابن ماجه فی ٢ / ١٠٧٠' الحديث رقم ٣٢٠٩

ترجمہ: ’’اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں مجوسیوں کے کتے کا پکڑا ہوا شکار کھانے سے روک دیا گیا ہے‘‘۔ (ترمذی)

فوائد حدیث:

﴿۱﴾ جس غیر مسلم کا ذبیحہ حلال نہیں اس کے کتے وغیرہ کے ذریعہ پکڑا ہوا شکار بھی حلال نہیں۔

﴿۲﴾ اگر کوئی مسلمان شخص مجوسی کے کلب معلم کے ذریعہ شکار کرے تو وہ حلال ہے۔

﴿۳﴾ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کے کتے کے ذریعہ شکار کرے تو اس کیلئے شرط یہ ہے کہ مسلمان موقع پر پہنچ کر ذبح کر لے تو حلال وگرنہ حرام۔ اسی طرح مسلمان کے موقع پر پہنچنے کے وقت مردہ پایا گیا تو بھی حرام ہے۔

﴿۴﴾ اگر کتے چھوڑنے یا تیر چلانے میں مسلمان اور مجوسی دونوں شریک ہوں اور وہ شکار ماردیں تو وہ شکار بھی حلال نہیں ہوگا۔

امام عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔ ’’**ان النبی ﷺ كتب الى مجوس هجر يعرض عليهم الاسلام ممن اسلم قبل منه ومن لم يسلم ضرب عليهم الجزية غير ناكحى نسائهم ولا آكلى ذبائحهم**‘‘۔[عبد الرزاق فی المصنف ٦/٧٠، الحديث رقم : ١٠٠٢٨]

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں تین مسائل بیان فرمائے ہیں:

﴿۱﴾ مسلمان نہ ہونے کی صورت میں مجوس ہجر پر جزیہ مقرر کر دیا جائے۔

﴿۲﴾ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

③ ان کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے۔

اسی حدیث کی بناء پر ہمارے علماء احناف نے ذابح کیلئے مسلم ہونے کی شرط لگائی ہے۔ نیز قرآن کریم نے بھی :**الا ماذکیتم**[المائدۃ۔۳] کی قید لگائی ہے جو کہ احناف کی تائید کرتی ہے اور حرمت کی دلیل یہ آیت ہے:**أھل لغیر اللہ بہ** [البقرۃ:۱۷۳]

کتابی کا ذبیحہ:

① کتابی کا ذبیحہ جائز ہے۔لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ ذبح کے موقع پر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرے۔اگر حضرت عیسیٰؑ یا عزیرؑ کے نام کے ساتھ ذبح کرے تو حلال نہ ہوگا۔کتابی خواہ ذمی ہو خواہ حربی ہو۔کیونکہ قرآن کریم میں اس کا ذکر مطلقاً ہے۔حربی وذمی کی کوئی قید نہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وطعام الذین اوتو الکتاب حلّ لکم [المائدۃ:۵]

مفسرین فرماتے ہیں: یہاں طعام سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے۔وگرنہ تو ذبیحہ کے علاوہ دیگر اشیاء طعام تو ہر کافر کی حلال ہیں۔

مجوسی اور وثنی (بت پرست) کا ذبیحہ جائز نہیں۔چونکہ مجوسی اہل کتاب میں سے نہیں ہے اور ''وثنی'' مجوس کی طرح عدم توحید کے قائل ہیں۔

غیر مسلم کے برتن میں کھانا پینا

۴۰۸۶ :وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا اَھْلُ سَفَرٍ نَمُرُّبِالْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسِ فَلَا نَجِد غَیْرَ اٰنِیَتِھِمْ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْاغَیْرَھَا فَاغْسِلُوْھَا بِالْمَاءِ ثُمَّ کُلُوْا فِیْھَا وَاشْرِبُوْا۔ (رواہ الترمذی)

تخریج : اخرجہ الترمذی فی السنن ۴ / ۵۳ کتاب الصید، باب ما جاء ما یوکل من صید الکلب ومالا یوکل، حد ۱۴۶۴ وأحمد فی المسند ۴ / ۱۹۳

ترجمہ:''اورحضرت ابوثعلبہ خشنی ؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا:''یارسول اللہؐ! ہم مسافر ہیں، ہمارا گزر یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں (کی آبادیوں) پر سے (بھی) ہوتا ہے۔(اس وقت) ان کے برتنوں کے علاوہ اور برتن ہمارے پاس نہیں ہوتے (تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں؟)'' آپ ﷺ نے فرمایا:''اگر تم ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ پاؤ تو ان کے برتنوں کو پانی سے (اچھی طرح) دھولو اور پھر ان میں کھاؤ پیو''۔(ترمذی)

امورِ نحویہ :**اھل** کو تمام نسخوں میں رفع کے ساتھ لکھا ہے۔امام طیبی اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ حرف مشبہ کی خبر ہے۔اگر نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہوگا اور خبر ''**نمرٌّ بالیھود**......'' ہوگی۔

تشریح: غیر مسلم کے برتن میں کھانے پینے کے سلسلے میں فصل اول میں حدیث گذر چکی ہے۔

غیر مسلموں کے تیار کردہ کھانے کا بیان

۴۰۸۷: وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ مِنَ الطَّعَامِ طَعَامًا اَتَحَرَّجُ مِنْهُ فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ . (رواه الترمذی وابوداود)

تخریج : اخرجه أبو داود فی السنن ٤ / ١٨٧ کتاب الاطعمة' باب فی کراهية التقذر للطعام' الحديث رقم ٣٧٨٤ والترمذی فی ٤ / ١١٣' الحديث رقم ١٥٦٥ وابن ماجه ٢ / ٩٤٤ الحديث رقم ٢٨٣٠

ترجمہ: ''اور حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرانیوں (عیسائیوں) کے کھانوں کے بارے میں دریافت کیا (کہ ہم لوگ نصاریٰ کے کھانے کھائیں یا نہیں؟) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (اس بارے میں) ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا' چنانچہ اس نے عرض کیا کہ کھانوں میں سے ایک کھانا (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کا کھانا) ایسا ہے جس سے میں پرہیز کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں اس قسم کا کوئی شک وشبہ پیدا نہ کرو کہ تم نے اپنے اس عمل کے ذریعہ عیسائیت کی مشابہت اختیار کی ہے''۔ (ترمذی' ابوداوٗد)

تشریح: قوله :وعن قبيصه بن هلب:

اس کو محدثین کے طرز پر ہاء کے ضمہ لام کے سکون اور باء کے ساتھ پڑھنا چاہیے کیونکہ محدثین کا طریقہ لغویین کے طریقہ کے مقابلہ میں اصح ہے۔ ھاء کا فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ بعض نے اسی کو درست قرار دیا ہے۔

قوله :سألت النبی ﷺ عن طعام النصاری...... :

بعض نسخوں میں خاء معجمہ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

خاء اور ہاء دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن معنی الگ الگ بنے گا۔ اگر حاء مہملہ کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی ہوگا:

① ''**لا يدخلن قلبك منه شئ فانه مباح نطيف**'' تمہارے دل میں کسی چیز کی کھٹک پیدا نہیں ہونی چاہیے یہ مباح اور پاک ہے۔ بلا دلیل شک وشبہ میں پڑ کر ان کے کھانے سے پرہیز کرنا یہ یہود نصاریٰ کا شیوہ ہے۔

② اگر خاء معجمہ کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہوگا۔ ''**لا يتحر كن الشك فی قلبك**''۔ ''تمہارے دِل میں شک انگرائی نہ لے۔''

''**اتحرج**'' تحرج تنگی کے معنی میں ہے۔ گناہ اور حرام کیلئے بھی مستعمل ہے۔ قرآن کریم میں ہے: **يجعل صدره ضيقًا حَرجًا**۔ [الانعام:١٢٥]

امام طیبیؒ نے امام تورپشتی کے بیان کردہ معنی میں سے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ معنی زیادہ بلیغ ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دوسری معنی زیادہ ابلغ ہے۔ کیونکہ لفظ تحرح اپنے مادہ کے اعتبار سے دخول کے مادہ سے زیادہ

ابلغ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلا معنی زیادہ بلیغ تب بنتا جب شی عام ہوتی اور شک خاص جبکہ حدیث میں شئ طعامًا ہے۔ جس سے خصوصی طور پر یہود ونصارٰی کا کھانا مراد ہے۔ البتہ یہ کہا جائے کہ یہاں تجرید ہے تو یہ بات ماننا ہوگی۔ قرآن کریم نے بھی ابلغ معنی کو استعمال فرمایا ہے: **فلا یکن فی صدرك حرج** [الا عراف۔۲] **ضارعت فیه النصرانیة**: یعنی اس بلا وجہ کے شک وشبہ کی وجہ سے تم نصارٰی کے مشابہہ ہو جاؤ گے، کہ ان میں سے کسی کے دل میں جب کسی چیز کی بابت حرام یا مکروہ ہونے کا خیال دل میں آجاتا تو وہ اس چیز کو استعمال کرنے سے رک جاتے تھے اور نہی کی علت بھی یہی ہے۔ امام طیبیؒ لکھتے ہیں: یہ شرط محذوف کا جواب ہے اور یہ جملہ شرطیہ مستانفہ ہے، جس میں موجب کا بیان ہے۔ **أی لا ید خلن فی قلبك ضیق و حرج لأنك علی الحنیفة السهلة السمحة فانك اذا شددت علی نفسك بمثل هذا شابهت فیه الرزیة فان ذلك أبهم و عادتهم**۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَرَهْبَانِيَّةَ ِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ** [الحدید: ۲۷]

فوائد حدیث:

① جب تک کسی کھانے کی حرمت کا یقین نہ ہو محض شک کی وجہ سے اس سے پرہیز کرنا یا اس کھانے میں تردد کرنا مناسب نہیں ہے۔ ② مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ ہر قوم کا پکا ہوا کھانا کھا سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ یقین نہ ہو کہ اس کھانے میں کوئی حرام چیز ملائی گئی ہے یا وہ نجس برتنوں میں پکایا گیا ہے۔ ③ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کوئی حرام چیز پکائے مثلاً غیر مذبوحہ چیز کا گوشت یا مردار یا سؤر اور یا کھانے میں شراب ملائے تو اس کو بھی کھا لیا جائے۔ (بلکہ یہ اجازت صرف حلال چیزوں تک محدود ہے۔)

مجثمہ کا بیان

۴۰۸۸: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِیَ الَّتِیْ تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ۔ (رواہ الترمذی)

تخریج: اخرجه الترمذی فی السنن ٤ / ٥٩ کتاب الاطعمة، باب ما جاء فی کراهیة اکل المصبورة، الحدیث رقم ١٤٧٣۔

ترجمہ: ”اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور ”مجثمہ“ اس جانور کو کہتے ہیں، جس کو باندھ کر (نشانہ کی مانند کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر) تیر مارا جائے“۔ (ترمذی)

تشریح: مجثمه: ثاء کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ۔ علامہ شمنیؒ نے ثاء کے کسرہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔

جس ذی روح کو باندھ کر نشانہ کی مانند کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر تیر مارا جائے۔

النبل: نون کے فتحہ، بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ۔

مجثمة: کی یہ تفسیر کسی راوی کی بیان کردہ ہے۔ وجہ ممانعت یہ ہے کہ کسی جاندار کو یوں جان سے مارنا ذبح نہیں ہے، بلکہ قتل ہے۔ اس لئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

چند ممنوعہ جانوروں کا بیان

۴۰۸۹: وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيْسَةِ وَاَنْ تُوْطَأَ الْحُبَالٰى حَتّٰى يَضَعْنَ مَافِيْ بُطُوْنِهِنَّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى سُئِلَ اَبُوْعَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ فَقَالَ اَنْ يُّنْصَبَ الطَّيْرُ اَوِالشَّيْءُ فَيُرْمٰى وَسُئِلَ عَنِ الْخَلِيْسَةِ فَقَالَ الذِّئْبُ اَوِالسَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَاْخُذُ مِنْهُ فَيَمُوْتُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ اَنْ يُذَكِّيَهَا۔ (رواه الترمذى)

تخريج: اخرجه الترمذى فى السنن ٤ / ٥٩ كتاب الاطعمة' باب ' الحديث رقم ١٤٧٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن درندوں میں سے کچلی (سے شکار کرنے) والا درندہ اور پرندوں میں سے پنجے (سے شکار کرنے) والا پرندہ' گھر کے پالتو گدھوں کے گوشت' مجثمہ اور خلیسہ سے اور (جنگ میں قید ہونے والی) حاملہ عورتوں سے بچہ کی پیدائش سے قبل صحبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت محمد بن یحییٰ (جو امام ترمذیؒ کے شیخ واستاد ہیں اور حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ (میرے شیخ واستاد) حضرت ابوعاصمؒ سے مجثمہ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ (مجثمہ کا مطلب یہ ہے کہ) کسی پرندے یا درندے کو (باندھ کر) کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر تیر مارا جائے''۔ اسی طرح حضرت ابوعاصمؒ سے خلیسہ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ) بھیڑیئے یا کسی اور درندے نے کسی جانور کو پکڑ لیا ہو اور پھر کوئی شخص اس (درندے) سے وہ جانور چھین لے اور وہ جانور ذبح کئے جانے سے قبل ہی اس (شخص) کے ہاتھ میں مر جائے''۔ (ترمذی)

تشریح: **ذی مخلب** '' میم کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ۔ **الحمر** حاء اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ۔ ''**الحبالٰی** '' حاء کے فتحہ کے ساتھ۔ ''**او السبع** '' سین کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ۔ **الذئب** ہمزہ کے سکون کے ساتھ، اس ہمزہ کو یاء سے بدل کر، ذیب، بھی پڑھا جاتا ہے۔ **الاهليه** :ضد ہے **وحشية** کی۔

يرمى کا مفعول ''**المنصوب** '' محذوف ہے۔ **سئل** کی ضمیر فاعل ابوعاصم کی طرف راجع ہے۔

''**فيأخذ**'' کا مفعول ''**الخليسة**'' محذوف ہے۔ ''**منه**'' ضمیر مجرور السبع کی طرف راجع ہے۔

''**فيموت قبل ان يذكيها**''۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: ''**فتؤخذ الخليسة منه**'' اور ''**تموت** اور **يذكيها** کی ضمائر **محتلسة** کی طرف راجع ہیں۔

''**نهى يوم خيبر** '' خیبر کے دن سے کیا مراد ہے۔ اس میں تین احتمال ہیں۔

① آنحضرت ﷺ نے مذکورہ چیزوں کی ممانعت کا حکم اس سال جاری فرمایا جس میں خیبر فتح ہوا تھا۔

② عین خیبر کی فتح کے وقت یہ حکم جاری فرمایا۔

③ یہ بھی ممکن ہے کہ جن دنوں میں خیبر میں جہاد جاری تھا۔ انہی دنوں میں کسی ایک دن یہ حکم جاری فرمایا۔

''**ذی ناب**'' اس درندے کو کہتے ہیں جس کے کچلی (نوکدار دانت) ہوں اور اپنی کچلی کے ذریعہ جانور وغیرہ کو پھاڑتا ہو۔ جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا، ریچھ، بندر، سؤر، لومڑی اور بجو وغیرہ۔

ذی مخلب اس پرندے کو کہتے ہیں جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں۔ جیسے باز، بحری شکرہ، چرغ، الو، چیل، گدھ وغیرہ۔

''**حمر الاهلية**: اس سے مراد وہ گدھے ہیں جو بستی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے۔

''**وان توطا الحبالٰی**'' مظہرؒ فرماتے ہیں یہ حکم ان لونڈیوں کا ہے۔ جو حاملہ ہو اور قید ہو کے آئی ہوں۔ جو لونڈیاں ایسی حالت میں کسی کے شرعی قبضہ وتسلط میں آئی ہوں کہ وہ حاملہ نہ ہو تو ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کے اس وقت تک ہم بستری نہ کی جائے جب تک کہ ان کو حیض نہ آجائے۔ ''**حیلی عن الزنا**'' سے شادی کے بعد وطی کا حکم بھی یہی ہے کہ وضع حمل سے پہلے وطی نہ کی جائے۔

محمد بن یحیی '' یہ امام ترمذیؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔ راوی ہیں۔

''**ان ینصب الطیر او الشئ**''۔ ''او'' میں دو احتمال ہیں: ① تنویع کے لئے ہے۔ ② شک کیلئے ہے۔

شریطہ کا بیان

۴۰۹۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيْسٰى هِيَ الذَّبِيْحَةُ يُقْطَعُ مِنْهَا الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ۔ (رواہ ابوداود)

تخریج: اخرجه الترمذی فی السنن ٤ / ٥٩، الحديث رقم ١٤٧٤، وأحمد فی المسند ٤ / ١٢٧ و سنن ابوادود، كتاب الاضاحی، باب فی المبالغة فی الذبح، ح ٢٨٢٦۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے شریطہ سے منع فرمایا ہے۔ ابن عیسٰیؒ (حدیث کے ایک راوی) نے یہ مزید بیان کیا کہ شیطان کا شریطہ یہ ہے کہ جانور (کے حلق کے اوپر) کی کھال کاٹ دی جائے اور اس کی مکمل رگیں نہ کاٹی جائیں اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: **قوله: نهی عن شریطة الشیطان**......:

''**ولا تفری**'' فری سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی قطع۔

عرضِ مرتب:

طلبة الطلبة میں لکھا ہے: "الفري من حد ضرب وهو القطع على وجه الاصطلاح، والافراء على وجه الافساد" فری از باب قطع کے معنی میں لیتے ہیں اور افراء کسی چیز کو خراب ہونے کی وجہ سے کاٹنے کو کہتے ہیں۔ اوداج: ودج کی جمع ہے، اور داج ان رگوں کو کہا جاتا ہے جو جانور کو ذبح کرتے وقت کاٹی جائیں۔

تشریح: شرط یا تو شرط حجام سے ماخوذ ہے۔ بمعنیٰ نشتر مارنا۔ یا "شرط" علامت کے معنی میں ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ اس فعل شنیع کا باعث وہ شیطان ہے اور وہ اس طرح ذبیحہ کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے۔

جانور کے حلق کی کھال کاٹ دی جائے اور اس کی پوری رگیں نہ کاٹی جائیں اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے۔

زمانہ جاہلیت میں مشرک ایسا کیا کرتے تھے اور جانور آسانی کے ساتھ مرنے کے بجائے بڑی سختی کے ساتھ تڑپ تڑپ کر مرتا تھا۔ وہ اسی کو ذبح سمجھتے تھے۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور احتمال بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان کے فعل شنیع میں شیطان بھی شریک ہوتا اور اس کو خوشی ہوتی اس لئے اس کو شریط شیطان کہا گیا ہے کہ یہ مذبوح شیطانی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں: انی اعصر خمرًا [یوسف۔۳۶]

ذبیحہ کے "جنین" کا حکم

۴۰۹۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَکَاۃُ الْجَنِیْنِ ذَکَاۃُ اُمِّہٖ۔ (رواہ ابوداود والدارمی)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ۳ / ۲۵۱ كتاب الاضاحی، باب ۱۷، الحديث رقم ۲۸۲۶ والدارمی فی ۲ / ۱۱۵ الحديث رقم ۱۹۷۹

ترجمہ: "اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جنین کی ماں کا ذبح کرنا اسکا ذبح کرنا ہے"۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: قوله: ذكاة الجنين ذكاة أمه" لفظ "ذكاة" کے ضبط میں نسخے اور روایات مختلف ہیں۔ پہلی صورت اول وثانی دونوں مرفوع ہیں دوسری صورت ایک صحیح نسخ میں اول مرفوع اور دوسرا نصب کے ساتھ ہے۔ ایک روایت دونوں کے نصب کے ساتھ منقول ہے۔

وجہ اعراب: صاحب نہایہ فرماتے ہیں۔ ذکاۃ اول سے اس کو خبر بنایا ہے۔ تقدیری عبارت ہوگی "ذكاة الام هي ذكاة الجنين" اس صورت میں مسئلہ یہ نکلے گا ماں کا ذبح کرنا جنین کیلئے بھی کافی ہے اس کو الگ سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری صورت میں دو توجیہات ممکن ہیں:

① یعنی یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ ~~تقدیری عبارت~~ یہ ہے: "ذكاة الجنين كذكاة أمه" یعنی جار کو جب حذف کیا تو

ذکاۃ کو منصوب کر دیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ یا یہ تقدیری عبارت یوں ہے۔"یذکی بذکیة مثل ذکاة امه" مصدر اور اس کی صفت کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔اس صورت میں مسئلہ یہ ہوگا کہ بچہ اگر زندہ ہی پیٹ سے برآمد ہو جائے تو اس کو مستقلاً ذبح کرنا ضروری ہے۔

تیسری صورت میں دو وجہیں ہوسکتی ہیں: ﴿۱﴾ دونوں آپس میں مبدل منہ اور بدل ہیں۔ ﴿۲﴾ دونوں فعل اغراء کی وجہ سے منصوب ہیں۔

چوتھی صورت: اول کے نصب اور ثانی کے رفع کے ساتھ۔

ظاہر ترکیب امام شافعیؒ وغیرہ کے قول کے خلاف ہے۔کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ محکوم علیہ، محکوم بہ پر مقدم ہوتا ہے۔جبکہ یہاں اس کے برعکس ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں؛ ممکن ہے اصل کلام یوں ہو:"**ذکاة الام بمنزلة ذکاة الجنین فی الحل**" جیسے عرب کا یہ قول ہے:"**سلمي سلمك وحربی حربك، ودمی دمك، وهدمی هدمك**"۔

یعنی ماں کا ذبح ہونا ہی جنین کا ذبح ہے۔اسی طرح محمد بن علی کا یہ قول ہے:"**ذکاة الارض يُبْسُهَا**" زمین کا خشک ہو جانا اس کی پاکی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں امام طیبیؒ کی توضیح کمزور ہے۔

امام طیبیؒ نے "**سلمی وسلمك** ......" جو مثال پیش کی ہے یہ "**زید المنطلق**" کے قبیل سے ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک محکوم علیہ و محکوم بہ دونوں بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔جبکہ زیر بحث میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔

محمد بن علی والی مثال میں تو عقلی قرینہ صارفہ موجود ہے۔جبکہ زیر بحث کلام اس صارف عقلی سے خالی ہے۔

الفائق میں ہے۔"**الذکاة هی التزکیة کما ان الزکاة هی التزکیة**" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکاۃ الام کافی ہے ذکاۃ جنین کے لئے یعنی ذکاۃ الام سے وہ بھی حلال ہو جائے گا۔

اشرفؒ فرماتے ہیں یہ اس وجہ سے کہ بوقت ذبح جنین ماں کیلئے بمنزل عضو متصل کے ہے اور ذبح تمام اعضاء کیلئے کافی ہوتا ہے اور سارا جانور حلال کہلاتا ہے۔لہٰذا جو بچہ ذبح ام کے وقت پیٹ میں ہو اور مردہ حالت میں ماں سے منفصل ہو جائے وہ حلال ہے۔

"اقوالِ فقہہ:

شرح السنہ میں ہے: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی جانور کو ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلے وہ حلال ہے۔اکثر صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قول ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔بعض شوافع نے اشعار کی قید لگائی ہے؛ البتہ جب کوئی بچہ زندہ نکل آئے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔

زین العرب فرماتے ہیں ماں کے ذبح ہونے کے بعد پیٹ میں پایا جانے والا بچہ اگر ماں کے ساتھ ہی ساکن ہو جائے تو وہ بھی حلال شمار ہوگا۔اگر وہ ماں کی جان نکلنے کے بعد بھی تڑپتا رہا اور دیر بعد ساکن ہوا تو وہ حرام ہے۔اگر حالت ذبح میں خارج

ہو جائے اور اس میں مذبوح جیسی حرکت ہو یہ بھی حلال ہے۔ اگر اس میں حیاۃ مستقرہ تھی تو بالاتفاق حلال کرنے کیلئے اس کو ذبح کیا جائے۔ اگر پیدائش کے وقت بچے کا ابھی کچھ حصہ ہی باہر نکلا تھا، مکمل انفصال نہیں ہوا تھا کہ ماں ذبح ہوگئی اور وہ بھی مر گیا تو اس صورت میں بھی وہ حلال ہے اس کا کھانا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: جنین کے حلال ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ وہ زندہ نکل آئے اور پھر اس کو ذبح کیا گیا ہو۔

امام شمنیؒ فرماتے ہیں: احناف کے ہاں ماں کے پیٹ میں پایا جانے والا مردہ جنین حلال نہیں۔ چاہے اس کے بال اگے ہوئے ہوں یا نہ اگے ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حنفیہ میں سے امام زفر اور حسن ابن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو یوسف اور محمدؒ فرماتے ہیں دیکھیں گے اگر اس بچے کی خلقت پوری تھی تو وہ حلال ہے۔ دلیل نقلی یہ حدیث ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ ابھی تک اپنی ماں کا جزء ہے کیونکہ یہ اس کے ساتھ متصل ہے' ماں کی غذا اس کی غذا ہوتی ہے ماں کے ساتھ سانس لیتا ہے۔ اور حکماً بھی ماں کا جزو ہے، بایں طور کہ عقد بیع میں وہ اپنی ماں کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا ماں کی جراحت اس کیلئے بھی ذبح شمار ہوگی۔ جس طرح شکار کا مسئلہ ہے' جب کوئی شخص ذکاۃ اختیاریہ پر قادر نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

(۱) ان الجنین اصلٌ فی حق الحیاۃ۔ بچہ حیات کے معاملہ میں خود مستقل بالذات ہے۔ اسی وجہ سے جنین کیلئے کی گئی وصیت صحیح ہوتی ہے۔ یہاں (ذکاۃ) کے مسئلہ میں بھی اس کو علیحدہ سے ذبح کرنا ضروری ہے تا کہ اس کا دم مسفوح خارج ہو جائے اور اس کا گوشت پاک ہو جائے۔ ذبح کا مقصد دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح دکھائی دیتی ہے کہ ذبح کا مقصد دم مسفوح کا اخراج ہے۔ ماں کی جراحت سے یہ مقصد بچے میں بالکل حاصل نہیں ہوتا۔ بخلاف شکار کے اس میں تیر وغیرہ اخراج دم کیلئے ہی مارا جاتا ہے اس لئے وہ ذبح اختیاری کا قائم مقام ہے۔

لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے: ''ذکاۃ الجنین کذکاۃ امہ'' جس طرح ماں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ جنین کو بھی ذبح کیا جائے گا۔ یہ تشبیہ ہے اور اس طرح کی تشبیہ کئی جگہوں میں ملتی ہے۔ جیسے یہ آیت: وجنۃ عرضھا السمٰوٰت والارض۔ [آل عمران۔ ۱۳۳]

اس مفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ثانی منصوب بھی روایت کیا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ أی یذکی ذکاۃ مثل ذکاۃ أمہ اھ اس بچہ پر جنین کا اطلاق باعتبار ''ما کان'' کے ہے، یا: وآتوا الیتامی أموالھم [النساء۔ ۲] کے قبیل سے ہے۔

۴۰۹۲: وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنِ اَبِی سَعِیْدٍ۔

تخریج: اخرجه الترمذی فی السنن ۴ / ۶۰ الحدیث رقم ۱۴۸۶

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے"۔

اسنادی حیثیت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: جامع صغیر میں ہے: اس کو ترمذی اور حاکم نے جابرؓ کی سند سے نقل کیا ہے۔ امام احمد، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی نے ابوسعیدؓ کی سند سے۔ جبکہ طبرانی نے "الکبیر" میں ابوامامہ، ابوالدرداءؓ اور کعب بن مالک سے نقل کیا ہے امام حاکم نے ابن عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: **ذكاة الجنين اذا أشعر ذكاة أمه لكنه يذبح حتى ينصاب ما فيه من الدم** [الحاكم في المستدرك ٤/١١٤]

ذبح کی صورت میں کٹنے والی رگیں:

ذبح کی صورت میں جانور کی حلق کی جو رگیں کاٹی جاتیں ہیں' وہ چار ہیں۔ ایک تو نرخرہ۔ جس کے ذریعہ سانس کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ دوسری مری یعنی وہ رگ جس سے منہ سے پانی جاتا ہے اور دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ ان چار رگوں کو کاٹنا ہی شرعی طور پر ذبح کہلاتا ہے۔ اگر ان چاروں میں سے تین رگیں کٹ جائیں تب بھی ذبح درست ہے اور اس جانور کا کھانا حلال ہے۔ اگر دو ہی رگیں کٹ جائیں تو وہ جانور مردار ہوگا اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔

اونٹ میں نحر مسنون ہے' ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ خلاف سنت ہے۔ گائے بکری میں ذبح مسنون ہے، نحر کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

جانور کے جنین کا بیان

۴۰۹۳: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَنْحَرُالنَّا قَةَ وَنَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَالشَّاةَ فَنَجِدُ فِیْ بَطْنِهَا الْجَنِیْنَ اَنُلْقِیْهِ اَمْ نَاْکُلُهٗ قَالَ کُلُوْهُ اِنْ شِئْتُمْ فَاِنَّ ذَکَاتَهٗ ذَکَاةُ اُمِّهٖ۔

(رواه ابوداود وابن ماجة)

تخریج : اخرجه أبوداود في السنن ٣ / ٢٥٢ كتاب الاضاحي' باب ما جاء في زكاة الجنين' الحديث رقم ٢٨٢٧ وابن ماجه في ٢ / ١٠٦٧' الحديث رقم ٣١٩٩' وأحمد في المسند ٣ / ٣١

ترجمہ: "اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا "یارسول اللہ! جب ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں اور گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو (بسا اوقات) ہم اس ذبیحہ کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں' کیا ہم اس بچہ کو پھینک دیا کریں یا کھالیا کریں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم چاہو تو اس کو کھالیا کرو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے"۔ (ابوداوٗد، ابن ماجہ)

تشریح: ذبح کرنے کی دو قسمیں ہیں: ایک اختیاری، دوسری اضطراری۔ پھر اختیاری کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک نحر دوسری ذبح۔

نحر یہ ہے کہ اونٹ کی گردن کے نیچے والے حصہ میں سینہ کے قریب نیزہ مارا جائے۔ اول تو اس وجہ سے کہ اونٹ کو ذبح کرنے کے مقابلہ میں نحر آسان ہے اور دوم اس وجہ سے کہ اس کی رگیں اسی جگہ ہوتی ہیں اور ذبح یہ ہے کہ جانور کی حلق کی رگ کو کاٹا جائے۔ چونکہ ان جانوروں کی رگیں اسی جگہ ہوتی ہیں۔ نیز ذبح کرنا آسان ہے۔

''أنلقيه؟'' سوال دو چیزوں کے متعلق ہوسکتا ہے۔

① کیا ہم اس کو پھینک دیں کہ وہ مر جائے۔ ② کیا وہ مردار ہے؟

''ام ناكله'' اس کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں: ① ہم مستقل اس کو ذبح کریں ② یا ماں کا ذبح ہی اس کے حلال ہونے کیلئے کافی ہے؟ ''قال كلوه'' یہاں امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ اباحت کیلئے ہے۔ آنحضرت ﷺ کے قول ان شئتم کے الفاظ اباحت کیلئے قرینہ ہیں۔

صحابہ کرام کے پوچھنے کی ممکنہ وجوہات دو ہوسکتی ہیں:

بچہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے قابل شفقت ومحبت ہوتا ہے۔ صحابہ کو اس وجہ سے شاید تردد ہو رہا تھا کہ اس کو ذبح کیا جائے یا نہیں؟

تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ جنین اور ماں ہر دو ذی روح ہیں اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال کیا ہے، اور دونوں کو ذبح کرنا شرعاً جائز ہے۔ لہٰذا تردد کی ضرورت نہیں جس طرح ماں کو ذبح کرنا جائز ہے۔ بچے کو بھی ذبح کرنا جائز ہے۔

بچہ مردار ہے اس کا کھانا حلال نہیں اور یہ آیت: حرمت عليكم الميتة کے ذیل میں داخل ہے۔ صحابہ کے ذہنوں میں اگر یہ بات ہوتی تو سوال کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔ علاوہ ازیں اگر وہ حلال ہی تھا تو تخییر کا کوئی مطلب نہیں بنتا اس لئے کہ اس کو نہ کھانا اضاعت مال کے زمرہ میں آتا ہے جو منہی عنہا ہے۔

سوال: اگر ماں کو ذبح کرنے کے باوجود بچہ کو کھانا حلال نہیں تو ماں کے ذبح کرنے کی اجازت بھی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس میں بھی اضاعت مال پایا جاتا ہے کیونکہ ماں کے ذبح ہی کی وجہ سے بچے کی رضاعت کی نوبت آئی ہے۔

جواب: بچہ کی موت غیر متقین ہے، اس امید سے ماں کو ذبح کیا جاتا ہے کہ بچہ ہاتھ لگ سکے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ماں کا ذبح اضاعت مال کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا ماں کا ذبح کرنا جائز ہوگا۔

ذی روح کو ناحق مارنے کی مذمت

۴۰۹۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَاَلَهُ اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهٖ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا حَقُّهَا قَالَ اَنْ يَّذْبَحَهَا فَيَاْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعَ رَاْسَهَا فَيَرْمِيَ بِهَا۔ (رواه احمد والنسائی والدارمی)

تخريج: اخرجه النسائی فی السنن ٧/ [illegible] كتاب الضحايا' باب من قتل عصفوراً بغير حقها الحديث رقم

۴۴۴۵، والدارمی فی ۲ / ۴، الحدیث رقم ۱۹۷۸، وأحمد فی المسند ۲ / ۱۶۶

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے چڑیا یا اس سے اوپر (چھوٹے یا بڑے) پرندے کو ناحق مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کے قتل کرنے کے بارے میں اس سے سوال کرے گا۔ عرض کیا گیا کہ ''یا رسول اللہؐ! اور اس (چڑیا وغیرہ) کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہ اس کو ذبح کیا جائے (کسی اور طرح سے کو نہ مارا جائے) اور پھر اس کو کھایا جائے' اس کا سر کاٹ کر اس کو نہ پھینکا جائے۔''۔ (احمد' نسائی' دارمی)

اللغات: ''عصفور'' عین کے ضمہ کے ساتھ چڑیا وغیرہ۔ یہ اسم جنس ہے۔ امام طیبیؒ لکھتے ہیں:

تشریح: جنس کا اعتبار کرتے ہوئے مؤنث کی ضمیر ذکر کی اور لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر کی ضمیر لائی گئی ہے۔

امور نحویہ: **وما حقها؟** مرفوع ہے۔ اعراب حکائی کی وجہ سے مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو کھانے کے مقصد کے علاوہ ذبح کرنا یا کسی اور طرح اس کی جان مارنا مکروہ ہے۔ اھ دوسرے علماء لکھتے ہیں کہ یہ کراہت تحریمی ہے' اس لئے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کی جان مارنے سے منع فرمایا ہے جو کھائے نہیں جاتے یا جن کا کھانا حلال نہیں ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ کسی جانور کے حق کا مطلب اس سے متنفع ہونا ہے اور بلا مقصد سر کاٹ کر پھینک دینے کو حق ضائع کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ حدیث کے یہ الفاظ **ولا یقطع رأسها فیرمی بها** ماسبق کی عبارت کی گویا تاکید و توثیق کے طور پر ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے اگر کسی کے ہاں بادشاہ یا کوئی سردار آئے تو اس کیلئے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے لیکن یہ بات درست نہیں۔

اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اونٹ یا گائے ذبح کی گئی تھی۔ علماء نے کسی کے آنے کے بعد ضیافت کو سنت قرار دیا ہے۔

جامع صغیر کے الفاظ یوں ہیں:

''**من قتل عصفورًا بغیر حق سأله الله عنه یوم القیامة**'' اس حدیث کو امام احمدؒ نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے۔

طبرانیؒ اور امام احمدؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح نقل کیا ہے:

ما من دابة طائر ولا غیره یقتل بغیر حقٍ الا یتخاصمه یوم القیامة'' [الجامع الصغیر ۲/ ۴۸۶، الحدیث رقم ۷۹۶۱]

جو بھی جانور بغیر مقصد کے مارا جائے گا وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور شکایت کرے گا اور بدلہ طلب کرے گا۔

زندہ جانور کے جسم سے کاٹے گئے گوشت کا بیان

۴۰۹۵: **وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یُجِبُّوْنَ اَسْنِمَةَ**

اِلْاِبِلِ وَيَقْطَعُوْنَ اَلْيَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ

(رواه الترمذی وابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٣ / ٢٧٧' الحديث رقم ٢٨٥٨' والترمذی فی ٤ / ٦٢ ' كتاب الاطعمه' باب ما قطع من الحی فهو ميت' الحديث رقم ١٤٨٠ والدارمی فی ٢ / ١٢٨' الحديث رقم ٢٠١٨' وأحمد فی المسند ٥ / ٢١٨

ترجمہ: ''اور حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ کے لوگ (ایسا کرتے تھے کہ) اونٹ کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیا کرتے تھے (اور پھر اس کو کھاتے تھے) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز بھی زندہ جانور کے جسم سے کاٹ لی جائے تو وہ (کاٹی ہوئی چیز) مردار ہے' اس کو نہ کھایا جائے''۔ (ترمذی' ابوداؤد)

تشریح: **قوله :وهم يجبون اسنمة الابل**......:

''**يجبون**'' جیم کے ضمہ اور باء کی تشدید کے ساتھ **يقطعون** کے معنی میں ہے۔

اسنمه نون کے کسرہ کے ساتھ سنام کی جمع ہے۔ ''**اليات**'' ہمزہ کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح: ایک نسخہ میں یہ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ''**الية**'' کی جمع ہے۔

ما يقطع'' یہاں ''**ما**'' موصولہ ہے۔ ''**من البهيمة**'' ''**من بيانيه**'' ہے۔

''**وهی حية**'' یہ جملہ حالیہ ہے۔ ''**فهی**'' یہ ضمیر ''**ما يقطع**'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ خبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو مؤنث لایا گیا ہے۔ جو ''**ميته**'' ہے۔ اس کے شروع میں فاء اس لئے ہے کہ مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہے۔

''**لا تأكل**'' یہ صفت کاشفہ ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو وجہ تشبیہ بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے اعضاء کا حکم مردار کا ہے اس کو نہ کھایا جائے

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ ایسا عضو جو زندہ جانور کا کاٹا جائے وہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ عضو حیات کے زائل ہونے سے میت کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اسی سے ان کو روکا گیا ہے۔

علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث اوپر والی حدیث میں مذکور صحابہ کے سوال کی وجہ کی دلیل بن سکتی ہے کہ جنین کے متعلق بھی صحابہ کو اس طرح کی کسی فعل کی وجہ سے تردد تھا کہ وہ بھی ماں کے جزء منفصل جیسا ہے۔ چنانچہ وہ حلال ہوگا کہ حرام؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کا عندیہ دیا۔

اس حدیث کو ابوداؤدؒ اور امام ترمذی کے علامہ شمنی نے مرفوعاً نقل کیا ہے شمنی کے الفاظ یوں ہیں۔

''**ما قطع من البهيمة وهی حية فهو ميتة**'' جامع صغیر نے ترمذی ہی والے الفاظ نقل کئے ہیں۔

صاحب جامع صغیر فرماتے ہیں: **رواه احمد وابوداود وترمذی والحاكم عن ابی واقد ،ورواه ابن ماجه**

والحكم عن ابن عمر والحاكم عن ابى سعيد والطبرانى عن تميم۔ [الجامع الصغير ٢/٤٨٦، الحديث رقم ٨٩٦١]

اسنادی حیثیت: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

ذبح کی ایک خاص صورت کا بیان

الفصل الثالث:

۴۰۹۶: عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَارِثَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْعٰى لِقْحَةً بِشِعْبٍ مِنْ شِعَابِ اُحُدٍ فَرَاٰى بِهَا الْمَوْتَ فَلَمْ يَجِدْ مَا يَنْحَرُهَا بِهٖ فَاَخَذَ وَتِدًا فَوَجَأَ بِهٖ فِيْ لَبَّتِهَا حَتّٰى اَهْرَاقَ دَمَهَا ثُمَّ اَخْبَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا (رواه ابوداود ومالك وفى روايته قَالَ فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ)

تخريج: اخرجه أبوداود فى السنن ٣ / ٢٤٩ كتاب الاضاحى' باب فى الذبيحة بالمروة' الحديث رقم ٢٨٢٣ و مالك فى الموطا ٢ / ٤٨٩' الحديث رقم ٣' من كتاب الذبائح وأحمد فى المسند ٥ / ٤٣٠

ترجمہ: ''حضرت عطاء بن یسار قبیلہ بنی حارثہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ احد کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں ایک اونٹنی چرایا کرتا تھا۔ اس نے اونٹنی میں موت کے آثار دیکھے (یعنی اس نے دیکھا کہ اونٹنی کسی وجہ سے مر رہی ہے اس وقت) اس کو کوئی ایسی چیز نہ ملی ہو جس کے ذریعہ وہ اونٹنی کو نحر کرتا' چنانچہ اس نے ایک کیل اٹھائی اور (اس کو نوک کی جانب سے) اس کو اونٹنی کے سینے میں گھسا دیا' یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا' پھر اس نے (اس واقعہ کو) رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا (اور اس کے گوشت کے بارے میں دریافت کیا کہ اس صورت میں اس کا کھانا کیسا ہے؟) آپ ﷺ نے اس کو اس (کے گوشت) کے کھانے کی اجازت دی (ابوداؤد' مالک) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''آخرکار اس نے ایک دھاردار لکڑی سے اس کو ذبح کر دیا''۔

تشریح: ''لقحة'' لام کے کسرہ اور قاف کے سکون کے ساتھ ہے اور لام کو فتح دینا بھی جائز ہے۔ مراد ہے وہ اونٹنی جو جوان ہونے کے قریب ہو۔

شعاب کے اول کے دونوں حروف مکسور ہیں۔

لفظ شعب کئی معنوں مثلاً پہاڑی راستہ، درہ گھاٹی زیرین زمین چلنے والی نہر وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ **كذا فى القاموس** ''احد: ہمزہ اور حاء دونوں پر ضمہ ہے۔

''**وتدًا**'': واؤ کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ،'' **وفى القاموس بالفتح والتحريك ككتف**''۔

''**وَجأ**'' واؤ جیم اور ہمزہ تینوں کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ''ضرب'' ہے۔ **اهراق:** ہمزہ قطعی کے ساتھ باب افعال سے۔

فى لبتها: یہ **يجرح فى عراقيبها نصلى** کے قبیل سے ہے۔

''**وتد**'' لکڑی کی اس میخ یا کھونٹی کو کہتے ہیں جو زمین یا دیوار میں گاڑی جاتی ہے۔'' **شظاظ** ''جمع'' **الشظه** ''اس لکڑی کو کہتے ہیں۔ جس کے دونوں کنارے نوکدار ہوتے ہیں۔ اس کو دونوں تھیلوں کے درمیان اڑا کر اونٹ پر لادتے ہیں۔ تاکہ وہ

دونوں تھیلے الگ الگ ہو کر گر نہ سکیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی طور پر ذبح یا نحر کا مفہوم یہ ہے کہ جراحت کے ساتھ خون بہایا جائے اور یہ بات جس چیز سے بھی حاصل ہو جائے اس کے ذریعہ ذبح یا نحر کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ لوہے کی چھری وغیرہ ہو یا کوئی دھار دار اور نوکدار لکڑی وغیرہ ہو۔

مصنف ؒ نے امام ابوداؤد ؒ کا نام شاید اسلئے مقدم کیا کہ یہ الفاظ حدیث ابوداؤد کے تھے۔

روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''فاخذ وتدًا فوجأ به فی لبتها حتى اهراق دمها فذكاها''۔

حلال دریائی جانوروں کا بیان

۴۰۹۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْبَحْرِ اِلاَّ وَقَدْ ذَكَّاهَا اللّٰهُ لِبَنِيْ اٰدَمَ

تخریج : اخرجه الدارقطنی فی السنن ٤ / ٢٦٧' الحدیث رقم ٤ فی كتاب الصيد والذبائح

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سمندر کا ایسا کوئی جانور نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے حلال قرار نہ دیا ہو''۔ (دارقطنی)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں، مچھلی کے حلال ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ مچھلی کے علاوہ دیگر جانوروں کی حلت وحرمت میں اختلاف ہے۔ شوافع کے نزدیک تمام دریائی میتات حلال ہیں خود مرے ہوں یا ان کا شکار کیا گیا ہو۔

شوافع کے ہاں مینڈک حرام ہے کیونکہ اس کو مارنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ کسی جانور کو مارنے کی ممانعت دو وجہوں سے ہوتی ہے: ① اس کے حرمت کی وجہ سے جیسے انسان کو مارنے کی ممانعت ہے۔ ② یا اس کے کھانے کی حرمت کی وجہ سے اس کی مثال صرد اور مینڈک ہے۔ احادیث: نسائی اور امام ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن عثمان قریشی کی سند سے روایت کیا ہے۔ ''ان طبيباً سأل رسول الله ﷺ عن الضفدع يجعلها فی الدواء فنهى عن قتلها'' کہ ایک طبیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کو دواء میں استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک مارنے سے منع فرمایا۔ یہ روایت امام احمد، ابوداؤد طیالسی اور امام اسحاق سب نے اپنے اپنے مسانید میں نقل کی ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ **صحیح الاسناد**۔

مینڈک اور صرف کے علاوہ جو جانور ہیں۔ ان کے بارے میں شوافع کے تین اقوال ہیں:

① سارے کے سارے حلال ہیں۔ ② حلال نہیں۔ ③ وہ جانور جن کی نظیر خشکی میں پائی جاتی ہے، دیکھا جائے گا۔ اگر وہ حلال تو یہ بھی حلال ہے اگر وہ حرام ہے تو یہ بھی حرام ہوگا۔ اس قاعدہ سے دریائی گھوڑا دریائی بکری دریائی ہرن حلال ہے اور دریائی کتا، خنزیر اور گدھا حرام ہیں۔

پہلا قول صحابہ کرام میں سے حضرات ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں جمیع حیوانات سمندر مع دریائی مینڈک حلال ہیں۔ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:(1) احل لکم صید البحر وطعامه [المائدة:٩٦] (2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: صیده ما اصطید وطعامه ما رمی به ابن عباسؓ نے فرمایا: طعامه الا ما قزرت منها۔

شرح السنہ میں ہے کہ امام حسن بصریؒ دریائی کتوں کی کھال کی بنی زین پر سواری فرماتے اور مینڈک اور کیچوے کو کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ارجو ان لا یکون بالسرطان بأس ۔ مجھے امید ہے کہ کیکڑا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

احناف کے ہاں سوائے مچھلی کے دیگر تمام جانور حرام ہیں۔

حنفیہ کی دلیل یہ آیت مبارکہ: ویحرم علیهم الخبائث [الاعراف:١٥٧] ہے۔

احناف کے ہاں مچھلی کیلئے بھی شرط یہ ہے کہ وہ طافی نہ ہو کیونکہ طافی کا کھانا ہمارے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل ابن ماجہ اور ابوداؤدؒ یہ کی حدیث ہے جو حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔

''ان رسول اللّٰه قال "ما القاه البحر أو جر الجزر عنه فكلوه وما مات فيه وطفا فلا تأكلوه''۔

[أخرجه ابو داؤد في السنن ٤/١٦٥ الحديث رقم ٣٨١٥، وابن ماجة في ٢/ ١٠٨١، الحديث رقم ٣٢٤٧]

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں سمک طافی کے کھانے کی حضرت جابر بن عبداللہ حضرت علی، حضرت ابن عباس ابن مسیب ابی الشعثاء نخعی طاؤس اور زہری کراہت نقل کی ہے۔

بَابُ ذِكْرِ الْكَلْبِ

کتے سے متعلق احکام کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے کتوں سے متعلق احکام معلوم ہوں گے کہ کن مقاصد کیلئے اور کون سا کتا پالنا جائز ہے اور کون سا نا جائز۔ کس کتے کو مارنا جائز ہے اور کس کا مارنا نا جائز۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں۔ یہ باب اول کا تتمہ اور ردیف ہے اور ملا علی قاریؒ اس کو آنے والے باب کیلئے مقدمہ قرار دیتے ہیں۔

بلا ضرورت کتا پالنا

الفصل الاول:

٤٠٩٨: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةِ

اَوْضَارٍ نُقِصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ (متفق عليه)

تخریج : اخرجه البخارى فى صحيحه ٦٠٧٩ كتاب الذبائح' والصيد' باب من اقتنى كلبًا ليس بكلب الصيد وما شية' الحديث رقم ٥٤٨٠ و مسلم فى ٣ / ١٢٠١' الحديث رقم (٥٠ ـ ١٥٧٤) والترمذى فى السنن ٤ / ٦٧ الحديث رقم ١٤٨٧' والنسائى فى ٧ / ١٨٨' الحديث رقم ٣٢٨٦' والدارمى فى ٢ / ١٢٤' الحديث رقم ٢٠٠٤' و مالك فى المؤطا ٢ / ٩٦٩' الحديث رقم ١٣ من كتاب الاستيذان وأحمد فى المسند ٢ / ٨

ترجمه:''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے اور شکاری کتے کے علاوہ کوئی دوسرا کتا پالا تو اس کے عمل (کے ثواب) میں سے روزانہ دو قیراط کے برابر کمی کر دی جاتی ہے''۔(بخاری ومسلم)

تشریح:قوله :من افتنى كلما......:

''او ضارٍ ''مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں راء مخففہ مکسورہ منونہ کے ساتھ ہے اور اس کا عطف'' ماشية'' پر ہے۔

تشریح: امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''الصارى من الكلاب ما يهيج بالصيد يقال ضرى الكلب بالصيد ضراوة'' وہ کتا جو شکار پر دوڑایا جائے۔فرماتے ہیں۔''ضاریًا'' ہونا چاہیے کیونکہ اس کا عطف مستثنٰی منہ پر ہے۔ بعض روایات میں منقول بھی اسی طرح ہے۔ان روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تنوین نہ پڑھنا غلط ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:بعض معتبر نسخوں میں یاء کے ساتھ (ضاری)،اور کچھ میں الف کے ساتھ یعنی''ضاریًا''منقول ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ضار یا پڑھا جائے تو اعراب میں کوئی خفاء والی بات نہیں رہتی کہ کلبًا پر اس کا عطف ہوگا۔

اگر ضاری، یا ضار پڑھا جائے تو اس صورت میں ماشیه پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا اور یہ اضافت الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہوگا۔جیسے مسجد الجامع اور ماء الورد ہے۔

اگر الضاری پڑھا جائے تو اسم منقوص میں بغیر الف لام کے یاء کو برقرار رکھنا لغت قلیلہ ہے۔امام بیضاویؒ فرماتے ہیں: یہاں کلب کی اضافت''ضاری'' کی طرف ابہام وتخصیص کی غرض سے ہے۔کیونکہ کتا کبھی''ضاری ''ہوتا ہے اور کبھی ''ضاری''نہیں ہوتا۔

نقص:فعل مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ایک نسخہ میں فعل معروف کے صیغہ کے ساتھ ہے۔یہ بذات خود متعدی ہے۔ اس کو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں لیکن یہاں لازم معنی یعنی انتقص کے معنی میں ہے۔

امور نحویہ: كل يوم مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔''قیراطان''یہ فاعل ہے یا نائب فاعل ہے۔

''قیراط''اصل میں ایک وزن کا نام ہے جو نصف''دانق''کا ہوتا تھا،اور وہ دینار کے چھٹے حصہ کے برابر ہوتا تھا۔مرتب عرض کرتا ہے:ایک قیراط ۵ جو کے برابر ہے،اور ایک جو ۳ چاول کے برابر ہے اور ایک قیراط باعتبار رتی کے ۱-۱۴/۱۱ رتی یعنی تقریباً پونے دو رتی کے برابر ہوتا ہے اور ایک درہم ۱۴ قیراط کا ہوتا ہے اور ایک دانق ۴ قیراط کا ہوتا ہے۔اس اعتبار سے ایک دانق

تقریباً ۲ رتی کا ہوا۔ (جواہر الفقہ۔ ج ا، ص ۴٦۸) لیکن حدیث میں ''قیراط'' کا استعمال کس مقدار کے لئے کیا گیا ہے اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اگر چہ بعض احادیث میں اس ''مقدار'' کو احد پہاڑ کے برابر بتایا گیا ہے۔ اس بنیاد پر اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ شریعت نے جن مقاصد کے لئے کتوں کو پالنے کی اجازت دی ہے جیسے مویشیوں (یا گھر' کھیت) کی حفاظت اور شکار' ان کے علاوہ محض تفریح طبع اور شوق کی خاطر اگر کوئی شخص کتا پالے گا تو اس نے جو نیک اعمال کئے ہیں اور اس حق تعالیٰ نے ان اعمال کی بناء پر اپنے فضل و کرم سے اس کے نامۂ اعمال میں اجر و ثواب کے جو ذخیرے رکھے ہیں' ان میں سے روزانہ اس مقدار میں کمی آتی رہے گی کہ اگر اس مقدار کو جسم تصور کیا جائے تو وہ دو احد پہاڑ کے برابر ہو! یا یہ کہ دو قیراط سے مراد اس شخص کی نیکیوں کے حصول میں سے دو حصے کی کمی و نقصان ہے۔

حدیث کا اصل منشاء صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ بلا ضرورت شرعی کتا پالنا اپنے اعمال کے اجر و ثواب کے بہت بڑے حصے سے ہاتھ دھونے کا باعث ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کتے پالنے کی وجہ سے ثواب اعمال میں کمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں:

① وہ شخص (کتا پال کر) دوسرے لوگوں کو ایذا پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے بایں طور کہ کتا آنے جانے والوں پر بھونکتا ہے، لوگوں کو خوفزدہ کرتا ہے اور کبھی کاٹ بھی لیتا ہے۔ ② یہ کمی و نقصان اس سبب سے ہے کہ جب گھر میں کتا پالا ہوا ہوتا ہے تو وہ گھر والوں کی بے خبری میں کھانے پینے کے برتن میں منہ ڈالتا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ گھر والے چونکہ بے خبر ہوتے ہیں اس لئے وہ ان برتنوں کو دھوئے مانجے بغیر ان میں کھاتے پیتے ہیں۔ ③ چونکہ اس کتے کی گھر میں موجودگی کی وجہ سے ملائکہ رحمت گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ④ کتا پالنے کی ممانعت آئی ہے اور اس شخص نے کتا پال کر حکم شرع کی مخالفت کی ہے۔ اس عصیان کی عقوبت کے طور پر اس کا اجر کم ہوتا ہے۔

کتا پالنا اجر و ثواب میں کمی کا باعث

۴۰۹۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ صَيْدٍ اَوْزَرْعٍ اِنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ. (متفق عليه)

تخريج: اخرجه البخاري في صحيحه ٥ / ٥ كتاب الحرث والمزارعة' باب اقتناء الكلب للحرث' الحديث رقم ٢٣٢٢ و مسلم في ٣ / ١٢٠٣ الحديث رقم (٥٨ - ١٥٧٥) والنسائي في السنن ٧ / ١٨٩' الحديث رقم ٤٢٨٩' وابن ماجه في ٢ / ١٠٦٩' الحديث رقم ٣٢٠٤' وأحمد في المسند ٢ / ٢٦٧

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت کرنے والے' شکار پکڑنے والے اور کھیت کھلیان کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کوئی کتا پالا تو اس کے اجر و ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط کے برابر کمی کر دی جاتی ہے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مضمون ومفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔البتہ اس حدیث میں اس کتے کے استثناء کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو کھیت کھلیان کی حفاظت کرنے کیلئے پالا جاتا ہے۔واضح رہے کہ اس حدیث اور پچھلی حدیث میں تعارض ہے۔کہ اس حدیث میں ایک قیراط کا ذکر کیا ہے جب کہ پہلی حدیث میں دو قیراط کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلا جواب: یہ فرق اختلاف مواضع' زمانہ اور کتوں کے ایذاء رسانی میں فرق کی وجہ سے ہے۔صاحب مظاہر حق نے فرمایا ہے: چنانچہ یہ فرق کتوں کی مختلف اقسام کی بنیاد پر ہے کہ بلا ضرورت پالے جانے والے کتوں میں بعض کتے ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو کم ایذا پہنچاتے ہیں۔ان کو پالنے کی صورت میں ایک قیراط کے برابر کمی کی جاتی ہے۔

دوسرا جواب: یہ فرق ''مقام وجگہ'' کے اعتبار سے ہے کہ بعض جگہ تو بلا ضرورت کتے پالنے کی وجہ سے ثواب میں دو قیراط کے برابر کمی کی جاتی ہے۔جیسے مکہ اور مدینہ کہ دونوں مقدس شہر اپنی عظمت' و بزرگی اور مہبط وحی ہونے کے لحاظ سے ایسے ہیں کہ اگر ان کی حدود میں رہنے والا کوئی شخص بلا ضرورت کتا پالتا ہے تو وہ زیادہ گنہگار ہوتا ہے اس لئے اس کے ذخیرۂ ثواب میں دو قیراط کے برابر کمی ہو جاتی ہے جب کہ ان دونوں مقدس شہروں کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں کتا پالنے والا نسبتاً کم گنہگار ہوتا ہے' اس لئے اس کے ثواب میں سے ایک قیراط کے برابر کم کیا جاتا ہے یہ ذرا محل نظر ہے، چونکہ اگر ایسا ہوتا تو شارع اس کو واضح طور پر بیان فرماتے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ شہر یا دیہات (کسی بھی آبادی) میں کتا پالتے ہیں ان کے ثواب میں دو قیراط کے برابر کمی ہوتی ہے اور جو لوگ جنگل و بیابان میں کتا پالتے ہیں ان کے ثواب میں ایک قیراط کی کمی ہوتی ہے کیونکہ آبادی میں کتے پالنے کی وجہ سے زیادہ لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے جب کہ جنگل و بیابان میں یہ صورت نہیں ہوتی۔تیسرا جواب: کتے پالنے کی ممانعت کے ابتدائی دور میں ایک قیراط کی کمی کی وعید سنائی اور پھر اس معاملہ میں مزید سختی کرنے کے لئے دو قیراط کمی کی وعید سنائی۔چوتھا جواب: لوگ کتوں کے ساتھ بہت زیادہ انس رکھتے تھے، حتیٰ کہ کتوں کے ساتھ کھاتے پیتے تھے، بلکہ کتے کا گوشت بھی کھا جاتے تھے، اس لئے دو قیراط کی وعید سنائی اور پھر بعد میں کچھ نرمی فرماتے ہوئے ایک قیراط کی وعید سنائی۔یہ جواب بھی محل نظر ہے، چونکہ عہد نبوی میں اس قسم کی صورت حال ثابت نہیں ہے۔

کتوں کو مار ڈالنے کا حکم

۴۱۰۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اِنَّ الْمَرْاَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِيَةِ بِكَلْبِهَا فَنَقْتُلُهٗ ثُمَّ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَاِنَّهٗ شَيْطَانٌ . (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحيحه ۳ / ۱۲۰۰ كتاب المساقاة' باب ۱۰' الحديث رقم (۴۷ ـ ۱۵۸۲) والترمذی فی السنن ۴ / ۶۶ الحديث رقم ۱۴۸۶

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (مدینہ کے) کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا (ہم مدینہ اور اطراف مدینہ کے کتوں کو مار ڈالتے تھے) یہاں تک کہ جو عورت اپنے کتے کے ساتھ جنگل سے آتی تو ہم اس کو

بھی قتل کر دیتے تھے' پھر بعد میں رسول اللہ ﷺ نے عام کتوں کو مار ڈالنے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ خالص سیاہ کتے کو جو دو نقطوں والا ہو مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے''۔ (مسلم)

تشریح: ''حتی أن المرأة''۔ یہاں ''انّ''' مکسور الہمزہ ہے۔

حتی ان المراة ......: ''حتی'' یہاں جملہ پر داخل ہوا ہے یہ درحقیقت کلام محذاف کی غایت کا بیان ہے۔ **أی أمرنا بقتل الکلاب فقتلنا ولم ندع فی المدینة کلبا الا قتلناہ حتی نقتل کلب المرأة تقدم من البادیة**۔ ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ صراحتاً بھی وارد ہوئے ہیں۔

''فنقتله'' نون کے ساتھ ایک نسخ میں فتقتله تاء کے ساتھ ہے۔ پہلی صورت میں صحابہ کا خود قتل کرنا مراد ہوگا۔ دوسری صورت میں عورتوں کا خود قتل کرنا مراد ہوگا۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ کتوں کو مار ڈالنے کا حکم صرف مدینہ منورہ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ وہ شہر مقدس محض اسی اعتبار سے تقدیس کا حامل نہیں تھا کہ اس میں سرکار دو عالم ﷺ اقامت پذیر تھے بلکہ اس اعتبار سے بھی اس کو پاکیزگی کی عظمت حاصل تھی کہ وہ وحی کے نازل ہونے اور ملائکہ کی آمد ورفت کی جگہ تھا' لہٰذا یہ بات بالکل موزوں اور مناسب تھی کہ اسکی سرزمین کو کتوں کے وجود سے پاک رکھا جاتا۔

عورتوں کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ جو عورتیں جنگل میں بود وباش رکھتی تھیں ان کو (مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے) کتوں کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی اور جب وہ شہر میں آتیں تو اس وقت بھی ان کا کتا ان کے ہمراہ ہوتا تھا۔

یا یہ کہا جائے کہ یہاں عورت کی قید محض اتفاقی ہے اور مراد یہ ہے کہ ان کتوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جاتا تھا جو جنگل سے شہر آ جاتے تھے خواہ وہ کسی عورت کے ساتھ آتے یا کسی مرد وغیرہ کے ساتھ۔

قوله علیکم بالاسود:

اس قسم کا کتا چونکہ انتہائی شریر اور لوگوں کے لئے سخت تکلیف اور ایذا پہنچانے والا ہوتا ہے اس لئے اس کو ''شیطان'' فرمایا گیا ہے۔

اس کو ''شیطان'' کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسا کتا نہ نگہبانی کے کام کا ہوتا ہے اور نہ شکار پکڑنے کے مصرف کا اور اکثر اونگھتا رہتا ہے چنانچہ اسی سبب سے امام احمدؒ و اسحٰق فرماتے ہیں کہ سیاہ کتے کا پکڑا ہوا شکار حلال نہیں کیونکہ وہ شیطان ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کٹ کھنے کتے کو مار ڈالنے پر تو علماء کا اتفاق ہے اگرچہ وہ سیاہ رنگ کا نہ ہو لیکن اس کتے کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں جو نقصان وضرر پہنچانے والا نہ ہو۔

امام حرمین کہتے ہیں کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے ہر قسم کے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا' بعد میں اس حکم کی عمومیت منسوخ کر کے صرف یک رنگ سیاہ کے کتے تک محدود کر دیا گیا اور پھر آخر میں ان تمام کتوں کو مار ڈالنے کی ممانعت فرما دی جو نقصان و ضرر پہنچانے والے نہ ہوں' یہاں تک کہ یک رنگ سیاہ کتے کو بھی اس حکم میں شامل کر دیا گیا اگر اس سے نقصان وضرر پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کو بھی ختم نہ کیا جائے اھ امام حرمین کا یہ کلام دلیل کا محتاج ہے۔

قاضی ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرتؐ کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہے کہ کالا شیطان ہوتا ہے، حالانکہ واضح بات ہے کہ کالا کتا کتے کی نسل ہے، اور اسی طرح اونٹ کے بارے میں یہ فرمانا کہ اونٹ جن ہے حالانکہ اونٹ بھی اونٹنی سے ہی پیدا ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور تشبیہ کے فرمایا، چونکہ کالا کتا کتوں میں سے شریر ترین ہے، اس کا کوئی خاص فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا اور اونٹوں کو جنات سے تشبیہ ان کی صعوبت اور آواز کی وجہ سے دی ہے۔

۴۱۰۱ : وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَیْدٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ مَاشِیَةٍ۔ (متفق علیه)

تخریج : اخرجه مسلم فی صحیحه ۳ / ۱۲۰۰ کتاب المساقاة' باب ۱۰' الحدیث رقم (۴۶ ـ ۱۵۷۱)

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (تمام کتوں کے یا مدینہ کے) کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا' سوائے شکاری کتوں اور بکریوں کی حفاظت کرنے والے کتوں اور مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتوں کے' کہ ان کو مستثنیٰ رکھا''۔

قوله :ان النبی ﷺ امر بقتل الکلاب......:

''اَوْ مَاشِیَةٍ (اور مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے)'' یہ جملہ تعمیم بعد تخصیص کے طور پر ہے۔ یعنی استثناء کے سلسلے میں پہلے تو خاص طور پر بکریوں کی حفاظت کرنے والے کتوں کا ذکر کیا پھر عمومی طور پر تمام جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتوں کا ذکر کیا' لہٰذا اس صورت میں حرف ''اَو'' تنویع کے لئے ہوگا جیسا کہ ماقبل کی عبارت میں ہے۔

یا یہ کہ اَوْ مَاشِیَةٍ میں حرف اَوْ راوی کے شک کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی اس کے ذریعہ حدیث کے راوی نے بتانا چاہا ہے کہ مجھے صحیح یاد نہیں ہے کہ اس موقع پر الا کلب صید او کلب...... '' کے بعد غَنَمٍ فرمایا گیا تھا یا مَاشِیَةٍ۔ واللّٰہ اعلم۔ امام طیبیؒ کا کہنا ہے کہ پہلا ''او'' تنویع کے لئے ہے اور دوسرا ''او'' تردید کیلئے ہے۔ اھ۔ لیکن یہ محل نظر ہے۔

الفصل الثانی:

کتوں کو نہ مارنے کی علت کا بیان

۴۱۰۲ :عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِنَ الْاُمَمِ لَاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ اَسْوَدَ بَهِیْمٍ (رواه ابوداود والدارمی وزاد الترمذی والنسائی) وَمَا مِنْ اَهْلِ بَیْتٍ یَرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا اِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ اِلَّا كَلْبَ صَیْدٍ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ۳ / ۲۶۷' کتاب الصید ' باب فی اتخاذ الکلب الصید وغیره' الحدیث رقم ۲۸۴۵ والترمذی فی ۴ / ۶۷' الحدیث رقم ۱۴۸۹' والنسائی فی ۷ / ۱۸۵ الحدیث رقم ۴۲۸۰' وابن ماجه

فی ۲ / ۱۰۶۹ الحدیث رقم ۳۲۰۵، والدارمی فی ۲ / ۱۲۰، الحدیث رقم ۲۰۰۸، وأحمد فی المسند ۵ / ۵٤

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کتے (بھی) گروہوں میں سے ایک گروہ نہ ہوتے، تو یقیناً میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ پس ان میں جو (بھی) کتا خالص سیاہ رنگ کا ہو اس کو قتل کر ڈالو۔ (ابوداؤد، دارمی) اور ترمذی ونسائی نے یہ عبارت مزید نقل کی ہے کہ جس گھر والے ''بلاضرورت'' کتا پالتے ہیں ان کے عمل (کے ثواب میں) سے روزانہ ایک قیراط کے بقدر کمی کر دی جاتی ہے، سوائے شکاری کتے اور کھیت کی حفاظت کرنے والے اور ریوڑ کی رکھوالی کرنے والا کتے سے''۔

تشریح: اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیات کریمہ کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ......﴾ [الانعام: ۳۸] ''اور زمین میں جو چلنے پھرنیوالا (حیوان) یا دو پروں سے اُڑنے والا جانور ہے انکی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی۔ پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائینگے۔''

دوسری آیت یہ ہے: ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ......﴾ [الاحقاف: ۳] ''ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مبنی برحکمت اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی خاص مصلحت وحکمت کی بناء پر پیدا کیا ہے اسی طرح جانوروں کو بھی مصلحت وحکمت ہی کے مطابق پیدا کیا ہے، اس اعتبار سے جس طرح انسان کی جان کی اہمیت ہے، اسی طرح جانوروں کی جان کی بھی اہمیت ہے کہ ان کو بلاضرورت اور بلامقصد مار ڈالنا تخلیق خداوندی کی مصلحت وحکمت کے منافی ہے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امم میں سے ایک امت کو فناء کرنا ناپسند فرمایا کیونکہ اللہ نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے اس کی پیدائش حکمت ومصلحت سے خالی نہیں۔ امام طیبیؒ لکھتے ہیں اس کی حکمت وہ بھی ہوسکتی ہے جو قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ **وان من شئ الا یسبح بحمدہ** [الاسراء: ٤٤] کہ زبان حال یا قال سے وہ صانع کی قدرت حکمت اور تنزیہ بیان کرتی ہے۔ اس کو دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی مخلوق سے تعرض کرنا جائز نہیں لیکن دفع ضرر کیلئے **فواسق خمسہ** (سانپ، بچھو، گرگٹ، چوہا، چیل) کو قتل کرنا مباح ہے۔ اس طرح جلب منفعت کیلئے جیسا کہ حلال جانور کو غذاء کیلئے ذبح کرنا۔

فاقتلوا: ترکیب نحوی کے اعتبار سے شرط محذوف کا جواب ہے۔ گویا آپؐ نے یوں فرمایا کہ جب مذکورہ (آیاتِ کریمہ کے موجب) تمام کتوں کو مار ڈالنے کا کوئی راستہ نہیں تو کم سے کم ان کتوں کو مار ڈالو جو خالص سیاہ رنگ کے ہوں۔

کلب غنم: **غنم** کی قید اتفاقی ہے، دوسرے مویشیوں کی حفاظت کیلئے رکھے گئے کتے کا حکم بھی یہی ہے۔

جانوروں کولڑانے کی ممانعت

۴۱۰۳:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ ۔

(رواه الترمذی وابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ۳ / ۵٦، الحديث رقم ۲۵٦۲، والترمذی، كتاب الجهاد، باب ما جاء فی كراهية التحريش بين البهائم، الحديث رقم ۱۷۰۸

ترجمه:''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ایک دوسرے پر ابھارنے (یعنی ان کو آپس میں لڑانے سے) منع فرمایا ہے''۔(ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: تحریش کا معنی جانوروں کو ایک دوسرے سے لڑانا۔صاحب النہایہ لکھتے ہیں:''**هو الاغراء وتهييج بعضها على بعض كما يفعل بين الجمال والكباش والديوك وغيرها**''۔

مطلب یہ ہے کہ اونٹوں ہاتھیوں، مینڈھوں، بیل اور بھینسوں اور ان کے علاوہ دوسرے چوپائے کو آپس میں نہیں لڑانا چاہئے۔تیتروں مرغوں کو آپس میں لڑانا یہ ساری باتیں ممنوع ہیں۔جب جانوروں کو لڑانے کی ممانعت ہے تو آدمیوں کو آپس میں لڑانا بطریقہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

بَابُ مَا يَحِلُّ اَكْلُهُ وَمَا يَحْرُمُ

جن جانوروں کا کھانا حلال ہے اور جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کا بیان

سب سے پہلے حلال جانوروں کو بیان کیا تھا کہ وضعاً وہی اصل ہیں اور شرعاً بھی مطلوب تھے۔ ان کے بیان سے فارغ ہو کر اب حرام جانوروں کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔

الفصل الاول:

۴۱۰۴: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَاَكْلُهٗ حَرَامٌ۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحيحه ۳ / ۱۵۳۴، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم اكل كل ذی ناب من السباع، الحديث رقم (۱۵ ـ ۱۹۳۳) والترمذی فی السنن ۴ / ۶۱ الحديث رقم ۱۴۷۹، والنسائی فی ۷ / ۲۰۰ الحديث رقم ۴۳۲۴، وابن ماجه فی ۲ / ۱۰۷۷ الحديث رقم ۳۲۳۳، و مالك فی الموطا ۲ / ۴۹۱، الحديث رقم ۱۴، من كتاب الصيد، وأحمد فی المسند ۲ / ۴۱۸

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: درندوں میں سے جو جانور کچلی والا ہو (یعنی جو دانت سے اپنا شکار کرتا ہو جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ) اس کا کھانا حرام ہے''۔ (مسلم)

تشریح: كل ذی ناب مبتدا۔ متضمن معنی شرط ہے۔ اس لئے خبر ''فاكله حرام'' پر فاء جزائیہ داخل ہے۔ ''اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

تخریج: اس طرح اس حدیث کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔

''ذی مخلب'' اور ''ذی ناب'' کا بیان

۴۱۰۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحيحه ۳ / ۱۵۳۴'' كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم اكل كل ذی ناب، الحديث رقم (۱۶ ۰ ۱۹۳۴) وأبو داود فی السنن ۴ / ۱۵۹ الحديث رقم ۳۸۰۳، وابن ماجه فی ۱۰۷۲، الحديث رقم ۳۲۳۴، وأحمد فی المسند ۱ / ۳۷۳

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے (کے گوشت) کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہر اس پرندے (کا گوشت کھانے) سے منع فرمایا ہے جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو جیسے باز

وغیرہ"۔

تشریح: امام مالک کے نزدیک درندوں کا گوشت کھانا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور ذی مخلب پرندوں کا گوشت علی الاطلاق مباح ہے۔شرح السنہ میں ہے جو جانور حلال نہیں اس کا دودھ بھی حرام ہے۔البتہ عورت کا دودھ بچے کے لئے حلال ہے۔اسی طرح جو پرندے حرام ہیں ان کے انڈوں کا استعمال بھی حرام ہے۔

تخریج: جامع صغیر میں یوں ہے:"نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع، اس روایت کو اصحاب صحاح ستہ نے نقل کیا ہے اور ابن عباس کی روایت میں اتنا اضافہ ہے:وعن اکل کل ذی مخلب من الطیر"احمد، مسلم وابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [الجامع الصغیر۲/۵۶۱، الحدیث رقم ۹۴۱۸، ۹۴۱۹]

حمار اہلی کا بیان

۴۱۰۶:وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۵۳ ' کتاب الذبائح والصید' باب لحوم الحمر الانیسة' الحدیث رقم ۵۵۲۷ و مسلم فی ۳ / ۱۵۳۸' الحدیث رقم (۲۳ ـ ۱۹۳۶)

ترجمہ:"اور حضرت ابوثعلبہ (خشنی) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کا گوشت (کھانے کو) حرام قرار دیا ہے"۔(بخاری ومسلم)

تخریج: جامع صغیر میں یہ حدیث یوں منقول ہے:"نھی عن اکل لحوم الحمر الأھلیة" اس حدیث کو شیخین نے حضرت براء بن عازب حضرت جابر، حضرت علی، ابن عمرؓ اور ابوثعلبہؓ سے روایت کیا ہے۔[الجامع الصغیر۲/۵۶۱، الحدیث رقم ۹۴۲۰]

گھوڑے کی حلت وحرمت کا بیان

۴۱۰۷:وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَاَذِنَ فِىْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ . (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۵۳' الحدیث رقم ۵۵۲۴' ومسلم فی ۳ /۱۵۴۱ کتاب الصید والذبائح' باب فی اکل لحوم الخیل' الحدیث رقم (۳۶ ـ ۱۹۴۱) و أبو داود فی السنن ٤ / ۱۶۱ الحدیث رقم ۳۸۰۸ والنسائی فی ۷ / ۲۰۵' الحدیث رقم ۴۳۴۳

ترجمہ:"اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی تھی"۔(بخاری ومسلم)

تشریح: شرح السنہ میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کی اباحت میں اختلاف ہے۔پہلا مذہب اباحت کا ہے۔قاضی شریح، حسن بصری، عطا بن ابی رباح' سعید بن جبیر' حماد بن ابی سلیمان الشافعی، احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا مذہب حرمت کا ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا قول بھی یہی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں احناف نے اس آیت: **والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة** [النحل:۸] سے استدلال کیا ہے کہ یہاں ان مذکورہ جانوروں کے کھانے کا ذکر نہیں۔ چنانچہ جن چوپاؤں کا کھانا حلال تھا ان کا ذکر اس سے قبل والی آیت میں صراحتاً مذکور ہو چکا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت خالد بن ولید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے: ''**نهى رسول اللهﷺ عن لحوم الخيل والبغال والحمير**'' اس حدیث کو ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ مرتب عرض کرتا ہے یہ حدیث آگے متن میں آ رہی ہے۔

اصحابِ شوافع کی طرف سے جواب:

شوافع کہتے ہیں آیت: **والخیل والبغال**...... میں ان کو آلہ رکوب اور زینت فرمایا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان دو چیزوں کے علاوہ اور کوئی منفعت ان سے حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ خیل سے اصل مقصود یہی کام ہیں، اس لئے ان خصوصیات کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ دوسری آیت میں بعض حیوانات کی حرمت بیان ہوئی ہے، مثلاً: **حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر**۔ یہاں ان کے گوشت کی حرمت مقصود اعظم تھی اس کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ تمام علماء ان کے تمام اجزاء (چربی خون وغیرہ) حرمت پر متفق ہیں۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کو نظیر کے طور پر پیش کرنا بھی محل نظر ہے اور اسی وجہ سے گھوڑوں پر بار برداری کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا، حالانکہ سورہ نحل میں ارشاد فرمایا کہ: **وتحمل أثقالكم** [النحل:۷] اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گھوڑوں پر بار برداری جائز نہیں ہے۔ اھ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: سنن نسائی میں سلمہ بن نفیل السکونی کی روایت ہے: ''**ان النبیﷺ نهى عن اذلال الخيل** آنحضرت ﷺ نے گھوڑوں کو ایسے کاموں کیلئے استعمال سے منع فرمایا جن سے ان کی تذلیل ہو۔

ابن عبدالبرؒ نے **التمهيد** میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گھوڑے کے بارے میں یہ اشعار نقل کئے ہیں:

احبو الخيل واصبطروا عليها ☆ فان العزّ فيها و الجمالا
اذ ما الخيل ضيعها اناس ☆ ربطناها فاشركت العيالا
نقاسمها المعيشة كل يوم ☆ ونكسوها السراقع و الجلالا

صاحب شرح السنہ فرماتے ہیں:

محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث منسوخ ہے اور امام نسائی فرماتے ہیں۔ احادیث اباحت اصح ہیں اور یہ حدیث منسوخ ہے۔

جمہور محدثین نے گھوڑے کے بار برداری کے لئے استعمال پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ جو مسلم وغیرہ نے نقل کی ہیں جن میں صراحتاً اباحت مذکور ہے اور ممانعت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ اھ

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں صاحب شرح السنہ کا یہ کہنا کہ سلمہ بن نفیل والی حدیث ضعیف ہے اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

یہ ان کے دعویٰ کے خلاف ہے۔اس لئے کہ ابوداؤد اور نسائی کے کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور کا اتفاق نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے، کیونکہ اتفاق ہوتا تو نسخ کا قول موجود نہ ہوتا۔ مزید یہ کہ امام نسائی کا یہ فرمانا: ''حدیث الاباحۃ اَصح'' اس بات کی تصریح کر رہی ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

اور طے شدہ ضابطہ و قاعدہ ہے کہ جب دلیل حرمت اور اباحت جمع ہو جاتی ہے تو دلیل حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا احتیاطاً دلیل حرمت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

امام ابوداؤد نے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت درست ہوتا جب تاریخ متعین اور واضح ہوتی کہ کون سی احادیث مقدم ہیں اور کون سی مؤخر ہیں۔ یہاں تاریخ مفقود ہے۔

آیت مبارکہ میں خیل کو بغال کے ساتھ جمع فرمانا بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ نہی والی احادیث صحیح ہیں۔ اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ آلہ جہاد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **واعدوالهم ما استطعتم** [الانفال:٦] اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم بھی اسی خوبی کی وجہ سے کھائی: **والعاديات ضبحًا** [العادیات:١]

صحیحین میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''**رأيت رسول الله ﷺ يلوى ناصية فرس ، وهو يقول :الخيل معقود فى نواصيها الخير الى يوم القيامة الاجر والتغنيمة**''۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت قتادہ کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ ''**ان النبیّ لم يكن شئ احب اليه بعد النساء من الخيل**''۔

روایت میں آتا ہے۔ حضرت اسماعیل وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑے پر سواری فرمائی اسی وجہ سے آپ کو ''عراب'' کہا جاتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے قبل گھوڑا بھی دیگر وحشی جانوروں کی طرح وحشی جانور تھا۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی بنیادیں اٹھانے کا حکم فرمایا تو ارشاد فرمایا ''**انی معطكيما كنزًا ادّ خرته لكما**'' کہ میں نے آپ لوگوں کیلئے ایک خزانہ مخفی رکھا ہے اے اسماعیل آپ اس خزانے کو نکالیں۔ آپ دعا کریں۔ وہ خزانہ گھوڑوں کا تھا۔ حضرت اسماعیل کو نہ خزانے کا علم تھا نہ دعاء کی حکمت کا علم پھر اللہ تعالیٰ نے وہ کلمات آپ کو الہام فرمایا۔ چنانچہ جب آپ نے دعا فرمائی تو روئے زمین کے تمام گھوڑے آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔

اسی وجہ سے ہمارے پیارے نبی نے ارشاد فرمایا: ''**اركبوا الخيل فانها ميرات ابيكم اسماعيل**'' گھوڑ سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے جداعلیٰ اسماعیلؑ کی میراث ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں گھوڑے کے متعلق جو احادیث اباحت منقول ہیں اگر ان کو ضرورت پر محمول کیا جائے تو تمام احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ اصل تو حرمت ہے لیکن ضرورت کے وقت مباح ہے۔

امام مالکؒ سے گھوڑے کی اباحت منقول ہے۔ لیکن ان کا راجح مذہب حرمت کا ہے۔

خچر اور گدھے کا گوشت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے۔ امام مالک کے مذہب کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور

محققین مالکیہ حرمت کے قائل ہیں۔حسن بصریؒ سے خچر کا گوشت کھانے کی اجازت منقول ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے حمر اہلی کی بھی اباحت منقول ہے۔

گورخر کی حلت کا بیان

۴۱۰۸:وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰی حِمَارًا وَحْشِیًّا فَعَقَرَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَکُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَیْءٌ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَکَلَهَا . (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۱۳ کتاب جزاء الصید' باب فراصاد الحلال ناهدی للمحرم الصید اکله' الحدیث رقم (۱۸۲۱ - ۵۴۹۰) و مسلم فی ۲ / ۸۵۵ الحدیث رقم (۶۳ - ۱۱۹۶) وأخرجه النسائی فی السنن ۷ / ۲۰۵ الحدیث رقم ۴۳۴۵' وأحمد فی المسند ۵ / ۳۰۸

ترجمہ:''اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے گورخر (جنگلی گدھا) دیکھا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈلیں (یعنی اس کو مار ڈالا اور اس کے کھانے کے جواز کے بارے میں پوچھا تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ موجود ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''ہمارے پاس اس کا پایہ موجود ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پایہ لے لیا اور اسکو کھالیا''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث کتاب الحج، باب الحرم میں تفصیلاً گذر چکی ہے۔

خرگوش ایک حلال جانور

۴۱۰۹:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَیْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِکِهَا وَفَخِذَیْهَا فَقَبِلَهٗ۔ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۵ / ۲۰۲ کتاب الهبة ' باب قبول هدیة الصید' الحدیث رقم ۲۵۷۲ و مسلم فی ۳ / ۱۵۴۷ الحدیث رقم (۵۳ - ۱۹۵۳) والترمذی فی السنن ۴ / ۲۲۱' الحدیث رقم ۱۷۸۹ والنسائی فی ۷ / ۱۹۷ الحدیث رقم ۴۳۱۲' وابن ماجه فی ۲ / ۱۰۸۰' الحدیث رقم ۳۲۴۳' والدارمی فی ۲ / ۶۲۷ الحدیث رقم ۲۰۱۳' وأحمد فی المسند ۳ / ۱۷۱

ترجمہ:''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم نے مقام مرالظہر ان میں (شکار کے لئے) ایک خرگوش کا تعاقب کیا چنانچہ میں نے (دوڑ کر) اس کو پکڑ لیا اور پھر اس کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور اس کو لیا اور اسکی دونوں رانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمالیا''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :انفجنا ارنبا بمر......:

''انفجنا، الانفجاج'' سے ہے اس کا مادہ نون، فاء اور جیم ہے۔تعاقب کرنا، بھگانا۔

انفجت الارنب من حجر فنفج"۔أی أنرته فثار

اور قاموس میں ہے:''ارنب'' مذکر ومؤنث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔یا صرف مؤنث کیلئے مستعمل ہے۔

مر :میم کے فتحہ اور مشددہ کے ساتھ ظہران: ظاء معجمہ کے فتحہ ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔فاصلہ کے اعتبار سے مکہ مکرمہ کے نزدیک ہے۔

''ورکھا'' واؤ کے فتحہ اور راء کی کسرہ کے ساتھ۔القاموس میں ہے: **الورك بالفتح والکسر وککتف مافوق الفخذ** ''ورک بروزن کتف کی ہے۔حرف اول کے فتحہ اور ثانی کے کسرہ کے ساتھ ران کا آخری حصہ (کولہے)۔

فخذ فاء کے فتحہ اور خاء کے کسرہ کے ساتھ۔''**وفی القاموس۔ الفخذ لکتف ما بین الساق والورك**'' پنڈلی اور کولہے کا درمیانی حصہ (یعنی ران)۔

امور نحویہ: امام طیبیؒ فرماتے ہیں۔(**فقبله**) میں ضمیر منصوب مبعوث چیز کی طرف لوٹ رہی ہے یا اسم اشارہ ذلک کے معنی میں ہے۔اھ

شرح السنہ میں ہے خرگوش کے حلال ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔اکثر حضرات حلت کے قائل ہیں بعض لوگ کراہت کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں اس کو حیض آتا ہے۔

"**الرحمه فی اختلاف الائمه**"میں لکھا ہے کہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک خرگوش حلال ہے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کا گوشت قبول فرمایا ہے۔اگر اس کا گوشت حرام ہوتا تو آپ اس کو قبول نہ فرماتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کے کھانے سے منع فرماتے۔

گوہ کا گوشت

۴۱۱۰:وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلضَّبُّ لَسْتُ آكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ.

(متفق علیه)

تخریج : اخرجه البخاری فی صحیحه، ۹ / ٦٦٢، الحدیث رقم ٥٥٣٦، و مسلم فی ۳ / ١٥٤٢ ، کتاب الصید، باب اباحة الضب، الحدیث رقم ١٥٤٢ الحدیث رقم (٤٠ ـ ١٩٤٣) والترمذی ٤ / ٢٢١) الحدیث رقم ١٧٩٠، وابن ماجه فی ٢ / ١٠٨٠، الحدیث رقم ٣٢٤٢، والدارمی فی ٢ / ١٢٧، الحدیث رقم ٢٠١٥، و مالك فی ٢ / ٩٦٨، الحدیث رقم ١١ من کتاب الاستیذان۔

ترجمه:''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''میں ''گوہ'' کو نہ کھاتا ہوں اور نہ ہی اسکو حرام قرار دیتا ہوں''۔

تشریح: صاحب قاموس لکھتے ہیں۔''**ھو معروف وھی بهاء**'' یہ ایک معروف جانور ہے۔اس کو ھاء کے ساتھ **الضبة** لکھا جاتا ہے۔

امور نحویہ: الضب مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔اس کی خبر مابعد جملہ ہے۔

''گوہ کو گور پھوڑ بھی کہا جاتا ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں یہ ایک چھوٹا سا جانور ہے۔اس کی بڑی عجیب خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔مثلاً اس کی عمر سات سو برس تک ہوتی ہے پانی نہیں پیتی' کے سہارے زندہ رہتی ہے چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے اور اس کے دو آلہ تناسل ہوتے ہیں جو ایک جگہ پر ہوتے ہیں۔اس کے دانت کبھی نہیں ٹوٹتے۔

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا گوہ کو نہ کھانا کراہت طبعی کی بناء پر تھا۔اس کو حرام قرار نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے پاس وحی کے ذریعہ اس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

آگے وہ حدیث آرہی ہے جو گوہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔چنانچہ اسی حدیث کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک گوہ کا کھانا حرام ہے، جبکہ امام احمد اور شافعی کے نزدیک گوہ کو کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ان کی دلیل یہی حدیث باب ہے۔

کیا گوہ حلال ہے؟

۴۱۱۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ الضَّبُّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَاوَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَاَكَلْتُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيَّ۔ (متفق عليه)

تخریج: اخرجه البخاري في صحيحه ٩ / ٦٦٣) الحديث رقم ٥٧٣٥' و مسلم في ٣ / ١٥٤٢' الحديث رقم (٤٤ ـ ١٩٤٦) والنسائي في السنن ٧ / ١٩٨ الحديث رقم ٤٣١٧' و مالك في الدارمي ٢ / ١٢٨' الحديث رقم ٢٠١٧

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ (ایک دن) وہ (خالد رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے جوان (خالد رضی اللہ عنہ) کی بھی خالہ تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ تھیں۔وہاں ان کے پاس انہوں نے (یعنی آپ ﷺ نے یا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے) ایک بھنی ہوئی رکھی پائی! حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس گوہ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس گوہ کی طرف سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے (یہ دیکھا تو) پوچھا کہ ''یا رسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ میری قوم کی زمین (یعنی حجاز) میں نہیں پائی جاتی اس لئے میں اس سے اپنے اندر کراہت (یعنی طبعی کراہت) محسوس کرتا ہوں''۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) میں نے اس گوہ کو اپنی طرف کھینچ لیا (یعنی اپنے قریب کرلیا) اور کھانے لگا اور آپ ﷺ میری

طرف دیکھتے رہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''عندها ضبًا محنوذا'' بھونا ہوا۔ یہ لفظ قرآن کریم کی آیت مبارکہ :فجاء بعجل حنيذ [ھود۔ ۶۹] سے ماخوذ ہے۔گرم پتھر پر بھونے گوشت کو محنوذ کہا جاتا ہے۔

''اعافه'' ہمزہ کے فتحہ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ۔''فاجتر رته'' جیم کے ساتھ ہے وخالۃ ابن عباس: اس تعبیر کو استطراد اختیار کیا، یا التفات ہے یا اس میں تجرید ہے۔

امور نحویہ: ''وهي حالته'' یہ جملہ معترضہ بیانیہ ہے۔ اس جملہ سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت خالد بن ولید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ کے ہاں کیوں شریک تھے۔ کہ حضرت میمونہؓ نے ان سے پردہ بھی نہیں فرمایا۔ تو یہ بتایا کہ حضرت میمونہ حضرت خالد اور ابن عباس کی سگی خالہ تھیں۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے گوہ کے کھانے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ سارے حضرات اس کی اباحت پر متفق ہیں۔ اگر یہ حرام ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو حضرت خالد کیوں کھاتے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیوں فرمایا یہ بھی تو ایک مطلب رکھتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نہی وارد نہیں ہوئی تھی۔ جب نہی وارد ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ حدیث ناسخ آگے آرہی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ احناف اس کی کراہت کے قائل ہیں باقی تمام حضرات اس کی حلت پر متفق ہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں۔ ایک جماعت گوہ کی حرمت کی قائل ہے، میرا گمان نہیں ہے کہ یہ (حرمت کا قول) کسی سے بھی صحیح طور پر ثابت ہو۔ اھ لگتا ہے امام ابوحنیفہؒ کا قول قاضی عیاضؒ کو نہیں پہنچا ورنہ وہ یہ بات نہ کہتے۔

مرغی کی حلت کا بیان

۴۱۱۲: وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ لَحْمَ الدُّجَاجِ۔

(متفق عليه)

تخريج : اخرجه البخاري في صحيحه ٩ / ٦٤٥ كتاب الذبائح والصيد، باب لحم الدجاج ' الحديث رقم ٥٥١٧ و مسلم في ٣ / ١٢٧٠، الحديث رقم ٩ / ١٦٤٩ والترمذي في السنن ٤ / ٢٣٩ الحديث رقم ١٨٢٧، والنسائي في ٧ / ٢٠٦ الحديث رقم ٤٣٤٨، والدارمي في ٢ / ١٤٠، الحديث رقم ٢٠٥٥، وأحمد في المسند ٤ / ٣٩٤

ترجمہ: ''اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے دیکھا''۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: الدجاج دال کے فتحہ کے ساتھ' ایک نسخہ میں دال کے کسرہ ساتھ ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں دجاج مثلث الحرکات ہے۔ ساتھ اسم جنس ہے۔ اس کا واحد دجاجۃ آتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں: دال کے کسرہ کے ساتھ مرغے کو کہتے ہیں اور فتحہ کے ساتھ ہو تو مرغی کو کہتے ہیں۔

امام ترمذی نے شمائل میں اپنی سند کے ساتھ زھدم جرمی سے روایت کیا ہے: ''**كنا عند ابى موسى فأتى بلحم دجاج فتنحى رجل من القوم فقال مالك، قال أنى رأيتها تاكل شيئاً وفى رواية نتناً فحلفت ان لا آكلها قال ادن فانى رايت رسول اللهﷺ يأكل لحم دجاج**''اھ۔

زہدجرمی کہتے ہیں ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی شخص مرغی کا گوشت لے کر آیا۔ہم مجلس لوگوں میں سے ایک نے وہ برتن ناگواری سے پرے کر دیا۔حضرت ابوموسیٰ اشعری فرمانے لگے میرے قریب کرو، میں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ مرغ کا گوشت تناول فرمایا کرتے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔''**ان النبى ﷺ امر الاغنياء باتخاذ الغنم وامر الفقراء باتخاذ الدجاج وقال عند اتخاذ الاغنياء الدجاج يأذن الله تعالىٰ بهلاك القرى**''۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔آنحضرت نے مالداروں کو بکریاں اور فقراء کو مرغیاں پالنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا جب مالدار لوگ بھی مرغیاں پال لیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس بستی کو ہلاک کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

ابن حبانؒ فرماتے ہیں، اس حدیث کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے۔یہ حدیث گھڑا کرتا تھا۔

عبداللطیف بغدادی فرماتے ہیں: امراء کو بکری اور فقراء کو مرغ سے دعوت کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر و وسعت مہمان داری کرنے کے آداب سکھانے کیلئے فرمایا۔

﴿۲﴾ انسان کو کسب حلال، مال وغیرہ سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔اللہ کی دی ہوئی قوت سے اسباب ظاہرہ کو ضرور بروئے کار لانا چاہیے۔اس سے مال کی بڑھوتری اور غناء نصیب ہوتا ہے۔انسان غنی اور صاحب ثروت ہونے کے باوجود جب کنجوسی سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو چھین لیتے ہیں چنانچہ مالداری ختم ہو جاتی ہے۔یہی مالدار ایک دن مسکنت کا شکار ہو کر دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔کنجوس شرعاً مذموم ہے۔جب اغنیاء فقراء کے ذریعہ معاش میں تنگی پیدا کرتے ہیں، اور فقراء کے ذریعہ معاش میں گھسنے لگتے ہیں تو بستیاں کی بستیاں تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہیں۔

عرضِ مرتب:

شوکانی لکھتے ہیں: اس حدیث کو ابن عدی نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے، علاوہ ازیں عقیلی نے بھی روایت کیا ہے، اور فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند میں علی بن عروہ نامی راوی ''وضاع'' ہے۔تقریب میں لکھا ہے کہ علی بن عروہ دمشقی قرشی متروک راوی ہے۔آٹھویں طبقہ سے ہے۔۱۲انجاح۔ملاحظہ فرمائیے: سنن ابن ماجہ ا۔۱۶۷، باب اتخاذ الماشیۃ۔

ملاعلی قاریؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب الموضوعات الکبری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں بظاہر یہ حدیث ضعیف ہے۔موضوع نہیں ہے۔میں نے اس کے معنی کی شرح ''**بهجة الانسان فى مهجة الحيوان**'' میں کی ہے۔

(ص ۳۳۸، حدیث: ۱۲۸۲)

ابن خلکان نے ہیثم بن عدی کے حالات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک مالدار آدمی کھانا کھا رہا

تھا۔اس کے دسترخوان پر بھنی ہوئی مرغی رکھی تھی اتنے میں ایک فقیر وہاں آیا' اس مالدار شخص نے تکبر کرتے ہوئے فقیر کو وہاں سے دھتکار دیا۔ایک وقت آیا اس کی مالداری کی نعمت چھین گئی اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ بیوی کو بھی طلاق دے ڈالی۔ بیوی نے مطلقہ ہونے کے بعد دوسرے ایک شخص سے شادی کرلی' یہ آدمی بھی مالدار تھا۔ایک بار شوہر ثانی کھانا کھا رہا تھا اس کے دسترخوان پر بھی چکن روسٹ سجا ہوا تھا کہ ایک فقیر نے آواز لگائی کوئی ہے جو اللہ کے نام پر مجھے کھانے کو دے۔شوہر نے فوراً چکن روسٹ بیوی کو تھما دیا کہ فقیر کو دے آؤ۔عورت نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ یہ فقیر اس کا شوہر اول ہے۔خیر کھانا اس کے حوالہ کر کے واپس آئی اور شوہر ثانی کو سارا ماجرا سنایا جو اس کے شوہر اول پر بیتی تھی۔ ماجرا سن کے شوہر ثانی کہنے لگا اللہ کی قسم وہ فقیر میں تھا جو اس کے دروازے پر بھیک مانگنے آیا تھا۔ اس کے تکبر اور عجب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ناشکری کا صلہ دیا اور اس کی نعمت اور بیوی مجھے عطا کردی۔

ٹڈی کھانے کا بیان

۴۱۱۳: وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّانَاْ كُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ۔ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ٩ / ٦٢٠ كتاب الذبائح والصيد' باب اكل الجراد' الحديث رقم ٥٥٩٥ و مسلم فی ٣ / ١٥٤٦' الحديث رقم (٥٢ - ١٩٥٢) و أبو داود فی السنن ٤ / ١٦٤' الحديث رقم ٣٨١٢ والترمذی٩ فی السنن ٤ / ٢٣٦' الحديث رقم ١٨٢٢ والنسائی فی ٧ / ٢١٠' الحديث رقم ٢٣٥٦' والدارمی فی ٢ / ١٢٦' الحديث رقم ٢٠١٠' وأحمد فی المسند ٤ / ٣٨٠

ترجمہ: ''اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شریک رہے ہم (ان موقعوں پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''كنا نأكل معه الجراد'' ''معه'' کی زیادتی نہ ترمذی میں ہیاور نہ مسلم شریف میں بلکہ اکثر روایات اس لفظ سے خالی ہیں۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جن محدثین نے اپنی روایت میں یہ لفظ مزید نقل کیا ہے انہوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم آنحضرت کے ہمراہ رہتے ہوئے ٹڈی کھاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث اباحت کی دلیل ہے۔دوسرا معنی مراد لینا بھی ممکن ہے۔لیکن جو تاویل ہم نے بیان کی ہے یہ ضروری اس لئے ہے کہ اکثر روایات میں یہ زیادتی ثابت نہیں ہے اور حدیث میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹڈی نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے متعلق جب پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:'' اكثر جنود الله لا آكله ولا احرمه '' یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا لشکر ہے میں نہ اس کو کھاتا ہوں ، نہ اس کو حرام کہتا ہوں۔

(أخرجه ابوداود فی السنن ٣/ ١٦٥، الحديث رقم ٣٨١٣)

سوال: حضرت ابی اوفیٰ والی روایت صحیح کو حضرت سلمانؓ والی روایت کے مقابلہ میں چھوڑنا صحیح کیسے ہے (کیونکہ اس حدیث کو محی السنہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔)

جواب: ہم کہتے ہیں ہم نے حدیث ابی اوفی کو ترک نہیں کیا ہم نے اس میں تاویل کی ہے۔ چونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں۔ اس تاویل سے تمام روایات موافق ہو جائیں گی۔ جو حدیث ہم نے پیش کی ہے وہ بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں یہ حدیث واضح اور جلی ہونے کے باوجود امام طیبیؒ پر مخفی رہی۔ وہ کہتے ہیں۔ ''**أكلوه وهم معه بعيد**''۔ یہ تاویل بعید ہے۔

وہ دلیل یہ دیتے ہیں معیت مشارکت فی الفعل کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً جب بھی غزونا مع رسول اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے آنحضرت ﷺ بنفس نفیس بھی فعل جہاد میں شریک تھے۔ چنانچہ صاحب کشاف نے اس کی صراحت بھی کی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں میں یہ کہتا ہوں تاویل اول بعید بھی ہے اور خلاف ظاہر بھی لفظ ''مع'' اکل میں مشارکت کا تقاضا اس وقت کرتا ہے جب وہ اسی کے متعلق ہوتا ہے جبکہ شیخ نے اس کو فعل محذوف سے متعلق کیا ہے اور محلاً منصوب بناء بر حال بنایا ہے۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے عبارت **و هو معه** نقل کی ہے۔ **اى مصاحبون له**۔ یعنی وہ آنحضرت ﷺ ساتھ رہے تھے۔

ہماری ذکر کردہ تاویل بالکل بے غبار ہے اس سے از خود مراد متعین ہو جاتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں معیت کے ذکر سے خالی روایت مطلق ہے۔ وہ دونوں امور کا احتمال رکھتی ہے اور یہ مقید ہے۔ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اطلاق وتقیید کا مناقشہ فی الجملہ نفی پر دلالت کر رہا ہیا ور مسئلہ کی تائید کیلئے اتنی بات بھی کافی ہے۔

حضرت سلمان کی حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ امام محی السنہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی تضعیف دوسروں کی تضعیف کو لازم نہیں (یعنی یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہو)۔ دوسری بات یہ کہ محی السنہؒ نے اس کے ضعف کی وجہ بیان نہیں فرمائی ہے کہ یہ حدیث کیوں ضعیف ہے؟

ممکن ہے انہوں نے اس حدیث صحیح کو دیکھتے ہوئے اس کو ضعیف کہا ہو۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں حضرت سلمان والی حدیث کو اس حدیث سے تقویت مل رہی ہے: **لم يكن يأكل الجراد** کہ کان کے ذریعہ سے ہونے والی نفی لغتاً اور عرفاً استمرار کا بدل ہے۔

امام طیبیؒ کا یہ کہنا کہ: **وروایة الراوی ان النبی ﷺ لم یکن یاکل الجراد اخبار عن عدم الاکل بانه لم یکن معه فلم یشاهد......** '' درحقیقت ہماری کردہ بحث سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹڈی اگر خود بخود مر جائے بغیر کسی سبب کے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

''عنبر'' مچھلی کی حلت کا بیان

۴۱۱۴: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَاُمِّرَ اَبُوْعُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعاً شَدِيْدًا فَاَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتاً مَيِّتاً لَمْ نَرَمِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَاَكَلْنَامِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَاَبُوْعُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقاً اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَاَكَلَهُ (متفق عليه)

تخریج: اخرجه البخارى فى صحيحه ٨ / ٧٨ الحديث رقم ٤٣٦٢، و مسلم فى ٣ / ١٥٣٦ كتاب الصيد والذبائح، باب اباحة ميتات البحر، الحديث رقم (١٧ ـ ١٩٣٥) وأبو داود فى السنن ٤ / ١٧٨ الحديث رقم ٣٨٤٠، والنسائى فى ٧ / ٢٠٧، الحديث رقم ٤٣٥٢، وابن ماجه فى ٢ / ١٣٩٢، الحديث رقم ٤١٥٩، و مالك فى المؤطا ٢ / ٩٣٠ الحديث رقم ٢٤، من كتاب صفة النبى صلى الله عليه وسلم و أحمد فى المسند ٣ / ٣٧٨

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ جیش الخبط (یعنی پتے جھاڑ کر کھانے والے لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے جانے والوں میں) میں بھی شریک تھا' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر (سپہ سالار) مقرر کئے گئے تھے چنانچہ (جب) ہم سخت بھوکے ہوئے تو دریا (سمندر) نے ایک مری ہوئی مچھلی (اپنے کنارے پر) پھینک دی ہم نے اس جیسی مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس قسم کی مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے' چنانچہ ہم نے اس میں سے نصف ماہ تک (بڑی فراخی کے ساتھ) کھایا' پھر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (یعنی اس کی ایک پسلی) کھڑی کی تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ سوار (بڑی آسانی کے ساتھ) گزر گیا۔ اس کے بعد جب ہم (مدینہ واپس آئے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نکالا ہے اس کو کھاؤ (یعنی تم نے یہ اچھا کیا کہ اس مچھلی کو کھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارا رزق بنا کر تمہارے لئے سمندر سے نکالا تھا۔ یا یہ کہ اگر اس طرح کا کوئی اور رزق پاؤ تو اس کو کھاؤ) اور اگر اس مچھلی کا کوئی حصہ تمہارے پاس (باقی رہا) ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ (یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل خوش کرنے کے لئے اور اس مچھلی کے حلال ہونے کے حکم کو مؤکد کرنے کی غرض سے بیان فرمائی تا کہ ان لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ مچھلی اصل میں تو جائز نہیں تھی مگر ہماری اضطراری حالت کے پیش نظر اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا گیا تھا)'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''چنانچہ ہم نے اس مچھلی کا کچھ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :غزوت جيش الخبط:

الخبط اصل میں خائے معجمہ اور طائے موحدۃ کے زبر کے ساتھ ہے۔ ایک نسخہ میں (باء) کے جزم کے ساتھ بھی منقول ہے فرق یہ ہوگا (باء) کی حرکت کے ساتھ ہو تو درخت کے مطلقاً پتے مراد ہوتے ہیں اور (باء) کے سکون کے ساتھ ہو تو درخت کے وہ پتے جو ڈنڈے وغیرہ سے گرائے جائیں' وہ مراد ہوتے ہیں۔

تشریح: ''اخرجه الله الیکم'' ایک نسخہ میں الیکم کے بغیر ہے۔

امام طیبیؒ کہتے ہیں۔ ''جیش الخبط'' منصوب بنزع الخافض ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: غزوت مصاحباً لجیش الخبط۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اس میں تضمین کی ایک نوع پائی جارہی ہے۔ حرف جر تو لانے کی ضرورت نہیں الا یہ کہ تاکید مقصود ہو تصحیح کلام کے لئے اس کو لانا ضروری نہیں ہے۔

أمر: باب تفصیل سے فاعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

''جیش الخبط'' کی وجہ تسمیہ:

حدیث میں مذکورہ واقعہ کا تعلق جس اسلامی لشکر سے ہے اس کو اتنی سخت صورت حال سے دوچار ہونا پڑا تھا کہ زادراہ کے فقدان کی وجہ سے لشکر والوں کو اپنی زندگیاں بچانے کے لئے مجبوراً درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پڑتے یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ان کے منہ اور ہونٹ زخمی ہوگئے بلکہ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کے مشابہ ہوگئے تھے۔ اسی بناء پر اس لشکر کا نام ''جیش الخبط'' یعنی پتے جھاڑ کر کھانے والا لشکر مشہور ہوگیا۔ یہ واقعہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔

''العنبر'' صاحب قاموس لکھتے ہیں: عنبر ایک خوشبو کا نام ہے جو کہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے۔ یا ایک خاص قسم کے چشمے سے برآمد ہوتا ہے۔ جو سمندر کی تہ میں ہے۔

سمندر کی ایک بڑی مچھلی کو بھی عنبر کہتے ہیں جس کی کھال سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ یہ لفظ مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

''فأکلنا منه نصف شهر'' بعض روایتوں میں ایک مہینہ تک کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں آتا ہے کہ لشکر والوں نے اٹھارہ دن تک کھایا۔ اس ظاہری تعارض کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ① اصل روایت وہی ہے جو ایک ماہ کی ہے دیگر روایات سے اس کی نفی نہیں ہوتی چونکہ جس نے مدت قلیلہ کا ذکر کیا ہے، وہ مدت کثیرہ کی نفی نہیں کررہا۔ ② اگر نفی بھی کریں تو بھی مثبت کو مقدم کیا جاتا ہے کیونکہ علماء اصول فرماتے ہیں۔ مفہوم عدد معتبر نہیں لہٰذا زیادت کی نفی لازم نہیں آتی۔ خصوصاً جبکہ تعارض ہورہا تو قبول زیادت لازم ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں تمام روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے کہ ③ اس مچھلی سے آدھ مہینہ تک تو پورا لشکر کھاتا رہا۔ اس کے بعد لشکر میں سے کچھ اٹھارہ دن اور کچھ لوگ پورے مہینے تک کھاتے رہے۔ ④ یا یہ کہا جائے کہ نصف ماہ آتے ہوئے استعمال کی اور نصف جاتے ہوئے یا نصف حالت اقامت میں استعمال کیا تھا اور نصف سفر میں۔ لہٰذا جس جس صحابی نے جتنے دن استعمال کی اسی حساب سے روایت فرمایا۔

''فقال ''کلو ارزقا......'' امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی کہ تم نے یہ اچھا کیا کہ اس مچھلی کو کھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لئے بہم پہنچایا تھا۔

واطعمونا ......: امام نوویؒ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے مچھلی طلب کرنا ان کے دل کو خوش کرنے اور اس مچھلی کے حلال ہونے کے حکم کو مؤکد کرنے کی غرض سے تھا تاکہ ان لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا نہ کہ وہ مچھلی اصل میں تو جائز نہیں

تھی، مگر ہماری اضطراری حالت کے پیش نظر اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی اباحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مفتی کیلئے مستحب ہے کہ اگر کوئی مستفتی اس سے کسی ایسی چیز کے بارے میں فتویٰ طلب کرے کہ جس کے بارے میں مستفتی کو کائی شک ہو تو اگر مفتی کیلئے مشقت لازم نہ آتی ہو اور مستفی کو اس سلسلہ میں اطمینان حاصل ہوگا۔ تاکہ مستفی کے دل میں کوئی تردد باقی نہ رہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اور ایک مقصود اسی سے تبرک حاصل کرنا تھا کہ یہ مچھلی اللہ کی ایک عجیب مخلوق تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اصحاب کو دنیا میں عطا فرمائی۔

ذكرنا ذلك: بظاہر آنحضرت ﷺ کے سامنے سے تذکرہ کرنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے اپنے اوپر آنے والے فاقہ اور مشقت سے آنحضرت ﷺ کو مطلع کرنا تھا۔ نیز خداوند قدوس کی طرف سے غیبی امداد ونصرت کا حال بیان کرنا تھا۔ نہ کہ اس کی حدیث میں کوئی شک وتردد کیونکہ وہ خوب واقف تھے کہ ان کے ساتھ پیش آنے والی حالت اضطراری تھی کہ جس میں حلال تو حلال ہے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔

کھانے پینے کی چیزوں میں مکھی گر جانے کا بیان

۴۱۱۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهٗ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جِنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِی الْاٰخِرِ دَاءٌ۔ (رواه البخاری)

تخريج: اخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰ / ۲۵۰، كتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء، الحديث رقم ۵۷۸۲ وأبو داود فی السنن ٤ / ۱۸۲ الحديث رقم ۳۸٤٤، وابن ماجه فی ۲ / ۱۱۵۹ الحديث رقم ۳۵۰۵، وأحمد فی المسند ۲ / ۲۲۹

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں (کہ جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو) مکھی گر پڑے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس مکھی کو اچھی طرح غوطہ دے اور پھر اس کو نکال کر پھینک دے کیونکہ اس (مکھی کے دونوں پروں میں سے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے پر میں بیماری ہے"۔ (بخاری ومسلم)

اختلاف نسخ: "فی اناء احدکم فلیغمسه" ایک نسخہ میں فلیمقلهٗ کے الفاظ ہیں۔ یعنی ڈبو دے۔ فليغمسه (یاء) کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ "ليطرحه" ایک روایت میں ينزعه کے الفاظ ہیں۔

تشریح: ثم ليطرحه: لام کے کسرہ اور سکون پر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔

جناحيه: جیم کے فتحہ کے ساتھ۔

شفاء: شین کے کسرہ کے ساتھ۔ (علاج، دوا) ایک روایت میں ہے۔ "وأنه يتقی بجناحه الذی فيه الداء" مکھی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس پر کو بچالیتی ہے جس میں شفاء ہوتی ہے۔ اس حدیث میں بیماری اور شفا ذکر ہے۔ یہ حقیقت پر

محمول ہے۔مجازی معنی مراد لینے کا کوئی باعث یہاں موجود نہیں۔

''امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مکھی کی فطرت میں جو چیز رکھی ہے اس میں یہ ہے کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے اور مکھی اس پر سے گرتی ہے جس میں بیماری ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی بدائع فطرت کے شواہد ونظائر ہیں۔

شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد بنانے کی خوبی' جب کہ اس کے منہ میں زہریلا کانٹا، بچھو کے ڈنگ میں زہر ہے۔اس کی دوا اسی کے جسم کے بقیہ حصہ میں موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر جانور میں جو خوبی رکھی ہے اس کا الہام بھی سے کرر کھا ہے۔ہر جانور اپنی فطرت سے واقف ہے۔

چیونٹی کو دیکھئے مکھی سے بھی کم تر اور چھوٹی چیز ہے لیکن اس میں کمالات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔خوراک جمع کرنے کیلئے بھاگ دوڑ کرتی ہے زمین سے اگنی والی فصلوں کے موسم کا اس کو خوب علم ہے جب فصلوں کی کٹائی ہوتی ہے تب یہ اپنے راشن کے ذخیرہ کیلئے چلی آتی ہیں۔یہ سب سے پہلے دانہ کو دھوپ میں سکھاتی ہیں تا کہ سڑ نہ جائے، پھر اس کے ٹکڑے کر دیتی ہیں تا کہ دوبارہ اگنے کی صلاحیت اس میں نہ رہے۔پھر اسکو ذخیرہ کر لیتی ہیں تا کہ وقت ضرورت کام آئے :فتبارك الله رب العالمين.

شرح السنہ میں ہے یہ حدیث دلیل ہے کہ ① مکھی پاک ہے۔② مکھی کے علاوہ دیگر حیوانات کے اجسام بھی پاک ہیں۔سوائے ان جانوروں کے جن کے نجس العین ہونا سنت سے ثابت ہے جیسے کتا خنزیر وغیرہ۔

③ جن جانوروں میں دم سائل نہیں ہوتا اگر وہ ماء قلیل یا دوسرے کسی مائع میں گر جائے تو اس سے وہ ناپاک نہیں ہوتے مثلاً مکھی شہد کی مکھی، بچو، بھڑ وغیرہ۔

اگر یہ چیزیں نجس ہوتی اور ان کے گرنے کی وجہ سے چیز ناپاک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ڈبونے کا حکم نہ فرماتے۔یہ اکثر فقہاء کا قول ہے۔اھ

''اختلاف لائمہ'' کے مصنف نے لکھا ہے:امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مکھی اگر کسی مائع چیز میں گر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتی۔امام شافعیؒ کا راجح مذہب بھی یہی ہے۔البتہ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں مکھی بذات خود مرنے کے بعد نجس ہے۔امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ ابن حبان ابن خزیمہ ابن ماجہ ،نسائی اور ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے۔صاحب جامع صغیر نے بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن الفاظ یوں ہیں:''**اذا وقع الذباب فی شراب احدکم فلیغمسه ثم ینزعه فان فی احد جناحیه داء، وفی الآخر شفاءً**'' رواہ البخاری (الجامع مع الصغیر۱/۶۱،الحدیث رقم ۸۹۵) اسی سلسلہ کی مزید روایات اسی باب کی فصل ثانی میں آرہی ہیں۔

گھی میں چوہا گر جانے کا بیان

۴۱۱۶:وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمَنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْهَا فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْهُ۔ (رواه البخاری)

تخریج : اخرجه البخاری فی صحیحه ۹ / ۶۶۷' کتاب الذبائح والصید' باب اذا وقعت الفارة فی السمن الجامد والذائب' الحدیث رقم ۵۵۳۸' و أبو داود فی السنن ٤ / ۱۸۰ الحدیث رقم ۳۸٤۱' والترمذی فی ٤ / ۲۲۵ الحدیث رقم ٦ / ۳۲۹' والنسائی فی ۷ / ۱۷۸' الحدیث رقم ۳۲۵۸' وأحمد فی المسند ٦ / ۳۲۹

ترجمہ: ''اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا (اس گھی کا کیا کیا جائے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس چوہے کو اور اسکے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور (باقی) گھی کو کھالو''۔

اختلاف نسخ: ''ان'' اصل نسخہ میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ایک نسخہ میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''فأرة'' اس میں دو لغت ہیں: ① ہمزہ کے ساتھ۔ ② ہمزہ کو الف سے تبدیل کر کے فارة، پڑھنا مشہور لغت ابدال والی ہے۔

تشریح: شرح السنہ میں ہے اگر پانی کے علاوہ کسی مائع چیز میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ مائع قلیل ہو یا کثیر۔

اگر پانی میں گر جائے تو جب تک پانی کے اوصاف متغیر نہ ہو جائیں پانی نجس نہیں ہوتا۔ اگر تیل میں چوہا گر کر مر جائے یا اور کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ اس کا کھانا جائز نہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک اس کی بیع درست نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔ دیگر ضروریات میں اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فقہاء کی ایک جماعت نجس چیز سے انتفاع کی قائل نہیں۔ ان کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''فلا تقربوه''۔

ناپاک تیل سے انتفاع مثلاً چراغ جلانے کشتیوں پر ملنے وغیرہ کیلئے استعمال کرنا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے واضح قول بھی یہی ہے۔

''فلا تقربوه'' کا مطلب ہے: فلا تقربوه اكلا و طعما لا انتفاعا۔ حاصل یہ کہ کھانے پینے کے طور پر اس سے انتفاع ممنوع ہونے کا حکم بیان ہوا ہے نہ کہ مطلقاً انتفاع کا۔

سانپ کو مار ڈالنے کا حکم

۴۱۱۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اُقْتُلُوا الْحَیَّاتِ وَاقْتُلُوْا ذَا الطُّفْیَتَیْنِ وَالْاَبْتَرَ فَاِنَّهُمَا یَطْمِسَانِ الْبَصَرَ وَیَسْتَسْقِطَانِ الْحَبْلَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَبَیْنَا اَنَا اُطَارِدُ حَیَّةً اَقْتُلُهَا نَادَانِیْ اَبُوْ لُبَابَةَ لَاتَقْتُلْهَا فَقُلْتُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَبِقَتْلِ الْحَیَّاتِ فَقَالَ اِنَّهٗ نَهٰی بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُیُوْتِ وَهُنَّ الْعَوَامِرُ . (متفق علیه)

تخریج : اخرجه البخاری فی صحیحه ٦ / ۳٤۷' صحیح البخاری' کتاب بدو الخلق' باب ۱٤' ح ۳۲۹۷ و مسلم فی ٤ / ۱۷۵۲' الحدیث رقم (۱۲۸ ـ ۲۲۳۳) وأبو داود فی السنن ۵ / ٤۱۱' الحدیث رقم ۵۲۵۲' والترمذی ٤

/ ٦٤' الحدیث رقم ١٤٨٣' وابن ماجه فی ٢ / ١١٦٩' الحدیث رقم ٣٥٣٥' وأحمد فی المسند ٢ / ١٢١

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''(عموماً تمام) سانپوں کو قتل کر ڈالو اور (خصوصاً) دو سیاہ دھاریوں والے اور دُم کٹے سانپ کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ دونوں قسم کے سانپ بینائی زائل کر دیتے ہیں (یعنی محض ان کو دیکھنے سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور اس کا سبب اس کے زہر کی خاصیت ہے جو ان سانپوں میں ہوتا ہے) اسی طرح یہ دونوں سانپ حمل کو ساقط کر دیتے ہیں (یعنی اگر حاملہ عورت ان کو دیکھے تو اس زہر کی خاصیت کے سبب یا خوف و دہشت کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو جاتا ہے)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ میں ایک سانپ پر حملہ کر کے اس کو مار ڈالنے کے در پے تھا کہ (ایک صحابی) حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ نے مجھ کو آواز دے کر کہا کہ اس کو مت مارو' میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (عام حکم) کے بعد گھر میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا تھا کیونکہ وہ گھر کو آباد کرنے والے ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :اقتلوا الحیات...... ویستقطان الحبل :

''طفتین'' ملا علی قاریؒ کے پیش نظر نسخہ میں طاء کے ضمہ اور فاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ جبکہ مشکوٰۃ کے موجودہ نسخہ میں فاء کے فتحہ اور یاء اول کی تشدید کے ساتھ تصغیر کے وزن پر ہے۔

اللُّغَاتُ : ''طفتین'' صاحب قاموس لکھتے ہیں: ''هی حیة خبیثة علی ظهرها خطان اسودان کالطفیتین والطفیة بالضم خوصة المقل والخوص بالضّم ورق النخل (کھجور کے درخت کے پتے) طفیه: گوگل پھل کے درخت کے پتے۔ (گوگل جنگلی کھجور کا پھل) والواحده بهاء۔ والمقل بالضم صمغ شجرة ۔یطمسان: یاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ بمعنی اندھا کرنا۔ (''سقوط'' سے ماخوذ ہے) باب استفعال سے ذکر کرنا مبالغہ کیلئے ہے۔

الحبل: بروز قلم أطارد: باب مفاعلہ سے ہے، مبالغہ یا مغالبہ کی خاصیت پائی جا رہی ہے۔

النہایہ میں لکھتے ہیں: الطفیه خوصة المقل شبه به الخطان اللذان علی ظهر الحیة

وہ سانپ جس کی پشت پر دو دھاریاں ہوں اس کو ذا الطفتین کہتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ ''طفیہ'' زہریلا لچکدار چھوٹی دم کا سانپ ہوتا ہے۔

امور نحویہ: ''الابتر'' منصوب ہے اس کا عطف ''ذا بر'' ہے۔ اقتلها: جملہ حالیہ ہے۔ أی حال کونی أرید قتلها۔ لا تقتل: ایک نسخہ میں ''لم تقتل'' ہے۔ أی لدی شیء ترید قتلها۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے اندر جن دو موذی اور خبیث الباطن سانپوں کا ذکر ہے کہ ان کے دیکھنے سے نظر اور حمل ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان عجائبات کا انکار ممکن ہی نہیں ان کے اس فعل کو اس انداز سے ذکر فرمایا جس طرح کسی شخص سے فعل قصداً صادر ہونے کو ذکر کیا جاتا ہے۔

سانپ میں افعیٰ کے خواص میں لکھا ہے۔ کہ جیسے ہی حاملہ اور اس سانپ کی نگاہیں ملتی ہیں عورت کا حمل گر جاتا ہے۔ بعض

ایسے سانپ ہیں ان کو دیکھتے ہی انسان اندھا ہو جاتا ہے۔سانپوں کی ایک قسم جس کو''ناظور''اور''ناظر'' کہا جاتا ہے۔جب اس کی نظر کسی انسان پر پڑتی ہے تو وہ انسان فوراً مر جاتا ہے۔ایک قسم ایسی ہے کہ انسان اس کی آواز سے ہی فوراً مر جاتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں''فانهما يطمسان'' کا مطلب یہ ہے کہ محض اس کو دیکھنے سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور اسکا سبب وہ خاصیت ہے جو ان سانپوں کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔مسلم کی دوسری روایت کہ جس میں''يخطفان'' کے الفاظ آئے ہیں۔سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

قوله :وصف العوامر:

اصل میں عوامر کا اطلاق جنات پر ہوتا ہے۔اس اعتبار سے وہ گھر کو آباد کرنے والے ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ ان کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے اس لئے ان کو''عوامر'' کہا جاتا ہے۔مراد یہ ہوگی کہ گھروں میں اکثر و بیشتر جو سانپ نظر آتے ہیں وہ حقیقت میں جنات ہوتے ہیں جو سانپ کی صورت اختیار کئے پڑے ہوتے ہیں۔لہٰذا گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے کہ مبادا جس سانپ کو مار ڈالا گیا ہو وہ حقیقت کے اعتبار سے گھر میں رہنے والا جن ہو۔اس کے قتل سے گھر والوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے گا۔روایات باب: ① طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے:**اقتلوا لحية والعقرب وان كنتم فى الصلوة۔**

(اخرجه ابو داود فى السنن ١/٥٦٦، الحديث رقم ٠٩٢١ والترمذى فى السنن ٢/٢٣٣ الحديث رقم ٣٩٠ والحاكم فى المستدرك ٤/٣٥٥'

''سانپ اور بچھو کو مار ڈالو اگر چہ تم نماز کی حالت میں ہو۔''

② ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے:

"اقتلوا الاسودين فى الصلوة:الحية والعقر"۔

③ خطیب نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے:**من قتل حية او عقربًا فكانما قتل كافر"**

جس نے سانپ یا بچھو کو مارا گویا اس نے کافر کو مارا۔

④ امام احمد بن حنبل ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں:**من قتل حية فكأنما قتل رجلا مشركا قد حل دمه۔**

(احمد فی المسند ۱/۳۹۵)

⑤ امام ابوداؤد اور امام نسائی' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں:

اقتلوا الحيات كلهن فمن خاف ثأر هن فليس منى۔

(أخرجه ابو دائود فى السنن ٥/٤٠٩، الحديث رقم ٥٤٢٩)

یہ احادیث مطلقہ گھروں میں رہنے والے سانپوں کے علاوہ دوسرے سانپوں پر محمول ہیں۔جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایت اور آگے آنے والی دوسری روایتوں سے واضح ہوتا ہے۔

۴۱۱۸:وَعَنْ اَبِى السَّائِبِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ فَبَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ اِذَا سَمِعْنَا تَحْتَ سَرِيْرِهٖ حَرَكَةً فَنَظَرْنَا فَاِذَا فِيْهِ حَيَّةٌ فَوَثَبْتُ لِاَقْتُلَهَا وَاَبُوْسَعِيْدٍ يُصَلِّىْ فَاَشَارَ اِلَىَّ اَنْ اَجْلِسْ

فَجَلَسْتُ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَشَارَ اِلٰى بَيْتٍ فِى الدَّارِ فَقَالَ اَتَرٰى هٰذَا الْبَيْتَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ كَانَ فِيْهِ فَتًى مِنَّا حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْخَنْدَقِ فَكَانَ ذٰلِكَ الْفَتٰى يَسْتَاْذِنُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِاَنْصَافِ النَّهَارِ فَيَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَاْذَنَهٗ يَوْمًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذْ عَلَيْكَ سَلَاحَكَ فَاِنِّىْ اَخْشٰى عَلَيْكَ قُرَيْظَةَ فَاَخَذَ الرَّجُلُ سَلَاحَهٗ ثُمَّ رَجَعَ فَاِذَا امْرَاَتُهٗ بَيْنَ الْبَابَيْنِ قَائِمَةً فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ لِيَطْعَنَهَا بِهٖ وَاَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ فَقَالَتْ لَهٗ اُكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَمَا الَّذِىْ اَخْرَجَنِىْ فَدَخَلَ فَاِذَابِحَيَّةٍ عَظِيْمَةٍ مُنْطَوِيَّةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ فَرَكَزَهٗ فِى الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ فَمَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعُ مَوْتًا اَلْحَيَّةُ اَمِ الْفَتٰى قَالَ فَجِئْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهٗ وَقُلْنَا اُدْعُ اللّٰهَ يُحْيِيْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتِ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهَا ثَلَاثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَاِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَقَالَ لَهُمْ اذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَاٰذِنُوْهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ بَدَالَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رواه مسلم)

تخريج: اخرجه مسلم فى صحيحه ٤ / ١٧٥٦، كتاب السلام، باب قتل الحيات وغيرها، الحديث رقم (١٤٠ - ٢٢٣٦) والترمذى فى السنن ٤ / ٦٥، الحديث رقم ١٤٨٤

ترجمه: "اور حضرت سائبؒ (جو حضرت ہشام بن زہرہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور تابعی ہیں) کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر گئے' چنانچہ جب ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہم نے ان (ابوسعید رضی اللہ عنہ) کے تخت کے نیچے ایک سرسراہٹ سنی ہم نے دیکھا تو وہاں ایک سانپ تھا' میں اس کو مارنے کے لئے جھپٹا' مگر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نماز پڑھ چکے تو انہوں نے مکان کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ "کیا تم نے اس کمرے کو دیکھا ہے؟" میں نے کہا کہ "ہاں!" پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اس کمرے میں ہمارے خاندان کا ایک نوجوان رہا کرتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی"۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہم سب لوگ (یعنی وہ نوجوان بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ خندق میں گئے (جس کا محاذ مدینہ کے مضافات میں قائم کیا گیا تھا۔ وہ آدمی (روزانہ) دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (گھر جانے کی) اجازت مانگ لیا کرتا تھا (کیونکہ دلہن کی محبت اس کو اس پر مجبور کرتی تھی) چنانچہ (اجازت ملنے پر) وہ اپنے اہل خانہ کے پاس چلا جاتا (اور رات گھر میں گزار کر صبح کے وقت پھر آ کر مجاہدین میں شامل ہو جاتا) ایک دن حسب معمول' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو اجازت دیتے ہوئے) فرمایا کہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھو' کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بنوقریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں (بنوقریظہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو اس موقع پر قریش مکہ کا حلیف بن کر

مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھا اس نوجوان نے ہتھیار لے لئے اور (اپنے) گھر کو) روانہ ہو گیا (جب وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچا تو کیا) دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی (گھر کے) دونوں دروازوں (یعنی اندر اور باہر کے دروازے) کے درمیان کھڑی ہے۔نوجوان نے عورت کو مار ڈالنے کے لئے اس کی طرف نیزہ اٹھایا کیونکہ (یہ دیکھ کر کہ اس کی بیوی باہر کھڑی ہے) اس کو بڑی غیرت آئی لیکن عورت نے (جبھی) اس سے کہا کہ ''اپنے نیزے کو اپنے پاس روک لو اور ذرا گھر میں جا کر دیکھو کہ کیا چیز میرے باہر نکلنے کا سبب ہوئی ہے''۔(یہ سن کر) وہ نوجوان گھر میں داخل ہوا' وہاں دفعتاً اس کی نظر ایک بڑے سانپ پر پڑی جو بستر میں کنڈلی مارے پڑا تھا۔نوجوان نیزہ لے کر سانپ پر جھپٹا اور اس کو نیزہ میں پرو لیا پھر اندر سے نکل کر باہر آیا اور نیزے کو گھر کے صحن میں گاڑ دیا' سانپ نے تڑپ کر نوجوان پر حملہ کیا' پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دونوں میں سے پہلے کون مرا' سانپ یا نوجوان؟ (یعنی وہ دونوں اس طرح ساتھ مرے کہ یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی)۔حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ماجرا بیان کر کے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اس نوجوان کو ہمارے لئے زندہ کر دے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی اور رفیق کے لئے مغفرت طلب کرو' اور پھر فرمایا کہ ''(مدینہ کے ان گھروں میں ''عوامر'' یعنی جنات رہتے ہیں (جن میں مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی) لہٰذا جب تم ان میں سے کسی کو (سانپ کی صورت میں) دیکھو تو تین بار یا تین دن اس پر تنگی اختیار کرو پھر اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اس کو مار ڈالو کیونکہ (اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ) وہ (جنات میں سے) کافر ہے''۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ ''جاؤ اپنے ساتھی کی تکفین و تدفین کرو''۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ میں (کچھ) جن ہیں (اور ان میں وہ بھی ہیں) جو مسلمان ہو گئے ہیں ان میں سے جب تم کسی کو (سانپ کی صورت میں) دیکھو تو تین دن اس کو خبردار کرو' پھر تین دن کے بعد بھی اگر وہ دکھائی دے تو اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے''۔(مسلم)

تشریح: قوله: قال: دخلنا علی ابی سعید الخدری...... حديث عهد بعرس:

''فقلت: نعم فقال: کان'' ایک نسخے میں ان'' کان'' ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔اس صورت میں یہ مخفف من المثقل ہوگا۔یعنی ''انه کان'' کے الفاظ ہیں۔حدیث عهد: اصل نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے جبکہ ایک اور نسخے میں نصب کے ساتھ ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں اگر مرفوع پڑھیں تو یہ فتًی کی صفت ثانی ہوگا۔اگر نصب کے ساتھ پڑھیں تو یہ ''منا'' کی ضمیر مجرور سے حال ہوگا۔

ثم خرج: ایک نسخ میں فخرج بها کے الفاظ ہیں۔''فاذا رأیتم منها'' ایک نسخہ میں ''منهم'' کے الفاظ ہیں۔یعنی جمع کی ضمیر ہے۔

''فاذا رأیتم منهم'' ایک نسخ میں یہ روایت ''منها'' کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

اللغات: "عرس" عین کے ضمہ کے ساتھ۔ مغرب میں ہے **اعرس الرجل بالمرأة أى بنا عليها۔**
ایک حدیث میں ہے۔"**اذ دعى احدكم الى طعام عرس فليجب**" جب تمہیں کوئی شادی کی دعوت دے تو اس کو قبول کرو۔

"**بانصاف النهار**" امام نوویؒ فرماتے ہیں "**انصاف**" ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی نصف نہار۔

"**غيرة**" غین معجمہ کے فتحہ کے ساتھ۔

اكفف: فاء اول کے ضمہ کے ساتھ۔

"**فحرِجُوا**" راء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ۔

"**فقال استغفروا لصاحبكم**" امام طیبیؒ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے اس بھائی کیلئے اگر میں یہ دعا کروں کہ اللہ اس کو زندہ کر دے تو اس کو اسی دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس کے لئے استغفار کرنا نافع ہے۔ اھ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرتؐ اس معجزہ سے عاجز تھے بلکہ آنحضرتؐ نے یہ بات "سد اَلّلباب" ارشاد فرمائی۔

"**فحرجوا عليها ثلاثاً**" مطلب یہ ہے کہ جب سانپ نظر آئے تو اس سے کہو کہ تو تنگی اور گھیرے میں ہے اب نہ نکلنا اگر پھر نکلے گا تو ہم تجھ کو مار ڈالیں گے۔ چنانچہ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **أى قولوا لها: أنت فى حرج أى ضيق ان عدت الينا فلا تلو منا ان تضيق عليك بالتبع والطرد والقتل۔**

شرح مسلم میں امام نووی نے علامہ قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابن الحبیب کی سند سے آنحضرت کا یہ ارشاد منقول ہے کہ سانپ کو دیکھ کر یہ کہا جائے:

"**انشدكم بالعهد الذى اخذ عليكم سليمان بن داؤد عليها السلام لا تؤذونا ولا تظهروا لنا**" میں تجھ کو اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام نے تجھ سے لیا تھا کہ ہم کو ایذا نہ دے اور ہمارے سامنے مت آ۔

امام مالکؒ سے بھی اس طرح کے الفاظ منقول ہیں۔ اسی طرح بعض روایات میں "**باللّٰه عليك ان لا تعودوا لمثله ابدًا ان كنتم مؤمنين**" کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

قوله: "**فانما هو شيطان**" یعنی خبر دار کرنے کے بعد بھی وہ ظاہر ہوا تو۔"وہ شیطان ہے"۔ وہ مسلمان جن نہیں ہے بلکہ یا تو کافر جن ہے یا حقیقت میں سانپ ہے اور یا یہ ابلیس کی نسل میں سے ہے اس صورت میں اس کو فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ اس کو "شیطان" اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ آگاہی کے بعد بھی نظروں سے غائب نہ ہو کر اس نے اپنے آپ کو سرکش ثابت کیا ہے اور عام بات ہے کہ جو بھی سرکش ہوتا ہے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا آدمیوں میں سے اور یا جانوروں میں سے اس کو "شیطان" کہا جاتا ہے۔

گرگٹ کی خباثت کا بیان

۴۱۱۹: وَعَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ كَانَ يَنْفَخُ عَلٰى

اِبْرَاهِيْمَ ۔ (متفق عليه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحيحه ٦ / ٣٨٩' كتاب الانبياء' باب٨' الحديث رقم ٣٣٥٩ و مسلم فی ٤ / ١٧٥٧' الحديث رقم (١٤٢ ـ ٢٢٣٧) والنسائی فی السنن ٥ / ٢٠٩' الحديث رقم ٢٨٨٥' وابن ماجه فی ٢ / ١٠٧٦' الحديث رقم ٣٢٢٨' والدارمی فی ٢ / ١٢١ الحديث رقم ٣٠٠٠ وأحمد فی المسند ٦ / ٤٢١

ترجمہ: ''اور حضرت اُم شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم کیا اور فرمایا کہ''وہ (گرگٹ) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر (آگ) پھونکتا تھا''۔ (بخاری ومسلم)

اللُّغَاتُ: ''وزغ'' واؤ مفتوحہ کے ساتھ اس کا مفرد ''وزغةٌ'' ہے۔ اس خبث الباطن جانور کو گرگٹ کہا جاتا ہے۔ اور ''سام البرص'' اس سے بڑا ہوتا ہے۔ صاحب النہایہ کا کہنا ہے کہ ''وزغ'' سے مراد ''سام ابرص'' ہے۔

تشریح: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: یہ گویا گرگٹ کی خباثت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو یہ گرگٹ اس آگ کو بھڑکانے کیلئے اس میں پھونک مارتا تھا۔ اس کو شیطان نے بطور آلہ استعمال کیا اور اپنے کام میں لایا۔ یہ موذی اور زہریلا جانور ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا پسندیدہ ترین مشغلہ کھانے کو خراب کرنا ہے، خصوصاً نمک کو۔ جب اس کو کھانا خراب کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا تو یہ چھت پر چڑھ کر اپنی بیٹ کھانے پینے چیزوں میں گرا دیتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ یہ جانور فطری طور پر برا ہے۔

گرگٹ ایک فاسق جانور

۴۱۲۰: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَسَمَّاهُ فُوَيْسِقًا۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحيحه ٤ / ١٧٥٨' كتاب السلام' باب استحباب قتل الوزغ' الحديث رقم (١٤٤ ـ ٢٢٣٨) وأبو داود فی السنن ٥ / ٤١٦ الحديث رقم ٥٢٦٢' وابن ماجه فی ٢ / ١٠٧٦' الحديث رقم ٣٢٣٠' وأحمد فی المسند ١ / ١٧٦

ترجمہ: ''اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام فویسق رکھا''۔ (مسلم)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''فویسق'' اصل میں ''فاسق'' کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں ''چھوٹا فاسق''۔ گرگٹ کو ''فویسق'' (یعنی چھوٹا فاسق) اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ فواسق خمسہ (یعنی ان پانچ بد جانوروں) کی قسم میں سے ہے جن کو ہر حالت میں مار ڈالنے کا حکم ہے خواہ وہ حل میں (یعنی حدود حرم سے باہر ہوں) یا حرم میں ہوں۔ لغت میں ''فسق'' کے معنی ''خروج'' کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں فسق سے مراد ہوتا ہے ''اطاعت حق سے نکل جانا اور صحیح راستہ سے روگردانی کرنا''۔ یہ

جانور دیگر جانوروں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ ضرر و تکلیف پہنچاتے ہیں کہ گویا یہ حشرات کے خاندان سے ہی خارج ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ صیغہ تصغیر کے ساتھ ذکر فرمانا یا تو تعظیم کے پیش نظر ہے، جیسا کہ "دویھیة" میں ہے۔ یا تصغیر تحقیر کے لئے ہے بایں طور کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فواسق خمسہ کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے۔ اھ پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

گرگٹ مارنے کا ثواب

۴۱۲۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِیْ اَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَفِی الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ وَفِی الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحیحه ٤ / ١٧٥٨ کتاب السلام، باب استحباب قتل الوزغ، الحدیث رقم (١٤٧ ـ ٢٢٤٠) وأبو داود فی السنن ٥ / ٤١٦ الحدیث رقم ٥٢٦٣، والترمذی فی ٤ / ٦٤، الحدیث رقم ١٤٨٢ وابن ماجه فی ٢ / ١٠٧٦ الحدیث رقم ٣٢٢٩، وأحمد فی المسند ٢ / ٣٥٥

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے گرگٹ کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا تو اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی"۔ (مسلم)

تشریح: "ضربة" باء موحدہ کے ساتھ ہے۔ ترکیبی اعتبار سے عبارت میں دو احتمال ہیں: ① من قتل فی الضربة الثانیة کتب له دون ذلك فی الثواب ② قتله فی الثانیة دون ذلك فی الثواب۔

اس حدیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ① اوّل ضرب پر ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ پھر کم پھر اس سے بھی کم۔

② امام نووی فرماتے ہیں اس حدیث کے ذریعہ گویا اس بات کی طرف راغب کیا گیا ہے کہ گرگٹ کو جلد سے جلد مار ڈالا جائے، بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ غفلت کرنے سے وہ بھاگ جاتا ہے۔ جس سے ثواب سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا فرصت کو غنیمت جانا جائے اور اس کو بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے۔

تخریج: امام احمد اور امام ابن حبان نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: من قتل حیة فله سبع حسنات، ومن قتل وزغة فله حسنة۔ امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا ہے: من قتل وزغا کفر الله عنه سبع خطیآت۔

چیونٹی کو مارنے کی شرعی حیثیت

۴۱۲۲: وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَاُحْرِقَتْ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ اَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ اَحْرَقْتَ اُمَّةً مِنَ الْاُمَمِ تُسَبِّحُ۔ (متفق علیه)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ٦ / ١٥٤ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب ١٥٣، الحدیث رقم

۳۰۱۹ و مسلم فی ٤ / ۱۷۵۹، الحدیث رقم (۱٤۸ ـ ۲۲٤۱) و أبو داود فی السنن ٥ / ٤۱۸ الحدیث رقم ٥۲٦٦، ٥۲٦٦ والنسائی فی السنن ۷ / ۲۱۰، الحدیث رقم ٤۳٥۸، وابن ماجه فی ۲ / ۱۰۷٥، الحدیث رقم ۳۲۲٥، وأحمد فی المسند ۲ / ٤۰۲

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ایک دن انبیاء کرام میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا' انہوں نے چیونٹیوں کے بلوں کو جلا دینے کا حکم دیدیا' چنانچہ بلوں کو جلا دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تم نے جماعتوں میں سے ایک ایسی جماعت کو جلا ڈالا جو تسبیح (یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے) میں مشغول رہتی تھی''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **قوله :قرصت نملة نبيا من الانبياء......:**

قرصت: امام طیبیؒ لکھتے ہیں ''**القرص الأخذ باطراف الأ صابع وهنا يراد به العض**'' قرص کے معنی ہیں انگوٹھا اور انگلی سے بدن کے حصہ کو پکڑنا یعنی کسی کے بدن میں چٹکی بھرنا یہاں کاٹنا مراد ہے۔ **نملة**: واحد ہے۔

''**نبيًا من الأنبيا**'' کچھ حضرات کہتے ہیں حضرت موسیٰ تھے بعض کہتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔

''**بقرية النمل**'' قریۃ اس لئے کہا کہ بل سب کا مسکن ہوتا ہے۔ بستی کو بھی قریہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں لوگ اکھٹے رہتے ہیں۔

''**فاحرقت**'' کا مطلب یہ ہے کہ نبی نے اس درخت کو جلانے کا حکم دیا تھا جس میں چیونٹیوں کا بل تھا' چنانچہ اس درخت کو جلا ڈالا گیا۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان نبی علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا اے پروردگار! تو کسی آبادی کو اس کے باشندوں کے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ پوری آبادی تہس نہس ہو جاتی ہے' حالانکہ اس آبادی میں مطیع وفرمانبردار لوگوں کی بھی کچھ تعداد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرلیا کہ ان کی عبرت کے لئے کوئی مثال پیش ہونی چاہئے۔ چنانچہ ان نبی علیہ السلام پر سخت ترین گرمی مسلط کر دی گئی' یہاں تک کہ وہ اس گرمی سے نجات پانے کے لئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے چلے گئے وہاں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور وہ سو رہے تھے تو ایک چیونٹی نے ان کو کاٹ لیا' انہوں نے حکم دیا کہ ساری چیونٹیوں کو جلا دیا جائے' سب کو جلانے کا حکم اس لئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ اس خاص چیونٹی کو پہچان کرواتے جس نے ان کو کاٹا تھا یا اس وجہ سے کہ چیونٹی موذی جانور ہے اور موذی کی پوری جنس کو مار ڈالنا جائز ہے۔

قوله :فاوحى الله :

أن قرضل: اَن ہمزہ کے ساتھ ہے، اور لام مقدر ہے۔ **أى لأجل**۔

تسبح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ای **امة مسبحة لله تعالیٰ** لفظ **مسبحة** کی جگہ فعل مضارع اسلئے استعمال ہوا تاکہ استمرار ودوام اور انکار مزید پر دلالت کرے۔ جیسے :**انا سخرنا الجبال معه يسبحن**. [ص:۱۸]

اس آیت کی تفسیر میں صاحب کشاف فرماتے ہیں ''**فيه دلالة على حدوث التسبح من الجبال شيئا بعد شئ وحالاً بعد حال و كان السامع يحاضر تلك الحال ويسمعها** یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ پہاڑ بھی

بتدریج وقتاً فوقتاً اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، گویا کہ سامع اس صورتحال کو دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔

أحرقت أمة: اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس خاص چیونٹی کو جلانا جائز تھا جس نے انہیں کاٹا تھا۔ شرح مسلم میں امام نووی لکھتے ہیں۔ کہ اس نبی کیلئے چیونٹوں کا بل جلانا جائز تھا اسی وجہ سے زیر عتاب نہیں ہوا۔ جو عتاب ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کاٹا ایک نے تھا اس ایک کو جلانے کا حق تھا ایک سے زیادہ جلانے پر ان کو عتاب ہوا، نہ کہ نفس تحریق پر۔

ہمارے مذہب میں کسی جاندار کو آگ میں جلانا جائز نہیں، خواہ وہ چیونٹی ہو یا جوں ہو اور ممانعت کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: نهى عن قتل أربع من الدواب ۔ یہ حدیث عنقریب فصل ثانی میں آئے گی۔ اھ۔ چیونٹی مارنے کی ممانعت کو اگر غیر موذی کے ساتھ مقید کر دیا جائے، جوں پر قیاس کرتے ہوئے، تو تمام روایات میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بعض مرتبہ چیونٹی کے کاٹے کی تکلیف جوں کاٹنے کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے۔ بلی کو ابتداء (یعنی بلا وجہ) مارنا تو جائز نہیں ہاں، اگر تکلیف پہنچائے تو مارنا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جلانے کا حکم منسوخ ہو۔ یا اس ضرورت پر محمول ہو کہ اس کے بغیر مارنا ممکن نہ ہو۔

امام طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے: أنه نهى عليه السلام عن قتل كل ذى روح الا أن يؤذى۔

اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ یہ حدیث مبارکہ اللہ جل شانہ کے فعل کی نظیر ہے کہ اللہ جل شانہ مطیع و عاصی کے درمیان فرق فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو شفائے غیظ کی خاطر عذاب نہیں دیتے، برخلاف مخلوق کے (وہ ایک دوسرے کو شفائے غیظ کی خاطر عذاب دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا فعل باب قضاء وقدر سے ہے، اس کی حقیقت تک رسائی سے علم بشری عاجز ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بطور تمثیل کے ہو کیونکہ اللہ جل شانہ جانتا ہے کہ مطیع کو اگر عمومی عذاب میں مبتلا نہ کیا گیا، اور بچا لیا گیا، تو اس مطیع سے کوئی ایسا فعل صادر ہوگا جو مستوجب عذاب ہوگا، یا مطیع عاصی کے فعل پر راضی ہو، یا اس کے فعل پر نکیر نہ کرے، یا اس کے ساتھ مساکنت اختیار کرے تو یہ صورت حال کسی بھی قسم کے عذاب کے استحقاق سے خالی نہیں۔ یا اس کا عذاب دینا صورتاً تو تعذیب ہوتا ہے لیکن حقیقتاً تکفیر و تہذیب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے منزہ ہے کہ اس سے سوائے عدل یا فضل کے کچھ صادر ہو، وہ جو چاہے کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں، مخلوق سے پوچھ ہے۔

الفصل الثانی:

گھی میں چوہا گرنے کا بیان

۴۱۲۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَّةُ فِي السَّمَنِ فَاِنْ کَانَ جَامِدًا فَاَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَاِنْ کَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ۔ (رواه احمد وابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود فى السنن ٤ / ١٨١ الحديث رقم ٣٨٤٢، وأحمد فى المسند ٢ / ٣٢

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر گھی میں چوہا گر جائے (اور مر جائے) اگر وہ گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو اور اس کے چاروں طرف کے گھی کو نکال کر پھینک دو (اور باقی گھی کھانے کے

مصرف میں لاؤ) اور اگر وہ گھی پتلا یعنی (پگھلا ہوا) ہو تو پھر اس کے قریب (بھی) مت جاؤ (یعنی اس کو مطلقاً نہ کھاؤ)۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: تفصیل حدیث ۴۱۲۴ میں گذر چکی ہے۔

۴۱۲۴: وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

تخریج: اخرجه أبوداود الدارمی فی السنن ۲ / ۱۴۹، الحدیث رقم ۲۰۹۵

ترجمہ: اور دارمیؒ نے اس روایت کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے"۔

سرخاب کے گوشت کا بیان

۴۱۲۵: عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰى. (رواه ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ۴ / ۱۵۵، الحدیث رقم ۳۷۹۷، والترمذی فی ۴ / ۲۳۹، الحدیث رقم ۱۸۲۸

ترجمہ: "اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباریٰ (سرخاب) کا گوشت کھایا"۔ (ابوداؤد)

تشریح: لفظ حباریٰ حاء مہملہ کے ضمہ اور راء مہملہ کے فتحہ اور الف مقصوری کے ساتھ۔

حباریٰ: قال الجوهری: الحباری طائر يقع علی الذكر والانثی واحدهما وجمعهما سواءً وان شئت قلت الجمع حباريات والفة ليست للتأنيث ولا للالحاق۔ قال صاحب القاموس: الفه للتانيث، وغلط الجوهری اذ لولم يكن له لا نصرفت هذا:

وفی حياة الحيوان للدميری: الحباری طائر كبير العنق رمادی اللون فی منقاره بعض طول ومن شانها ان تصاد ولا تصيد"۔

حباریٰ ایک پرندہ ہے جس کی گردن لمبی، رنگ سلیٹی، چونچ کچھ لمبی ہوتی ہے شکا خود رہو جاتا ہے، لیکن شکار کرتا نہیں ہے۔ نر مادہ دونوں کے لئے بولا جاتا ہے، واحد جمع برابر ہے، اور جمع کیلئے "حباریات" لانا بھی درست ہے۔

صاحب قاموس کا کہنا ہے کہ الف برائے الحاق نہیں ہے، بلکہ تانیث کیلئے ہے، غیر تانیث کا قرار دینا صحیح نہیں، ورنہ تو یہ منصرف ہوتا۔ جس کے بارے میں عربی میں مشہور ہے کہ وہ احمق ترین پرندہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شخص کی حماقت ظاہر کرنی ہو تو حباریٰ کی مثال دی جاتی ہے۔ اردو میں اس کو سرخاب کہتے ہیں۔ باوجود حماقت کے دوسرے جانداروں کی طرح جذبہ مادری رکھتا ہے اپنے بچوں کو کھلاتا پلاتا ہے اور اڑان سکھاتا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: **ان الظالم لا يضر الا نفسه** ظالم اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے ظلم سے کسی کو نقصان نہیں

ہوتا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کذب والذی نفسی بیدہٖ ان الحباری تموت ھزالاً من خطایا بنی آدم'' یعنی جب انسان کے گناہ بڑھ جاتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے' حتیٰ کہ سرخاب بھی اس کی ایذاء سے مر جاتا ہے۔ حالانکہ پرندوں میں اپنے رزق کو حاصل کرنے میں سب سے زیادہ حیلہ باز پرندہ ہے لیکن وہ بھی بھوک سے مر جاتا ہے۔

سرخاب حلال ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر چیز (یعنی جاندار) کل شیء یحب ولدہ حتی الحباری اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے۔حتیٰ کہ سرخاب بھی

جلّالہ کا گوشت کھانے کی ممانعت

۴۱۲۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الْجَلاَّلَةِ وَاَلْبَانِهَا (رواہ الترمذی وفی روایة ابی داود) قَالَ نَهٰی عَنْ رُکُوْبِ الْجَلاَّلَةِ۔

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٤ / ١٨٤ کتاب الاطعمة' باب فی اکل لحم الحباریٰ' الحدیث رقم ٣٧٨٥ والترمذی فی ٤ / ٢٣٨' الحدیث رقم ١٨٢٤' وابن ماجه فی ٢ / ١٠٦٤ الحدیث رقم ٣١٨٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (یعنی گندگی کھانے والے جانور) کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے (ترمذیؒ) اور ابوداؤدؒ کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ پر سوار ہونے سے بھی منع فرمایا ہے''۔

تشریح: قوله: نهی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الجلالة:

جلالة جیم کے فتحہ اور لام اول کی تشدید کے ساتھ جلة سے مشتق ہے۔ جلة گوبر کو کہتے ہیں اور جلالہ سے مراد وہ جانور ہے جو حلال تو ہو لیکن اس کو نجاست کھانے کی مستقل عادت ہو۔ اگر وہ جانور کبھی کبھی نجاست کھاتا ہو تو اس کو جلالہ نہیں کہیں گے۔ اس کا گوشت حرام نہیں ہوگا جیسا کہ مرغی اور اگر وہ جانور ایسا ہو کہ اس کی خوراک ہی عام طور پر نجاست ہو اور اس کی وجہ سے گوشت اور دودھ میں بدبو آنے لگے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ' شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا قول ہے اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا۔ الا یہ کہ اس کو باندھ کر یا بند کر کے رکھا جائے اور صاف غذا فراہم کی جائے۔ تاکہ اس کا گوشت اور دودھ ٹھیک ہو جائے پھر اس کو ذبح کیا جائے۔ فتاویٰ کبیر میں مذکور ہے کہ آوارہ مرغی کو تین دن تک بند رکھا جائے گا، اور جلالہ کو دس دن تک کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت حسن اور مالک رحمہما اللہ کے نزدیک جلالہ کا گوشت کھانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اسحاق فرماتے ہیں کہ اچھی طرح دھونے کے بعد کھانے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرغی کو تین دن بند رکھتے تھے۔

جلالہ پر سواری کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس کا پسینہ اس کے گوشت سے پیدا ہونے کی وجہ سے گندا ہوتا سوار کے جسم سے لگے گا۔

گوہ کا گوشت کھانے کی ممانعت کا بیان

۴۱۲۷: وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ اَکْلِ لَحْمِ الضَّبِّ۔

(رواہ ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٤ / ١٥٥' الحدیث رقم ٣٧٩٦ والترمذی' کتاب الاطعمة' باب ما جاء فی اکل لحوم الجلالة و البانها' الحدیث رقم ١٨٢٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :نهی عن اکل الحم الضب:

شبل :شین معجمہ کی کسرہ اور باؤ کے سکون کے ساتھ۔

ایک نسخہ میں ''عن اکل الضب کے الفاظ منقول ہیں۔ جامع صغیر کی روایت میں بھی یہی الفاظ وادر ہوئے ہیں۔

''یہ حدیث گوہ کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور یہی حدیث فصل اول کی حدیث کیلئے ناسخ ہے۔

تخریج و توضیح: اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔

بلی کی حرمت کا بیان

۴۱۲۸: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ اَکْلِ الْهِرَّةِ وَاَکْلِ ثَمَنِهَا۔

(رواہ ابوداود والترمذی)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٤ / ١٦١' کتاب الاطعمه' باب فی اکل الصنب' الحدیث رقم ٣٧٩٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بلی کا گوشت کھانے سے اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے''۔ (ابوداؤد' ترمذی)

قوله :نهی عن اکل الهرة......:

تشریح: ایک روایت میں ''وعن اکل ثمنها کے الفاظ منقول ہیں۔

ابن ملک فرماتے ہیں: بلی کا گوشت کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ بلی کو بیچ کر اس کی قیمت کو کھانا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

گھریلو گدھے، خچر اور درندوں اور ذی مخلب پرندوں کا گوشت حرام ہے

۴۱۲۹: وَعَنْهُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ یَوْمَ خَیْبَرَ الْحُمُرَ الْاِنْسِیَّةَ وَلُحُوْمَ

الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلَّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ۔ (رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب)

تخریج : اخرجه الترمذى فى السنن ٤ / ٦١ كتاب الاطعمة' باب ما جاء فى كراهية كل ذى ناب و ذى مخلب' ح ١٤٧٨۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں' خچروں' تمام کچلی والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت حرام قرار دیا تھا۔ (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: ''الانسية'' ہمزہ کے کسرہ نون کے سکون اور (یاء) کی تشدید کے ساتھ اِنْسِيَّة ہے۔ یہی لغت مشہور ہے۔ ایک نسخہ میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اَنْسِيَّة۔ ابن اویس فرماتے ہیں کہ پہلے دونوں لفظوں پر فتحہ ہے۔ یعنی اَنَسِيَّة ابو موسیٰ نے ہمزہ پر ضمہ کو بھی درست قرار دیا ہے۔ یعنی اُنْسِيَّة۔ ''انسيه'' وَحْشِيَّة کی ضد ہے۔

خلاصہ ہمزہ کے فتحہ کسرہ اور ضمہ تینوں کے ساتھ یہ لفظ ثابت ہے۔

و کلّ: مجرور ہے اس کا عطف البغال پر ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف مضاف پر یعنی ''کل'' پر ہوگا۔

و کل ذی : اس میں بھی یہی دونوں ترکیبیں ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اس کو جو غریبؒ کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مخصوص سند کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے وگرنہ مضمون کے اعتبار سے اس مسئلہ پر کئی احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ شیخین نے حضرات براء بن عازب ،حضرت جابر ،حضرت علی ،حضرت ابن عمر اور حضرت ابوثعلبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے:

''**انه ﷺ ذهى عن اكل لحوم الحمر الاهلية** '' (أخرجه ابو داوٗد فى السنن ٤/١٦٤، الحديث رقم ٣٨١١)

صحاح ستہ والوں نے حضرت ابوتمیم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ''**نهى عن كل ذى ناب من السباع**''۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور ابویعلی موصلی نے عبداللہ بن یزید سعدی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ، میں نے حضرت سعید بن المسیب سے پوچھا کہ میری قوم کے کچھ لوگ گوہ کھاتے ہیں۔ (کیا یہ حلال ہے؟) تو انہوں نے فرمایا اس کا کھانا حلال نہیں۔ اس وقت ان کے پاس ایک سفید ریش بزرگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ فرمانے لگے۔ عبداللہ میں اس مسئلے میں وہ روایت سنا دوں جو حضرت ابودرداء سے منقول ہے۔ عبداللہ فرماتے ہیں میں نے کہا کیوں نہیں سنا دیجئے۔ وہ فرمانے لگے: ''**سمعت ابا الدرداء يقول نهى رسول الله عن اكل كل خطفة ونهبة ومجثمة و كل ذى ناب من السباع**'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ کر نکالا گیا ہو۔ اسی طرح لوٹا ہوا مال اور مجثمہ کے کھانے سے بھی منع فرمایا۔ نیز درندوں کے گوشت کو کھانے سے بھی منع فرمایا۔ یہ سن کر سعید بولے: سچ فرمایا۔

گھوڑے کے گوشت کی ممانعت کا بیان

۴۱۳۰: وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ

وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔ (رواہ ابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود في السنن ٤ / ١٥١' كتاب الاطعمة' باب في اكل لحوم الخيل' الحديث رقم ٣٧٩٠ والنسائي في ٧ / ٢٠٢' الحديث رقم ٤٣٣١' وابن ماجه في ٢ / ١٠٦٦' الحديث رقم ٣١٩٨' وأحمد في المسند ٤ / ٨٩

ترجمہ:''اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے ممانعت فرمائی ہے''۔(ابوداؤد' نسائی)

تشریح: یہ وہ حدیث ہے جس سے (ان جانوروں کے گوشت کی) حرمت کے قائلین کی تائید ہوتی ہے اور آیت مبارکہ: **والبغال والحمير لتركبوها وزينه** [النحل ۔۸] سے بھی ان کا استدلال ہے کہ گھوڑے کا ذکر بغال اور حمیر کے ہمراہ کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں بالاتفاق حرام ہیں، اس سے گھوڑے کی حرمت کو بھی تقویت مل رہی ہے۔ اسی بناء پر امام اعظم گھوڑے کی حرمت کے قائل ہیں۔

گھوڑا آلہ جہاد ہے احتراماً اس کو نہیں کھانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ گھوڑے کا مال غنیمت میں مستقل حصہ ہے۔ چنانچہ اگر اس کو حلال قرار دیں گے تو آلہ جہاد میں تقلیل لازم آئے گی۔

اسنادی حیثیت: منذری فرماتے ہیں۔ الحدیث ضعیف۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: ''**هٰذا منسوخ لأنه أكل لحم الخيل جماعة من الصحابة**''۔

ضعف اور نسخ کی یہ علت درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کا گھوڑے کو کھانا یہ ابتداء اسلام کی بات تھی جو کہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔ اگر یہ بعد کی بات ہو تو یہ کہا جائے گا شاید ان تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

مالِ معاہد کا بیان

۴۱۳۱:وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَفَاَتَتِ الْيَهُوْدُ فَشَكَوْا اَنَّ النَّاسَ قَدْ اَسْرَعُوْا اِلٰى خَضَائِرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلاَ لاَ يَحِلُّ اَمْوَالُ الْمُعَاهِدِيْنَ اِلاَّ بِحَقِّهَا۔ (رواہ ابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود في السنن ٤ / ١٦١' كتاب الاطعمة' باب النهي عن اكل السباع' الحديث رقم ٣٨٠٦ وأحمد في المسند ٤ / ٨٩

ترجمہ:''اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن جہاد میں شریک تھا (ایک موقع پر) یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ شکایت کرنے لگے کہ لوگوں نے ان کے پھلدار درختوں سے پھل اتارنے میں جلد بازی کا مظاہر کیا ہے (یعنی مسلمانوں نے ہمارے کھجور کے درختوں پر سے پھل توڑ لئے ہیں جب کہ ہم معاہد ہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سن لو! ان لوگوں کا ناحق مال لینا حلال نہیں ہے جن سے

عہد و پیمان ہو چکا ہے۔“۔(ابوداؤد)

تشریح: ”خضائرھم“ خضیرۃ کی جمع ہے۔ خضیرۃ خاء اور ضاد کے ساتھ کھجور کے وہ پھل جو ابھی تک مکمل پکے نہ ہوں۔

اگر معاہد ذمی ہے تو وہ حق جو اس کے مال سے متعلق ہے جزیہ ہے اور اگر وہ معاہد مستامن ہے اور اس کے پاس مال تجارت ہے تو اسکے مال سے جو حق متعلق ہوگا وہ اس پر لاگو ہونے والا عشر ہے۔

مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی کا بیان

۴۱۳۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ اَلْمَيْتَتَانِ اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ اَلْكَبِدُ وَالطِّحَالُ۔ (رواہ احمد وابن ماجة والدارقطنی)

تخریج : اخرجه ابن ماجه فی السنن ٤ / ١٦٥، الحدیث رقم ٣٨١٥ وابن ماجه فی ٢ / ١٠٨٢، الحدیث رقم ٣٢٤٧

ترجمہ: ”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہمارے لئے دو (بغیر ذبح کے) مردہ چیزیں اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں۔ دو (بغیر ذبح کے) مردہ چیزیں تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں (کہ یہ دونوں اصل میں خالص خون ہیں نہ کہ گوشت“۔ (لیکن اس کے باوجود حلال ہیں)۔

(احمد، ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: قوله :الكبد والطحال:

”الکبد“ کاف کے فتحہ اور باء کسرہ کے ساتھ۔”الطحال“ کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ طحال بروزن ”کتاب“ ہے۔ (قاموس)

تخریج: جامع صغیر کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: **احلت لنا میتتان ودمان فاما المیتان فالحوت والجراد واما دمان فالکبد والطحال** اس کو ابن ماجہ و بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (الجامع الصغیر ۱/ ۲۳، الحدیث رقم ۲۷۳)

مچھلی کی حلت و حرمت کا بیان

۴۱۳۳: وَعَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَلْقَاهُ الْبَحْرُ وَجَزَرَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوْهُ وَمَا مَاتَ فِيْهِ وَطَفَا فَلَا تَاْكُلُوْهُ (رواہ ابوداود وابن ماجة وقال محی السنة الْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰى جَابِرٍ.

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ٤ / ١٦٥ كتاب الاطعمة، باب فی اكل الطافی من السمك، الحدیث رقم ٣٨١٣ وابن ماجه فی ١٠٧٣ الحدیث رقم ٣٢١٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابوزبیر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو (یعنی مچھلی کو) سمندر نے کنارے پر پھینک دیا ہو' یا پانی اس سے اتر گیا ہو (یعنی دریا کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہو یا کسی دوسری طرف چلا گیا ہو) تو اس کو کھالو' اور جو مچھلی دریا میں مر کر سطح سمندر کے اوپر آ جائے اس کو مت کھاؤ''۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ) اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ اکثر (محدثین) اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ یعنی ان کے نزدیک یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ سمک طافی (یعنی وہ مچھلی جو پانی میں مر کر اوپر آ جائے) حرام ہے' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح منقول ہے' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس مچھلی کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں' مذہب یہی بات کئی صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اگر یہ موقوف ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ صحابی کی اس جیسی موقوف روایت مرفوع ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔

ٹڈی کا بیان

۴۱۳۴: وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ اَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ (رواه ابوداود وقال محی السنة ضعيف)

تخریج: اخرجه أبوداود في السنن ٤ / ١٦٥ كتاب الاطعمة' باب في اكل الجراد' الحديث رقم ٣٨١٣ وابن ماجه في ١٠٧٣' الحديث رقم ٣٢١٩

ترجمہ: اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے (کھانے اور اس کی حقیقت کے) بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ٹڈیاں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا لشکر ہیں' نہ تو میں اس کو تناول کرتا ہوں (کیونکہ طبعاً مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے) اور نہ (دوسروں پر شرعاً) اس کو حرام قرار دیتا ہوں (کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ: **احلت لنا ميتتان**۔

اسنادی حیثیت: ابوداؤدؒ اور محیؒ السنۃ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

تشریح: قوله: اكثر جنود الله:

یعنی پرندوں میں سے سب سے بڑا لشکر ٹڈیوں کا ہے۔ وگرنہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑا لشکر فرشتوں کا ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وما يعلم جنود ربك الا هو** [المدثر: ۳۱] امام طیبیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سائل نے یہ سوال کیا ہو: **أتا كل الجراد أم لا؟ أهو حرام أم لا ؟** چنانچہ جواب اس پر مکمل طور پر منطبق ہو جائے گا: **لا آكله ولا آحرمه** اور اکثر جنود اللہ سائل کے جواب کے لئے بطور تمہید و تعلیل کے ذکر فرمایا کہ: **هو جنود الله يبعثه امارة بغضه على بلاده**۔ ''یہ اللہ تعالیٰ کا وہ لشکر ہے جس کو وہ اپنے بغض کی نشانی کے طور پر شہروں میں بھیجتا ہے۔'' اس

پر نظر جاتی ہے تو نہ کھانا مناسب لگتا ہے، اور اس بات کو دیکھتا ہوں کہ غذا کے قائم مقام ہے تو حلال ہے۔اھ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر غضبناک ہوتے ہیں ان کی طرف ٹڈیوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجتا ہے۔ تا کہ وہ اس قوم کے کھیتوں، باغات اور درختوں کو کھا جائیں۔جس سے ان میں قحط پھیل جائے اور جب قحط پھیل جاتا ہے تو انسان ایک دوسرے کو کھانے لگ جاتے ہیں اور بستیوں کی بستیاں نیست ونابود ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''لا آکله اس لئے فرمایا کہ آنحضرت کو ٹڈی کی حلت اور حرمت میں تردد تھا۔لیکن یہ مطلب لینا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی حلت کی خود تصریح فرمائی۔علاوہ ازیں جب دلیل حلت وحرمت معارض ہوں تو حرمت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور ٹڈی کے بارے میں کوئی بھی شخص اس بات کا قائل نہیں ہے۔چنانچہ۔

حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں: **اجمع المسلمون علی اباحة۔** تمام مسلمان ٹڈی کی اباحت پر متفق ہیں۔اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے توقف اس لئے فرمایا کہ یہ مسائل اجتہادیہ میں سے تھا لہٰذا اس کا حکم بندوں پر موقوف ہوگا۔تو اس طرح کی بات بالاتفاق باطل ہے۔کیونکہ ائمہ اربعہ فرماتے ہیں۔ٹڈی کو کھانا حلال ہے۔خواہ وہ خود سے مرگئی ہو یا اس کو ذبح کیا گیا ہو۔یا شکار کے ذریعہ مری ہو۔شکار خواہ کسی مسلمان نے کیا ہو، خواہ کسی مجوسی نے کیا ہو، خواہ وہ سالم ہو یا اس میں سے کچھ کاٹ لیا گیا ہو۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں اگر ٹھنڈک کی وجہ سے مرے جانے والی ٹڈی نہیں کھایا جائے۔

امام مالکؒ نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

اس کی عمومی حلت پر آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''**أحلت لنا میتتان**'' سے استدلال کیا جاتا ہے۔

وجہ ضعف:

محی السنہ نے اس کو سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث احادیث صحیحہ کے مقابلے میں معنی کے اعتبار سے ضعیف ہے۔کیونکہ احادیث صحیحہ سے اس کی حلت ثابت ہو رہی ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی روایت ہے: ''**غزونا مع رسول اللّٰہ سبع غزوات نأکل معه الجراد**'' کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے اور ہم آپ کی موجودگی میں ٹڈی کھاتے رہے۔حافظ ابونعیم کی روایت میں تو یأکل معنا کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ بھی ہمارے ساتھ تناول فرماتے اس روایت پر کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے: ''**کن ازواج النبیؐ یتهادین الجراد فی الطباق**''۔

(أخرجه ابن ماجة فی السنن ۲/۱۰۷۳ الحدیث رقم ۳۲۲۰)

راوی کہتا ہے میں نے ان سے پوچھا شیاع کا کیا مطلب ہے۔فرمایا آواز، ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی غذا ٹڈی کا گوشت اور درخت کا مغز وگودہ تھا۔وہ فرماتے تھے: **من أنعم منك یا یحیی طعامك الجرا دو قلو ب الشجر۔**

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے بیماری سے نجات عطاء فرمائی تو غسل کرنے تشریف لے گئے۔ ابھی غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں حضرت ایوبؑ اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایوب میں آپ اپنی رحمت سے اتنا دیا کہ کسی چیز کی حاجت نہیں پھر یوں کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت ایوب فرمانے لگے: اے میرے پروردگار تیری برکت سے استغناء ممکن نہیں۔ (البخاری فی صحیحہ ۱ / ۳۸۷ الحدیث رقم ۲۷۹) اس حدیث میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ **''نعم المال الصالح مع العبد الصالح''۔**

طبرانی اور بیہقی میں حضرت ابو زہیر کی روایت ہے۔ ''**قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تقتلوا الجراد فانہ جند اللّٰہ اعظم**'' (البیھقی فی الشعب ۷/۲۳۲ الحدیث رقم ۱۰۱۲۷) یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ٹڈیاں زمین کو خراب نہ کریں تو ان کو مت مارو۔ اگر وہ نقصان پہنچائیں تو ان کو مار ڈالنا جائز ہے۔

طبرانیؒ نے حضرت حسن بن علیؓ سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں: ایک دن میں میرے بڑے بھائی محمد بن حنفیہ حضرت عبداللہ قثم اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک ٹڈی دستر خوان پر آ گری۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ٹڈی کو اٹھایا (اس کی پشت پر کچھ لکھا ہوا تھا) فرمانے لگے۔ اس پر کیا لکھا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا میں نے امیر المؤمنین سے پوچھا تھا' وہ فرمانے لگے میں نے بھی آنحضرت سے ایک مرتبہ پوچھا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پر لکھا ہوا ہے: ''**انا اللّٰہ، لا الٰہ الا أنا، رب الجراد ورازقھا، اذا شئت بعثتھا رزقًا لقوم وان شئت بعثتھا بلاء علی قوم**'' میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی ٹڈی کا رب ہوں اور رازق ہوں میں چاہتا ہوں تو اس کو لوگوں کیلئے رازق کے طور پر بھیجتا ہوں اور جب کسی قوم کو عذاب دینا چاہتا ہوں تو بھی ٹڈی کا جھنڈ بھیجتا ہوں۔ یہ سن کر عبداللہ فرمانے لگے: **ھذا من العلم المکنون**۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ٹڈی خشکی کی مخلوق ہے، یا تری کی مخلوق ہے۔ کہا گیا کر تری کی مخلوق ہے۔ اور دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت ہے: ''**خرجنا مع رسول اللّٰہ**......۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار ہم عمرہ یا حج کیلئے آنحضرت کی معیت میں جا رہے تھے۔ دوران سفر ایک جگہ ٹڈیوں کا ایک جھنڈ سے واسطہ پڑا ہم نے اپنے جوتوں اور کوڑوں سے اس کو مارنا شروع کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''**کلوہ فانہ من صید البحر**''

صحیح قول یہ ہے کہ ٹڈی خشکی کا جانور ہے۔ اگر کوئی محرم اس کا شکار کرے تو اس پر جزاء لازم آئے گی۔ یہی قول حضرت عمر' عثمان' ابن عمر' ابن عباس رحمۃ اللہ علیہم اور عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

عبدریؒ فرماتے ہیں حضرت ابو سعید خدریؓ کے علاوہ باقی سارے حضرات یہی فرماتے ہیں حضرت سعید خدریؓ فرماتے ہیں کچھ لازم نہیں آئے گا۔

ابن المنذرؒ نے حضرت کعب بن احبار اور عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ ٹڈی بحری جانور ہے اس کو مارنے میں کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ان حضرات نے ابو مہزم کی روایت سے استدلال کیا ہے جو کہ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے:

ہمارا واسطہ ٹڈیوں کے ایک جھنڈ سے پڑا ایک صحابی کوڑے سے انہیں گرانے لگے۔ دیگر صحابہ نے ان کو روکا کہ ہم محرم لوگوں کیلئے ان کا شکار جائز نہیں۔ پھر اس کی خبر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا: "**انما هو من صيد البحر**" یہ دریائی شکار ہے۔ (أخرجه ابو داود فى السنن ٢/٤٢٩۔ الحديث رقم ١٨٥٤) اس حدیث کو امام ابو داؤد، ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ تمام حضرات اس حدیث کے ضعف کے قائل ہیں۔ کیونکہ ابی مہز ضعیف راوی تھے۔

جمہور نے امام شافعیؒ کی اس روایت کو بطور دلیل پیش کیا ہے جو انہوں نے سند صحیح یا سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن ابی عمار سے نقل کی ہے عبداللہ فرماتے ہیں۔ ہماری ایک جماعت بیت المقدس سے عمرہ کی غرض سے مکہ جا رہی تھی جس میں حضرت معاذ بن جبل اور کعب احبار بھی تھے۔ ہم ابھی راستہ میں تھے کہ ہم پر ٹڈیوں کا ایک جھنڈ آیا۔ حضرت کعب اس وقت آگ جلا رہے تھے۔ انہوں نے دو عدد ٹڈیاں ماریں پھر ان کو یاد آیا کہ ہم تو محرم ہیں۔ انہوں نے فوراً پھینک دیا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ان حضرات کے ساتھ ہم بھی حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے۔ حضرت کعب نے وہاں وہ قصہ چھیڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت کعب سے پوچھا۔ "**ما جعلت على نفسك يا كعب؟**" انہوں نے فرمایا دو درہم۔ اس پر حضرت عمرؓ فرماتے لگے۔ "**بخ بخ درهمان خير من جرادتين اجعل ما جعلت فى نفسك**") یہ ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے: "**تمرة خير من جرادةٍ**" کہ ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔

مرغ کو برا کہنے کی ممانعت

۴۱۳۵: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبِّ الدِّيْكِ وَقَالَ اِنَّهٗ يُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ ۔ (رواه فى شرح السنة)

تخریج: اخرجه البغوى فى شرح السنة ١٢ / ١٩٩، الحديث رقم ٣٢٧٠، وأحمد فى المسند ٥ / ١٩٢

ترجمہ: "اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مرغ کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ "بلاشبہ وہ (مرغ) نماز کی خبر دیتا ہے"۔ (شرح السنۃ)

تشریح: "یؤذن" ذال کی تشدید کے ساتھ ہے۔ تخفیف کے ساتھ بھی درست ہے اور ان دونوں صورتوں میں ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کرنا بھی جائز ہے۔

انه: یہ ضمیر شان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "دیک" کی طرف راجع ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب حیوان میں بھی پائی جانے والی اچھی خصلتیں اس کو برا کہنے سے روکتی ہیں، تو کسی مؤمن کو برا کہنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ حلیمیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے کہ جس سے استفادہ ہو اس کو برا بھلا کہنا، اس کی اہانت کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے، اس کا شکر گزار رہا جائے، اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے۔

تخریج: شرح السنہ کے علاوہ امام ابو داؤد، ابن حبان اور نسائی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

مرغ کو برا مت کہو

۴۱۳۶:وَعَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسُبُّوْا الدِّيْكَ فَإِنَّهٗ يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ ـ

(رواہ ابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ۵ / ۳۳۱' الحديث رقم ۵ / ۱۹۲' أحمد فی المسند ۵ / ۱۹۳

ترجمه:''اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''مرغ کو برا نہ کہو' کیونکہ وہ نماز کے لئے بیدار کرتا ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مرغ کو جو عمدہ خصوصیت سے نوازا ہے۔وہ رات کے اوقات کی پہچان ہے۔جب وقت آتا ہے۔تو وہ بانگ دینا شروع کرتا ہے اور تب تک دیتا رہے گا جب تک مالک اور ماحول کو بیدار نہ کردے۔

فجر سے پہلے اور فجر کے بعد اپنی صداء بلند کرتا رہتا ہے۔

قاضی حسین قاضی متولی اور رافعیؒ نے اس پر فتوی دیا ہے کہ مرغ کی بانگ پر اوقات صلوٰۃ کے بارے میں اعتماد کرنا جائز ہے۔بشرطیکہ تجربہ سے یہ بات حجت ہو کہ وہ غلط وقت پر بانگ بلند نہیں کرتا عبدالحق بن قانع نے اپنی ہی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''**الديك الا بيض خليلی**''۔

لیکن اس کی سند ثابت نہیں البتہ دیگر کچھ حضرات نے یوں نقل کیا ہے۔''**الديك الابيض صديقی وعدو للشيطان يحرس صاحبه وسبع دور خلفه**''

آپ نے فرمایا: سفید مرغ میرا دوست ہے اور شیطان کا دشمن یہ ہے۔یہ مرغ مالک کے گھر اور دیگر سات پڑوس والوں کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔جامع صغیر میں مرغ کی فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔

شیخ محبّ الدین طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سفید مرغ تھا۔صحابہ کرام سفر میں اس کو ساتھ لے جایا کرتے۔تاکہ اوقات نماز کا علم ہو جائے۔

معجم طبرانی میں مروی ہے: اللہ تعالیٰ کا ایک سفید مرغ ہے۔جس کے پر زبرجد یاقوت اور موتی کے ساتھ مزین ہوتے ہیں۔ایک پر مشرق اور دوسرا پر مغرب تک پیلا ہوا ہے۔اس کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں ہوا میں ہیں۔روازنہ تہجد کے وقت وہ بانگ دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے۔وہ مرغ یہ کہتا ہے:**سبحانك ما اعظم شأنك**''اور ایک روایت میں ہے کہ''**سبوح قدوس**'' کہتا ہے۔

اس کی یہ بانگ انس وجن کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے۔وہ جب بانگ دیتا ہے تو زمین والے مرغ اس کا جواب دیتے ہیں۔جب قیامت کا دن قریب ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے پروں کو سمیٹ لے اور آواز کو پست کردے جب آواز نہیں آئے

گی۔تو انس وجن کے علاوہ ساری مخلوق کو علم ہو جائے گا کہ قیامت آ گئی ہے۔

اصبغ بن زید واسطی کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر کا ایک مرغ تھا۔اس کی بانگ سن کر وہ رات کو تہجد کیلئے اٹھا کرتے تھے ایک رات اس نے صبح تک بانگ نہیں دی حضرت سعید بن جبیر اس روز تہجد نہ پڑھ سکے۔جو کہ آپ پر بہت شاق گزرا۔حضرت سعید نے اس کے حق میں بددعا فرمائی۔"ماله، قطع الله صوته" کہا جاتا ہے۔کہ اس کے بعد اس کی آواز سنائی نہیں دی۔

امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ نے حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت نقل کی ہے جس کی سند بہت عمدہ ہے۔

گھر میں سانپ دکھائی دینے کا بیان

۴۱۳۷:وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ :قَالَ اَبُوْلَیْلٰی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ظَهَرَتِ الْحَیَّةُ فِی الْمَسْکَنِ فَقُوْلُوْا لَهَآ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِعَهْدِ نُوْحٍ وَبِعَهْدِ سُلَیْمَانَ ابْنِ دَاوٗدَ اَنْ لَّا تُؤْذِیْنَا فَاِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا۔ (رواہ الترمذی وابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ٥ / ٤١٥ کتاب الادب' باب فی قتل الحیات' الحدیث رقم ٥٢٦٠ والترمذی فی ٤ / ٦٦' الحدیث رقم ١٤٨٥

ترجمہ:"اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابولیلیٰ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب گھر میں (کہیں سے) سانپ ظاہر ہو تو اس کو کہو کہ "ہم تجھ سے حضرت نوح (علیہ السلام) کے عہد اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) ابن داؤد (علیہ السلام) کے عہد کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں تکلیف نہ پہنچا۔اگر (اس کے بعد) وہ پھر ظاہر ہو تو اس کو قتل کر ڈالو"۔(ترمذی' ابوداؤد)

تشریح :قوله ·اذا ظهرت الحية......:

المسکن (کاف) کے فتحہ کے ساتھ ہے۔لیکن کسرہ دینا بھی جائز ہے۔ایک نسخہ میں **فی المسکن** کی جگہ **بالمسکن** کے الفاظ منقول ہیں۔

"**ان لا تؤذینا**" یہاں (ی) ضمیر ہے کلمہ کے حروف اصلیہ کی نہیں ہے۔اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرتی ہے۔اس میں دو ترکیبی احتمال ہیں: ① "ان" مصدریہ ہے اور لا نافیہ ہے۔تقدیری عبارت یوں ہوگی۔"**نطلب منك عدم الایذاء**"
② اگر "ان" کو تفسیریہ مانیں تو "لا" ناہیہ ہوگا۔اس لئے کہ سوال میں قول کا معنی ہے۔

ممکن ہے حضرت نوح علیہ السلام نے سانپ سے عہد اس وقت لیا ہو۔جب انہوں نے اپنی کشتی میں حیوانات کو داخل کیا تھا۔

حیاۃ الحیوان میں ہے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ سانپ ایک ہزار سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ہر سال اس کی کھال اتر جاتی ہے۔بچھو کے کاٹنے سے یہ مر جاتا ہے۔اس کی آنکھیں گھومتی نہیں۔یوں لگتا ہے جیسے کیل کے ذریعہ اس کے سر میں گاڑ دی گئی ہوں۔

عجیب بات ہے کہ ننگے آدمی کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔سانپ کی آنکھ نکل جائے تو دوبارہ پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح دانت

گر جائے تو تین دن بعد دوبارہ اگ جاتے ہیں۔ دم کٹ جائے تو پھر نکل آتی ہے۔ اس کو آگ بہت پسند ہے۔ یہ ہمیشہ آگ کو تلاش کرتا ہے اور آگ کو دیکھ کر بہت خوش ہو جاتا ہے۔ دودھ کو بہت پسند کرتا ہے۔ دیکھا گیا ہے یہ جانوروں کے پاؤں سے لپٹ کر دودھ پی لیتا ہے۔ جب یہ اندھا ہو جاتا ہے تو ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی ''رازیانج'' کو تلاش کرتا ہے جس سے اس کی نظر ٹھیک ہو جاتی ہے۔ کس قدر پاکیزہ چیز ہے وہ ذات جس نے ''**فسبحان من قدر فهدى قدر عليها العمى وهداها الى منافعها**''۔ ''خوب اندازہ سے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کو راہ دکھلائی اور اس کو اس کے فائدے کی چیزیں سمجھائی ہیں۔''

فقہی مسئلہ:

سانپ کو کھانا حرام ہے اور حرمت کی علت اس کا ضرر ہے۔ اس کے گوشت سے بنا ہوا تریاق اور کھانا بھی جائز نہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں ابن سرین اس کو کھانا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے، الا یہ کہ ایسی اضطراری حالت ہو کہ جس میں مردار بھی جائز ہوتا ہے۔ اضطراری حالت کے بغیر اس کا کھانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

انتقام کے خوف سے سانپ کو نہ مارنے پر وعید

۴۱۳۸: وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا رَفَعَ الْحَدِيْثَ اِنَّهٗ كَانَ يَاْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواه فى شرح السنة)

تخریج: اخرجه احمد فى المسند ۱ / ۳۴۸

ترجمہ: ''اور حضرت عکرمہ ؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بطریق مرفوع یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے (سانپوں کے انتقام کے خوف سے انہیں چھوڑ دیا' ان کو قتل نہ کیا) تو وہ ایک موذی کو نہ مارنے اور قضا و قدر الٰہی پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب) ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی ہمارے راستے پر گامزن نہیں ہے''۔ (شرح السنۃ)

تشریح: **قوله :لا اعلمه الا رفع......:**

ثائر: **ثأر** سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں خون، انتقام چنانچہ ثائر کا مطلب ہوا وہ جو خون کا بدلہ لئے بغیر نہ رہے، یعنی خون کے بدلہ کا طالب، خون کا پیاسا۔

تشریح: ''**لا اعلم الا رفع الحديث**'' ایک شارح کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ راوی ایوب کے ہیں۔ ''**انه كان يأمر بقتل الحيات**'' اس کے اندر دو احتمال ہیں۔

① ابن عباس ؓ کا قول ہے اس صورت میں یہ حدیث موقوف ہوگی۔ ''**انه**'' اگر حدیث سے بدل ہو تو ضمیر آنحضرت

کی طرف لوٹے گی۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ بات حضرت ابن عباسؓ کے متعلق ہے۔''لا اعلم'' یہ جملہ معترضہ ہے۔ بیانیہ ہے کہ یہ قضیہ مرفوع ہے، موقوف نہیں یا حقیقتاً یا ظناً۔

''بدلے کے خوف'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس ڈر کی وجہ سے سانپ کو نہ مارے کہ کہیں اس کا جوڑا مجھ سے انتقام نہ لے' زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کے ہاں یہ خوف ایک عقیدے کی حد تک تھا وہ کہا کرتے تھے کہ سانپ کو ہرگز نہیں مارنا چاہئے' اگر اس کو مارا جائے گا تو اس کا جوڑا آ کر انتقام لے لے گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے قول واعتقاد سے منع فرمایا۔

بخاری' مسلم اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ کی ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر سورہ مرسلات نازل ہوئی ہم آنحضرت پر نازل ہونے والی ان تازہ آیات لے رہے تھے (یعنی سن رہے تھے، یا یاد کر رہے تھے، یا لکھ رہے تھے) کہ ایک سانپ آ نکلا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو مار ڈالو ہم بڑھے ہی تھے کہ سانپ بھاگ نکلا۔ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: **وقاها الله شركم كما وقاكم شرها۔** ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری ایذا سے اس کو بچایا' جیسا کہ اس کی ایذاء سے تم کو بچالیا''۔

۴۱۳۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئاً مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواه ابوداود)

تخریج : اخرجه أبوداود فی السنن ٥ / ٤٠٩' الحديث رقم الادب' باب فی قتل الحيات' ح ٥٢٤٨ والنسائی فی ٦ / ٥١ الحديث رقم ٣١٩٣

ترجمه: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سے ہم نے ان (سانپوں) سے لڑائی شروع کی ہے اس وقت سے ہم نے ان سے مصالحت نہیں کی ہے لہٰذا جس شخص نے ان سانپوں میں سے کسی سانپ کو (انتقام کے) خوف کی وجہ سے (مارنے سے) چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: ایک دوسری روایت میں **منذ حاربناهم** کی بجائے **منذ عاديناهم** کے الفاظ منقول ہیں۔ ''یعنی جب سے ہمارے اور سانپوں کے درمیان لڑائی اور دشمنی واقع ہوئی ہے'' بہرحال مراد یہ ہے کہ انسان اور سانپ کے درمیان دشمنی اور لڑائی ایک طبعی اور جبلی چیز ہے کہ ہر ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے' اگر انسان سانپ کو دیکھتا ہے تو اس کو ضرور مار ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر سانپ موقع پاتا ہے تو اس کو کاٹے اور ڈسے بغیر نہیں رہتا' بلکہ بعض علماء نے تو یہ کہا ہے کہ اس لڑائی اور دشمنی سے مراد دراصل وہ عداوت ہے جو اولاد آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور سانپ کے درمیان قائم ہوئی تھی۔ جیسا کہ ایک روایت میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں داخل ہونا چاہا' تو جنت کے داروغہ نے اس کو روک دیا چنانچہ یہ سانپ ہی تھا جو ابلیس کے کام آیا اس نے ابلیس کو اپنے منہ کے اندر لے کر جنت میں پہنچا دیا اور پھر ابلیس لعین نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے لئے اپنے مکر وفریب کا جال پھیلا کر ان کو وسوسہ میں ڈال دیا اور ان دونوں نے جنت کے اس درخت سے کھالیا' جس کے پاس جانے سے بھی ان کو منع کر دیا تھا اور آخر کار ان دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا اور حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام اور ابلیس وسانپ کو خطاب کر کے فرمایا **اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ**

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ [الاعراف: ۲٤]

سانپ پہلے بہت خوبصورت ہوا کرتا تھا، اس کی شکل مسخ کردی گئی ؛ چنانچہ اس سابقہ عقلاء ت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دشمنی برقرار ہے۔ ماسالمناهم میں سانپوں کیلئے ضمیر عقلا استعمال کی گئی، عقلاء کے قائم مقام کرتے ہوئے بایں طور کہ صلح عقلا کا فعل ہے اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے: والشمس والقمر رأيتهم لي ماجدين [یوسف: ٤] وگرنہ تعبیر کا تقاضا یہ تھا کہ ما سالمنا هن منذ جاربناهن کی تعبیر اختیار فرماتے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ماسالمناهم کی ضمیر ''حیّات'' کی طرف راجع ہے اور قرینہ ابو داؤد کی روایت ہے جو ابن عباسا سے مروی ہے: ''من ترك الحيات مخافة طلبهن فليس منا ما سالمناهن مندحاربناهن''۔

سانپ کو نہ مارنے کی مذمت

۴۱۴۰: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوْا الحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (رواه ابوداود والنسائی)

تخریج: اخرجه أبوداود في السنن ٥ / ٤٠٩، كتاب الادب، باب ١٧٤، ح ٥٢٤٩، والنسائي في ٦ / ٥١ الحديث رقم ٣١٩٣

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام سانپوں کو قتل کردو جو شخص ان کے انتقام سے خوفزدہ ہوا تو وہ مجھ سے نہیں ہے''۔ (ابوداؤد' نسائی)

عرضِ مرتب:

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہ واضح ہوتا ہے ہر قسم کے سانپوں کو مارنا چاہئے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس عمومی حکم سے عوامر یعنی گھروں میں رہنے والے سانپوں کا استثناء کیا جانا چاہئے یا پھر یہ کہا جائے کہ ''قتل'' سے مراد یہ ہے کہ آگاہ کرنے کے بعد مارو' جیسا کہ پہلے حضرت ابوسائب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ اِس حدیث مبارکہ میں اس بات پہ زور دیا گیا ہے کہ سانپ کو باوجودیکہ زہریلا ہونے کے اور حملہ آور ہونے کے محض اس خیال سے نہ مارنا کہ دوسرے دیگر سانپ انتقام لیں گے۔ یہ فقط ایک بے تکی بات ہے اور اسلام ایسی باتوں سے اجتناب کا سختی سے حکم دیتا ہے اور ایسی باتیں عوام الناس کو صرف عقیدے کی کمزوری کی بناء پر لاحق ہوتی ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے مرفوع منقول ہے: ''من قتل حية فكانما قتل رجلاً مشركًا ومن ترك مخافة عاقبتها فليس منا۔'' کہ جو شخص سانپ کو قتل کرے تو گویا اس نے ایک کافر (موذی) کو قتل کیا اور جو اس کو انتقام کے خوف کی وجہ سے اس کو نہ مارے وہ ہم میں سے نہیں۔''

سانپوں کو مارنے کا بیان

۴۱۴۱: وَعَنِ الْعَبَّاسِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرِيْدُ اَنْ نَكْنَسَ زَمْزَمَ وَاِنَّ فِيْهَا مِنْ هٰذِهِ الْجِنَانِ يَعْنِىْ الْحَيَّاتِ الصِّغَارِ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِنَّ۔ (رواه ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود في السنن ٥ / ٤١٠ كتاب الادب' باب في قتل الحيات' الحديث رقم ٥٢٥١.

ترجمہ: ''اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے (ایک دن) عرض کیا کہ ''یا رسول اللہؐ! ہم زمزم کے کنویں کی صفائی کرنا چاہتے ہیں لیکن اس میں سانپ یعنی چھوٹے سانپ ہیں' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (سانپوں) کو قتل کرڈالنے کا حکم دے دیا''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :انا نريد ان نكنس......:

''نکنس ''لفظ نون ثانی کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ایک نسخہ میں کسرہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔یہی زیادہ واضح ہے۔کتاب المغرب اور قاموس میں باب ضرب سے منقول ہے اور مصابیح میں نصر ینصر کے باب سے نقل کیا ہے۔

''الجنان ''جیم کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ جان کی جمع ہے۔جیسے حائط کی جمع حیطان آتی ہے۔

امور نحویہ: ''وان فيها من هذه الحنان'' میں (من) تبعیضیہ ہے۔منصوب ہے کیونکہ یہ اسم ان ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے۔''ان فيها بعض الحنان'' جیسے آیت: فاخرج به من الثمرات [البقرة: ٢٢] میں ''من ''تبعیضیہ ہے۔

الفائق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے چھوٹے سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا لیکن آگے جو حدیث آرہی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک قسم کے سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا۔ وجہ تطبیق یہ ہے کہ اس موقع پر چاہ زمزم کو صاف کرنا ان سب سانپوں کو مار ڈالے بغیر ممکن نہیں تھا' جب کہ دوسری صورتوں میں ان میں سے سفید سانپوں کا استثناء ممکن ہے۔

۴۱۴۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوْا الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلاَّ الْجَانَّ الْاَبْيَضَ الَّذِىْ كَاَنَّهٗ قَضِيْبُ فِضَّةٍ۔ (رواه ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود في السنن ٥ / ٤١٥ كتاب الادب' باب في قتل الحيات' الحديث رقم ٥٢٦١۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمام سانپوں کو قتل کردو سوائے سفید چھوٹے سانپ کے جو چاندی کی چھڑی کی طرح ہوتا ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''ابن ملکؒ فرماتے ہیں: اس سانپ کو مارنے سے شاید اس لئے منع فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ ضرر نہیں پہنچاتا کیونکہ اس میں زہر نہیں ہوتا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: زہر کے ہونے نہ ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔اس کے مضر نہ ہونے کی وجہ سے اسے نہ مارنے کا حکم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سانپ جنات کی مسخ شدہ شکل ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل مسخ ہو کر بندر بن گئے تھے۔ (رواہ الطبرانی، وابن حبان عنہ مرفوعا فی ۱۲/ ۴۵۷، الحدیث رقم ۵۶۴۰) حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں: گھروں میں رہنے والے سانپوں کو تین دن تک دھمکانا چاہیے۔ اس پر بھی نہ جائیں تو تب مارا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ان بالمدينة جناً قد اسلموا فاذا رايتم منها شيًا فاذنوه ثلاثه ايام'' مدینہ منورہ میں کچھ جنات رہتے ہیں جو کہ اسلام لا چکے ہیں۔ (اگر تم سانپ کی شکل میں) ان کو دیکھو تو تین دن تک انہیں ڈراؤ اور جانے کا کہو۔

بعض علماء نے اس حدیث کو مدینہ منورہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ یہ حکم خاص طور پر مدینہ کے بارے میں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے۔

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ انذار تین دن تک ہے یا تین مرتبہ کرنا ہے؟ جمہور تین دن کے قائل ہیں اور انذار کی کیفیت یہ ہے کہ یوں کہا جائے: ''انشدكن بالعهد الذى اخذه عليكن نوح وسليمان عليهما السلام ان لا تبدو ولا تؤذونا''۔ احناف کہتے ہیں سفید سانپ کو نہیں مارنا چاہیے کیونکہ یہ جنات میں سے ہے۔ احناف میں سے امام طحاویؒ فرماتے ہیں سب کو مارنا جائز ہے۔ البتہ انذار اور تنبیہ اَولیٰ ہے۔

ابو طاہر مقدسی نے (اپنی کتاب ''السماع'') میں حضرت انسؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے، اور صاحب ''عوارف'' نے بھی ذکر کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی نے یہ دو اشعار پڑھے۔

قد لسعت حية الهوى كبدى ☆ فلا طبيب لها و لا راقى

الا الحبيب الذى شغفت به ☆ فانه علتى و ترياقى

راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر وجد طاری ہو گیا۔ حتیٰ کہ آنحضرت کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ جب ہوش میں آئے تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: ''ليس بكريم من لم يهتز عند السماع'' پھر آپؐ نے اپنی چادر مبارک کے چار سو ٹکڑے کئے اور حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کو عمار بن اسحاق نے وضع کیا ہے۔ (هكذا قاله الذهبى وغيره)

عرضِ مرتب:

مرتب عرض کرتا ہے کہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس موقع پر معاویہ بن ابی سفیان نے فرمایا: ما أحسن لعبكم يا رسول الله! حضورؐ نے فرمایا: مه يا معاوية ليس بكريم من لم يهتز عنه سماع ذكر الحبيب، اور پھر اپنی چادر کو تقسیم فرمایا الخ (الموضوع فی معرفة الحديث الموضوع) ملا علی قاریؒ نے اس روایت کو الموضوعات الکبری میں ذکر کیا ہے اور اس پر کلام کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بے اصل ہے اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ ابو محذورہ نے یہ اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پڑھے تھے جس کو سن کر حضورؐ وجد میں آ گئے، حتیٰ کہ چادر شریفہ آپؐ کے کاندھوں سے نیچے گر گئی، پھر اس چادر کو اصحاب صفہ کے درمیان تقسیم کر دیا گیا، اور انہوں نے اس چادر کو دھجیوں سے اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیا۔ اہل علم ... کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ اس سلسلہ میں مروی روایت موضوع ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو دیلمی

نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کو ذکر کرنے میں ابوبکر عمار بن اسحاق متفرد ہے۔ (ص ۱۸۳، ۱۸۴، حدیث: ۷۰۷، ۷۰۸) یہ حدیث موضوع علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیاۃ الحیوان میں ذکر کی ہے۔لیکن قاہرہ سے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت موجود نہیں ہے صاحب عوارف مراد "عوارف المعارف" کے مصنف سہروردی ہیں۔انہوں نے یہ روایت اپنی کتاب کے پچیسویں باب " في القول في السماع تأد با وتمناء" میں اپنی سند کے ساتھ طاہر مقدسی کے طریق سے حضرت انس سے نقل کی ہے اور اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے۔اسی حدیث موضوع میں ان اشعار کا سبب انشاد بھی مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ فرمایا: يا رسول الله ان فقراء أمتك يدخلون الجنة قبل الغنياء ہمیں شعر سنائے؟ یہ سن کر ایک بدوی بولا: ہاں یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سناؤ اور اس دیہاتی نے یہ اشعار پڑھنا شروع کئے: قد لسعت حية الهدى......۔

(الموضوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ،ص:۲۶۱، ۲۶۲۔الحدیث:۴۶۷)

کھانے پینے کی چیزوں میں مری مکھی کو غوطہ دینا

۴۱۴۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَآءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ دَآءً وَفِی الْاٰخَرِ شِفَآءً فَاِنَّهٗ یَتَّقِیْ بِجَنَاحِهِ الَّذِیْ فِیْهِ الدَّآءُ فَلْیَغْمِسْهُ كُلَّهٗ۔(رواہ ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٤ / ١٨٢، كتاب الاطعمة، باب فی الذباب یقع فی الطعام، الحدیث رقم ٣٨٤٤ وأحمد فی المسند ٢ / ٣٤٠

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں (کہ جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو) مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے دو کیونکہ اس کے ایک پروں سے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے پر میں شفاء ہے اور مکھی (کسی چیز میں) پہلے اپنے اسی پر کو ڈالتی ہے جس میں بیماری ہے لہٰذا پوری مکھی کو غوطہ دینا چاہیے (تاکہ شفا والے پر سے وہ جراثیم رفع ہو جائیں جو بیماری والے بازو کی وجہ سے کھانے پینے کی چیز میں شامل ہو گئے ہیں"۔ (ابوداؤد)

تشریح: کہا جاتا ہے مکھی سب سے جاہل مخلوق ہے کہ وہ اپنی جان کو خود ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔مزید تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۴۱۴۴: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِی الطَّعَامِ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ سَمًّا وَفِی الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهٗ یُقَدِّمُ السَّمَّ وَیُؤَخِّرُ الشِّفَاءَ۔

(رواه فی شرح السنة)

تخریج: اخرجه أبوداود ابن ماجه السنن ٢ / ١١٥٩، الحدیث رقم ٣٠٥٤ وأحمد فی المسند ٣ / ٦٧

والبغوی، شرح السنة، ۱۱/ ۲۶۱ کتاب الصید، باب الذباب یقع فی الشراب، الحدیث رقم ۲۸۱۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب کھانے میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے لو کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر ہے اور دوسرے پر میں شفا ہے اور مکھی اپنے زہر والے پر کو (کھانے' پینے کی چیز میں) پہلے ڈالتی ہے اور پھر شفاء والے بازو کو''۔ (شرح السنة)

تشریح: سم: سین پر تینوں حرکتیں پڑھنا درست ہے۔ اس کے دو معنی آتے ہیں: ۱ زہر، زہریلا مادہ ۲ باریک سوراخ جیسے سوئی کا ناکا، کان اور ناک کا سوراخ۔

مکھی بیماری والا بازو پہلے کیوں گراتی ہے؟

اس بارے میں کئی احتمال بیان کئے جاتے ہیں۔

1. اس لئے کہ دونوں گرانے سے مر جائے گی۔ لہٰذا اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اس طرح کرتی ہے۔
2. اللہ نے اس میں یہ سمجھ رکھی ہے کہ وہ دوسروں کو ضرر پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ اس کا استعمال کرتی ہے۔
3. کہتے ہیں: بیماری والا بازو پہلے اس لئے گراتی ہے کہ اس سے اس کو تسکین ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اس زہر کا اثر فوری طور پر بھی ظاہر ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ طویل عرصہ کے بعد ظاہر ہو۔

ابن ماجہ اور نسائی کی ایک روایت میں ہے: **''ان احد جناحی الذباب لسم والآخر شفاء فاذا وقع فی الطعام فامقلوہ فانہ یقدم اسم و یؤخر الشفاء''۔**

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: بعض جہلاء نے اس حدیث پر لایعنی قسم کے اعتراضات کئے ہیں۔ کہ اس کے بازوؤں میں بیماری اور شفاء کا ہونا کیسے ممکن ہے؟ وہ اس بازو کو گراتی ہے جس میں بیماری ہے یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔ یہ کوئی عقلمند جاندار تو ہے نہیں کہ جس سے اس طرح کی شعوری باتوں کا صدور ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام سوالات جاہل و متجاہلین کے سوالات ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار حیوانات کی طبیعت میں کئی متضاد اشیاء ایک ساتھ رکھی ہیں۔ مثلاً حرارت و برودت، تری و خشکی یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں تمام حیوانات میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں تو فساد برپا ہو جائے گا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں۔ بہت سے حیوانات میں خداوند کریم نے وہ خوبیاں اور کمال صنعت گری رکھی ہے' جو انسان کی بس کی بات نہیں اور اس کے عقل سے ماوراء ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھیاں جس کمال سے شہد کیلئے چھتہ بناتی ہیں' کوئی نہیں بنا سکتا۔ پھر اس میں جس مہارت سے شہد بناتی ہیں۔ کوئی نہیں بنا سکتا۔ چیونٹی کو دیکھیں اس کو اللہ تعالیٰ نے کیا خوب شعور دیا ہے کیسے اپنا رزق جمع کرتی ہے پھر کیسے ذخیرہ کرتی ہے۔

اسی ذات نے مکھی کو پیدا کر کے اس میں یہ شعور رکھا ہے۔ کہ وہ اپنے اس بازو کو پہلے غوطہ دے جس میں بیماری ہے اور اس کو مؤخر کرے جس میں شفا ہے۔ تا کہ اس بندے کا امتحان ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ آزمانا چاہتا ہے۔ ہر چیز میں اللہ کی حکمت ہے **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون ~~وما یذکر~~ الا اولو الالباب**۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں میں نے مکھی کو غور سے دیکھا ہے کہ وہ عام طور پر بایاں بازو پہلے گراتی ہے اور یہی بازو بیماری والا ہوتا ہے۔ کیونکہ بائیں میں خیر نہیں ہوتی شر ہوتا ہے۔ جبکہ داہنا ہاتھ خیر والا ہے، اسی طرح مکھی کا داہنا بھی شفاء والا بازو ہوتا ہے۔ مکھی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ گھیا کدو کی بیل پر نہیں آتی۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے ساحل سمندر پر ڈالا تو آپ کے قریب گھیا کدو کی بیل پیدا فرما دی تاکہ مکھیاں آپ کے جسم مبارک پر نہ بیٹھیں اور آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ مکھیاں زیادہ تر گندے مقامات میں پیدا ہوتی ہیں۔ اھ اس کے عجائبات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ایام منیٰ میں بمقام منیٰ مکھی بالکل نہیں پائی جاتی، حالانکہ ان دنوں وہاں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہتا ہے، اور گندگی کے بھی ڈھیر لگے ہوتے ہیں۔

مسند ابویعلی موصلی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مکھی کی زندگی چالیس دن ہے، اور تمام مکھیاں جہنم میں جائیں گی' سوائے شہد کی مکھی کے''۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کو جہنم میں ڈالنا سزا کے طور پر نہیں گا بلکہ اہل جہنم پر مکھیوں کو مسلط کر کے عذاب دیا جائے گا۔

کتاب مناقب شافعی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام شافعی مامون کے دربار میں تشریف فرما تھے۔ مامون نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے مکھی کو کس حکمت کے تحت پیدا فرمایا؟ امام شافعیؒ نے فرمایا بادشاہوں کو رسوا کرنے کیلئے۔ اس پر مامون ہنس پڑے۔

مامون کہنے لگا آپ نے میرے رخسار پر مکھی کو آتے دیکھ کر یہ جواب دیا ہے۔ امام شافعیؒ فرمانے لگے آپ نے جب مجھ سے پوچھا تو اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہ تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ مکھی آپ کے ایسے مقام پر بار بار آ کے بیٹھ رہی ہے۔ جس کو اور کوئی چھوتا تو مجھ پر جواب کھل گیا۔ مامون کہنے لگا آپ نے خوب کہا!۔

ملا علی قاریؒ کہتے ہیں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک بادشاہ کسی فقیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ پوچھنے لگا میرے لائق کوئی خدمت ہو؟ کوئی حاجت؟ فقیر کہنے لگا ہاں ہے، وہ یہ کہ مجھے مکھیاں تنگ کرتی ہیں آپ انہیں روکیں۔

مکھی کی کیا حکمت ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت کی حکمت کی طرف خود ارشاد فرمایا ہے کہ ماسوا اللہ کو رسواء اور ذلیل کرنے کیلئے اس کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ [الحج ـ ۲۲: ۷۳] ''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو کہ جن لوگوں کو خدا کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لئے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے کوئی مکھی چھین کر لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں''۔

کتاب شفاء الصدور اور تاریخ ابی النجار میں مسند نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک اور کپڑوں پر کبھی بھی مکھی نہیں بیٹھی۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں لکھتے ہیں: مکھی کی تمام انواع کو کھانا حرام ہے۔ احیاء میں ہے کہ تربوز کے بھرے تھال میں

تھا میں اگر کوئی مکھی یا چیونٹی گر جائے، اور اس کے اجزاء بکھر جائیں تو اس تربوز کو کھانا حرام نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ مکھی اور چیونٹی وغیرہ کو کھانے کی حرمت استقذار (گھن اور نفرت) کی وجہ سے ہے اور فعل مذکورہ اور بالا استقذار شمار نہیں ہوتا۔

وہ جانور جس کو مارنا ممنوع ہے

۴۱۴۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ اَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ النَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ وَالْهُدْهُدِ وَالصُّرَدِ (رواه ابو داود والدارمی)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٥ / ٤١٨ کتاب الادب' باب فی قتل الذر' الحدیث رقم ٥٢٦٧ وابن ماجه فی ٢ / ١٠٧٤' الحدیث رقم ٣٢٢٤' والدارمی فی ٢ / ١٢١' الحدیث رقم ١٩٩٩' وأحمد فی المسند ١ / ٣٢٢

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان) چار جانوروں کو مارنے کی ممانعت فرمائی ہے' چیونٹی' شہد کی مکھی' ہد ہد اور کلچڑی''۔ (ابوداؤ' دارمی)

تشریح: قوله: نهی رسول الله ﷺ من قتل ......:

''النملة'' اربع سے بدل ہے۔ ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے۔ خبر ہونے کی وجہ سے اس پر نصب بھی جائز ہے اعنی کا مفعول بنا سکتے ہیں۔ ''صرد'' (صاد) کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ یہ ایک پرندہ ہے۔ جس کا سر بڑا ہوتا اور موٹی چونچ ہوتی ہے۔ اس کو کلچڑی کہتے ہیں۔

چیونٹی کو مارنے کی وجہ ممانعت کیوں ہے؟

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیونٹی کے نہ مارنے کا حکم ہے۔ اس سے بڑی چیونٹی مراد ہے جس کے پیر لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے کاٹنے سے انسان کو ضرر نہیں پہنچتا۔

چیونٹی کے بارے میں ایک شاعر نے بہت عمدہ اشعار کہے ہیں

اقنع فما تبقی بلا بلغه ☆ فلیس ینسٰی ربنا نمله
ان اقبل الدهر فقم قائمًا ☆ وان تولّٰی مدبرا نم له

حضرت سفیان عیینہ فرمایا کرتے: صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو اپنی خوراک محفوظ کر کے رکھتی ہیں: انسان' چیونٹی اور چوہا۔

امام بیہقی شعب الایمان میں فرماتے ہیں عدی بن حاتم طائی چیونٹیوں کے لئے باقاعدہ گھر میں روٹی رکھا کرتے اور فرماتے تھے چیونٹیاں ہماری پڑوسنیں ہیں۔ ان کا ہمارے اوپر پڑوس کا حق ہے۔

(البهیقی فی الشعب ٤٨٤/٧، الحدیث رقم ١١٠٧٩)

خلال کہتے ہیں ہمیں عبداللہ بن احمد بن حنبل کے واسطے سے حضرت احنف بن قیس کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی لونڈی کو چیونٹی مارتے دیکھا تو فرمایا خبردار ان کو مت ماریں۔ حبیبہ کہتی ہیں مجھے منع کرنے کے بعد حضرت احنف بن قیس کرسی پر بیٹھ گئے اور چیونٹیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے: ''انی اُحرج علیکن الا خرجتن من داری فانی

اكره ان تقتلن في داري'' چنانچہ سارے چیونٹیاں چلی گئیں اس کے بعد ایک چیونٹی بھی گھر میں نظر نہیں آئی۔ میرا غالب گمان ہے کہ اس کرسی پر بیٹھے تھے جس پر بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے بھی اپنے والد محترم کو دیکھا کہ انہوں نے بھی ایک مرتبہ اسی طرح کیا جس طرح حضرت احنف بن قیس نے کیا تھا۔ میں نے دیکھا ساری چیونٹیاں چلی گئیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں پچھلی کی امتوں میں ایک قوم ایسی بھی گزری ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں کے ذریعہ ہلاک کیا ہے۔ (وہ قوم بنی جرہم ہے)۔

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں غزوہ حنین کے موقع پر سخت لڑائی جاری تھی تو کفار کے شکست کھانے سے قبل میں نے ایک کالا دھواں آسمان سے اترتے دیکھا حتی کہ وہ دھواں ہمارے اور دشمن کے درمیان آکے گرا جب غور سے دیکھا تو وہ کالی چیونٹیوں کا لشکر تھا۔ جس سے ساری وادی بھر گئی ہے۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں۔ اور کفار کو شکست دینے آئے ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام ۴/۴۴۹)

دار قطنی اور امام حاکم نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا چیونٹی کو نہ مارو۔ حضرت سلیمان ایک مرتبہ نماز استسقا کیلئے نکلے دیکھا کہ ایک چیونٹی پیٹھ کے بل زمین پر پڑی ہے۔ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے یہ دعا کر رہی تھی۔ ''اللهم انا خلق من خلقك ولا غنى لنا عن فضلك اللهم لا تؤاخذنا بذنوب عبادك الخاطئين واسقنا مطرًا تنبت لنا به شجرًا أطعمنا ثمرًا''۔ ترجمہ: اے اللہ ہم آپ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں ہم میں سے کوئی بھی آپ کے فضل سے مستغنی نہیں ہے۔ اے اللہ! آپ اپنے خطار کار بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ہمارا مؤاخذہ نہ فرمائیے، ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو ہمارے لئے درخت اگائے، اور ہمیں پھل عطا فرما۔

عرضِ مرتب:

صاحب تخریج کا کہنا ہے کہ دار قطنی میں مجھے یہ روایت ملی اور نہ حاکم کی کتاب میں اھ ابوالشیخ نے اسی روایت کو معمولی تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (کتاب العظمۃ۔ ح/۱۲۶۰) چیونٹی کو مارنے کے سلسلہ میں یہ مشہور حدیث: نزل نبي من الانبياء تحت شجرة ...... کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ اس لئے وہ روایت یہاں ذکر نہیں کی جارہی۔ ملاحظہ فرمائیے: ح:۴۱۲۲، فتح بن سجز زاہدی سے مروی ہے کہ وہ چیونٹیوں کے لئے ہر روز روٹی چورا کرتے تھے اور جب یوم عاشورا ہوتا تو وہ روٹی نہ کھاتے تھے۔

حیاۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ وہ چیز کھانا مکروہ ہے جو چیز چیونٹی اپنے منہ اور ٹانگوں کے ساتھ اٹھا کر لائی ہو اور دلیل وہ روایت ہے۔ جو حافظ ابو نعیم نے طب نبوی میں صالح بن حوات بن جبیر عن أبیہ عن جدہ نقل کی ہے:

أن رسول الله ﷺ نهى عن أن يؤكل ما حملته النمل بفيها و قوائمها ۔ چیونٹی کھانا حرام ہے، چونکہ روایات میں اس کو مارنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حضرت سلیمان نے جب یہ سنا تو اپنے لوگوں سے فرمانے لگے واپس چلو۔ چیونٹی کی دعا ہی ہمارے لئے کافی ہے تمہاری دعا کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ان احادیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ کیا جائے کہ چیونٹی کو مارنا حرام ہے۔ کیونکہ جو چیز نقصان پہنچائے موذی ہو اس سے جان بچانا ضروری ہے۔ ایک مؤمن کی حرمت سے بڑھ کر کوئی چیز محترم نہیں۔ اسی لئے جو بھی مؤمن کو نقصان پہنچائے اس سے بدلہ لینے کو مباح کیا گیا ہے۔ تو حشرات کیا چیز ہیں اللہ نے ان کو ہمارے لئے مسخر کیا ان کو ہم پر مسلط نہیں فرمایا اگر وہ کوئی گزند پہنچاتے ہیں۔ تو ان کا مارنا بغیر کسی تردد کے جائز ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر شدید نقصان پہنچانے کا خطرہ ہو اور مارے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو چیونٹی کو مارنا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

شہد کی مکھی

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: شہد کی مکھی کو مارنا اسلئے ممنوع ہے کہ اس سے انسان کو بہت زیادہ فوائد پہنچتے ہیں۔ شہد اور موم اسی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

مستدرک میں حضرت علیؓ کا قول منقول ہے' آپ فرمایا کرتے: ''**کونوا فی الناس کالنحلة فی الطیر، لیس فی الطیر شئ الا وهو یستضعفها ولو یعلم الطیر ما فی اجوافها من البرکة ما فعلوا ذلك بها خالطوا لناس بالسنتکم واجسادکم وزا یلوها بأعمالکم وقلوبکم، وان للمرٔ ما اکتسب وهو یوم القیامة مع من احب**''۔

جمہور علماء کہتے ہیں شہد مکھی کے منہ سے نکلتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دنیا کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں انسان کا سب سے عمدہ لباس (ریشم) ایک کیڑے کے منہ سے حاصل ہوتا ہے اور پینے کی سب سے عمدہ چیز شہد ایک کیڑے کا گوبر ہے۔ حضرت علیؓ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہد منہ سے نہیں نکلتا۔ (ابن عطیہ)

حضرت علیؓ سے مشہور ہے: دنیا کی اشیاء میں سے سب سے عمدہ اشیاء چھ ہیں:

① مطعوم (کھانے کی اشیاء)۔ ② مشروب (پینے کی اشیاء)۔ ③ مرکوب) سواری۔ ④ ملبوس، (پہننے کی اشیاء) ⑤ منکوح ⑥ مشموم، سونگھی جانے والی چیز۔ معطومات میں سب سے عمدہ چیز شہد ہے۔ جو شہد کی مکھی مشروبات میں سب سے عمدہ مشروب پانی ہے جو ہر نیک و بد کو ملتا ہے۔ مرکوبات میں سب سے عمدہ گھوڑا ہے۔ جس پر بیٹھ کر مجاہد اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے۔ مشمومات میں سب سے عمدہ مشک ہے۔ جو ہرن کے خون سے بنتا ہے۔ منکوحات میں عمدہ ترین چیز عورت ہے کہ ایک دوسرے سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

عمدہ مشروبات میں دودھ کو بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ گوبر اور خون کے درمیان سے حاصل ہوتا ہے۔ اور مرکوبات میں سب سے عمدہ گھوڑا ہے، کہ دوست اور دشمن میں فرق نہیں کرتا، چنانچہ کہا جاتا ہے: **لا وفأ فی السیف والفرس والمرأة**۔ تلوار، گھوڑے اور عورت میں وفا نام کی کوئی چیز نہیں۔

حیوۃ الحیوان میں ہے: حضرت مجاہد فرماتے ہیں شہد کی مکھی کو مارنا مکروہ ہے، اس کو کھانا حرام ہے۔ اگرچہ شہد حلال ہے، اس لئے کہ (مثلاً) عورت کا دودھ حلال ہے اور اس کا گوشت حرام۔

بعض سلف نے شہد کی مکھی کو حلال کہا ہے۔انہوں نے اس کوٹڈی پر قیاس کیا ہے اس کی حرمت کی دلیل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔شہد کی مکھی کی بیع ان کے گھروندے میں صحیح ہے بشرطیکہ تمام مکھیاں دکھائی دے رہی ہوں، وگرنہ یہ ''بیع غائب'' ہوگی۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں شہد کی مکھی بھڑ اور دیگر حشرات الارض کی بیع صحیح نہیں۔

کلچڑی:

علامہ خطابی فرماتے ہیں ہدہد کا گوشت حرام ہے کیونکہ ان کو مارنے سے منع کیا گیا ہے۔اگر کسی حیوان کو مارنے سے منع کیا جائے اور یہ ممانعت اس کے احترام یا ضرر کی وجہ سے نہ تو یہ اس بات کی علامت اور دلیل ہوتی ہے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔ہم دیکھتے ہیں۔ہدہد اور صُرد نہ محترم ہیں۔انسان کی طرح اور نہ موذی ہیں لہٰذا ان کی ممانعت باعتبار لحم ہے۔بعض کا کہنا کہ ہدہد حلال ہے، چونکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی محرم ہدہد کو قتل کرے تو اس پر جزاء لازم ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں۔اہل عرب صرد کی آواز کو منحوس اور بد فالی سمجھتے ہیں۔اس لئے بھی آنحضرت ﷺ نے ان کو مارنے سے منع فرمایا کہ لوگوں کے دلوں سے ان کی نحوست کا اعتماد کھل جائے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے اس دعاء کی طرف بھی اشارہ ہے جو احادیث میں آئی ہے۔

''**اللّٰهم لا طير الا طيرك ولا خير الا خيرك ولا اله غيرك۔ اللهم لا يأتي بالحسنات الا انت ولا يصرف السيئات الا انت**'' ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے ''**نهى عن قتل الصرد والضفدع والنملة والهدهد**''۔

امام احمد، نسائی، حاکم اور ابوداؤد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے نقل کیا ہے۔

صرد کا گوشت کھانا حرام ہے اور دلیل حضرت ابو ہریرہ والی یہ حدیث ہے۔بعض حضرات کہتے ہیں اس کا گوشت حلال ہے کیونکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں محرم اگر ان کا شکار کرے تو اس پر جزاء لازم ہوگی۔امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس پرندے کو ''صرد الصوام'' بھی کہا جاتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ہمیں معجم عبدالباقی بن قانع میں ابوغلیظ امیہ بن خلف جمحی کی ایک روایت پہنچی، وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے میرے ہاتھ پر صرد پرندے کو دیکھا ارشاد فرمایا: ''**هذا اول طائر صام يوم عاشوراء**'' امام قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ روایت ابوغلیظ کے نام (غلیظ) ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں یہ ان من گھڑت روایات میں سے ہے جن کو حضرت حسین کے قاتلوں نے گھڑا ہے، یہ بالکل باطل ہے۔اس کے تمام راوی مجہول ہیں۔

ہدہد:

امام خطابیؒ کہتے ہیں ہدہد کے گوشت میں بد بو ہوتی ہے اس لئے وہ جلالہ کے حکم میں ہوگا۔حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیریؒ

نے لکھا ہے صحیح بات یہ ہے کہ اس کے گوشت کی حرمت نہی کی وجہ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے گوشت میں بدبو ہوتی ہے اور کیڑوں کو اپنی خوراک بناتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ حلال ہے کیونکہ امام شافعی سے منقول ہے کہ وہ محرم پر جوب فدیہ کے قائل ہیں ان کے ہاں فدیہ صرف ماکولات پر ہے۔

کتاب الکامل اور شعب الایمان للبیہقی میں لکھا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت نافع نے ابن عباس سے پوچھا حضرت یہ بتائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو اتنی بڑی سلطنت اللہ نے عطاء کی تھی اسکے باوجود ہدہد کے محتاج کیوں ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ تو ایک چھوٹا سا حقیر پرندہ ہے۔ ابن عباسؓ فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو یہ کمال عطاء کیا ہے کہ وہ زیرزمین پانی کو دیکھ لیتا ہے۔ اس کے حق میں زمین اس طرح ہے جیسے شیشہ۔ حضرت سلیمان کو جب بھی سفر میں پانی کی ضرورت پڑتی ہدہد سے تحقیق کر لیتے۔ ابن ازرق بھی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ فوراً بولے قف یا وقاف! اے کتاب اللہ کے بہت زیادہ واقفیت رکھنے والے ٹھہر ہدہد کو زمین میں انگلی برابر گہرائی میں چھپا ہوا جال تو نظر نہیں آتا زمین کی تہہ میں پانی کیا نظر آتا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے جب قضا آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اھ ملا علی قاری فرماتے ہیں بظاہر یہ جواب بلا جواب ہے، جو ایک حکم قطعی پر مشتمل ہے، چونکہ زہر زمین میں موجود پانی کو دیکھ لینا ہدہد کی خصوصیات میں سے ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زمین میں مدفون ہر چیز کو دیکھ لیتا ہے۔ لیکن اس میں اشارہ ہے کہ مقدر میں اگر پیاسے مرنا لکھا ہو تو آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے، پانی دکھائی نہیں دیتا۔ قضا آئی ہوئی ہو تو قضا تنگ پڑ جاتی ہے۔ تقدیر کا فیصلہ آ جائے تو تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

علامہ قزوینی نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا دل کرتا ہے کہ آپ کی دعوت کروں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا صرف میری؟ ہدہد بولا آپ اور آپ کی ساری فوج کو فلاں جزیرہ میں فلاں دن میری طرف سے دعوت ہے۔ حضرت سلیمان مقررہ دن سارے لاؤلشکر کے ساتھ وہاں پہنچے۔ ہدہد نے اڑ کر ایک ٹڈی کو پکڑا اس کو مارا اور دریا میں پھینکا اور کہا "**کلو یا نبی اللّٰہ من فاتہ اللحم نالہ المرق**" اللہ کے نبی کھایئے اگر گوشت نہ بھی ملے تو شوربا تو ہر ایک کو مل ہی جائے گا۔ حضرت سلیمان اور لشکر اس دعوت کو یاد کر کے ایک سال تک ہنستے رہے۔

مینڈک:

اللغات: صفدع بروزن خنصر ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں۔ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ابن صلاح فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ از روئے لغت کسرہ ہے اور خواص میں سے اکثر کی زبانوں پر فتحہ کے ساتھ مشہور ہے۔

دونوں طرح سے لغت موجود ہے۔ لیکن عام عوام الناس کی زبان میں فتحہ والی لغت زیادہ مشہور ہے۔

کتاب کامل بن عدی میں حضرت جابرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے: "**ان النبی ﷺ قال: من قتل ضفدعًا فعلیہ شاۃ محرمًا کان او حلالاً**"۔

جو بھی مینڈک کو مارے اس پر ایک بکری لازم ہوگی۔ خواہ محرم ہو یا غیر محرم۔

یہ روایت انہوں نے عبدالرحمٰن بن سعد بن عثمان بن سعد قرظی مؤذن نبیؐ کے حالات میں ذکر کی ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ اس لئے منع فرمایا ہے جانوروں میں سے سب سے زیادہ اللہ کا ذکر مینڈک کرتا ہے۔ اسی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ مینڈک نے اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعہ انہیں بچایا اوران کی نعیق (ٹرانے کی آواز) کو اپنی حمد وثنا قرار دیا تھا۔

اس روایت کو حماد بن عبید کے حالات میں عن جابر جعفی، عن عکرمۃ، عن ابن عباس نقل کیا ہے اور فرمایا:

"**نهى رسول الله عن قتل الضفدع والصرد والنملة**" صاحب کامل کہتے ہیں حماد بن عبید سے اس ایک حدیث کے علاوہ مجھے ان کی کسی اور حدیث کا علم نہیں ہے۔ اھ امام بخاریؒ فرماتے ہیں ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابوحاتم فرماتے ہیں: **ليس بصحيح** ۔

ابوعبداللہ قرطبی کی کتاب الزھد میں منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم آج رات میں اللہ کی ایسی تسبیح وتقدیس کروں گا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی نہ کرتا ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر کے تالاب سے ایک مینڈک نے آواز دی، اے داؤد ایک دن کی مناجات سے آپ اللہ عزوجل پر فخر کرنے لگے۔ میں ستر سال سے اس طرح اپنے مولیٰ کی تسبیح وتقدیس بیان کررہا ہوں کہ ایک گھڑی کیلئے بھی میری زبان اس کی یاد سے خشک نہیں رہی ہے اور میں دس دن سے دو کلمات پڑھنے میں ایسا مشغول ہوں کہ ابھی تک میں نے ایک لقمہ کھایا ہے نہ ایک گھونٹ پانی پیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام فرمانے لگے وہ دو کلمے کیا ہیں؟ مینڈک کہنے لگا وہ دو کلمے یہ ہیں۔ "**يا مسبحًا بكل لسان ويا مذكورًا بكل مكان**"

حضرت داؤد علیہ السلام فرمانے لگے: مجھے یہ امید نہیں کہ میں نے جو اللہ کی حمد وثنا کی ہے وہ اس سے زیادہ بلیغ ہو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عبادت گاہ میں تھے اور ساتھ ہی پانی کا جوہڑ بھی تھا ایک مرتبہ سوچنے لگے کہ مجھ سے بڑھ کر اللہ کی مدح وثناء کسی نے نہ کی ہوگی اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام اپنے مصلی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فوراً ایک فرشتہ آیا اور فرمایا اے داؤد! مینڈک کی آواز سنیے وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے سننے لگے تو کیا سنا ایک مینڈک پڑھ رہا تھا: "**سبحانك وبحمدك منتهى علمك**" فرشتہ نے پوچھا حضرت کیسا لگا۔ حضرت داؤد فرمانے لگے: "**والذى جعلنى نبيًا انى لم امدحه بهذا**"۔ (البيهقى فى الشعب ١٣٨/٤، الحديث رقم ٤٥٨١)

حیاۃ الحیوان میں لکھا ہے: مینڈک کو کھانا اسلئے حلال نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد الساعدی نے نقل کیا ہے: **ان النبی ﷺ نهى عن قتل خمس النملة، والنحلة والضفدع، والصرد والهدهد** "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹی، شہد کی مکھی، مینڈک، کلچڑی اور ہدہد کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔"

مسند ابی داؤد طیالسی، سنن ابی داود، نسائی اور حاکم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے نقل کیا ہے کہ ایک طبیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں دوا میں مینڈک کے اجزاء کو شامل کرسکتا ہوں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا معلوم ہوا کہ مینڈک حرام جانوروں میں سے ہے۔ ان دریائی جانوروں میں شامل نہیں جو ما کول اللحم ہیں۔ ابن عدی نے ابن عمرؓ سے

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے: مینڈکوں کو مت مارو، چونکہ ان کا ٹرٹرانا اللہ کی تسبیح ہے۔ مسلم کہتے ہیں میں نے دار قطنی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ضعیف ہے درست بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ سے موقوفاً مروی ہے۔

خطاف: بیہقی فرماتے ہیں: ابوالحویرث عبدالرحمٰن ابن معاویہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطاطیف کو مارنے سے منع فرمایا۔ ''**لا تقتلوا هٰذه العوذاء انها تعوذبكم من غيركم**'' امام بیہقی فرماتے ہیں۔ یہ روایت منقطع ہے۔

لیکن عبداللہ بن عمرؓ کی ایک موقوف روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''**لا تقتلوا الضفادع، فان نعيقها تسبيح ولا تقتلوا الخطاف فانه لما خرب بيت المقدس قال يا رب سلطني على الجرحتى اغرقهم**''۔

مینڈک کو مت مارو کیونکہ اس کی ٹراہٹ میں اللہ کی تسبیح موجود ہے اور خطاف کو مت مارو کیونکہ یہ وہ پرندہ ہے۔ جب بیت المقدس کو دشمن نے تاراج کیا تو اس وقت اس پرندے نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ سمندر کو میرا تابع کر دے تاکہ میں ان کفار کو غرق کر دوں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔

محمد بن الحسنؒ فرماتے ہیں یہ پرندہ حلال ہے کیونکہ یہ زیادہ تر پاکیزہ غذا کھاتا ہے۔ ابوعاصم عبادیؒ فرماتے ہیں ہمارے اکثر مشائخ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

خطاف کو ''زوار الہند'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دور دراز اونچی جگہوں میں گھونسلہ بناتا ہے اور انسان سے انس رکھتا ہے اس لئے بلاد بعیدہ سے طویل سفر کر کے شہروں میں آتا ہے۔ لوگوں میں ''جنتی چڑیا'' کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ یہ ایک زاہد پرندہ ہے اس لئے لوگ بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ یہ مکھی مچھر کھا کر گزارا کرتا ہے۔

رسالہ قشیری میں باب **المحبة** کے تحت ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دن حطاف پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسجد کے گنبد پر بیٹھ کر اپنی مادہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مادہ اس سے بھاگتی پھر رہی تھی۔ چنانچہ اپنی مادہ سے کہنے لگا تو مجھ سے انکار کر رہی ہے اگر میں چاہوں تو اس گنبد کو سلیمان پر گرا سکتا ہوں۔ حضرت سلیمان نے یہ بات سن لی تو فرمانے لگے: ''**ما حملك على ما قلت**'' یہ بات کہنے پر تمہیں کس چیز نے ابھارا؟ ''**يا نبي الله العشاق لا يؤاخذون اقوالهم**'' اے اللہ کے نبی عاشقوں کی باتوں پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

حضرت سلیمان نے فرمایا: صدقت۔ ''تو نے سچ کہا''۔

اس کی مختلف اقسام ہیں۔ ان کی ایک قسم کو ''سنونو'' کہتے ہیں۔ مسجد حرام میں کثرت سے پائی جاتی ہے اور مقام ابراہیم باب بنی شیبہ میں چھت پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے یہ وہی ابابیل پرندہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو تباہ و برباد فرمایا تھا۔ سورہ نمل کی تفسیر میں امام ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو اس وقت دنیا میں ان کو بہت وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے انس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خطاف پرندے کو پیدا کیا جب سے یہ انسانوں سے مانوس چلا آ رہا ہے اور انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ انتہیٰ۔

الفصل الثالث:

حلت وحرمت میں خواہش نفسانی کا بیان

۴۱۴۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَاْكُلُوْنَ اَشْيَاءَ وَيَتْرُكُوْنَ اَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ وَاَنْزَلَ كِتَابَهُ وَاَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ فَمَا اَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَاقُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا اَلْاٰيَةَ۔

(رواه ابوداود)

تخریج: اخرجه أبوداود في السنن ٤ / ١٥٧ السنن' كتاب الاطعمه' باب ما لم يذكر تحريمه' الحديث رقم ٣٨٠٠۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ (اپنی خواہش نفس کے مطابق) کچھ چیزوں کو کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو نفرت کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا اور (ان نبی ﷺ پر اور ان کے ذریعہ ان کی امت پر) ان پر اپنی کتاب نازل کی اور اپنی حلال چیزوں کو حلال قرار دیا اور اپنی حرام چیزوں کو حرام قرار دیا (یعنی یہ بیان کر دیا کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے وہی حلال ہے (اس کے علاوہ حلال نہیں ہے) اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہی حرام ہے اور جس چیز سے سکوت اختیار فرمایا ہے (یعنی جس چیز کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ یہ حلال ہے یا حرام) تو وہ چیز معاف ہے (کہ اس پر مواخذہ نہیں) اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آتے ہیں ان میں کھانے والے کے لئے جو وہ کھاتا ہے سوائے مردار اور خون کے اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا''۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''الا ان یکون'' واحد مذکر کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر اور حمزہ نے ''الا ان تکون'' واحد مؤنث غائب کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں خبر کے ساتھ مطابقت ہو جائے گی اور ابن عامر نے تاء کے ساتھ اور میتة کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس بنیاد پر کہ ''کان'' تامہ ہے۔

''میتةً'' ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے ایک نسخہ میں میتة کی جگہ دمًا کے الفاظ منقول ہیں۔

''او دمًا مسفوحًا'' کا عطف ہے۔ اصل میں یوں ہے ''الا وجود میتة او دمًا مسفوحًا'' حلالا: مصدر ہے موضع مفعول میں واقع ہو رہا ہے۔ اس کو مرفوع، منصوب مجرور ہر طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (الانعام: ١٤٥)

''(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے

والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار (مرا ہوا جانور) ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو جانور شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم کا علم وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔قاضیؒ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے، چونکہ یہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر نازل شدہ وحی میں ان چیزوں کے علاوہ عکسی چیز کو حرام نہیں پاتے اور یہ اس بات کی منافی نہیں کہ اس کے بعد کسی اور شیی کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔لہٰذا اس آیت کی بنیاد پر نسخ الکتاب بخبر الواحد پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان اشیاء کے علاوہ کی حلت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔الّا یہ کہ اس کو اس کے ساتھ ملا لیا جائے۔

گدھے کے گوشت کا بیان

۴۱۴۷:وَعَنْ زَاهِرٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ اِنِّیْ لَاُوْقِدُ تَحْتَ الْقُدُوْرِ بِلُحُوْمِ الْحُمُرِ اِذْ نَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ (رواہ البخاری)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحیحه ۷/ ۴۵۱' کتاب المغازی الحدیث رقم ۴۱۷۳

ترجمہ:"اور حضرت زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں گدھے کے گوشت کی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا' (یعنی ایسی ہانڈی جس میں گدھے کا گوشت پکنے کے لئے رکھا ہوا تھا) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرماتے ہیں"۔ (بخاری)

راویٔ حدیث:

زاہر بن الاسود۔ یہ زاہر بن اسود "اسلمی" ہیں۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ یہ کوفہ میں مقیم رہے ان کا شمار کوفہ والوں میں ہوتا ہے۔

"ان رسول اللّٰه" انّ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ایک اور نسخہ میں کسرہ کے ساتھ ہے۔

جنات کی قسمیں

۴۱۴۸:وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ يَرْفَعُهُ الْجِنُّ ثَلَاثَةُ اَصْنَافٍ صِنْفٌ لَهُمْ اَجْنِحَةٌ يَطِيْرُوْنَ فِی الْهَوَاءِ وَصِنْفٌ حَيَّاتٌ وَكِلَابٌ وَّصِنْفٌ يَحُلُّوْنَ وَيَظْعَنُوْنَ۔ (رواہ فی شرح السنة)

تخریج: الطحاوی فی المسند۔

ترجمہ:"اور حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جنات کی تین قسمیں ہیں' ایک تو وہ جن کے پر ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں پرواز کرتے ہیں' دوسری قسم وہ ہیں جو سانپ اور کتوں (کی شکل) میں نظر آتے ہیں اور تیسری قسم وہ ہیں جو منزل پر اترتے اور کوچ کرتے ہیں"۔ (شرح السنۃ)

تشریح: صنف :ایک روایت میں "فصنف" کے الفاظ ہیں۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے۔عبارت یوں

ہے۔ ''منهم صنف يطيرون'' ایک روایت میں ''يطيرون'' ہے۔
''يحلون'' حاء کے ضمہ کے ساتھ کسرہ دینا بھی جائز ہے۔ ''يظعنون'' ''ظعن يطعن ، نصر سے سفر کرنا۔ طاعنیس مسافر۔ قرآن کریم میں ہے: ''يوم طعنكم ويوم أقامتكم'' قاموس میں ہے: ''ظعن كمنع'' طعن منع کے وزن پر ہے۔

''اس حدیث کو صاحب مصابیح نے اپنی ہی سند سے نقل کیا ہے۔ حاکم اور نسائی نے بھی عمدہ سند کے ساتھ اس کو نقل کیا امام حاکم کہتے ہیں۔ صحیح الاسناد ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب مکائد الشیطان میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ ''ان النبیؐ قال خلق الله تعالٰى الجن ثلاثة اصناف: صنف حيات وعقارب وخشاش الارض وصف كالريح فى الهواء وصف عليه الحساب والعقاب'' وخلق الله تعالٰى الانس ثلاثه اصناف، صف كالبهائم لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعينن لا يبصرون بها ولهم آذن لا يسمعون بها۔'' وصنف اجسادهم اجساد بنى آدم وارواحهم ارواح الشياطين وصف كالملائكه فى ظل الله تعالٰى يوم لاظل الا ظله''۔
خشاش: خاء معجمہ پر تینوں حرکات درست ہیں۔ فتحہ مشہور ہے۔ حشرات الارض، کیڑے مکوڑے۔

بَابُ الْعَقِيْقَةِ

عقیقہ کا بیان

''مغرب'' میں لکھا ہے: عقیقہ ''عق'' سے مشتق ہے۔ لغت میں ''عق'' کے معنی ہیں چیرنا پھاڑنا ''عقیقہ'' ان بالوں کو کہتے ہیں جو نوزائدہ کے سر پر ہوتے ہیں۔ ان بالوں کو ''عقیقہ'' اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ بال ساتویں دن مونڈے جاتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے ''عقیقہ'' اس بکری کو بھی کہتے ہیں جو بچے کا سر مونڈنے کے وقت ذبح کی جاتی ہے۔

عقیقہ کی اہمیت کا بیان

الفصل الاول:

۴۱۴۹: عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى . (رواه البخاری)

تخریج: اخرجه البخاری فی صحيحه ۹ / ۵۹۰، کتاب العقيقه، باب اماطة الاذى عن الصبى، الحديث رقم ۵۴۷۱ وأبو داود فى السنن ۳ / ۲۶۱، الحديث رقم ۲۸۳۹، والترمذی فی ۴ / ۸۲ الحديث رقم ۱۵۱۵، والنسائی فی ۷ / ۱۱۴، الحديث رقم ۴۲۱۴، والدارمی فی ۲ / ۱۱۱، الحديث رقم ۱۹۶۷

ترجمہ: ''حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''بچے

کی پیدائش پر عقیقہ (مسنون یا مستحب) ہے لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ (یعنی جانور ذبح کرو) اور اس سے (یعنی بچے سے) ایذا (یعنی اس کے سر کے بال اور میل کچیل) کو دور کرو"۔

تشریح: قوله :فاهر يقوا عنه......:

اهريقو: ھاء کے سکون کے ساتھ ہے اور فتحہ دینا بھی جائز ہے۔

توضیح وتخریج: بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"الغلام مرتهن بعقيقته فاهريقوا عنه الدم واميطوا عنه الاذى"۔

تحنیک کا بیان

۴۱۵۰:وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ۔ (رواه مسلم)

تخریج: اخرجه مسلم فی صحیح ۱ / ۲۳۷، الحدیث رقم (۱۰۱ ـ ۲۸٦) وأخرجه أبو داود فی السنن ۵ / ۳۳۳، الحدیث رقم ۵۰۱٦ و صحیح البخاری، کتاب العقیقه، باب تسمیة المولود، الحدیث رقم ۵٤٦۸۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (نوزائیدہ) بچوں کو لایا جاتا چنانچہ آپ ﷺ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے (یعنی ان کے سامنے فرماتے بارك الله عليك اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت ورحمت نازل فرمائے) اور ان کی تحسنیک فرماتے (یعنی ان کو کسی میٹھی چیز کی گھٹی دیتے)"۔ (مسلم)

تشریح: يؤتى بالصبيان: اس میں تغلیب ہے۔ (مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا گیا ہے۔) "يحنك" نون کی تشدید کے ساتھ ہے۔

تحسنیک یہ ہے کہ کھجور یا کسی اور میٹھی چیز کو چبا کر بچے کے تالو میں لگایا جائے۔

تحسنیک ایک مسنون عمل ہے بہتر یہ ہے کہ تحسنیک کرنے والا نیک اور صالح آدمی ہو۔

آنحضرت ﷺ کے الفاظ بارك الله عليك ہوا کرتے تھے۔ اساس البلاغہ میں لکھتے ہیں: بارك الله فيه وبارك له وبارك عليه" امام طیبیؒ کہتے ہیں۔ بارك عليه کے الفاظ زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ میں برکت نازل کرنے کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ اھ

قرآن کریم میں ہے: لفتحنا عليهم بركات من السماء ولارض [الاعراف: ۹٦]

تحنیک کا طریقہ

۴۱۵۱:وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءٍ ثُمَّ اَتَيْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ حِجْرِهٖ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِيْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَالَهُ وَبَرَكَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِي الْاِسْلَامِ۔ (متفق عليه)

تخریج : اخرجه البخاري في صحيحه ۹ / ۵۸۷ كتاب مناقب الانصار' باب هجرة النبي ﷺ الحديث رقم (۳۹۰۹ ـ ۵۴۶۹) ومسلم في ۳ / ۱۶۹۱ الحديث رقم (۲۶ ـ ۲۱۴۶) وأحمد في المسند ۶ / ۳۴۷

ترجمہ: ''حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے پیٹ میں تھے' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قباء کے مقام پر میرے ہاں ولادت ہوئی تو میں ان (عبداللہ) کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا' پھر آپ ﷺ نے کھجور منگائی اور اس کو چبایا' پھر اپنا آب دہن ان کے منہ میں ڈالا (یعنی آپ ﷺ نے اس کھجور کو جو آپ ﷺ کے لعاب مبارک کے ساتھ مخلوط ہوگئی تھی' عبداللہ کے منہ میں رکھا) اور پھر آپ ﷺ نے ان کو گھٹی دی' اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی (یعنی یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر برکت نازل فرمائے) چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پہلے شخص تھے' جو اسلام (کے عہد یعنی ہجرت کے بعد مدینہ) میں پیدا ہوئے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **قوله :فولدت بقباءٍ...... وبرك عليه:**

''بقاء'' قباء قاف کے ضمہ الف ممدودہ معضورہ دونوں کے ساتھ ہے۔ مدینہ کی ایک بستی کا نام ہے۔ منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ (مغرب) **حجرہ**: حجر: حاء مہملہ کو فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

دعاله وبرك : لفظ برك براء کی تشدید کے ساتھ یعنی آنحضرت ﷺ نے بارک علیک فرمایا او برك کا عطف تفسیری ہے یا تخصیص کیلئے ہے۔ فکان: ایک نسخہ میں و کان ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں یہ فاء جزائیہ ہے، اور شرط محذوف ہے۔

عرضِ مرتب:

''قبا'' مدینہ شہر سے جنوب مغربی سمت تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک آبادی ہے۔ مکہ سے مدینہ کے لئے سفر ہجرت میں آپ ﷺ کی یہ آخری منزل تھی' جہاں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اترے اور تین دن یا چار دن قیام فرمایا جس جگہ آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا اس جگہ آپ ﷺ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جس کو مسجد قبا کہتے ہیں' قبا اگرچہ مدینہ منورہ سے باہر ہے' لیکن اس کا تعلق ایک طرح سے ایسا ہی ہے جیسا کہ محلّہ کا ہوتا ہے۔ اس جگہ بڑی شادابی ہے اور مختلف پھلوں اور میووں کے باغات ہیں' اسی قبا میں بئر اریس نامی کنواں ہے' جہاں آپ ﷺ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی تھی اور جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں آپ ﷺ کی وہ انگوٹھی گر گئی تھی' جس سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین مہر لگایا کرتے تھے۔ اس کنویں کا پانی بہت کھارا تھا' کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن شامل فرمایا جب سے اس کا پانی میٹھا ہے مگر اب یہ کنواں خشک ہوگیا ہے۔

ہجرت کے بعد مہاجرین میں جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے ''مہاجرین'' کی قید اس لئے لگائی گئی کہ ہجرت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیدائش سے پہلے مدینہ میں مسلمانوں کے یہاں سب سے پہلا پیدا ہونے والا بچہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مناقب بھی معلوم ہوئے:

① آپ کو آنحضرت ﷺ کی گود ملی۔

﴿۲﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کے لئے دعا فرمائی۔

﴿۳﴾ ان کے پیٹ میں سب سے پہلی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن گیا۔

الفصل الثّانی:

عقیقہ کے جانور کی تعداد کا بیان

۴۱۵۲: عَنْ اُمِّ کُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِرُّوْا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا قَالَتْ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اُنَاثًا۔

(رواه ابوداود والترمذی والنساء من قوله يقول عن الغلام الى اخره وقال الترمذی هذا صحيح)

تخريج: اخرجه أبو داود في السنن ۳ / ۲۲۷ كتاب الضحايا' باب في العقيقه' الحديث رقم ۲۸۳۵' والترمذی في ٤ / ۸۳ الحديث رقم ۱۵۱٦' والنسائي في ۷ / ۱٦۵ الحديث رقم ٤۲۱۷' وابن ماجه في ۲ / ۱۰۵٦' الحديث رقم ۳۱٦۲' والدارمی في ۲ / ۱۱۱ الحديث رقم ۱۹٦٦' وأحمد في المسند ٦ / ۲۸۱

ترجمہ: ''حضرت اُم کرز رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو' ام کرز رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ'' (عقیقہ میں) لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے اور اس میں تمہارے لئے کوئی نقصان نہیں ہے کہ وہ (بکری) نر ہو یا مادہ (یعنی اس بات کا لحاظ ضروری نہیں ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں بکرے ذبح کئے جائیں اور لڑکی کے عقیقہ میں بکری ذبح کی جائے)۔ (ابوداؤد' ترمذی) نسائی کی روایت میں یقول عن الغلام سے آخر تک ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے''۔

راویٔ حدیث:

امّ کرز۔ یہ ام کرز ہیں۔ بنو کعب اور قبیلہ خزاعہ میں سے ہیں۔ مکہ کی رہنے والی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثوں کی روایت کرتی ہیں۔ ان سے عطاء' مجاہد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان کی روایت ''عقیقہ'' کے بارے میں ہے۔

''کرز'' میں کاف پر پیش' راء ساکن اور آخر میں زا معجمہ ہے۔

قوله: اقروا الطير على مكناتها:

''أقروا'' راء کی تشدید کے ساتھ۔ (باقی رکھنا، برقرار رکھنا) ''**مکناتھا**'' لفظ میم کے زبر و کاف کے زبر زیر دونوں کے ساتھ ہے اور مشکوۃ کے ایک نسخے میں کاف کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ مکنات جمع ہے اس لفظ کو تین طرح پڑھ سکتے ہیں: ﴿۱﴾ مَكِنَات ﴿۲﴾ مَكَنَاتُ ﴿۳﴾ مَكُنَاتُ۔ یعنی کاف مثلث الحرکات ہے۔ اس کا واحد مکنۃ ہے، اس کو دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ (۱) مَكِنَةٌ ﴿۲﴾ مَكَنَةٌ۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مکنات میم کے زبر اور کاف کی زیر کے ساتھ مکنیة کی جمع ہے جس کا معنی گوہ کے انڈے ہیں۔ دونوں حروف کو پیش بھی دیا جاتا ہے۔

خلاصہ: دونوں چیزیں مراد لی جاسکتی ہیں۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا ان پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو اڑاؤ نہیں۔ دوسری صورت میں یہ ہوگا اگر پرندے انڈوں پر بیٹھے ہوں تو ان کے گھونسلوں کو ہلا کر ستاؤ مت۔

بعض حضرات کہتے ہیں اس میں ارشاد گرامی کا تعلق تطیر اور فال بدلنے کی ممانعت سے ہے۔ جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی کام کا قصد کرتا' یا کہیں کا سفر کرنے کا ارادہ کرتا تو پرندے کے گھونسلے پر آتا اور اس کو چھیڑ کر اڑاتا اگر وہ پرندہ داہنی طرف اڑتا تو مبارک جان کر اور فال نیک سمجھ کر اس کام کو کرتا یا سفر پر روانہ ہو جاتا اور اگر وہ پرندہ بائیں طرف اڑتا تو اس کو منحوس سمجھ کر اس کام یا سفر سے باز رہتا' اس کو تطیر کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے منع فرمایا کہ پرندہ جہاں ہو اس کو وہیں رہنے دو کہ اس کو مت اڑاؤ اور نہ اس سے بدفالی لو۔ نہ یہ تمہیں نفع دے سکتا ہے۔ اور نہ یہ تمہیں نقصان دے سکتا ہے۔

قوله :و سمعته يقول عن الغلام:

''**سمعته**'' ایک نسخہ میں صرف **سمعت** کے الفاظ منقول ہیں۔ ضمیر محذوف ہے۔ ''**يقول**'' اس میں دو احتمال ہیں۔ یہاں سے آگے کا حصہ اسی مجلس سے پہلے یا بعد حصہ سنا تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسی مجلس میں سنا ہو۔ اس صورت میں ربط بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلا احتمال زیادہ راجح ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جامع صغیر میں یہ حصہ علیحدہ سے منقول ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: **رواه ابو داوٗد والى كم عنها، و كذا قوله الآتى، وللترمذى الخ**۔ اس عبارت سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ یہ دو علیحدہ حدیثیں ہیں۔

امام طیبیؒ نے ربط بیان کیا ہے۔ ''**انه ﷺ منعهم عن التطير فى شأن المولود وامرهم بالذبح والصدقه**''۔

امور نحویہ: ''**كن او اناثاً**''، ''**كن**'' کی ضمیر شیاہ کی طرف لوٹتی ہے اور ذکرانا کن اُو اُنا ثا یضر کا فاعل ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی: ''**لا يضركم كون شاة العقيقة ذكراناً او أناثاً**''۔

شاتان فعل محذوف کا نائب فاعل ہے۔ **أى يذبح عن الصبى**...... امام طیبیؒ فرماتے ہیں کن کی ضمیر شاتین اور شاۃ کی طرف راجع ہے، اس میں تغلیب ہے، مؤنث کو مذکر پر غلبہ دیا گیا ہے۔ اور اشارہ ہے کہ قربانی میں مقدم ہے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاۃ، نملۃ، حمامۃ مذکر و مؤنث میں مشترک ہیں۔ کسی ایک کی تعیین قرینہ کے ذریعہ ہوگی۔

تخريج و توضيح: جامع صغیر میں ہے: **عن الغلام عقيقتان وعن الجارية عقيقة**''۔

(الجامع الصغیر: ۲/ ۳۴۷، الحدیث رقم ۵۶۲۲)

امام طبرانی نے یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ ﴿۲﴾ امام احمد ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور ابن حبان نے ام کرز سے نقل کی ہے۔ ﴿۳﴾ اسی طرح امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے بھی نقل کیا ہے۔

﴿۴﴾ امام طبرانی نے حضرت اسماء بنت یرید سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں: ''**عن الغلام شاتان مكافأتان وعن الجارية شاة**'' ﴿۵﴾ امام احمد ابو داؤد ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے ام کرز، ﴿۶﴾ امام ترمذی نے سلمان

بن عامر اور حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ والی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ''عن الغلام شاتان وعن الجارية شاتان لا يضركم ذكراناً كن ام اناثاً'' (الجامع الصغير ٢/٣٤٧، الحديث رقم ٥٦٢٣)

عقیقہ کی اہمیت

۴۱۵۳: وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَاْسُهٗ (رواه احمد والترمذی وابوداود والنسائی لكن فی روايتهما) رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهَنٍ (وفی رواية لاحمد وابی داود) وَيُدَمّٰى مَكَانَ يُسَمّٰى وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَيُسَمّٰى اَصَحُّ.

تخریج: اخرجه أبوداود الترمذی فی السنن ٣ / ٢٥٩ كتاب الضحايا' باب فی العقيقه' الحديث رقم ٢٨٣٨و ٢٧٣٨ والترمذی فی ٤ / ٨٥ الحديث رقم ١٥٢٢ والنسائی فی ٧ / ١٦٦' الحديث رقم ٤٢٢٠' وابن ماجه فی ٢ / ١٠٥٧' الحديث رقم ٣١٦٥' والدارمی ٢ / ١١١ الحديث رقم ١٩٦٩ وأحمد فی المسند ٥ / ٧

ترجمہ: ''اور حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہے (اس کی پیدائش کے) ساتویں دن اس کے (عقیقہ کے) لئے (جانور) ذبح کیا جائے (ساتویں ہی دن) اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈوایا جائے''۔ اس روایت کو احمد' ترمذی' ابوداؤد و نسائی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد و نسائی کی روایت میں مرتھن کی بجائے رَهِيْنَةٌ ہے اور احمدؒ و ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں يُسَمّٰى کے بجائے وَيُدَمّٰى ہے اور ابوداؤدؒ نے کہا ہے کہ لفظ یسمی ہی زیادہ صحیح ہے''۔

تشریح: مرتھن میم کے ضمہ اور ھاء کے فتحہ کے ساتھ مرھون کے معنی میں ہے۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں راوی نے مرتہن کو رهينة کی جگہ ذکر کیا ہے۔ یہ مجازاً ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''طريق المجاز غير مسدود وليس بموقوف على السماع ولا يستراب ان لا رتها هنا ليس ما خوذاً بطريق الحقيقة ۔ اور صاحب نہایہ لکھتے ہیں: رهينة بعقيقة ان العقيقة لازمة له لا بدله منها فشبه فی لزومها وعدم الفاكه منه بالرهف فی يد لمنير المرتهن''۔

''تذبح'' واحد مؤنث کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ ایک نسخہ میں واحد مذکر غائب کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں نائب فاعل ہوگا۔ ''یدمی'' میم کی تشدید کے ساتھ۔

امام احمدؒ نے تو اس ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہیں ہوتا اور وہ کم سنی میں مر جاتا ہے تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا اور قتادہ سے مروی ہے کہ ان کی شفاعت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جب تک والدین بچہ کا عقیقہ نہیں کرتے اس کو بھلائیوں سلامتی آفات اور بہتر نشو ونما سے باز رکھا جاتا ہے اور پھر اس کے جو برے نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقت میں والدین کے مواخذہ کا سبب بنتے ہیں کہ ترک عقیقہ انہوں نے ہی کیا

ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ گروی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بچہ اپنے بالوں وغیرہ کی گندگی واذیت میں مبتلا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: فَاَمِیْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰی (بچے سے اذیت کو ہٹاؤ) یعنی اس کے بال میل کچیل اور خون وغیرہ صاف کرو) لہٰذا جب بچہ کا عقیقہ ہوتا ہے تو وہ گویا سر کے بال وغیرہ صاف ہو جانے سے اس اذیت سے نجات پا جاتا ہے۔

یُدَمّٰی: یا کے پیش، دال کے زبر اور میم مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ تدمیہ سے مشتق ہے جس کے معنی ''خون آلود کرنا'' ہیں۔ ایک روایت میں ویسمی (اور اس کا نام رکھا جائے) کی جگہ وَیُدَمّٰی ہے۔ لیکن جیسا کہ ابوداؤد نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس جگہ لفظ ویسمی ہی ہونا چاہئے۔ شرح السنہ میں حسنؒ سے منقول ہے کہ نومولود کے سر کو عقیقہ کے جانور کے خون سے لت پت کیا جائے تاہم قتادہؒ نے ویدمی کی یہ تشریح کی ہے کہ جب عقیقہ کے جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے تھوڑے سے بال لے کر اس کی گردن کے سامنے رکھ دیئے جائیں تا کہ وہ (بال) اس کے خون سے آلودہ ہو جائیں جو ذبح کے وقت اس جانور کی رگوں سے نکلے اور پھر وہ خون آلودہ بال اس بچے کی چندیا پر اس طرح رکھ دیئے جائیں کہ خون اس کی چندیا پر ایک لکیر کی صورت میں بہے اور اس کے بعد بچہ کا سر دھو کر منڈوا دیا جائے۔ اکثر اہل علم نے نومولود کے سر کو عقیقہ کے جانور کے خون سے لت پت کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ عمل دراصل زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم تھی جس کو منسوخ قرار دیا گیا۔ جیسا کہ اس باب کی تیسری فصل میں آنے والی حدیث سے واضح ہوگا۔

'' ید می'' والی روایت ضعیف ہے، صحیح روایت میں ''یسمّٰی'' ہے اور بعض روایات میں آپ ﷺ نے بچے کے بدن سے اذیت اور سوکھی پلیدی کو دور کرنے کا حکم فرمایا تو اس کے سر کو تر خون سے آلودہ کر کے نجس کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے تاہم بعض علماء نے بچے کے سر کو خون سے آلودہ کرنے کے بجائے خلوق اور زعفران جیسی خوشبوؤں سے لتھیڑنا نقل کیا ہے۔ اھ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ختنہ کرانا ہے۔ یہ تشریح اقرب الی الصواب ہے۔ بشرطیکہ اس سلسلہ میں روایت صحیح طور پر ثابت ہو۔

نومولود کے بالوں کا بیان

۴۱۵۴: وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَلِيِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اَحْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب واسناده لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَبْنَ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍؓ)

تخریج: اخرجه الترمذی فی السنن فی ٤ / ٨٤ کتاب الاضاحی' باب العقیقة بشاة' الحدیث رقم ١٥١٩۔

ترجمہ: ''حضرت محمد بن علی بن حسینؒ (یعنی محمد باقر بن امام زین العابدینؒ بن سیّدنا حسین شہیدؓ) حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے بکری ذبح کی اور فرمایا کہ ''اے فاطمہ! اس (حسنؓ) کا سر مونڈ واور اس کے بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو''۔ چنانچہ ہم نے ان بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا ایک درہم سے کم وزن کے تھے''۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن

غریب ہے اور اس کی اسناد متصل یعنی مسلسل نہیں ہے۔ کیونکہ محمد بن علی بن حسین نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے''۔

تشریح: ''عن الحسن شاة'' شاۃ: یہاں با تعدیہ کے لئے ہے یا زائدہ ہے۔ بزنۃ: زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ بمعنی ''وزن''۔

أو: اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ راوی کو شک ہوا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ أو ہم معنی ''بل'' ہو۔

شرح السنہ میں لکھا ہے: بچہ اور بچی کے عقیقہ کے تسویہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ اور حسن بصری تو بچی کے عقیقہ کے ہی منکر ہیں۔ ایک جماعت بچہ اور بچی کے عقیقہ کے مسئلے میں تسویہ کی قائل ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ سے منقول ہے کہ وہ بچے کے عقیقہ میں ایک بکری یا بکرا ذبح کرتے تھے، حضرت عروہ بن زبیر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ بچے کیلئے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے گی۔ اس حدیث سے بچی کے عقیقہ کی نفی تو مستفاد نہیں ہو رہی البتہ بچے کے بارے میں یہ احتمال ظاہر ہو رہا ہے کہ لڑکے کے حق میں استحباب درجہ ایک بکری ہے اور کمال استحباب دو بکری ہے۔

لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکری یا بکرا بھی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ نیز ابو داؤدؒ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ یہ حدیث آگے آ رہی ہے۔ لیکن نسائیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو دو مینڈھے روایت کئے ہیں اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے مطلق نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ کیا ہے۔ اگرچہ ایک بکری کی روایت بھی صحیح ہے۔ وجوہات ترجیح: ① لیکن زیادہ مضبوط اور زیادہ صحیح وہی روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں ذبح کی جائیں' کیونکہ اس روایت کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک پوری جماعت نے نقل کیا ہے ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں منقول ہیں: حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت اُم کرزؓ حضرت بریدہؓ حضرت سمرہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ حضرت سلمان بن عامر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم۔
② ایک بکری ذبح کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے اور دو بکریاں ذبح کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز قول سے ثابت ہو وہ فعل سے کہیں زیادہ مضبوط اور کہیں زیادہ مکمل سمجھی جاتی ہے' کیونکہ فعل کے بارے میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ وہ کسی مخصوص حالت سے متعلق ہو۔ جب کہ قول میں عمومیت واکملیت ہوتی ہے ③ فعل تو محض جواز پر دلالت کرتا ہے اور قول سے جواز کے ساتھ استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

احتمال ہے کہ لڑکے کے حق میں استحباب کا کم سے کم درجہ ایک بکری ہو اور کمال استحباب دو بکری ہو جس حدیث میں ایک بکری یا ایک مینڈھے کا ذکر ہے اس کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ حدیث کم سے کم درجہ پر اکتفا کرنے کے جواز کو ظاہر کرنے کے لئے ہو یا یہ کہ یہ حدیث دراصل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں جو دو بکری یا

جو دومینڈھے ذبح کیے جاتے ہیں' وہ دونوں ساتویں ہی دن ذبح ہوں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک بکری یا ایک ایک مینڈھا توان کی پیدائش کے دن ہی ذبح کر دیا ہو اور دوسری بکری یا دوسرے مینڈھے کو ساتویں دن ذبح کیا ہو اس تاویل وتوضیح کی صورت میں تمام روایتوں کے درمیان مطابقت ویکسانیت پیدا ہو جائے گی اور کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی مینڈھا یا ایک بکری کے ذریعہ عقیقہ کیا اور اس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ دوسرا مینڈھا یا دوسری بکری وہ ذبح کریں۔ لہٰذا جس روایت میں ایک بکری یا ایک مینڈھے کا ذکر ہے اس میں تو گویا آپ ﷺ کی طرف یہ نسبت کہ آپ ﷺ نے ایک بکری یا ایک مینڈھے کے ذریعہ عقیقہ کیا حقیقت کے اعتبار سے ہے اور جس روایت میں آپ ﷺ کی طرف دو بکری یا دو دنبے کو ذبح کرنے کی نسبت کی گئی ہے وہ مجازاً ہے۔

احلقى رأسه: یہ حکم یا تو حقیقتاً تھا کہ فاطمہ تم اپنے ہاتھ سے اس کا سر مونڈو' یا حضرت فاطمہ کی طرف اسناد مجازی ہے اور یہ مطلب تھا کہ کسی دوسرے شخص کو حکم دو کہ اس کا سر مونڈ دے۔ یہ امر (یعنی آپ ﷺ کی طرف سے سر مونڈنے کا حکم دیا جانا) استحباب کے طور پر ہے۔ اسی طرح بالوں کو وزن کرنے کا حکم بھی بطریق استحباب کے ہے۔

۴۱۵۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا (رواه ابو داوٗد عند النسائى) كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ.

تخريج: اخرجه أبوداود فى السنن ٣ / ٢٦١ كتاب الضحايا' باب فى العقيقة' ح ٢٨٤١ والنسائى فى ٧ / ١٦٦' الحديث رقم ٤٢١٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (ابوداؤد) اور نسائیؒ نے دو دو مینڈھے نقل کیے ہیں''۔

اللُّغَاتُ: امام طیبی: فرماتے ہیں عق اگر متعدی نہ ہو تو منصوب بنزع الخافض ہوگا قاموس میں لکھا ہے: **عق شق وعن المولود ذبح عنه**''۔ **عق** کے معنی ہیں شق: اور **عق عن المولود** کے معنی ہیں نومولود کی طرف سے ذبح کرنا۔ **كبشا كبشا:** امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے: **عق عن كل واحد بكش** ۔اھ

عقیقہ کے استحباب کا بیان

۴۱۵۶: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَا يُحِبُّ الْعُقُوْقَ كَاَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً۔ (رواه ابوداود والنسائى)

تخريج: اخرجه أبوداود فى السنن ٣ / ٢٦٢' كتاب الاضاحى' باب فى العقيقة' الحديث رقم ٢٨٤٢ والنسائى

في السنن ٧ / ١٦٢، الحديث رقم ٤٢١٢ وأحمد في المسند ٢ / ١٨٢

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتا۔ گویا آپ ﷺ نے (اس فعل کو) لفظ عقیقہ سے موسوم کئے جانے کو ناپسند فرمایا اور پھر فرمایا کہ جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے (جانور) ذبح کرنے کو پسند کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے''۔ (ابوداؤد' نسائی)

قوله :فقال :لا يحب العقوق:

تشریح: ''وقال'' اس کا عطف ہے۔ فقال پر، درمیان کا کلام (کانہ کرہ الاسم) جملہ معترضہ ہے۔ جو کسی راوی کا کلام ہے۔

''من ولد له'' ایک صحیح نسخہ میں ''من ولد له ولد'' کے الفاظ منقول ہیں۔ ''من ولدلہ' والے نسخہ کی بنیاد پر عنہ کی ضمیر'' مولود'' کی طرف راجع ہوگی اور من ولدلہ ولد والے نسخہ کی بنیاد پر عنہ کی ضمیر' ولد'' کی طرف راجع ہوگی۔

''ينسك'' سین کے پیش کے ساتھ ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا لڑکا بڑی عمر میں پہنچ کر والدین کے حق میں عاق نہ ہو یعنی والدین کی نافرمانی کرنے والا نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی چھوٹی عمر میں عقیقہ (کا جانور) ذبح کرے' کیونکہ والدین کا عقوق (یعنی والدین کا اپنے بچے کا عقیقہ نہ کر کے گویا ایک طرح کی نافرمانی کرنا) دراصل لڑکے کے عقوق (یعنی لڑکے کے نافرماں بردار ہو جانے) کا باعث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ عقوق کو کسی حالت میں پسند نہیں کرتا۔ اس اعتبار سے حدیث کے الفاظ گویا من ولدله (جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا الخ) کی تمہید کے طور پر ہیں۔

قوله كانه كره الاسم :

روایت کے یہ الفاظ کسی راوی کے اپنے ہیں کہ آپ ﷺ نے عقیقہ کو ''عقیقہ'' کے لفظ سے موسوم کئے جانے کو پسند نہیں فرمایا تا کہ یہ گمان نہ ہو کہ یہ ''عقیقہ'' عقوق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی والدین سے سرکشی اور ان کی نافرمانی کرنا ہیں) جب کہ آپ ﷺ نے یہ پسند فرمایا کہ اس کو اس سے بہتر نام مثلاً ذبیحہ یانسیکہ سے موسوم کیا جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ برے نام کو اچھے نام سے بدل دیتے تھے (نہایہ) تورپشتی نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف اس بات کی نسبت کہ (گویا آپ ﷺ نے ''عقیقہ'' کہے جانے کو ناپسند فرمایا) غیر موزوں ہے۔ کیونکہ آنحضرت نے اپنے کتنے ہی ارشادات میں ''عقیقہ'' ہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اگر آپ ﷺ کے نزدیک یہ لفظ ناپسندیدہ ہوتا' تو آپ ﷺ لفظ عقیقہ کیوں ارشاد فرماتے' بلکہ کوئی دوسرا لفظ ارشاد فرماتے اور آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ اگر آپ کو کوئی نام ناپسندیدہ لگتا تو اس کو تبدیل فرما دیتے تھے یا اس نام کی کراہت بتانے کی خاطر وہ نام رکھنے سے ہی منع فرما دیتے تھے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے: **لا تقولو الاسم للعنب الكرم** ۔ اس طرح کی کئی احادیث موجود ہیں ایک توجیہ بھی ممکن ہے کہ سائل نے سوال کیا ہو عقیقہ کے بارے

میں اس کو عقیقہ کی صحیح شرعی حیثیت واضح نہ ہو اس کو تردد ہو کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے، کہ مکروہ ہے، واجب ہے، یا مندوب ہے اور وہ یہ چاہتا ہو کہ مجھے اصل صورت حال معلوم ہو جائے اور عقیقہ کی حیثیت تو بالکل واضح ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جواب ارشاد فرمایا کہ جس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس باب میں عقوق کو ناپسند کرتا ہے، عقیقہ کو نہیں۔ لیکن اس سلسلے میں اگر یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا کہ یہ احتمال ہے کہ سوال کرنے والے نے یہ گمان کیا ہو کہ مادۂ اشتقاق میں عقیقہ اور عقوق کا مشترک ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ حکم کے اعتبار سے عقیقہ کی زیادہ اہمیت نہ ہو۔ لیکن آنحضرتؐ نے اپنے جواب کے ذریعہ یہ واضح کر دیا کہ امر واقعی اس کے خلاف ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں ''عقوق'' والد کے لئے مستعار ہو، جیسا کہ حقیقت میں ہوتا ہے کہ مولود اگر اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی نہ کرے ادائیگی سے انکار کر دے تو وہ ''عاق'' شمار ہوتا ہے، چنانچہ باپ بھی اگر مولود کے حقوق کی بجا آوری سے انکار کر رہا ہے تو وہ بھی بطور اتباع ''عاق'' ہے۔ کو حقوق علی التساع قرار دے دیا اور فرمایا کہ اللہ عقوق کو پسند نہیں کرتا۔ **أی ترك ذلك من الوالد مع قدرته عليه يشبه اضاعة المولود حق أبويه ولا يحب الله ذلك** ۔اھ

کہ باپ کا اولاد کی طرف سے عقیقہ نہ کرنا، باوجودیکہ وہ قادر ہو، ایسا ہے جیسے اولاد کا اپنے والدین کے حقوق کو ضائع کرنا۔

نومولود کے کان میں اذان دینا

۴۱۵۷: وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بَالصَّلٰوۃِ۔ (رواہ الترمذی وابوداود وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح)

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ٥ / ٣٣٣، کتاب الادب، باب فی الصبی یولد فیوذن فی اذنه، الحدیث رقم ٥١٠٥ والترمذی فی ٤ / ٨٢ الحدیث رقم ١٥١٤، وأحمد فی المسند ٦ / ٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی، اور وہ اذان نماز کی اذان کے مثل تھی۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے''۔

تشریح: ''أذن'' دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ سکون پڑھنا بھی درست ہے۔ اس سے مراد اُذان الصلاۃ ہے۔ جار مجرور اَذّن کے متعلق ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے: جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھا کرتے۔ **من ولد له ولد فأذن فی أذنه اليمنی وأقام فی اذنه ايسری لم تضره أم الصبيان**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ کی پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان دینا سنت ہے۔ مسند ابو یعلی موصلی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ''جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں کان میں تکبیر کہے، تو اس کو ام الصبیان سے ضرر نہیں پہنچے گا۔ نیز امام نوویؒ نے کتاب ''الروضہ'' میں لکھا

ہے کہ بچے کے کان میں یہ الفاظ کہنا بھی مستحب ہیں: اِنِّی اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں بھی اس طرح لکھا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس آیت مبارکہ کی اذان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اذان کی وجہ سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔جس طرح اعوذ باللّٰہ پڑھنے سے بھاگتا ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے''اذا نودی للصلٰوۃ ادبر الشیطان له ضراط حتی لا یسمع التأذین''۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بچے کے کان میں اذان دینے کی حکمت یہ ہے کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے اللہ کے ذکر کی اطلاع بطور دعوت الی الایمان والصلاۃ پہنچے کیونکہ نماز ایمان کا بنیادی رکن ہے۔

الفصل الثالث:

زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں عقیقہ کا بیان

۴۱۵۸:عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاھِلِیَّةِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَاْسَهٗ بِدَمِھَا فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاةَ یَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلِقُ رَاْسَهٗ وَنَلْطَخُهٗ بِزَعْفَرَانٍ (رواہ ابوداود وزاد رزین) وَنُسَمِّیْهِ۔

تخریج: اخرجه أبوداود فی السنن ۳ / ۲۶۳، کتاب الاضاحی، باب فی العقیقه، الحدیث رقم ۲۸۴۳۔

ترجمہ:''حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس (بکری) کا خون اس (لڑکے) کے سر پر ملتا لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہم (بچے کی پیدائش کے) ساتویں دن بکری ذبح کرتے،اس کا سر مونڈتے اور اسکے سر پر زعفران ملتے (ابوداؤد) اور رزینؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم (ساتویں ہی دن) اس کا نام رکھتے''۔

تشریح:قوله کنا فی الجاھلیة اذا ولد......:

''کنا فی الجاھلیت اذ''ایک نسخے میں''اذ'' کی جگہ''لذ''منقول ہے۔

''لطخ'' طاء کی تخفیف کے ساتھ۔''ونلطحه'' طاء کے زبر کے ساتھ۔قاموس میں لکھا ہے کہ زعفران مشہور چیز ہے، اس کی خاصیت ہے کہ جس گھر میں زعفران ہو وہاں''سام ابرص''(چھپکلی) داخل نہیں ہوتی۔

كِتَابُ الْاَطْعِمَةِ

خوردونوش کا بیان

شرح الالفاظ ''القاموس'' میں ہے کہ ''طعام'' گندم کو اور کھانے کی چیز کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ''اطمعه'' آئی ہے اور مراد اشیاء خوردونوش دونوں ہیں' چنانچہ اس میں تغلیب ہے' یا یہ **طعم يطعم طعما** ضمہ کے ساتھ' بمعنی ''ذاق'' چکھنا سے موخوذ ہے۔

الفصل الاول:

سامنے سے اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ

۴۱۵۹: **عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ** ۔ (متفق علیه)

ترجمه: حضرت عمر بن ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں چھوٹا بچہ تھا۔ برتن میں میرا ہاتھ گھومتا تھا۔ یعنی بچوں کی عادات کی طرح برتن میں ہر طرف ہاتھ ڈالتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ بسم اللہ کہو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اور اپنے سے متصل جانب سے کھاؤ۔ یہ روایت بخاری و مسلم نے نقل کی۔

تشریح: قوله: **كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ:**

غلام: یہاں صبی (بچہ۔ جو جوان سے کم عمر ہو) کے معنی میں ہے۔

حجر: حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ' بمعنی حضن (پرورش)

تطیش: **طاش السهم** اس وقت بولا جاتا ہے جب تیر ہدف سے ہٹ جائے۔ بعض نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

ی تخف و تتناول فی القصعة من كل جانب۔

''الصحفة'': وہ رکابی جس سے پانچ آدمی سیر ہو جائیں اور ''قصعة'' وہ رکابی جس سے دس آدمی سیر ہو جائیں۔

قولہ: فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

جمہور علماء کی رائے ہے کہ حدیث میں مذکور تینوں اوامر ندب کے لئے ہیں۔

فرماتے ہیں: اس سے ان چند باتوں کا مستحب ہونا معلوم ہوا:

اول: کھانے کی ابتداء میں تسمیہ نیز اونچی آواز سے پڑھنا کہ دوسرا بھی سن لے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تسمیہ جهرًا پر یہ حدیث دلالت نہیں کرتی البتہ کوئی اور دلیل ہوسکتی ہے۔

پانی، دودھ، شہد، شوربہ، دواء اور دیگر تمام مشروبات پیتے وقت تسمیہ کا وہی حکم ہے جو کھانا کھاتے وقت کا ہے۔ ثالث: مناسب یہ ہے کہ کھانا کھانے والے تمام افراد تسمیہ پڑھیں۔ اگر کسی نے ایک ہی تسمیہ پڑھی تو تب بھی اصل سنت پوری ہو جائے گی۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ بات جمہور کے مذہب کے مخالف ہے۔ چونکہ ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ ہر شخص کے لئے مستقل سنت ہے۔

رابع: اپنے سامنے سے کھانا مستحب ہے۔ چونکہ اپنے ساتھ شریک کے سامنے سے کھانا بدتہذیبی کی بات ہے۔ خاص طور پر جب کہ شوربہ وغیرہ ہو۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے سامنے کھانا سنت ہے اگر چہ اکیلا ہی کیوں نہ کھا رہا ہو۔ اس بات کی تصریح شافعیہ اور دوسرے حضرات نے کی ہے۔

خامس: اگر کھجوریں ہوں تو طشت میں ہر جگہ سے کھجور لے سکتا ہے۔ یہ مباح ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ نہی کو عام رکھا جائے اِلّا یہ کہ کوئی دلیل مخصص ہو۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں اس باب کی فصل ثانی کے آخر میں ترمذی کی حدیث عنقریب آرہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"يا عكراش! كل من حيث شئت فإنه من غير لون واحد"

"عکراش! جدھر سے جی چاہے کھاؤ کیونکہ چھوہارے ایک قسم کے نہیں ہیں۔"

شمائل ترمذی میں عمر بن ابی سلمہ کی حدیث میں یہ ہے کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے۔ آنحضور کے پاس اس وقت کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أدن يا بني! فسم الله تعالىٰ! و كل بيمينك! و كل مما يليك"

"بیٹا! قریب ہو جاؤ اللہ کا نام لو (یعنی بسم اللہ کہو) اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔"

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت ہے۔

بسم اللہ والا کھانا شیطان کے لئے حلال نہیں

۴۱۶۰:وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

(رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۵۹۷ الحدیث رقم (۱۰۲۔۲۰۱۷)، وأبو داوٗد فی السنن ۴/۱۳۹ الحدیث رقم ۳۷۶۶، وأحمد فی المسند ۵/۳۸۳۔

ترجمہ:حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو شیطان وہ کھانا اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله**:ان لایذکر :اصل میں ''بأن'' یا ''لأحل ان'' ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں:

''''ان لا یذکر''میں''أن'' مصدریہ ہے۔اس سے پہلے''لام''یا''وقت'' مقدر ہے۔

یعنی جس کھانے پر ابتداء میں یاد آجانے کے بعد یا درمیان میں یا کھانا کھا چکنے کے بعد خدا کا نام نہ لیا جائے' اس کو شیطان اپنے لئے حلال سمجھتا ہے، اور شیطان اس کھانے پر قادر ہو جاتا ہے اور کھانے والے کے ساتھ وہ بھی اس میں سے کھاتا ہے۔

حدیث کا ظاہر تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا عمومی ذکر کافی ہے اگرچہ دِل میں ہی کیوں نہ ہو۔لیکن معتمد یہ ہے کہ تسمیہ زبان سے پڑھا جائے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے چونکہ شیطان حقیقۃً کھاتا ہے۔ یہ بات عقلاً محال ہے اور نہ شریعت ہی نے انکار کیا ہے بلکہ شرعاً یہ بات ثابت ہو رہی ہے لہٰذا اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھانا کھانے والے جب ابتداء میں تسمیہ نہیں پڑھتے تو ترک تسمیہ کی وجہ سے شیطان برکت لے اڑتا ہے' کھانے کی برکت ہی شیطان کا حصہ ہے۔اور استحلال کا مطلب یہ ہے کہ تسمیہ شیطان کو کھانے سے روک دیتی ہے۔ جیسا کہ تحریم مؤمن کو حرام شئے کے استعمال سے روکتی ہے۔استحلال کہتے ہیں''استنزال الشیئ المحرم محل الحلال'' (کسی حرام شئ کو حلال چیز کی جگہ رکھنا)۔یہ اصل میں'' حل العقدة''سے مستعار ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: گویا کہ تسمیہ کا چھوڑنا اللہ کی طرف سے شیطان کو کھانے کی اجازت ہے۔ جب کہ ابتداء میں تسمیہ پڑھنا اس کیلئے کھانے میں رکاوٹ ہے۔اس اعتبار سے یہ''استعارہ تبعیہ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی گھر شیطان کی رہائش گاہ

۴۱۶۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ قَالَ الشَّيْطٰنُ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ١٥٩٨/٣ الحديث رقم (١٠٣-٢٠١٨)' وأبو داوٗد في السنن ١٣٨/٤ الحديث رقم ٣٧٦٥' وابن ماجه في السنن ١٢٧٩/٢ الحديث رقم ٣٨٨٧' وأحمد في المسند ٣٨٣/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو یعنی رہائش گاہ میں تو داخلے کے وقت اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو شیطان اپنے تابعداروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تمہاری جگہ ہے اور نہ کھانا۔ اور جب داخلہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے تو شیطان اپنے پیروکاروں سے کہتا ہے کہ تمہارے لئے رہائش مل گئی۔ اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں کھانا اور جگہ دونوں مل گئے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ الله ...... قَالَ الشَّيْطَانُ لَا مَبِيْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ:**

مبیت: (ظرف کا صیغہ ہے) رات گزارنے کا مسکن۔

"**بيته**" بظاہر یہاں بیت کے عام معنی مراد ہیں۔ شارح کہتے ہیں: **المبيت**: مصدر یا ظرف مکان ہے۔

"**عشاء**": فتحہ اور مد کے ساتھ، شام کے کھانے کو کہتے ہیں جو نماز مغرب سے نماز عشاء کے درمیان کھایا جائے۔ عشاء کے علاوہ دوسرے اوقات کے کھانے کو بھی "**عشاء**" کہتے ہیں۔

اس کلام کا مخاطب کون ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے:

1. یہ خطاب شیطان کی ذریّت اور اس کے چیلوں سے ہے کہ آج رات تمہارے لئے نہ تو رہنے کیلئے جگہ ہے اور نہ کھانا۔ تسمیہ پڑھنے کی وجہ سے تم محروم کر دیئے گئے ہو۔
2. قاضیؒ فرماتے ہیں: یہ خطاب اس کے "اعوان" (چیلوں) سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ آج رات اس گھر میں تمہارا کوئی حصہ نہیں چونکہ اہل خانہ اپنے آپ کو اور اپنے کھانے کو تمہاری دسترس سے محفوظ بنا چکے ہیں۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ جس وقت آدمی غفلت میں ہوتا ہے اور اللہ کی یاد بھلا ڈالتا ہے تو شیطان اس فرصت کے وقت کو غنیمت جانتا ہے۔ اور جب آدمی متیقظ محتاط ہوتا ہے اور ہر وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کا اس پر بس نہیں چلتا کہ وہ کیسے گمراہ کرے تو وہ بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔
3. مظہر اور اشرفؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ خطاب حضرت انسان اور اسکے اہل خانہ ہی سے ہو۔ بطور بدّ دعا کے شیطان کی طرف سے۔ امام طیبیؒ نے فرمایا کہ اگلہ جملہ: "**وإذا دخل بذكر الله** ......" اس بات کی تردید کرتا ہے۔

بظاہر مراد یہ ہے: "**لا مقام لكم**" یعنی تمہارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

"**ما بين العشاء ين**:" **تغليباً** کہا جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مکان میں تمہیں نہ ٹھہرنے کی جگہ میسر آئے گی، نہ کھانے میسر آئے۔

قوله: وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ...... قَالَ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ :

اس کلام کے مخاطبین اس کے مددگار ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ مراد لینے میں کوئی مانع نہیں کہ یہ جملہ اہل خانہ کے

لئے دعائیہ ہو۔ ''مبیت'' اور'' عشاء'' کا ذکر غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ چونکہ یہ عام افعال پر بھی صادق آتا ہے۔ (یہ بات طیبیؒ نے ذکر کی ہے)۔

یا اہل خانہ کیلئے بددعا ہے۔ أی: جعلتم محرومین کما جعلتمونی محروما۔ (تم محروم کردیئے جاؤ جس طرح تم نے مجھے محروم کردیا۔)

کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر بھول جانے کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کھانے کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس بھول کا باعث کھانے کی بھینی بھینی خوشبو ہو۔ ذکر اللہ ہی درحقیقت شیطان کے لئے کھانے سے رکاوٹ بنتا ہے۔

دائیں ہاتھ سے کھاؤ پیو

۴۱۶۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۳/۵۹۸ الحديث رقم (۱۰۵۔۲۰۲۰) وابوداود فی السنن ۱۴۴/۴ الحديث رقم ۳۷۷۶ والترمذی فی ۲۲۷/۴ الحديث رقم ۱۸۰۰ والدارمی فی ۱۳۲/۲ الحديث ۲۰۳۰، وأحمد فی المسند ۳۴۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جب پیو تو دائیں ہاتھ سے پیو۔ یعنی پانی والا برتن دائیں ہاتھ میں پکڑو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: بعض حضرات اس کے ظاہر کی بنیاد پر ان کے وجوب کے قائل ہیں۔

ان حضرات کا پہلا مؤید صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث ہے:

أن النبی ﷺ رأی رجلا یأ کل بشماله فقال له: کل بیمینك، قال: لا أستطیع، قال: لا استطعت، فما رفعها إلی فیه بعدُ، کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا آپؐ نے اس سے فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، تو اس نے کہا اسکی طاقت نہیں رکھتا آپؐ نے فرمایا تجھے اس کی استطاعت نہ ہو۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ مُنہ کی طرف نہ اٹھ سکا۔

ان حضرات کا دوسرا مؤید طبرانی کی یہ روایت ہے:

أن النبی ﷺ رأی سبیعة الاسلمیة تأکل بشمالها فدعا علیها، فأصابها طاعون فماتت۔

جمہور اس روایت کو زجر و سیاست پر محمول کرتے ہیں۔

بائیں ہاتھ سے کھانا شیطانی عمل

۴۱۶۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَاْكُلَنَّ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرِبَنَّ بِهَا فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَاْكُلُ

بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِهَا۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۵۹۸/۳ الحدیث رقم (۱۰۶۔۲۰۲۰)وأبو داؤد فی السنن ۱۴۴/۴ الحدیث رقم ۳۷۷۶' والترمذی فی السنن ۲۲٦/٤ الحدیث رقم ۱۷۹۹ومالك فی الموطأ ۹۲۲/۲ الحدیث رقم ٦ من کتاب صفة النبی ﷺ وأحمد فی المسند ۳۳/۲۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ اور نہ پیو۔ اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اپنے انسانی دوستوں کو اس پر ابھارتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے درمیان مخالفت پیدا کرے۔ یہ بات اللہ کی نعمتوں کے حق اور ادائے شکر میں سے ہے کہ اس چیز کا اکرام کیا جائے، اس کی اہانت نہ کی جائے اور حق کرامت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے لیا دیا جائے، اور اس کے ذریعہ ''نعمت'' اور ''اُذی'' میں فرق ہوتا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پیئے، اس لئے کہ اگر ایسا کیا تو تم بھی شیطان کے اولیاء بن جاؤ گے۔ چونکہ شیطان اپنے انسانی دوستوں کو ان کاموں پر ابھارتا ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا: ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے جو افعال شیاطین کے مشابہ ہوں اور شیطان کے دو ہاتھ ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے جیسا کہ پچھلی حدیث کے ذیل میں بھی گزرا۔

تخریج......امام احمد نے بھی یہ روایت یوں ہی بیان کی ہے۔ اور ابوداؤد۔ البتہ اس حدیث کو نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے، اور ابن ماجہؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ''**لا تاکلوا بالشمال فإن الشیطان یاکل بالشمال**''۔

''بائیں ہاتھ سے نہ کھایا کرو۔ کیونکہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا کام ہے۔''

حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ سے سند حسن کے ساتھ یوں روایت کیا ہے:

''**إذا أکل احدکم فلیاکل بیمینه ولیشرب بیمینه' ولیأخذ بیمینه' ولیعط بیمینه، فإن الشیطان یاکل بشماله ویشرب بشماله ویعطی بشماله ویأخذ بشماله۔**''

''جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے' اور داہنے ہاتھ سے پیئے' اور داہنے ہاتھ سے پکڑے' اور داہنے ہاتھ سے لے' اور داہنے ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے۔''

تین اُنگلیوں سے کھانا اور چاٹنا

۴۱۶۴: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ بِثَلَاثَةِ اَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّمْسَحَهَا۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۰۵ الحدیث رقم (۱۳۱-۲۰۳۲)، وأحمد فی المسند ۳/۴۵۴۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے یعنی انگوٹھے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اور اپنا ہاتھ چاٹ لیتے یعنی کھانے سے فراغت کے بعد چاٹ لیتے اس سے قبل کہ رومال سے صاف کریں۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ بِثَلَاثَةِ اَصَابِعَ:

یہاں تین انگلیوں سے مراد انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور بیچ والی بڑی انگلی ہے۔ اور تین انگلیوں پر اس لئے اکتفاء کرتے تھے کہ یہ زیادہ نافع ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا: تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے۔ بلاضرورت چوتھی اور پانچویں انگلی نہ ملائی جائے۔ اھ۔

ایک انگلی سے کھانے میں لذت محسوس نہیں ہوتی ہے اور سیری حاصل نہیں ہوتی چونکہ بالکل تھوڑی مقدار منہ میں جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کی برکت ایسی ہے کہ گویا کوئی شخص اپنا حق دانہ دانہ کر کے لے رہا ہو۔ نیز یہ متکبرین کی عادت ہے۔

دو انگلیوں سے کھانے میں نا صرف یہ کہ لذت کامل حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ شیاطین کا کام بھی ہے، علاوہ ازیں عدد طاق بھی فوت ہو جاتا ہے۔ ''واللہ وتر یحب الوتر'' اللہ طاق ہے، طاق کو پسند کرتا ہے۔

اور پانچ انگلیوں سے کھانے میں قباحت یہ ہے کہ یہ فعل اصحاب حرص کا ہے، علاوہ ازیں خوراک کی نالی پر کھانے کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ یہ نالی بند ہو جانے کی وجہ سے اچانک موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

ایک مرسل روایت میں آیا ہے: انه ﷺ كان إذا أكل أكل بخمس،

یہ روایت حدیث باب کے متعارض ہے۔ اس تعارض کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں:

1. یہ حدیث مائعات پر محمول ہے۔
2. بیان جواز کیلئے شاذ و نادر پانچوں انگلیاں بھی استعمال فرمائی ہیں۔ چونکہ آنحضور ﷺ کی عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔

قوله: وَيَلْعَقُ يَدَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّمْسَحَهَا:

یلعق: عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

انگلیاں چاٹنے میں ترتیب یہ ہو کہ پہلے وسطی چاٹی جائے، پھر انگوٹھا چاٹا جائے۔

چاٹنے سے پہلے رومال سے صاف کرنا جابر و ظالم لوگوں کی عادت ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا: کھانے کی سنتوں میں سے ایک سنت انگلیوں کا چاٹنا ہے۔ تاکہ کھانے کی برکت بھی برقرار رہے اور صفائی وستھرائی بھی۔

تخریج......اسی طرح احمد اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی احمدؒ مسلم اور اصحاب کتب ثلاثہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

كان إذا أكل طعاما لعق أصابعه الثلاثة۔

ترمذی میں حضرت کعب بن مالک سے مروی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

كان رسول الله ﷺ يأكل بأصابعه الثلاثة ويلعقهن۔

طبرانی نے یہ حدیث عامر بن ربیعہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: **كان يأكل بثلاث أصابع ويستعين بالرابعة۔**

''حضور ﷺ کی عادت شریف تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور چوتھی سے بھی مدد لیا کرتے تھے۔''

کونسا نوالہ برکت والا

۴۱۶۵ : وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَ صَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیَّةِ الْبَرَكَةُ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۳/۱۶۰۶ الحديث رقم (۱۳۳-۲۰۳۳)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رکابی اور انگلیوں کے چاٹنے کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کونسا نوالہ برکت والا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: وعن جابر انَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَ صَابِعِ وَالصَّحْفَةِ:**

''عن جابر ان'': ایک نسخہ میں ''قال: إن'' ہے۔

أمر بلعق الاصابع و الصحفة: یہاں واؤ مطلق جمع کیلئے ہے (نا کہ ترتیب کے لئے۔ چونکہ رکابی پہلے چاٹی جاتی ہے اور انگلیاں بعد میں)

قوله: وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیَّةِ الْبَرَكَةُ :

اية : تاء تانیث کے ساتھ ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے۔ **أی فی ای اصبع أو لقمة من الطعام**۔ یعنی کس انگلی میں یا کس لقمہ میں۔

البركة: تقدیری عبارت ''حاصلة'' یا ''تكون البركة'' ہے۔ امام طیبیؒ نے فرمایا: مضاف الیہ محذوف ہے ای أية أكلة او طعمة (انتهى) اور ایک نسخہ میں ''ايه'' ہائے ضمیر کے ساتھ ہے۔ **ای فی ای طعام۔**

یعنی برکت اس کھانے میں ہے جو اس نے کھایا یا اس کھانے میں جو اس نے اپنی انگلیوں سے چاٹا ہے۔ اس مفہوم کی تائید

اگلی روایت سے ہوتی ہے فرمایا: **فإنه لا یدری فی ای طعامه تکون البرکة۔**

''کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جزء میں خاص برکت ہے۔''

ہاتھ چاٹ لو یا چٹوا دو

۴۱۶۶ :وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُ کُمْ فَلَا یَمْسَحْ یَدَہٗ حَتّٰی یَلْعَقَهَا اَوْ یُلْعِقَهَا۔

(متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۵۷۷ الحدیث رقم ۵۴۵۶' ومسلم فی ۳/۱۶۰۵ الحدیث رقم (۱۲۹۔۲۰۳۱) وأبو داوٗد فی السنن ۴/۱۸۵ الحدیث رقم ۳۸۴۷' وابن ماجه فی ۲/۱۰۸۸ الحدیث رقم ۳۲۶۹' والدارمی فی ۲/۱۳۱ الحدیث رقم ۲۰۲۶'وأحمد فی المسند ۱/۲۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ اس وقت تک اپنا ہاتھ کسی چیز سے صاف نہ کرے جب تک وہ خود ہاتھ نہ چاٹ لے یا چٹوا دے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: حتی یلعقها: یاء اور عین کے فتحہ کے ساتھ بمعنی **یلحس** : چاٹنا۔

أو یلعقها: یاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ۔

حاصل یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو وہ ہاتھ کو اس وقت تک کسی چیز سے نہ پونچھے اور نہ دھوئے جب تک کہ ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ نہ لے یا کسی اور کو چٹا نہ دے جو گھن محسوس نہ کرے۔ مثلاً بیوی، بیٹی، بیٹا، خادم وغیرہ چونکہ وہ اس چاٹنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور یہی حکم شاگرد اور تبرک کا اعتقاد رکھنے والے شخص کا ہے۔ (ذکرہ النوویؒ)

تخریج ......اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مزید روایت کئے ہیں: **فإنه لا یدری فی أی طعامه البرکة۔**

گرے ہوئے لقمہ کو صاف کر کے کھا لو

۴۱۶۷ :وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَأْنِهٖ حَتّٰی یَحْضُرَہٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِکُمُ اللُّقْمَةُ فَلْیُمِطْ مِنْ کَانَ بِهَا مَا اَذًی ثُمَّ لِیَاْکُلْهَا وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْیَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ فِیْ اَیِّ طَعَامِهٖ تَکُوْنُ الْبَرَکَةُ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۰۷ الحدیث رقم (۱۳۵۔۲۰۳۳)۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس حاضر ہوتا ہے اس کے تمام کاموں کے موقعہ پر یہاں تک کہ وہ اس کے کھانے میں حاضر ہوتا

ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو جو مٹی وغیرہ لگی ہے اسے دور کردے اور کھا لے شیطان کے لئے نہ چھوڑے جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیاں چاٹ لے۔ وہ یقینی طور نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح قوله: **يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ:**

"من شأنه": شئ کی صفت ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: **عند کل شئ من فعل ذلك الأحد**۔ امام طیبیؒ نے عبارت کی تقدیر یہ ذکر کی ہے: **شئ كائن من شأن الشيطان حضوره عنده**۔

قوله: **فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ...... وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ:**

فليمطه: یاء کے ضمہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔

ليا كلها لام کے کسرہ اور سکون کے ساتھ۔

حاصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی نوالہ گر جائے تو چاہئے کہ اس کو اٹھا لے اور جو چیز اس کو لگ گئی ہو اس کو صاف کر کے کھا لے، اگر کسی نجس پر گرے تو اس کی دھوئے اگر ممکن ہو، ورنہ کسی بلی یا کتے وغیرہ کو کھلا دے۔

و لا يدعها: دال کے فتحہ کے ساتھ،

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لقمہ کا چھوڑنا شیطان کیلئے ہے چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ضیاع ہے اور بلا وجہ تحقیر بھی ہے۔ مزید یہ کہ یہ متکبرین کی عادت ہے، اور گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر نہ کھانا عام طور پر تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہ واقعی شیطانی عمل ہے۔

قوله: **فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ:**

تكون: مؤنث کے صیغے کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں مذکر کا صیغہ ہے۔ **کان تامّہ** ہے بمعنی **تحصل و توجد**
یعنی یہ نہیں معلوم کہ اس کے کھانے کے کس حصہ میں ایسی برکت ہے جس کے نتیجے میں قناعت پیدا ہوتی ہے، اور طاعت میں مدد ملتی ہے۔

تخريج...... اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، طبرانی نے کبیر میں زید بن ثابت سے، اور اوسط میں حضرت انس سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اذا أكل أحدكم طعاما فليعلق أصابعه 'فإنه لا يدرى فى أى طعام تكون البركة۔

"جب تم میں سے کوئی کھانے سے فارغ ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے۔"

کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جزء میں خاص برکت ہے۔

اور امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت جابرؓ سے سند حسن کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

" **إذا أكل احدكم طعاما فسقطت لقمته فليمط ما رابه منها' ثم ليطعمها و لا يدعها للشيطان** "

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھاتا ہو اور لقمہ گر پڑے تو جو شک پیدا ہوا سے دور کردے اور (اٹھا کر) کھا لے اسے شیطان

کے واسطے نہ چھوڑے۔''

تکیہ لگا کرمت کھاؤ

۴۱۶۸:وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/ ۵٤٠ الحديث رقم ۵۳۹۹' وأبو داؤد فی السنن ٤/ ١٤٠ الحديث رقم ۳۷۶۹'

وابن ماجه فی ۲/ ١٠٨٦ الحديث رقم ۳۲۶۲' والدارمی فی ۲/ ١٤٥ ـ الحديث رقم ۲۰۷۱

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عام لوگوں کے گمان کے مطابق ''متکئ'' وہ شخص ہے جو اپنے کسی ایک پہلو پر سہارا لے کر جھکا ہوا ہے۔ حدیث کے معنیٰ وہ نہیں ہیں جو علماء نے بیان کئے ہیں۔ چونکہ یہاں ''متکی'' سے مراد وہ شخص ہے جو گدے وغیرہ کا سہارہ لئے بیٹھا ہے۔ ہر وہ شخص جو بچھونا پر سیدھا ہو کر بیٹھے وہ متکئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں جب کھانے کے لئے بیٹھتا ہوں تو گدے وغیرہ پر سہارا لے کر نہیں بیٹھتا کسی پیٹو شخص کی طرح بلکہ میں تو بقدر کفایت تھوڑا سا کھانا کھاتا ہوں۔ چنانچہ میں اس انداز سے بیٹھتا ہوں جیسے اٹھنے کیلئے تیار ہوں''۔ (انتہی) اکثر حضرات نے ''متکی'' کی تعریف یہ کی ہے کہ آدمی کسی ایک جانب جھک کر کھائے۔ ایسے کھانے سے نقصان ہوتا ہے چونکہ ایسا کرنے سے خوراک کی نالی کے طبعی عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور خوراک کو تیزی کے ساتھ معدہ میں پہنچنے سے روکتا ہے، اور معدہ بھنچ جاتا ہے: فم معدہ (معدے کا مُنہ) خوراک حاصل کرنے کیلئے کما حقہٗ نہیں کھل پاتا۔

شفاء میں محققین کے حوالہ سے منقول ہے کہ ان حضرات نے تمکن برائے طعام اور قعود فی الجلوس کی تفسیریوں کی ہے جیسا کہ کوئی شخص گدے پر چوکڑی مار کر بیٹھا ہوا ہو۔ یہ ہیئت بسیار خوری کی متدعی ہے اور بڑھاپے کو دعوت دیتی ہے۔ سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے کہ: انه ﷺ زجران يعتمد الرجل بيده اليسرى عند الأكل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بائیں ہاتھ سے ٹیک لگا کر کھانے والے شخص کو زجر و تنبیہ فرمائی تھی۔

ابن ابی شیبہؒ امام نخعی سے نقل کرتے ہیں: انهم كانوا يكرهون أن ياكلوا متكئين مخافة أن تعظم بطونهم۔

ابن قیم لکھتے ہیں نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے: انه كان يجلس لأكل متوكأعلى ركبته ويضع بطن قدمه اليسرى تواضعا لله عزوجل وأدبا بين يديه۔ اور فرمایا: کھانا کھانے کی تمام ہیئتوں میں سے یہ ہیئت انفع و افضل ہے، چونکہ تمام اعضاء اپنی اس وضع طبیعی پر ہوتے ہیں کہ جس پر خالق کائنات نے ان کی تخلیق فرمائی ہے۔

تخریج ......ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: أما أنا فلا أكل متكئا۔ الجامع الصغیر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: لا اكل وأنا متكئ۔ اسے احمد، بخاری، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے

۴۱۶۹: وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِيْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۲۳ الحدیث رقم (۱۷۰-۲۰۵۳)' والترمذی فی السنن ٤/۲۳۰ الحدیث رقم ۱۸۰۷' وأحمد فی المسند ۵/۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی پر کھایا اور نہ طشتری میں کھایا نہ آپ نے میدے کی روٹی کھائی حضرت قتادہ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز پر کھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ آپ دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: مَا اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى خِوَانٍ وَلَا فِيْ سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّق:

خوان: خاء معجمہ کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنی مائدة۔ دستر خوان۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''خوان'' اس کو کہتے ہیں جس پر کھانا کھایا جاتا ہے' یہ لفظ ''معرب'' ہے ''خوان'' پر کھانا کھانا اہل عیش وعشرت اور ظالم وجابر لوگوں کا شیوہ رہا ہے وہ ''خوان'' پر کھانا اس لئے کھاتے تھے تا کہ کھانے کے دوران جھکنے کی ضرورت نہ پڑے۔

سکرجة: سین کے اور قاف کے ضمہ، راء مشدّدہ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ،

صاحب النہایۃ لکھتے ہیں: السکرجة: هی اناء صغیر فارسیة۔

بعض نے کہا ہے کہ ''سکرجہ'' چھوٹی رکابی کو کہتے ہیں یہ از راہ تکبّر کھانے کیلئے استعمال ہوتی ہے نیز علامت بخل ہے۔

تورپشتی اس لفظ کا ضبط حرکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رواۃ سے سین، کاف اور راء پر ضمہ مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ راء کے فتحہ کے ساتھ درست ہے۔ یہی بات زیادہ اشبہ ہے۔ چونکہ یہ فارسی لفظ ہے اس میں تعریب کی گئی۔ فارسی میں اس کے راء پر فتحہ پڑھا جاتا ہے۔ عجمی اس لفظ کا استعمال ''کوامخ'' اور اس کے مشابہ جوارشات یعنی مخلات پر کرتے ہیں۔ (یعنی چٹنی، اچار اور مربہ جات وغیرہ) جو کھانے کو اشتہاء انگیز اور ہاضم بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام نے اس انداز سے کبھی بھی کھانا نہیں کھایا۔

''مرقق'': ای ملین محسن کخبز الحواری وشبهه (ذکرہ سیوطیؒ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد چپاتی ہو۔ جیسا کہ خراسان اور عراق وغیرہ میں ہوتی ہے۔

قوله: قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ؟ قَالَ: عَلَى السُّفَرِ:

ترمذی کی روایتوں میں ہے: قال یونس: فقلت لقتادة: فعلیٰ ما کانوا یأکلون۔ میرک شاہ فرماتے ہیں: شمائل ترمذی کے نسخوں میں میم کے فتحہ کے اشباع کے ساتھ ہے۔ نیز بخاری کے رواۃ کے بعض نسخوں میں بھی الفاظ یوں ہی ہیں۔ ان

کے اکثر نسخوں میں ''فعلام'' میم مفردہ کے ساتھ ہے۔اھ۔یہ بات معروف ہے کہ حرف جر جب ''ما استفہامیہ'' پر داخل ہوتے ہیں تو الف کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ الف حذف نہ کیا جائے۔جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس مصرع میں ہے:

ع علی ما قال یشتمنی لئیم

مزید یہ کے حرف جار جب '' ما استفہامیہ'' پر داخل ہوتا ہے (باوجود یہ کہ الف قراءۃً حذف ہوجاتا ہے مگر) شدت اتصال کی وجہ سے الف لکھا جاتا ہے۔حروف کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے جیسے حتام علام۔چنانچہ حدیث میں ''علام'' کا مطلب ہے:علی أیّ شیٔ کانوا یاکلون

'' یَاکُلُوْنَ'' :ایک نسخہ میں حاضر کا صیغہ ہے۔یہ روایت اور درایت ہر دو کے خلاف ہے۔نیز اس کی تردید ''ما کانوا یأکلون'' کے الفاظ کی روایت سے ہوتی ہے۔

السفر :سین کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ'' سفرۃ'' کی جمع ہے۔

النہایۃ میں'' السفرۃ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ''سفرہ'' اس توشہ کو کہا جاتا ہے جو مسافر کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر چمڑہ کے گول تھیلے میں رکھا جاتا ہے۔چنانچہ پھر اس چرمی تھیلہ کو کھانے کا نام دے دیا گیا۔جیسا کہ ''مزادۃ'' کو ''راویہ'' کہا جاتا ہے۔اسی طرح اور بھی اسمائے منقولہ میں ہوا ہے۔اھ۔بعد میں یہ لفظ ہر دستر خوان کے لئے بولا جانے لگا خواہ وہ چمڑے کا ہو یا کسی اور چیز کا۔سوائے مائدہ کے،جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ یہ عمومی طور پر متکبرین کا شیوہ ہے۔چنانچہ ''سفرہ'' پر کھانا کھانا سنت ہے اور''خوان'' پر کھانا جائز ہے' البتہ بدعت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے تھے اور آپؐ کے آثار طریقت کی اقتداء کرتے تھے،وہ بھی دستر خوان پر کھاتے تھے۔

آپ ﷺ نے چپاتی نہیں کھائی

۴۱۷۰ :وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی رَغِیْفًا مُرَقَّقًا حَتّٰی لَحِقَ بِاللّٰہِ وَلَارَاٰی شَاۃً سَمِیْطًا بِعَیْنِہٖ قَطُّ۔ (رواہ البخاری)

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۵۳۰/۹ الحدیث رقم ۵۳۸۵' وابن ماجہ فی السنن ۱۱۰۰/۲ الحدیث رقم ۳۳۰۹' وأحمد فی المسند ۱۲۸/۳۔

ترجمہ:حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے پتلی روٹی یعنی چپاتی دیکھی بھی ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور نہ ہی آپ نے دم سے پکی ہوئی بکری کبھی دیکھی۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح:قولہ:وَلَارَاٰی شَاۃً سَمِیْطًا بِعَیْنِہٖ قَطُّ :

سمیط :گرم پانی سے بال صاف کر کے بھونی ہوئی بکری۔

چونکہ اس میں ایک قسم کا تنعّم ہے۔اس وجہ سے نبی کریم ﷺ تکرّما اعراض فرماتے تھے۔

بعينه قط : نفی رؤیت کی تاکید ہے۔اور مجازی معنیٰ کے احتمال کو دور کرنے کے لئے ہے۔اور لفظ ''قط'' میں اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دم پخت بکری مطلقاً نہیں دیکھی، نہ اپنے گھر میں دیکھی، نہ کسی اور کے گھر میں دیکھی۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے اگرچہ علم کی نفی کی ہے مگر درحقیقت یہ نفی معلوم کی ہے۔جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے: ﴿**قل أفتنبّؤن الله بما لا يعلم**﴾[یونس:۱۸]

ترجمہ:''آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا کو اپنی چیز کی خبر دیتے ہو جو خود خدا کو معلوم نہیں۔''

یہ ''**باب نفی الشئ بنفی لازمه**'' کے قبیل سے ہے۔اور یہ بات حضرت انس کے بارے میں بالکل صحیح طور ثابت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں آپؐ سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ نے بے چھنا آٹا استعمال فرمایا

۴۱۷۱:وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّقِيَّ مِنْ حِيْنَ انْبَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مَا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُنْخُلاً مِنْ حِيْنَ اَبْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ قِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَاكُلُوْنَ الشَّعِيْرَ غَيْرَ مَنْخُوْلٍ قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهٗ نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مَاطَارَوَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَا فَاَكَلْنَاهُ۔(رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۴۹/۹ الحدیث رقم ۵۴۱۳، وابن ماجه فی ۱۱۰۷/۲ الحدیث رقم ۳۳۳۵، وأحمد فی المسند ۳۳۲/۵۔

ترجمہ:حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا وفات تک آپ نے میدے کو نہیں دیکھا اور سہل کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وفات تک چھلنی نہیں دیکھی۔سہل سے پوچھا گیا پھر تم کس طرح کھاتے تھے یعنی بے چھنے آٹے کی روٹی کس طرح کھاتے تھے تو وہ کہنے لگے پینے کے بعد ہم اس میں پھونک مارتے۔چنانچہ جو بھوسی پھونک سے اُڑ جاتی' سو اُڑ جاتی اور جو باقی رہتی تو اس کو اس آٹے میں گوندھ کر اسی کی روٹی پکا کر کھاتے۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح:**قوله:قَالَ مَارَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّقِيَّ مِنْ حِيْنَ انْبَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ** :

النقي: (نون کے فتحہ، قاف کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) وہ روٹی جس میں چھان نہ ہو۔بعض نے کہا ہے اس سے مراد ''جواری'' ہے (حاء کے ضم، واؤ کی تشدید اور راء کے فتحہ کے ساتھ) **وهو ما نقی دقیقه من النخالة وما یعیبه**، یعنی چھنا ہوا آٹا۔اور بعض کا کہنا ہے کہ جس کو کئی بار چھانا گیا ہوحتی کہ بالکل صاف اور سفید نکل آئے، اس کو فارسی میں ''تندہ'' کہتے ہیں۔بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کھانا تو دور کی بات ہے آنحضور ﷺ نے تو میدہ کی روٹی دیکھی تک نہیں۔مبالغہ صاف واضح ہے۔

''**منخل**'': میم کے اور نون کے ضمہ نیز نون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی چھلنی

''**من حین ابتعثه الله**'': حین نون کے فتحہ کے ساتھ (یعنی مبنی علی الفتح ہے) ایک نسخہ میں مجرور ومنوّن ہے۔

بمعنی زمانہ۔عسقلانی فرماتے ہیں: حضرت سعدؓ کا یہ فرمانا من حین ابتعثه الله سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ وہ بعثت سے پہلے زمانہ کا استثناء کر رہے ہیں۔ چونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بغرض تجارت ایام فترت میں دو مرتبہ شام جانا ہوا اور بصرہ بھی جانا ہوا۔ بحیراء راہب کی ضیافت میں شرکت کی تھی۔اس وقت شام روم کے ساتھ تھا اور ان کے ہاں سفید آٹے کی روٹی کا استعمال بکثرت تھا۔ ظہور نبوت کے بعد بلاشبہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ساری زندگی طائف، مکہ اور مدینہ میں ہی گزری۔ اور یہ بات بالکل مشہور ہے کہ دنیاوی زندگی تنگی میں ہی گزری۔ اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز زندگی بھی یہی تھا بعض کا اضطراری اور بعض کا اختیاری۔

قوله: قِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَأْكُلُوْنَ الشَّعِيْرَ ...... فَيَطِيْرُ مَاطَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَا فَاَكَلْنَاهُ:

غیر منخول: حال ہے۔

نطحنه: (حاء کے فتحہ کے ساتھ،" طحن" منع کی طرح ہے) پیس کر آٹا بنانا۔

ننفخه: فاء کے ضمہ کے ساتھ،

ثريناه: راء کی تشدید کے ساتھ۔عجناہ وخبزناہ (یعنی آٹے کو گوندھ کر روٹی پکا لیتے تھے) اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے: بللنا صبا لماء' ثرى التراب تثرية سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے رش علیہ۔

مطلب یہ ہے کہ ہم ہاتھوں سے پھونک مار کر ہوا میں اڑا دیتے تھے جتنی بھوسی نکلتی نکل جاتی جو رہ جاتی سو رہ جاتی، اس آٹے کو ہم پانی سے گوندھ لیتے اور پھر اس کی روٹی پکا کر کھا لیتے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کھانے پینے کے معاملہ میں اہتمام و تکلّف نہیں برتتے تھے۔ چونکہ اتنا اہتمام بے وقوف، غافل اور مسخرے کرتے ہیں۔

تخریج...... اسے نسائیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔شمائل ترمذی میں سہل بن سعد کی روایت یوں ہے:

أنه قيل له: أكل رسول الله ﷺ النقي يعني الحوارى؟ فقال سهل: ما رأى رسول الله ﷺ النقي حتى لقى الله عزوجل فقيل له: هل كانت لكم مناخل على عهد رسول الله ﷺ؟ قال: ما كانت لنا مناخل۔ فقيل: كيف كنتم تصنعون بالشعير؟ قال: كنا ننفخه فيطير منه ما طار ثم نعجنه۔

کھانے میں عیب نہ نکالنا

۴۱۷۲: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۵۴۷/۹ الحديث رقم ۵۴۰۹' ومسلم فى ۱۶۳۲/۳الحديث رقم (۱۸۷۔۲۰۶۴) وأبوداوٗد فى السنن ۱۳۷/۴ الحديث رقم ۳۷۶۳' والترمذى فى ۳۳۱/۴ الحديث رقم ۲۰۳۱' وابن ماجه فى ۱۰۸۵/۲ الحديث رقم۳۲۵۹' وأحمد فى المسند ۴۲۷/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا۔ اگر رغبت ہوتی تو

کھا لیتے اور پسند نہ ہوتا تو آپ چھوڑ دیتے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کھانے میں عیب نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس میں نمک زیادہ ہے، اس میں نمک کم ہے، کھٹا ہے، پتلا ہے، گاڑھا ہے کچا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا ''گوہ'' کے بارے میں یہ فرمانا: **لم یکن بأرض قومی فأجدنی أعافه**۔ یہ درحقیقت اپنی ناپسندیدگی کی وجہ کا بیان ہے نا کہ عیب نکالنا۔

مؤمن ایک اور کافر سات انتڑیوں سے کھاتا ہے

۴۱۷۳: وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلاً كَانَ يَاْكُلُ اَكْلاً كَثِيْرًا فَاَسْلَمَ وَكَانَ يَاْكُلُ قَلِيْلاً فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَاِنَّ الْكَافِرَ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹/۲۳٦ الحديث رقم ۵۳۹٦' وأخرجه ابن ماجه في ۲/۱۰۸٤ الحديث رقم ۳۲۵٦' والدارمي في ۲/۳٦۱ الحديث رقم ۲۰٤۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بہت کھانا کھاتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو کم کھانے لگا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں یہ بات ذکر کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن ایک انتڑی اور کافر سات انتڑیوں سے کھاتا ہے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: اَنَّ رَجُلاً كَانَ يَاْكُلُ اَكْلاً كَثِيْرًا فَاَسْلَمَ وَكَانَ يَاْكُلُ قَلِيْلا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ:

فاسلم و كان'': اصول معتمدہ میں واؤ کے ساتھ ہے قیاس کا مقتضا یہ تھا کہ فاء کے ساتھ ''فكان بعد ماأسلم'' ہوتا۔ ساتھ: ''یأکل قلیلا قیلا'': مفعول بہ محذوف کی صفت ہے۔ ای شیئا قلیلا' یا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔

یعنی ایک کافر شخص تھا' جو عام لوگوں کی عادت کے مطابق پہلے تو بہت زیادہ کھایا کرتا تھا' مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا' چنانچہ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے تقلیل طعام کا ذکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:

''پہلے تو بہت زیادہ کھایا کرتا تھا' مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا'' اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کے کئی مطالب بیان کئے ہیں:

اول: پہلے کے مقابلہ میں کم کھاتے تھے۔

دوئم: کم وقت کھاتے تھے۔ (مثلاً پہلے تین وقت کھاتے تھے پھر دو وقت کر دیا)۔

سوئم: قلیل عرفی مراد ہے یعنی پہلے تو اکثر لوگوں کی عادت کے مطابق زیادہ کھاتے تھے' اور پھر کم کر دیا جیسا کہ عام مؤمنین کا طریقہ ہے کہ کھانے میں اعتدال سے کام لیتے ہیں۔

قوله: قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرَ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

معی: (میم کے کسرہ کے ساتھ) منوّن ہے۔ رسم الخط میں یاء کے ساتھ ہے۔ صاحب قاموس فرماتے ہیں: **معی**: میم کے فتحہ کے ساتھ، نیز کسرہ کے ساتھ جیسا کہ ''الی'' پیٹ کی آنتیں۔ مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع ''امعاء'' ہے۔

الکافر: منصوب ہے، مرفوع پڑھنا بھی درست ہے۔

عرضِ مرتب:

مرتب عرض کرتا ہے کہ ہمارے نسخہ میں ''الکافر'' سے پہلے ان حرف مشبہ بالفعل موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے مرفوع پڑھنا درست نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ ایسا نہیں کہ کافر کی آنتیں مسلمان سے زیادہ ہوں۔ لہٰذا حدیث میں تأویل کی ضرورت ہے۔ اس میں علماء نے مختلف تاویلات ذکر کی ہیں:

اول: قاضیؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو چونکہ کھانے پینے کی حرص اور ندیدہ پن کم ہوتا ہے، نیز اس کے کھانے پینے میں برکت ہوتی ہے' چنانچہ وہ تھوڑی چیز سے بھی سیر ہو جاتا ہے۔ کافر چونکہ کھانے میں نہایت حریص اور انتہائی ندیدہ ہوتا ہے' اس کا مطمع نظر صرف اور صرف جانوروں کی طرح کھانا پینا ہوتا ہے۔ ان دونوں کی حرص کے تفاوت کو ''معی واحد'' اور ''سبعة امعاء'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عمومی صورتحال یہی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس میں متعدد احتمالات ہیں:

اول: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان فرد متعین کے بارے میں ہے۔ لہٰذا یہ بطور تمثیل کے ہے اور ''المؤمن'' کا ال عہد کا ہے۔

دوئم: مؤمن چونکہ کھانا شروع کرتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اس لئے اس کے ساتھ شیطان شریک نہیں ہو پاتا ہے۔ اور کافر چونکہ بسم اللہ نہیں پڑھتا اس لئے شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

سوئم: مؤمن اعتدال کے ساتھ کھاتا ہے' لہٰذا بعض آنتوں کے بھر جانے سے وہ مکمل سیر ہو جاتا ہے۔ اور کافر چونکہ کھانے کا شدید حریص ہوتا ہے تو جب تک ہر آنت پُر نہیں ہو جاتی وہ سیر بھی نہیں ہوتا۔

چہارم: ایسا فرمانا بعض مؤمنوں اور بعض کافروں کے بارے میں ہے۔ (ہر مؤمن اور ہر کافر ایسا نہیں ہوتا۔)

پنجم: سبعة امعاء سے مراد یہ سات خصائل ہیں:

حرص' ندیدہ پن و ہوس' لمبی لمبی امیدیں' طمع' سوءِ طبع' حسد' موٹاپا۔

تاویل ششم: مؤمن سے مراد مؤمن کامل ہے جو خواہشات نفس کو پامال کرتے ہوئے بقدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہے۔

ہفتم: حدیث میں ذکر کردہ یہ حالتیں بعض مؤمن اور اکثر کفار کی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ کافر کی ساتوں آنتیں مسلمان کی آنت کے مثل ہوں۔ یہی مختار ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس توجیہہ کا مختار ہونا اہل نظر کے ہاں محل نظر ہے۔

امام سیوطیؒ نے یہ توجیہہ اختیار کی ہے کہ مؤمن کے تسمیہ پڑھنے کی وجہ سے کھانے میں برکت ہوتی ہے مؤمن اور کافر کے درمیان وہ نسبت قائم ہو جاتی ہے جو ایک آنت اور سات آنتوں میں کھانے والے شخص میں ہے۔

یہ معنی اس وقت متحقق ہو سکتے ہیں جب کہ یہ بات ایک ہی شخص کے بارے میں فرض کی جائے۔ یا باعتبار وضع کے چند باہم

متماثل افراد کے بارے میں کہی جائے۔ چنانچہ کھانے کے بارے میں ایک ہی شخص کا معاملہ یہی ہوسکتا ہے جب کہ وہ حالت کفر میں ہو، بخلاف جب وہ مؤمن ہو؛اسی طرح چند اشخاص کے بارے میں۔ وگرنہ تو مسلمانوں میں بھی ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو کافر کے مقابلے میں کھانے کی زیادہ اشتہاء رکھتے ہوں۔ اس کی تائید خود اس حدیث سے ہوتی ہے۔ نیز ضیف کافر والی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے

اس جملہ کے معنی کی تعیین میں علماء کے مزید اقوال ملاحظہ فرمائیے:

اول: کافر، مؤمن کے کھانے کے سات مثل کھاتا ہے، یعنی کافر کی شہوت، مومن کی شہوت کے کئی مثل ہوتی ہے، چنانچہ ''امعاء'' کنایہ ہے شہوات ہے۔

ثانی: مؤمن صرف ایک جہت یعنی حلال مال سے کھاتا ہے اور کافر مندرجہ ذیل سات جہات سے کھاتا ہے:

الف: غارت گری۔ ب: غصب۔ ج: چوری۔ د: بیع فاسد۔ ھ۔ سود۔ و: خیانت۔ ز: حلال۔

ثالث: ''سبعة امعاء'' سے مراد کثرت اُکل اور ''معی واحد'' سے قلت اکل مراد ہے۔ یعنی مؤمن کی فطرت میں کم کھانا اور کافر کی فطرت میں بسیار خوری ہے۔ یعنی سبعہ سے مراد تکثیر ہے۔

رابع: نبی کریم ﷺ نے درحقیقت مؤمن کی دنیا سے بے رغبتی اور کافر کی حرص کو مثال سے واضح کیا ہے۔ مؤمن بقدر کفات وسدرمق کھاتا ہے تو اسے تھوڑا بھی سیر کر دیتا ہے، اور کافر شہوت وحرص سے کھاتا ہے اسے بہت زیادہ بھی کفایت نہیں کرتا۔ امام طیبیؒ نے اسی قول کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

جامع ترین بات یہ ہے کہ کامل الایمان مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی، اور قلت غذا کا حریص ہو اور بقدر کفاف پر قناعت کرے، کافر کی طرح نہ کرے، اگر کوئی کافر اور مؤمن ان صفات کے برعکس ملے تو اس سے حدیث پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

جیسا کہ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ٘ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾[النور:۳] ''زنا کرنے والا نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی کو یا بُت پرست کو اور زنا کرنے والی نہیں نکاح کرتا اس کو مگر زنا کرنے والا یا بت پرست''۔

امام نوویؒ کی شرح مسلم میں یہ بات مذکور ہے کہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ (مؤمن) دنیا میں کم سے کم لگے، زہد وقناعت اختیار کرے۔ کم کھانا آدمیوں کیلئے محاسن اخلاق میں سے ہے اور زیادہ کھانا اس کے بالکل برعکس ہے۔

حضرت عمر کے پاس ایک مسکین آیا، کھانے کے وقت اس نے بہت زیادہ کھایا تو آپ نے فرمایا: **لا یدخل هذا علیّ۔** ''یہ شخص میرے پاس دوبارہ مت آئے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ہے: **ان المؤمن یأکل......**'' جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔ حضرت عمر نے یہ جملہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص کفار سے مشابہت رکھتا تھا اور جو شخص کفار سے مشابہت رکھتا ہو اس سے بلا ضرورت وحاجت میل جول مکروہ ہے۔

امام طیبیؒ ''**فی سبعة امعاء**'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''اکل'' کو بواسطہ ''فی'' کے متعدی کیا گیا ہے، چنانچہ اس

کے معنی ہیں:أوقع الأكل فيها۔اور انتڑیوں کو ماکولات کیلئے بطور محل ذکر کیا ہے کہ ساری انتڑیاں بھر جانے کی طرف اشارہ ہو۔یہاں تک کہ سانس لینے کی بھی گنجائش نہ رہے۔جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس قول میں ہے:﴿انما یاکلون فی بطونهم نارا﴾[النساء:۱۰] ای ملء بطونهم۔اور"سبعة" کا ذکر برائے مبالغہ وتکثیر ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿والبحر یمده من بعده سبعة بحرف﴾[لقمن:۲۷]

یعنی مسلمان کے پیٹ کا ایک تہائی حصہ اپنے کھانے کیلئے،ایک تہائی حصہ پانی کیلئے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کیلئے ہے۔کفار کے مشابہ فرقہ قلندریہ کا مذہب ہے کہ ہم پیٹ بھر کر کھائیں گے،پانی اپنی جگہ خود بنا لے گا اور رہا سانس،تو اس کی مرضی آئے یا نہ آئے۔اللہ جل شانہ نے اسی قسم کے لوگوں کی تردید میں فرمایا:

﴿وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[الاعراف:۳۱]

تخریج:اسی طرح اس حدیث کو احمد،ترمذی اور نسائی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔احمد اور مسلم نے حضرت جابر سے،احمد،شیخین اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ،اور مسلم اور ابن ماجہ نے ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے۔

۴۱۷۴و ۴۱۷۵:وَرَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۳۲/۳ الحدیث رقم (۱۸۴۔۲۰۶۱) والترمذی فی السنن ۲۳۴/۴ الحدیث رقم ۱۸۱۸۔ اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۳۲/۳الحدیث رقم (۱۸۵۔۲۰۶۲)وابن ماجه فی السنن ۱۰۸۴/۲ الحدیث رقم ۳۲۵۸۔

ترجمه:اور مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فقط آپ کا ارشاد"ان المؤمن......" روایت کی۔

تشریح:قوله:روٰی مسلم عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ۔

"المسند":میں"ال"موصولہ ہے۔

"منه":کی ضمیر ان صاحب کی طرف لوٹ رہی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس حدیث "ان المؤمن یأکل" کو مرسلا بیان کیا ہے۔

فقط:میں طاء ساکن ہے یہ بمعنی فحسب ہے(فقط،کافی)۔أی دون القصة السابقة۔

۴۱۷۶:وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهٗ ضَیْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَهٗ ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَهٗ حَتّٰی شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِیَاهٍ ثُمَّ اِنَّهٗ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ بِاُخْرٰی فَلَمْ یَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ یَشْرَبُ فِیْ مِعًی وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ یَشْرَبُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۳۲/۳ الحدیث رقم (۱۸۶۔۲۰۶۳)' والترمذی فی السنن ۲۳۵/۴الحدیث رقم

۱۸۱۹۔

ترجمہ: اور مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فقط آپ کا ارشاد "ان المؤمن" الحدیث روایت کی ہے۔ اس میں قصہ مذکور نہیں ہے اور مسلم کی وہ روایت جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مہمان آیا جو کہ کافر تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کو دو ہنے کا حکم فرمایا وہ دوہا گیا پس اس نے پی لیا یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں وہ سب کا دودھ پی گیا۔ پھر صبح ہوئی وہ مسلمان ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کو دو ہنے کا حکم فرمایا۔ وہ دوہی گئی اس نے اس کا دودھ پی لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور بکری کے دو ہنے کا حکم فرمایا۔ تو وہ تمام نہ پی سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ایک انتڑی سے پیتا ہے اور کافر سات انتڑیوں سے پیتا ہے۔

تشریح: قوله: فحلبت فشرب حلابها ثم اخرى فشر به:

"فحلبت": صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ ثم اخرى": یہ مفعول بہ محذوف کی صفت ہے اور فعل بھی محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: ثم حلبت شاۃأخرى "فشربه": ۔ یہاں بھی مضاف محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: "فشرب حلابها"۔

حلاب: حاء کے کسرہ کے ساتھ۔

قوله: انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهٗ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ:

واؤ حالیہ ہے۔ "ھو" کا مرجع "مہمان" ہے۔

قوله: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْ مِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

عرض مرتب: اس جملہ کی تشریح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

احمد اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو یوں ہی روایت کیا ہے۔

دو کا کھانا تین کے لئے کفایت کرنے والا ہے

۴۱۷۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ ثَلَاثَةٍ كَافِي الْاَرْبَعَةِ

(متفق علیه)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۵۳۶/۹، الحديث رقم۵۳۹۲،ومسلم۱۶۳۰/۳الحديث رقم(۱۷۸-۲۰۵۸)، والترمذی فی السنن ۲۳۶/۴ الحديث رقم ۱۸۲۰، والدارمی فی ۱۳۶/۲ الحديث ۲۰۴۴، ومالك فی الموطأ ۹۲۸/۲ الحديث رقم ۲۰ من كتاب صفة النبی ﷺ وأحمد فی المسند ۲۴۴/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کفایت کرنے والا ہے۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: طعام الاثنين كافي الثلاثة: یعنی جو کھانا دو افراد کو سیر کر سکتا ہے اگر وہ قناعت سے کام لیں تو یہ کھانا ان کے ضعف کو دور کر کے اتنی طاقت ضرور پیدا کر دے گا جس سے وہ عبادت کر سکیں۔ ''کافی'' کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تین افراد کو سیر کر دے گا چونکہ شکم سیری مذموم ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: ''أكثركم شبعا في الدنيا اكثركم جوعافي الآخرة۔

شارع کی غرض یہ ہے کہ قناعت اختیار کرنا چاہیے' شکم سیری نہیں کرنا چاہیے۔ ضرورت سے زائد ہو تو کسی محتاج کو دے دیا جائے۔

قوله: وطعام الثلاثة كافي الاربعة: امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: شبع الأقل قوت الاكثر۔

فوائد: ① : مکارم اخلاق اپنائے جائیں۔ ② : قناعت اختیار کی جائی' جو مل جائے اس پر راضی ہو جانا چاہیے۔

تخریج: اس حدیث کو ترمذی اور مالک نے بھی روایت کیا ہے۔

کھانے میں کفایت کا تذکرہ

۴۱۷۸: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْإِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاُثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِيْ الثَّمَانِيَةَ ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۳/ ۱٦۳۰ الحديث رقم (۱۷۹۔۲۰۵۹)' والترمذي في السنن ٤/ ۲۳٦ الحديث رقم ۱۸۲۰' وابن ماجه في السنن ۲/ ۱۰۸٤ الحديث رقم ۳۲۵٤' وأحمد في المسند ۳/ ۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ایک کا کھانا دو کے لئے کفایت کرنے والا اور دو کا چار کے لئے کفایت کرنے والا ہے اور چار کا آٹھ کو کفایت کرنے والا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: يكفي الاثنين: لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ چونکہ (''اثنین'') کے ہمزہ وصلی کے حذف ہو جانے کے بعد اجتماع ساکنین لازم آ رہا ہے۔

شرح السنۃ میں اسحاق بن راہویہ نے جریر سے نقل کیا ہے: شبع الواحد قوت الاثنين، وشبع الاثنين قوت الأربعة۔

عبداللہ بن عروہ فرماتے ہیں اس کی تفسیر وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے ''عام الرفادۃ'' کے موقع پر ارشاد فرمائی:

لقد هممت أن أنزل على أهل كل بيت مثل عددهم ، فان الرجل لايهلك على نصف بطنه۔

میرا ارادہ ہے کہ میں ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کے بقدر آدمی بطور مہمان بھیج دوں' کیونکہ آدمی آدھا پیٹ کھانے سے ہلاک نہیں ہوتا

عرض مرتب: صاحب مظاہر حق حضرت عمر فاروقؓ کے ارشاد کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

مطلب یہ تھا کہ اس قحط کے زمانہ میں بھی کچھ لوگوں کو اسباب معیشت میسر ہیں اور وہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں' جب کہ کتنے ہی بندگانِ خدا ایسے ہیں جنہیں بقاء زندگی کے بقدر بھی خوراک میسر نہیں ہے' میں چاہتا ہوں کہ جن گھروں کو خدا نے پیٹ بھر کر کھانے کے بقدر میسر کر رکھا ہے' ان میں سے ہر گھر کے ذمہ اتنے محتاج ونادار لوگوں کا کھانا کر دوں' جتنے خود گھر والے ہیں' مثلاً جس گھر میں پانچ آدمی ہیں' اس گھر کے ذمہ پانچ ہی ناداروں کا کھانا کر دوں کہ وہ اپنے اتنے ہی کھانے میں کہ جو وہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں' ان پانچوں ناداروں کو بھی شریک کر لیں' اس طرح وہ اپنا آدھا پیٹ کاٹ کر ان ناداروں کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ بن جائیں گے جن کو کچھ بھی کھانے کے لئے میسر نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ آدھا پیٹ بھرنے سے جسم کی توانائی میں کچھ کمی بے شک آ جائے گی مگر اس کی وجہ سے آدمی ہلاک نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ہمیں ''**مواساة فی الطعام**'' پر ابھار رہی ہے۔ چونکہ کھانا اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو کفایت مقصودہ حاصل ہو ہی جائے گی۔ اور ایسی برکت پیدا ہو گی کہ تمام موجودین کو عام ہو جائے گی۔

امام احمد، ترمذی اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ البتہ طبرانی میں ابن عمرؓ سے مروی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

''**طعام الاثنين يكفي الاربعة، وطعام الأربعة يكفي الثمانية' فاجتمعوا عليه ولا تفرقوا۔**''

یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ اکٹھے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

بیمار کے لئے راحت رساں کھانا

۴۱۷۹: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلتَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحَزْنِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۹/۵۵ الحديث رقم ۵۴۱۷' ومسلم في ۴/۱۷۳۶ الحديث رقم (۹۰/۲۲۱۶)' وأحمد في المسند ۶/۸۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا کہ تلبینہ بیمار کے دل کو راحت دیتا ہے اور اس کے کچھ غم کا ازالہ کرتا ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: التلبينة: تاء کے فتحہ، لام کے سکون، باء موحدہ کے کسرہ، یائے کے سکون اور نون کے ساتھ، قاضی فرماتے ہیں: **التلبينة هو حسو رقيق يتخذ من الدقيق واللبن۔**

بعض نے کہا کہ بھوس یا آٹے سے بنایا جاتا ہے' اور کبھی کبھار اس میں شہد بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ سفیدی اور رقت میں دودھ سے مشابہت کی وجہ سے اسے ''تلبینہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ ''تلبین'' مصدر سے اسم مرہ ہے۔ کہا جاتا ہے: **لبن القوم** : یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لوگوں کو دودھ پلایا جائے

محمة میم کے ضمہ، جیم کے کسرہ اور میم ثانی کی تشدید کے ساتھ، بمعنی مریحة (آرام پہنچانے والی) اور ایک نسخہ میں میم

اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی راحة (سکون، آرام) یامکان استراحة (جائے آرام)، ''جمام'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''راحت''۔

فؤاد: ہمزہ کے ساتھ بمعنی دل، اور واؤ کے ساتھ بمعنی درد دل۔

تذهب: جملہ مستانفہ ہے، **مجمة** کیلئے بمنزلہ بیان کے ہے۔

ببعض: باجارہ برائے تعدیہ ہے۔ **ای یزیل بعض همه أوهم صاحبه۔**

الحزن: حاء اور زاء کے فتحہ کے ساتھ، نیز حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

کدو کا سالن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا

۴۱۸۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَيَّاطاً دَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِي الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۲٤/۹ الحدیث رقم ۵۳۷۹' ومسلم فی ۱٦۱۵/۳ الحدیث رقم (۱٤٤۔۲۰٤۱)' وأبو داوٗد فی السنن ۱٤٦/٤ الحدیث رقم ۳۷۸۲' والترمذی فی ۲۵۰/٤ الحدیث رقم ۱۸۵۰' والدارمی فی ۱۳۸/۲ الحدیث رقم ۲۰۵۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا میں بھی آپ کے ساتھ گیا اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں کدو اور خشک گوشت پکایا گیا تھا۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کدو کو پیالے کے کنارے سے تلاش کر رہے تھے۔ اس دن سے مجھے کدو سے پیار ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ یہ بخاری' مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''**لطعام**'' لام ''**الی**'' کے معنی میں ہے یا برائے تعلیل ہے۔ گویا عبارت یوں ہے: **الی طعام، أو لاجل طعام۔**

فذهبت مع النبی ﷺ۔ بعض روایات میں ''**الی ذلك الطعام**'' کے الفاظ صراحتًا موجود ہیں۔

حضرت انس کا ساتھ جانا اس وجہ سے تھا کہ یہ بھی مدعو تھے۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو کر، چونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور عرفاً خادم کیلئے اجازت ہوتی ہے۔

مرق: میم اور راء کے فتحہ کے ساتھ

دباء: دال کے ضمہ، بائے موحدہ کی تشدید اور مدّ کے ساتھ، اور قصر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس کا واحد ''**دباءة**'' کی آتا ہے۔

قدید: نمک لگا کر دھوپ میں سکھائے گئے گوشت کے ٹکڑے، فعیل بمعنی مفعول ہے۔ ''قد'' کے معنی ہیں لمبائی میں کاٹنا۔
سنن میں میں مروی ہے:

عن رجل : ذبحت لرسول اللهﷺ شاة ونحن مسافرون فقال: أملح لحمها، فلم ازل أطعمه الى المدينة۔

یتتبع: یتطلب (تلاش کرنا)

''حوالی القصعۃ'': لام کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ۔ التقائے ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیا گیا۔ عرب کہتے ہیں: **رأیت الناس حوله وحولیه وحوالیه**' تمام مصادر میں لام مفتوح ہے۔ لام پر کسرہ پڑھنا درست نہیں جیسا کہ صحاح میں ہے۔ ''**حوالی الدار**''، بھی مستعمل ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''**حوالین**'' اصل کے اعتبار سے ''**جانبین**'' کی طرح ہے' نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ صحیح بات پہلی ہی ہے۔ اور اسی سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: **اللهم حوالینا ولا علینا۔**

امام طیبیؒ نے فرمایا: (**حوله وحولیه وحوالیه**) ان سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یہ ظرف ہے۔ (انتہی)۔ یہ لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے۔ جوانب (اطراف) کے معنی میں ہے۔

القصعة: قاف کے فتحہ کے ساتھ، وہ رکابی جو دس افراد کو سیر کر دے۔

شمائل ترمذی کے بعض نسخوں میں ''**حوالی الصحفة**'' ہے۔

الصحفة: وہ رکابی جو پانچ افراد کو سیر کر دے۔ کہا گیا کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف اپنے سامنے سے چن چن کر کھا رہے ہوں پوری رکاب میں سے تلاش کر کے نہ کھا رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ پوری رکابی میں سے تلاش کر کے کھا رہے ہو۔ لیکن نہی اس کے معارض نہیں۔ چونکہ وہ نہی گھن و کراہت اور ایذاء کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کے حق میں یہ بات ممکن نہیں ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ تو نبی کریم ﷺ کی ایک ایک ادا پر مر مٹنے والے تھے۔ وہ تو نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے حتی کہ نبی کریم ﷺ کے لعاب مبارک اور ناک کی رینٹ کو بھی اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔ بعض حضرات صحابہ کرام نے آپؐ کا پیشاب اور بعض نے آپؐ (کے جسم سے نکلا ہوا) خون تک پیا ہے۔

صاحب شرح السنۃ لکھتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا جب رنگ برنگا (مختلف اور متنوع) ہو تو اپنے سامنے کے علاوہ سے بھی کھایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کھانے میں شریک دوسرے ساتھی کو کراہت نہ ہو۔

حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: **فجعلت أتتبعه اليه ولا أطعمه وأضعه بين يديه لما أعلم أنه يحبه۔**

قوله: فلم أزل أحب الدباء: اس محبت سے مراد محبت شرعی ہے، نہ کہ محبت طبعیہ شہویہ۔ یا یہ کہ پہلے سے زیادہ محبت ہو گئی۔

بعد: دال کے فتحہ کے ساتھ، اور ایک نسخہ میں ضمہ کے ساتھ،

یومئذ: میم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ (بعد کو مبنی **علی الفتح** پڑھنے کی صورت میں) اور میم کے فتحہ کے ساتھ (بعد کو

مبنی علی الضم کی صورت میں)۔

شمائل ترمذی میں ''من یومئذ'' کے الفاظ ہیں۔میم کے کسرہ کے ساتھ'معرب مجرور بمن ہونے کی وجہ سے، یا میم کے فتحہ کے ساتھ، مضاف الیہ سے کسب بناء کی وجہ سے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ ''بعد'' اپنے مابعد کی طرف مضاف ہے۔جیسا کہ شرح السنہ میں ہے۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''مقطوع عن الاضافة'' ہو۔اور ''یومئذ'' مضاف الیہ محذوف کا بیان ہے۔اھ۔

قصہ مختصر اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ کا یہ قول بھی دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔من عن عذاب یومئذ (المعارج:۱۱)

فوائد:

① اشراف کا اپنے سے کم درجے کے لوگوں کے ہاں جا کر کھانا جائز ہے۔
② جائز پیشوں سے وابستہ لوگوں کی دعوت قبول کرنا بھی جائز ہے۔
③ خدّام کے ساتھ کھانا کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔
④ نبی کریم ﷺ کس قدر متواضع تھے۔
⑤ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب پر کس قدر مہربان تھے۔
⑥ کدّو سے محبت رکھنا سنت ہے۔
⑦ ہر اس چیز سے محبت رکھنا مسنون ہے جو آنحضرت ﷺ کو محبوب تھی۔
⑧ درزی کی کمائی گھٹیا نہیں ہے۔

تخریج: اس حدیث کو ترمذی نے شمائل میں روایت کیا ہے۔

بکری کے شانے کا گوشت

۴۱۸۱: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِيْ يَدِهٖ فَدُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَلْقَاهَا وَالسِّكِّيْنَ الَّتِيْ يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٩/٥٨٤ الحدیث رقم'٥٤٦٢' ومسلم فی ١/٢٧٤ الحدیث رقم(٩٣-٣٥٥) والترمذی فی السنن ٤/٢٤٣ الحدیث رقم١٨٣٦' وأخرجه الدارمی فی ٥/١٤٦ الحدیث رقم ٧٢٧ وأحمد فی المسند ٥/٢٨٨۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بکری کے کندھے سے گوشت کاٹتے تھے جو کہ آپ کے ہاتھ میں تھا پھر آپ کو نماز کی طرف بلایا گیا تو آپ نے شانہ کو رکھ دیا۔ اور گوشت والی چھری کو بھی رکھ دیا پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا (کیونکہ پہلے سے وضو تھا) یہ

بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: یتنز : تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یحتزُّ" میں حاء مہملہ اور اس کے بعد زاء ہے۔ صاحب النہایہ نے بھی یہ لفظ باب الحاء المهملة و الزاء میں یوں ہی ذکر کیا ہے۔ بمعنی یقتطع (کاٹنا)

کتف: کاف کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ، قاموس میں اس کو فرح، مثل اور حبل کی طرح قرار دیا ہے۔

"سکین": یہ لفظ مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً وضوء نہیں کیا، نہ وضوء عرفی کیا اور نہ وضوء شرعی کیا۔

شہد کی پسندیدگی

۴۱۸۲: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۸٤/۹ الحدیث رقم ۵٤٦۲' ومسلم فی ۲۷٤/۱ الحدیث رقم (۲۱-۱٤۷٤)' وأبو داؤد فی السنن ۱۰٦/٤ الحدیث رقم' ۳۳۲۳' والدارمی فی ۲٤۱/٤ الحدیث رقم' ۲۰۷۵' وأحمد فی المسند ٦/۵۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور میٹھی چیز کو پسند فرماتے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: "الحلواء": مدّ اور قصر کے ساتھ، مغرب میں لکھتے ہیں: الحلواء التی تؤکل: مدّ اور قصر کے ساتھ جمع "حلاوی" (نقلہ میرک)۔ امام اصمعیؒ سے منقول ہے کہ یہ مقصور ہے، یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ فراء کا کہنا ہے کہ یہ ممدود ہے الف کے ساتھ لکھا جائے گا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس میں مٹھاس ہوا سے "حلواء" کہتے ہیں۔

العسل: "تخصیص بعد التعمیم" ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد "مجیع" ہے، یعنی دودھ اور کھجور کا حلوہ اور بعض نے کہا کہ میٹھا ڈال کر پکائی گئی چیز مراد ہے۔ اس کا اطلاق کبھی "فاکھة" پر بھی ہوتا ہے۔ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ حلواء اور عسل "طیبات" میں سے ہیں۔ اس قول سے ان حضرات کی رائے کو تقویت ملتی ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد مباح مستلذات ہیں۔ لہٰذا کھانے کی ہر لذیذ چیز جو حلواء اور عسل کے مشابہہ ہوگی وہ بھی اسی حدیث کے مفہوم کے تحت داخل ہے۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں محبوب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کی اشتہاء بکثرت ہوتی تھی اور آپ کا جی ان چیزوں کا بہت ہی مشتاق ہوتا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ چیزیں دستیاب ہوتیں تو ایک مناسب مقدار میں (ضرور) تناول فرماتے۔ اس سے یہ پتہ چل جاتا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز پسند ہے۔

طبرانی کی روایت ہے: أن أوّل عن خبص فی الاسلام عثمان' قدمت علیه عیر تحمل دقیقا وعسلا فخلطهما۔

ایک اور صحیح روایت میں ہے: أن عیرا قدمت فیها جمل له علیه دقیق وحواری وعسل وسمن، فأتی

النبی ﷺ فدعا فیها بالبرکة ثم دعا ببرمة فنصبت علی النار، وجعل فیها من العسل والدقیق والسمن، ثم عصد حتی نضج، ثم أنزل فقال ﷺ کلوا هذا شئ تسمیه الفارس ''الخبیص''۔

دمیری کی کتاب ''حیات الحیوان'' میں ہے کہ اس حدیث کو اصحاب کتب ستہ نے بھی روایت کیا ہے۔

سرکہ بہترین سالن

۴۱۸۳: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَاَلَ اَهْلَهُ الْاُدُمَ فَقَالُوْا مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِهٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ بِهٖ وَیَقُوْلُ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۶۲۲/۳ الحدیث رقم(۱۶۶۔۲۰۵۲)' وأبو داؤد فی السنن ۱۹۹/٤ الحدیث رقم ۳۸۲۰' والترمذی فی ٤/ ۲٤٥ الحدیث رقم۱۸۳۹' والدارمی فی ۱۳۷/۲ الحدیث رقم ٤۰٤٥' وأحمد فی المسند ٤/ ٤۰۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے گھر والوں سے سالن مانگا تو انہوں نے کہا ہمارے پاس تو سرکہ ہے تو آپ ﷺ نے اسے منگوایا اور اس کے ساتھ روٹی کو کھانا شروع کیا اور ساتھ فرماتے جاتے: **نعم الادام الخل** سرکہ خوب سالن ہے۔ سرکہ خوب سالن ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''أهله:'' یعنی اپنے خادم یا اپنے اہل خانہ مراد ازواج مطہرات وغیرہ ہیں

الادام: ہمزہ اور دال کے ضمہ کے ساتھ، نیز دال کے سکون کے ساتھ، بمعنی سالن۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''أدم'' ''ادام'' کی جمع ہے۔ جیسا کہ ''کتاب'' کی جمع ''کتب'' ہے۔ صاحب فائق فرماتے ہیں: **الأدم اسم لکل ما یؤتدم له ویصطبغ، وحقیقته ما یؤتدم به الطعام أی یصلح، وهذا الوزن یجیئ لما یفعل به کالرکاب لما یرکب به والحزام لما یحزم به۔**

فجعل: افعال شروع کے معنی میں ہے۔ ''یاکل'' کا مفعول بہ ''خبز'' محذوف ہے

قوله: نعم الادام الخل ' نعم الادام الخل: تعریف میں مبالغہ آرائی کی غرض سے تکرار فرمایا ہے۔

فوائد:

1. امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ کھانے میں اعتدال ہونا چاہیے۔
2. نفس کو لذیذ کھانوں سے روکنا چاہیے۔
3. امام نوویؒ فرماتے ہیں ہر وہ چیز جس پر خرچہ کم آتا ہو اور با آسانی دستیاب بھی ہو وہ بھی اسی حکم میں ہے۔
4. جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا، اگر سرکہ کھالیا تو حانث ہو جائے گا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں (ہمارے ہاں) یہ شخص واقعی حانث ہو جائے گا چونکہ عرف ایسا ہی ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أن رسول اللهﷺ قال: نعم الأدام الخل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

ابن ماجہ میں ام سعد رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم الادام الخل 'اللهم بارك في الخل اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: فانه كان أدام الأنبياء قبلي۔ "چونکہ سرکہ مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا سالن تھا"۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: لم يفتقر بيت فيه خل۔

اور الجامع الصغیر میں مروی حدیث کے الفاظ یوں ہیں: نعم الأدم الخل۔ "سرکہ بہترین سالن ہے" اس کو احمد، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور مسلم و ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

۴۱۸۴: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ (متفق عليه وفي رواية لمسلم) مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامَ.

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/١٦٣ الحديث رقم ٥٧٠٨' ومسلم في ٣/١٦١٩ الحديث رقم (١٥٧-٢٠٤٩)' والترمذي في ٤/٣٥٠' الحديث رقم ٢٠٦٧' وابن ماجه في ٢/١١٤٢ الحديث رقم ٣٤٥٣' وأحمد في المسند ١/١٨٨۔

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کھنبی من کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ کھنبی اس من سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔

تشریح: الكمأة: کاف کے فتحہ، میم کے سکون اور اس کے بعد ہمزہ ہے۔ اس کو "کھمبی" کہتے ہیں، یہ خشکی میں پائی جاتی ہے اس کی جڑ کھائی جاتی ہے۔ اور ایک شارح کا کہنا ہے کہ یہ چربی کی مانند ایک سفید سی چیز ہوتی ہے جو زمین سے اگتی ہے اس کو "سماروغ" کہا جاتا ہے۔

"من المن" کا مطلب ہے: أي "مما من الله على عباده"۔ چنانچہ "منّ" سے مراد نعمت ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ "ترنجبین" مراد ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ترنجبین کے مشابہ چیز ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بغیر مشقت کے حاصل ہونے یا طبع و نفع کے اعتبار سے اس کے مشابہ ہے۔ قولہ: وماؤها شفاء للعين:

بعض نے کہا کہ اس کا پانی دواؤں کے ساتھ ملا کر شفا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انفرادی طور پر شفاء ہے۔ حدیث کے ظاہر سے بھی یوں ہی لگتا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے بارے میں تفصیلی بحث "كتاب الطب والرقى" کی فصل ثالث میں چوتھی حدیث کے تحت آئے گی۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابو نعیم نے "الطب" میں ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔

ابو نعیم کی ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یوں آتا ہے الكمأة من المن والمن 'من الجنة'

وماء ها شفاء للعین۔ ۴۱۸۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی ۹/۵٦٤ الحدیث رقم ۵٤٤٠ ومسلم فی ۳/۱٦۱٦ الحدیث رقم(۱٤۷۔۲۰٤۳) وأبو داؤد فی السنن ٤/۱۷٦ الحدیث رقم ۳۸۳۵ وابن ماجه فی ۲/۱۱۰٤ الحدیث رقم ۳۳۲۵ والدرمی ۲/۱٤۰ الحدیث رقم ۲۰۵۸ وأحمد فی المسند ۱/۲۰۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تازہ کھجور ککڑی کے ساتھ کھاتے تھے یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''القثاء'' قاف کے کسرہ، ثاء مثلثہ کی تشدید اور مدّ کے ساتھ۔ مصباح میں ہے کہ: ''القثاء'' بروزن فعال ہے، کسرہ ضمہ کے مقابلہ میں کثیر ہے۔

اس حدیث کو احمد اور اصحاب اربعہ نے روایت کیا ہے۔ شمائل ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: یأکل القثاء بالرطب۔

ان دونوں حدیثوں میں فرق یہ ہے کہ ماکول میں اصل شئ مقدم اصل موکول روٹی کی طرح ہے اور شئ مؤخر سالن کی طرح ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں سند ضعیف کے ساتھ عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے:

قال: رأیت فی یمین النبی ﷺ قثاء و فی شماله رطبا، وهو یاکل من ذا مرة ومن ذامرة۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس سے دو چیزوں کا ایک ساتھ کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ کھانوں میں توسع ہے۔ اس کے جواز میں علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ اور بعض سلف سے جو اس کے برخلاف منقول ہے سو اس کا محمل یہ ہے کہ اگر اس توسع اور ترفہ کو عادت بنالیا جائے یا بغیر کسی دینی مصلحت کے بکثرت ارتکاب کیا جائے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب کے قواعد کے مطابق اطعمہ اور طبائع کی رعایت جائز ہے، اور یہ کہ اشیاء کو قاعدہ طب کے مطابق مناسب صورت میں استعمال کیا جائے۔ چونکہ کھجور گرم ہے اور کھیرا ککڑی ٹھنڈے ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں اکٹھی کھائیں گے تو معتدل ہو جائیں گی۔ مرکب ادویات کے سلسلہ میں یہ حدیث ''اصل کبیر'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس معتدل مرکب کے کھانے سے مزاج میں بھی اعتدال پیدا ہوگا اور جسم فربہ ہوگا۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے حدیث نقل کی ہے: أنها قالت: أرادت أمی أن تهیئنی للسمن لتدخلنی علی النبی ﷺ، فما استقام لها ذلك حتی اکلت الرطب بالقثاء فسمنت کأحسن السمن۔اھ۔

ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں یہ آتا ہے: أنه ﷺ کان یأکل البطیخ بالرطب۔

ترمذی اور بیہقی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أنه ﷺ کان یأکل البطیخ بالرطب ویقول: یکسر حر هذا ببرد هذا وبرد هذا بحرّ هذا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں: البطیخ بروزن سکّین ہے۔

ابونعیم نے سند ضعیف کے ساتھ "کتاب الطب" میں حضرت انس سے نقل کیا ہے: أنه علیه السلام کان یأخذ الرطب بیمینه والبطیخ بشماله، فکان یأکل الرطب بالبطیخ وکان أحب الفاکهة الیه۔

ترمذی نے شمائل میں حضرت انس سے نقل کیا ہے: قال: رأیت رسول الله ﷺ یجمع بین الخربز والرطب۔

الخربز: خاء معجمہ کے کسرہ، راء کے سکون، باء موحدہ کے کسرہ، اور آخر میں زاء کے ساتھ، النہایہ ہیں ہے کہ فارسی میں اس کو بطیخ کہتے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں "الخربز" بطیخ کی ایک قسم ہے جو زرد ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بطیخ سبز کو کہتے ہیں۔ یہی معنی زیادہ مناسب ہیں چونکہ زرد میں حرارت ہوتی ہے۔

الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ اس میں رطب کے مقابلہ میں برودت ہوتی ہے، اگرچہ اسی میں مٹھاس کی وجہ سے قدرے حرارت بھی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد اس کی وہ خاص قسم مراد ہو جو مکمل طور پر پکی نہ ہو۔ چونکہ اسی میں قدرے برودت ہوتی ہے جس کو رطب معتدل کر دیتی ہے۔

شیخ الدین دمشقیؒ فرماتے ہیں: ابوداؤد اور ترمذی نے نبی کریم کا یہ فعل نقل کیا ہے:

"انه کان یاکل البطیخ بالرطب ویقول: یدفع حر هذا برد هذا وبرد هذا حر هذا۔

"بطیخ" کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اور "بطیخ" سے مراد سبز ہے، وہ تاثیر کے اعتبار سے ٹھنڈا، تر اور شیریں ہوتا ہے، کھیرے اور ککڑی کے مقابلے میں حلق سے جلد نیچے اترتا ہے۔

پیلو کا پھل کھانا

۴۱۸۶: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ مِنْهُ فَاِنَّهُ اَطْيَبُ فَقِيْلَ اَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا رَعَاهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۷۵/۹ الحدیث رقم ۵۴۵۳، ومسلم فی ۱۶۲۱/۳ الحدیث رقم (۱۶۳۔۲۰۵۰)، ومالك فی الموطأ ۹۷۱/۲ الحدیث رقم ۱۸ من کتاب الاستذان۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مر الظہر ان میں تھے یہ مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اور پیلو کے پختہ پھل توڑ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے سیاہ پھل کا قصد کرو اس لئے وہ بہتر ہوتا ہے یعنی لذیذ و فائدہ مند ہوتا ہے تو ہم نے پوچھا کیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں تو آپ نے فرمایا جی ہاں اور پھر فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: "الظهران": "مر": کے ساتھ ظاء کے فتحہ، ہاء کے سکون کے ساتھ

الکباث: کاف کے فتحہ، بائے موحدہ مخففہ، اس کے بعد الف، آخر میں ثاء مثلثہ، ''اراک'' پودے کا پکا ہوا پھل۔

علیکم بالا سود منه: ای اقصدوا ما کان أسود منه۔

أطیب: یہاں اس کا معنی ہے زیادہ لذیذ اور فائدہ مند۔

آپ کو اطیب اور غیر اطیب کی بہت زیادہ پہچان تھی، چونکہ چرواہے کو صحراء میں درختوں کے نیچے سے بار بار گزرنے کے باعث دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ پہچان ہوتی ہے۔

قال نعم' وهل من نبی الا رعاها: امام خطابیؒ نے فرمایا: اس جملہ سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نبوت و رسالت دنیاداروں اور دنیادار بادشاہوں کو عطا نہیں کرتا بلکہ بکریاں چرانے والوں اور اصحاب حرفت میں سے متواضعین ہی کو دیتا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام درزی تھے' زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے ان کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ ان کے جسموں میں صرف اور صرف حلال جائے اور نیک اعمال کریں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ﴾ [المؤمنون: ٥١] ''اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔''

بکریاں چرانے میں کسبِ طیب کے ساتھ ساتھ لوگوں سے عزلت و تنہائی اور اللہ تعالیٰ سے جلوت و خلوت اور انس پیدا ہوتا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں انبیاء کے بکریاں چرانے کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ ضعفاء کے ساتھ موالت کے ذریعہ ان میں خوب تواضع پیدا ہو۔ ان کے قلوب خلوت کے ساتھ مصفی ہو جائیں۔ وہ شفقت و خیر خواہی کے ساتھ بکریوں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے' ان کو سدھاتے سدھاتے' اپنی امتوں کے امور کی تدبیر و انتظام ہدایت و شفقت کے ساتھ کرنے لگیں۔

شیخ ابوالقاسم ''تحبیر'' میں حکایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل کی کہ ''موسیٰ جانتے ہو ہم نے تمہیں نبوت کا منصب کیوں عطا کیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ''پروردگار! تو ہی جانتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس دن کو یاد کرو جب تم فلاں جگہ میں بکریاں چرا رہے تھے اور ایک بکری بھاگ کھڑی ہوئی تھی' تم اس کے پیچھے دوڑے' پھر جب تم نے اس بکری کو جا لیا تو تم نے نہ اس بکری کو نہیں مارا اور اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے اپنے آپ کو بھی تکلیف میں مبتلا کیا اور مجھے بھی تعب میں ڈالا۔ جب ہم نے اس حیوان کے تئیں تمہاری یہ شفقت دیکھی تو تمہیں نبوت سے سرفراز کیا''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بکری کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر واپس اس کی جگہ پہنچایا۔

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اور جو شخص اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند کرے گا۔

کچھ کھاتے ہوئے کولہے زمین پر رکھ کر بیٹھنا

۴۱۸۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَمْرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ يَأْكُلُ مِنْهُ اَكْلًا ذَرِيْعًا۔

(رواه مسلم)

مسلم في صحيحه ۱۶۱۶/۳ الحديث رقم (۱۴۸۔۲۰۴۴) و ۱۴۹۔۲۰۴۴، وأحمد في المسند ۲۰۳/۳۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو حالت اقعاء کے اندر بیٹھے کھجوریں کھاتے پایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ جلدی جلدی کھجوریں کھا رہے تھے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

''مقعیا'' اقعاء سے اسم فاعل ہے ''اقعاء'' یہ ہے کہ سرین کو زمین کے ساتھ ملا کر دونوں زانوں کھڑے کر کے بیٹھنا، نماز میں اس انداز سے بیٹھے کی ممانعت آئی ہے۔ (ہمارے علماء میں سے بعض شراح نے یہ بات یوں ہی ذکر کی ہے)۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں جس انداز سے بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے سرین ایڑیوں پر رکھ کر بیٹھے۔

زیادہ واضح بات یہ ہے کہ داخل صلوۃ بیٹھنے کے یہ دونوں انداز مکروہ ہیں۔ خارج صلوۃ مکروہ نہیں چونکہ داخل صلاۃ ایسے بیٹھنے میں تشبیہ بالکلاب ہے۔ اور خارج صلوۃ ایسے بیٹھنے میں تشبیہ بالأرقاء ہے، جو تواضع کی انتہا ہے۔ یا یہ کہ نماز کی بناء ''تأنی'' پر ہے، چنانچہ اقعاء نماز کے شایان شان نہیں' بخلاف کھانے کے' چونکہ کھانے کے مناسب حال تو یہ ہے کہ آدمی جلد از جلد فارغ ہوتا کہ عبادت میں مشغول ہو سکے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''مقعیا'' کا مطلب اس حدیث میں یہ ہے کہ: **جالسا على اليتيه ناصبا ساقيه** (سرین کے بل پر بیٹھنا پنڈلیوں کو کھڑا کر کے) یہ بخاری شریف کی ایک اور روایت کے ہم معنی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **لا آكل متكئا** امام خطابی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ: میں اس شخص کی طرح نہیں کھاتا جو زیادہ کھانا کھانے کا ارادہ رکھتا ہو اور جم کر بیٹھتا ہو بلکہ میں غیر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہوں اور تھوڑا کھاتا ہوں)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کی مؤید ابن سعد وغیرہ کی حضرت عائشہ سے منقول یہ روایت ہے:

آكل كما ياكل العبد، واجلس كما يجلس العبد۔

ياكل تمرا: جملہ حالیہ ہے یا مفعول ثانی ہے اور ''مقعیا'' بھی حال ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جلدی جلدی اس لئے کھا رہے تھے تاکہ اس سے اہم تر کسی کام میں مصروف ہو سکیں۔ پس آپ جلدی کھاتے، بھوک مٹاتے اور جا کر کام میں مصروف ہو جاتے۔

شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے: **أتي رسول الله ﷺ بتمر فرأيته ياكل وهو مقع من الجوع اى لأجله** ۔یعنی حضور ﷺ کا اقعاءً بیٹھنا اور جلدی کرنا بھوک کی وجہ سے تھا۔ بعض روایات میں ''**وهو محتفز**'' کے الفاظ ہیں۔

جوہری اہل لغت سے ''اقعاء'' کے معنی یہ ذکر کرتے ہیں: **أن يلصق الرجل اليتيه بالأرض، وينصب ساقيه،**

ویتساند ظهره۔

نماز میں ممنوع اقعاء کی کیفیت فقہاء کرام یہ بیان فرماتے ہیں: هو أن يضع اليتيه على عقبيه بين السجدتين۔

جزری ''النہایہ'' میں فرماتے ہیں: ''انه ﷺ كان يأكل مقعيا'' کا مطلب ہے ''يجلس عند الأكل على وركيه مستوفزا غير متمكن'' ۔عسقلانی نے بھی اس قول کا اتباع کیا ہے۔قاموس میں ''اقعى في جلوسه'' کے معنی لکھتے ہیں ''تساند الى ماوراء ه''۔ ٹیک لگانا۔

جوہری لغویوں اور فقہاء کی ذکر کردہ ہیئت میں جمع کی صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''هو مقع من الجوع'' کا مطلب ہے ''محتبيا مستندا لماراء ه من الضعف الحاصل له بسبب الجوع''۔اس ساری تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ استناد، کھانے کے مندوبات میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کی ضروریات اور مجبوری کے درجے کی چیزوں میں سے ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا صرف کمزوری کی وجہ سے کیا ہے، واللہ اعلم۔

بلا اجازت دو کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ

۴۱۸۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّقْرِنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَ اَصْحَابَهٗ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵/۱۳۱' الحديث رقم ۲۳۸۹' ومسلم في ۳/۱۹۱۷ الحديث رقم (۱۵۱۔۲۰۴۵)

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک مجلس کی اجازت کے بغیر دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''أن يقرن'' راء کے ضمہ کے ساتھ، ایک نسخہ میں کسرہ کے ساتھ ہے۔''قرن'' از باب نصر (بحوالہ مصباح) اور ایک لغت از باب ''ضرب'' ہے۔صاحب قاموس فرماتے ہیں: ''قرن بين الحج والعمرة۔اس کا مصدر'' قران'' ہے۔بمعنی جمع کرنا، جیسا کہ ایک لغت ''أقرن'' کی ہے۔''قران'' بروزن کتاب، ''جمع بين التمر تين'' کو کہتے ہیں۔

ہمارے بعض حضرات فرماتے ہیں یہ مسئلہ بالا اس صورت میں ہے جب کسی نے دعوت کی ہو۔

اگر چند افراد اپنا کھانا یکجا ہو کر اکٹھے کھائیں تو یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

ائمہ فرماتے ہیں جائز ہے بشرطیکہ کوئی صاحب اپنے شریک سے بڑا لقمہ نہ لے۔اگر کوئی صاحب غیر ارادی طور پر زیادہ کھا جائیں تو کوئی حرج نہیں۔اھ۔بعض حضرات فرماتے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب قحط پڑا ہو، یا کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اجازت طلب کرے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''نهي عن القران'' کا سبب یہ تھا کہ وہ زمانہ صحابہؓ پر تنگی کا تھا۔جب فراخی حاصل ہوئی تو منسوخ ہوگیا۔جیسا کہ حدیث میں صراحتاً موجود ہے: كنت نهيتكم عن القران في التمر وان اللّٰه وسّع عليكم فقارنوا۔

''فقارنوا'' میں امر اباحت کیلئے ہے۔أی: فقارنوا ان شئتم۔

صاحب شرح السنۃ لکھتے ہیں: یہ حدیث ''مناہدہ'' کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔(مناہدہ یہ ہے کہ تمام شرکاء اپنے نفقات کو رفقاء کی تعداد کے بقدر نکال کر رکھیں۔ مسلمان اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے اگر چہ عادتاً ایک دوسرے سے کم زیادہ کھایا جاتا ہے' بشرطیکہ دوسروں سے زیادہ کھانے کا قصد نہ ہو۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں: ''نہی عن القران'' معلول بعلت تھی، اور وہ علت یہ تھی کہ لوگوں میں معاشی تنگی تھی، کھانے پینے وغیرہ میں فراخی نہ تھی' جہاں تک تعلق ہے آج کل کے حالات کا تو اب وہ صورت حال نہیں، لہٰذا اجازت طلب کی ضرورت نہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ بات یوں نہیں جیسے خطابی نے فرمائی، بلکہ درست بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ چونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے، نہ کہ خصوص سبب کا۔ اور وہ بشرطیکہ ثابت ہو اور وہ یہاں ثابت ہی نہیں۔

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ طعام اگر چند افراد کے درمیان مشترک ہو، تو قران حرام ہے۔ الّا یہ کہ شرکاء طعام سے ان کی رضامندی صراحۃً معلوم ہو، یا ظن غالب ہو، اور اگر اس میں شک ہو تو قران حرام ہے، اور اگر کھانا کسی ایک شخص کا تھا' اس نے دوسروں کی مہمان نوازی کی' تو اس میزبان کے لئے قران حرام نہیں ہے۔ اور اگر طعام کم ہو تو قران مستحسن نہیں، بلکہ شرکاء میں برابری کرے، اور اگر طعام زیادہ ہو اس قدر کہ بچ رہے گا تو قران میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن کھانے کا ایک مطلق ادب یہ ہے کہ کھانے میں حرص و ہوس نہ ہو، الّا یہ کہ کھانے والے کو کسی سبب سے جلدی ہو جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔ یہ کلام محل نظر ہے۔ امام خطابی کا کلام مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن اور اتساع اغلبی پر مبنی ہے' چنانچہ ان کا کلام درست ہے' اس میں کوئی خطا نہیں ہے' علاوہ ازیں خطابی نقل میں ''ائمہ ثبت'' میں سے ہیں اس کی تائید سیوطی کی نقل سے بھی ہوتی ہے مزید یہ کہ حدیث اس بارے میں بالکل صریح ہے' اور قاعدہ کہ ''مثبت'' مقدم ہوتا ہے ''نافی'' پر۔ پس تأمل فرمائیے اور انصاف فرمائیے' کہ آپ اندھے مقلد نہیں ہیں اور راہ تحقیق و تائید کے طلب گار ہیں۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے: **نهى عن القران الا أن يستأذن الرجل أخاه**۔ اس حدیث کو امام احمد، شیخین، اور ابوداوٗد نے بھی نقل کیا ہے۔

ونهى أن يلقى النواة على الطبق الذى يوكل منه الرطب والتمر۔ اس کو شیرازی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

کھجور والا گھر بھوکا نہیں

۴۱۸۹: **وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَايَجُوْعُ اَهْلُ بَيْتٍ عِنْدَهُمُ التَّمْرُوَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ يَا عَآئِشَةُ بَيْتٌ لَاتَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ اَهْلُهُ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا۔** (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۱۶۱۸/۳ الحديث رقم (۱۵۳۔۲۰۴۶) وأبو داوٗد فی السنن ۱۷۴/۴ الحديث رقم ۳۸۳۱، والترمذی فی ۲۳۳/۴ الحديث رقم ۱۸۱۵ وابن ماجه فی ۱۱۰۴/۲ الحديث رقم ۳۳۲۷ والدارمی

فی ۲/۱٤۱ الحدیث رقم ۲۰٦۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس گھر کے لوگ بھوکے نہیں رہتے جن کے ہاں کھجوریں ہوں اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس گھر میں کھجور نہ ہو اس کے گھر والے بھوکے ہیں۔ یہ کلمہ آپ نے دو بار یا تین بار فرمایا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''جیاع'': جیم کے کسرہ کے ساتھ، ''جائع'' کی جمع ہے۔

''اهله'': سے مراد اہل مدینہ اور وہ لوگ ہیں جن کی خوراک کھجور ہے یا اس سے مقصود کھجور کا عظیم الشان ہونا بتلانا ہے۔

امام نوویؒ نے اس کے ذیل میں چند فوائد ذکر کئے ہیں:

❶ کھجور کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔ ❷ کھجور والوں کے لئے ذخیرہ اندوزی کا جواز معلوم ہوتا ہے ❸ کھجور کے استعمال کی ترغیب دی گئی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ جس شہر میں کھجور بکثرت ہوتی ہیں اس شہر والوں کو کھجور پر قناعت کی ترغیب دی گئی ہو، کہ جس گھر میں کھجور ہو اور وہ کھجوروں پر قناعت کر لیں تو بھوکے نہیں رہ سکتے، بھوکا وہ شخص ہے جس کو کھجور بھی دستیاب نہ ہو۔ اگلی حدیث اس مفہوم کی مؤید ہے: **كان يأتي علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً انما هو التمر والماء۔**

الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: حدیث کے پہلے حصہ کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ جب کہ دوسرے حصہ کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

عجوہ کھجور زہر کا علاج

۴۱۹۰: وَ عَنْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمْرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهٗ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سَمٌّ وَلَاسِحْرٌ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۹/۵٦۹ الحديث رقم ۵٤٤۵، ومسلم فی ۳/۱٦۱۸ الحديث رقم (۱۵۵-۲۰٤۷) وأبو داوٗد فی السنن ٤/۲۰۸ الحديث رقم ۳۸۷٦، وأحمد فی المسند ۱/۱۸۱۔

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے پیغمبر ﷺ کو فرماتے سنا جو شخص صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھائے تو اس دن وہ زہر وسحر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: تصبّح: بائے مشدہ کے ساتھ۔

بسبع تمرات: باء برائے تعدیہ ہے

عجوة: تمرات سے عطف بیان ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ''**عجوة**'' مدینہ کی کھجوروں میں سے کالے رنگ کی عمدہ کھجور ہوتی ہے۔ ایک نسخہ میں ''**عجوة**'' اضافت کے ساتھ ہے۔ (كذا فی روضة الاحباب) ابن الملک نے فرمایا کہ''

عجوة'' تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

لم يضره براء مشددہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ضمہ کے ساتھ ہے، البتہ ضمیر کے ساتھ کسرہ درست نہیں۔

سم: سین کے فتحہ کے ساتھ ہے، تثلیث بھی جائز ہے۔

النہایہ میں ''عجوة'' کھجور کے بارے میں فرماتے ہیں: نوع من تمر المدينة اكبر من الصيحانى يضرب الى السواد من غرس النبى ﷺ۔ مظہر فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ کھجوروں کی کوئی خاص نوع ہو جو دافع زہر وسحر ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس نوع کیلئے برکت اور شفا کی دعا فرمائی ہو۔

امام نوویؒ نے اس حدیث کے تحت چند فوائد ذکر فرمائے ہیں: ❶ مدینہ کی کھجوروں کو فضیلت حاصل ہے۔ ❷ عجوة کی فضیلت معلوم ہوئی ❸ صبح کے وقت سات کھجوریں کھانے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

مدینہ کی ''عجوة'' کھجور کی تخصیص اور سات کی تعیین کا علم ان چیزوں میں سے ہے جس کا علم صرف شارع علیہ السلام ہی کو ہے۔ ہم اس کی حکمت نہیں جانتے۔ پس اس کی فضیلت کا اعتقاد اور اس کی حکمت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ نمازوں کی تعداد اور مقادیر زکوۃ وغیرہ۔

تخریج: احمد اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

مقام عالیہ کی عجوہ شفاء والی ہے

۴۱۹۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ فِيْ عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءٌ وَاِنَّهَا تِرْيَاقٌ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۱۶۱۹/۳ الحديث رقم (۱۵۶-۲۰۴۸) وأحمد فى المسند ۱۰۵/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عجوہ عالیہ میں شفاء ہے اور یہ نہار منہ صبح کو کھائی جائے تو ازالہ زہر کے لئے تریاق ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''العالية:'' مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

یعنی دوسری عجوة کے مقابلے میں اضافی شفاء ہے۔ یا سابقہ اطلاق میں تقیید مقصود ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: العالية ماكان من الحوائط والقرى والعمران من جهة المدينة العلياء مما يلى نجدا والسافلة من الجهة الاخرىٰ مما يلى تهامة، وأدنى العالية ثلاثة أميال، وأبعدها ثمانية من المدينة۔

ترياق: تاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ، ایک مشہور دوا جو زہر کی مختلف اقسام میں نافع ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں تاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دو لغتیں ہیں۔ اس کو ''درياق'' بھی کہا جاتا ہے۔

اول البكرة: باء موحدہ کے ضمہ کے ساتھ، (اول) ظرف ہے۔ اى كلها فى اول الصبح يفيد كالترياق۔ یعنی صبح سویرے کھانا تریاق کا فائدہ دیتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ خبر کیلئے ظرف ہے ''أنها نافعة للسم'' کی تأویل پر جیسا کہ اللہ

تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وهو الله فى السموات﴾[الانعام:۳] ای معبود فیها۔ یہ جملہ معطوفہ ہے علی سبیل البیان، جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار﴾[البقرة:۷٤] یا عطف العام علی الخاص برائے اختصاص ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہے: ومن كانت هجرته لدنيا تصيبه أوامرأة يتزوجها۔

ایک ایک ماہ تک کھجور و پانی پر گزارا

۴۱۹۲: وَعَنْهَا قَالَتْ يَأْتِيْ عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَانُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَالتَّمْرُوَالْمَآءُ اِلاَّ اَنْ يُّؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۲۸۲/۱۱ الحديث رقم ٦٤٥٨ ومسلم فى ۲۲۸۲/٤ الحديث رقم (۲٦-۲۹۷۲)' والترمذى فى السنن ٥٥٦/٤ الحديث رقم ۲٤۷۱ وابن ماجه فى ۱۳۸۸/۲ الحديث رقم ٤١٤٤' وأحمد فى المسند ۱۰۸/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر مہینہ گزر جاتا اور ہم آگ نہ جلاتے کھجور اور پانی عمومی خوراک ہوتی بعض اوقات معمولی گوشت لایا جاتا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: انما هو: سے مراد شئے ماکول ہے۔

التمر والماء: ''ماء'' کے عطف سے مبالغہ مقصود ہے۔

نؤتى: ایک نسخہ میں یاء کے ساتھ ''يؤتى'' ہے۔ اس صورت میں ھو ضمیر کا مرجع ''لحم'' ہوگا۔

اللحيم: ''لحم'' کی تصغیر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ امہات المؤمنین کے پاس آنے والا سامان، اشیاء خورد ونوش بڑی مقدار میں نہیں ہوتا تھا بلکہ اقل قلیل ہوا کرتا تھا۔

''لا نوقد النار'' کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے ''لا نوقد النار للطبخ'' (کھانا پکانے کیلئے آگ نہیں جلاتے تھے)۔ کھانے کے بجائے کھجوروں پر ہی گزر بسر کر لیا کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ کہیں سے گوشت کا کوئی ٹکڑا آ جاتا۔ اس توجیہہ کے پیش نظر تصغیر تعظیم کیلئے ہے۔ یا چونکہ گوشت تمام سالنوں کا سردار ہے اس اعتبار سے تصغیر محبت اور خواہش کی وجہ سے ہے۔

مظہر اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں: لا نطبخ شيئا الا أن يؤتى باللحم، فيحنئذ نوقد النار (ہم کچھ بھی نہیں پکاتے سوائے اس کے کہ گوشت آ جائے، تو اس وقت چولہے میں آگ جلایا کرتے تھے۔)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر یہ استثناء منقطع ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ استثناء متصل ہے کیونکہ ''أن يؤتى'' مصدر مؤوّل مضاف الیہ ہے اور ''وقت'' مضاف مقدر ہے۔ اور ''فيه'' کی ضمیر جو ''الشهر'' کی طرف راجع ہے مستثنیٰ منہ ہوگی۔

ایک احتمال یہ ہے کہ ''انما هو التمر والماء'' سے سمجھ میں آنے والا مفہوم سے مستثنیٰ منہ ہو۔ ای مالمأكول

الاتمر وماء الا أن يؤتى باللحيم۔ مطلب یہ ہوگا کہ کھجور اور پانی کے علاوہ کھانے کی کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی' سوائے آنے والے تھوڑے سے گوشت کے۔ تو اس وقت گوشت ہوتا۔

مسلسل دو دن بھی گندم کی روٹی نہ کھائی

۴۱۹۳: وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ اِلَّا وَاَحَدُهُمَا تَمْرٌ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۸۲/۱۱ الحديث رقم ۶۴۵۵' وابن ماجه في السنن ۱۱۱۰/۲ الحديث رقم ۳۳۴۴' وأحمد في المسند ۱۵۶/۶۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے گھر والے دو دن (مسلسل) گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوئے مگر ایک ان دونوں میں سے کھجور ہوتی۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: کشاف کے مذہب کے مطابق عمومی احوال یا اوصاف مستثنیٰ منہ ہیں۔ تو گویا عبارت کی تقدیر یوں ہے: استقريت من آل محمد يومين يومين، فلم أجد يومين موصوفين بصفة من الأوصاف الا بأن أحد اليومين يوم تمرو الآخر يوم خبز۔

عرف میں اس کو سیر ہونا نہیں کہا جاتا' لہٰذا سیری تو سرے سے ہی نہ پائی گئی۔ اس بات کی تائید حضرت عائشہؓ ہی کے ایک دوسرے اس بیان سے ہوتی ہے: ما شبعنا من الأسودين۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: زیادہ واضح بات یہ ہے کہ دنوں میں سے ایک دن تو سیری حاصل ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اس کی مؤید شمائل ترمذی ہی کی روایت ہے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: ما شبع رسول الله ﷺ من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض ﷺ۔ یہ روایت اس حدیث "ما شبعنا من الأسودين" کے منافی نہیں، چونکہ اس کو دوام پر محمول کرنے کا امکان ہے، علاوہ ازیں تتابع کا احتمال بھی ہے۔

دو سیاہ چیزیں

۴۱۹۴: وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۵۲۷/۹ الحديث رقم ۵۳۸۳' ومسلم في ۲۲۸۴/۴ الحديث رقم (۲۱۔۲۹۷۵ وأحمد في المسند ۱۵۸/۶۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی ہم نے دو سیاہ چیزیں یعنی کھجور اور پانی سے پیٹ بھرا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: "من الأسودين" مراد کھجور اور پانی ہے۔ اس میں تغلیب ہے مشروب پر ماکول کا اطلاق تغلیباً ہے چونکہ یہ اصل مطلوب ہے' جیسا کہ "شبع" کو "ری" پر غلبہ حاصل ہے اس میں تغلیب ہے۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''ألاسودان'' سے مراد کھجور اور پانی ہے۔حالانکہ صفت سواد کھجور میں ہوتی ہے نہ کہ پانی میں۔اس کے باوجود دونوں کو''اسود'' کہا گیا۔عرب کی عادت تھی کہ وہ ایسی دو اشیاء جو اکٹھی استعمال ہوتی تھیں' ان کا نام ایک کی وجہ سے دوسرے پر بھی اکٹھا کر کے بول دیا کرتے تھے۔

ملا علیؒ قاریؒ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ عرب کبھی مذکر کو غلبہ دیتے ہیں جیسا کہ''قمرین''،کبھی أخف کو جیسا کہ''عمرین'' اور کبھی احری کو جیسا کہ''والدین'' یہ قول اصحاب غریب کا ہے۔یہ علم و وصف دونوں کو شامل ہے۔

قوله: متفق عليه: اور ایک صحیح نسخہ میں رواہ مسلم ہے۔

تعیش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا

۴۱۹۵: وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنْسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ٤/٢٢٨٤ الحديث رقم (٣٤-٢٩٧٧) والترمذی فی السنن ٤/٥٠٦ الحديث رقم ٢٣٧٢' وابن ماجه فی ٢/١٣٨٨ الحديث رقم ٤١٤٦' وأحمد فی المسند ٤/٢٦٨۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ کہنے لگے تم ایک کھانے اور پینے پر نہیں رکتے بلکہ اس میں جس طرح چاہتے ہو وسعت کرتے ہو۔میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکارہ کھجور بھی اس قدر میسر نہ تھی جو پیٹ بھر دے۔یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: قال أنستم**: یہ خطاب ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرماتے کے بعد بقید حیات تھے یا یہ خطاب تابعین سے ہے۔

فی طعام وشراب ما شئتم: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مصدر محذوف کی صفت ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے: **ألستم منغمسين فی طعام وشراب مقدار ما شئتم من التوسعة والافراط فيه** پس''ما'' موصولہ ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصدریہ ہو۔اھ۔اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ''ما'' استفہامیہ ہو۔**ای ای شیء شئتم منهما**؟ یہ جملہ تعبیر وتوبیخ پر مبنی ہے۔اس کا قرینہ آنے والا اگلہ جملہ ہے۔

نبيكم: میں اضافت برائے الزام ہے۔چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا اور دنیاوی لذتوں سے اعراض فرماتے تھے اور لذیذ مشروبات و ماکوت کا استعمال۔

مروی ہے کہ مالک بن نویرہ نے جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ کہا: **كان صاحبكم يقول** کہ تمہارے ساتھی (یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) یوں یوں کہتے تھے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا وہ صرف ہمارے ساتھی ہیں تمہارے ساتھی نہیں ہیں؟: **هو صاحبنا وليس بصاحبك**؟ اور مالک بن نویرہ کو قتل کر ڈالا۔واضح رہے کہ حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو صرف اس جملہ کی وجہ سے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ ان کو مالک بن نویرہ کے مرتد ہونے کی اطلاع پہنچی تھی، اس کلام

کے ذریعے اس کے ارتداد کی خبر مؤکد ہوگئی۔ چنانچہ مجموعی صورتحال کے پیش نظر حضرت خالد بن ولید نے اس کے قتل کو مباح سمجھا۔

عرض مرتب: اس واقعہ کی مناسبت اس حدیث باب سے کیا ہے؟ واللہ اعلم بالصواب۔ بظاہر مناسبت یہ ہے کہ حدیث باب میں "نبیکم" ہے اور اس روایت میں "صباحبکم" ہے۔ جو اشکال حضرت خالد بن ولیدؓ کی روایت پر ہوتا ہے وہی اعتراض حدیث باب پر بھی ہوسکتا ہے۔

"لقد رأیت" اگر بمعنی "نظرت" ہو تو "وما یجد من الدقال" جملہ حالیہ ہے۔ اور اگر "رأیت" بمعنی "علمت" ہے تو یہ جملہ محل نصب میں مفعول ثانی ہے۔ خبر کان واخواتھا کے مشابہہ ہونے کی وجہ سے واؤ داخل کیا گیا۔ جیسا کہ اخفش اور کوفیوں کا مذہب ہے۔ یہ امام طیبیؒ کی تحقیق ہے۔ قول معتمد اول ہے۔

الدقل دال اور قاف کے فتحہ کے ساتھ گھٹیا اور خشک کھجور اور وہ کھجور جس کا کوئی خاص نام ہو اس کے خشک اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے جمع نہ کی جاتی ہو بلکہ اِدھر اُدھر بکھری ہوئی ہو۔ (نہایہ)

ما یملأ بطنه: **یجد** کا مفعول ہے۔ ما موصولہ ہے یا موصوفہ ہے۔

من الدقل: "من بیانیه" ہے اور ماقبل "ما" کا بیان ہے۔

تخریج: نیز اسی طرح امام ترمذیؒ نے شمائل ترمذی میں روایت کیا ہے۔

لہسن والے کھانے کی واپسی

۴۱۹۶: وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ اَکَلَ مِنْهُ وَبَعَثَ بِفَضْلِهٖ اِلَیَّ وَاِنَّهٗ بَعَثَ اِلَیَّ یَوْمًا بِقَصْعَةٍ لَمْ یَاْکُلْ مِنْهَا لِاَنَّ فِیْهَا ثُوْمًا فَسَاَلْتُهٗ اَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اَکْرَهُهٗ مِنْ اَجْلِ رِیْحِهٖ قَالَ فَاِنِّیْ اَکْرَهُ مَا کَرِهْتَ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ جب آپ کے پاس کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے تناول فرماتے اور بچا ہوا کھانا میرے پاس بھیج دیتے تھے ایک دن آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ کھانے کا جس میں لہسن تھا میری طرف بھیجا اس میں سے کچھ بھی آپ نے تناول نہ فرمایا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ حرام نہیں لیکن اس کی بو کی وجہ سے میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ ابوایوب کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس کو آپ ناپسند کرتے ہیں۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: شاید کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آنحضرت ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے اور ابوایوب انصاریؓ کے گھر آ کر اترے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ابوایوب انصاری مدینہ کے تنگ دست ترین لوگوں میں سے تھے۔

وانه: ضمیر شان ہے۔ یا نبی کریم ﷺ کی طرف عائد ہے۔

وانه بعث الیّ یومًا بقصعة: ایک نسخہ میں "الیه" ہے، جو روایۃً ودرایۃً ہر اعتبار سے ضعیف ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں

صحیح مسلم کے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور اس کے باقی نسخوں میں "قصعة" ہے اور "منها" دونوں ساقط ہیں۔

قوله: احرام هو: ضمیر کا مرجع۔لہسن ہے یا وہ کھانا کہ جس میں لہسن ڈالا ہوا تھا۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کی نوبت اس وجہ سے پیش آئی کہ انہوں نے تو یہ کھانا کھانے کیلئے بھیجا تھا۔کہیں ایسا تو نہیں کہ آنحضرت ﷺ کیلئے یہ کھانا حرام ہو۔

قال :لا ولكن اكرهه من اجل ريحه:یہ ارشاد کھانے میں عیب نکالنے کے مترادف نہیں بلکہ اس مانع کا اظہار تھا کہ جس وجہ سے آنحضور ﷺ نے تناول فرمانے سے اعراض فرمایا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس سے صراحتہً یہ پتہ چلتا ہے کہ ثوم کا استعمال مباح ہے البتہ اس شخص کیلئے مکروہ ہے جو نماز باجماعت میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو اور ہر وہ چیز جس میں بدبو ہو لہسن کے حکم میں ہے۔نبی کریم ﷺ لہسن کا استعمال بالکل نہیں فرماتے تھے چونکہ ہر گھڑی وحی کی آمد متوقع ہوتی تھی۔

فقہا کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ لہسن، پیاز اور گندنا آنحضور ﷺ کے حق میں محرم تھا یا غیر محرم؟ ہمارے بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ حرام تھا۔اصح یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی تھا۔اس کی دلیل: **أحرام هي**؟ کے جواب میں آنحضور ﷺ کا یہ عمومی فرمان "لا" ہے۔

حرمت کے قائل حضرات اس "قال :لا" کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں: ای "**ليس بحرام فی حقكم**"۔(تمہارے لئے اس کا استعمال حرام نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آکل وشارب کے لئے مستحب ہے کہ وہ اضافی کھانا اور مشروب اپنے غریب پڑوسیوں کے ہاں بھیج دے، الاقرب فالاقرب کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

فانّی :ایک نسخہ میں انّی ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری کا یہ فرمانا کمال اتباع کی وجہ سے تھا۔یا اس وجہ سے تھا کہ وہ بھی جماعت میں شرکت کا ارادہ رکھتے تھے۔

کچے پیاز ولہسن کے استعمال کا پسند نہ فرمانا

۴۱۹۷ :وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ ثَوْماً اَوْبَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْنَا اَوْقَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا اَوْلِيَقْعُدْ فِیْ بَيْتِهٖ وَاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُتِیَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَارِيْحًا فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَقَالَ كُلْ فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّا تُنَاجِیْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲/۳۳۹ الحديث رقم ۸۵۵، ومسلم فی ۱/۳۹٤ الحديث رقم (۷۳-٥٦٤)، وأبو داوٗد فی السنن ٤/۱۷۰ الحديث رقم ۳۸۲۲ والترمذی فی ٤/۲۲۹ الحديث رقم ۱۸۰٦۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص (کچا) لہسن و پیاز کھائے وہ ہم سے ایک طرف رہے۔ وہ ہماری مجلس میں نہ آئے یا اس طرح فرمایا وہ ہماری مسجد سے ایک طرف رہے یا فرمایا وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ہنڈیا لائی گئی اس میں ترکاریوں کی ہریاول تھی یعنی لہسن و پیاز پڑا تھا آپ ﷺ نے اس میں (ان کی) بو پائی تو ایک خادم سے فرمایا اسے فلاں شخص کے پاس لے جاؤ اور اپنے صحابہ کرام میں سے ایک کی طرف اشارہ فرمایا جو کہ موجود تھے اور پھر اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا مجھے اس سے کلام کرنا ہوتا ہے جس سے تجھے کلام نہیں کرنا ہوتا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''توماً وبصلاً'': ''او'' تنویع کیلئے ہے۔ ہر وہ چیز جو بدبودار ہو مثلاً، گندنا اسی کے حکم میں ہے۔

أو فليعتزل مسجد نا: چونکہ مساجد نا صرف یہ کہ مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ ہیں بلکہ ملائکہ مقربین کا مقام نزول بھی ہیں۔ بعض علماء کا فرمانا ہے کہ یہ ممانعت صرف مسجد نبوی کیلئے ہے۔ لیکن جمہور کی رائے اس کے برعکس ہے فرماتے ہیں کہ ''فلا یقربن مساجدنا'' کا صریح مقتضی عموم ہے۔

قوله: أو ليقعد في بيته: بعض حضرات نے اس ''أو'' کو شک کیلئے اور بعض نے تنویع کیلئے قرار دیا ہے۔ الجامع الصغیر میں ''أو'' کی جگہ ''وَ'' ہے۔ اس تقدیر پر یہ جملہ مؤکدہ ہے۔

وان النبي ﷺ: ان کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ جملہ حالیہ ہے' اور اگر ''أن'' فتحہ کے ساتھ ہو تو یہ جملہ معطوفہ ہوگا۔ اور یہی اولی ہے۔

خضرات: ''خاء نقطہ والی کے فتحہ اور ضاد معجمہ کے کسرہ کے ساتھ، خضرة کی جمع ہے۔ یہ لفظ خاء کے ضمہ اور ضاد معجمہ کے فتحہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا۔ ''خضرة'' کی جمع ہے۔

تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ ''بقدر'' کو امام بخاریؒ نے قاف کے ساتھ روایت کیا ہے' حالانکہ بعض حضرات کے فرمان کے مطابق باء کے ساتھ ''ببدر'' درست ہے۔ اس طبق کو کہتے ہیں جو کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا ہے۔ اور شاید کہ اِس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے، چونکہ یہ بھی ''بدر'' کی طرح گول ہوتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے نسخوں میں ''أتي بقدر'' کے الفاظ ہیں۔ صحیح البخاری اور سنن ابوداؤد وغیرہ جیسی کتب معتمدہ میں ''ببدر'' (دوہری باء موحدہ کے ساتھ) ہے۔ علماء کا فرمانا ہے کہ یہی درست ہے۔ رواۃ اور اہل لغت وغریب حضرات نے ''بدر'' کی تفسیر ''طبق'' کے ساتھ کی ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بخاری شریف کے نسخوں میں اختلاف ہے۔ بعض شراح نے ''بدر'' کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ اور اہل لغت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ''القدر'' والی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ (کھانا) پکا ہوا تھا' پکی ہوئی سبزیوں کے کھانے کی اجازت بھی وارد ہے۔

عسقلانیؒ نے ''القدر'' کی روایت کو اُصح قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا پکے ہوئے لہسن کے استعمال سے رکنے اور دوسرے حضرات کو اس کی اجازت مرحمت فرمانے میں تعارض کی کوئی بات نہیں، نبی کریم ﷺ نے اس کی علت خود ہی ارشاد

فرمادی:فأني أناجي من لا تناجي۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:اس بات کا امکان موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہ کھانا تناول نہ فرمانا اس وجہ سے ہو کہ وہ لہسن پکانہ ہو بلکہ کچا ہو۔یہ بات ہانڈی میں ہونے کے منافی نہیں،چونکہ بعض مرتبہ سارا سالن برابر نہیں پک پاتا،چہ جائیکہ لہسن جیسی چیز ہو۔اور کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ جب ہانڈی پکنے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت لہسن ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان چیزوں کی بُو مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے۔جیسا کہ اگلا جملہ اس پر دال ہے۔

قولہ:قربوها الى بعض أصحابه:اُصحاب کو مبہم رکھا چونکہ مقصود حاصل تھا،کسی فرد متعین کا نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔

کل:امام طیبیؒ فرماتے ہیں شاید کہ آنحضرت ﷺ نے"قرّبوها الى فلان"کے الفاظ ارشاد فرمائے ہوں۔اس بات کا قرینہ لفظ"کل"ہے۔راوی نے بعینہ وہ الفاظ ذکر کئے جن کا آنحضرت ﷺ نے تلفظ فرمایا تھا۔چونکہ ان کو بالتصریح نام یاد نہ تھا۔تو راوی نے"بعض أصحابه"کی تعبیر اختیار کی۔

فاني أناجي من لا تناجي:اس سے مراد ملائکہ ہیں یا جبریل علیہ السلام ہیں۔مطلب یہ تھا کہ(یہ فرشتے میرے پاس آتے رہتے ہیں اور)میں ان سے بات چیت کرتا ہوں،تم ان سے بات چیت نہیں کرتے،بعض چیزیں ایسی ہیں جو تمہارے لئے جائز ہیں مگر میرے لئے جائز نہیں۔بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس مت کرو۔

تخریج:اس روایت کی تخریج پہلے مذکور ہو چکی ہے'کہ اسے ابوداؤد وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

کھانا تولنا برکت کا باعث

۴۱۹۸:وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرَبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤/٣٤٥ الحدیث رقم ٢١٢٨ وابن ماجه فی السنن ٢/٧٥١ الحدیث رقم ٢٢٣٢' وأحمد فی المسند ٤/١٣١۔

ترجمہ:حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیل کیا کرو یعنی اپنے طعام کی ناپ تول کرو۔اس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے برکت پیدا فرما دیں گے۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ:کیلوا اطعامکم یبارك لکم:

یبارك:مجہول کا صیغہ ہے۔اور"الجامع"کی روایت میں"فیه"کی زیادتی بھی ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں:مطلب یہ ہے کہ جو چیز ماپ تول کر لی دی جاتی ہے اس کو قرض،لین دین،بیچنے،خریدنے وقت ماپ تول لیا کرو تاکہ مقدار مجہول کی بیع وشراء لازم نہ آئے چونکہ اس قسم کی بیع وشراء جائز نہیں۔نیز اپنے اہل وعیال کا راشن بھی اگر نہیں تولے گا تو بعض مرتبہ وہ بقدر کفایت نہیں ہوتا ہے اس صورت میں راشن کی کمی سے اہل خانہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور کبھی راشن ان کی قدر کفایت سے زائد ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے معاملات کا علم ویقین

ہو۔جو آدمی بھی آنحضرت ﷺ کی سنت ملحوظ خاطر رکھے گا دنیا میں نہایت برکت اور آخرت میں اجر عظیم پائے گا۔

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس حدیث کے درمیان مطابقت کیوں کر ہوگی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے۔فرماتی ہیں:**توفی رسول اللهﷺ وما لی شئ یاکله ذوکبد إلا شطر شعیر فی رف، وکنت آکل منه مدة، فکلته فذهبت برکته۔**

"جب رسول کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہ تھا جو کوئی جاندار کھاتا، علاوہ اس تھوڑے سے جَو کے جو خاری میں تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جَو کی اس تھوڑی سی مقدار میں اتنی برکت عطا فرما رکھی تھی کہ میں ایک مدت تک اس میں سے نکال نکال کر اپنے کھانے کا انتظام کرتی رہی۔پھر (ایک دن) میں نے اس کو ماپ ڈالا، بس جب ہی سے اس کی برکت جاتی رہی۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں خرید و فروخت کے وقت ماپنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ برابری اور توازن قائم رہے۔اس میں خیر و برکت ہے۔اور خرچ کے وقت ماپنا درحقیقت احصاء وضبط ہے۔(جو ایک طرح سے بخل اور تنگی قلب کا مظہر ہے۔ازمترجم) اور اس سے منع کیا فرمایا گیا ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أنفق بلالا ولا تخش من ذی العرش إقلالا۔

بلال! تم بس خرچ کرو۔صاحب عرش (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے کمی کیے جانے کا خوف نہ کرو۔"

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے، بخاری نے اپنی تاریخ" میں، ابن ماجہ نے عبید اللہ بن بسر سے، احمد اور ابن ماجہ نے ابو ایوب سے، طبرانی نے ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ابن النجار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے:

کیلوا طعامکم فإن البرکة فی الطعام المکیل۔"کھانے پینے کی چیزوں کو ناپ تول لیا کرو۔چونکہ برکت ناپے ہوئے کھانے میں ہوتی ہے"۔

کھانے کی دُعا

۴۱۹۹:وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبٰرَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا . (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۵۸۰/۹ الحدیث رقم ۵۴۵۸، وأبو داؤد فی السنن ۱۸۶/۴ الحدیث رقم ۳۸۴۹، والترمذی فی ۴۷۳/۵ الحدیث رقم ۳۴۵۶ وابن ماجه فی ۱۰۹۲/۲ الحدیث رقم ۳۲۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کھانا کھا چکتے تو یہ دعا پڑھتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبٰرَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا" اللہ تعالیٰ کے لئے تمام پاکیزگی ہے یعنی جو خالی ہو رہا اور شہرت سے۔اسی میں برکت ہے یعنی بابرکت حمد جس میں انقطاع نہ ہو نہ کفایت کی گئی اور نہ متروک ہوئی اور نہ اس سے بے نیازی ہوا اے ہمارے رب۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: ''اذا رفع'' ایک روایت میں ''اذا رفعت'' کے الفاظ ہیں۔اور ایک روایت میں (اذا رفع کے بعد) من بین یدیه کے الفاظ بھی ہیں۔

اس حدیث پر ایک اشکال ہے۔وہ یہ کہ علماء نے ''المائدہ'' کی تفسیر ''خوان علیه طعام'' سے کی ہے۔حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح میں آتا ہے: أنه ﷺ لم يأكل على خوان قط، جیسا کہ یہ بات ماقبل میں بھی گزر چکی ہے۔

پہلا جواب: آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کیلئے کبھی کبھی خوان پر بھی کھانا تناول فرمایا ہے۔البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو خوان پر کھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا لیکن دوسرے حضرات نے دیکھا ہے۔

دوسرا جواب: مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر۔

تیسرا جواب: ''خوان'' مخصوص ہے اور ''مائدة'' کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے۔چونکہ یہ ما دیمید بمعنی ''تحرك أو أطعم'' سے مشتق ہے۔یہ کسی خاص صفت کے ساتھ مختص نہیں۔کبھی کبھی ''مائدة'' کا لفظ بول کر کھانا یا کھانے کے آثار یا بچا ہوا کھانا مراد لیا جاتا ہے۔لہٰذا ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ''اذا رفع مائدته'' سے مراد دستر خوان لے رہے ہوں یا ''بقیۃ الطعام'' مراد لے رہے ہوں۔

قال الحمد الله ...... : ایک روایت میں ''یقول'' ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا بلند آواز سے کی۔

سنت یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہونے پر حمد بلند آواز سے نہ کی جائے تا کہ یہ ان کیلئے مزید کھانا کھانے میں رکاوٹ نہ بنے۔

الحمد لله: حمد کی تعریف ہے: الثناء بالجميل على ذاته وصفاته وافعاله۔اور (مخلوق کو) کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور انعام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے۔

حمدا: الحمد کیلئے مفعول مطلق ہے۔

کثیرا: یعنی اس قدر حمد کثیر کہ جس کی غایت نہیں جیسا کہ اس کی نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

طیبا: ایسی حمد جو ریاء اور شہرت سے پاک ہو۔

کثیرا، طیبا، اور مبارکا یہ تینوں ''حمدا'' کی صفات ہیں۔

فیه: ضمیر ''حمد'' کی طرف راجع ہے۔یعنی ایسی بابرکت دائمی حمد جو کبھی منقطع نہ ہو چونکہ ہم پر اس کی نعمتوں کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوتا لہٰذا حمد بیان کرنے کا ہمارا یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہو خواہ نیت میں جاری رہے یا اعتقاد میں جاری رہے۔

غير مكفي: اصول معتمدہ کے مطابق غیر منصوب علی الحالیۃ ہے لفظ جلالہ سے حال ہے۔یا ''حمد'' سے حال ہے چونکہ یہ قریب ہے۔ایک نسخہ میں مرفوع ہے هو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔

مكفي: كفاية سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور ضمیر ''الحمد'' کی طرف راجع ہے، أي: لا يكتفى بهذا القدر من الحمد، فإن كل حمد يحمد به الحامدون فهم فيه مقصرون۔

بعض کا کہنا ہے کہ ضمیر اللہ جل شانہ کی طرف راجع ہے۔أي: غير محتاج إلى أحد فيكفى، لكنه يطعم ولا

يطعم، ويكفى ولا يكفى۔

بعض کا کہنا ہے کہ "مکفی" میں احتمال ہے کہ "كفات الإناء" سے ماخوذ ہو۔ أی: **غير مردود عليه إنعامه۔** اور احتمال ہے کہ ضمیر "طعام" کی طرف عائد ہو، اور مطلب یہ ہوگا: **انه غير مكفى من عندنا، بل هو الكافى والرازق۔**

ابن جوزی، ابومنصور جوالیقی سے نقل کرتے ہیں کہ درست لفظ "غیر مکافأ" ہمزہ کے ساتھ ہے۔ أی: **نعمة الله لا تكافأ۔** عسقلانیؒ فرماتے ہیں ابوامامہ کی حدیث میں یہ لفظ "اسی طرح "یاء" کے ساتھ آیا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا معنی ہے: **والله أعلم۔**

ولا مودع: دال مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔ أی: **غير متروك الطلب والرغبة فيما عنده فيعرض عنه۔** بعض کا کہنا ہے کہ احتمال یہ ہے کہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہو، قائل سے حال ہو، أی: **غير تارك الحمد، أو تارك الطلب والرغبة فيما عنده۔** اس توجیہہ پر یہ نقد وارد ہوتا ہے کہ یہ معنی اپنے مابعد کلام "**ولا مستغنى عنه**" سے میل نہیں کھاتا، چونکہ از روئے روایت یہ صرف بصیغۂ مفعول مروی ہے۔ جیسا کہ رسم الخط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا: **غير مطروح ولا معرض عنه، بل محتاج إليه،** یہ ماقبل کیلئے تاکید ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لا عطف تفسیری ہے، جیسا کہ بعض کا کہنا ہے۔ اس پر اشکال کیا گیا ہے' وہ یہ کہ یہ ایک ایسے فائدہ پر مشتمل ہے جو فائدہ ماقبل کلام سے صراحتاً مستفاد نہیں ہو یا' اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص حمد سے مستغنی نہیں' چونکہ حمد وثناء ہر مکلّف پر واجب ہے' اس لئے کہ ایسا کوئی بھی شخص نہیں کہ جس پر خدا کی کوئی نعمت نہ ہو' بلکہ ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں' نعمتوں کے مقابلہ میں حمد واجب ہے جیسا کہ اہل علم نے اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن وجوب حمد سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو شخص زبان سے حمد بیان نہیں کرے گا وہ گناہ گار ہوگا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نعمتوں کے مقابلہ میں بالمعنی الاعم اللہ کی حمد بیان کرے گا اس کو واجب کے ثواب جتنا ثواب دیا جائے گا' اور جو شخص حمد بیان کرے' لیکن وہ کسی شئے کے مقابلہ میں نہ ہو تو اس کو مندوب کا ثواب دیا جائے گا۔ اور شکر منعم بمعنی امتثال اوامر واجب اجتناب از زواجر' ہر مکلّف پر شرعاً واجب ہے' اس کا تارک بالاجماع گناہ گار ہے۔

"ربنا" اس کو مرفوع' منصوب ومجرور تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔

مرفوع ہونے کی تقدیر پر دو احتمال ہیں:

1. مبتدا محذوف کیلئے خبر ہے۔ أی **هو ربنا، أو أنت ربنا اسمع حمدنا ودعائنا۔**
2. یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر "غیر" محذوف ہے جو اس پر مقدم ہے۔

حنفیؒ نے شرح شمائل میں عجیب بات لکھی ہے کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ أی: **ربنا هذا،**

منصوب پڑھنے کی تقریر پر اس میں چار احتمال ہیں:

(1) یہ منادیٰ ہے، اور حرف ندا محذوف ہے۔ (2) منصوب علی المدح ہے۔ (3) منصوب علی الاختصاص ہے۔ (4) أعنی مقدر ہے۔

اور مجرور پڑھنے کی صورت میں لفظ "اللہ" سے بدل ہے۔

ابن حجرؒ شرح شمائل میں لکھتے ہیں ''عنہ کی ضمیر سے بدل قرار دینے کا قول واضح طور پر فاسد ہے' چونکہ ''عنہ'' کی ضمیر ''حمد'' کی طرف راجع ہے' جیسا کہ صاحب ذوق پر مخفی نہیں۔ اھ۔ ان کا یہ کلام محل نظر ہے، چونکہ انہوں نے عنه کی ضمیر کا مرجع لفظ جلاله ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ اظہر ہے، للہٰذا اس میں کوئی بھی فساد لازم نہیں آتا۔

تخریج: اس حدیث کو احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

كان إذا رفعت مائدته قال: الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه الحمد لله الذى كفانا وأوانا غير مكفى ولا مكفور ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا۔

شکر گزار اللہ تعالیٰ کو پسند

۴۲۰۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ فَيَحْمَدَهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهٗ عَلَيْهَا (رواه مسلم وسنذكر حديثى عآئشة وابى هريرة) **مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.**

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤/ ٢٠٩٥ الحديث رقم (٨٩-٢٧٤٣)۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ لقمہ کھا کر اس کی تعریف کرے یا پانی پی کر اس کی تعریف بیان کرے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: الأكلة: ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ أى: **المرة من الأكل حتى يشبع**۔ اور ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کے معنی ہیں ''لقمہ''۔ اداء حمد کے بیان اہتمام کی وجہ سے یہ ابلغ ہے۔ لیکن پہلی صورت اگلے کلام ''أو يشرب الشربة'' کے زیادہ موافق ہے، چونکہ یہ (یعنی الشربۃ) صرف بالفتح مروی ہے۔

إن الله تعالىٰ ليرضى عن العبد: ''ال'' جنس کیلئے بھی ہوسکتا ہے اور استغراق کا بھی ہوسکتا ہے۔

أن يأكل: کلام میں مضاف حذف ہے۔ أى: **بسبب أن يأكل، أو لأجل أن يأكل، أو وقت أن يأكل**۔ ''یا'' ليرض'' کیلئے مفعول بہ ہے۔ أى: **يحب منه أن يأكل**۔

''الأكلة'' اور ''الشربة'' یہ دونوں کلمات مفعول مطلق ہیں۔

فيحمده: منصوب ہے، اور وجہ نصب بالکل ظاہر ہے۔

البتہ ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے۔ (اس تقدیر پر ''هو'' مبتدا محذوف کیلئے خبر ہے)۔ أى: **فهو أى العبد يحمده**۔ اور ایک روایت میں **فيحمد الله** ہے۔ **أو يشرب الشربة:** ''أو'' برائے تنویع ہے۔ حنفیؒ نے عجیب بات کہی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ''أو'' راوی کے شک کا بیان ہو۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، ترمذی و نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

الفصل الثانی:

بسم اللہ سے کھانے میں برکت اور نہ پڑھنے سے بے برکتی

۴۲۰۱: عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقُرِّبَ اِلَیْهِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا کَانَ اَعْظَمَ بَرَکَةً مِّنْهُ اَوَّلَ مَا اَکَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَکَةً فِیْ اٰخِرِهٖ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰهَ فَاَکَلَ مَعَهُ الشَّیْطَانُ .

أخرجه البغوی فی شرح النسه ۱۱/ ۲۷۵ الحدیث رقم ۲۸۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے قریب تھے آپ کے قریب کھانا لایا گیا تو شروع میں میں نے اس سے زیادہ برکت والا کھانا نہیں دیکھا اور آخر میں میں نے اس سے زیادہ کم برکت والا کھانا نہیں دیکھا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کھانے کا حال کیوں ایسا تھا کہ شروع میں اتنی برکت والا اور آخر میں اتنا بے برکت؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ کا نام کھانا شروع کرتے وقت لیا۔ پھر آخر میں ایسا شخص بیٹھا کہ جس نے کھایا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا پس اس کے ساتھ شیطان نے کھایا یعنی اللہ تعالیٰ کا نام ترک کرنے کی وجہ سے۔ اس وجہ سے آخر میں بے برکتی ہوئی۔ یہ شرح السنۃ کی روایت ہے۔

تشریح: فقرب طعام: ایک نسخہ میں ''الیه'' (کا اضافہ) ہے۔

أول ما أكلنا: ''اول'' منصوب علی الظرفیۃ ہے۔ اس کی دلیل اگلہ جملہ ہے۔ اور ''ما'' مصدریہ ہے۔ أی أول وقت أكلنا۔

ولا أكل بركة: (یہاں کچھ عبارت محذوف ہے)۔ أی: ولا أقل بركة منه فی آخر وقت أكلنا إياه۔

قال إنا ذكرنا اسم الله حين أكلنا:

جمہور کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص نے کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھی' جیسا کہ سنت کا تقاضا تھا۔ اور اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ کھانا کھاتے ہوئے آپؐ کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی۔

اس میں اشارہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنے کی سنت ''بسم اللہ'' کہہ لینے سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن اکمل یہ ہے کہ پوری بسم اللہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن پڑھی جائے۔ جیسا کہ امام غزالی اور امام نووی وغیرہ رحمہما اللہ نے کہا ہے۔ اگرچہ اس پر بعض محدثین نے اعتراض کیا ہے کہ اس کے افضل ہونے کوئی دلیل خاص موجود نہیں ہے۔

کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا مستحب ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص جنبی (حالت ناپاکی میں) ہو یا کوئی عورت ایام حیض یا حالت نفاس میں ہو تو یہ استحباب کے لئے بھی ہے بشرطیکہ بسم اللہ پڑھتے وقت تلاوت قرآن کی نیت سے نہ کہے (بلکہ ذکر کی نیت سے پڑھے) ورنہ حرام ہوگا (کیونکہ ناپاکی اور حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت حرام ہے اور بسم اللہ بھی قرآن کریم ہی کا ایک فقرہ ہے)۔ ابن حجرؒ شرح شمائل میں فرماتے ہیں:

جن چیزوں کو کھانا پینا شریعت کی رو سے مکروہ یا حرام ہے ان کو کھاتے پیتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا

فأكل معه الشيطان: یعنی شیطان کے شریک ہو جانے کی وجہ سے کھانے کی برکت بہت تیزی سے ختم ہو گئی' ہمارے بسم اللہ پڑھنے کے باوجود شیطان کھانے میں شریک ہو گیا۔ اور شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے' جمہور علمائے سلف وخلف اس کے قائل ہیں' یہ عقلاً ممکن ہے' اور شریعت نے اس کا اثبات کیا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اجتماعی طور پر کھانا کھانے کی صورت میں کسی ایک شخص کا بسم اللہ پڑھ لینا اس کھانے پر موجود سب لوگوں کے لئے کافی ہے باقی لوگوں سے بسم اللہ پڑھنے کا حکم ساقط ہو جائے گا (یعنی ہر ایک شخص کا بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے)۔

اس حدیث کی روشنی میں جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی ''**ثم قعد من أكل**'' کا مطلب یہ ہے: **ثم قعد بعد فراغنا من الطعام ولم يسم**، یا یہ کہا جائے کہ اس شخص کے ہمراہ اس کا شیطان آیا تھا، ہمارا بسم اللہ پڑھنا اس کے حق میں مؤثر نہیں ہوا، اور نہ اس شخص نے بسم اللہ پڑھی۔ قصہ مختصر یہ کہ ہمارا یہ عمل اس کے شیطان کو اس کے ہمراہ کھانے سے مانع نہ بن سکا۔

امام میرک' امام طیبی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ اس بات سے باخبر ہیں کہ پہلی توجیہ تو ظاہر حدیث کے خلاف ہے، چونکہ ''ثم'' کی تراخی کا مطلب ''**تراخي قعود الرجل عن أول اشتغالهم بالأكل**'' ہے۔ تراخی کا مطلب ''**تراخيه عن فراغهم الأكل**'' نہیں ہے جیسا کہ ان کا دعوی ہے تو ایسا نہیں ہے۔ البتہ دوسری توجیہہ مستحسن ہے، لیکن رفع تناقض بین الحدیثین وبین قول الشافعی کیلئے صریح نہیں ہے۔ لہٰذا یوں کہنا اولیٰ ہے کہ امام شافعیؒ کے کلام کا محمل اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب چند افراد معاً کھانے میں مشغول ہوئے ہوں اور ان میں سے ایک شخص بسم اللہ پڑھ لے، اس صورت میں کسی ایک شخص کا تسمیہ اس کھانے پر اس وقت موجود سب لوگوں کیلئے کافی ہوگا، لیکن جو شخص اس تسمیہ کے وقت ان کے ہمراہ موجود نہیں تھا اس کی طرف سے یہ تسمیہ کافی نہ ہوگا۔ چونکہ تسمیہ کا مقصود یہ ہے کہ کھانے پر موجود کسی شخص کے ساتھ شیطان شریک نہ ہو جائے، چنانچہ جب کوئی شخص کسی جماعت میں تسمیہ کے وقت موجود ہی نہ تھا تو اس صورت میں یہ تسمیہ اس شخص کے ساتھ شیطان کی شرکت سے مانع ہونے میں مؤثر نہ ہوگا۔

تخریج: اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے شمائل میں ذکر کیا ہے۔

بھولنے والا بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ کہہ لے

۴۲۰۲: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَاللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ۔ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١٣٩/٤ الحديث رقم ٣٧٦٧، والترمذی فی ٢٥٤/٤ الحديث رقم ١٨٥٨،

والدارمی فی ٢/١٢٩ الحديث رقم ٢٠٢٠ وأحمد فی المسند ٦/٢٠٨۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے اور وہ بسم اللہ بھول جائے یعنی ابتداء میں بھول جائے پھر درمیان میں یاد آئے تو اسے اس طرح کہنا چاہئے بسم اللہ اولہ و آخرہ۔ یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: فنسی: نون کے فتحہ، اور سین مہملہ مخففہ کے کسرہ کے ساتھ،

اس حدیث سے ''نسیت'' کہنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ ''نسیت'' کہنے کی ممانعت کی روایت کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں بھول گیا بلکہ یوں کہے کہ مجھے یہ بات بھلا دی گئی۔ چونکہ بھلاتا تو اللہ ہی ہے۔ یہ ایک ادب لفظی ہے جس کی مخالفت سے حرمت لازم نہیں آتی، مزید یہ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسى﴾[طه: ١١٥] أی ترك نسيانا۔

أن يذكر الله على طعامه:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرتے وقت محض اللہ کے نام کا ذکر کافی ہے لیکن بسم اللہ کہنا افضل ہے اور پوری بسم اللہ کہنا اس سے بھی افضل ہے، جیسا کہ پچھلی حدیث میں گذرا۔

محیط میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت (بسم اللہ کے بجائے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یا اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اوریَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو وہ سنت ادا کرنے والا کہلائے گا اسی طرح کھانے کی صورت میں بھی یہ مسئلہ ہے۔

وضو کے شروع میں تسمیہ کا حکم زیادہ تاکیدی ہے، حتیٰ کہ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں اور بعض نے اس کو شرط قرار دیا ہے۔

بسم الله أوله و آخره: باء مصاحبت کیلئے ہے، یا برائے استعانت ہے، دونوں احتمال ہیں۔

''**أوله و آخره**'' اس کے منصوب پڑھنے میں تین احتمال ہیں: ① منصوب علی الظرفیۃ ہیں۔ أی: **فی أوله و آخره**۔ ② منصوب بنزع الخافض ہیں۔ أی: **علی أوله و آخره**۔ ③ بعض کا کہنا ہے کہ یہ دونوں اسم فعل محذوف کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہیں۔ أی: **اكلت أوله و آكل آخره مستعينا بالله**۔ یہ ترکیب امام طیبیؒ کی بیان کردہ اس ترکیب سے اولیٰ ہے: أی: **آكل أوله و آخره مستعينا باسم الله**۔ چنانچہ جار مجرور فعل مقدر کے فاعل سے حال ہوں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کا مطلب:

① میں کھانے کے تمام اجزاء اللہ کے نام سے کھاتا ہوں جیسا کہ اس مفہوم کی تائید تسمیہ سے مقصود معنی سے بھی ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ اس (اولہ و آخرہ کی قید) سے کھانے کا درمیان (یعنی وسط) خارج ہو گیا۔ یہ حدیث مبارکہ ان آیات کی طرح ہے: ﴿ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا﴾[مريم۔٦٢] ﴿أكلها دائم﴾[الرعد۔٣٥]

② ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ أولہ سے مراد کھانے کا نصف اول، اور آخرہ سے مراد کھانے کا نصف آخر ہو۔ ... مقتضا و استیعاب حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے وہ یہ کہ کھانے کی ابتداء کا زمانہ مقدم ہے اور ''**بسم اللّٰہ أوله و آخره**'' کے ذریعہ استعانت کا زمانہ مؤخر ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ تسمیہ وسط طعام میں ہے، لیکن حکماً ابتدائے طعام میں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ مؤمن ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر پل، ہر لحظہ، ہر آن، ہر ساعت اپنے تمام احوال و افعال میں اللہ کی مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ اگرچہ نسیان کی وجہ سے اس کی زبان پر نام باری تعالیٰ جاری نہ ہو، وہ معفوعنہ ہے۔ اور اس پر یہ مسئلہ دلالت کرتا ہے کہ ذبح کے وقت نسیان تسمیہ معفوعنہ ہے۔ باوجودیکہ ذبح کے وقت تسمیہ شرط ہے، جیسا کہ کھانے کے وقت تسمیہ بالاجماع مستحب ہے۔ چنانچہ اس تقریر سے شارح کے کلام کا فساد بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں: **فنسي أو ترك على أى وجه كان، فإن الناسي معذور، فأمكن أن يتدارك ما فاته بخلاف المعتمد، وقال ابن حجر فى شرح الشمائل: وألحق به أئمتنا ما إذا تعمد أو جهل أو أكره اهـ۔**

عمد کی حقیقت تو معلوم ہو چکی اور جہاں تک تعلق ہے جہل کا، تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جائے: **إذا ترك ذكر اللّٰه أول أكله جهلا تكون التسمية سنة، فليقل فى أثنائه، بسم اللّٰه۔** الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ مراد یہ ہے کہ جب کھانے کے دوران مسئلہ کا علم ہو۔ اور اس مسئلہ کا نادر الوقوع ہونا کسی پر مخفی نہیں۔ باوجودیکہ ہم کہتے ہیں کہ جہل عذر ہے' جس طرح نسیان عذر ہے، بخلاف تعمد کے، لہٰذا دونوں برابر نہیں۔ اور اکراہ تو ان دونوں سے بڑھ کر عذر ہے باوجودیکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ بسم اللہ پڑھنے سے روک دیا جائے، چنانچہ ایسی صورت میں ''**ذكر اللّٰه جنانًا**'' پر اکتفاء کیا جائے گا، اس کی تعمد سے کیا نسبت۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: اگر تسمیہ شروع میں بھول جائے اور پھر درمیان وضو یاد آئے اور پڑھ لے تو سنت حاصل نہ ہوگی، بخلاف اس جیسے دوسرے اعمال مثلاً کھانا وغیرہ کے، اور علت یہ ہے کہ وضو عملِ واحد ہے، بخلاف کھانے کے، چنانچہ کھانے کے درمیان بسم اللہ کا تعلق بقیہ کھانے سے ہوگا، کھائے جا چکے کھانے کا استدراک نہ ہوگا اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ اگر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بسم اللہ پڑھی تو سنت کی ادائیگی کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا' لیکن فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ابن حجرؒ لکھتے ہیں: حدیث کا اطلاق اس کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ بعض متاخرین کا یہ کہنا مردود ہے کہ ''کھانے کے بعد یہ دعا نہ پڑھے' چونکہ اس کی مشروعیت ہی اس لئے ہے کہ یہ شیطان کے لئے مانع بنے' اور کھانا کھا چکنے کے بعد دعا پڑھنا اس کے لئے مانع نہیں ہوگا۔'' اور تردید کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کی مشروعیت فقط اسی لئے ہے' اس میں کیا مانع ہے کہ اس کی مشروعیت کھانے کے بعد کے لئے بھی ہو تا کہ شیطان کھایا ہوا کھانا قے کر دے' اور مقصود اس کا ضرر ہے' اور وہ دونوں حال میں حاصل ہے۔ یہ محل نظر ہے' چونکہ اگر اس کی یہ وجہ بھی ہوتی تو حکم یہ ہوتا کہ جو شخص کھانا کھانے کے لئے بیٹھے اور ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھ سکے تو وہ بعد میں پڑھ لے۔ اور اس قید کا ذکر عنقریب اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ اگر آخری لقمہ کھانے سے پہلے بھی تسمیہ ادا ہو جائے تو شیطان کو قے آ جاتی ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے جامع کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

إذا أكل أحدكم طعامًا فليذكر اسم الله، فإن نسى أن يذكر اسم الله فى أوله فليقل: باسم الله على أوله وآخره۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی وجہ سے شیطان کا قے کر دینا

۴۲۰۳: وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ مَازَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا ذَكَرَاسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَاءَ مَا فِيْ بَطْنِهٖ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٤/ ١٤٠ الحديث رقم ٣٧٦٨، وأحمد فى المسند ٤/ ٣٣٦۔

ترجمہ: حضرت امیہ بن مخشیؓ سے روایت ہے ایک شخص نے کھانا شروع کیا مگر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو اسے منہ کی طرف اٹھاتے ہوئے کہنے لگا بسم اللہ اولہ وآخرہ تو آپ ﷺ کو اس کی اس بات پر ہنسی آ گئی پھر آپ نے فرمایا۔ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو شیطان نے جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا وہ قے کر دی۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

امیۃ بن مخشی: یہ امیہ بن مخشی خزاعی ازدی ہیں۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے "طعام" کے بارے میں ان سے حدیث مروی ہے۔ ان کے بھتیجے مثنی بن عبدالرحمٰن ان سے روایت کرتے ہیں۔ "مخشی" میں میم مفتوح خاء ساکن شین مکسور اور یاء مشدد ہے۔ مرتب عرض کرتا ہے کہ مرقات میں "ازدی" کے بجائے "اسدی" مذکور ہے۔ "امیہ" تصغیر کے ساتھ ہے

لم يبق من طعامه الا لقمة: "لقمة" فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔

استقاء: "قیئ" سے ماخوذ ہے، باب استفعال سے ماضی معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ مطلب ہے قے کرنا۔ شیطان کا اپنے پیٹ کا سارا کھانا اُگل دینا' حقیقت پر محمول ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ نہ کہنے کی وجہ سے جو برکت جاتی رہی تھی اس نے اس کو واپس کر دیا۔ گویا وہ برکت اس شیطان کے پیٹ میں امانت تھی جب اس شخص نے بسم اللہ کہی تو وہ برکت بھی کھانے میں واپس آ گئی۔

تورپشتیؒ فرماتے ہیں: یعنی جو کھانا شیطان کا ہو چکا تھا تسمیہ کے سبب سے وہ اس کیلئے وبال بن گیا اور زبردستی چھن لیا گیا۔ یہ تأویل بطور احتمال ہے، یقینی بات نہیں، چونکہ نبی اللہ ﷺ مخلوقات کے ایسے احوال پر مطلع ہوتے ہیں جن کی معرفت اللہ کی توفیق کے بغیر کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: وهذا التأويل على ما سبق فى حديث حذيفة من الفصل الاول محمول على ما لاحظ من تطيير البركة من الطعام على تفسيره وعلى تفسير النووى رحمه الله فهو ظاهر والله أعلم۔

میں کہتا ہوں ظاہر حدیث اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ صاحب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول کر رہے تھے، پس اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ تسمیہ سنتِ کفایہ ہے۔ اور حدیث کا محمل یہ بیان کرنا انتہائی بعید ہے کہ وہ صاحب ان حضرات کی موجودگی میں تن تنہا کھا رہے تھے، یا یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ پہلے سے کھانا کھا رہے تھے اور یہ صاحب بعد میں شریک ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

کھانے کے اختتام کی دعا

۴۲۰۴: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔ (رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السسنن ۱۸۷/٤ الحدیث رقم ۳۸۵۰' والترمذی فی ٤۷٤/٥ الحدیث رقم ۳٤٥۷' وابن ماجه فی ۱۰۹۲/۲ الحدیث رقم ۳۲۸۳' وأحمد فی المسند ۳۲/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس طرح دعا فرماتے الحمدللہ...... تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔ یہ ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: واضح رہے کہ اس دعا میں (اطعمنا وسقانا وجعلنا) جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہاں دونوں احتمال ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا اس کھانے سے فارغ ہو کر مانگا کرتے تھے جب آپ ﷺ اپنے گھر میں اپنے اہل بیت یا مہمانوں کے ہمراہ تناول فرماتے، یا اپنے صحابہ کے گھر میں تناول فرماتے تھے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ تن تنہا کھانا کھاتے تو تب بھی یہی دعا مانگا کرتے تھے، اپنے ساتھ اپنی امت کو بھی دعا میں شریک فرماتے تھے۔

''مسلمین'' کا مطلب ہے: موحدین منقادین لجیمع أمور الدین۔

کھانے کے بعد کی دعا کا فائدہ:

کھانے کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنے میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ ''منعم'' کا شکر ادا ہوتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مزید نعمت کی طلب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لئن شکرتم لأزیدنکم﴾ [ابراھیم: ۷] یعنی شکر کی وجہ سے میں نعمت بڑھاتا جاتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ہر نعمت کے حصول پر تجدید حمد وثنا مستحب ہے، کسی ایسی شی کا حصول کہ جس کے حصول کی توقع تھی یہ بھی ایک نعمت ہے، کسی ایسی چیز سے حفاظت اور بچاؤ کا حاصل ہو جانا کہ جس کے وقوع کا خوف تھا یہ بھی ایک نعمت ہے۔

''اطعام'' کی وجہ تقدیم:

اس دعا کے پڑھنے کا ''باعث'' چونکہ ''طعام'' تھا، اس لئے زیادتِ اہتمام کے پیش نظر اس کو مقدم ذکر فرمایا، اور پھر ''سقی''

کا ذکر فرمایا، کہ یہ طعام کا تتمہ ہے، چونکہ کھانا کھاتے ہوئے عام طور پر پانی ساتھ پیا جاتا ہے، پھر ظاہری نعمتوں کے ذکر کے ساتھ باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ باطنی نعمتوں میں سے بھی اشرف ترین نعمت کا ذکر فرمایا، اور اسی پر دعا ختم فرمادی۔ چونکہ مدار حسن خاتمہ پر ہے۔ مزید یہ کہ اس دعا میں اکل وشرب وغیرہ میں کمال انقیاد کی طرف اشارہ ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ ونسائیؒ نے، اور ابن السنی نے ''في اليوم و الليلة'' میں ذکر کیا ہے۔

شکرگزار کا مرتبہ صابر کے برابر

۴۲۰۵: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٥٦٣ الحديث رقم ٢٨٣٢' وأحمد في المسند ٢/٢٨٣۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھا کر شکرگزاری کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

تشریح: **الطاعم:** یہاں ''طاعم'' سے مراد آکل وشارب ہے۔

ادائیگی شکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور ''صابر روزہ دار'' ہونے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفسدات صوم سے باز رکھے۔

مظہر فرماتے ہیں ''صابر روزہ دار کی طرح ہے'' یہ تشبیہ اصل ثواب کے استحقاق میں ہے کہ دونوں اصل ثواب میں شریک ہیں نہ کہ مقدار میں مثلاً جیسا کہا جاتا ہے زَيْدٌ كَعَمْرٍو ''زید عمرو کی طرح ہے'' اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ زید بعض خصائل میں عمرو کے مشابہ ہے نہ کہ وہ تمام وعادات میں عمرو کے ہم مثل ہے چنانچہ اسی طرح حدیث باب میں بھی اجر میں مماثلت لازم نہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے ایمان ''نصفان'' پر مشتمل ہے: نصف صبر ہے، اور نصف شکر ہے۔ اور یہ اس آیت مبارکہ کے عین مطابق ہے۔:﴿فإن في ذلك لآيات لكل صبار شكور﴾[ابراهيم: ۵] فقیر شاکر مالدار سے افضل ہے کیونکہ مشبہ بہٗ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے۔

۴۲۰۶: رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ سَنَانِ بْنِ سُنَّةَ عَنِ اَبِيْهِ ۔

أخرجه ابن ماجه في السنن ١/٥٦١ الحديث رقم ١٧٦٥' والدارمي في ٢/١٣٠ الحديث رقم ٢٠٢٤۔

ترجمه: یہ ترمذی کی روایت ہے اور اس کو ابن ماجہ اور دارمی نے سنان بن سنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اپنے والد سے۔

تخریج: جامع صغیر کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **الطاعم الشاكر بمنزلة الصائم الصابر**۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت سنان بن سنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: **الطاعم الشاكر له مثل أجر الصائم الصابر**۔

پانی پینے کی دُعا

۴۲۰۷:وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَکَلَ اَوْشَرِبَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَہٗ وَجَعَلَ لَہٗ مَخْرَجًا ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٨٧ الحديث رقم ٣٨٥١ ـ

ترجمہ: حضرت ابو ایوبؓ کہتے ہیں جب آپ ﷺ کھانا کھاتے یا پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے ۔ الحمد للہ...... تمام تعریفوں کا حقدار وہی ہے جس نے کھلایا اور پلایا اور حلق سے سہولت کے ساتھ اتارا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: أکل أو شرب بظاہر یہ ''أو'' واؤ کے معنی میں ہے جیسا کہ ایک نسخہ میں ہے۔

اطعم و سقی: حذف مفعول شاید کہ افادۂ عموم کی غرض سے ہے۔

مخرج: سے مراد ''سبیلین'' ہیں۔ اللہ جل شانہ نے کھانے کیلئے معدہ میں ایک مقام پیدا فرمایا، جہاں کھانا ایک مخصوص وقت تک رہتا ہے، کھانے کے مفید و مضر ذرات تقسیم ہو جاتے ہیں، گوشت اور چربی اور خون کیلئے مفید اجزاء باقی رہ جاتے ہیں، اور باقی اجزاء کا اخراج ہو جاتا ہے، یہ سارا نظام عجائبِ قدرت میں سے ہے، اس کا کمال ہے، اپنی مخلوقات پر بے پایاں لطف وکرم ہے۔ ﴿فتبارك الله أحسن الخالقين﴾ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہاں چار نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے:

❶ اطعام۔ ❷ سقی۔ ❸ تسویغ۔ ❹ مخارج۔

اللہ تعالیٰ نے چبانے کیلئے دانت اور نگلنے کیلئے ''ریق'' (لعاب) کو پیدا فرمایا، معدہ کو جائے تقسیم مقرر فرمایا' اور فضلہ کے اخراج کیلئے ''مخارج'' پیدا فرمائے، طعام کے اجزاء آنتوں کے ذریعے جگر وغیرہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ کریم کا فضل وکرم ہے، اس کی نعمتیں ہیں جن کیلئے شکر بالجنان اور عمل بالارکان کا قیام ضروری ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام نسائیؒ اور ابن حبانؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

وضو سے کھانے میں برکت

۴۲۰۸:وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِی التَّوْرَاۃِ اِنَّ بَرَکَۃَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَرَکَۃُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ ۔ (رواہ الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٣٦ الحديث رقم ٣٨٥١ والترمذی فی ٤/٢٤٨ الحديث رقم ١٨٤٦، وأحمد فی المسند ٥/٤٤١

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ وضو کرنا کھانے میں برکت کا باعث ہے پھر میں نے یہی مضمون آپ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کھانے کی برکت وضو میں ہے جو اس

سے قبل اور بعد کیا جائے یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح:ان برکة الطعام الوضوء:ہمزہ کو مکسور و مفتوح دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

یہاں وضو سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔لفظ وضو بول کر یہ معنی مراد لینا''اطلاق للکل علی الجزء مجازا'' کے قبیل سے ہے۔یا یہ کہا جائے کہ معنی لغوی وعرفی مراد ہیں۔

فذکرت: ایک نسخہ میں''ذلك'' کا اضافہ بھی ہے۔ وہ ترمذیؒ کی روایت ہے۔(اس صورت میں مشارالیہ محذوف ہوگا)۔أی: المقروء المذکور۔ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:وأخبرته بما قرأت فی التوراة۔یہ جملہ عطف تفسیری ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ فذکرت سے مراد یہ ہو کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:هل برکة الطعام الوضوء بعده؟والحال أنی الخ درانحالیکہ میں نے انہیں تورات میں اپنی پڑھی ہوئی بات بھی بتائی کہ اس میں صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔

والوضوء بعده:اس میں متعدد احتمالات ہیں:

1. یہ جملہ ارشاد فرما کر نبی کریم ﷺ نے تورات میں ہونے والی تحریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔
2. یہ بتلانا مقصود ہے کہ شریعت محمدی نے کھانے کے شروع میں بھی ہاتھ دھونے کے عمل کا اضافہ کیا ہے، چونکہ کھانا ایک نعمت ہے،لہٰذا اس کا استقبال مشعرِ تعظیم فعل یعنی طہارت سے کیا جائے۔حدیث میں آتا ہے:بعثت لأتمم مکارم الاخلاق۔
3. امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا''من اسلوب الحکیم'' ہے۔

ملا علی قاریؒ نے امام طیبیؒ کے ذکر کردہ احتمال کو مسترد کیا ہے۔

کھانے کے وقت ہاتھ دھونے کی حکمت یہ عنوان پیراگراف کے بعد لائیں۔

''وضو'' سے مراد کھانے سے پہلے ہاتھوں کو اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھوں اور منہ کو دھونا ہے۔کھانے سے پہلے وضو(یعنی ہاتھ دھونا) کی وجہ سے کھانے کے فوائد وآثار میں اضافہ ہوتا ہے بایں طور کہ طبیعت کو سکون وقرار حاصل ہوتا ہے اور یہ(یعنی کھانے کے بعد ہاتھ منہ کا دھونا یا ہاتھ منہ دھونے سے طبیعت کو سکون حاصل ہونا) طاعات کا سبب ہوتا ہے اور عبادات' اخلاقِ حسنہ اور اعمال صالحہ میں تقویت کا سبب ہوتا ہے۔برکة الطعام کا مطلب: کہا گیا ہے کہ نفس وضو کو برکت قرار دینا مبالغۃً ہے۔ وگرنہ تو مراد یہ ہے اس عمل سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حکمت یہ ہے کہ ہاتھ دھونے کے بعد کھایا گیا کھانا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔

دو تیسری حکمت: ہاتھ عام طور پر کام کاج لینے دینے' اٹھانے رکھنے وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں' چنانچہ نظافت ونزاھت کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو دھو کر کھانا کھایا جائے۔حکمت یہ ہے کہ''طعام'' کے ذریعہ عبادت میں استعانت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ یہ عمل ایسا ہے جیسا کہ نماز کیلئے وضو۔لہٰذا ہاتھ دھونے سے ابتدا کی جائے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:من بات وفی یده غمر ولم یغسله فأصابه شئ فلا یلومن الا نفسه۔اس روایت کو مؤلف نے جامع میں،ابن ماجہ نے اپنی سنن

میں، نیز ابوداؤد نے ''سند صحیح علی شرط مسلم'' کے ساتھ روایت کیا ہے۔علاوہ ازیں سند ضعیف کے ساتھ ان الفاظ میں آئی ہے:من أكل من هذه اللحوم شيئا فليغسل يده من ريح وغيره ولا يؤذى من حذاه۔

بعض حضرات شوافع نے انوکھی بات کہی ہے کہ یہاں حدیث میں وضوشرعی مراد ہے۔لیکن یہ بات اصحاب مذاہب کی تصریحات کے خلاف ہے کہ وہ کھانے کے وقت وضوشرعی کومسنون قرار نہیں دیتے۔ ہمارے علماء میں سے بعض شراح کا فرمانا ہے کہ ایسے کھانے کے آغاز وفراغ پر ہاتھ دھونا مستحب ہے جس سے ہاتھ آلودہ ہوں، میل کچیل اور چکناہٹ پیدا ہو۔ابن مدینی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ امام سفیان ثوریؒ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کومکروہ قرار دیتے تھے، اوراس بات کوبھی مکروہ سمجھتے تھے کہ روٹی کوسالن کے برتن تلے رکھا جائے۔اھ

تخریج وتوضیح: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو جامع اور شمائل دونوں میں ذکر کیا ہے، اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:وفي الباب عن أنس وأبي هريرة وعائشة۔مزید فرماتے ہیں: لا نعرف هذا الحديث یعنی حديث سلمان إلا من حديث قيس بن الربيع وهو يضعف في الحديث اھ۔

امام ذہبیؒ ''الکاشف'' میں قیس بن ربیع کے حالات میں لکھتے ہیں: كان شعبة يشني عليه، وقال ابن معين: ليس بشيء، وقال أبو حاتم: ليس بقوى محله الصدق، وقال ابن عدى: عامة رواياته مستقيمة۔اھ۔

عسقلانیؒ ''تقریب'' میں لکھتے ہیں: صدوق تغير بالآخرة لما كبر، وأدخل عليه ابنه ما ليس من حديثه۔اھ۔

میں کہتا ہوں یہ روایت، ان کے بیٹے سے مروی نہیں بلکہ عبداللہ بن نمیر نے ان سے روایت کی ہے۔اور ایک طریق میں عبدالکریم الجرجانی نے ان سے روایت کی ہے، مزید یہ کہ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔اور طرق باہم ایک دوسرے کوتقویت بخشتے ہیں۔

وجوب وضوحدث کے بعد

۴۲۰۹:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُدِّمَ اِلَیْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَاْتِیْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَی الصَّلٰوةِ ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/١٣٦ الحديث رقم ٣٧٦٠ والترمذی في ٤/٢٤٨ الحديث رقم ١٨٤٧، والنسائی في ١/٨٥ الحديث رقم ١٣٢، وأحمد في المسند ١/٢٨٢۔

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کے لئے کھانا لایا گیا بعض صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کیا آپ کے لئے وضو کا پانی نہ لائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے وجوب کے ساتھ وضو کا حکم حدث کے بعد ہے یہ ترمذی کی روایت ہے۔اور ابوداؤد نسائی نے ابن عباسؓ سے۔

تشریح:الخلاء:خاء کے فتحہ اور مدّ کے ساتھ، خالی جگہ کو کہتے ہیں۔''موضع قضاء حاجت'' سے کنایہ ہے۔

ألا نأتيك بوضوء: یہ کلام ''عرض'' کے قبیل سے ہے۔ جیسا کہ ''ألا تنزل عندنا'' ہے

یہ آپ ﷺ نے اغلب واکثر کے اعتبار سے فرمایا کہ بطریق وجوب وضو کرنے کا حکم صرف نماز کے لئے ہے ورنہ سجدۂ تلاوت کرنے' قرآن مجید کو چھونے اور طواف کرنے کے لئے بھی وضو کرنا واجب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے گویا یہ سمجھا کہ سائل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ کھانے سے پہلے وضو شروع کرنا واجب ہے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے اس اعتقاد کی نفی کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے اپنے ارشاد میں حصر کا اسلوب اختیار فرمایا کہ ادات حصر کو ذکر فرمایا' اور امر کی اسناد اللہ جل شانہ کی طرف فرمائی اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ لہٰذا یہاں ''وضوٗ'' سے مراد وہی وضو ہے جو نماز کیلئے کیا جاتا ہے نہ کہ کھانے کا وضو (یعنی ہاتھ اور منہ دھونا)

۴۲۱۰: وَرَوَاهُ ابْنِ مَاجَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةِ۔

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۲/۱۰۸۵ الحديث رقم ۳۲۶۱۔

ترجمه: اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

درمیان میں برکت اُترتی ہے

۴۲۱۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ اُتِیَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَاتَاْكُلُوْا مِنْ وَسْطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِیْ وَسْطِهَا (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح وفی رواية ابی داود) قَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَاْكُلُ مِنْ اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاْكُلُ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۴/۱۴۲ الحديث رقم ۳۷۷۲' والترمذی فی ۴/۲۲۹ الحديث رقم ۱۸۰۵' وابن ماجه فی ۲/۱۰۹۰ الحديث رقم ۳۲۷۷ والدارمی فی ۲/۱۳۷ الحديث رقم ۲۰۴۶' وأحمد فی المسند ۱/۳۴۳۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ثرید کا بڑا پیالہ لایا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کے کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے مت کھاؤ کیونکہ درمیان میں برکت اترتی ہے۔ یہ ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی کی روایت ہے۔ ترمذی نے روایت کو حسن کہا۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ پیالے کے اوپر سے مت کھائے بلکہ نیچے سے کھائے اس لئے کہ اوپر (درمیان) والے حصہ میں برکت اترتی ہے۔

تشریح: قوله: وعن ابن عباس رضی الله عنهما:

''عنه'' کے بجائے اسم ذکر کیا، تا کہ وہم نہ ہو جائے، چونکہ اقرب مذکور حضرت ابو ہریرہ تھے، اگر چہ آغاز حدیث میں ابن عباس مذکور ہے۔

قصعة: أی: قدح كبير

ثرید: ثائے مثلثہ کے ساتھ۔ روٹی چور کے کر گوشت کے شوربے میں بھگونا خواہ اس شوربہ میں گوشت ہو یا نہ ہو۔
طبرانی اور بیہقی نے حضرت انسؓ سے ایک روایت ذکر کی ہے: أثردوا ولو بالماء۔ یعنی ثرید بنایا کرو چاہے پانی میں بھگو کر۔

كلوا من جوانبها: اس میں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ ہے: أی ليأكل كل واحد من جانبه۔ ہر شخص اپنے سامنے کے کنارے سے کھائے

وسط: بروزن شمس وقمر دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ (البتہ دونوں میں کچھ فرق ہے۔)
درمیان کے حصے میں برکت کا نازل ہونا اس سبب سے ہے کہ کسی بھی چیز کا درمیانی حصہ اس کے اور حصوں کی بہ نسبت افضل ہوتا ہے لہٰذا کھانے کے برتن کا درمیانی حصہ ہی اس کا مستحق ہے کہ خیر و برکت کا نزول اس پر ہو
امام طیبیؒ فرماتے ہیں: کھانے میں بڑھنے والے طعام کو شئ مائع نازل وغیرہ سے تشبیہ دی، کہ وہ شئ کے درمیان میں گرتی ہے اور پھر اطراف میں پھیل جاتی ہے۔ چنانچہ جب اطراف سے کھانا شروع کریں گے تو اس کی جگہ کھانے اوپر سے ڈھلک کر نیچے آتا جائے گا، اور جب اوپر سے کھانا کھائے گا تو وہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔
میں کہتا ہوں شاید کہ اس میں راز یہ ہے کہ طعام کا ''اعلیٰ'' حصہ تمام شرکاء طعام میں مشترک ہے، چنانچہ جب آدمی کی حرص اس کو اس ''اعلیٰ'' حصہ سے کھانے پر ابھارے گی تو اس کی نحوست کی وجہ سے خیر و برکت ختم ہو جائے گی، چونکہ: **الحرص شؤم والحريص محروم**۔
تخریج وتوضیح: ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **قال: إذا أكل أحدكم طعاما فلا يأكل من أعلى الصفحة، ولكن يأكل من أسفلها۔ [اى من جانبها الذى يليه] فإن البركة تنزل من أعلاها۔**
ابوداؤد اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں عن عبداللہ بن بسر یہ الفاظ آئے ہیں: **كلوا من حواليها وذروا ذروتها يبارك فيه**، ابن ماجہ کی ایک حدیث میں واثلہ سے یہ الفاظ مروی ہیں: **كلوا باسم الله من حواليها، وعفوا رأسها، فإن البركة تأتيها من فوقها**۔

عرضِ مرتب:

صاحب مظاہر لکھتے ہیں ''پیالہ کے اوپر'' سے مراد اس کا درمیانی حصہ ہے اور ''اس کے نیچے'' سے مراد اس کے کنارے ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔

تکیہ لگا کر مت کھاؤ

۴۲۱۲: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَارُؤِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ.

(رواه .

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ١٤١ الحديث رقم ٣٧٧٠، وابن ماجه فى ١/ ٨٩ الحديث رقم ٢٤٤ و... سد في

المسند ۲/۱٦٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو کبھی تکیہ لگا کر کھاتے نہیں دیکھا گیا اور نہ یہ دیکھا گیا کہ آپ کے پیچھے دو آدمی چلے ہوں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ٹیک لگا کر کھانا کھانے کے سلسلے میں تفصیلی بات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

پیچھے چلنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کہیں جاتے آتے تو آپ ﷺ لوگوں کے آگے نہیں چلتے تھے' بلکہ آپ ﷺ انتہائی تواضع کے ساتھ اپنے صحابہ کے درمیان میں رہتے یا سب سے پیچھے رہتے (کذا ذکرہ المظہر وغیرہ)۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں الفاظ منقول ہیں کہ ویسوق اصحابہ (آپ ﷺ اپنے صحابہؓ سے پیچھے چلتے تھے)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''رجلان'' تثنیہ کے صیغہ سے اس تاویل کی تائید نہیں ہوتی، ممکن ہے کہ تواضع سے کنایہ ہو۔ آپ ﷺ اپنے ہمراہیوں اور صحابہؓ کے آگے ہو کر نہیں چلے تھے۔ جیسے امراء وسلاطین متکبر و جاہ پرست لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ آگے چلنے ہی میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں اس کی تائید ان روایات کو ساتھ ملانے سے ہو جاتی ہے: ما رئی رسول اللہ ﷺ یأکل متکئًا، فإنه کان من دأب المترفین۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ان الفاظ کے ساتھ بددعا دی: اللهم ان کان کذب فاجعله موطئ العقب۔ أی کثیر الأتباع، بددعا کا حاصل یہ ہے کہ اللہ اس کو سلطان یا ''مقدم'' یا مال والا بنائے، تا کہ لوگ اس کی اتباع کریں اور اس کے پیچھے پیچھے چلیں اھ۔ ''دو'' کی قید سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھار ایک آدھ خادم جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے رہا اور بات مخفی نہیں کہ جو بات امام طیبیؒ نے ذکر کی ہے وہ دوسروں کی منافی نہیں۔ اور کرتے تھے اور یہ بھی ضرورت کے تحت تھا اور یہ تواضع وانکسار کے منافی بھی نہیں۔

آگ سے پکی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

۴۲۱۳: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاَكَلَ وَاَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰی اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ۔

(رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه فی ۲/۱۰۹۷ الحدیث رقم ۳۳۰۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت ہے آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ کے لئے روٹی اور گوشت لایا گیا آپ نے کھایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز ادا فرمائی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی ہم نے کھانے کے بعد صرف کنکریوں سے ہاتھ صاف کئے (چکناہٹ اتاری) یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کا مسجد میں تشریف فرما ہونا ممکن ہے کہ آپؐ کے معتکف ہونے کی وجہ سے ہو' اور یہ ممکن ہے آپؐ کے پاس مہمان تشریف لائے ہوئے ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہم نے اپنے ہاتھوں کو پانی سے دھویا نہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نماز کے لئے ہمیں جلدی تھی یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا' یا اس کا سبب یہ تھا کہ ہم تنظیف میں مبالغہ نہیں کرتے تھے۔

احیاء العلوم میں سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں کہا'' کھانے کے بعد ہمارے پاشنی (ایڑی) ہمارے لئے رومال کا کام دیا کرتی تھی یعنی ہم کھانا کھا کر اپنے ہاتھوں کو ایڑیوں سے پونچھ لیا کرتے تھے جیسا کہ رومال سے پونچھا جاتا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے

امام ترمذیؒ نے حدیث کا ابتدائی حصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے: **أكلنا مع رسول اللهﷺ شواء فى المسجد۔**

دستی کی پسندیدگی

۴۲۱۴: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا . (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳۹۵/۸ الحديث رقم ۴۷۱۲ من حديث طويل' وكذلك مسلم فی ۱۸۴/۱ الحديث رقم (۳۲۷۰-۱۹۴)' وأخرجه الترمذی فی السنن ۲۴۴/۴ الحديث رقم ۱۸۳۷' وابن ماجه فی ۱۰۹۹/۲ الحديث رقم ۳۳۰۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا آپ کو دستی اٹھا کر دی گئی آپ کو دستی کا گوشت پسند تھا۔ آپ نے دانتوں سے توڑ کر گوشت کو کھایا یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: فنهس :اس میں اختلاف ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ شین معجمہ کے ساتھ ہے اور صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **النهس بالمهملة الأخذ بأطراف الأسنان، وبالمعجمة الأخذ بجميعها۔**

ابن الملکؒ شرح السنہ میں موجود روایت کی اتباع میں فرماتے ہیں: تواضع اور عدم تکبر کے سبب دستی کی ہڈیوں سے گوشت کو دانتوں کے ذریعہ نوچ نوچ کر کھانا مستحب ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا دست کے گوشت کو پسند کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اچھی طرح گل جاتا ہے جلد ہضم ہوتا ہے اور زیادہ لذیذ ہوتا ہے یا اس پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ دست کا گوشت نجاست کی جگہوں (جیسے آنت وغیرہ) سے دور ہوتا ہے۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت منقول ہے کہ دست کا گوشت آنحضرت ﷺ کو زیادہ پسند نہیں تھا لیکن چونکہ آپ کو گوشت مدت کے بعد (کبھی کبھی) میسر آتا تھا اور دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لئے آپ دست کے گوشت کو پسند فرماتے تھے۔

گوشت چھری سے کاٹ کر کھانا عجمی تہذیب

۴۲۱۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّيْنِ فَإِنَّهٗ مِنْ صُنْعِ الْاَعَاجِمِ وَانْهَسُوْهُ فَإِنَّهٗ اَهْنَأُ وَاَمْرَأُ۔ (رواه ابوداود والبيهقى فى شعب الايمان وقالا ليس هو بالقوى)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/١٤٥ الحديث رقم ٣٧٧٨' وابيهقى فى شعب الايمان ٥/٩١ الحديث رقم ٥٨٩٨۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گوشت کو چھری سے مت کاٹو یعنی چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ اعاجم کا فعل ہے۔ دانتوں سے توڑ کر کھایا کرو۔ کیونکہ دانتوں سے کھانا لذیذ تر اور زود ہضم ہوتا ہے یہ ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث قوی نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

تشریح: أهنا: هنيء سے ماخوذ ہے وہ لذیذ کھانا جو غرض کے موافق ہو۔ أمرء: ''استمراء'' سے ماخوذ ہے۔ ''استمراء کا معنی ہے دھاب کظة الطعام وثقله کہا جاتا ہے: هنأ الطعام ومرأ۔ إذا كان سائغا وجاريا فى الحلق من غير تعب۔

فإنه من نيع العجم:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: صاحب کشاف نے اس آیت: ﴿لبئس ما كانوا يصنون﴾[المائدہ:٦٣] کے تحت لکھا ہے: كل عامل لا يسمى صانعا حتى يتمكن فيه ويتدرب ۔ چنانچہ حدیث مبارکہ کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا: لا تجعلوا القطع بالسكين دأبكم وعادتكم كالأعاجم، بل إذا كان نضيجا فانهسوه، وإذ لم يكن نضيجا فحزوه بالسكين۔ اور اس کی تائید امام بیہقیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: النهى عن قطع اللحم بالسكين فى لحم قد تكامل نضجه۔

(عرب کے لوگ اپنے علاوہ دنیا کے اور سارے ہی لوگوں کو عجمی (گونگا) کہا کرتے تھے لیکن یہاں اہل فارس (ایرانی) مراد ہیں) ایرانی عیش پرست متکبرین لوگ ازراہ تکبر وغرور پکے ہوئے گوشت کو چھریوں سے کاٹ کر کھاتے تھے' آپؐ نے اس سے منع لئے فرمایا کہ اس میں تکبر ہے' (اور اگر تکبر نہ بھی ہو تو) یہ فعل عبث ہے شیخین کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چھری سے کاٹ کر کھایا ہے

لہٰذا ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے گی کہ اگر گوشت نرم اور گلا ہوا ہو تو اس کو چھری کے بجائے دانتوں سے کاٹ کر کھانا چاہئے اور اگر سخت ہو تو پھر چھری سے کاٹ کر کھانے میں کوئی حرج نہیں

دوسرا جواب یہ ہے: مذکورہ بالا ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ فعل بیان جواز کیلئے تھا۔

وقال ليس هو بالقوى: ایک نسخہ میں'' وقال'' بصیغۂ مفرد ہے۔ أى: قال البيهقى۔ امام میرکؒ فرماتے ہیں: یہی

ظاہر ہے اس ساری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث باب قوی نہیں ہے، بلکہ ضعیف ہے، یا صحیح وضعیف کے درمیانی درجہ کی ہے۔

اس حدیث کا قوی نہ ہونا: باعتبار سند کے ہے، یا باعتبار مفہوم کے ہے کہ حدیث صحیح کے معارض ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیحین کی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن واضح رہے کہ ان روایات میں تطبیق ممکن ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

چقندر کا حریرہ

۴۲۱۶: وَعَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَهٗ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهٗ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ۔

(رواه احمد والترمذی وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٣ الحديث رقم ٣٨٥٦، والترمذی فی ٤/٣٣٥ الحديث رقم ٢٠٣٧، وابن ماجه فی ٢/١١٣٩ الحديث رقم ٣٤٤٢، وأحمد فی المسند ٦/٣٦٤۔

ترجمہ: حضرت ام المنذر انصاریہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اس وقت علیؓ بھی ساتھ تھے ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے کھانا شروع کیا اور حضرت علیؓ بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا اے علی ان کو مت کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو یعنی ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور کمزور کو ضرور پرہیز کرنا چاہئے۔ ام منذر کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ اور آپ کے احباب کے لئے چقندر اور جو تیار کئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! اس میں سے کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے بہت موافق ہے۔ یہ احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

تشریح: دوال: بروزن ''لیال'' دال مہملہ کے فتحہ، اور لام مکسور کی تنوین کے ساتھ۔ دالیة کی جمع ہے۔ **وهی العذق من البسر يعلق، فإذا أرطب أكل**۔ اور واؤ ''الف'' سے بدلی ہوئی ہے۔ (کذا فی النہایة)

مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں: **بستر معلق فإذا أرب أكل**۔

''**معلقة**'' صفت مؤکدہ ہے ''دوال'' کیلئے۔ امام میرکؒ فرماتے ہیں: زیادہ واضح یہ ہے کہ ''دوال'' کیلئے صفت مخصصہ ہے اھ۔ لیکن یہ خلاف ظاہر ہے۔ الا یہ کہ تجرید مان لی جائے، اور اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فجعل رسول اللّٰه ﷺ يأكل: عصامؒ لکھتے ہیں: **أی قائما، وهو الملائم للمقام** اھ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان خوشوں میں سے کھڑے ہو کر کھانا شروع کر دیا۔ چونکہ موقع کا تقاضا یہی تھا۔ لیکن اس پر جزم اختیار کرنا درست نہیں اور حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو کر کھا رہے تھے۔ اس کی تائید ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ بعد میں بیٹھ گئے تھے

مه: میم کے فتحہ اور ھاء کے سکون کے ساتھ۔ **أی: امتنع من أكله**۔ جوہریؒ فرماتے ہیں: یہ کلمہ مبنی علی السکون ہے۔۔۔ اور اسم

الفعل بمعنی الأمر''اکفف'' ہے۔

ناقه: قاف مکسورہ کے بعد''ھاء'' ہے۔اسم فاعل کا صیغہ ہے۔نقه الشخص نقهةً''از باب فتح وسمع،خلاصہ کلام یہ کہ حضرت علی ابھی بیماری سے اٹھے تھے ان کی وہ کمال صحت وقوت بحال نہیں ہوئی تھی جو مرض سے پہلے ان میں موجود تھی یہ حدیث حکماء کے اس قول کی مؤید ہے کہ احوال تین ہوتے ہیں: ❶ صحت۔❷ مرض۔❸ نقاہت،صحت ومرض کی درمیانی حالت''نقاہت'' کہلاتی ہے۔(كذا أفاده السيد أصيل الدين)،

ترمذی کی روایت میں یوں ہے:قالت: فجلس علي۔یعنی حضرت علیؓ کھجور کھانا چھوڑ کر بیٹھ گئے۔اور نبی کریم ﷺ تناول فرماتے رہے۔اور تورپشتیؒ فرماتے ہیں:أی وحده أومع رفقائه غير علي۔یعنی نبی کریم تن تنہا کھجور تناول فرماتے رہے'یا حضرت علیؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ کے ہمراہ کھجوریں تناول فرماتے رہے۔

قالت: فجعلت لهم:ضمیر جمع کے ساتھ ہے۔اور مصابیح کے بعض نسخوں میں :فجعلت له،ضمیر مفرد کے ساتھ ہے۔ بعض شراح نے اس ضمیر مفرد کا مرجع''علي'' بتایا ہے۔اسی ملاحظہ کی تقدیر پر فرمایا:''فجعلت'' کی فاء شرط محذوف کے جواب پر داخل ہے۔یعنی إذا ترك علي كرم الله وجهه أكل الرطب جعلت له الخ۔اور بعض محققین فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی روایت صحیح ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔(ذكره ميرك)

لیکن شمائل کے بعض نسخوں میں''له'' بصیغۂ مفرد بھی ہے۔چنانچہ زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ ضمیر مفرد نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے،چونکہ اصل (اصل مہمان) اور''متبوع'' آپ ﷺ تھے،جیسا کہ صیغۂ جمع دلالت کر رہا ہے۔لہٰذا''له''اصالۃً آپؐ کو اور تبعًا دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شامل ہے۔مزید یہ کہ اقل جمع کبھی ایک سے زاید بھی ہوتا ہے،اس صورت میں''له'' کا مصداق آپ ﷺ اصلاً اور علی تبعاً مراد ہوں گے۔بعض نے بہت دور کی کہی کہ'' له'' کی ضمیر ان کے بیٹے کی طرف راجع ہے۔أي: لابنها۔

امام طیبیؒ لکھتے ہیں:هكذا بصيغة الجمع في الأصول الثلاثة لأحمد والترمذي وابن ماجه، وكذا في شرح السنة واكثر نسخ المصابيح مغير جعلوا الضمير في لهم مفردا ليرجع إلى عليؓ وهو وهم منهم، لأن الضمير يرجع إلى أهلها والضيفان اھ۔چنانچہ فاء برائے تعقیب ہے۔أي: بعد عرض أكل الرطب أو بعد فراغهم منه جعلت لهم۔

سلقا:سین کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ'ایک سبزی ہے جو پکا کر کھائی جاتی ہے'اور فارسی زبان میں اس کو ''جفندرق'' کہتے ہیں

شعیر میں یہاں تین احتمال ہیں:❶''جو'' مراد ہیں۔❷''جو'' کا پانی مراد ہے۔❸''جو'' کا آٹا مراد ہے۔

فجعلت لهم:امام طیبیؒ نے یہاں تکلف کیا ہے،وہ لکھتے ہیں:جعلت کا عطف''فقال'' پر ہے۔اور فاء شرط محذوف کا جواب ہے۔أي:إذا منعت عليا من أكل الرطب لكونه ناقها فأعلمكم أني جعلت لعلي سلقا وشعيرا

فأصب:امر کا صیغہ ہے،''إصابة'' سے مشتق ہے۔أي:أدرك من هذا یعنی فكل من هذا المركب

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فاء شرط محذوف کی جزا ہے۔ **أي إذا حصل هذا فخصه بالإصابة متجاوزا عن أكل البسر**۔ تقدیم الجٰ علی عاملہ اس حصر پر دلالت کر رہی ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿**وربك فكبر**﴾[المدثر۔۳]

فإنه أوفق: اور ایک روایت میں "**فإن هذا**" کے الفاظ ہیں۔ اور صیغۂ افعل مجرد زیادتی کیلئے ہے۔ یہی ظاہر ہے ور امام طیبیؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔ اور میرکؒ فرماتے ہیں: بظاہر یہ صیغۂ افعل مجرد موافقت کیلئے ہے الاّ یہ کہ بطریق امکان ہو۔ اس صورت میں زیادت متحقق ہو سکتی ہے یا بطریق حکمت مان لیا جائے۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "رطب" کھانے سے منع فرمایا، چونکہ "فاکھه" اپنی سرعت استحالہ کی وجہ سے ناقہ کو پچھاڑ دیتے ہیں، اور قوت میں کمی کی وجہ سے طبیعت اس کا دفاع کرنے سے قاصر ہوتی ہے، پس أوفق، بمعنیٰ "موافق" ہے، چونکہ رطب میں "ناقہ" کیلئے کوئی "او فقیت" نہیں۔ اور اس کو حقیقت پر محمول کرنا بھی صحیح ہے، کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ رطب من وجہ ان کے موافق تھی، اور من وجہ "مضر" تھی۔ چقندر اور جو سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ ناقہ کیلئے یہ بہت زیادہ نافع ہے۔ چونکہ "جو" کے پانی میں غذائیت، لطافت، نرمی اور تقویت طبعی ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیمار اور بیماری سے اٹھے ہوئے شخص کے لئے پرہیز بہت ضروری ہے بلکہ بعض اطباء نے کہا ہے کہ جو شخص بیماری سے اٹھا ہو اور اس پر ضعف و کمزوری کا غلبہ ہو اس کے لئے پرہیز بہت ہی فائدہ مند ہوتا ہے جیسا کہ ناقہ اور مریض کے لئے بد پرہیزی مضر ہوتی ہے۔

چونکہ بد پرہیزی سے بعض مرتبہ معاملہ برعکس ہو جاتا ہے، جو ابتدائے مرض کے مقابلہ میں زیادہ صعب ہوتا ہے۔ جب کہ تندرست کے لئے پرہیز کرنا مضر ہوتا ہے اور کبھی اشتہاء و میلان کسی نقصان دہ چیز کی طرف ہوتا ہے۔ چنانچہ تھوڑی سے استعمال کر لینے سے طبیعت کو وہ چیز ہضم کرنے میں تقویت ملتی ہے، چنانچہ وہ چیز نقصان نہیں دیتی بلکہ بعض مرتبہ نفع دیتی ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ اس دوا سے زیادہ نافع ثابت ہوتی ہے جو مریض کو زبردستی دی جا رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت صہیبؓ کو تھوڑی سی کھجوریں کھانے کے معاملہ کو برقرار رکھا حالانکہ ان کو آنکھ کی تکلیف تھی، ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ صَيْفِيٍّ مِنْ وَلَدِ صُهَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ صُهَيْبٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ خُبْزٌ وَتَمْرٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْنُ فَكُلْ فَأَخَذْتُ آكُلُ مِنَ التَّمْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأْكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ قَالَ فَقُلْتُ إِنِّي أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرَى فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

"حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے روٹی اور چھوارے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔ میں چھوارے کھانے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چھوارے کھا رہے ہو حالانکہ تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے۔ میں نے عرض کیا میں دوسری طرف سے چبا رہا ہوں (جو آنکھ دکھ رہی ہے اس طرف سے نہیں چبا رہا) اس (لطیف جواب) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے۔"

کھرچن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پسند

۴۲۱۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْجِبُهُ الثُّفلُ۔ (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه أحمد في المسند ٣/ ٢٢٠، والبيهقي في الشعب۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نیچے کا کھانا پسند تھا یعنی دیگ کی تہہ میں لگنے والا۔ یہ ترمذی وشعب الایمان بیہقی کی روایت ہے۔

تشریح: ''الثفل'' بضم المثلثة ويكسر وسكون الفاء۔ (یعنی بروزن ظلم وحلم)

وهو في الأصل ما يرسب من كل شئ، ٢۔ ما يبقى بعد العصر۔ حدیث میں وارد اس لفظ کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں ثرید خوراک ہانڈی میں چپکا ہوا کھانا' وہ کھانا جس میں اناج اور آٹا وغیرہ ہو جو برتن میں آخر میں رہ جائے چنانچہ صاحب ''النہایہ'' لکھتے ہیں: في الحديث من كان معه ثفل فليصطنع، أراد بالثفل الدقيق والسويق ونحوهما وقيل الثفل هنا الثريد، وأنشد:

يحلف بالله وإن لم يسأل ما ذاق ثفلا منذ عام أول۔ (انتهى)

❹ قيل: سقوط الفاكهة۔ ❺ فسره شيخ الترمذي وهو الدارمي بما بقي من الطعام۔ ❻ قال المظهر: أي بما بقي في القدر۔ وهو المشهور عند أهل الحديث، والمسموع من أفواه المشايخ۔ ❼ ما يلصق من المطبوخ بأسفل القدر۔

خلاصۃ الآراء:

ذکر کردہ تمام مفاہیم دو معنی کے گرد گھومتے ہیں:۔ ❶ دانہ یعنی غلہ جیسے جو، گیہوں، چاول، باجرا، وغیرہ۔ ❷۔ تیچھٹ، فائق میں ہے کہ ''ثفل'' اصل میں ''تلچھٹ'' کو کہتے ہیں، یہ ''تلچھٹ'' تیل کا ہو یا شیرے کا، یا شوربہ، یا شربت کا، یا شراب کا، یا کسی پتلی چیز کا، پھر جو چیز پی نہیں جاتی، اس کو بھی ثفل کہتے ہیں۔ جیسے روٹی اور تہ دیگی وغیرہ۔

کھرچن کی پسندیدگی کی وجہ: ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ یہ خوب پکا ہوا ہوتا ہے اور زود ہضم ہوتا ہے۔ نیز چکناہٹ کے کم ہونے کی وجہ سے خوشگوار ولذیذ بھی ہوتا ہے۔ اس میں آپؐ کی تواضع اور قناعت کی طرف اشارہ ہے' اور اپنے ایک ارشاد گرامی کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے: ساقي القوم آخر هم شربا اور زین العربؒ فرماتے ہیں کہ ''ثفل'' سے مراد ''مابقی'' في الفصعة ہے' اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو قصعہ کے چاٹنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ مظہرؒ کا قول زیادہ واضح ہے' چونکہ وہ اس کے تمام معانی سابقہ کو جامع ہے۔ اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عادت شریفہ کے مطابق بھی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے تھے چنانچہ آپؐ اوپر کا کھانا اپنے اہل وعیال' مہمانوں اور محتاج وفقراء کو بانٹ دیتے تھے ان کو اپنے آپ پر مقدم فرماتے تھے اور نیچے کا جو کھانا بچتا اس کو اپنے لئے رکھتے' یہ

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جذبۂ ایثار وسخاوت کا عکاس بھی تھا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصف تواضع وانکسار اور صبر وقناعت کا غماز بھی تھا! نیز یہ بات ان بہت سے بیوقوف مالداروں ہے جو عام طور پر از راہ تکبر ونخوت نیچے کے کھانے کو شرم وعار سمجھتے ہیں اور اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے اپنی حکمت جمیلہ سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جمیع اقوال وافعال میں قسم ہا قسم کے لطائف اور ہزاروں طرائف ومعارف رکھے ہیں، خوشخبری ہے اس شخص کیلئے کہ جس نے ان کی قدر وقیمت کو پہچانا اور پھر ان کی اتباع کی۔

پیالے کا استغفار کرنا

۴۲۱۸:وَعَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ۔

(رواه احمد والترمذی وابن ماجة والداریم وقال الترمذی هذاحدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٢٢٨/٤ الحديث رقم ١٨٠٤، وابن ماجه فی ١٠٨٩/٢ الحديث رقم ٣٢٧١، والدارمی ١٣١/٢ الحديث رقم ٢٠٢٧۔

ترجمہ: حضرت نبیشہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جو شخص پیالہ میں کھائے پھر اسے چاٹ لے تو پیالہ اس کے لئے استغفار کرتا ہے یہ احمد، ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی کی روایت ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: **من أكل فی قصعة**: اگرچہ یہاں ''قصعہ'' مذکور ہے مگر مراد عام ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ''من'' کے بجائے ''فی'' استعمال فرمایا یہ بتلانا مقصود ہے کہ گویا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس قصعہ سے تمکن کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، **مريدا للتمكن من الأكل واقعا فی القصعة**۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿**ولأصلبنكم فی جذوع النخل**﴾ [طٰہٰ:۷۱] اسی وجہ سے اس کے بعد ''**فلحسها**'' ذکر فرمایا۔

فلحسها: صاحب قاموس ونہایہ نے صراحت کی ہے کہ از باب ''علم'' ہے۔ اور سید کے نسخہ میں حاء مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم۔

استغفرت له القصعة: اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ ''استغفرت'' صیغۂ متکلم کے ساتھ ہے۔ مغفرت قصعہ کو چاٹنے کے سبب وتوسط سے تھی اس لئے قصعہ کو یوں قرار دیا گویا کہ قصعہ اس کے لئے مغفرت طلب کر رہا ہے، اور اس کو حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کھانا کھا کر برتن کو چاٹتا ہے تواضع اختیار کرتے ہوئے، اللہ کے اس انعام پر اس کی تعظیم کرتے ہوئے، اور اللہ کے عطا کردہ اس رزق کو تلف سے بچاتے ہوئے، تو وہ پیالہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ پیالہ حقیقت میں استغفار کرتا ہے، تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس استغفار قصعہ اس بات سے عبارت ہے کہ تشتری پیالے کو چاٹنا تواضع کی علامت ہے اور تکبر سے براءت ہے اور یہ چیز موجب مغفرت ہے اور پیالہ کی

طرف استغفار کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ اس مغفرت کا سبب پیالہ ہی ہے۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی تاکید

۴۲۱۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَاتَ وَفِیْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَّمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَیْءٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ ـ (رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٨٨ الحديث رقم ٣٨٥٢' والترمذی فی السنن ٤/٢٥٥ الحديث رقم ١٨٦٠' وابن ماجه فی ٢/١٠٦٦ الحديث رقم ٣٢٩٧ والدارمی فی ٢/١٤٢ الحديث رقم ٢٠٦٣' وأحمد فی المسند ٢/٢٦٣ـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو اپنے ہاتھوں سے چکنائی دھوئے بغیر سوئے اور پھر اسے کوئی ایذاء والا جانور کاٹ لے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے کیونکہ کھانے اور چکنائی کی بو پر کیڑے مکوڑے آتے ہیں یعنی ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ایذاء کا ذریعہ بنا۔ یہ ترمذی' ابو داؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: من بات: أی نام ليلا، لیکن بظاہر اعم معنی مراد ہیں، چنانچہ اس صورت میں ''تجرید'' ہوگی۔

غمر: بروزن قمر، بمعنی دسم و وسخ، چکناہٹ، میل کچیل۔

لم یغسله: ضمیر منصوب متصل کا مرجع ''غمر'' ہے۔

لم یغسله عن یده۔ یہ جملہ ''غمر'' کی صفت ہے۔ اور پہلا جملہ حالیہ ہے۔

فأصابه شیء: اس جملہ کا عطف ''بات'' پر ہو رہا ہے۔ اس جملہ کے متعدد مطالب بیان کئے ہیں:

❶ ''ھوام'' میں سے کوئی چیز اس کو تکلیف پہنچائے۔ ❷ جنات وغیرہ اس کو نقصان پہنچائیں۔ ❸ برص وغیرہ امراض کا لاحق ہو جانا مراد ہے۔

واضح رہے، کہ زہریلی چیزیں بعض مرتبہ چکنائی وغیرہ کی خوشبو سونگھ کر آدمی کو حالت نیند میں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور اسی طرح برص وغیرہ بھی ہو سکتا ہے، بایں طور کہ چکنے ہاتھ جسم کے کسی خاص حصہ پر لگیں اور نتیجۃً یہ بیماری ہو جائے۔

عرض مرتب: اس تیسرے احتمال کی تائید طبرانی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو تخریج کے ذیل میں آ گے آ رہی ہے۔ اھ۔

تخریج و توضیح: اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے ''التاریخ'' میں، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں ابوسعید سے (کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ) نقل کیا ہے:

من بات وفی یده ریح غمر فأصابه وضح فلا یلو من إلا نفسه۔ والوضح: بفتحتین البرص۔

ثرید وحیس کی پسندیدگی

۴۲۲۰:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الطَّعَامِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ١٤٧ الحديث رقم ٣٧٨٣۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ کو روٹی کا ثرید اور حیس کا ثرید (حلوے کی قسم) پسند تھا۔ یہ ابو داوٗد کی روایت ہے۔

تشریح: كان أحب: اس کو مرفوع پڑھنا جائز ہے، اور منصوب پڑھنا اولیٰ ہے، چونکہ وصف ہے، اور وصف کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ خبر یعنی محکوم بہ ہو۔ واضح رہے کہ یہاں یہ **افعل بمعنی مفعول** ہے، یعنی ''احب'' بمعنی ''محبوب'' ہے۔ اور ''رسول اللہ ﷺ'' اس کے متعلق ہے۔

الثريد: اس میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ اس کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے اور منصوب پڑھنا بھی درست ہے ماقبل کے برعکس، چونکہ یہ مبتدا ہے معناً محکوم علیہ ہے۔

الحيس: حاء مہملہ کے فتحہ سکون تحتیہ اور سین مہملہ کے ساتھ، (بروزن ''ریب'') کھجوروں کا وہ خلط ایک قسم کا کھانا جو کھجور کو پنیر اور گھی کے ساتھ ملا کر تیار کیا جاتا ہے اس کے اصل معنی ''خلط'' (ملانا) ہیں۔ چنانچہ راجز کا یہ قول اسی معنی میں ہے:

التمر والسمن جميعا والأقط ۔۔۔ الحيس إلا أنه لم يختلط

''حیس کا ثرید اس کھانے کو کہتے ہیں جو کھجور گھی اور پنیر کو ملا کر بنایا جائے۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

روغن زیتون ایک مبارک روغن

۴۲۲۱:وَعَنْ اَبِيْ اُسَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجة والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/ ٢٥١ الحديث رقم ١٨٥٢، والدارمی فی ٢/ ١٣٩ الحديث رقم ٢٠٥٢، وأحمد فی المسند ٣/ ٤٩٧۔

ترجمہ: حضرت ابواسید انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ زیتون کا روغن کھاؤ اور اس کی مالش کرو کیونکہ یہ روغن مبارک درخت سے ہے یہ ترمذی، ابن ماجہ دارمی کی روایت ہے۔

تشریح: كلوا الزيت: یہاں اشکال ہوتا ہے کہ زیتون کا تیل تو ایک مائع چیز ہے، لہٰذا اس کو کھانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اب یہ ہے کہ اصل مراد یہ ہے: كلوا الزيت مع الخبز واجعلوه إداما۔ یعنی روغن زیتون روٹی کے ساتھ کھاؤ اور اس کو

سالن بناؤ۔

ادّھنوا به: امر کا صیغہ ہے، دال مشدد ہے۔ ادّھان سے مشتق ہے، ادّھان کا مطلب ''استعمال الدھن'' بمنزلہ فعل لازم کے ہے۔ ایک شارح لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے: ادھن رأسه، بروزن افتعل، أی طلاه بالدهن وتولّٰی ذلك بنفسه وترك مفعوله فی الحدیث اھ۔ لیکن شارح کا اس کو مخصوص بالرأس، اور ''تولی بالنفس'' کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں ہے۔ حنفی نے شرح شمائل میں دوراز کار کلام کیا ہے کہ یہ امر برائے اباحت ہے۔ یہ درست یہ ہے کہ استحباب کے لئے ہے۔ اس کی تائید اس اگلے جملہ سے ہو رہی ہے: فإنه من شجرة مباركة۔

''زیتون'' بابرکت درخت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں بہت زیادہ خیر و برکت اور منافع ہیں زیادہ واضح یہ ہے کہ اس کا مبارک ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ اس سرزمین میں پیدا ہوتا ہے جس میں اللہ جل شانہ نے جہانوں کے لئے برکت رکھی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سرزمین کو ستّر ہزار انبیاء کے ذریعہ بابرکت بنایا گیا۔ اور اس درخت کے مبارک ہونے سے اس درخت کے پھل کا بابرکت ہونا لازم ہے یعنی زیتون کا۔ اور اس کے روغن کا بابرکت ہونا بھی لازم ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ سالن کے کام بھی آتا ہے اور مالش کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ دونوں عظیم نعمتیں ہیں۔ اور مساجد ثلثہ میں اسی کے تیل سے قندیلیں روشن کی جاتی ہیں۔ پس یہ زمانہ اور مکان کے اعتبار سے کتنا بابرکت ہے۔ چنانچہ قران کریم کی اس آیت: ﴿زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ......﴾ [النور: ۳۵] ''زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور خدا (جو مثالیں) بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے'' میں جس درخت کو ''شجرۂ مبارک'' کہا گیا ہے اس سے زیتون ہی کا درخت مراد ہے۔

تخریج وتوضیح: امام طبرانیؒ اور ابو نعیمؒ عقبہ بن عامر سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: علیکم بهذه الشجرة المباركة زيت الزيتون فتداووا به، فإنه مصحة من الباسور۔ ''باسور'' مشہور بیماری ہے، اس کی جمع بواسیر آتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

عرض مترجم: اردو میں اس بیماری کو ''بواسیر'' کہا جاتا ہے۔ اھ۔

اس حدیث کو امام احمدؒ، اور حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عمر بن خطاب سے، امام ابن ماجہ اور حاکم نے ابو ہریرہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: کلوا الزیت وادهنوا به، فإنه طیب مبارك۔ اور ابو نعیم نے ''الطب'' میں حضرت ابو ہریرہ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: کلوا الزیت، وادهنوا به، فإن فیه شفاء من سبعین داء، منها الجذام۔

خشک روٹی اور سرکے کا استعمال

۴۲۲۲: عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْءٌ قُلْتُ لَا اِلاَّ خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ

فَقَالَ هَاتِي مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ ۔ (رواه الترمذی وقال هذ حديث غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ٢٤٦ الحديث رقم ١٨٤١۔

ترجمه: حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ (یعنی کھانا) موجود ہے میں نے کہا میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں سوائے خشک روٹی اور سرکہ کے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ لے آؤ۔ پھر فرمایا جس گھر میں سرکہ ہے وہ سالن سے خالی نہیں۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے اسے حسن غریب قرار دیا۔

تشریح: إلا خبز يابس وخل: ''يابس'' صفت ہے ''خبز'' معطوف علیہ کی، اور ''خل'' معطوف ہے۔ کہا گیا ہے کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے، اور مستثنیٰ اس سے ''بدل'' ہے۔ اس کی نظیر صحاح میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ ہے: إلا شئ بعثت به أم عطية۔

مالکیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں مسئلہ نحو یہ کا شاہد ہے کہ ''الا'' کے مابعد کو محذوف سے بدل بنانا چاہیے' چونکہ اصل یوں ہے: لا شئ عندنا إلا شئ بعثت به أم عطيةاھ۔ ابن حجر نے شرح شمائل میں انوکھی بات لکھی ہے: أی ليس شئ عندنا،فليست لا التی لنفی الجنس لما بعد إلا مستثنٰی استثناء مفرغا مما قبلها الدال عليه التقرير المذكور، وبهذا يندفع ما نقل عن ابن مالك اھ۔ اس عبارت کا بعید از مرام ہونا مخفی نہیں۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے وہ یہ کہ ام ہانیؓ کو جواب میں ''بلی عندی خبز'' کہنا چاہیے تھا، انہوں نے اس اسلوب کلام سے انحراف کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ انہوں نے خشک روٹی اور سرکہ کو نبی کریم ﷺ جیسے معزز ومکرم مہمان کے شایان شان نہیں سمجھا اور ہیچ شمار کیا، چنانچہ اسی لئے انہوں نے اول وہلہ میں صاف انکار کر دیا کہ ''لا''۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی طیب خاطر ودلداری فرمائی۔

هاتی: حنفیؒ فرماتے ہیں: ''هاتی'' اسم فعل بمعنی امر ''أعطی'' کے ہے۔ اور زیادہ واضح بات یہ ہے بمعنی ''أحضری'' ہے، أی احضری ما عندك۔

من أدم: ہمزہ اور دال مہملہ' دونوں پر ضمہ ہے' دال کو ساکن بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

ما أقفر بيت من أدم فيه خل: ''أقفر'' کے ضبط میں اختلاف ہے۔ ایک ضبط کے مطابق پہلے قاف اور پھر فاء ہے۔ دوسرا ضبط اس کے برعکس ہے کہ پہلے فاء اور پھر قاف ہے۔ ملاحظہ ہوں علمائے حدیث کی آراء۔

صاحب النہایہ لکھتے ہیں: أی ما خلا من الادام ولا عدم أهله الأدم، والقفار الطعام بلا أدام، وأقفر الرجل إذا أكل الخبز وحده من القفر، والقفار وهی الأرض الخالية التی لا ماء بها۔

سید جمال الدین ''روضۃ الاحباب'' میں لکھتے ہیں: وقد صحف بعض المتأخرين من أهل فن السير وقدم الفاء على القاف وهذا غير مستحسن رواية ودراية، وتبعه الحنفی وقال: توهم بعض الناس أنه بالفاء والقاف وليس برواية ودراية۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: درایۃ کی نفی کرنا محل نظر ہے۔صحت روایت کی تقدیر پر اس کا مطلب ''ما احتاج'' ہے:أی لا افتقر أهل بيت من أجل الأدام ويكون في بيتهم خل۔اور روایت کی نفی بھی محل نظر ہے، چونکہ ہم نے سید نور الدین ایجی قدس اللہ سرہ الصفی کے خط میں لکھا ہوا پایا ہے کہ ایک نسخہ میں ''أفقر'' ہے۔

''ما أقفر بيت من ادم فيه خل'' کی ترکیب:

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جار مجرور ''أقفر'' کے متعلق ہے۔

''بيت'' موصوف، ''فيه خل'' اس کی صفت ہے۔صفت اور اس کے موصوف کے درمیان اجنبی کا فاصلہ ہے، جو جائز نہیں ہے۔ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ حال ہے، موصوف کی تقدیر پر۔ أى بيت من البيوت (كذا قاله الفاضل الطيبيؒ) سید کی شرح المفتاح میں فصاحت کی بحث میں لکھتے ہیں: صفت موصوف کے درمیان فصل جائز ہے اور نکرہ عامہ منفیہ سے حال کا آنا بھی جائز ہے صفت کی تقدیر ماننے کی ضرورت نہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ صفت ہے، اور درمیان میں فاصلہ ہے، لیکن فاصلہ ایسا ہے جو من كل وجوه اجنبی نہیں ہے، چونکہ أفقر، ''بيت'' اور اس کی صفت اور ان کے ''فاصل'' میں عامل ہے۔

اس حدیث میں ترغیب ہے کہ روٹی اور سرکہ کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی ایسے شخص سے کھانا وغیرہ طلب کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں کہ جس سے صدقِ محبت کا تعلق ہو، اور معلوم ہو کہ مسؤل کو اس سے خوشی ہوگی۔

تخريج وتوضيح: واضح رہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو جامع اور شمائل دونوں میں ذکر کیا ہے۔امام طبرانی نے ''الکبیر'' میں، ابونعیم نے ''الحلیۃ'' میں ''ام ہانی'' سے روایت کیا ہے۔حکیم ترمذیؒ نے اس حدیث کو بروایت عائشہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ما أقفر من أدم بيت فيه خل۔اس روایت میں (صفت موصوف کے درمیان اجنبی کا) فاصلہ نہیں ہے۔اس سے وہ اشکال زائل ہو جاتا ہے، مزید یہ کہ یہ تغیر کسی راوی کی طرف سے ہے۔واللہ اعلم بالحال۔

جَو کی روٹی کھجور سے تناول فرمائی

۴۲۲۳: وَعَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً فَقَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ وَاَكَلَ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۴/۱۷۳ الحديث رقم ۳۸۳۰۔

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے جو کی روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس پر کھجور رکھ کر فرمایا۔یہ کھجور روٹی کے اس ٹکڑے کا سالن ہے۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

یوسف بن عبداللہ۔ یہ ''یوسف'' ہیں۔ ''عبداللہ بن سلام'' کے بیٹے ہیں۔کنیت ''ابو یعقوب'' تھی۔حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل میں سے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی پیدا ہو چکے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لیا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعائے حفاظت فرمائی۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کچھ روایات بھی ہیں۔حالانکہ ان کی کوئی روایت نہیں۔ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔

تشریح:قال: کا فاعل حضرت عبداللہ بھی ہو سکتے ہیں،اور ان کے بیٹے بھی یہی واضح ہے۔

أخذ كسرة: یہ جملہ حالیہ ہے۔''كسرة'': کاف کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ بمعنی قطعہ۔

من خبز الشعير: ایک روایت میں (الشعير) تنکیر کے ساتھ ہے۔

و أكل: اور ایک روایت میں ''فأكل'' ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: چونکہ کھجور ایک مستقل طعام تھا،اور بطور سالن متعارف نہیں تھا،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اس کی حیثیت کو واضح فرما دیا۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ جس شخص نے روٹی کو سالن کے ساتھ نہ کھانے کی قسم کھائی اور پھر روٹی کھجور کے ساتھ کھالی تو وہ شخص حانث ہو جائے گا،اسی طرح اگر نمک،لہسن یا پیاز کے ساتھ کھالی (تو پھر بھی حانث ہو جائے گا)۔

میرکؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث امام شافعیؒ اور ان کے موافقت کرنے والے ان علماء کے اس قول کی مؤید ہے کہ کھجور سالن ہے،نیز یہ ان علماء کے قول کی تردید کر رہی ہے جو سالن کیلئے ''اصطباغ'' کی شرط لگاتے ہیں۔یا اصطباغ کی شرط تو نہیں لگاتے البتہ یہ تخصیص کرتے ہیں کہ سالن وہ چیز ہے جو غالب احوال میں علیحدہ سے کھائی جاتی ہو،مثلاً کھجور کہ اس کو انہوں نے سالن میں شمار نہیں کیا۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ ''تمر'' پر ''ادام'' کا اطلاق مجازا کیا ہو۔یا ''ادام'' سے تشبیہ دی ہو کہ اس کو روٹی کے ساتھ تناول فرمایا۔میں کہتا ہوں یہ احتمال متعین ہے،وگرنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی تحصیل حاصل ہوگا۔ایمان اور حنث کا مدار عرف پر ہوتا ہے وجو زمانہ اور مکان کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غذا کے معاملہ میں تدبیر سے کام لینا چاہیے،چونکہ ''جو'' خشک و بارد ہوتے ہیں،اور کھجور گرم ورطب ہوتے ہیں۔اصح یہی ہے۔اور قناعت و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔

اسنادی حیثیت: امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تخریج:اس حدیث کو اسی طرح امام ترمذیؒ نے ''شمائل'' میں ذکر کیا ہے۔

دِل کی بیماری کا آسان علاج

۴۲۲۴:وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِی النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَهٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُّ بَرْدَهَا عَلٰی فُؤَادِیْ وَقَالَ اِنَّکَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ ائْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلَدَةَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ

فَلْيَأْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِيْنَةِ فَلْيَجَأْهُنَّ بِنَوَاهُنَّ ثُمَّ لَيَلُدُّكَ بِهِنَّ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٤/ ٢٠٧ الحديث رقم ٣٨٧٥۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں شدید مرض میں مبتلا ہو گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا یہاں تک کہ آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک مجھے دل میں محسوس ہوئی اور فرمایا۔ تو ایسا شخص ہے جو درد دل رکھتا ہے۔ تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ جو کلدہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ طب جانتا ہے اور اسے چاہئے کہ مدینہ منورہ کی سات کھجور لے جو مدینہ کی افضل ترین قسم ہے پھر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹے پھر اسے تیرے منہ میں رکھنا چاہئے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **یعودنی**: اس میں دو احتمال ہیں: ❶ یہ جملہ حالیہ ہے۔ ❷ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔

فوضع یده بین ثدیی: بظاہر وہ حصہ کھلا ہوا تھا جہاں آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھا تھا۔

ائت: اتی یأتی سے امر کا صیغہ ہے' اور ''حارث بن کلدة: اس کا مفعول ہے۔ کلدة کاف کے فتحہ' لام اور دال مہملہ کے ساتھ ہے۔

أخا: بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' یا عطف بیان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

فانه رجل یتطبب: ممکن ہے کہ وہ علم طب کا عمومی مطلق علم رکھتا ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بیماری کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتا ہو (یعنی اس مرض کا سپیشلسٹ ہو)

مفؤود: ''فؤاد'' سے ماخوذ ہے، اسم مفعول کا صیغہ ہے، دل کے مریض کو کہتے ہیں۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل لغت کا کہنا ہے کہ ''فؤاد'' دل کو کہتے ہیں' اور بعض کا کہنا ہے کہ دل کے پردہ کو کہتے ہیں' یا وہ ''مصدور'' تھے (یعنی اس کے سینہ میں تکلیف تھی) ''فؤاد'' سے کنایۃً صدر مراد ہے۔ چونکہ ''صدر'' ''فؤاد'' کا محل ہے۔

عجوة المدينة: قاضیؒ فرماتے ہیں: عجوہ مدینہ کی کھجوروں میں سب سے اعلیٰ ہے، اور اس کے نخل کو ''لینه'' کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ما قطعتم من لينة﴾ [الحشر۔۵]۔ مدینہ کی تخصیص فرمائی اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت ہے۔ یا اس وجہ سے کہ یہاں کی کھجور ان کے مزاج کے زیادہ موافق تھی چونکہ وہ اس کے عادی تھے۔

فلیجأ: جیم کے فتحہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

لیلدك: لام کو ساکن و مکسور دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، یاء مفتوح ہے، لام پر ضمہ ہے۔ اور دال مشدد و مفتوح ہے۔ **لدّہ دواء إذا صباہ فی فمه** سے مأخوذ ہے۔ ''لد'' لام کے فتحہ کے ساتھ، وہ دوا جو منہ میں ایک جانب ڈالی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یہ طریقہ علاج تجویز فرمایا چونکہ اس وقت ان کے مرض کی کیفیت ایسی تھی کہ اس حالت کے علاوہ دوا دینا آسان نہ تھا۔ یا آپؐ کو یہ معلوم تھا کہ اس ہیئت پر دوا کا استعمال زیادہ نفع بخش' زیادہ نافع' زیادہ آسان اور زیادہ مناسب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو پہلے تو ایک معالج کے پاس جانے کا حکم دیا اور پھر خود ہی علاج بھی تجویز کیا چونکہ آپؐ نے اس علاج کو بہت آسان اور انتہائی نافع سمجھا' یا اس لئے یوں کیا کہ طبیب کی رائے بھی حضرت سعد کے سامنے آ جائے اور وہ رائے آپؐ کی

رائے کے مطابق ہو تو حضرت سعدؓ طبیب کے قول کا اعتبار کرلیں۔عرض مرتب: یہاں صاحب مظاہر نے بھی کچھ کلام کیا ہے جو کافی مفید ہے۔افادہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے: پہلے تو آپ ﷺ نے سعد کو معالج کے پاس جانے کا مشورہ دیا تاکہ وہ ان کو دیکھ کر ان کا علاج کرے، پھر جب آپ ﷺ کو ان کے مرض کا ایک آسان علاج یاد آ گیا جو جلد فائدہ کرنے والا تھا تو آپ ﷺ نے ازراہ شفقت وتعلق اس کو تجویز کیا۔گویا ان کو معالج کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا کہ وہ مبادا ان کو دور دراز کے علاج میں ڈال دے اور چونکہ اس کا دوا بنانا اور اس کو استعمال کرانا معالج کے لئے زیادہ آسان تھا اس لئے اس کام کو اس کے سپرد فرمایا۔

شراح فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ غیر مسلم معالج سے مشورہ کرنا جائز ہے کیونکہ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مرا ہے اس کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں ہے۔

تربوز وکھجور کا استعمال

۴۲۲۵:وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ۔ (رواہ الترمذی وزاد ابوداود ویقول) يُكْسَرُ حَرُّهٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُهٰذَا بِحَرِّهٰذَا ۔ (وقال الترمذی هذحدیث حسن غریب)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/١٧٦ الحديث رقم ٣٨٣٦، والترمذي في ٤/٢٤٦ الحديث رقم ١٨٤٣۔

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے یہ ترمذی کی روایت ہے ابوداؤد نے اس میں اضافہ کیا کہ کھجور کی گرمی کو تربوز کی سردی سے توڑا جاتا ہے تربوز کی سردی کا ازالہ کھجور سے کیا جاتا ہے۔ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: **كان ياكل البطيخ**:ترمذی اور بیہقی کی روایت میں ''الطبیخ'' ہے۔یہ درحقیقت ''بطیخ'' کا مقلوب ہے،اس میں ایک لغت یہ بھی ہے۔

زاد ابو داؤد:واضح رہے کہ یہ اضافہ بیہقی کی روایت میں بھی ہے۔

يكسر حر هذا ببرد هنا وبرد هذا بحر هذا:ایک روایت میں یوں ہے:**يدفع حر هذا برد هذا وبرد هذا حر هذا**۔(اطباء) کہتے ہیں: کھجور گرم وتر ہے،اور بطیخ سرد وتر ہے۔مذکورہ بالا دونوں چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر کھانے میں بڑی حکمت یہ ہے کہ ایک سرد دوسری گرم ہے۔دونوں ملا کر معتدل غذا ہو جاتی ہے!

امام طیبیؒ فرماتے ہیں شاید کہ بطیخ کچا تھا پکا نہیں تھا' چونکہ وہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور شاید کہ امام طیبیؒ نے بطیخ کو ''خربوزہ'' پر محمول کیا ہے جو پیلا ہوتا ہے،اور جمہور کے نزدیک بطیخ سے مراد سبز ہے تحقیقی کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

کیڑے سے کھجور نجس نہیں ہوتی

۴۲۲۶:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمَرٍ عَتِيْقٍ فَجَعَلَ يُفَتِّشُهُ وَيَخْرُجُ السُّوْسَ مِنْهُ ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/١٧٤ الحديث رقم ٣٨٣٢، وابن ماجه في ٢/١١٠٦ الحديث رقم ٣٣٣٣۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پرانی کھجور لائی گئی اس میں کیڑے پڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اس کو چیر کر کیڑے نکالنے شروع کئے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''سوس'' کے وجود کی حکمت کے بارے میں کہا گیا ہے: **لولا السوس ما خرج المدسوس**:

طبرانیؒ نے بسند حسن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بطریق مرفوع یہ نقل کیا ہے **نهى عن أن يفتش التمر عما فيه**۔ آنحضرت ﷺ نے کھجور کو چیرنے سے منع فرمایا ہے! (اس صورت میں چونکہ آنحضرت ﷺ کے فعل اور قول میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے) چنانچہ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو ممانعت منقول ہے اس کا تعلق نئی کھجوروں سے ہے اور اس کا مقصد وسوسہ سے بچانا ہے۔

۲ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو فعل منقول ہے وہ بیان جواز پر محمول ہے اور مذکورہ بالا ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کھانے میں کیڑا پڑ جائے تو وہ کھانا نہ نجس ہوتا ہے اور نہ حرام ہوتا ہے

چھری سے پنیر کاٹنا درست ہے

۴۲۲۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِجُبُنَةٍ فِیْ تَبُوْكٍ فَدَعَا بِالسِّکِّیْنِ فَسَمّٰی وَقَطَعَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/١٦٩ الحديث رقم ٣٨١٩۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پنیر کا ایک ٹکڑا لایا گیا یہ غزوہ تبوک کا موقعہ تھا آپ ﷺ نے چھری منگوا کر بسم اللہ پڑھ کر کاٹا یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: جبنة: جیم کے ضمہ، بائے موحدہ اور نونِ مشدّد کے ساتھ۔ **أي القرص من الجبن**۔ (کذا قیل) بظاہر پنیر کا ٹکڑا مراد ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: **الجبن بالضم وبالضمتين وكعتل معروف**: یعنی اس کو تین طرح پڑھا جاتا ہے۔

''تبوك'': اس کو کبھی منصرف اور کچھ غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

''قطع'': اس کو تخفیف وتشدید دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

عرضِ مرتب:

صاحب مظاہر لکھتے ہیں:

یہ بسم اللہ کہنا کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی جگہ تھا نہ کہ وہ بسم اللہ جو ذبح کرتے وقت پڑھی جاتی ہے جیسا کہ

بعض جاہل لوگ کدو کو کاٹتے وقت ذبح کی نیت سے بسم اللہ کہتے ہیں۔

مظہرؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''انفحہ'' پاک ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ ناپاک ہوتا تو پنیر کو بھی ناپاک ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ پنیر اس کے بغیر نہیں بنتا تھا۔

تین اشیاء کا حکم

۴۲۲۸: وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَآءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَاسَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَاعَنْهُ۔

(رواه ابن ماجة والترمذی وقال هذا حديث غريب وموقوف على الاصح)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱۹۲/٤ الحديث رقم ۱۷۲٦، وابن ماجه فی السنن ۱۱۱۷/۲ الحديث رقم ۳۳۹۷۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے پنیر، گھی، پوستین یا گورخر کے متعلق دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا حلال وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی۔ یعنی اس کی حلت قرآن مجید میں بیان کی۔ اور حرام وہ ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں بیان کر دی اور جس چیز سے خاموشی اختیار کی گئی یعنی نہ حلال کہا نہ حرام۔ پس وہ ایسی قسم ہے جس کی معافی دی گئی یعنی اس کا کھانا مباح کیا یہ ترمذی و ابن ماجہ کی روایت ہے انہوں نے اس کو غریب قرار دیا صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

تشریح: الجبن: جیم اور باء دونوں کے ضمہ اور نون کے تشدید کے ساتھ۔

الفراء: فاء کے کسرہ اور مدّ کے ساتھ، بروزن کساء، فراء'' ہے۔ یہ فکاء کے فتحہ اور مد وقصر کے ساتھ کی جمع ہے۔ حمار وحشی کو کہتے ہیں۔ اور اسی سے حدیث میں آیا ہے: **كل اكصدفی جوف الفراء۔**

گھی کے بارے میں تو اس لئے پوچھا گیا کہ بظاہر ابتداء اسلام میں بعض لوگوں کو اس کے حلال ہونے میں شبہ ہوا ہوگا۔ پنیر کا معاملہ بذاتِ خود محل اشتباہ وسوال تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں وہ چستہ (یعنی اونٹ یا بکری کے اوجھ) کے ذریعہ بنتا تھا تیسری چیز جس کے بارے میں سوال کیا گیا فراء تھی۔ قاضیؒ نے کہا ہے کہ یہ اس کو فرو کی جمع ہے جس کے معنی پوستین (جانور کی کھال کے کوٹ) کے ہیں۔ اسی لئے ترمذی نے اس روایت کو ''**باب لبس الفرو**'' میں نقل کیا ہے اور ابن ماجہ نے ''باب السمن والجبن'' میں ذکر کیا ہے ہمارے علماء میں سے بعض شراح نے کہا ہے کہا گیا ہے کہ یہ غلط ہے بلکہ اس ''فرو'' کی جمع ہے جو پہنی جاتی ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ فراء کے بارے میں سوال کفار کے عمل سے اجتناب کرنے کے جذبہ سے کیا گیا تھا، کیونکہ وہ (کفار) مردار کی کھال کو دباغت دیئے بغیر اس کی پوستین بنایا کرتے تھے۔ اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ علمائے حدیث نے اس حدیث کو ''کتاب اللباس'' میں ذکر کیا ہے اھ۔ مصنف کا اس حدیث کو ''باب الاطعمۃ'' میں ذکر کیا ہے اس کے غالب مضمون کو دیکھتے ہوئے اور جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ چیزیں حرام ہیں جن کے حرام ہونے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن

میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے یا اس آیت کریمہ [وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا] کے ذریعہ بطریق اجمال بیان کیا ہے [یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے تاکہ ان اکثر چیزوں کے بارے میں اشکال پیدا نہ ہو جو حرام ہیں مگر ان کی حرمت کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کا حرام ہونا احادیث نبوی کے ذریعہ ثابت ہے۔)

قوله: وما سكت عنه فهو مما عفا عنه:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اس کی تائید اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾ [الذاریات۔۵۶]۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿هو الذى خلق لكم ما فى الأرض جميعا﴾ [البقرۃ۔۲۹]۔ اور کہا گیا ہے: **كل شئ خلق لعباده، وخلقوا لعبادته۔**

تخریج: اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

گھی کی چوری کی خواہش

۴۲۲۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَدِدْتُ اَنَّ عِنْدِیْ خُبْزَةً بَيْضَاءَ مِنْ بُرَّةٍ سَمْرَاءَ مُلَبَّقَةً بِسَمْنٍ وَّلَبَنٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَاتَّخَذَهٗ فَجَاءَ بِهٖ فَقَالَ فِیْ اَیِّ شَیْءٍ كَانَ هٰذَا قَالَ فِیْ عُكَّةِ ضَبٍّ قَالَ ارْفَعْهُ۔ (رواه ابوداود وابن ماجة وقال ابوداود وهذا حديث منكر)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٤/١٦٨ الحديث رقم ٣٨١٨ ابن ماجه فى السنن ٢/١١٠٩ الحديث رقم ٣٣٤١۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میرے پاس سفید گندمی گیہوں کے گھی اور دودھ سے نرم کی ہوئی روٹی ہو۔ صحابہ کرام میں سے ایک شخص اٹھ کر گیا اور ایسی روٹی تیار کر کے لایا آپ نے دریافت فرمایا گھی کس برتن میں تھا اس نے عرض کیا گوہ کے چمڑے سے بنی ہوئی کپی میں تھا آپ نے فرمایا اس کو میرے سامنے سے اٹھا لو۔ یہ ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت ہے۔ ابوداؤد نے کہا یہ روایت منکر ہے۔

تشریح: **وددت:** دال کے کسرہ کے ساتھ۔ اور ایک نسخہ میں دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قاموس میں لکھتے ہیں: **الود والوداد الحب، ويثلثان، وودته أوده فيهما** اھ۔ یہ بات مخفی نہ رہے کہ فتح العین پڑھنا، شاذ ہے، چونکہ شرط معدوم ہے، ممکن ہے کہ ''مدغم'' میں تسامح ہوتا ہو۔

برة سمراء: یہ ''**برة**'' کی صفت ہے، اور شاید کہ اس سے ''**مقمره**'' مراد ہو چونکہ وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے، اور اس لئے تاکہ بیضاء وسمراء میں تناقض نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض شراح نے ''**سمراء**'' کی توضیح میں لفظ ''حطہ'' کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ یہ ''**برّة**'' سے بدل ہوگا۔

قاضیؒ فرماتے ہیں ''**سمراء**'' حطہ کی ان صفاتِ غالبہ میں سے ہے جو حطہ پر غالب ہے۔ چنانچہ اس کو بطور اصل کے استعمال فرمایا ہے، کہا گیا ہے کہ **سمراء** حطہ کی ایک قسم ہے، جس میں معمولی سی سیاہی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے ان کے ہاں یہ اس کی ایک قسم ہو۔

قاموس میں لکھتے ہیں: السمرة بالضم منزلة بين البياض والسواد فيما يقبل ذلك، (سیاہ وسفید کے درمیان کا رنگ) (گندمی، سانولا رنگ) والأسمر لبن الظبية (ہرنی کا دودھ)، والأسمران الماء والبر (پانی اور گیہوں، پانی اور گندم)، والسمراء الحنطة والخشكار (گیہوں، آٹا ملا ہوا بھوسہ)۔

ملبقة: بائے موحدہ مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔ أي مبلولة مخلوطة خلطا شديدا بسمن وعسل۔ منصوب ہے، ''خبزہ'' کی صفت ہے۔ یہی ظاہر ہے، اور ایک نسخہ میں ''مجرور'' ہے۔ اس صورت میں یہ ''برّة'' کی صفت ہوگی، یہ گویا کہ ایک قسم کا جر جوار ہے۔

فقال: في أي شيء كان هذا؟ یہ سوال ممکن ہے اس وجہ سے کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس میں بدبو محسوس ہوئی ہو۔

العكة: بالضم (گھی کا برتن) أنية السمن: قيل: وعاء مستدير للسمن والعسل۔ وقيل: العكة القربة الصغيرة (چھوٹی مشک)۔ خلاصہ کلام یہ کہ وہ گھی گوہ کی کھال سے بنائے گئے کسی برتن میں تھا۔

قال: ارفعه۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اس روٹی کو اپنے سامنے سے اٹھانے کا حکم اس بنا پر دیا کہ آپ ﷺ گوہ سے طبعی نفرت رکھتے تھے کیونکہ وہ آپ ﷺ کی قوم کے علاقے میں نہیں پائی جاتی تھی جیسا کہ پچھلے صفحات میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نہ کہ اس کے اٹھانے کا حکم اس سبب سے تھا کہ گوہ کی کھال نجس ہوتی ہے کیونکہ اگر گوہ کی کھال نجس ہوتی تو اس کھال کے کپے میں رکھے ہوئے گھی سے تر کی ہوئی روٹی کو آپ ﷺ پھینک دینے کا حکم دیتے اور دوسروں کو بھی اس کے کھانے سے منع فرما دیتے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ کے مخالف ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مذکورہ روٹی کی تمنا کا اظہار کرنا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ابوداؤد نے اس روایت کے منکر ہونے کی صراحت کی ہے اور اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں یہی توجیہ ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کی خواہش کا اظہار محض بیان جواز کی خاطر کیا۔

حدیث منکر کی تعریف: ارباب اصول محدثین نے یہ کی ہے: حديث من فحش غلطه أو كثرت غفلته أو ظهر فسقه۔ (علی مافی شرح النخبة)۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ جل شانہ کی کاریگری کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ اپنے اولیاء وانبیاء کیلئے حصول شہوات اور تمناؤں کی تکمیل کس قدر مشکل ہے۔

مروی ہے کہ دو فرشتوں کی باہم ملاقات ہوئی، ایک زمین پر اتر رہا تھا، اور دوسرا آسمان پر چڑھ رہا تھا، ایک دوسرے کا حال پوچھا، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ ایک یہودی نے تازہ مچھلی کی خواہش کی ہے، چنانچہ مجھے حکم ہوا کہ اس کی یہ فرمائش پوری کروں، اور مچھلی مہیا کروں، دوسرے فرشتہ نے کہا کہ ایک نیک صالح مسلمان نے دودھ یا شہد کی تمنا کی ہے، حالانکہ وہ خرید بھی چکا ہے، مجھے حکم ہوا کہ میں وہ انڈیل دوں، اور اسے محروم کر دوں۔

کچے لہسن کی ممانعت

۴۲۳۰: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَكْلِ الثَّوْمِ اِلَّا مَطْبُوْخًا۔ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ١٧٣ الحديث رقم ٣٨٢٨، والترمذی فی ٤/ ٢٣٠ الحديث رقم ١٨٠٨۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پکے ہوئے لہسن کے علاوہ لہسن (کچے) سے منع فرمایا۔ یہ ترمذی ابوداؤد کی روایت ہے۔

تعارض:

① عن عقبة بن عامر مرفوعا: لا تأكلوا البصل النيئ۔ (رواه ابن ماجه)

② عن أنس: إياكم وهاتين البقلتين أن تأكلوهما وتدخلوا مسجدنا، فإن كنتم لابد آكليهما فاقتلوها بالنار قتلا (رواه الطبرانی فی الأوسط)

③ عن ابن عمر رضى الله عنهما: نهى عن أكل الثوم (رواه البخاری)

④ عن أبی الدرداء: نهى عن أكل البصل (رواه الطبرانی)

⑤ عن أبی سعيد: نهى عن أكل البصل والكراث والثوم۔ (رواه الطيالسی)

⑥ عن جابر: من أكل ثوما أوبصلا فليعت لنا (متفق عليه)۔

⑦ عن أبی زياد قال سئلت عائشة عن البصل فقالت ان اخر طعام اكله رسول الله ﷺ طعام فيه بصل۔

تشریح تعارض:

مذکورہ بالا احادیث میں سے پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچی پیاز کھانا (اور اسی طرح کی دوسری بدبو دار سبزیاں) ممنوع ہے تیسری، چوتھی، پانچویں روایت سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لہسن، پیاز گندنا اور اس طرح کی دوسری بدبو دار سبزیوں کو استعمال کرنا مطلقاً ممنوع ہے۔ دوسری روایت سے ان کو پکا کر کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور ساتویں روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پکی ہوئی پیاز مشتمل کھانا تناول فرمایا ہے۔

پکے ہوئے لہسن کو کھانے سے اس لئے منع نہیں فرمایا گیا ہے کہ پکنے سے اس کی بو جاتی رہتی ہے۔ یہی حکم پیاز اور اس طرح کی دوسری چیزوں کا بھی ہے ممانعت کی روایات کا جواب یہ کہ مذکورہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

پکی ہوئی پیاز کا حکم

۴۲۳۱: وَعَنْ اَبِیْ زِيَادٍ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ عَنِ الْبَصَلِ فَقَالَتْ اِنَّ اٰخِرَ طَعَامٍ اَكَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

طَعَامٌ فِيْهِ بَصَلٌ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۱۷۳/٤ الحديث رقم ۳۸۲۹، واحمد فی المسند ٥٩/٦ وابن ماجه فی ۱۱۰٦/۲ الحديث رقم ۳۳۳٤۔

ترجمہ: ابوالزیاد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ پیاز کھانے کا کیا حکم ہے یعنی پکی ہوئی پیاز کا حکم دریافت کیا گیا کہ آیا حلال ہے یا حرام تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا سب سے آخری کھانا جو آپ نے تناول فرمایا اس میں پیاز تھی۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: سائل کا سوال مطلقاً تھا یا کچی پیاز کے بارے میں تھا' یا پکی پیاز کے بارے میں تھا' آخری احتمال زیادہ واضح ہے۔

ابن حجرؒ شرح شمائل میں فرماتے ہیں کہ لہسن' گندنا اور مولی کھانے کی جو ممانعت منقول ہے اس کا تعلق کچی سے ہے نہ کہ اس سے جو کھانے میں پکا ہوا ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ (کچے کے بارے میں) ممانعت بھی محض نہی تنزیہی کے طور پر ہے' بطور تحریمی نہیں ہے' (چنانچہ یہ چیزیں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھیں اور نہ اُمت پر حرام ہیں) امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیاز کو اس کی بدبو کی وجہ سے ناپسند فرماتے تھے' اور جو پکی ہوئی ہوتی ہے خصوصاً پیاز تو اس میں بو نہیں ہوتی۔ طحاویؒ شرح آثار میں احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پیاز گندنا ولہسن اور وغیرہ کھانا مباح ہے خواہ وہ کچے ہوں یا کھانے کے ساتھ پکے ہوئے ہوں' لیکن یہ اباحت اس شخص کے لئے ہے جو ان کو کھانے کے بعد گھر میں بیٹھا رہے اور ان کی بو آنے تک مسجد میں نہ جائے کیونکہ ان چیزوں کو کھا کر مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ تاکہ مسجد میں ملائکہ اور بنی آدم کو تکلیف نہ ہو۔ فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ' امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول بھی یہی ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی کے آخر میں ایسے کھانے کو کھانا جس میں پیاز تھی بیان جواز کی خاطر تھا اور یہ واضح کرنے کے لئے کہ ان چیزوں کے کھانے کی ممانعت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ مظہرؒ کا قول بھی یہی ہے۔

کھجور و مکھن کا استعمال

۴۲۳۲: **وَعَنِ ابْنَیْ بُسْرِ السُّلَمِيَّيْنِ قَالَا دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَّ تَمْرًا وَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ** ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه ابوداوٗد فی السنن ۱۷٦/٤ الحديث رقم ۱۸٤۷ وابن ماجه فی ۱۱۰٦/۲ الحديث رقم ۳۳۳۱

ترجمہ: بسر سلمیہ کے دو بیٹوں سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور کھجور آپ کی خدمت میں پیش کی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں استعمال فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکھن اور کھجور پسند فرماتے تھے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: زبد: زاء کے ضمہ اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ، قاموس میں لکھتے ہیں: زبد اللبن بالضم، زبدة بفتحتين۔

فقد منا اليل زيد اوتمرا' و كان يحب الزبد والتمر: اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

1. چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکہ اور کھجور کو پسند فرماتے تھے اسی لئے ہم نے یہ چیزیں خصوصی طور پر پیش کیں۔
2. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکہ اور کھجور کو پسند فرماتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں چیزیں خوب تناول فرمائیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

مختلف رنگ کھانے ہر جانب سے کھا سکتے ہیں

۴۲۳۳: وَعَنْ عِكْرَاشِ بْنِ ذُوَيْبٍ قَالَ اُتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ فَخَبَطْتُ بِيَدِىْ فِىْ نَوَاحِيْهَا وَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى يَدَىِ الْيُمْنٰى ثُمَّ قَالَ يَاعِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَاِنَّهٗ طَعَامٌ وَاحِدٌ ثُمَّ اُتِيْنَا بِطَبَقٍ فِيْهِ اَلْوَانُ التَّمْرِ فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِى الطَّبَقِ فَقَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّهٗ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اُتِيْنَا بِمَآءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَرَاْسَهٗ وَقَالَ يَا عِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه الترمذى فى السنن ٤/ ٢٤٩ الحديث رقم ١٨٤٨ وابن ماجه فى ٢/ ١٠٨٩ ـ الحديث رقم ٣٢٧٤

ترجمہ: حضرت عکراش بن زویبؓ سے روایت ہے کہ ہمارے لئے ثرید کا ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں خوب بوٹیاں تھیں تو میں نے اپنا ہاتھ پیالے میں گھمایا۔ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر ارشاد فرمایا اے عکراش! ایک جگہ سے کھا یعنی اپنے آگے سے کھاؤ اس لئے کہ یقیناً یہ ایک طرح کا کھانا ہے پھر ہمارے سامنے ایک طباق کھجوروں کا لایا گیا جس میں قسما قسم کی کھوریں تھیں میں نے اس میں سے اپنے آگے سے کھانا شروع کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پورے طباق میں گھومنے لگا یعنی ہر جانب سے آپ کھاتے تھے جدھر طبیعت کا میلان ہوتا اور اس سے لوگوں پر اس بات کو بھی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ کھجوریں ہر طرف سے کھا سکتے ہیں تو قول سے جس طرح تعلیم دی فعل سے بھی اسی طرح تعلیم دی پھر آپ نے فرمایا اے عکراش! اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ۔ اس لئے کہ یہ ایک رنگ کی نہیں پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس دھوئے اور اپنے تر ہاتھوں کو اپنے چہرہ مبارک سر اور کہنیوں پر پھیر لیا اور فرمایا اے عکراش! یہ کھانے کا وضو ہے جس کو آگ نے متغیر کیا یعنی یہ عرفی وضو اس وجہ سے ہے کہ کھانے کو آگ سے پکایا گیا ہے یہ ترمذی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عکراش بن ذؤیب۔ یہ عکراش بن ذویب تمیمی کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے۔ ان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ ان سے ان کے بیٹے عبید اللہ روایت کرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے صدقات لے کر حاضر ہوئے تھے۔

''عکراش'' میں عین کا زیر' کاف ساکن' رائے مہملہ اور شین معجمہ ہے۔

تشریح: ''جفنة'': جیم کے فتحہ، فاء کے سکون کے ساتھ۔ بمعنی ''قصعہ''۔

''الوذر'': واؤ کے فتحہ، ذال معجمہ کے سکون کے ساتھ ''وذرة'' کی جمع ہے بغیر ہڈی کے گوشت کا ٹکڑا۔ (علی مافی الفائق وغیرہ) صاحب قاموس لکھتے ہیں: الوذرة من اللحم القطعة الصغيرة، لا عظم فيها، ويحرك۔

''خبطت'': خبط البعير، إذا ضربه بها سے ماخوذ ہے۔ امام طیبیؒ لکھتے ہیں: أي: ضربت فيها من غير استواء، من قولهم: خبط خبط عشواء حضرات عکراش نے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فعل کے لئے ''وجالت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی تعبیر اختیار کی' جالت: جولان سے ماخوذ ہے، أي دارت۔

على يدى اليمنى: ''یدی'' کی یاء پر اضافت کی وجہ سے فتحہ بھی پڑھا جا سکتا ہے، اور سکون بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

قوله: فانه طعام واحد:

مطلب یہ ہے کہ جب پورے پیالے میں یکساں قسم کا کھانا ہے اور اس کی ہر طرف ایک ہی طرح کی چیز ہے تو پھر پیالے کی ساری اطراف میں ہاتھ بڑھانا طمع زائد اور حرص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس میں بظاہر درمیان کی جگہ مستثنیٰ ہے کیونکہ برکت نازل ہونے کی وہی جگہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ درمیان کی جگہ سے نہ کھایا جانا اس کھانے کے ساتھ مخصوص ہو جو ایک رنگ کا ہو یا اس قدر مخلوط ہو کہ گویا شئی واحد ہے! ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر کھانے کی چیز از قسم میوہ و پھل ہو اور وہ ایک ہی (طرح یعنی ایک ہی قسم اور ایک ہی رنگ) کی ہو تو اس صورت میں برتن کے ہر طرف ہاتھ نہ لپکانا چاہئے۔ جیسا کہ طعام کا حکم ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ایک برتن میں کھانا مختلف رنگوں کا ہو تو جس طرف سے جی چاہے کھایا جا سکتا ہے۔ اور جس رنگ کا چاہے لے سکتا ہے۔

مما غيرت: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''من'' ابتدائیہ ہے، ما غيرت، مبتدا کی خبر ہے۔ أي: هذا الوضوء لأجل طعام طبخ بالنار۔

حساء غمزدہ دِل کا علاج

۴۲۳۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَخَذَ اَهْلَهُ الْوَعْكُ اَمَرَ بِالْحَسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْ عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْ اِحْدَا

كُنَّ الْوَسْخَ بِالْمَآءِ عَنْ وَجْهِهَا۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٣٦ الحديث رقم ٢٠٣٩، وابن ماجه فی ٢/١١٤٠ الحديث رقم ٣٤٤٥، وأحمد فی المسند ٦/٣٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ کے گھر والوں کو بخار ہوتا تو آپ حساء پکانے کا حکم فرماتے وہ تیار کیا جاتا پھر گھر والوں کو پینے کا حکم فرماتے اور خود بھی نوش فرماتے اور ارشاد فرماتے حساء کھانا غمگین دل کو تقویت دیتا ہے اور بیمار دل سے رنج و بیماری کا ازالہ کرتا ہے جیسا کہ تمہاری یعنی عورتوں کی جماعت منہ سے میل کو پانی کے ذریعہ صاف کرتی ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: الوعك: بروزن شمس، بخار یا بخار کی شدت۔ **الساء**: حاء کے فتحہ اور مدّ کے ساتھ۔

حساء کھانے کی قسم سے ایک رقیق چیز ہوتی ہے جو آٹا' پانی اور گھی کو ملا کر پکائی جاتی ہے اور بعض حضرات نے گھی کے بجائے تیل کا ذکر کیا ہے' اہل مکہ اس کو حریرہ کہتے تھے

صنع: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

ثم أمرهم فحسوا: "فحسوا": سین کے فتحہ کے ساتھ۔ صیغۂ جمع لانے میں دو باتیں ہوسکتی ہیں: ❶ سب کو بخار آتا تھا اس لئے سب پیتے تھے۔ ❷ سب کو بخار نہیں آتا تھا، لیکن کھانے میں شرکت مقصود تھی۔

لیرتو: یاء کے فتحہ، راء کے سکون، اور تاء کے ضمہ کے ساتھ۔ أی يشدو يقوی

يسرو: بروزن "يدعو" اس کو صیغۂ تانیث و تذکیر ہر دو کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

کھجور کی افضل ترین قسم عجوہ

۴۲۳۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ وَالْكَمْأَةِ مِنَ الْمَنِّ وَمَاءُ هَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی السنن ٤/٣٥٠ الحديث رقم ٢٠٦٦، وابن ماجه فی ٢/١١٤٣ الحديث رقم ٣٤٥٥، والدارمی فی ٢/٤٣٦ الحديث رقم ٢٨٤٠، وأحمد فی المسند ٢/٣٠١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عجوہ کھجور کی افضل قسم ہے یہ جنت کی کھجور ہے اور اس میں زہر کی شفاء ہے اور کھنبی یہ من کی قسم سے ہے۔ اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: العجوة من الجنة: اس کا مطلب یہ ہے کہ عجوہ کی اصل جنت سے آئی ہے یا یہ کہ جنت میں جو کھجور ہوگی وہ عجوہ ہے یا اور یہ کہ عجوہ کھجور میں ایسی لطافت ہے گویا وہ جنت کا میوہ ہے' زیادہ صحیح مطلب پہلا ہی ہے حدیث کے باقی حصے کی

وضاحت پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

ایک روایت میں ہے: **العجوة من فاكهة الجنة**۔ایک شارحؒ لکھتے ہیں: اس سے اس کھجور کی منفعت اور برکت کے اختصاص میں مبالغہ مراد ہے۔ گویا یہ جنت سے آئی ہے، چونکہ جنت کا کھانا تکلیف اور تھکاوٹ کو زائل کر دے گا۔اھ۔

اس میں اشکال یہ ہے کہ جنت تو ایسی جگہ ہے جہاں اذی ہے نہ تعب، نصب ہے نہ وصب، چہ جائیکہ جنت کے کھانے تکلیفات کو زائل کریں گے، جنت کے کھانے، میوہ جات و مشروبات کا استعمال لذت حاصل کرنے کیلئے ہوگا۔ چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ [طٰہٰ:۱۱۷-۱۱۹] ''ہم نے فرمایا کہ آدم یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگیا اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ''۔

فيها شفاء من السم: یہ خصوصیت ممکن ہے کہ عجوہ کی ہر قسم میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تاثیر مدینہ کی عجوہ کے ساتھ مخصوص ہو۔

السم: سین پر تینوں حرکات درست ہیں، فتحہ افصح، اور ضمہ اشہر ہے۔

قوله: والكماة من المن وما ؤها شفاء العين: اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

تخريج: اس حدیث کو امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے اسی راوی سے نقل کیا ہے۔ احمد، نسائی، اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے سند ضعیف کے ساتھ اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے:

والكبش العربى [الاسود] شفاء من عرق النساء يؤكل من لحمه ويحسى من مرقه۔

الفصل الثالث:

بھنا گوشت استعمال فرمانا

۴۲۳۶: عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِىَ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِىْ بِهَا مِنْهُ فَجَآءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَاَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ وَفَاءً فَقَالَ لِىْ اُقُصُّهُ عَلٰى سِوَاكٍ اَوْ قُصَّهُ عَلٰى سِوَاكٍ۔ (رواه الترمذى)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ۱/۱۳۱ الحديث رقم ۱۸۸ والترمذى فى الشمائل الحديث رقم ۱۶۷، وأحمد فى المسند ۴/۲۵۲۔

ترجمه: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک رات مہمان بنا یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں کسی کے ہاں مہمان تھے اس نے ایک بکری ذبح کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک پہلو بھوننے کا حکم فرمایا وہ بھونا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری لی اور میرے لئے اس پہلو سے گوشت کاٹنے لگے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کو نماز کی اطلاع دی پھر آپ نے چھری ڈال دی اور فرمایا یعنی بطور تعجب فرمایا بلال کو کیا ہوا اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ مغیرہ کہتے ہیں میری لبیں بڑھی ہوئیں تھیں تو آپ نے فرمایا میں تیری لبیں مسواک پر کتر دوں یا تم لبیں مسواک پر کاٹ لو۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

عرض مرتب:

لفظ ''ضیافت'' سے متعلقہ تفصیلی لغوی تحقیق ''باب الضیافه'' کے ابتدائیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ ہم نے یہاں بقدر ضرورت پر اکتفاء کیا ہے۔ اھ۔

تشریح: ضفت مع رسول اللہ ﷺ ذات لیلة: اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

1. امام طیبیؒ لکھتے ہیں: أی نزلت أنا ورسول اللہ ﷺ ضیفین له۔
2. مصابیح کے شارح زین العربؒ لکھتے ہیں۔: أی كنت ليلة ضيفه۔

میرکؒ فرماتے ہیں: اسی اسناد کے ساتھ، وکیع کے طریق سے ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ضفت النبی ﷺ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے۔ بظاہر ترمذی کی روایت میں لفظ ''مع'' زائد ہے، ادنیٰ تأمل سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زین العرب ہی کی بات برحق ہے۔ اس ضیافت کا اہتمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن ضباعة بنت زبیر بن عبد المطلب کے گھر میں کیا گیا تھا۔ (كذا أفاده القاضی اسماعيل)۔

عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ ضیافت ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں ہوئی ہو۔ بعض حضرات کا اس کی یہ مراد بیان کرنا ''جعلته ضيفالی حال كونی معه'' صحیح نہیں ہے، چونکہ ہم ماقبل میں ''ضفت'' کے لغوی معنی بتا چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں ان روایات واقوال میں جمع کی ایک صورت یہ ممکن ہے کہ حضرت مغیرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کسی اور صحابی نے کر رکھی تھی، چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی آنحضرتؐ کی معیت میں تابع ہو کر ان صحابی کے ہاں تشریف لے گئے۔

فأمر بجنب فشوی: شمائل کی روایت میں یوں ہے: فأتی بجنب مشوی۔

الشفرة: شین معجمہ کے فتحہ اور فاء کے سکون کے ساتھ۔ السكين العريض الذی امتهن بالعمل۔

يحز: حائے مہملہ کے ضمہ اور زائے مشددہ کے ساتھ۔ أی يقطع۔

لی بها: لام تعلیلیہ ہے۔ أی لأجل بالشفرة اور باء برائے استعانت ہے۔ جیسا کہ كتبت بالقلم میں ہے۔ مجرور ''يحز'' کے متعلق ہوگا۔

بظاہر یہ روایت دوسری روایت کے معارض ہے کہ جس میں چھری سے کاٹ کر کھانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ دونوں روایات میں جمع کی صورت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ کیلئے بوٹیاں کاٹ کاٹ کر رکھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل تواضعاً تھا، اور حضرت مغیرہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اس لئے اکرام ضیف بھی مقصود تھا، اور چونکہ حضرت مغیرہ نومسلم بھی تھے اس لئے ان کی تالیف قلب بھی مقصود تھی، اور دوسروں کو تواضع کی تعلیم دینا بھی مقصود تھا کہ آدمی اپنے بڑوں اور ہم عمروں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ چھوٹوں کے ساتھ بھی اس طرح پیش آئے۔

یؤذنه: ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے، اور ابدال کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے، **أي يعلمه**۔ ایک نسخہ میں ذال مشددہ کے ساتھ ہے۔ یہ بھی ماقبل کے ہم معنی ہے، لیکن صاحب النہایہ لکھتے ہیں: از باب تفعیل اس کا استعمال ''اعلام وقت صلوۃ'' کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اس تقدیر پر اس میں تجرید ماننی پڑے گی۔ البتہ پہلی روایت کیلئے مؤید ہوگی۔

تربت: راء کے کسرہ کے ساتھ:

''اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں''۔ یہ اصل میں ذلت وخواری اور فقر وافلاس سے کنایہ ہے اور ایک طرح بددعا کے مترادف ہے

اس جملہ کا استعمال عام طور پر اہل عرب کے ہاں اس شخص کے لئے کیا جاتا ہے جس کو ملامت کرنا مقصود ہوتا ہے اور حقیقت میں اس بددعا کے واقع ہو جانے کی طلب وخواہش نہیں ہوتی بلکہ روزمرہ کے محاورے کے طور پر اس جملہ کو بولتے ہیں اس سے مراد محض سرزنش و ملامت ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر یہ جملہ استعمال فرمانے میں کئی احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا کہ جب نماز کا ابھی کافی وقت باقی ہے خصوصاً اگر وہ نماز عشاء تھی' چونکہ نماز عشاء میں تاخیر افضل ہے تو بلال رضی اللہ عنہ نے کھانے کی مشغولیت کے دوران نماز کے لئے کیوں اٹھانا چاہا دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کا استعمال میزبان کی رعایت کے پیش نظر فرمایا ہو (کہ اس وقت یقیناً میزبان کو بڑی ذہنی اذیت وکوفت ہوئی ہوگی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے یا ان کی دلجوئی کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اس جملہ کے ذریعہ اظہارِ ناگوار فرمایا۔) اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کا قیام طاعت میں عبارت اور اجابت میں مارعت کے لئے تھا۔ اور یہاں ''مالہ تربت یداہ'' کا معنی ہے تربت یداہ للہ درہ ما احلاہ۔

قوله: قال وكان شاربه وفاء: ایک نسخہ میں ''**فقال: وكان شاربه**'' ہے۔ ایک روایت میں **وكان شاربه قد وفى** ہے۔ شارحین نے اس جملہ کی وضاحت کئی طرح کی ہے

اول: ''**شاربه**'' کی ضمیر حدیث کے راوی حضرت مغیرہ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں اگرچہ ظاہری اسلوب کا تقاضا یہ تھا کہ یوں کہا جاتا **وكان شاربي** (اور میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں) یعنی ضمیر متکلم کا استعمال ہوتا لیکن اس کے بجائے وشاربه کہہ کر غائب کی ضمیر استعمال کی اس کی وجہ محض تفنن کلام ہے جس کو اہل معانی کی اصطلاح میں تجرید والتفات کہا جاتا ہے اس کی تائید اگلے الفاظ ''**فقال لي**'' سے ہوتی ہے' لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں ثانی: امام طیبیؒ فرماتے ہیں ''شاربہ'' کی ضمیر کا حضرت بلال کی طرف لوٹنا بھی ممکن ہے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہوں: **قال بلال : فقال لي** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتا ہوں اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یوں ہے:

فقال له قصه لك اى لنفعك أو لأجل قربك منى. "

نیز مسواک پر کترنے'' کا مطلب یہ ہے کہ لبوں کے نیچے مسواک رکھ کر لبوں کو چھری سے کاٹ ڈالو۔

''اور یا یہ فرمایا''۔ یہ اصل میں راوی کا اپنے شک کو ظاہر کرنا ہے کہ یا تو آپ ﷺ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا کہ لبیں مسواک پر رکھ کر کاٹ ڈالو یعنی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہاری لبیں کاٹوں بلکہ انہیں (حضرت مغیرہ) کو حکم فرمایا کہ خود اپنی لبیں کاٹ ڈالیں۔ ثالث: ''شاربه'' کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع کی جائے اور تقدیری عبارت یوں ہو: **أقصه لك اى لأجلك تتبرك به**۔ یعنی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی لبوں کو تمہارے لئے کتروں گا کہ وہ بال مجھ سے جدا ہو کر تمہارے پاس رہیں اور تم ان سے برکت حاصل کرو فرماتے ہیں یہ سارے تکلفات ہیں جن سے غلیل کی تشفی نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے امام محی الدین کو تردد ہوا' چنانچہ وہ فرماتے ہیں: علی سواک اُو قصه علی سواک

شرح السنہ میں ہے: قلت: **قد رأيت ان النبى ﷺ رأى رجلا طويل الشارب، فدعا بسواك وشفرة، فوضع السواك تحت شاربه ثم جزه** (انتهى)۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ ممکن ہے کہ لبین چھری سے کاٹی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ قینچی سے کاٹی ہوں۔ بظاہر یہ شک حضرت مغیرہ کو ہے، یا نیچے کے کسی راوی کو ہے۔

''قصه'': بضم القاف وفتح الصاد، اور ضمہ بھی درست ہے۔ جیسا کہ اصول مصححہ میں منقول ہے بصیغۂ امر۔ **أى قصه أنت**۔ اور ایک نسخہ میں قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، یعنی بصیغۂ ماضی ہے۔ اس تقدیر پر یہ کہا گیا ہے کہ اس کا عطف ''قال'' پر ہے۔ **أى قال: وكان شاربه وفاء فقصه ﷺ:**

زیادہ واضح یہ ہے کہ ضمنی طور پر'' قال'' پر عطف ہے، **فقال أى فقال: أقصه أو فقصه**۔ اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے بھی ہوتی ہے: **وكان شاربى وفى فقصه لى على سواكه۔ وكان شاربه** کا واؤ مطلق جمع کیلئے ہے۔ چنانچہ یہاں اشکال وارد نہیں ہوسکتا کہ یہ فعل نماز کی اطلاع دینے اور چھری پھینک دینے وغیرہ کے بعد مناسب نہیں۔ یہ تحقیق بھی شراح کے اس قول کو کمزور کر رہی ہے کہ ''شاربہ'' کی ضمیر حضرت بلالؓ کی طرف راجع ہے: الّا یہ کہ اس مجلس میں حضرت بلالؓ کی موجودگی اس ایذان سے پہلے ثابت ہو۔

یہ حدیث امام نوویؒ کے قول کی مؤید ہے کہ مونچھیں کاٹنے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ''احفاء'' میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ بلکہ حرف اس قدر تراشے کہ ہونٹوں کے اطراف اور سرخی ظاہر ہو جائے۔ احادیث میں جو''احفاء الشوارب'' کا حکم آیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مونچھوں کا حلق افضل ہے۔

اکثر حضرات ''قص'' کے قائل ہیں، امام مالکؒ مونچھیں منڈوانے والے کی تادیب کے قائل ہیں۔ امام طحاویؒ نے مزنی اور ربیع سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں ''احفاء'' کرتے تھے۔ چنانچہ یہ قول امام نوویؒ کے قول کے برعکس ہے۔ اور حنفی ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے۔ کہ احفاء، تقصیر سے افضل ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ ''احفاء شدید'' کیا کرتے تھے۔ امام غزالیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ کی اتباع میں مونچھوں کے اس حصہ کو مس نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ لبیں منہ

کو چھپاتی نہیں ہیں' اور کھانے کی چکنائی ان میں باقی رہتی ہے چونکہ کھانا اس حصہ کو چھوتا ہی نہیں ہے۔ زرکشیؒ نے اس کے باقی رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل صحیح ابن حبان کی یہ روایت ہے: **ذکر لرسول اللّٰہﷺ المجوس، فقال: إنهم قوم یوفرون سبالهم، ویحلقون لحاهم فخالفوهم** اھ۔ بظاہر ''سبال'' سے شوارب مراد ہیں، ''شوارب'' پر ''سبال'' کا اطلاق مجازاً ہے۔ اور صاحب قاموس کے بیان کی تقدیر پر یہ اطلاق حقیقۃً ہے۔ واللہ اعلم۔

عرض مرتب: صاحب قاموس لکھتے ہیں: **السبلة: محرکة الدائرة فی وسط الشفة العلیا، أو ما علی الشارب من الشعر، أو طرفه، أو مجتمع الشاربین، أو ما علی الذقن إلی طرف اللحیة کلها، أو مقدمها خاصة، ج: سبال، وما سال من وبر البعیر فی منحره وجر** ۔اھ۔

تخریج وتوضیح:

امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو اسی طرح ذکر کیا ہے۔

امام طیبیؒ لکھتے ہیں: یہ حدیث مصابیح کے بعض نسخوں میں مذکور ہی نہیں ہے۔ اور بعض میں صحاح کے حصہ میں مذکور ہے۔ اور شرح السنہ میں ترمذی کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ یہ حدیث بے موقع مذکور ہے۔ (انتھی) لیکن یہ امام طیبیؒ کا وہم ہے۔ چونکہ ساری فصل ثالث مؤلف ہی کی طرف سے ہے، ہاں یہ بات درست ہے کہ اس کو قسم الصحاح میں ذکر کرنا صحیح نہیں تھا' جیسا کہ مخفی نہیں۔

شیطان کی چال

۴۲۳۷: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ اَيْدِيَنَا حَتّٰى يَبْدَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَيَضَعُ يَدَهٗ وَاِنَّا حَضَرْنَا مَعَهٗ مَرَّةً طَعَامًا فَجَائَتْ جَارِيَةٌ كَاَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَ هَا فِي الطَّعَامِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهَا ثُمَّ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ كَاَنَّمَا يُدْفَعُ فَاَخَذَ بِيَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ جَآءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَاَخَذْتُ بِيَدِ هَا فَجَآءَ بِهٰذَا الْاَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهٖ فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنَّ يَدَهٗ فِیْ يَدِیَّ مَعَ يَدِهَا زَادَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ذَكَرَاسْمَ اللّٰهِ وَاَكَلَ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۵۹۷/۳ الحدیث رقم (۱۰۲۔۲۰۱۷)' وأبو داوٗد فی السنن ۱۳۹/٤ الحدیث رقم ۳۷٦٦' وأحمد فی المسند ۳۸۳/۵۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب ہم آپ ﷺ کے ساتھ کسی کھانے میں حاضر ہوتے تو ہم اس وقت تک کھانے میں ہاتھ نہ رکھتے جب تک آپ شروع نہ فرماتے یعنی آپ کے کھانا شروع کرنے کے بعد شروع کرتے۔ اور ہم جلد بازی نہ کرتے ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ایک کھانے میں حاضر ہوئے۔ پس ایک لڑکی

آئی جو اس طرح محسوس ہوتی تھی کہ پیچھے سے دھکیلی جارہی ہے یعنی گویا کوئی اس کو کھانے پر گرا رہا ہے یعنی بھوک سے بے اختیار کھانے پر پل پڑی وہ اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالنا چاہتی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک دیہاتی آیا وہ بھی (اس زور سے آیا) گویا دھکیلا جارہا ہے یعنی اس نے بھی اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا شیطان اپنے لئے کھانے کو حلال کرتا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے سبب اس کھانے پر قدرت پاتا ہے شیطان پہلے اس لڑکی کو لایا اور اس کے ذریعہ اس نے اپنے لئے کھانا حلال کرنا چاہا اس طرح کہ لڑکی اللہ تعالیٰ کا نام لئے بغیر اس کھانے میں سے کھالے۔ تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر شیطان اس بدو کو لایا تاکہ اپنے لئے اس کے سبب کھانے کو حلال کرے پس میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں اس لڑکی کے ہاتھوں کے ساتھ پکڑا ہوا۔ ایک روایت میں حذیفہؓ یا مسلم نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور کھانا کھایا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **مع رسول اللہ ﷺ:** ایک نسخہ میں "**مع النبی ﷺ**" ہے۔ **كأنها تدفع:** امام نوویؒ فرماتے ہیں: ایک روایت میں "**تطرد**" آیا ہے۔ یعنی **لشدة سرعتها كأنها مطرودة أو مدفوعة۔ وأنه جاء بهذا:** اور ایک نسخہ میں "**فأنه جاء بهذا**" ہے۔

كنا إذا حضرنا مع رسول الله ﷺ طعاما لم نضع ريد ينا حتى يبدأ رسول ﷺ فيضع يده: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا ایک تو ادب کی وجہ سے تھا، دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے برکت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ابن عساکر نے ابوادریس خولانی سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے: **إذا وضع الطعام فليبدأ أمير القوم أو صاحب الطعام أو خير القوم۔**

فأخذ رسول الله ﷺ بيدها: باء تعدیہ کی تاکید کیلئے ہے۔

كأنما يدفع: "**ما**" کافہ ہے۔

فأخذ بيده: اس باء کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال تو یہ ہے کہ باء تعدیہ کی تاکید کیلئے ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ باء برائے استعانت ہے۔ **أى فأخذ يد الأعرابى بيده الأخرى۔**

قوله: إن الشيطان يستحل الطعام أن لا يذكر اسم الله عليه:

اى وقت عدم ذكره أو لأ جله وسببه 'اور مطلب یہ ہے کہ شیطان اس کھانے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے' اور ترک تسمیہ گویا کہ شیطان کے لئے کھانا کھانے کی اجازت ہے' جس طرح کہ تسمیہ پڑھنا شیطان کے لئے مانع بنتا ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کھانے سے حاصل شدہ قوت وہ اللہ کے ناپسندیدہ کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ اس حصہ سے متعلقہ کچھ تشریح حدیث ۴۱۶۰ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

قوله: إن يده فى يدى مع يدها: أى وكذلك يده فى يدى مع يده۔ کلام میں یہ حذف "باب الاكتفا" سے ہے امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر "**يدهما**" مراد ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ **أى يد الشيطان مع يد**

الرجل والجارية في يدي۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں: "يدها" کے الفاظ پر مشتمل روایت میں یہ ضمیر مؤنث "جاریہ" کی طرف راجع ہے اور یہ بھی درست ہے چونکہ "يدالجارية" کا اثبات "يد الأعربي" کے اثبات کے منافی نہیں اور جب افراد والی روایت صحیح ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس میں تاویل کرنا واجب ہے۔

تخریج: اس روایت کو امام ابوداؤد اور نسائیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

زیادہ کھانا بے برکتی کا باعث ہے

۴۲۳۸: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَادَاَنْ يَّشْتَرِىَ غُلَاماً فَاَلْقٰى بَيْنَ يَدَيْهِ تَمرًا فَاَكَلَ الْغُلَامُ فَاَكْثَرَفَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ كَثْرَةَ الْاَكْلِ شُؤْمٌ وَاَمَرَبِرَدِّهٖ ۔ (رواه البيهقي فى شعب الايمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٥/٣١ الحديث رقم ٥٦٦١

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ کیا پس اس کے سامنے کھجوریں ڈالی گئیں غلام نے بہت کھجوریں کھائیں تو جناب پیغمبر ﷺ نے فرمایا۔ زیادہ کھانا بے برکتی کا سبب ہے۔ چنانچہ اس کے واپس کر دینے کا حکم فرمایا۔ یہ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح: قوله: إن كثرة الأكل شؤم:

شؤم: ہمزہ کے ساتھ ہے، اور ابدال کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، "یمین" کی ضد ہے یعنی زیادہ کھانے والا شؤم ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: إن المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء۔

نمک بہترین سالن

۴۲۳۹: وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدُ اِدَامِكُمُ الْمِلْحُ ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ٢/١١٠٢ الحديث رقم ٣٣١٥۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا بہترین سالن نمک ہے یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: نمک کو "بہترین سالن" اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ کم سے کم محنت اور بڑی آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جاتا ہے اور قناعت کا سب سے قریبی ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اکثر عارفین نمک ہی پر قناعت کرتے تھے۔ لہٰذا یہ ارشاد آنحضرت ﷺ کے اس قول کے منافی نہیں ہے:

سيد الأدام في الدنيا والآخرة اللحم، وسيد الشراب في الدنيا والآخرة الماء، وسيد الرياحين في الدنيا والآخرة الفاغية، (یعنی دنیا و آخرت میں سالنوں کا سردار گوشت ہے)۔ على مارواه الطبراني في الأوسط،

وأبو نعيم في الطب، والبيهقي عن بريدة۔

ممکن ہے کہ اس کو اسید الادام کہنا اس اعتبار سے ہو کہ اس کے بغیر، روٹی، یا کسی بھی پکے ہوئے کھانے میں لذت نہیں۔ (اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ) دوسرے سالن امر زائد وغیر ضروری ہیں۔ لہٰذا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، لوگ اس کی قدر و قیمت سے غافل ہیں، چہ جائیکہ اس نعمت پر اللہ کے شکر گزار ہوں۔

ارباب لطائف میں سے ایک صاحب کا یہ کلام اس کے مناسب حال ہے:

عجبت من الناس، كيف يبيعون الزعفران بالمثقال والملح بالامال۔

تخریج: اس طرح اس حدیث کو حکیم ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

جوتے نکال کر کھانا کھاؤ

۴۲۴۰: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهٗ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ۔

أخرجه الدارمي في السنن ۲/۱٤۸ الحديث رقم ۲۰۸۰۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کھانا رکھا جائے تو جوتے نکال ڈالو کیونکہ جوتوں کا نکالنا راحت ہے قدموں کے لئے۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

حرارت کا جوش کم ہونے پر کھانا کھاؤ

۴۲۴۱: وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّيَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ ۔ (رواهما الدارمي)

أخرجه الدارمي في السنن ۲/۱۳۷ الحديث رقم ۲۰٤۷۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو اس کو ڈھانپ دینے کا حکم دیتیں اور اس وقت تک ڈھانپے رکھتیں یہاں تک کہ جوش اور حرارت ختم ہو جاتی اور پھر فرماتیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ کھانے میں سے گرمی کے جوش کا دور ہو جانا کثرت برکت کا سبب ہے۔ ان دونوں روایتوں کو دارمی نے نقل کیا ہے۔

تشریح: حتی تذهب: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "حتی" "بمعنی" "کی" نہیں، بلکہ مطلق غایت کیلئے ہے۔

قوله: هو أعظم للبركة: ایک نسخہ میں اضافت کے ساتھ ہے۔ أي أعظم البركة۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: أي عظيم البركة۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ اضافت "لامیہ" ہے، اس سے دونوں روایات میں موافقت ہو جاتی ہے۔

"ثرید" کا ذکر محض اتفاقی ہے کہ اس وقت کا عام کھانا ثرید ہی ہوتا تھا اس لئے اس کا ذکر کیا ورنہ دوسرے عام کھانوں کا بھی

یہی حکم ہے تخریج: اس کے ہم معنی ایک روایت یہ بھی ہے۔

چنانچہ جو جامع الصغیر میں یہ نقل کی گئی ہے: **ابردوا بالطعام فان الحار لا برکة فیه** ''کھانے کو ٹھنڈا کر کے کھاؤ کیونکہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی''

اس حدیث کو امام دیلمی نے مسند فردوس میں عن ابن عمر، امام حاکم نے ''مستدرک'' میں عن جابر وعن اُسماء، ومسدد عن اُبی یحییٰ، امام طبرانیؒ نے اوسط میں ابی ہریرہ سے، اور ابونعیم نے ''الحلیہ'' میں انس سے ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے بطریق ارسال یہ روایت نقل کی ہے: **نهی عن الطعام الحار حتی یبرد** ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے''۔

پیالہ دُعا گو

۴۲۴۲: وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا تَقُوْلُ لَهُ الْقَصْعَةُ اَعْتَقَكَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ كَمَا اَعْتَقْتَنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ .

أخرجه رزين۔

ترجمہ: حضرت نبیشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پیالے میں کھا کر پھر اس کو چاٹ لے تو پیالہ اس کے لئے اس طرح دعا کرتا: **اَعْتَقَكَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ** ...... یعنی اللہ تم کو آگ سے اسی طرح آزاد کرے جس طرح تم نے مجھے شیطان سے آزاد کیا یعنی یہ پیالہ زبان حال سے کہتا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ زبان قال سے کہتا ہے اس روایت کو رزین نے نقل کیا ہے۔

تشریح: **ثم لحسها**: ''ثم'' تراخی مرتبہ کیلئے ہے۔ یعنی قصعہ کو چاٹنا کھانے کے مقابلہ میں زیادہ کامل درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: **تقول له القصعة اعتقك الله من النار**......۔

ماقبل میں ترمذی، احمد، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ گذرے ہیں کہ **استغفرت له القصعة** (وہ پیالہ اس شخص کے لئے مغفرت طلب کرتا ہے اور طبرانی نے حضرت عرباض سے نقل کیا ہے **من لعق الصحفة ولعق أصابعه اشبعه الله فی الدنیا والاخرة** ''جس شخص نے رکابی اور اپنی انگلیوں کو چاٹا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت میں سیر کرے''۔

بَابُ الضِّيَافَةِ

ضیافت کا بیان

ضيافة: بکسرالاوّل ہے۔ قاموس میں لکھتے ہیں: ضفته أضيفه ضيفا وضيافة بالكسر، نزلت عليه ضيفا كتضفية۔

صاحب المغرب لکھتے ہیں: ضاف القوم ويضيفهم: نزل عليهم ضيفا، وأضافوه وضيفوه: أنزلوه

صاحب النہایۃ لکھتے ہیں: صفت الرجل إذا نزلت به في ضيافته، وأضفته إذا أنزلته، وتضيفته إذا نزلت به، وتضيفني إذا أنزلني۔

''الصحاح'' میں لکھتے ہیں: أضفت الرجل وضيفته إذا أنزلته لك ضيفا وقربته، وضفت الرجل ضيافة إذا نزلت عليه ضيفا، وكذا تضيفته۔

امام راغبؒ لکھتے ہیں: أصل الضيف الميل، يقال: ضفت الى كذا، وأضفت كذا إلى كذا، والضيف من مال إليك نازلا بك، وصارت الضيافة متعارفة في القرى، وأصل الضيف مصدر، ولذلك استوى فيه الواحد والجمع في عامة كلامهم۔ اور حدیث: ۴۲۴۳ کے تحت لکھتے ہیں: ''ضیف'' میں واحد وجمع دونوں برابر ہیں' اور اس کا مصدر ہونا بھی جائز ہے۔

عرض مرتب:

مصنفؒ نے لفظ ضیافت پر یہاں مختصراً کلام کیا تھا، اور حدیث ۴۲۳۰ کے ذیل میں بہت طویل کلام کیا تھا۔ حدیث کے تحت ذکر کردہ کلام کا کچھ حصہ قارئین کی سہولت کے پیش نظر یہاں ذکر کر دیا ہے۔ اھ۔

احکام باب:

ضیافت کا حکم: اکثر علماء کے نزدیک ضیافت (مہمان داری) کے حقوق و آداب کی رعایت' اچھے اخلاق اور تہذیب و شائستگی کی علامت بھی ہے اور مستحب بھی' بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایک دن کی مہمان داری کرنا تو واجب ہے اور ایک دن کے بعد مستحب ہے۔

اکرام ضیف شرعی طور پر یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو اس کے ساتھ کشادہ پیشانی' خوش خلقی اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ پیش آئے' اس کے ساتھ خوش گفتاری' نرم گوئی اور ملاطفت کے ساتھ بات چیت کرے اور اس کو تین دن تک اس طرح کھلائے پلائے کہ پہلے دن تو اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کچھ پُر تکلف میز بانی کرے' بشرطیکہ اس کی وجہ سے اپنے

متعلقین ولواحقین کی حق تلفی نہ ہو اور پھر تین دن کے بعد (بھی اگر مہمان ٹھہرا رہے تو) اس کو کھلانا پلانا ''صدقہ'' کے حکم میں ہوگا کہ میزبان چاہے تو کھلائے پلائے اور چاہے کھلانے پلانے سے انکار کردے۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: اللہ جل شانہ نے فرمایا: ﴿هل أتاك حديث ضيف إبراهيم المكرمين﴾ [الذاریات:۲۴] کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اکرام یوں کیا کہ بلا تاخیر ان کی مہمان نوازی کی، اور خود بنفس نفیس ان کی خدمت کی، اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ حضرت سلمان کے پاس جب کوئی شخص آتا تو ماحضر روٹی اور نمک منگواتے (اور مہمان کی خدمت میں حاضر کردیتے) اور فرماتے: **لو لا أن نهينا أن يكلف بعضنا بعضا لتكلفت لك** اھ۔

امام لیثؒ کا استدلال عقبہ کی اس حدیث سے ہے: **إن نزلتم بقوم فأمروا لكم بحق الضيف فاقبلوا، وإن لم يفعلوا فخذوا منهم حق الضيف الذي ينبغي لهم۔**

بَابُ الضِّيَافَةِ

مہمانی کا بیان

الفصل الاول:

اکرام مہمان علامت ایمان

۴۲۴۳:عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ (وفى رواية) بَدَلَ الْجَارِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ . (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۴۴۵ الحديث رقم ۶۰۸۹، ومسلم في ۱/۶۸الحديث رقم (۷۵-۴۷)، والترمذي في السنن ۴/۵۶۹ الحديث رقم ۲۵۰۰، وأحمد في المسند ۲/۲۶۷۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسائے کو ایذاء نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو بھلی بات کہنی چاہئے یا وہ خاموش رہے اور ایک روایت میں جار کے بدلے فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ کے الفاظ وارد ہیں یعنی وہ صلہ رحمی کرے یہ بخاری و مسلم نے نقل کی ہے۔

تشریح: قوله:من كان يؤمن بالله واليوم الآخر:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان کا پایا جانا مذکورہ افعال پر موقوف ہے (اور یہ کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مہمان کی خاطر نہیں کرتا یا اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ مؤمن نہیں سمجھا جائے گا) بلکہ اصل مقصد ان افعال پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کرنا ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو اطاعت و فرماں برداری پر ابھارنے کے لئے یوں کہے کہ "اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت و فرمانبرداری کر" (ظاہر ہے کہ اگر وہ اطاعت و فرماں برداری نہ کرے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔)

یا یہ مراد ہے کہ جو مسلمان کامل الایمان ہوگا) وہ ان باتوں پر عمل کرے گا (گویا ان چیزوں کو اختیار کرنا کمال ایمان کی علامت ہے۔)

اس جملہ کو اس شدت اہتمام واعتناء کے پیش نظر تینوں جگہ بار بار ذکر فرمایا کہ یہ تینوں مستقل خصلتیں ہیں۔

قوله:فليكرم ضيفه "اکرام ضیف" یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو اس کے ساتھ کشادہ پیشانی' اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ پیش آئے' اس کے ساتھ خوش گفتاری' اور ملاطفت کے ساتھ بات چیت کرے اور اس کو تین دن تک اس طرح کھلائے

پلائے کہ پہلے دن تو اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق کچھ پُر تکلف میزبانی کرے اور باقی دو دن اس انداز سے میزبانی کرے کہ اس کی وجہ سے اس کے متعلقین ولواحقین کی حق تلفی نہ ہو اور پھر تین دن کے بعد (بھی اگر مہمان ٹھہرا رہے تو) اس کو کھلانا پلانا ''صدقہ'' کے حکم میں ہوگا کہ میزبان چاہے تو کھلائے پلائے اور چاہے کھلانے پلانے سے انکار کردے۔ علماء فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک ضیافت صدقہ نہیں ہیں، چنانچہ احتمال ہے کہ واجب ہو، لیکن وجوب زکوٰۃ کی وجہ سے منسوخ ہے، یا بمنزلہ واجب کے ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ تین دن کے بعد ضیافت تبرع اور مباح ہے۔

قوله: فلا يؤذ جاره: پڑوسی کا سب سے کم درجہ ہے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے ورنہ تو جہاں تک حقوق ہمسائیگی کا تعلق ہے وہ بہت ہمہ گیری نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **فليكرم جاره** (تو اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ تکریم کا معاملہ کرے) اور بخاری ومسلم ہی کی ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ **فليحسن الى جاره** یعنی اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی اس چیز میں مدد کرے جس کا وہ اس سے حاجت مند ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرے۔

امام غزالی نے اربعین میں یہ روایت نقل کی ہے قال ﷺ: **أتدرون ماحق الجار؟ إن استعانك أعنته، وإن استقرضك أقرضته، وإن افتقر جدت عليه، وإن مرض عدته، وإن مات اتبعت جنازته، وإن أصابه خيرهنأته، وإن أصابته مصيبة عزيته، ولا تستطيل عليه بالبناء فتحجز عنه الريح إلا بإذنه، وإن اشتربت فاكهة فاهد له، وإن لم تفعل فادخله بسرا، ولا يخرج بها ولدك ليغيظ بها ولده، ولا تؤذ بغبار قدرك إلا أن تغرف له منها۔ أتدرون ما حق الجار؟ والذى نفسى بيده لا يبلغ حق الجار إلا من رحم الله** تعالیٰ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ''تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ (پڑوسی) تم سے مدد چاہے تو تم اس کی مدد کرو، اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اگر وہ محتاج ومفلس ہو تو اس کو کچھ دو، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اگر وہ مرجائے تو تم اس کے جنازہ میں جاؤ، اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دو، اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کو تسلی دو (مثلاً اس کے ہاں کوئی موت ہو جائے تو اس کے گھر جا کر تعزیت کر)، اس کے مکان سے اونچا مکان نہ بناؤ کہ اس کی ہوا رک جائے الا یہ کہ اس کی اجازت دے، اگر تم پھل وغیرہ خریدو تو تحفہ کے طور پر اس کے یہاں بھی بھیجو اور یہ ممکن نہ ہو سکے تو پھر تم اس (پھل وغیرہ کو گھر میں) پوشیدہ طور پر لے آؤ (اور اپنے بچوں کو بھی تاکید کردو کہ) وہ اس پھل وغیرہ) کو لے کر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ تمہارے پڑوسی کے بچے (تمہارے بچوں کو پھل وغیرہ کھاتا دیکھ کر اپنی محرومی کی بنا پر) رنج وافسوس نہ کریں اور تم اپنی ہانڈی (چولہے) کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچاؤ الا یہ کہ اس ہانڈی میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجواؤ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اپنے پڑوسی کا حق وہی شخص ادا کرسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے''۔

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أوليصمت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب زبان سے کوئی بات نکالنے کا ارادہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ وہ بات خیر وبھلائی کی ہے کہ جس پر

ثواب ملتا ہے خواہ وہ واجب ہو یا مستحب' تب اس کو زبان سے نکالے اور اگر اس بات کی بھلائی اس پر عیاں نہ ہو اور یا اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ بات حرام ہے یا مکروہ ہے یا مباح ہے تو اس کو زبان سے نہ نکالے' حاصل یہ کہ بھلائی اس میں ہے کہ زبان کو حتی الامکان خاموش رکھا جائے' مباح باتوں سے بھی زبان کو بچانا چاہیئے کہ مبادا مباح باتیں ہی زبان کو حرام باتوں تک کھینچ کر لے جائیں۔

قوله:فليصل رحمه:

اس طرف اشارہ ہے کہ صلہ رحمی ایمان کی علامت ہے کہ جس شخص نے ناتوں کو توڑ ڈالا' وہ گویا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے کیونکہ ناتا توڑنے پر جس سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس شخص نے اس عذاب کی پرواہ نہیں کی۔

تخریج: اس حدیث کو امام نوویؒ نے اربعین میں نقل کیا ہے، البتہ ''جار'' اور ضیف' کو آخر میں ذکر کیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ کئی روایات ہوں۔ مصنفؒ نے باب کی مناسبت سے تقدیم ضیف (والی روایت) کو اختیار کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الجامع الصغیر میں مروی ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليحسن الى جاره' ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه' ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أوليسكت۔

اس حدیث کو امام احمد' شیخین' ترمذی اور نسائی نے ابوشریح اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يدخل الحمام بغير ازار' ومن كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فلا يدخل حليلته الحمام 'ومن كان يؤمن بالله واليوم الآ خرفلا يجلس على مائدة يدار عليه الخمر۔

امام ترمذیؒ نے رویفع سے نقل کیا ہے:

من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فلا يسقى ماء ولد غيره۔

امام طبرانیؒ نے سلیمان بن صرد سے روایت کیا ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يردعن مسلما۔

امام طبرانی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس خفيه جتى ينفضهما۔

امام احمد و حاکم نے روایت کیا ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس حريرا ولا ذهبا

مہمان بلا استدعا تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے

۴۲۴۴: وَعَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ جَائِزَتُهٗ یَوْمٌ وَّلَیْلَةٌ وَالضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا یَحِلُّ لَهٗ اَنْ یَّثْوِیَ عِنْدَهٗ حَتّٰی یُحَرِّجَهٗ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیح ۱۰/۴۴۵ الحدیث رقم ۶۰۱۹، ومسلم فی ۳/۱۳۵۳ الحدیث رقم (۱۵/۴۸)، وأبو داوٗد فی السنن ۴/۱۲۷ الحدیث رقم ۳۷۴۸ والترمذی فی ۴/۳۰۴ الحدیث رقم ۱۹۶۷، وابن ماجه فی ۲/۱۲۱۲ الحدیث رقم ۳۶۷۵۰، والدارمی فی ۲/۱۳۴ الحدیث رقم ۲۰۳۵، مالك فی الموطأ ۲۔۹۲۹ الحدیث رقم ۲۲، ومن کتاب الأدب، وأحمد فی المسند ۶/۳۸۵۔

ترجمہ: حضرت ابوشریح کعبیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمانوں کی تعظیم کرنی چاہئے اور مہمان پر احسان کا زمانہ ایک دن اور مہمانداری کا زمانہ تین دن رات ہے اس کے بعد جو دیا جائے وہ خیرات ہے مہمان کو مناسب نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرے البتہ اس کی استدعاء پر ٹھہر سکتا ہے تاکہ کہیں وہ تنگی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بخاری مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''جائزته'': مرفوع ہے۔ الفائق میں لکھتے ہیں: **الجائزة من أجازه بکذا إذا اتحفه وألطفه، کالفاضلة واحدة الفواضل من أفضل علیه**۔ شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں امام مالکؒ سے پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا: **یکرمه ویتحفه یوما ولیلة**۔

نہایہ میں لکھا ہے کہ مہمان کی تین دن اس طرح مہمان داری کی جائے کہ پہلے دن اس کے کھانے پینے کی چیزوں میں جو تکلف واہتمام ہو سکے وہ کیا جائے اور پھر دوسرے وتیسرے دن بلاتکلف واہتمام جو کچھ حاضر ہو اس کو مہمان کے سامنے پیش کر دے۔ اور عادت سے زیادہ نہ دے اس کے بعد اس کو کھانے پینے کی اتنی چیزیں دے دے جن کے سہارے وہ ایک دن اور ایک رات کا سفر طے کر سکے۔ اس کو ''جیزہ'' کہتے ہیں۔ یعنی **قدر ما یجوز به المسافر من منهل إلی منهل**۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: یہ صحیح طور پر ثابت ہے: **عن عبدالحمید عن أبی شریع رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الضیافة ثلاثة أیام، وجائزته یوم ولیلة**۔ فرمایا: یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ''جائزہ'' ضیافت کے بعد ہے۔ چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ تین دن مہمان نوازی کرے، اور اس قدر دے دے کہ ایک دن رات کی مسافت طے کر سکے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **جائزته الخ**، یہ جملہ مستانفہ ہے، پہلے (جملہ) کا بیان ہے۔ گویا کہ یوں کہا گیا: **کیف یکرمه؟** تو جواب دیا: **جائزته الخ** البتہ مضاف مقدر مانا جائے گا۔ **أی زمان جائزته یوم ولیلة۔ أی بره والطافه یوم ولیلة**۔ اس حدیث میں ''جائزہ'' پہلے دن کی مہمان نوازی پر محمول ہے' اور دوسری حدیث میں آخری دن کی مہمان نوازی کو جائزہ قرار دیا ہے۔ **ای قدر ما یجوز به المسافر یکفیه یوما ولیلة**۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اسی پر محمول کیا جائے تاکہ دونوں حدیثوں

پر عمل ہو جائے۔

اس توجیہہ سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے گی۔

یثوی: بفتح الیاء، وسکون المثلثة وکسر الواو، من "الثواء" وھو الإقامة۔

حتی یحرجه: رائے مشدد کے ساتھ ہے دوسرے کے سینہ کو تنگ کرنا اور حرج میں مبتلا کرنا۔ اور طیبی سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ رائے مخففہ کے ساتھ ہے چنانچہ فرماتے ہیں "احراج" کا مطلب میزبان کو تنگی میں ڈالنا بایں طور کے اس کے ہاں طویل اقامت کی جائے حتی کہ اس کو تنگی میں ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کے ہاں مہمان جائے اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے میزبان کے ہاں تین دن سے زائد ٹھہرے ہاں اگر خود میزبان کی خواہش ہو اور وہ درخواست کرے تو اس کی استدعا پر تین دن سے زائد ٹھہرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا

مہمان کا حق میزبانی پر

۴۲۴۵: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ اِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰی فَقَالَ لَنَا اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِیْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِیْ يَنْبَغِیْ لَهُمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٠٧/٥ الحدیث رقم ٢٤٦١، ومسلم فی ١٣٥٣/٣ الحدیث رقم (١٧-١٧٢٧) وأبو داؤد فی السنن ١٣٠/٤ الحدیث رقم ٣٧٥٢، والترمذی فی ٢٥/٤ الحدیث رقم ١٥٨٩، وابن ماجه فی ١٢١٢/٢ الحدیث رقم ٣٦٧٦ وأحمد فی المسند ١٤٩/٤۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمیں جہاد اور دیگر کاموں کے لیے بھیجتے ہیں ہم بعض لوگوں کے ہاں ٹھہرتے ہیں تو وہ ہماری مہمانی نہیں کرتے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے کہ زور وقوت کے ساتھ مہمانی لی جاسکتی ہے یا نہیں تو آپ نے فرمایا اگر تم ایسی قوم پر اترو جو تمہیں ایسی چیزیں دیں جو مہمان کے لئے مناسب ہے تو ان کو قبول کرو۔ اگر وہ یہ نہ کریں یعنی مہمانی نہ کریں تو ان سے مہمان کا حق لو یعنی زبردستی۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: لا یقروننا: ایک روایت میں "یقرونا" ہے۔ یعنی تخفیف کی وجہ سے نون اعرابی محذوف ہے اور نون ضمیر موجود ہے۔ ایسا حذف کلام فصیح سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس آیت ﴿اتحاجونی﴾ میں نون کو مشدد ومخفف دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

فما تری: یہ الرأی سے ماخوذ ہے۔ ای ما تقول فی امرنا۔

حق الضیف الذی ینبغی لھم: "ضیف" کا اطلاق قلیل وکثیر سب پر ہوتا ہے اسم موصول "حق" کی صفت ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: صحیح مسلم، حمیدی اور شرح السنہ میں الفاظ یہ ہیں جو مذکور ہوئے، مصابیح کی روایت میں ''لھم'' کو ''لہ'' سے بدل دیا ہے اور انہیں یہ تنبیہ نہیں ہوتی کہ ''ضیف'' مصدر ہے جس میں واحد وجمع برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هل أتاك حديث ضيف إبراهيم المكرمين﴾[الذاريات: ٢٤] ابن الملکؒ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ اگر وہ مہمانداری نہ کریں تو یہ ان سے حق مہمان داری وصول کر سکتا ہے۔ اس کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب وہ اہل ذمہ میں سے ہوں اور ان سے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ یہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کی ضیافت کریں گے' یا اس کا تعلق ان اہل مخمصہ سے ہے جو حالت اضطراری کو پہنچ چکے ہوں' وگرنہ تو غیر کا مال لینا ممنوع ہے' الا یہ کہ اس کی طیب نفس سے ہو۔ چنانچہ بعض حضرات نے ضمان قیمت کو لازم قرار دیا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور محدثین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی ضمان نہیں ہے اور یہی ظاہر ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر میزبان مہمان داری کے حقوق ادا نہ کرے تو مہمان اس سے اپنا حق زبردستی لے سکتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں امام احمد اور لیث نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے۔ یعنی ایک واجب حق قرار ہے جمہور علماء نے اس حدیث کی کئی تاویلیں کی ہیں' ایک تو یہ کہ یہ حدیث مضطر پر محمول ہے' ایسی صورت میں جب کہ مہمان مضطر ہو اس کی ضیافت کرنا بلاشبہ میزبان پر واجب ہوگا (کہ اگر وہ (میزبان) اس حق کو ادا نہ کرے تو یہ حق اس سے زبردستی لیا جا سکتا ہے۔) دوسرے یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اس وقت محتاج اور فقراء کی خبر گیری کرنی واجب تھی مگر جب اسلام پھیل گیا تو یہ حکم منسوخ قرار دیا گیا یہ تاویل باطل ہے' چونکہ مؤول نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس کا قائل ہی معلوم نہیں۔ ایک تاویل یہ بیان کی ہے: ان معناه ان لكم أن تاخذوا عن أعراضهم بألسنتكم وتذكروا للناس لومهم۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل جادۂ حق سے کس قدر بعید ہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس ارشادِ گرامی کا تعلق اہل ذمہ کے یہاں قیام کرنے سے تھا جب کہ ان کے ساتھ معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مسلمان ان کے یہاں قیام کریں تو ان (مسلمانوں) کی ضیافت کرنا ان (اہل ذمہ) کے لئے ضروری ہوگا' چنانچہ اس شرط کی بنا پر مسلمانوں کی مہمان داری کرنا ان پر واجب تھا اور جو حق واجب ہو اس کو زبردستی بھی لیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے' چونکہ ایسا حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں ہوا تھا۔

حضرت ﷺ ابوالہیثم کے باغ میں

۴۲۴۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَا الْجُوْعُ قَالَ وَاَنَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَخْرَجَنِیَ الَّذِیْ اَخْرَجَكُمَا قُوْمُوْا فَقَامُوْا مَعَهٗ فَاَتٰى رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا هُوَ لَيْسَ فِیْ بَيْتِهٖ فَلَمَّا رَاَتْهُ الْمَرْاَةُ قَالَتْ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيْنَ فُلَانٌ قَالَتْ ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا مِنَ الْمَآءِ اِذْ جَآءَ الْاَنْصَارِیُّ فَنَظَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَاحِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا اَحَدٌ الْيَوْمَ اَكْرَمُ اَضْيَافًا مِنِّیْ

قَالَ فَانْطَلَقَ فَجَآءَ هُمْ بِعِذْقٍ فِيْهِ بُسْرٌ وَتَمْرٌ وَرُطَبٌ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ هٰذِهٖ وَاَخَذَ الْمُدْيَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكَ وَالْحَلُوْبَ فَذَبَحَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَمِنْ ذٰلِكَ الْعِذْقِ وَشَرِبُوْا فَلَمَّا اَنْ شَبِعُوْا وَرَوَوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمُ الْجُوْعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰى اَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيْمُ ۔

(رواه مسلم وذكر حديث ابى مسعود كان رجل من الانصار فى باب الوليمة)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١٦٠٩/٣ الحديث رقم (١٤٠۔٢٠٣٨) وابن ماجه فى السنن ١٠٦٢/٢ الحديث رقم ٣١٨١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک دن یا ایک رات اپنے گھر سے نکلے پس اچانک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو ملے پھر فرمایا تمہیں کس چیز نے نکالا ہے یعنی تمہارے گھروں سے نکلنے کا باعث کون سی چیز بنی حالانکہ اس وقت گھر سے نکلنے کی عادت نہ تھی۔ تو وہ کہنے لگے بھوک کی وجہ سے نکلے ہیں یعنی شدت بھوک نے نکالا ہے آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے بھی اس چیز نے نکالا ہے جس چیز نے تمہیں نکالا یعنی بھوک۔ اٹھو! پس وہ آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پس آپ ﷺ ایک انصاری کے ہاں آئے۔ جن کا نام ابوالہیثم تھا۔ اچانک ان کو گھر میں نہ پایا جب آپ ﷺ کو ان کی بیوی نے دیکھا تو اس نے آپ کو مرحبا اور اہلاً وسہلاً کہا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا۔ تمہارا خاوند کہاں ہے۔ اس نے بتلایا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اچانک وہ انصاری آ پہنچا۔ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں صحابہ ابوبکر وعمر کو دیکھا پھر کہنے لگا الحمدللہ۔ آج سب سے زیادہ معزز مہمانوں والا میں ہوں یعنی میرے مہمان بڑی شان والے ہیں تمام دوسروں کے مہمانوں سے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص باغ میں گیا یعنی ان کو اپنے باغ میں لے گیا اور ان کے لئے بچھونا بچھا دیا۔ پھر اپنی کھجور کے درختوں کے پاس گیا۔ اور ان کے پاس کھجوروں کا خوشہ لے کر آیا۔ اس میں خشک اور نیم پختہ کھجوریں تھیں اور تر کھجوریں بھی۔ پھر وہ کہنے لگا اس میں سے کھاؤ۔ پھر وہ چھری لے کر چلا آیا یعنی بکری ذبح کرنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔ پس اس نے آپ کے لئے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے بکری ذبح کر دی۔ بکری پکائی اور اس (کے گوشت) میں سے کھایا اور خوشہ سے تناول فرمایا اور پانی پیا جب پانی اور کھانے سے پیٹ بھر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر وعمر! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور اس قسم کی نعمتوں کے متعلق قیامت کے دن سوال کئے جاؤ گے۔ تمہیں بھوک نے گھروں سے نکالا پھر اللہ تعالیٰ نے خالی واپس نہیں کیا بلکہ یہ نعمت عنایت فرما دی۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: خرج رسول الله ﷺ ذات يوم أوليلة:

راوی کو شک ہوا ہے۔ (کہ یہ واقعہ دن کے وقت پیش آیا کہ رات کو)

فإذا هو: "إذا" مفاجاتیہ ہے۔

بأبي بكر وعمر: ("ھو" مبتدا کی خبر "لا حق" محذوف ہے، جار مجرور اسی کے متعلق ہیں)۔ اى لاحق بهما۔

بیوتکما: بائے موحدہ پرضمہ وکسرہ دونوں پڑھے جاسکتے ہیں۔

عرض مرتب:

بظاہر یہ کلام ﴿فقد صغت قلوبکما﴾ کی طرح ہے۔

''قالا: الجوع'': مرفوع ہے: ❶ مبتدا ہونے کی وجہ سے۔ ❷ فاعل ہونے کی وجہ سے' أی أخرجنا الجوع أو الجوع أخرجنا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی شمائل کی روایت میں یوں ہے: قال: خرج النبیﷺ فی ساعة لا یخرج فیها، ولا یلقاه فیها أحد، فأتاه أبو بکر، فقال: ماجاء بك یا أبا بکر؟ فقال: خرجت ألقی رسول اللّٰه ﷺ وأنظر فی وجهه وأسلم علیه، فلم یلبث أن جاء عمر، فقال ماجاء بك یا عمر؟ قال: الجوع یا رسول اللّٰه!۔ چنانچہ ان دونوں روایتوں میں تأمل کریں، تاکہ تطبیق ہو جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

وأنا والذی نفسی بیده لأخرجنی الذی أخرجکما: مصابیح کے بعض نسخوں میں ''فأنا'' ہے۔ شمائل کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: وأنا وجدت بعض ذلك۔ أی الجوع۔

قوله: فقال ما اخرجکما من بیوتکما؟ قال: الجوع:

اس سے معلوم ہوا کہ جس میزبان پر اعتماد ہو اس کے ہاں دوسرے آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے جانا درست ہے

اپنے احباب سے رنج والم اور تکلیف و پریشانی کا اظہار کرنا جائز ہے' بشرطیکہ یہ اظہار شکوہ و شکایت' عدم رضا اور بے صبری و جزع فزع کے طور پر نہ ہو'

قوله: قوموا فقاموا معه: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اصول میں اسی طرح ضمیر جمع کے ساتھ منقول ہے، یہ جائز ہے۔ چنانچہ جو یہ کہتے ہیں کہ اقل جمع دو ہیں، تو ان کا کہنا واضح ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ اقل جمع تین ہیں، تو ان کا یہ کہنا ''مجازا'' ہے۔ بایں طور کہ للأکثر حکم الکل۔

اشرفؒ فرماتے ہیں: پہلے ''قوموا فقاموا'' فرمایا، اور پھر ''أتی'' بصیغۂ مفرد ذکر کیا، جس کا فاعل سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، اس اسلوب سے یوں لگتا ہے کہ گویا نبی کریم ﷺ ''مطاع'' تھے، اور حضرات شیخین ایسے مطیع ومنقاد تھے گویا ان کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا اھ۔

شمائل کی روایت میں یوں ہے: فانطلقوا إلی منزل أبی الهیثم بن التیهان الأنصاری وکان رجلا کثیر النخل والشاء ولم یکن له خدم، فلم یجدوه۔ چنانچہ اگلے جملہ: فاذا هو لیس فی بیته میں یہی بیان ہوا ہے:

امام طیبیؒ لکھتے ہیں' تقدیری عبارت یوں ہے: أی أتی بیت رجل أو قصده فلما بلغ بیته فإذا هو لیس فی بیته أی فاجأه وقت خلوه من بیته یہ کلام اس ارشاد باری کی طرح ہے: ﴿إذاهم یستبشرون﴾ [الروم:۴۸] أی فاجؤ وقت الاستبشار۔

قوله: قالت: مرحبا و أهلا: (دونوں اسماء سے پہلے فعل محذوف ہے)۔ **أي أتيت مكانا واسعا وجئت أهلاً اى صادفت رحبا وسعة و أهلا تشأنس بهم۔**

"این فلان؟": شمائل کی روایت میں یوں ہے: **أين صاحبك؟** اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کے اکرام وتکریم کی خاطر مرحبا کہنا مستحب ہے۔

إذ جاء الأنصاري: (معنوی اعتبار سے تقدیری عبارت یوں ہے) **اى هم فى ذلك اذجاء الانصارى** شمائل کی روایت میں ہے: **فلم يلبثوا أن جاء أبو الهيثم بقربة يزعيها، فوضعها ثم جاء يلتزم النبیﷺ ويفديه بأبيه وأمه۔**

قوله: فاتى رجلا من الأنصار۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ صاحب ابوالہیثم مالک بن تیہان تھے۔ "تیھان" تاء کے فتحہ، یائے تحتیہ مشددہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔ (انتہی) کہا گیا ہے کہ یہ خزاعی تھے' یہ انصار کے حلیف تھے' اسی لئے ان کی طرف نسبت کی گئی۔ اس واقعہ سے ان کی منقبت واضح ہے' اور شرف کے لئے اتنی بات بھی کافی ہے۔ یہ ضرین عقبہ میں سے تھے۔ یہ بارہ نقیبوں میں سے تھے' بدر. احد اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ان سے ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ جب نادار صحابہؓ کو کھانا پینا میسر نہ آتا اور ان کو بھوک کی شدت پریشان کرتی' تو وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور جب روئے انور ﷺ کی زیارت کرتے اور جمال باکمال پر نظر پڑتی تو ان کی بھوک وغیرہ کی ساری کلفت جاتی رہتی اور جلوۂ حق کی نورانیت انہیں کھانے پینے سے بے نیاز کر دیتی۔

قوله: فقال لها رسول الله ﷺ ابن فلان ؟

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی بنا پر اجنبی عورت سے بات کرنا۔ اور اس کی بات کو سننا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بھی جائز ہے عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر اس کا شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو وہ اپنے ہاں آنے والے مہمان کو گھر میں آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ (اول تو اس مہمان کے گھر میں آنے سے کسی بات کا کوئی خطرہ وخدشہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ) اپنے شوہر کی رضامندی کا یقین ہو' کہ شوہر اپنی عدم موجودگی میں اس مہمان کے گھر میں آنے سے ناراض نہیں ہوگا۔

قوله: الحمد الله ماأحد اليوم اكرم أضيا فا منى :

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نعمت کے ظاہر ہونے پر مصیبت کے دور ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا مستحب ہے' نیز یہ بھی مستحب ہے کہ جب مہمان آئے تو اس کے سامنے خوشی کا اظہار کیا جائے۔

چھٹے یہ کہ جب کوئی مہمان اپنے ہاں آئے تو کھانے سے پہلے اس کے سامنے میوہ وپھل لانا یا گھر میں جو بھی چیز آسانی سے دستیاب ہو اس کے سامنے جلد پیش کر دینا مستحب ہے۔ اور کھانے کے ذریعہ اس کا اکرام اس کے بعد کیا جائے۔ (نووی)

قوله: ما أحد اليوم أكرم: اکرم منصوب ہے' اور ایک نسخہ میں مرفوع ہے۔

''قال: فانطلق فجا هم بعذق'': قال کا فاعل حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ وہ بھی ان کے ساتھ موجود تھے، اور یہ بھی کہ انہوں نے یہ قصہ ان سے سنا ہو۔

قوله: فجاء هم بعذق فيه بسر وتمر ورطب فقال . كلوا من هذه: ''هذه'' سے اشارہ ان آثار اور ان کی انواع کی طرف تھا: ترمذی کی روایت میں اتنا اضافہ ہے:

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ صلى الله عليه وسلم هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا.

عرضِ مرتب:

(مکمل عربی متن بمعہ ترجمہ اس حدیث مبارکہ کے آخر میں درج کر دی گئی ہے، وہاں یہ ملا علی قاری اسے مکرر لائے ہیں، ہم نے یہاں فقط نشاندہی پر اکتفا کیا)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: العذق هنا بكسر العين الكباسة وهى الغصن من النخل

سلف کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ مہمان کیلئے تکلف کرنا مکروہ ہے، لیکن اس کا محمل وہ صورت ہے کہ جب صاحب خانہ کیلئے اس میں واضح مشقت ہو، چونکہ یہ چیز اس کے اخلاص میں اور آمد ضیف کے کمال سرور سے مانع ہوگی۔ ان انصاری صحابیؓ کا یہ فعل اور بکری ذبح کر کے لے آنا، یہ مشقت نہیں تھا، بلکہ اگر وہ ایک کے بجائے کئی بکریاں بھی ذبح کرتے تو یہ ان کے لئے باعث سرور وغبطہ ہوتا (انتھی) چونکہ وہ صحابی رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے لئے ''صدیق'' ہو گئے تھے، ان حضرات کو معلوم تھا کہ ہماری آمد ان کے لئے باعث فرحت ہوگی۔

قوله: وأخذ المدية:

المدية: میم کے ضمہ ورد ال کے سکون کے ساتھ، کبھی میم کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے، اس کی جمع ''مدی'' قصاب کی چھری کو کہتے ہیں۔ قاموس میں لکھتے ہیں: المدية مثلثة: الشفرة۔

قوله: فقال له رسول الله ﷺ اياك والحلوب: الحلوب: حائے مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے دودھ والی، یہ فعول بمعنی مفعول ہے، جیسا کہ رکوب (بمعنی مرکوب) اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ ہے: لا تذبح لنا ذات در ہے۔ ''ورووا'': واؤ کے ضمہ کے ساتھ، یہ اصل میں ''رويوا'' تھا، یاء کا ضمہ ماقبل کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اس کی حرکت سلب کرنے کے بعد، اور پھر ''یا'' التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دی گئی۔

قوله: والذى نفسى بيده۔۔۔ هذا النعيم:

امام طیبیؒ لکھتے ہیں: قوله: اخرجكم الخ، جملة مستأنفة بيان لموجب السؤال عن النعيم يعنى حيث كنتم محتاجين الى الطعام مضطرين إليه فنلتم غاية مطلوبكم من الشبع والرى يجب أن تسألوا ويقال لكم: هل

أديتم شكرها أم لا؟

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے۔ جہاں تک تعلق ہے پیٹ بھر کر کھانے کی کراہت کا تو وہ مداومت پر محمول ہے کہ و مداومت کے ساتھ پیٹ بھر کر کھانا گویا محتاج اور غرباء کے حال سے فراموشی ہے اور سنگدلی کا مظہر ہے۔

قوله:لتسئلن عن هذا النعم يوم القيامة:

قاضی عیاض فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی ہر نعمت سے سوال و پرسش کرے گا (کہ ہم نے تمہیں دنیا میں یہ جو فلاں فلاں نعمت عطا کی تھی تم نے اس پر ادائیگی شکر کا حق ادا کیا یا نہیں؟) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس دنیا میں جو نعمتیں عطا فرماتا ہے ان کے بارے میں وہ قیامت کے دن سوال کرے گا۔ اور یہ سوال بعض کے حق میں تو توبیخ و سرزنش کے طور پر ہوگا اور بعضوں سے احسان جتانے اور اظہار نعمت و کرامت کے طور پر ہوگا۔

شمائل کی روایت میں (اس کے بعد یوں) ہے: (مکمل روایت درج ہے' مرتب)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي سَاعَةٍ لا يَخْرُجُ فِيهَا وَلا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ قَالَ خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ وَالتَّسْلِيمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ قَالَ الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ ﷺ وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ فَانْطَلَقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالُوا لامْرَأَتِهِ أَيْنَ صَاحِبُكِ فَقَالَتِ انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ فَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ ﷺ وَيُفَدِّيهِ بِأَبِيهِ وَأُمِّهِ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَفَلا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ ﷺ هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوا فَقَالَ صلى الله عليه وسلم هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لا قَالَ فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اخْتَرْ لِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هَذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ حَقَّ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ إِلا

بِأَنْ تَعْتِقَهُ قَالَ فَهُوَ عَتِيقٌ فَقَالَ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا وَمَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ.

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دولت خانہ سے باہر تشریف لائے کہ اس وقت نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ باہر تشریف لانے کی تھی نہ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت دولت خانہ پر حاضر ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے خلاف معمول بے وقت آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جمال جہاں آرا کی زیارت اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خلاف عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا) بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمال تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ خلافت صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگر مناسب تامہ نہ ہونے کی وجہ وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرام کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تھا وہی اکثر حضرت ابو بکر صدیق کا بھی تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے جس کا ذکر حکایات صحابہ میں گزر چکا ہے مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا تحمل بھی نہ کر سکے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمر نے کہا کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمر نے کہا پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہی مددگار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہا بے شک لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جوش میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابو بکر! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا بے شک۔ حضرت عمر! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ! بے شک۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ! پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ! اے آدمی! یہ بلا تردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں وہی ان کا مددگار ہے تو ان کی رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ! کیا تجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اسی سال مکہ جائیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ!

نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ! بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ بخاری شریف میں یہ قصہ مفصل مذکورہ ہے اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتیٰ کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہادی خطا ہوئی تو اس میں حضرت ابوبکر شریک ہیں جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصہ سورت انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس وقت خلاف معمول باہر آنا دل را بدل رہ یست، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کا اثر تھا گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کی وجہ سے تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ کر اس کا خیال بھی جاتا رہا اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اس کا ذکر نہیں کیا (یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے) تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بے وقت حاضری کا سبب پوچھا انہوں نے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بھوک تو کچھ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تینوں حضرات ابوالہیثم انصاری کے مکان پر تشریف لے گئے وہ اہل ثروت لوگوں میں سے تھے کھجوروں کا بڑا باغ تھا۔ بکریاں بھی بہت سی تھی۔ البتہ خادم ان کے پاس کوئی نہیں تھا اس لئے گھر کا کام سب خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ یہ حضرات جب ان کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر والوں کے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا۔ لیکن ان حضرات کے پہنچنے پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ بھی مشکیزہ کو جو مشکل سے اٹھتا تھا۔ بدقت اٹھاتے ہوئے واپس آ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر (اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے اور زبان حال ہم نشین جب میرے ایام بھلے آئیں گے بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے پڑھتے ہوئے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ماں باپ کو نثار کرنے لگے۔ یعنی عرض کرتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ اس کے بعد باغ میں چلنے کی درخواست کی وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور دین و دنیا کے سردار مایہ فخر مہمان کو بٹھا کر ایک خوشہ (جس میں طرح طرح کی کچی پکی آدھ گچھری کھجوریں تھیں) سامنے حاضر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں ابھی کچھ کچی بھی ہیں جو ضائع ہوں گی۔ پکی پکی چھانٹ کر کیوں نہ توڑیں؟ میزبان نے عرض کیا تا کہ اپنی پسند سے پکی اور گرری ہر نوع کی حسب رغبت نوش فرمائیں۔ تینوں حضرات نے کھجوریں تناول فرمائیں اور پانی نوش فرمایا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (جن کا ہر ہر لحظہ تعلیم امت تھا) ارشاد فرمایا کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ بھی اس نعیم میں شامل ہے جس کا سوال قیامت میں ہوگا اور سورت الھٰکم التکاثر کے ختم پر حق تعالیٰ شانہ نے اس کا ذکر فرمایا ان کے شکر کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا: **اللھم لا احصی ثناء علیك انت كما اثنيت على نفسك** پھر اس وقت کی نعمتوں کا اظہار کے طور پر فرمایا کہ) ٹھنڈا سایہ، ٹھنڈا پانی اور تروتازہ کھجوریں۔ اس کے بعد میزبان کھانے کی تیاری کے لئے جانے لگے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرط محبت میں کیفما اتفق مت

ذبح کر دینا۔ بلکہ ایسا جانور ذبح کرنا جو دودھ کا نہ ہو میزبان نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور بعجلت تمام کھانا تیار کر کے حاضر خدمت کیا اور مہمانوں نے تناول فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس وقت یہ ملاحظہ فرما کر کہ مشتاق میزبان سب کام خود ہی کر رہا ہے اور شروع میں میٹھا پانی بھی خود ہی لاتے دیکھا تھا) دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی خادم نہیں۔ نفی میں جواب ملنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کہیں سے غلام آ جائیں تو تم یاد دلانا اس وقت تمہاری ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ اتفاقاً ایک جگہ سے دو غلام آئے تو ابوالہیثم نے حاضر ہو کر وعدہ عالی جاہ کی یاد دہانی کرائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں غلاموں میں سے جو دل چاہے پسند کر لو۔ جو تمہاری ضرورت کے مناسب ہو (یہ جان نثار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی کیا رائے رکھتے اس لئے) درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی میرے لئے پسند فرمائیں (وہاں بجز دینداری کے اور کوئی وجہ ترجیح اور پسندیدگی کی ہو ہی نہیں سکتی تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے اس لئے میں امین ہونے کی حیثیت سے فلاں غلام کو پسند کرتا ہوں اس لئے کہ میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے لیکن میری ایک وصیت اس کے بارے میں یاد رکھو کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا (اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے ضابطہ کو ذکر فرما کر گویا اس پر تنبیہ فرمائی کہ میری جو پسندیدگی ہے وہ ذمہ دارانہ اور امانتداری کی ہے پھر ایک کو پسند فرما کر وجہ ترجیح بھی ظاہر فرمائی کہ وہ نمازی ہے۔ یہ وجہ ہے اس کو راجح قرار دینے کی۔ ہمارے زمانہ میں ملازم کا نمازی ہونا گویا عیب ہے کہ آقا کے کام کا حرج ہوتا ہے) ابوالہیثم خوش خوش اپنی ضرورتوں کے لئے ایک مددگار ساتھ لے کر گھر گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان بھی بیوی کو سنا دیا۔ بیوی نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ کے ارشاد کی کما حقہ تعمیل نہ ہو سکے گی اور اس درجہ بھلائی کا معاملہ کہ ارشاد عالی جاہ کا امتثال ہو جائے ہم سے نہ ہو سکے گا اس لئے اس کو آزاد ہی کر دو کہ اسی سے امتثال ارشاد ممکن ہے سراپا شجاع اور مجسم اخلاص خاوند نے فوراً آزاد کر دیا اور اپنی دقتوں اور تکالیف کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب واقعہ اور جانثار صحابی کے ایثار کا حال معلوم ہوا تو اظہار مسرت اور بیوی کی مدح کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اس کے جانشینوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ دو باطنی مشیر اور اصلاح کار پیدا فرماتے ہیں جن میں سے ایک مشیر تو بھلائی کی ترغیب دیتا اور برائی سے روکتا ہے دوسرا مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ جو شخص اس کی برائی سے بچا دیا جائے وہ ہر قسم کی برائی سے روک دیا گیا۔"

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کی شرح بہت بسط و کمال کے ساتھ شرح الشمائل میں ذکر کی ہے۔ (بندہ نے اس شرح کو بھی (استیعاباً) استفادہ کی خاطر بذیل ترجمہ درج کر دیا ہے' ط ت)۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ:

مہمان کی مہمانی میزبان پر حق

۴۲۴۷: عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اَیُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّیْفُ

مَحْرُوْمًا كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ حَتّٰى يَأْخُذَ لَهٗ بِقِرَاهُ مِنْ مَالِهٖ وَزَرْعِهٖ (رواه الدارمی وابوداود وفی رواية له) وَاَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْماً فَلَمْ يَقْرُوْهُ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّعَقِّبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١٢٩/٤ الحديث رقم ٣٧٥١، والدارمی فی ٦٣٤/٢ الحديث رقم ٢٠٣٧، وأحمد فی المسند ١٣١/٤۔

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو میں نے فرماتے سنا کہ جو شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور وہ محرومی کی حالت میں صبح کرے یعنی رات کو اس کی مہمانی نہیں کی گئی تو ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ اس کی اس حد تک معاونت کرے کہ وہ اس کے مال اور کھیتی باڑی میں سے مہمانی کی مقدار حاصل کرے اور اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کا پیچھا کر کے اپنی مہمانداری کی مقدار وصول کرے اس روایت کو دارمی اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور ابو داؤد کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جو شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور انہوں نے اس کی مہمانی نہ کی تو اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کا پیچھا کرے اور ان کے اموال میں سے مہمانی کی مقدار پوری کرے۔

تشریح: قوله: "كان حقا على كل مسلم نصره":

احمد اور حاکم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فإن نصره حق على كل مسلم۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "فأصبح الضيف" میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر فرمایا یہ بتانے کیلئے کہ وہ مسلمان جو کسی قوم میں مہمان بن کر جائے اس کا یہ ذاتی حق ہے کہ اس کی مہمان نوازی کی جائے، پس جو شخص اس کو (حق کی وصولی سے) روکے، تحقیق اس نے مہمان پر ظلم کیا، لہٰذا دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کی مدد کریں۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس حکم کا تعلق ان اہل ذمہ سے ہے جو بادیہ میں رہتے ہیں، کہ جب ان کے پاس کوئی مسلمان پڑاؤ ڈالے اھ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد مضطر ہے وہ خواہ کسی کے پاس پڑاؤ ڈالے، میزبان پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کی اس قدر ضیافت کرے کہ اس کی جان بچ جائے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اتنی مقدار میں دے کہ جس سے یہ سیر ہو جائے چونکہ یہ مسافر ہے، اگر اس کو اس سے روکا جائے تو اس کے لئے خفیہ یا اعلانیہ طور پر اس قدر لینا جائز ہے، اگر وہ لے سکتا ہو۔

حتى يأخذ له بقراه: قاف کے کسرہ کے ساتھ، بمعنی ضیافت، ایک دوسری روایت میں ہے: "بمثل قراه" اور ایک روایت میں ہے: يقرى ليلته۔

"من ماله وزرعه" ضمیر مفرد ذکر فرمائی، حالانکہ ماقبل میں "قوماً" کا ذکر تھا، چونکہ جس کا یہ مہمان ہوا ہے وہ میزبان تو ایک ہی ہے۔

"وفي رواية له: وايما رجل": بظاہر اس دوسری روایت میں صرف حرف عطف محذوف ہے، (کوئی اور فرق نہیں ہے) روایت باب میں اضافہ نہیں ہے۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

فلم يقرو: قاف کے سکون اور راؤ کے ضمہ کے ساتھ۔

"أن يعقبهم": یاء کے ضمہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ،

عرض مرتب:

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے بھی مطلق ضیافت (مہمان داری) کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی بھی وہی تاویل وتوجیہ کی جائے گی' جو پیچھے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں کی گئی ہے۔ (انتھی)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ کے واسطہ سے یوں نقل کیا ہے: ''**أیما ضیف نزل بقوم فأصبح الضیف محروما فله أن یأخذ بقدر قراه ولا حرج علیه۔**''

مہمانی نہ کرنے والے کا حکم

۴۲۴۸: وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ الْجُشَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَ یْتَ اِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ یَقْرِنِیْ وَلَمْ یُضِفْنِیْ ثُمَّ مَرَّبِیْ بَعْدَ ذٰلِكَ اَقْرِیْهِ اَمْ اَجْزِیْهِ قَالَ بَلِ اقْرِهٖ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/ ٣٢٠ الحدیث رقم ٢٠٠٦' وأحمد فی المسند ٣/ ٤٧٣۔

ترجمہ: حضرت ابوالاحوص جشمی اپنے والد مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ایک دن عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میرا گزر کسی شخص کے پاس سے ہو اور وہ میری مہمانی نہ کرے اور نہ میری مہمانی کا حق ادا کرے پھر بعد میں اسی شخص کا میرے پاس سے گزر ہو تو کیا میں اس کی مہمان داری کروں یا اس سے بدلہ چکاؤں یعنی اسی طرح کا معاملہ کروں جس طرح اس نے میرے ساتھ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مہمانی کرو۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: أرأیت: بمعنی ''أخبرنی'' ہے۔

فلم یقرنی: راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

ولم یضفنی: یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

أجزیه: ہمزہ مفتوح ہے، اور یاء ساکن ہے۔

اس حدیث میں دو باتوں پر ابھارا گیا ہے: اول: مہمان نوازی پر کہ یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ دوم: کہ برائی کا بدلہ یہ نہیں ہے کہ تم بھی برائی کرو' بلکہ جس شخص نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہی سب سے اچھا بدلہ ہے چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**ادفع بالتی ھی أحسن السیئة**﴾[المؤمن: ٩٦]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا والہانہ عمل

۴۲۴۹: وَعَنْ اَنَسٍ اَوْغَیْرِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَاْذَنَ عَلٰی سَعْدِبْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُاللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَیْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَلَمْ یُسْمِعِ النَّبِیَّ ﷺ حَتّٰی سَلَّمَ ثَلَاثًا وَرَدَّ

عَلَيْهِ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَلَمْ يُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا سَلَّمْتَ تَسْلِيْمَةً اِلَّا وَهِيَ بِاُذُنِيْ وَلَقَدْ رَدَدْتُ عَلَيْكَ وَلَمْ اُسْمِعْكَ اَحْبَبْتُ اَنْ اَسْتَكْثِرَ مِنْ سَلَامِكَ وَمِنَ الْبَرَكَةِ ثُمَّ دَخَلُوا الْبَيْتَ فَقَرَّبَ لَهُ زَبِيْبًا فَاَكَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ ۔ (رواه في شرح السنة)

أخرجه أحمد في المسند ۱۳۸/۳

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یا ان کے علاوہ اور کسی صحابی سے یہ روایت ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں اذن چاہا یعنی گھر میں داخلے کی اجازت طلب کی چنانچہ آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا یعنی کیا میں گھر میں داخل ہو سکتا ہوں۔ سعدؓ نے وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ کہا لیکن زور سے نہ کہا جو آپ کو سنائی دیتا تو آپ نے تین بار سلام کیا اور سعدؓ نے تینوں بار ان کا جواب دیا مگر آپ ﷺ کو سنا کر نہ کیا یعنی اتنے زور سے نہ کیا کہ آپ کو جواب سن سکے۔ پس جناب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کی طرف واپس مڑے تو حضرت سعدؓ بھی آپ کے پیچھے پیچھے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ ﷺ کا سلام سنتا رہا اور میں نے جواب بھی دیا مگر میں نے وہ جواب آپ کو نہ سنایا میں نے یہ چاہا کہ آپ کا سلام اور برکتیں زیادہ سے زیادہ حاصل کروں یعنی آپ کے سلام اور رحمت کی دعا سے پھر آپ ﷺ اور سعدؓ واپس لوٹے حضرت سعدؓ نے آپ کی خدمت میں خشک انگور پیش کئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھایا جب فارغ ہوئے تو ان کے لئے یہ دعا فرمائی: ''اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ'' کہ تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دعا کریں اور روزہ دار تمہارے ہاں اپنے روزے افطار کریں یہ شرح السنۃ نے نقل کی ہے۔

تشریح: **قوله: فقال سعد وعليكم السلام ورحمة الله:**

ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے جواب میں ''وبرکاتہ'' بھی کہا ہوگا' راوی نے بھولے سے اختصار کر دیا۔

قوله: ولم يسمع ''اسماع'' سے ماخوذ ہے۔ اسی لم یقصد سعد سماع ہے ﷺ۔ اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ سماع سے ماخوذ ہو۔ اس صورت میں لازم ہوگا۔

قوله: ورد عليهٗ سعد ثلاثا۔

ثلاثا ظرف ہے۔ **فاتبعه**: تاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

قوله: بابي أنت وامي۔

تقدیری عبارت دو طرح ہو سکتی ہے:

اى بابى انت مفدى سے **أو افديك بابى وبامى۔**

اور مطلب یہ ہے:

أجعلك مفديا بهما و أصير هما مداء لك۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا۔

کسی اور کے لئے نہیں کہا جس سکتا۔ (کذا فی حاشیہ البخاری للسیوطیؒ) لیکن مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص نے فرمایا تھا:

فداك ابی و امی ۔

اور اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ ان دو حضرات کے علاوہ کسی سے آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہو۔

قوله :ما سلمت تسليمة الا هي بأذني۔

اور ایک نسخہ میں "الا وهي" ہے۔ ضمیر کا مرجع "التسليمة" ہے اور "أذني" بصیغہ تثنیہ ہے۔ برائے مبالغہ (اور مفعول کے معنی میں ہے) ای فی مسموعی ۔

قوله :ان استكثر من سلامك ومن البركة:

بعض کا کہنا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے سلام کے ساتھ "وبرکاتہ" کا اضافہ بھی فرما رہے تھے۔

یہ محل بحث ہے۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' یہ حدیث دلیل ہے کہ سلام کا جواب سنانا مستحب نہیں ہے جبکہ اس قسم کی غرض ہو۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی اس پر تقریر ہو سکتا ہے لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ سلام کا جواب اگر سنایا نہ جائے تو وہ فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے کہ انہوں نے سلام کا جواب آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے بآوازِ بلند سنایا ہو۔

"قال :أكل طعامكم": الابرار ۔

مظہرؒ فرماتے ہیں: اس میں دو احتمال ہیں: ❶ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کلمات بطور دعا کے ارشاد فرمائے ہوں۔ ❷ ممکن ہے کہ بطور اخبار ارشاد فرمائے ہوں۔ اس دعا کا پہلا جزء تو نبی کریم ﷺ پر صادق آتا ہے کہ وہ "ابو الأبرار" ہیں۔ دوسرے لوگوں کا ان کلمات کو ادا کرنا بطور دعا ہی ہوگا۔ چونکہ کسی شخص کا اپنی بابت لوگوں کو یہ خبر دینا کہ میں "ابرار" میں سے ہوں جائز نہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ "ابرار" کا اطلاق خود اپنی ذات پر فرمایا ہو، برائے تعظیم کے، جیسا کہ اللہ جل شانہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمانا: ﴿إن ابراهيم كان أمة﴾ [النحل: ۱۲۰] ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **وصلت عليكم الملائكه** میں بھی اخبار و دعا دونوں کا احتمال ہے۔ اور "**أفطر عندكم الصائمون**" محض دعا ہے، چونکہ اس کی خبر مجرد میں فائدہ تامہ نہیں ہے، اگرچہ بظاہر وہ افطار کا وقت نہیں تھا، یہ اس روایت کے منافی نہیں کہ جس میں یہ آیا ہے: "**إذا أفطر عند قوم دعالهم**" بلکہ اس میں اس کی تائید ہے۔ **فتأمل**: یہ قید واقعی ہے نہ کہ احترازی۔

میرکؒ شاہ فرماتے ہیں: انس بن مالکؓ کی روایت میں آتا ہے:

ان النبي ﷺ جاء إلى سعد بن عبادة فجاء بخبز وزبيب، فأكل ثم قال: أفطر عندكم الصائمون، وأكل طعامكم الأبرار، وصلت عليكم الملائكة۔ هكذا رواه أبوداود باسناد صحيح۔

اس حدیث کو ابن السنی حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں:

قال: كان النبي ﷺ إذا أفطر عند قوم دعا لهم، فقال: أفطر عندكم الخ۔

ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے نقل کرتے ہیں:

قال: أفطر رسول الله ﷺ عند سعد ابن معاذ فقال: أفطر عندكم الخ

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے انہوں سعد بن معاذ کے بجائے سعد بن عبادۃ کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کا جواب یہ ہے ممکن ہے کہ متعدد واقعات پیش آئے ہوں۔

مؤمن کی عجیب مثال

۴۲۵۰: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِیْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِیْ اٰخِیَّتِهٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی اٰخِیَّتِهٖ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْهُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْاِیْمَانِ فَاَطْعِمُوْا طَعَامَكُمُ الْاَتْقِیَاءَ وَاَوْلُوْا مَعْرُوْفَكُمُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان وابو نعيم في الحلية)

أخرجه احمد في المسند ۵۵/۳ والبيهقي في الشعب ۴۰۲/۷ الحديث رقم ۱۰۹۶۴ وابو نعيم في الحلية ۱۷۹/۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن اور مؤمن کے ایمان کی مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو اپنی رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہو اور چکر لگا کر اپنی رسی کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی واقعہ یہ ہے کہ مؤمن غفلت کرتا ہے اور پھر ایمان کی طرف لوٹ جاتا ہے پس تم اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنا عطیہ ایمان والوں کو دو۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔

تشریح: ''مثل'': بروزن قمر، آخیته: ہمزہ ممدودہ، خائے معجمہ مکسورہ، اور پھر بائے مشددہ۔

اخیة اصل میں اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے دونوں سروں کو زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیتے ہیں' لہٰذا فرمایا گیا کہ جس طرح کوئی گھوڑا اپنے کنڈے سے بندھا ہوا اِدھر اُدھر چکر لگاتا ہے یہ تو ہوتا ہے کہ وہ اپنے کنڈے سے کبھی نزدیک ہو جاتا ہے کبھی دور' مگر اس سے بالکل جدا نہیں ہو سکتا ٹھیک یہی حال ایمان اور مؤمن کے درمیان تعلق کا ہوتا ہے کہ مؤمن ایمان کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے' اس سے جدا نہیں ہو سکتا کبھی تو اعمال صالحہ کے ذریعہ اس کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور کبھی گناہوں کی وجہ سے بعد ہو جاتا ہے مگر اصل ایمان سے جدا نہیں ہوتا) چنانچہ اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو آخر کار اس گناہ پر نادم و تائب ہو کر اپنی فوت شدہ عبادات کا تدارک کر لیتا ہے۔

قوله: فأطعموا طعامكم الاتقياء:

یہ جملہ اصل میں جزا ہے شرط محذوف کی إی إذا كان حكم الإيمان حكم الآخية فقووا الوسائل بينكم وبينه واطعموا...... ۔ اس اعتبار سے پورا مفہوم یوں ہوگا کہ اس مثال کے مطابق جب ''ایمان'' کی وہی حیثیت ہو جو اخیہ یعنی کنڈے کی ہے تو ان چیزوں کو مضبوط وقوی کرنے کے طریقے اختیار کرو جو تمہارے اور ایمان کے درمیان وسائل کا درجہ رکھتے ہیں اور اس کا ایک بہترین وسہل طریقہ ضیافت کرنا (کھانا کھلانا) ہے۔

رہی یہ بات کہ کھانا کھلانے کے سلسلے میں ''پرہیزگاری'' کی تخصیص کیوں ہے' تو اس کا سبب یہ ظاہر کرنا ہے کہ کھانا جزو بدن بنتا ہے' جس سے طاعت پر تقویت ملتی ہے تو اگر تم اپنا کھانا متقی کو کھلاؤ گے (تو نہ صرف یہ کہ تمہیں اس نیک عمل پر ثواب ملے گا بلکہ وہ تمہارا کھانا کھا کر جو عبادت کریں گے اس کا ثواب بھی تمہیں ملے گا اور) وہ تمہارے حق میں جو دعا کریں گے وہ بھی قبول ہوگی ایک روایت میں ہے: ''لاتاكل الاطعام تقي' ولا ياكل طعامك الاتقي'' پرہیزگاروں کی تخصیص صرف اس معاملہ میں ہے ورنہ مطلق احسان واعانت تو سب مسلمانوں کے ساتھ کرنی چاہئے' جیسا اگلے جملہ میں بصیغہ عموم ارشاد کہ فرمایا گیا ''اور اپنے احسانات سے سب مسلمانوں کو نوازو'' منافقین اور کافروں کو مت نوازو۔

غراء پیالے کا تذکرہ

۴۲۵۱: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ لِنَّبِيِّ ﷺ قَصْعَةٌ يَحْمِلُهَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا اَضْحُوْا وَسَجَدُوا الضُّحٰى اُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ وَقَدْ ثُرِدَ فِيْهَا فَالْتَفُّوْا عَلَيْهَا فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا ثُمَّ قَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَدَعُوْا ذُرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيْهَا ۔ (رواه ابوداود)

اخرجه ابي داود في المسنن ۱۴۳/۴ الحديث رقم ۳۷۷۳ وابن ماجه في ۱۰۸۶/۲ الحديث رقم ۳۲۶۳.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن بسرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ایک بڑا پیالہ تھا جس کو چار آدمی اٹھاتے تھے یعنی جب اس میں کھانا ڈال لیا جاتا تو اس قدر بھاری ہو جاتا کہ چار آدمیوں کے بغیر نہ اٹھایا جا سکتا پھر بڑا ہونے کی وجہ سے خالی ہی وہ اتنا بھاری تھا کہ جس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے اس کا نام غراء تھا۔ جب چاشت کا وقت ہوتا اور چاشت کی نماز پڑھ چکتے تو اس پیالے کو لایا جاتا اور اس میں ثرید تیار کیا جاتا پھر اس کے گرد جمع ہو کر لوگ بیٹھ جاتے جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تو آپ ﷺ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے یعنی جگہ کی تنگی کی وجہ سے تو ایک بدو کہنے لگا کیا اس طرح بیٹھتے ہیں (آپ کے رتبہ کے لائق نہیں کہ آپ اس طرح بیٹھیں) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تواضع والا بندا بنایا ہے یعنی اس طرح بیٹھنا تواضع کے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سرکش وضدی نہیں بنایا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے کنارے سے کھاؤ اور اس کی درمیانی بلندی کو چھوڑ دو (یعنی درمیان والا کھانا) اس میں برکت دی جائے گی یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح:الغراء:''أغرّ'' کی تانیث ہے بمعنی انتہائی سفید چمکدار

أضحوا:ضاد معجمہ کے سکون،اور حائے مہملہ کے فتحہ کے ساتھ،بمعنی،دخلوا فی الضحیٰ۔

قد ثرد: ثائے مثلثہ کے ضمہ اور رائے مشددہ کے کسرہ کے ساتھ یہ جملہ حالیہ ہے۔

فالتفوا:فائے مشددہ کے ضمہ کے ساتھ،

کثروا: ثائے مثلثہ کے ضمہ کے ساتھ۔

جثا:صاحب قاموس لکھتے ہیں:جثا کدعا ورمی، جثوا وجثیا بضمهما، جلس علی رکبتیه۔

ما هذه الجلسة:بکسر الجیم ۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اعرابی کا یہ کلام ایسا ہے: ﴿ما هذه الحيوة الدنيا﴾ [العنکبوت:٦٤] گویا کہ اعرابی نے نبی کریم ﷺ کی اس ہیئت کو حقیر جانا،اور اپنے آپ کو رفیع الشان سمجھا۔

فقال رسول اللہ ﷺ:ایک نسخہ میں ''نبی اللہ'' ہے۔

عبدا کریما:یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے متواضع اور سخی بنایا ہے،اور میری یہ نشست تواضع کے زیادہ قریب ہے،اور میں ''عبد'' ہوں،اور تواضع عبد کے زیادہ لائق ہے۔امام طیبی (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں:یہ نشست تواضع پر مبنی ہے'یہ نشست ایسی نہیں کہ جس کو حقارت سمجھا جائے۔چنانچہ اسی وجہ سے آپؐ نے ''عبد'' کو کریم'' کے ساتھ موصوف فرمایا۔اھ۔اس کا مفہوم (یعنی مفہوم مخالف) یہ نکلتا ہے کہ اس جیسی نشست کو اہل جہالت وتکبر پسند نہیں کرتے، اسی لئے فرمایا:ولم یجعلنی جبارا عنیدا۔یعنی متکبر ومتمرد،معاند وجائر نہیں بنایا کہ علم ہونے کے باوجود ادائے حق نہ کروں۔

کلوا من جوانبها ودعوا ذروتها: یہاں ''مقابلۃ''الجمع بالجمع'' ہے:أی لیأ کل کل واحد ممایلیه من أطراف القصعة۔

ذروتها: ذال معجمه پر تینوں حرکات درست ہیں'البتہ کسرہ اصح ہے۔ای وسطها وأعلاها یبارك:جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔اور ایک نسخہ میں مرفوع ہے۔أی هو سبب ان تکثر البرکة اس کی تشریح ماقبل میں بسط کے ساتھ گزر چکی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم اس طرح کھاؤ گے تو یہ اس کھانے میں برکت کا باعث ہوگا اس کے برخلاف جب درمیان کے حصہ سے کھایا جاتا ہے تو نیچے کے حصے سے برکت منقطع ہوجاتی ہے۔

تخریج:اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

مل کر کھانے کی برکت

۴۲۵۲:وَعَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا نَاكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه ابی داؤد فی السنن ١٣٨/٤ الحدیث رقم ٣٧٦٤' وابن ماجه فی ١٠٩٣/٢ الحدیث رقم ٣٢٨٦'

وأحمد في المسند ۳/۵۰۱۔

ترجمہ: وحشی بن حرب نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے ایک دن عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ ہم کھاتے ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا یعنی ہم ارادہ کرتے ہیں قناعت کا اور طاعت پر قوت کا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا کھانا مل کر کھایا کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تمہیں برکت دی جائے گی اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

وحشی بن حرب۔ یہ وحشی ہیں جو حرب کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ اور ان سے صدقہ بن خالد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔

تشریح: فلعکم تفترقون: ایک روایت میں یوں ہے: فلعلکم تأکلون متفرقین۔

قولہ: وعن وحشی ......:

حق یہ تھا کہ (بغیر واؤ کے) عن وحشی الخ کہتے۔ جیسا کہ مؤلف نے فصل تابعین'' میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ان سے صدقۃ بن خالد وغیرہ روایت کرتے ہیں اور ان کا شمار شامیوں میں ہوتا ہے۔ اور ''فصل صحابہ'' میں لکھتے ہیں: وحشی بن حرب حبشی...... ان کے دادا وہی وحشی ہیں جنہوں نے غزوہ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اس وقت وحشی کافر تھے اور کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما تھے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت بخشی اور وہ مشرف باسلام ہو گئے' اسلام لانے کے بعد ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے مشہور مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے جہنم رسید کیا تھا!

❶ الگ الگ کھانا' کھانا بے برکتی کا باعث ہے جب کہ اکٹھے ہو کر کھانے پر بیٹھنا اس کھانے میں برکت کا ذریعہ ہے۔

❷ کھانے پر اکٹھے ہو کر بیٹھنا اور کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک برکت کا باعث ہے اور اگر دونوں جمع ہوں کہ کھانے پر اکٹھے بیٹھا بھی جائے اور کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا جائے تو یہ برکت میں زیادتی کا باعث بھی ہوگا اور ذکر اللہ کی کثرت کا ذریعہ بھی۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو یہ فرمایا ہے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ [النور: ٦١] ''یعنی اس بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم الگ الگ کھاؤ یا اکٹھے ہو کر۔'' تو اصل میں یہ آیت رخصت پر محمول ہے یا اس کا تعلق ان لوگوں کو تنگی سے بچانے سے ہے جو اکیلے ہی رہتے ہیں۔

ابویعلی اپنی مسند میں، ابن حبان، بیہقی اور ضیاء حضرت جابر سے مرفوع روایت کرتے ہیں:

''أحب الطعام إلى الله ما كثرت عليه الأيدي۔''

امام طبرانی نے ابن عمر سے موقوفاً نقل کیا ہے:

طعام الاثنين يكفي الأربعة، وطعام الأربعة يكفي الثمانية، فاجتمعوا عليه ولا تفرقوا۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ اور نسائیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

الفصل الثالث:

اس قسم کی نعمتوں کا سوال ہوگا

۴۲۵۳: عَنْ اَبِیْ عَسِیْبٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَیْلاً فَمَرَّ بِیْ فَدَعَانِیْ فَخَرَجْتُ اِلَیْهِ ثُمَّ مَرَّ بِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَیْهِ ثُمَّ مَرَّ بِعُمَرَ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَیْهِ فَانْطَلَقَ حَتّٰی دَخَلَ حَائِطاً لِبَعْضِ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ اَطْعِمْنَا بُسْرًا فَجَاءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَهُ فَاَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ فَقَالَ لَتُسْاَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِیْمِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ فَاَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ فَضَرَبَ بِهِ الْاَرْضَ حَتّٰی تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ هٰذَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ خِرْقَةٍ لَفَّ بِهَا الرَّجُلُ عَوْرَتَهٗ اَوْکِسْرَةٍ سَدَّبِهَا جُوْعَتَهٗ اَوْ حُجْرٍ یَتَدَخَّلُ فِیْهِ مِنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ۔ (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه أحمد في المسند ٥/ ٨١ والبيهقي في شعب الايمان ٤/ ١٤٣ الحديث رقم ٤٦٠١۔

ترجمہ: حضرت ابوعسیب سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک رات اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور آپ کا میرے پاس سے گزر ہوا آپ ﷺ نے مجھے بلایا میں نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر ہمارا گزر ابو بکر صدیقؓ کے پاس سے ہوا تو ان کو بھی آپ ﷺ نے بلایا اور وہ نکل کر آپ ﷺ کی خدمت میں آ گئے پھر آپ کا گزر عمرؓ کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے ان کو بھی بلایا وہ گھر سے نکل کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے آپ ﷺ چلتے ہوئے ایک انصاری کے باغ میں پہنچے اور اس کو فرمایا کہ ہم کو کھجوریں کھلاؤ وہ کھجوروں کا خوشہ لایا اور آپ ﷺ کی خدمت میں رکھ دیا اس میں سے آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے کھجوریں کھائیں پھر ٹھنڈا پانی منگوایا پس آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے پیا پھر ارشاد فرمایا قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے متعلق سوال ہوگا راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ نے کھجور کا خوشہ لے کر اس کو زمین پر مارا یہاں تک کہ اس کی کچی کھجوریں بکھر کر آپ کی طرف گئیں پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا واقعی اس قسم کی نعمتوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ یعنی ہر قلیل و کثیر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا البتہ تین چیزوں کا سوال نہ ہوگا ایک وہ کپڑا جس سے اپنے ستر کو ڈھانپے اور دوسرا وہ روٹی کا ٹکڑا جو اس کی بھوک کا ازالہ کرے اور تیسرا وہ سوراخ جس سے سردی اور گرمی سے بچا جائے اس روایت کو احمد اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

ابوعسیب۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ ابوعسیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں۔ ان کا نام ''احمر'' ہے۔ ان سے مسلم بن عبید روایت کرتے ہیں۔ ''عسیب'' عین کے زبر اور سین مہملہ کے زیر کے ساتھ ہے۔ ''مرقات'' میں ان کا نام ''احمد'' مذکور ہے۔

تشریح: قوله: حتى دخل حائطا لبعض الانصار: ممکن ہے کہ یہ انصاری صحابی ابوہیثم ہوں، اور یہ ایک مستقل واقعہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ انصاری صحابی ابوالہیثم کے علاوہ کوئی اور ہوں۔

قوله: فأخذ عمر لعذق فضرب به الرض:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ فعل کمال خوف اور ہیبت الٰہیہ کی وجہ سے صادر ہوا کہ جب انہیں یہ بتلایا گیا کہ کلی و جزئی تمام امور کے بارے میں سوال ہوگا۔ ان پر جذب طاری ہوگیا، چنانچہ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: **يا رسول الله انا لمسئونون عن هذا يوم القيامة۔**

لتسألن: صیغۂ مخاطب ہے، یہ صیغہ تغلیباً استعمال فرمایا، آیت کے الفاظ کی رعایت کی مناسبت سے فرمایا، یا یہ بتلانا مقصود ہے کہ نعمتوں کے بارے میں یہ سوال انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہوگا۔

قبل: قاف کے کسرہ اور بائے موحدہ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی ''جانب''۔

قوله: إنا لمسؤولون عن هذا يوم القيامة:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مشارالیہ ماقبل میں مذکور ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''**العذق**'' ہو، تحقیر شان مراد ہو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: پہلا احتمال واضح ہے، چونکہ محل سوال ''نعیم ماکول'' ہے، جیسا کہ جواب بھی دلالت کر رہا ہے۔

قال: نعم: اصل کلام یوں ہے۔ **أي أنتم مسؤلون عن كل نعيم تتنعمون وتنتفعون به۔**

الامن ثلاث: یہاں ''نِعَمٌ'' محذوف ہے: **أي من نعم ثلاث،**

خرقة: مجرور ہے ''بدل'' ہونے کی وجہ سے، ''**لف**'': لام کے فتحہ، اور فاء کی تشدید کے ساتھ۔ بمعنی ''ستر'' ایک نسخہ میں لام کے بجائے کاف ہے۔ **اى كفّ أى منعها عن الكشف۔**

جوعته: جیم کے فتحہ کے ساتھ، مصدر مرۃ ہے، چنانچہ قاموس میں لکھا ہے: **الجوع ضد الشبع، وبالفتح المصدر۔**

''**حجر**'': اس لفظ کو کئی طرح ضبط کیا گیا ہے: ❶ حائے مہملہ مضمومہ جیم کے ساکن اور پھر راء ہے۔ **أى مكان محجر۔**

''**حجرة**'' بھی اسی سے ماخوذ ہے، **الحجر مثلثة المنع** اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ غیر کو وہاں بلا اجازت داخل ہونے سے روکتا ہے، یا دھوپ اور مخالف ہوا کو وہاں تک پہنچنے سے روکتا ہے چنانچہ اس کی طرف اگلے جملہ ''یتدخل فیہ'' میں اشارہ ہے کہ اس کی تنگی ہو، جس کی وجہ سے بمشکل ہی اس میں داخل ہوتا ہے۔

من الحر والقر: (یہ من اجلیہ ہے) **اى من أجلها۔**

امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں جیم کے ضمہ اور حاء کے سکون کے ساتھ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں موافقت ہو جائے گی۔ ''حقارت'' میں ''یربوع'' کے بل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس کے بعد ''یتدخل'' کو ذکر فرمایا کہ یہ بقدر حاجت پر دلالت کرتا ہے' بلکہ اقل پر دلالت کرتا ہے اور اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ اس کو گرمی اور سردی سے بچاتا ہے۔

عرض مرتب: صاحب ''مصباح اللغات'' یربوع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: چوہے کے مانند ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی اور دُم لمبی ہوتی ہے۔ (انتہیٰ)

''القر'': بالضم۔ موسم شتاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ ام زرع کی حدیث میں جو''لاحر ولاقر'' کے الفاظ آئے ہیں وہ بھی اسی معنی میں ہیں۔ اور''القر'' بفتح القاف بمعنی ''بارد'' ہے۔ بعض نسخوں میں فتحہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے، وہ غفلت پر مبنی ہے، یا مشاکلت کے طور پر آیا ہے۔ اور''حر'' سے مراد''حار'' ہے۔ ایک صحیح نسخہ میں ''جحر جیم کے ضمہ اور حاء کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔

قوله: رواه أحمد و البيهقي في شعب الايمان :

بعض نسخوں میں ''مرسلا'' کا اضافہ بھی ہے لیکن یہ مقام کے مناسب نہیں، اور ممکن ہے کہ یہ قید بیہقی کی روایت سے متعلق ہو۔ اوز یادہ واضح یہ ہے کہ لفظ مرسلاً کا اضافہ درحقیقت اگلی حدیث میں ہے، وہاں سے یہاں منتقل ہو گیا ہے۔ چونکہ اگلی روایت مرسل ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ امام حاکمؒ نے مستدرک میں اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے: **فلما كبر على أصحابه قال: إن أصبتم مثل هذا وضربتم بأيديكم فقولوا: بسم الله على بركة الله، فإذا شبعتم فقولوا: الحمد لله الذى هو أشبعنا وأروانا وأنعم علينا وأفضل، فإن هذا كفاف هذا۔**

دستر خوان کا ادب

۴۲۵۴: **وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَتِ الْمَائِدَةُ فَلَا يَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰى تُرْفَعَ الْمَائِدَةُ وَلَايَرْفَعُ يَدَهٗ وَاِنْ شَبِعَ حَتّٰى يَفْرَغَ الْقَوْمُ وَلْيُعْذِرْفَاِنَّ ذٰلِكَ يُخْجِلُ جَلِيْسَهٗ فَيَقْبِضُ يَدَهٗ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فِي الطَّعَامِ حَاجَةٌ۔** (رواه ابن ماجة والبيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه ابن ماجه فى السنن ۱۰۹۶/۲ الحديث رقم ۳۲۹۵' والبيهقى فى الشعب ۸۳/۵ الحديث رقم ۵۸٦٤۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دستر خوان بچھا دیا جائے تو اس وقت تک کوئی شخص نہ اٹھے جب تک دستر خوان نہ اٹھایا جائے اور کھانے سے ہاتھ نہ اٹھائے خواہ اس کا پیٹ بھر چکا جب تک کہ لوگ فارغ نہ ہو جائیں اور چاہئے کہ عذر کرے یعنی اگر ہاتھ پہلے کھینچ لے یا پہلے اٹھ کھڑا ہو تو اپنا عذر ظاہر کرے کیونکہ اس کے اٹھ جانے سے اس کا ہمنشیں بھی شرمندہ ہو کر ہاتھ سمیٹ لے گا اور شاید اس کو کھانے کی ابھی حاجت ہو یہ ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کی ہے۔

تشریح: المائدة: سے یہاں ''سفرہ'' اور اس جیسی چیز مراد ہے، ''خوان'' مراد نہیں ہے، چونکہ وہ (یعنی اس کا

استعمال) بدعت ہے۔

ولیعذر: یاء کے ضمہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: **عذر و أعذر أبدی عذرا۔**

فإن ذلك: مشار الیہ میں متعدد احتمال ہیں: ❶ قیام۔ ❷ رفع۔ ❸ دونوں مراد ہوسکتے ہیں۔

یخجل: یاء کے ضمہ، جیم کی تخفیف وتشدید کے ساتھ قاموس میں لکھتے ہیں: **خجل کفرح اتحیی ودھش وأخجله خجله**، **جلیس**: بمعنی ''مجالس'' ہے۔

اس حدیث سے ابوحاور مسئلہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر دسترخوان پر ایک سے زائد آدمی ہوں تو ان میں سے کسی شخص کو اپنے بھائیوں سے پہلے اپنا ہاتھ کھانے سے نہ کھینچنا چاہئے' اگر اس کے ہاتھ کھینچنے کے بعد وہ (ساتھی) بھی شرماشرمی میں کھانا چھوڑ دیتے ہوں اور اگر کوئی شخص کم خوراک ہو (کہ کم خور ہونے کی وجہ سے دسترخوان کے دوسرے ساتھیوں کا آخر تک ساتھ دینا اس کے لئے مشکل ہو) تو اس صورت میں اسے چاہیئے کہ وہ ابتداء میں توقف کرے آہستہ اور تھوڑا تھوڑا کھائے (تاکہ آخر تک دوسرے لوگوں کا ساتھ دے سکے۔)

اور اگر کسی سبب سے رک ہی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسروں لوگوں سے معذرت کرلے تاکہ دوسروں کو شرمندگی نہ ہو۔

قوله: رواہ ابن ماجه و البیهقی فی شعب الایمان:

بعض نسخوں میں مرسلاً کا اضافہ ہے' یہ خطا پر مبنی ہے۔

لوگوں کے ساتھ کھانے میں شرکت

۴۲۵۵: وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَکَلَ مَعَ قَوْمٍ کَانَ اٰخِرَهُمْ اَکْلًا۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان مرسلا)

أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۵/ ۱۲۲ الحدیث رقم ۶۰۳۷۔

ترجمه: امام جعفر بن محمدؒ نے اپنے والد محمد باقرؒ سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تو آپ ﷺ سب سے آخر تک کھانے والے ہوتے یہ بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کی ہے صحیح روایات میں یہ اور قابل اعتماد نسخوں میں مرسل کا لفظ بھی مذکور ہے کیونکہ محمد باقر تابعی ہیں اور ان کا سماع زین العابدین اور جابر بن عبداللہ سے ہے خود صحابی نہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔ **اٰخِرَهُمْ اَکْلًا** یعنی آپ کھانے سے لوگوں سے پہلے ہاتھ نہ کھینچتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ شروع میں نہ کھاتے بلکہ آخر میں کھاتے یا یہ ہے کہ آپ ﷺ کم کھاتے اور آخر میں شروع فرماتے تاکہ لوگ شرمندہ نہ ہوں اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لیں۔ (ح۔ع)''

تشریح: حضرت امام محمد باقر اصل میں تابعی ہیں اور ان کو اپنے والد بزگوار زین العابدین اور حضرت جابر بن عبداللہ سے سماعت حدیث کا شرف حاصل ہے اس اعتبار سے یہ حدیث مرسل ہے۔

عرضِ مرتب: صاحب مظاہر اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر موجود دوسرے لوگوں سے پہلے اپنا ہاتھ کھانے سے نہیں کھینچتے تھے بلکہ آخر تک کھاتے رہتے تھے اور یا تو یہ کہ آپؐ ابتداء میں نہیں کھاتے تھے یا بہت آہستہ آہستہ اور کم کم کھاتے تھے اور اس طرح کھانے کے آخر تک سب کا ساتھ دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگ بھی شرم و لحاظ میں کھانا نہ چھوڑ دیں۔

توضیح: اصول معتمدہ اور تصحیح شدہ نسخوں میں مرسلاً کا اضافہ موجود ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس پر ''مرسل'' کی تعریف صادق آتی ہے۔ تابعی جب حدیث کو صحابی کا ذکر کئے بغیر رفع کے ساتھ روایت کرتا ہے تو ایسی حدیث کے مرسل ہونے پر اجماع ہے اختلاف تو اس کے حجت ہونے میں ہے کہ جمہور کے نزدیک حجت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حجت نہیں ہے بعض نسخوں میں ''مرسلاً'' کے نہ ہونے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ حدیث متصل ہے۔ یہ عدم ذکر مقصود میں مخل ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وجہ سے ذکر نہ کیا ہو کہ محدثین کے نزدیک یہ واضح بات ہے۔

جھوٹ و بھوک جمع نہ کرو

۴۲۵۶: وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ اُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِطَعَامٍ فَعُرِضَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا لَا نَشْتَهِيْهِ قَالَ لَاتَجْتَمِعْنَ جُوْعًا وَكِذْبًا۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۲/۱۰۹۷ الحديث رقم ۳۲۹۸۔

ترجمہ: اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا اور پھر وہ کھانا ہمارے سامنے رکھا گیا تو ہم نے کہا کہ ہم کھانا نہیں چاہتے یعنی بھوک تو تھی لیکن عادت کے طور پر ہم نے اس طرح کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھوک اور جھوٹ جمع نہ کرو یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: **فعرض**: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے، ایک صحیح نسخہ میں صیغۂ معروف کے ساتھ ہے۔

لا تجتمعن: باب افتعال سے ہے، اور ایک نسخہ میں (مجرد سے) ''**لا تجمعن**'' ہے۔

كذبا: کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں یعنی کاف کے فتحہ اور ذال معجمہ کے کسرہ کے ساتھ، اور کاف کے کسرہ اور ذال کے سکون کے ساتھ۔

امام طیبیؒ لکھتے ہیں: یعنی تم عورتوں کا کھانا کھانے سے انکار کرنا ''لا نشتيه'' حالانکہ تم لوگ بھوکی ہو، یہ جھوٹ اور بھوک کو جمع کرنا ہے، اسی کے قریب قریب یہ حدیث ہے: **المتشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور** اھ۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس حدیث میں جھوٹ بولنے سے ڈرایا گیا ہے۔

کہ اگر کوئی شخص بھوک اور کھانے کی خواہش کے باوجود بطور تکلف کھانے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ مجھے کھانے کی خواہش نہیں ہے جو حقیقت میں جھوٹ بولنا ہے اس میں دوہرا نقصان ہے ایک تو دنیا کا نقصان کہ بھوک کی کلفت اٹھائی اور دوسرا دین کا نقصان کہ جھوٹ بولا یہاں یقین کے ساتھ یہ بات کہنا درست نہیں کہ ان خواتین نے واقعی ان دونوں باتوں کو جمع کیا تھا۔ غور فرمایئے یہاں لوگ لغزش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۴۲۵۷:وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُوْا جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۲ / ۱۰۹۳ الحديث رقم ۳۲۸۷۔

ترجمہ:حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اکٹھے ہو کر کھاؤ اور جدا جدا مت کھاؤ اس لئے کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح:"کلوا جمیعا": "جمیعا" حال ہے۔أی حال کونکم مجتمعین۔

ولا تفرقوا: ایک تاء تخفیفاً محذوف ہے، البتہ تاء کو مشدد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مہمان کے ساتھ مشایعت

۴۲۵۸:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّخْرُجَ الرَّجُلُ مَعَ ضَيْفِهٖ اِلٰى بَابِ الدَّارِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه في السنن ۲ / ۱۱۱٤ الحديث رقم ۳۳۵۸۔

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے یعنی مہمان کے اکرام کے لئے یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اور بیہقی نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی مہمان کا مزید اکرام ہے کہ جب وہ جانے لگے تو دروازے تک نکل کر اس کو رخصت کیا جائے کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ گھر میں ایک اجنبی کے آنے سے کسی وہم کا شکار نہیں ہوں گے۔

''یہ سنت ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل (یعنی مہمان کے استقبال و وداع کے لئے گھر کے دروازے تک جانا) ایک قدیم عادت ہے یا مطلب ہے کہ یہ عمل فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ یا یہ فطرتِ سلیمہ یا یہ مطلب ہے کہ یہ عمل میری سنت اور میرے طریقے کے مطابق ہے۔

۴۲۵۹:وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ فِیْ اِسْنَادِهٖ ضَعْفٌ.

ألبيهقي في شعب الايمان / الحديث رقم

ترجمہ:اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس کے سلسلہ سند میں ضعف ہے''۔

تشریح:ممکن ہے کہ ان دونوں صحابہ سے مروی حدیث کی سند ایک ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کی سند جدا جدا ہو۔ اس سلسلۂ سند میں ضعف ہونے سے نفس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ روایت متعدد اسانید سے منقول ہے

اور اگر کوئی روایت متعدد اسناد سے منقول ہو تو اس کو کثرت اسناد کی وجہ سے تقویت حاصل ہو جاتی ہے ویسے بھی فضائل میں ضعیف روایت بھی قابل قبول ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

میزبان کے گھر میں برکت کا جلد نزول

۴۲۶۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْخَيْرُ اَسْرَعُ اِلَى الْبَيْتِ الَّذِیْ يُؤْكَلُ فِيْهِ مِنَ الشَّفْرَةِ اِلٰى سَنَامِ الْبَعِيْرِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۲/۱۱۱٤ الحديث رقم ۳۳۵۷۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر میں خیر و برکت اور بھلائی اس تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے چھری کوہان میں گھستی ہے جہاں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔ (ح)

تشریح: **الذی یؤکل فیه**: الجامع الصغیر کی روایت میں یوں ہے: **الذی یغشی: أی یغشیه الضیفان**۔

سنام: قاموس میں لکھتے ہیں: **السنام کسحاب معروف**۔ امام طیبیؒ وجہ تشبیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مہمانوں والے گھر میں تیزی سے خیر کے پہنچنے کو اونٹ کے کوہان کی طرف تیزی سے چھری پہنچنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

تشبیہ کی وضاحت:

جب اونٹ کا گوشت کاٹا جاتا ہے تو اس کے سب اعضاء سے پہلے اس کے کوہان کو کاٹتے ہیں اور چونکہ کوہان کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے اس لئے وہ شوق کے ساتھ کھایا بھی جاتا ہے پس فرمایا کہ جس طرح کوہان پر چھری جلدی پہنچتی ہے اس سے بھی زیادہ جلد اس گھر میں خیر و بھلائی پہنچتی ہے جس میں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

بابٌ (فی اکل المضطر)

یہ باب پہلے باب سے متعلق ہے اور بعض نسخوں میں باب اکل فی المضطر بھی لکھا ہے اس باب میں فصل اول نہیں ہے

الفصل الثانی:

مردار کھانا کب درست ہوتا ہے

۴۲۶۱: عَنِ الْفُجَيْعِ الْعَامِرِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لَنَا مِنَ الْمَيْتَةِ قَالَ مَا طَعَامُكُمْ قُلْنَا نَغْتَبِقُ وَنَصْطَبِحُ قَالَ اَبُوْنُعَيْمٍ فَسَّرَهٗ لِيْ عُقْبَةُ قَدْحٌ غُدْوَةً وَقَدْحٌ عَشِيَّةً قَالَ ذَاكَ وَاَبِى الْجُوْعُ فَاَحَلَّ لَهُمُ الْمَيْتَةَ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤ /١٦٧ الحديث رقم ٣٨١٧۔

ترجمہ: فجیع العامریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ ہمارے لئے مردار میں سے کیا چیز حلال ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری کھانے کی مقدار کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم ایک شام کو دودھ کا پیالہ پیتے ہیں اور ایک صبح کو دودھ کا پیالہ پیتے ہیں۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ مجھے عقبہ راوی نے اس طرح تشریح کی کہ ایک پیالہ صبح کے وقت اور ایک پیالہ شام کو تو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا اس قدر کھانا جس کا ذکر کیا گیا مجھے اپنے باپ کی قسم ہے یہ بھوک کا موجب ہے۔ پس آپ ﷺ نے ان کے لئے اس حالت میں مردار کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

تشریح: مؤلفؒ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ:

(اور اس باب میں پہلی فصل نہیں ہے) یعنی مصابیح میں یہ باب روایات صحاح سے خالی ہے۔ پس یہ ان کی طرف سے اعتذار ہے کہ اصل میں سے انہوں نے کوئی بھی چیز اصلاً نہیں چھوڑی۔ یہ باب فصل ثالث سے بھی خالی ہے‘ لیکن اس کی عذر خواہی کی ضرورت نہیں‘ اور اسی وجہ سے تصحیح شدہ نسخوں میں اس سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا ہے اور ایک نسخہ میں ''عن الثالث'' کا اضافہ بھی ہے: ای هذا الباب خال عن الفصل الاول وعن الفصل الثالث.

راویٔ حدیث:

الفجیع بن عبداللہ۔ نام ''فجیع'' ہے عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ ''بنو عامر'' میں سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی حدیثیں سنیں۔ وہب ابن عقبہ نے ان سے روایت کی۔ فجیع فاء پر ضمہ‘ جیم پر فتحہ اور یاء ساکن۔ اس کے نیچے دو نقطے اور آخر میں عین مہملہ ہے۔

یحل: یاء کے اور حاء کے کسرہ کے ساتھ۔ بروزن یضرب۔

غذا انسان کی زندگی کو باقی رکھنے کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔ انسان کو غذا کا نہ ملنا یا اتنی کم مقدار میں ملنا جس سے نہ صرف یہ کہ بھوک کو ختم نہ کیا جاسکتا ہو بلکہ زندگی کا وجود بھی خطرہ میں پڑ جائے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دیتا ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''حالت اضطرار'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالت اضطرار میں شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ انسان اگر کسی حرام چیز کو کھا کر اپنی زندگی بچا سکتا ہے تو وہ کھا لینی چاہئے۔ چنانچہ سائل نے یہ سوال کر کے ہمارے لئے مردار میں سے کیا حلال ہے؟'' اصل میں یہی معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ کون سی صورت حال ہے جس پر ''حالت اضطرار'' کا اطلاق کیا جائے کہ اس صورت میں مردار یا کسی بھی حرام چیز کو کھایا جاسکتا ہے' یعنی اضطرار کی حد کیا ہے اور بھوک کی نوعیت کس درجہ کی ہو کہ جس کی وجہ سے حرام چیز کا کھانا مباح ہو سکتا ہے؟ اگرچہ سائل نے سوال کے لئے جو اسلوب و الفاظ اختیار کئے ہیں ان کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے گویا مردار کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ :مَایُحِلُّ لَنَا الْمَیْتَةَ۔

قوله: ما يحل لنا من الميتة:

''یحل'' یاء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ یہاں ''ونحن القوم المضطرون'' کی قید بھی ہے۔ ای مایجوز لنا أن ناكل من الميتة ونحن القوم المضطرون. تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ الفاظ ابوداؤد کی روایت کے ہیں مَایُحِلُّ لَنَا الْمَیْتَةَ کہ جس سے مردار کے بارے میں سوال کرنا معلوم ہوتا ہے یہ روایت ابوداؤد کی ہے طبرانی وغیرہ کی کتاب میں مجھے یہ الفاظ ملے ہیں: ''مَا یَحِلُّ لنا المیتۃ'' یعنی یاء کے ضمہ کے ساتھ یہ نسق کلام کے زیادہ مشابہ ہے یعنی وہ کون سی حالت ہے جو ہمارے لئے مردار کے لئے کھانے کو حلال قرار دیتی ہے! یہ عبارت سائل کے اصل مقصود کو زیادہ صاف اسلوب میں واضح کرتی ہے۔ چونکہ سوال اس مقدار کے بارے میں نہیں تھا جو ان کے لئے مباح تھی' ان کا سوال اس حالت کے بارے میں تھا جو ''مفضی'' الی الاباحة'' ہو۔

اھ۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: شیخ تورپشتیؒ کا یہ کلام محل نظر ہے کہ سوال مقدار کے بارے میں نہیں تھا چونکہ اس کے بغیر مطلب درست بنتا ہی نہیں ہے۔ عقبہ کی بیان کردہ تفسیر قدح غدوة وقدح عشية، صرف اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ سائلین بھوک کی شکایت کر رہے تھے اور یہ کہ ان کے پاس (کھانے پینے کی اشیاء کی) اس قدر مقدار نہیں کہ جو ان کی بھوک کو دور کر سکے' جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے: انما تكون بأرض فتصيبنا بها المخمصة۔ تو گویا کہ انہوں نے یوں کہا: ما عندنا ما نسد به جوعتنا فما مقدار ما يحل لنا من الميتة ۔ اسی وجہ سے آپؐ نے ان سے ان کے کھانے کی مقدار کے بارے میں سوال فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ دودھ کا ایک پیالہ صبح اور دودھ کا ایک پیالہ شام۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو ان کی ''جوع'' پر تقریر' فرمائی' اور اس بات پر قسم کھاتے ہوئے فرمایا: ذاك وأبى الجوع۔ چنانچہ آپؐ نے اتنی مقدار کو مباح قرار دے دیا ہے یا جس سے ان کی بھوک کی ضرورت پوری ہو جائے اور اس بات کی دلیل کہ یہ سوال مقدار کے بارے میں تھا' ابونعیم کی تفسیر ہے: قدح غدوة وقدح عشية ۔ کہ یہ تفسیر تھا نغتبق و نصطبح کے لئے۔ یعنی اس کی تفسیر میں کہا کہ: هو قدح غدوة۔ اور دودھ کو طعام قرار دیا چونکہ طعام سے کفایت کرتا ہے جیسا کہ باب

الاشربة کی فصل اول کی نویں حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے اھ امام طیبیؒ نے عجیب بات کہی ہے چونکہ انہوں نے شیخ کا مقصد نہیں سمجھا' کہ شیخ کا مقصود لفظ "یحل" سے متعلق تھا کہ اس کا انہوں نے (یعنی طیبیؒ) نے انکار کر دیا اور اس معنی کے پیچھے چل پڑے جو شیخ کے کلام کی مراد تھی چونکہ سب کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ احلال کی مقدار دو پیالے ہیں یہ صرف طبرانی کی روایت پر درست بیٹھتا ہے کہ "**ما یحل لنا المیتة**" جیسا کہ واضح ہے تا کہ کتاب کی روایت: **ما یحل لنا المیتة** پر چونکہ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ **ای مقدار من المیتة یحل لنا** ۔ اور بالا اتفاق اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ ہاں کتاب کی روایت کے جواب میں تکلف کرنا ممکن ہے کہ "ما" استفامیہ سے مراد "حالت" ہے اور مطلب یہ ہوگا: **ای حالة یحل لنا فیها بعض المیتة**' اور دوسرا مطلب یہ سکتا ہے: **ای حالة یحل لنا فیها المیتة**' یہ مطلب ان کے مذہب پر ہوگا کہ جو "من" زائدہ کو جائز قرار دیتے ہیں' اور اس کی تائید اگلی روایت سے بھی ہوتی ہے: **فمتی تحل لنا المیتة ای أکلها** ۔ پس جب سوال کا اس طرح ہونا متحقق ہو گیا تو تحقیق حال فرماتے ہوئے پوچھا: **ما طعامکم؟ ای ما مقدار مذوقکم الذی تجدونه؟** چونکہ وہ مضطر کہ جس کو کچھ بھی نہ ملے اس کا حکم تو معلوم ہی ہے' اس کے بارے میں سوال کرنے کی احتیاج نہیں۔

"تم لوگوں کو کھانا کس مقدار میں ملتا ہے" اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ تمہیں غذا کے نام پر کوئی چیز بھی کسی بھی مقدار میں میسر نہ ہو' اس صورت میں کوئی الجھاؤ ہی نہیں ہے' جب پیٹ میں ڈالنے کے لئے کوئی بھی چیز کسی بھی مقدار میں میسر نہ ہو تو "حالت اضطرار" بالکل واضح طور پر متحقق ہو جاتی ہے' دوسری صورت یہ ہے کہ غذا کے نام پر کوئی نہ کوئی چیز اور کسی نہ کسی مقدار میں تمہیں میسر ہو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ اس مقدار کی نوعیت کیا ہے کہ اس کے مطابق حالت اضطرار کے بارے میں فیصلہ ہوگا لہٰذا تم بتاؤ کہ اگر تمہیں کھانے کی قسم سے کوئی چیز دستیاب ہوتی ہے اس کی مقدار کیا ہے تا کہ اس مقدار کو معلوم کر کے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اس کے ذریعہ تمہارے پیٹ کو کتنا سہارا مل سکتا ہے اور تمہاری بھوک' اضطرار کی حد کو پہنچتی ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے یہ سوال کرتے وقت "مخاطب کے لئے جمع" کا صیغہ استعمال کر کے گویا جماعت کو مخاطب کیا جب کہ سوال کرنے والے وہی ایک شخص (یعنی فجیع عامریؓ) تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ جو حکم بیان کرنا چاہتے تھے وہ اگرچہ ایک شخص کے سوال کے پیش نظر تھا مگر حقیقت میں اس کا تعلق سب ہی لوگوں سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس طرح اس حکم کی عمومی حیثیت کو واضح فرمایا یہی وجہ ہے کہ فجیعؓ بھی اپنے جواب میں جمع کا صیغہ لائے یعنی یوں کہا کہ "ہم نے عرض کیا......الخ"

قوله: قال: ما طعامکم: نبی کریم ﷺ نے یہ سوال تحقیق حال کیلئے فرمایا، چونکہ تہی دست مضطر کا حکم تو معلوم و معروف ہے، چنانچہ اس کے بارے میں سوال کرنے کی تو حاجت نہیں۔

نغتبق: غین معجمہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

نصطبح: اصل میں "نصتبح" تھا، "تاء" کو "طاء" سے بدلا گیا ہے،

رات کے کھانے پینے کو مقدم ذکر کیا، چونکہ وہ زیادہ اہم بھی ہے اور مہتم بالشان بھی ہے۔ صاحب النہایۃ لکھتے ہیں: **الصبوح: الغداء، والغبوق: العشاء**: یہ دونوں لفظ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے پینے کے معنی میں مستعمل تھے، پھر ان کا استعمال "کھانے" کے معنی میں ہو۔ (ذکرہ الطیبی) لیکن یہاں یہ دونوں لفظ اپنے اصل معنی میں استعمال ہوئے ہیں' حق تو یہ تھا کہ

یوں کہتے ''اور کھانے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں'' ابونعیم کی تفسیر کے مطابق حدیث کا مطلب یوں ہوگا: نشرب وقت الصباح قدحا ووقت العشاء قدحا۔

''نصطبح'' یہ اصل میں ''نصتبح'' تھا' تاء کو طاء سے بدلا گیا ہے۔اس کا مادہ اشتقاق ''صبوح'' ہے صبح کے معنی صبح کے کھانے پینے کے ہیں ''نغتبق'' غین معجمہ کے سکون کے ساتھ ہے۔اس کا مادۂ اشتقاق ''غبوق'' ہے جس کے معنی شام کے کھانے پینے'' کے ہیں یہاں ان دونوں الفاظ سے مراد صبح وشام ایک ایک پیالہ دودھ پینا ہے۔

قوله: قال: ذاك وأبی الجوع:

اس قسم کی دو تاویلیں کی گئی ہیں: اوّل آپ ﷺ کا یہ قسم کھانا اصل میں اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی'

دوم: (پہلے اہل عرب عام طور پر چونکہ اسی قسم کی قسمیں کھایا کرتے تھے اور ایسی قسموں کے الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے اس لئے اس عادت کے مطابق) آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ بطور عادت یوں صادر ہوئے کہ قسم کھانے کا ارادہ نہ تھا۔

اور نہ اپنے والد کی تعظیم مقصود تھی، جیسا کہ لا واللّٰہ، وبلی واللّٰہ ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں: اہل عرب اس کلمہ کو بکثرت استعمال کرتے ہیں، اور ان کی مراد اس کلمہ سے تاکید ہوتی ہے، اھ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی نسبت سے یہ بات انتہائی مستبعد ہے۔ پہلی بات ہی قابل اعتماد ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''وأبی'' یہ جملہ قسمیہ ہے، مبتدا خبر کے درمیان بطور جملہ معترضہ واقع ہوا ہے۔ مبتدا اور خبر اجمالی طور پر جواب قسم پر دلالت کر رہے ہیں۔ گویا کہ اصل کلام یوں ہے: ذلك الشرب الذی تقولون قليل تجوعون فيه وتحتاجون إلى الزيادة عليه۔ پھر آگے اس کو صراحۃً بیان کر دیا: فأحل لهم الميتة على هذه الحال۔

''آپ ﷺ نے اس صورت میں ان کے لئے مردار کو حلال قرار دیا''۔ ''اس صورت'' سے مراد صبح وشام ایک ایک پیالہ دودھ پینے کی صورت ہے یعنی گویا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ غذا کی اتنی تھوڑی سی مقدار تم لوگوں کو یقیناً کافی نہیں ہوگی اور تم سب بھوکے رہے ہوگے اس لئے یہ صورت حالت اضطرار کی ہے جس میں مردار کھانا حلال ہے لہٰذا تم مجبوراً مردار بھی کھا کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔

عرض مرتب: یہ حدیث اگلی روایت سے معارض ہے، چنانچہ تفصیلی کلام اگلی روایت میں آرہا ہے۔ اھ۔

تخریج: امام طبرانیؒ وغیرہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

اضطرار کی حالت

۴۲۶۲: وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا نَكُوْنُ بِاَرْضٍ فَتُصِيْبُنَا بِهَا الْمَخْمَصَةُ فَمَتٰى يَحِلُّ لَنَا الْمَيْتَةُ قَالَ مَالَمْ تَصْطَبِحُوْا اَوْ تَغْتَبِقُوْا اَوْتَحْتَفِؤُا بِهَا بَقْلًا فَشَانُكُمْ بِهَا

مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تَجِدُوْا صَبُوْحًا اَوْ غَبُوْقًا وَلَمْ تَجِدُوْا بَقْلَةً تَاْكُلُوْنَهَا حَلَّتْ لَكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (رواه الدارمی)

أخرجه الدارمی فی السنن ٢/ ١٢٠ الحديث رقم ١٩٩٦، وأحمد فی السمند ٥/ ٢١١۔

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثیؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ ہم بعض اوقات ایسی زمین میں پہنچتے ہیں کہ جہاں کچھ کھانے کی قسم میں سے نہیں ملتا۔ تو اس حالت میں ہمیں شدید بھوک پیش آجاتی ہے تو کس حالت میں ہمارے لئے مردار جائز ہوگا تو آپ نے فرمایا جبکہ تم صبح تک یا شام تک کھانے کی کوئی چیز نہ پاؤ یعنی کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ملے یا اس زمین میں جہاں تم ہو تو ترکاری کی قسم میں سے کوئی چیز میسر نہ ہو تو یہ تمہاری حالت اضطراری ہے کہ جس میں مردار کھانے کی اجازت ہے اس کے بعد راوی نے حدیث کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب تم دن بھر اور رات بھر کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پاؤ اور نہ ترکاری کی اور اسی کی مانند جو گھاس اور درختوں کے پتے ہیں وہ بھی میسر نہ ہو تو مردار کی اتنی مقدار جس سے جان بچ جائے اس کا استعمال درست ہوگا یہ دارمی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: مالم تصطبحوا أو تغتبقوا: اس ''أو'' میں دو احتمال ہیں: ❶ یہ ''أو'' برائے شک ہے۔ ❷ تنویع کے معنی کیلئے ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: مالم تجدوا أحدهما علی قدر الكفاية۔ ابن الملکؒ نے ''أو'' بمعنی واؤ کو مختار قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: أی لم تجدوا صبوحا ولا غبوقا۔

او تحتفؤوا بها: ہمزہ مضموم کے ساتھ ہے۔ أی أولم تعتلفوا ای من الارض۔

'' فشأنكم بها'': (فعل مقدر کی وجہ سے) منصوب ہے۔ أی الزموا شأنكم بالميتة۔

النہایہ میں لکھتے ہیں: قال أبو سعيد الضرير: صوابه''ما لم تحتفوا بها'' بغير همز، من احفاء الشعر، ومن قال: تحتفؤا مهموزا هو من الحفأ، وهو البردی فباطل، فأن البردی ليس من البقول، وقال أبو عبيد: هو من الحفأ، مهموز مقصور، وهو أصل البردی الأبيض الرطب منه، وقد يؤكل بقوله'' مالم تعتلفوا هذا'' بعينه فيأكلونه، ويروی ما لم تحتفوا بتشديد الفاء، من احتففت الشئ إذا أخذته كله، كما تحف المرأة وجهها من الشعر، ويروی مالم يحتفوا بقلا بالجيم وقد تقدم۔ وهو هذا: أی تقتلعوه وترموه به، من جفأت القدر، إذا رميت بما يجتمع علی رأسها من الوسخ والزبد، ويروی بالخاء المعجمة وسيد كرفی بابه۔ وهو هذا: تختفوا بقلا أی تظهرونه۔ يقال: اختفيت الشئ إذا أظهرته، وأخفيته إذا سترته۔

عرض مرتب: النہایہ کے محشی لکھتے ہیں: فی الدر النشير: ''عبارة ابن الجوزی فی قولك اختفيت الشئ أی استخرجته''۔ ومثله فی اللسان۔اھ۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: دونوں جملوں میں موجود ''او'' کے بارے میں احتمال ہے کہ بمعنی ''واؤ'' ہو، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿عذرا أو نذرا﴾ [المرسلات: ٦] اور قتیبیؒ فرماتے ہیں: یہ بمعنی واؤ ہے، چنانچہ ان تینوں شرائط کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ ''اکل میتہ'' حلال ٹھہر سکے۔ اور شیخ تورپشتیؒ کے کلام کے ظاہر سے بھی یہی لگتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوشرائط کا پایا جانا ضروری ہو۔ جیسا کہ شرح السنہ میں موجود امامؒ کے کلام سے لگتا ہے وہ لکھتے ہیں: إذا اصطبح الرجل أو تغدى بطعام لم يحل له نهاره ذلك اكل الميتة، وكذلك إذا تعشى، أو شرب غبوقا لم تحل له ليلته تلك لانه يتبلغ بتلك الشربة۔ اھ۔ اختلاف لاحق مبنی ہے اختلاف سابق پر' اصطباح واغتباق کے اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جب ''علی وجہ الشبع'' ہو تو یہ منافی نہیں پچھلی حدیث کے اس اصطباح واغباق کے' کہ جس کی تاویل ''قدحین'' سے کی گئی ہے' چونکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں ان میں سے ہیں کہ دفع جوع کے سلسلہ میں ان پر کفایت نہیں ہوسکتی جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔ اور اس سے دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ فتدبر۔ اور یہ مفہوم اس حدیث سے بطریق مفہوم (یعنی مفہوم مخالف کے) بھی معلوم ہو رہا ہے جو کہ بعض علماء کے ہاں معتبر بھی ہے ''اذا'' بمعنی واؤ ہو۔ چونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: فاذا اجمعت الخلال الثلاث لم تحل الميتة والا حلت۔ چنانچہ ظاہر حدیث سابق اس کی حلت میں موافق ہو جائے گا صبوح وغدوق کے اجتماع کے ساتھ۔ اور اسی طرح جب یہ کہا جائے گا کہ ''او'' احدالامرین کے لئے ہے۔ اى مادام لم يكن أحد من الثلاثة اى لايكون شئى منها على حد: [ولا تطع منهم آثما او كفورا] اور یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ ''او'' بمعنی واؤ ہے' اس لئے کہ یہ تکلف ہے' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور معنی یہ ہوگا: فاذا وجد أحد الثلاثة اى بطريق الشبع لم تحل له الميتة۔ پھر میں نے اپنے علماء میں سے ایک شارح کو دیکھا کہ انہوں نے دونوں حدیثوں میں جمع کی وہی صورت اختیار کی ہے جو میں نے تحریر کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ دونوں روایتوں میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ تغتبق و تصطبح سے مراد یہ ہے: ان غاية مانتعشى به وتغدى فى غالب الاحول قدح العشاء وقدح فى الغداء۔ اور اس کی طرف اشارہ آپؐ کے اس فرمان سے ہو رہا ہے: ماطعامكم؟ چونکہ یہ عرفا دلالت کر رہا ہے کہ سوال امر غالب کے بارے میں ہے' اور اغلب اوقات میں اس قدر مقدار پر اقتصار مکابدۂ جوع' تحلل بدن اور تعطل جوارح تک لے جاتا ہے' اور اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا: ذاك وابى الجوع۔ اور ان کو مضطرین کے ساتھ لاحق فرمایا' اور ان کو تناول میتہ کی رخصت مرحمت فرمائی اور ابوواقد لیثی کی حدیث میں نبی کریمؐ کے اس فرمان: ''مالم يصطبجوا......'' سے مراد یہ ہے جو ان کو سیر کردے' چونکہ یہ ان کی کفایت کرے گی اور ان کے قوی کی حفاظت ونگہداشت کرے گی

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے تمسک کیا ہے ان قائلین نے جوادنی شبع کے ساتھ تناول میتہ کو' اور تناول قیہ کو عندالاضطرار' حتی شبع تک جائز قرار دیتے ہیں اور ان قائلین نے اس مسئلہ میں اگلی حدیث کی مخالفت کی ہے' اور اس امر کی جو میتہ کو مباح قرار دیتا ہے یعنی اضطرار کی۔ اور یہ متحقق نہیں ہوسکتا اس غوق وصوح کے ساتھ جو کہ سدرمق کو رکھتے' لہٰذا یہ کہا جائے کہ دودھ کا ایک پیالہ صبح اور دودھ کا ایک پیالہ شام کو یہ علی سبیل الاشتراک تھا سائل اور ان کی قوم کے درمیان اس کی ایک دلیل سائل کا یہ قول ہے: ''مايحل لنا'' گویا کہ وہ اپنی قوم کا وفد تھا۔ پس اس نے صرف اپنے لئے خصوصی طور پر نہیں پوچھا تھا اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ماطعامكم ۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واضح ہوگیا کہ قوم اکل میتہ میں مضطر ہے چونکہ ذکر طعام سدرمق سے غنی نہیں کرتا' تو ان کے ~~لئے اپنے لئے~~ میں تناول میتہ کو مباح قرار دے دیا۔ دونوں حدیثوں میں توفیق

کی صورت یہ ہے۔

"ما لم يصطبحوا""ما" برائے مدت ہے، اور عامل محذوف ہے۔ گویا اصل کلام یوں ہے: يحل لكم مدة عدم اصطباحكم ......'اور''فشأنكم'' کی فاء جزائیہ ہے۔ معنوی اعتبار سے تقدیری عبارت یوں ہے: مهما فقدتم هذه الأشياء فالتزموا تناول الميتة، جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا...... ﴾ [المائدة:٤] ''اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہو اور جس (طریق) سے خدا نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے۔ (اس طریق سے) تم نے انکو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کے چھوڑنے وقت) خدا کا نام لیا کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔''

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: مسروق نے فرمایا: جو شخص مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرف مضطر ہوا، اور پھر نہ کھایا اور نہ پیا حتی کہ مر گیا، تو وہ شخص جہنم میں جائے گا۔ معمرؒ فرماتے ہیں: شراب کے بارے میں رخصت مسموع نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ہمارے علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ ما قبل میں گزر چکا ہے۔ نیز جب اس آیت: ﴿فإنه رجس﴾[الانعام:١٤٥] کے ہوتے ہوئے شرب دم اور اکل خنزیر کا جواز ثابت ہے تو شرب خمر میں توقف کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ باوجودیکہ آغاز اسلام میں شراب حلال بھی تھی۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ لقمہ اگر گلے میں پھنس جائے، اور شراب کے علاوہ کوئی مشروب موجود نہ ہو تو لقمہ نگلنے کیلئے (بقدر ضرورت) شرب خمر کی اجازت ہے۔

دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے کیونکہ پہلی حدیث میں تو صبح و شام کو دودھ ملنے کی صورت کو بھی بھوک اور اضطرار کی حالت پر محمول کیا اور مردار کھانے کو مباح قرار دیا جبکہ اس دوسری حدیث میں حالت اضطرار کے پائے جانے کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا کہ صبح یا شام تک کھانے پینے کی کوئی بھی چیز میسر نہ ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اس دائرے کو اتنا تنگ کیا کہ اگر ترکاری و سبزی اور اس کی مانند چیزیں جیسے گھاس اور درخت کے پتے وغیرہ ہی مہیا ہو جائیں اور ان کو پیٹ میں ڈالا جا سکے تو اس صورت میں حالت اضطرار متحقق نہیں ہوگی اور مردار کھانا مباح نہیں ہوگا۔

ان احادیث کے باہمی تعارض و اختلاف ہی کی بنا پر علماء کے مسلک و اقوال میں بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ سد رمق (یعنی جان بچانے) کی خاطر از قسم مردار کوئی چیز کھانا اس صورت میں حلال ہوگا جب کہ بھوک کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف پیدا ہو جائے اور اسی قدر کھانا حلال ہوگا جس سے بس جان بچ جائے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔ (یہ مسلک و قول بظاہر ''سختی و تنگی'' پر محمول ہے' لیکن حقیقت میں احتیاط و تقویٰ اسی میں ہے۔)

امام مالک' امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتنی مقدار میں کھانا نہ پائے جس سے وہ سیر ہو جائے اور اس کی طبعی خواہش حاجت مند و متقاضی ہو تو اس کے لئے مردار کھانا حلال ہوگا' تا آنکہ وہ اپنی حاجت طبعی پوری کرے' یعنی وہ سیر ہو جائے اور اس مسلک میں زیادہ نرمی و آسانی ہے۔

حاصل یہ کہ حالت اضطرار میں از قسم مردار کوئی چیز کھانے کے سلسلے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو سد رمق کا اعتبار ہے کہ مضطر بس اتنا مردار کھا سکتا ہے جس سے جان بچی رہے' جب کہ دوسرے آئمہ کے نزدیک حصول قوت یعنی شکم سیر ہو کر کھانے کا اعتبار ہے

خطابیؒ فرماتے ہیں سائل کو ایک پیالہ دودھ دن میں اور ایک پیالہ دودھ رات میں میسر ہوتا تھا اور دن ورات میں ملنے والا ایک ایک پیالہ دودھ بلا شک وشبہ سد رمق یعنی جان بچانے کی حد تک کافی ہو سکتا ہے' اور نفس کو سیدھا رکھتا ہے اگر چہ اس کے ذریعہ شکم سیری نہ ہو سکتی ہو حالانکہ اس حالت کے ہوتے ہوئے تناول میتہ کو مباح قرار دیا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اضطرار کی حد کی وجہ سے مردار کھانا مباح ہے' یہاں تک شکم سیری حاصل ہو جائے۔ یہی مذہب ہے امام مالک اور امام احمد کا امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ (انتھی) یہ بات بڑی عجیب کہی کہ ''اگر چہ اس کے ذریعہ شکم سیری نہ ہو سکتی ہو'' کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تناول میتہ حلال ہے شکم سیری کے ہوتے ہوئے بھی جب کہ تمام نہ ہو اور میرا گمان نہیں کہ کسی ایک نے بھی یہ بات کہی ہو۔ اور ان کا یہ فرمانا: حالانکہ حالت اضطرار کے ہوتے ہوئے تناول میتہ کو مباح قرار دیا ہے'' تو اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مذکورہ بالا حالت کے ہوتے ہوئے بھی ہے تو یہ ممنوع ہے' چونکہ آیت میں اس پر کوئی دلالت موجود نہیں ہے' اور اگر مراد اس سے' حدیث مذکور کے ہوتے ہوئے ہے تو یہ بات آپ بھی جان چکے ہیں کہ اگلی حدیث کے معارض ہے' اور تاویل کا احتمال رکھتی ہے' جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے' اور احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال قائم نہیں ہو سکتا' خصوصاً جب کے معارض بھی ہو۔ مزید یہ کہ قاعدہ ہے :ترجیح المعرم البیع احتیاط۔ میرے دل میں ایک بات آ رہی ہے واللہ اعلم بالحال کہ پہلی حدیث کا تعلق ان مضطر مسافروں سے ہو جو قطع مسافت کے محتاج ہوں اور بلا شبہ ایسی حالت میں دو پیالے پینا خصوصاً جب کہ وہ ان کی نسبت سے چھوٹے بھی ہوں' بہت قلیل ہوں وہ تو کسی بھی شئی کے قائم مقام نہیں ہو سکتے' کہ وہ چلنے کی حرکت کی حرارت سے ہی جل جائے گا۔ اور حدیث ثانی کا تعلق ''قاطینیں فی اما کنھم '' سے ہے چونکہ وہ سد رق کے قائم مقام نہیں ہو جاتے ہیں' جیسا کہ ظاہر ہے اور بلا شبہ لوگ اس سلسلہ میں مختلف ہوتے ہیں' چنانچہ بعض لوگ یوم وصال تین دن اور چالیس دن سے زیادہ تک رکھتے ہیں وہ صرف اور صرف پانی پیتے ہیں یا ایک بادام کھاتے ہیں اور بعض میں قوت شہیہ ہوتی ہے کہ وہ پوری پوری بکری یا گائے کھاتے ہیں اور اس تفصیل کی دلیل حدیث اول میں یہ ہے کہ سائل وفد تھا اور دوسری حدیث میں ان کے سائل نے یوں کہا تھا۔ **انما نکون بأرض فتصیبنا بھا المخمصه** واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اپنے مسلک کو دوسری حدیث سے ثابت کرتے ہیں جس کی وضاحت اوپر بیان کی گئی ہے۔ ان (امام اعظم ابو حنیفہؒ) کے نزدیک جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے دوسرے ائمہ استدلال کرتے ہیں اس کے بارے میں ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں صبح وشام ایک ایک پیالہ دودھ پوری قوم کو ملتا تھا (نہ کہ ایک ایک شخص ایک ایک پیالہ دودھ پاتا تھا') چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ''ما طَعَامُكُمْ'' میں جمع کا صیغہ لانا اس بات کی واضح دلیل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت فجیع عامریؓ کا سوال کرنا محض اپنی ذات کی طرف سے نہیں تھا' بلکہ درحقیقت انھوں نے اپنی

پوری قوم کی طرف سے گویا بطور وافد سوال کیا تھا اسی لئے انہوں نے یہ الفاظ کہے: مايحل لنا ''ہمارے لئے مردار میں سے کیا حلال ہے'' انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ میرے لئے مردار میں سے کیا حلال ہے؟ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک کثیر جماعت کے لئے محض ایک پیالہ دودھ جان بچانے کے لئے بھی ہرگز کافی نہیں ہوسکتا (اور نہ وہ کسی ایک کی بھی بھوک کو ختم کرنے میں مددگار بن سکتا ہے' ہاں اگر ہر ایک کو ایک ایک پیالہ دودھ ملے تو وہ بے شک جان بچانے کے بقدر غذا بن سکتا ہے۔) اس صورت حال کے پیش نظر آپ نے ایسی صورتحال میں اکل میتہ کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس تشریح سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

بَابُ الْاَشْرِبَةِ

مشروبات کا بیان

''أشربة'' شراب کی جمع ہے،'' شراب '' کا اطلاق پانی اور دیگر مائع مشروبات پر ہوتا ہے۔

الفصل الاول:

تین سانس سے پانی پیا جائے

۴۲۶۳: عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا (متفق عليه وزاد مسلم في رواية) وَيَقُوْلُ ﷺ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَاَبْرَأُ وَاَمْرَأُ۔

أخرجه في البخاري في صحيحه ۹۲/۱۰ الحديث رقم ۵۶۲۱ ومسلم في ۱۶۰۱/۳ الحديث رقم (۱۲۳۔۲۰۲۸) وأبو داؤد في السنن ۱۱۴/۴ الحديث رقم ۳۸۲۷' والترمذي في ۲۶۷/۴ الحديث رقم ۱۸۸۴' وأحمد في المسند ۲۱۱/۳۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پانی کے دوران تین سانس لیتے تھے یہ بخاری' مسلم کی روایت ایک روایت میں مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے اس طرح پینا یعنی سانس لے کر پینا خوب سیراب کرتا اور پیاس کو دور کرتا ہے اور بدن کو خوب صحت بخشتا اور زود ہضم ہوتا ہے اور بہت جلد معدے میں پہنچتا ہے۔

تشریح: اس سلسلہ کی مروی روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ چنانچہ وہ روایات ملاحظہ فرمائیے:

① عن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه ﷺ كان إذا شرب يتنفس مرتين۔ رواه الترمذي في الشمائل۔

② عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعا: لا تشربوا واحدا كشرب البعير ولكن اشربوا مثنى وثلاث۔

③ كان يشرب في ثلاثة أنفاس إذا أدنى الإناء الٰى فيه سمى الله، وإذا أخره حمد الله، يفعل ذلك ثلاثا۔

تشریح تعارض:

ان روایات میں تعارض ہے:

آخری روایت سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ پانی کتنے سانس میں پیتے تھے؟ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پانی دو سانس میں پیتے تھے، تیسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پانی تین سانس میں پیتے تھے۔

جواب نبی کریم ﷺ کبھی دو سانس میں پیتے تھے، اور اکثر تین سانس میں پیتے تھے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں ''مرتین أو ثلاثا'' ہے''او'' تنویع کے لئے ہے' چونکہ آگر آپؐ دو سانسوں سے سیراب ہو جاتے تھے تو دو ہرا پر اکتفاء کرتے تھے' اور اگر دو سانسوں میں سیراب نہ ہوتے تھے تو تین سانس میں پیتے تھے' یہ دوہرا اکتفاء پر نص نہیں ہیں بلکہ احتمال ہے کہ اس سے مراد اس دوران سانس لینا مراد ہو' اور آخری مرتبہ سانس لینے کے ذکر پر سکوت اختیار کیا ہو' چونکہ امر واقع یہی ہے (کہ آخر میں برتن منہ سے ہٹتا ہے تو آدمی سانس لیتا ہے۔) چنانچہ اس کے واضح ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

برتن میں سانس لینا ٹھیک نہیں، لہٰذا روایات منہیہ تو اپنی اصل پر ہیں، اور جن روایات میں برتن کے اندر سانس لینے کا ذکر ہے وہاں اصل میں تھوڑی سے وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر مرتبہ برتن کو منہ سے جدا فرما لیتے تھے، لیکن رُوات نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ امام بغویؒ شرح السنہ میں فرماتے ہیں: **المراد من هذا الحديث أن يشرب ثلاثا كل ذلك يبين الإناء عن فمه فيتنفس ثم يعودوا الخبر المروى أنه نهى عن التنفس فى الإناء هو أن يتنفس فى الإناء من غير أن يبينه عن فيه**

قاضیؒ فرماتے ہیں: تین دفعہ میں پینا پیاس کو تسکین بخشا ہے، ہضم کرتا ہے، معدہ کی ٹھنڈک اور ضعف اعصاب پر بہت کم اثر انداز ہوتا ہے۔

انه: ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ 'تعدد تنفس'' کی طرف راجع ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''تین مرتبہ سانس لینے'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔

أروى: یعنی خوب سیراب کرنے والا اور پیاس کو دور کرنے والا ہے۔ اور اشرفؒ فرماتے ہیں یعنی بہت زیادہ سیراب کرنے والا ہے۔ پس اس کا صلہ محذوف ہے، جیسا کہ یہاں: **اذهب للب الرجل الحازم۔**

أبرأ: ''برء'' سے مأخوذ ہے۔ ای کثر برءا۔ (قالہ اظہر وغیرہ)

أمرأ: مرأ الطعام اذا وافق المعدة سے ماخوذ ہے، **أى أكثر انسياغا وأقوى هضما۔**

ابن حجرؒ شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ سند حسن کے ساتھ مروی ہے:

انه ﷺ كان يشرب فى ثلاثة انفاس، إذا أدنى الإناء إلى فيه سمى الله، واذا أخره حمد الله، يفعل ذلك ثلاثا۔

مشک سے مُنہ لگا کر مت پیو

۴۲۶۴:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِيِّ السِّقَاءِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/ ۹۰ الحديث رقم ۵۶۲۹' وأبو داوٗد في السنن ۴/ ۱۰۹ الحديث رقم ۳۷۱۹' والنسائي في ۷/ ۲٦۰ الحديث رقم ۴۴۴۸' وابن ماجه في ۱۱۳۲ الحديث رقم ۳۴۲۱' والدارمي في ۲/ ۱٦۰ الحديث رقم ۲۱۱۷' وأحمد في المسند ۱/ ۲۲٦۔

ترجمه: جناب رسول اللہ ﷺ نے مشک سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ یہ بخاری مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **عن الشرب**: بتثليث أوله مصدر، والضم أشهر، ثم الفتح۔ چنانچہ آیت اس مبارکہ میں تینوں طرح پڑھا گیا ہے: ﴿**فشاربون شرب الهيم**﴾ [الواقعہ۔۵۵] لیکن کسرہ والی روایت شاذ ہے۔ اکثر و بیشتر اس سے مراد پانی کا حصہ مراد لیا جاتا ہے۔ یہ آیت اسی معنی میں ہے: ﴿**لها شرب ولكم شرب يوم معلوم**﴾ [الشعراء۔۱۵۵]۔

السقاء: بروزن رداء۔ **أي من فم القربة**۔

مظہرؒ فرماتے ہیں: **وذلك أن جريان الماء دفعة وانصبابه في المعدة مضرّبها، وقد أمر النبي ﷺ بالدفعات كما سبق اهـ**۔

عرض مرتب صاحب مظاہر نے یہاں اس کی ممانعت کے چار وجوہ ذکر کی ہیں: مشک یا اس جیسی دوسری چیز (جیسے ہینڈ پمپ یا گھڑے وغیرہ) کے دہانہ (منہ) سے پانی پینے کی ممانعت کی کئی وجوہ ہیں:

اول پانی ضرورت سے زائد صرف ہوتا ہے ثانی: پانی کپڑوں وغیرہ پر گر کر ان کو خراب کرتا ہے

ثالث: اس طرح پانی پینا کہ زیادہ مقدار میں دفعتاً پیٹ میں جائے معدہ کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے

رابع: کہ پانی پینے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

ایک سانس میں پینے کی ممانعت:

اس سلسلہ کی چند روایات مندرجہ ذیل ہیں:

① امام بیہقی حضرت انس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

مصوا الماء مصا ولا تعبوه عبًا۔ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **العب: الشرب بلا تنفس**۔

② اس کی تائید ابن شہاب سے مروی اس مرسل روایت کے ذریعہ بھی ہوتی ہے جس کو امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے:

انه ﷺ نهى عن العب نفسا واحدة، وقال: ذلك شرب الشيطان۔

③ دیلمیؒ سند فردوس میں حضرت علیؓ سے ناقل ہیں:

إذا شربتم فاشربوه مصا، ولا تشربوه عبا، فإن العب يورث الكباد۔

اس سلسلہ کی کچھ روایات ان محدثین نے بھی نقل کی ہیں:

① سعد ابن منصور نے اپنی سنن میں۔ ② ابن السنی نے۔ ③ ابو نعیمؒ نے ''الطب'' میں۔ ④ امام بیہقیؒ نے ابن حسین سے مرسلاً۔

تخریج: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام بخاریؒ، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

مشک کے مُنہ سے پینے کی ممانعت

۴۲۶۵: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اِخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ وَزَادَفِیْ رِوَايَةٍ وَاخْتِنَاثُهَا اَنْ يُّقْلَبَ رَأْسُهَا ثُمَّ يُشْرَبَ مِنْهُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۸۹/۱۰ الحدیث رقم ۵٦۲۵' ومسلم فی ۱٦۰۰/۳ الحدیث رقم (۲۰۲۳/۱۱۱) وأبو فی السنن ۱۱۰/٤ الحدیث رقم ۳۷۲۰' والترمذی فی ۲٦۹/٤ الحدیث رقم ۱۸۹۰' وابن ماجه فی ۱۱۳۱/۲ الحدیث رقم ٤۳۱۸'والدارمی فی ۱٦۰/۲ الحدیث رقم ۵۱۹ وأحمد فی المسند ٦۷/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مشک کا منہ موڑ کر پانی پینے سے منع فرمایا ایک روایت میں یہ ہے کہ مشک کا منہ موڑنا یہ ہے کہ اس کا سرا لٹے اور پھر اس سے پانی پیئے یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''الأسقية'': سقاء کی جمع ہے۔

رأسها ثم يشرب منها: تقلب'': بصیغۂ مجہول ہے۔ ان دونوں کو معروف بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

الاختناث: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **الاختناث أن يكسر شفة القربة ويشرب منها۔**

اس ممانعت کی چند وجوہ کا ذکر پچھلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

مشک کا منہ موڑ کر پانی پینے کی صورت میں ایک خدشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس مشک میں کوئی نقصان دہ چیز ہو۔ (مثلاً کیڑا پتنگا ہو یا کوئی زہریلا جانور ہو) اور وہ یکبارگی منہ کے اندر چلا جائے اور کوئی ضرر پہنچائے۔

حضرت کبشہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشک کے منہ سے پانی پیا ہے' یہ روایت دوسری فصل میں آئے گی اس سے مشک کے منہ سے پانی پینے کا جواز ثابت ہوتا ہے' قصہ مختصر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں روایات باہم متعارض ہیں اس تعارض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں

اول: جن روایتوں سے ممانعت ثابت ہوتی ہے ان کا تعلق بڑی مشک سے ہے جن کا منہ زیادہ فراخ ہوتا ہے اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا تعلق ہے تو وہ چھوٹی مشک پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے کسی ایسی مشک کے منہ سے پانی پیا ہوگا جو چھوٹی ہوگی اور اس کا دہانہ تنگ ہوگا۔

دوم: ممانعت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے (یعنی مشک کے منہ سے پانی پینے کی عادت نہ ڈالنی چاہئے کیونکہ اس کی وجہ

سے مشک کے منہ میں رفتہ رفتہ بد بو پیدا ہونے لگے گی اور اگر گاہ بگاہ مشک کے منہ سے پانی پی لیا جائے تو یہ ممنوع نہیں ہوگا۔ سوم: اباحت کا تعلق ضرورت واحتیاج سے ہے (کہ اگر فرض کیجئے' پانی پینے کی ضرورت ہو اور اس وقت کوئی ایسا برتن موجود نہ ہو جس میں پانی انڈیل کر پیا جاسکتا ہو تو پھر اس صورت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا کہ مشک یا گھڑے کے منہ سے پانی پی لیا جائے' ہاں بغیر ضرورت واحتیاج کے اس طرح پانی پینا ممنوع ہوگا) چنانچہ ایوب سے مروی ہے نبئت أن رجلا شرب من فی السقاء فخرجت منه حية۔ کہ''ایک شخص نے (مشک کے) دہانہ سے پانی پیا' تو اس سے ایک سانپ نکل آیا'' چہارم: اس طرح پانی پینا پہلے مباح تھا مگر بعد میں اس ممانعت کے ذریعہ اس اباحت کو منسوخ کر دیا گیا۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداوٗد، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

کھڑے ہوکر نہ پیو

۴۲۶۶: وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّـهٗ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/ ۱۶۰۰ الحدیث رقم (۱۱۳۔۲۰۲۴) وأبو داوٗد فی السنن ۴/ ۱۰۸ الحدیث رقم ۳۷۱۷' والترمذی فی ۴/ ۲۱۵ الحدیث رقم ۱۸۷۹' وابن ماجه فی ۲/ ۱۱۳۲ الحدیث رقم ۳۴۲۴' والدارمی فی ۲/ ۱۶۲ الحدیث رقم ۲۱۲۷' وأحمد فی المسند ۳/ ۱۹۹۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت فرمائی یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: واضح رہے کہ اس سلسلہ کی روایات میں تعارض پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

① وعن انس عن النبی ﷺ انه نهی ان یشرب الرجل قائمًا ۔

② قال النووی :وفی روایة:حذر عن الشرب قائما۔

③ وعن ابی هریرة قال:قال رسول الله ﷺ :لا یشربن احدکم قائما فمن نسی فلیستقیء۔

④ وعن ابن عباس قال اتیت النبی ﷺ بدلو من ماءِ زمزم فشرب وهو قائِمٌ۔وفی أخری:انه ﷺ شرب من زمزم وهو قائم ۔

⑤ وعن علی انه صلّٰی الظهر ثم قعدفی جوائج الناس فی رحبة الکوفة حتّٰی حضرت صلٰوة العصرثم اتی بمآءٍ فشرب وغسل وجهه ویدیه وذکررأسه ورجلیه ثم قام فشربْ فضله وهو قائِم ثم قال ان اناسا یکرهون الشرب قائما وان النبی ﷺ صنع مثل ما صنعت۔وفی روایة:۔۔۔ وقال: رأیت رسول الله ﷺ فعل کمارأیتمونی فعلت۔

⑥ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ:رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَشْرَبُ قَائِمًا اَوَقَاعِدًا۔

⑦ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّانَاكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ۔

⑧ وَعَنْ كَبْشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِماً فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُه۔

تشریح تعارض:

آخری پانچ روایات سے کھڑے ہوکر پانی پینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور پہلی تین روایات سے ممانعت معلوم ہورہی ہے۔

① ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قے کرڈالنے کا جو امر (حکم) بیان کیا گیا ہے وہ وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ اس حدیث کی صراحت کے مطابق اگر کسی شخص نے بھول سے کھڑے ہوکر پانی پیا ہے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے وہ قے کرڈالے۔ چونکہ ''امر'' کو جب وجوب پر محمول کرنا متعذر ہو تو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ (نووی)

② قاضی نے کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی یہ ممانعت اولی وبہتر طریقہ (یعنی بیٹھ کر پانی پینے) کی تلقین اور اس کے خلاف پر تادیب وتنبیہ کے طور پر ہے نہ کہ یہ نہی تحریمی کے طور پر ہے چنانچہ یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہوگی جس میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دومرتبہ اس کے برخلاف عمل کیا ہے۔

③ بعض حضرات کا زعم ہے کہ شرب قائما کی روایات منسوخ ہیں۔

④ شرب قائما کی روایات ضعیف ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: تیسرا جواب درست نہیں، چونکہ نسخ کیلئے تاریخ کا علم ضروری ہے، یہاں اس سلسلہ میں تاریخ کا تعین موجود نہیں ہے۔ جب کہ دونوں روایات کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

چوتھا جواب بھی درست نہیں چونکہ یہ روایات ضعیف نہیں بلکہ سب صحیح ہیں۔

عرض مرتب: ان روایات میں جمع کی صورت کا بیان حدیث ابن عباسؓ کے تحت آرہا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو ضیاءؒ نے بھی نقل کیا ہے، البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے: والأکل قائما۔

کھڑا ہوکر پینے والے پر زجر

۴۲۶۷: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَشْرَبَنَّ اَحَدٌمِنْكُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِيَ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَقِيْ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۰۱ الحدیث رقم (۱۱۶-۲۰۲۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی کھڑا ہوکر نہ پیئے جو پی لے وہ قے کرے یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: فليستقئ یعنی بتکلف قے کرے۔ لفظ قے باب استفعال اور تفعل سے استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ''بتکلف قے کرنا'' یہاں یہ امر ندب کے لئے ہے۔ عرض مرتب: اس روایت سے متعلقہ کچھ کلام پچھلی حدیث کے ذیل میں بھی گذرا ہے۔ اھ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''فمن نسی'' کے مفہوم (یعنی مفہوم مخالف) کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ یہی حکم ''عامد'' کا بھی ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کبھی نسیان کا اطلاق کر دیتے ہیں اور اس سے مراد ترک مطلقا ہوتا ہے۔ اھ۔ بظاہر یہاں یہ مراد نہیں ہے، بلکہ حدیث میں تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اولاً تو کوئی مسلمان یہ فعل عمداً کرے گا ہی نہیں، ثانیاً اگر عمداً ایسا کرے گا تو اس سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ جلد توبہ نہیں کرے گا۔

زمزم کھڑے ہو کر پیا

۴۲۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۸۱ الحديث رقم ۵۶۱۷، ومسلم في ۳/۱۶۰۲ الحديث رقم (۱۲۰-۲۰۲۷) والترمذي في السنن ۴/۲۶۶ الحديث رقم ۱۸۸۲، وابن ماجه في ۲/۱۱۳۲ الحديث رقم ۳۴۲۱۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زمزم کا ایک ڈول لایا آپ نے کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اس فعل کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں:

تشریح: اول: آپ ﷺ کا زمزم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینا تبرک کی بنا پر تھا'

دوم: لوگوں کے اژدحام کی وجہ سے آپ ﷺ کے لئے وہاں بیٹھنا ممکن نہیں تھا

سوم جہاں (زم زم کے کنویں کے پاس) آپ ﷺ کھڑے تھے وہاں آس پاس پانی گرنے کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا تھا اور اس کیچڑ میں کس طرح بیٹھ سکتے تھے؟

چہارم: امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: آپؐ کے کھڑے ہو کر پانی پینے کا مقصد محض بیان جواز تھا۔

پنجم: نسخ کا بھی احتمال ہے کہ جیسا کہ حضرت جابرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب انہوں نے'' شرب قائما'' کی روایت سنی تو فرمایا: قد رأيته صنع ذلك ثم سمعته بعد ذلك ينهى عنه۔ (ذكره ابن الملك) ہمارے علماء میں سے بعض شراح کا کہنا ہے کہ اس توضیح کی روشنی میں روایات (متعارضہ) میں تطبیق ممکن ہے۔ اس کی مزید تحقیق عنقریب آ گے آئے گی۔

وضو کا بچا پانی کھڑے ہو کر پینا

۴۲۶۹: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِيْ حَوَائِجِ النَّاسِ فِيْ رَحْبَةِ الْكُوْفَةِ حَتّٰى حَضَرَتْ صَلٰوةُ

الْعَصْرُ ثُمَّ اُتِیَ بِمَآءٍ فَشَرِبَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَذَكَرَ رَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا يَكْرَهُوْنَ الشُّرْبَ قَائِمًا وَاِنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۸۱/۱۰ الحديث رقم ۵۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت علیؓ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے نماز ظہر اداء کی اور پھر آپ لوگوں کے خصومات کا فیصلہ کرنے کے لئے کوفہ کے چبوترہ پر بیٹھے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آ گیا پھر آپ کے پاس پانی لایا گیا آپ نے اس پانی میں سے پیا یعنی ازالۂ پیاس کیا اور پھر منہ ہاتھ دھوئے اور راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے سر اور پاؤں دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا اور فرمایا کہ بعض لوگ کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ خیال کرتے ہیں یعنی ہر کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ خیال کرتے ہیں۔ بے شک پیغمبر ﷺ نے اسی طرح کیا جیسا کہ میں نے کیا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: رحبة: بفتح الراء والحاء ويسكن۔ أي في موضع ذي فضاء وفسحة بالكوفة۔ قاموس میں لکھتے ہیں: رحبة المكان محركة ويسكن ساحته ومتسعه۔ المغرب میں لکھتے ہیں: رحبة الدار ساحتها بالتحريك والتسكين، والتحريك أحسن۔ اور صحاح میں لکھا ہے: رحبة المسجد بالتحريك ساحته۔

خلاصۃ الآراء:

❶ لفظ ''رحبة'' کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے: (الف) بروزن بررة۔ (ب) بروزن حمزة۔ ❷ پہلا ضبط مستحسن ہے۔ ❸ اس لفظ کے عام معنی ہیں: کشادہ زمین، کھلی جگہ جو مکانوں کے درمیان ہو۔ ''رحبة المكان'': گھر کا صحن، ''رحبة المسجد''۔ مسجد کا صحن۔

قوله: أتي بماء فشرب: اس موقع پر پانی پینے میں کئی احتمال ہیں:

① ممکن ہے کہ حضرت علی کو پیاس لگی ہوئی ہو اس لئے انہوں نے پانی پیا ہو۔ چنانچہ یہ صورت استحباب کے تحت نہیں آتی۔

② ممکن ہے کہ حضرت علی مضمضہ کرنے کے بعد وہ پانی ''نگل'' گئے ہوں، اور راوی نے اس کو ''شرب'' سے تعبیر کر دیا ہو۔ اور زیادہ واضح یہ بات ہے کہ انہوں نے پیاس کی وجہ سے نہیں پیا تھا، بلکہ استحباب کے ارادہ سے تناول فرمایا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قوله: وذكر رأسه ورجليه:

اس سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اوپر کے (یعنی پہلے) راوی نے جہاں ہاتھ منہ دھونے کا ذکر کیا تھا وہیں سر اور پیروں کے بارے میں بھی ذکر کیا تھا، لیکن جب نیچے کے (یعنی بعد کے) راوی نے حدیث نقل کی تو وہ پہلے راوی کے قول کی تفصیل بھول گیا اور اسے یہ یاد نہیں رہا کہ پہلے راوی نے یہ کہا تھا ''مسح رأسه وغسل رجليه'' (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے پیروں کو دھویا) جیسا کہ بظاہر یہی واضح ہوتا ہے، یا یہ کہ پہلے راوی نے یہ بیان کیا تھا (کہ انہوں نے اپنے سر کا بھی مسح

کیا اور پیروں کا بھی مسح کیا' جیسا کہ اسی واقعہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ایک اور روایت میں یہی ذکر کیا گیا ہے''مسح رأسہ ورجلیہ''

پیروں کے مسح کا مطلب:

اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں:

اول: پیروں کے مسح سے مراد پیروں کو ہلکے طور پر دھونا ہے

دوم: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت موزے پہن رکھے ہوں گے' اس لئے انہوں نے پیروں پر مسح کیا۔

سوم: راوی نے تغلیباً مسح سے تعبیر کر دیا۔

چہارم: اس قول کے قبیل سے ہے:

علفتها تبنا وماء باردا۔

پنجم: تجدید وضوء کا ارادہ تھا، اور اعضاء کا مسح اس لئے کیا تا کہ ''نور علی نور'' ہو جائے۔

ششم: تبرید وتنظیف کا ارادہ تھا۔ اور دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر مضمضہ، استنشاق اور دیگر سنن کو چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں صریح روایت عنقریب آئے گی۔

ہفتم: راوی نے ورأسه ورجليه کا عطف اعضائے مغسولہ پر کیا، فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے، کہ سر پر مسح کیا جاتا ہے، دھویا نہیں جاتا اور راوی نے احتمال اخیر کو اختیار کیا، تا کہ ذمہ داری سے بالیقین بری الذمہ ہو جائے۔

وهو قائم: أى وهو مستمر على قيامه۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''فشرب'' کا عطف ''قام'' پر ہے، اور ''وهو قائم'' یہ جملہ دراصل تاکید کے طور پر ہے تا کہ یہ گمان نہ ہو کہ کھڑے ہونے کے بعد پھر بیٹھ کر انہوں نے پانی پیا ہوگا' چنانچہ اس بات کو مکرر واضح کیا گیا کہ انہوں نے اسی طرح کھڑے کھڑے وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔

إن ناسا: ایک نسخہ صحیحہ میں ''إن أناسا'' ہے، ''أناسا'' ناس میں ایک لغت ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: تنکیر برائے تحقیر ہے، لوگوں کے اس گمان کی مذمت کرنا مقصود ہے جو شرب فی حال القیام کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس اسم میں تنکیر کے معنی کی نظیر عرب کا یہ مقولہ ہے: شر أهر ذا ناب۔ اس کلام میں ایک قسم کا انکار ہے۔

إن رسول الله: ایک نسخہ میں ''أن النبی ﷺ'' ہے۔

''**صنع مثل ما صنعت**'': یہ جملہ جہت اشکال کیلئے ''حال مقررہ'' ہے۔ جیسا کہ یہ آیت مبارکہ: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ [البقرة: ۳۰]

یہ حدیث ان حضرات کے اس زعم کی تردید کرتی ہے جو ''شرب قائما'' کے جواز کے نسخ کے قائل ہیں۔ چونکہ حضرت علیؓ نے یہ عمل کوفہ میں کیا تھا۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل دلیل ہے کہ شرب قائما منسوخ

نہیں ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت علیؓ سے نہی مخفی ہو، اور یہ کہنا اولیٰ ہے کہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ لوگ کھڑے ہوکر پانی پینے کو ایک عادت و معمول بنالیں۔

جمع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک نہی ثابت نہیں ہے۔ یا یہ کہ ان کے نزدیک نہی اپنے اطلاق پر نہیں ہے، چونکہ اس سے ماءزمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کی تخصیص ہوچکی ہے۔ جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں قیام کو مستحب قرار دیا ہے، اور بقیہ تمام صورتوں میں قیام کو مکروہ قرار دیا ہے الاّ یہ کہ کوئی ضرورت ہو۔

ان دونوں پانیوں کی تخصیص کی وجہ شاید یہ ہے کہ ماءزمزم سے تضلّع اور جمیع اعضاء تک اس بابرکت پانی کی برکات کا پہنچانا مطلوب ہے۔ اور اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی ہے۔ مزید یہ کہ اس میں طہارت ظاہر کے ساتھ طہارت باطن بھی ہے۔ ان دونوں پانیوں کا نفع حالت قیام میں ''اتم'' و ''اعم'' ہے۔ شرح ہدایہ میں ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر قبلہ رخ ہوکر پینا آداب میں سے ہے، اور اگر چاہے تو بیٹھ کر پی لے۔ اھ۔

حضرت علیؓ کے ظاہر سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر قیام مستحب ہے، چونکہ یہ رخصت ہے۔ شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ سعد بن ابی وقاص ابن عمر اور عائشہ نے ''شرب قائما'' کی رخصت دی ہے۔ اور نہی نبی ادب وارفاق پر محمول ہے تاکہ لوگ پانی سکون اور اطمینان سے پئیں، اور کوئی خرابی پیش نہ آئے۔

''**صنع مثل ما صنعت**'' سے بظاہر تجدید وضوء اور ''**شربه من فضله قائمه**'' کا مجموعہ فعل مراد ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد حدیث کا آخری جزو ہو، چونکہ محل شاہد یہی ہے۔

شمائل میں نزال بن سبرۃ سے مروی ہے:

قال: أتي علي رضي الله عنه بكوز من ماء وهو في الرحبة، فأخذ منه كفًا فغسل يديه ومضمض واستنشق ومسح وجهه وذراعيه ورأسه۔ وفي رواية: ورجليه ثم شرب وهو قائم ثم قال: هذا وضوء من لم يحدث، هكذا رأيت رسول الله ﷺ اه۔

یہ حدیث دلالت کررہی ہے کہ حضرت علیؓ نے چہرہ دھویا نہ کہنیاں دھوئیں، اور ماقبل میں گزرا کہ یہ دونوں اعضاء دھوئے تھے۔ چنانچہ ان اعضاء کے مسح سے مراد ان کا غسل خفیف، یا عدم غسل ہے، اور ان کے کلام میں وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے، یعنی مطلق تنظیف مراد ہے۔ اور یہ بھی کوئی بعید نہیں اس طرح کا واقعہ متعدد بار پیش آیا ہو۔

ابوالہیثم کے ہاں مہمانی

۴۲۷۰: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَمَعَهٗ صَاحِبٌ لَّهٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَهُوَ يُحَوِّلُ الْمَآءَ فِيْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَآءٌ بَاتَ فِيْ شَنَّةٍ وَاِلاَّ كَرَعْنَا فَقَالَ

عِنْدِیْ مَآءٌ بَاتَ فِیْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَی الْعَرِیْشِ فَسَكَبَ فِیْ قَدَحٍ مَآءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَیْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِیُّ ﷺ ثُمَّ اَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ جَآءَ مَعَهٗ ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۷۵ الحدیث رقم ۵۶۱۳' وأبو داوٗد فی السنن ۴/۱۱۲ الحدیث رقم ۳۷۲۴' والدارمی فی ۲/۱۶۱ الحدیث رقم ۲۱۲۳' وأحمد فی المسند ۳/۳۲۵۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے ہاں تشریف لے گئے یعنی ابوالہیثم کے پاس اور اس وقت آپ کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ بھی تھے آپ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا وہ اس وقت اپنے باغ کو پانی لگا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تیرے پاس پرانی مشک میں پانی ہو تو لے آ تا کہ اسے ہم پئیں اور اگر نہ ہو تو ہم ندی یا نہر سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے وہ کہنے لگا کہ میرے پاس مشک میں باسی پانی ہے وہ باغ کے چھپر کی طرف گیا اور پیالے میں پانی ڈالا اور اس میں اپنی بکری کا دودھ دوہا (اور لایا) جناب رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا پھر وہ ایک اور پیالہ پہلے کی طرح لایا اس شخص نے پیا جو آپ کے ساتھ آیا تھا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: یحوّل الماء: از باب تفعیل، فعل مضارع معروف، اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

① وہ کنویں سے پانی نکال رہا تھا (قالہ تورپشتی)۔

② مظہرؒ فرماتے ہیں: وہ ایک طرف سے دوسری طرف پانی لگا رہا تھا۔

شنّة: شین معجمہ کے فتحہ، نون مشددہ کے ساتھ أی قربة عقیقة۔ صاحب النہایہ کا بیان ہے کہ پرانا مشکیزہ نئے مشکیزہ کے مقابلہ میں پانی کو بہت زیادہ ٹھنڈا کرتا ہے۔ ''شن'' بھی اس کے ہم معنی ہے۔

کرعنا: راء کے فتحہ کے ساتھ، أی شربنا من الکراع یعنی ''ہم کرع میں سے پانی پی لیں گے'' اور کرع اس جگہ کو کہتے ہیں' جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے' اسی طرح چھوٹی سی نہر اور تالاب کو بھی کرع کہتے ہیں اس اعتبار سے کرعنا کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم بغیر کسی برتن کے اور بغیر ہاتھ لگائے نہر یا تالاب وغیرہ سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ کرع اس کو کہتے ہیں کہ بغیر برتن اور ہاتھ کے منہ ڈال کر پانی پیا جائے جس طرح چوپائے تالاب وغیرہ میں اپنے پاؤں ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر منہ لگا کر پانی پیتے ہیں۔

سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ابن ماجہ کی روایت میں منقول کراع کی ممانعت کی روایت کا تعلق نہی تنزیہی سے ہے اور یہاں جو بیان کیا گیا ہے وہ جواز کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یا محمول ہے اس صورت پر جب پینے والا پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہو۔

العریش: باغ میں ٹہنیوں سے بنی ہوئی چھت' یہ اکثر کھجور کی بیلوں کی ہوتی ہے۔ اس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔ (ذکرہ الیطبی وغیرہ) اصل میں عرش بمعنی ''بنی'' سے ماخوذ ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ (افعیل بمعنی مفعول) ''عریش'' بمعنی ''معروش'' ہو۔ أی مرفوع: یہ آیت بھی اسی معنی میں ہے: ﴿معروشات وغیر معروشات﴾ [الأنعام۔۱۴۱]۔

داجن: وہ بکری کہ جس کو گھر میں چارہ کھلایا جاتا ہو، چراگاہ میں نہ لے جایا جاتا ہو۔ کہا گیا ہے کہ داجن اس (بکری) کو

کہتے ہیں جو گھر سے مانوس ہو۔دجن بالمکان اذا أقام به سے ماخوذ ہے۔

قوله:إن كان عندك مآء بات فی شنة وإلا كرعنا۔شرط کا جواب محذوف ہے۔أی فأعطنا:اور یہ''إلا''اصل میں''إن لا''تھا۔''إن''شرطیہ کے نون کا''لا''نافیہ میں ادغام کر دیا،اور خطأ حذف کر دیا جیسا کہ لفظاً بھی حذف ہے۔مکمل کلام یوں ہے:إذا كان عندك ماء بات فی شنة فأعطنا وإن لا تعطنا كرعنا۔

چاندی کے برتن میں پینے والا آگ پیتا ہے

۴۲۷۱:وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَةِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ (متفق علیه وفی روایة لمسلم) اِنَّ الَّذِیْ یَاْكُلُ وَیَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَةِ الفِضَّةِ وَالذَّهَبِ

أخرجه البخاری فی صحیحه ۹۶/۲۰ الحدیث رقم ۵۶۳۴، ومسلم فی ۱۶۳۴/۴ الحدیث رقم (۱-۲۰۶۵، وابن ماجه فی السنن ۱۱۳۰/۲ الحدیث رقم ۳۴۱۳، والدارمی فی ۱۶۳/۲ الحدیث رقم الحدیث رقم ۲۱۲۹، ومالك فی الموطأ ۹۲۴/۲ الحدیث رقم ۱۱ من كتاب صفة النبی ﷺ، وأحمد فی المسند ۳۰۶/۶۔

ترجمہ:حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ داخل کرتا ہے یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جو سونے چاندی کے برتن میں کھائے اور پیئے یعنی اس کا حال بھی یہی ہوتا ہے۔

تشریح:آنیة:بروزن''أفعلة''ہے۔''إناء''کی جمع ہے۔

''یجر جر'':دوسرا جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے.

فی بطنه نار جهنم:نصب کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے۔اکملؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے: یردد من '' جرجر الفحل '' اذا ردد صوته فی حنجرته سے ماخوذ ہے'اور نار منصوب ہے'جیسا کہ ثقات سے محفوظ کیا گیا ہے۔(انتھی)اور جس نے''نار''کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس نے''یجر جر''کی تفسیر''بصوت''کے ساتھ کی ہے۔اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ''ان''کی خبر ہے''ما''موصولہ ہے۔یہ محل نظر ہے چونکہ اس کو''ان''کے ساتھ ملا کر لکھنا اس کا انکار کر رہا کہ یہ موصولہ ہے۔ابن الملک فرماتے ہیں کہ '' مشروب فیه''کو نار''قرار دینا بطور مبالغہ ہے'چونکہ یہ اس کا سبب ہے۔جیسا کہ اس آیت میں ہے:اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا [النساء:۱۰] امام نوویؒ فرماتے ہیں:''نار جہنم''میں اختلاف ہے کہ یہ مرفوع ہے؟یا منصوب ہے؟صحیح اور مشہور یہ ہے کہ منصوب ہے۔زجاج،خطابی اور اکثر(اہل علم)نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ اس کی تائید تیسری روایت سے بھی ہو رہی ہے:نارا من جهنم۔مسند اسفراینی کی جو روایت حضرت عائشہ سے ہمیں پہنچی ہے اس میں''فی جوفه نارا''ہے،یعنی اس لفظ میں''جہنم''کا ذکر نہیں ہے۔اور الفائق میں ہے کہ اکثر نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے، ''شارب''فاعل اور''نار''اس کا مفعول ہے۔

کہا جاتا ہے:جرجر فلان الماء إذا جرعه جرعا متواترا له صوت،چنانچہ مطلب یہ ہوگا:كأنما یجرع نار

جهنم۔ اور مرفوع پڑھنا مجازا ہے، چونکہ درحقیقت جہنم کے پیٹ سے غرغر کی آوازیں نہیں آتی ہیں، جر جرۃ اصل میں اونٹ کے بلبلانے کی آواز کو کہتے ہیں۔ ان مخصوص منہی عنہ برتنوں میں پانی وغیرہ کا گھونٹ بھرنے اور ان برتنوں کے استعمال پر استحقاق عقاب کی وجہ سے اس کو ''جر جرة نار جهنم فی بطنه'' سے تشبیہ دی بطور طریق مجاز کے، اور فعل کو مذکر بھی پڑھا جاتا ہے کیوں کہ فعل اور (فاعل) نار کے درمیان فاصلہ ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: تمام علماء اور ائمہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے لئے چاندی اور سونے کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے' البتہ ہمارے اصحاب عراق نے امام شافعی سے ایک قول قدیم یہ نقل کیا ہے کہ یہ مکروہ ہے' حرام نہیں ہے۔ داؤد ظاہری سے تحریم شرب کی اور اکل و دیگر تمام وجوہ استعمال کا جواز منقول ہے۔ یہ دونوں باطل ہیں' نصوص اور اجماع کی وجہ سے۔ چنانچہ سونا چاندی کے برتنوں کا استعمال کھانے پینے اور طہارت میں حرام ہے۔ سونا' چاندی کے چمچ سے کھانا' یا اس کی انگیٹھی سے دھونی دینا' اس کے برتن میں پیشاب کرنا اور دیگر تمام وجوہ استعمال حرام ہیں' خواہ استعمال کرنے والا صغیر ہو کہ کبیر ہو۔ علماء فرماتے ہیں اگر ابتلاء پیش آجائے کہ کسی چاندی یا سونے کے برتن میں کھانے پینے کی کوئی چیز رکھی ہو تو اس کو پہلے اس میں سے نکال کر کسی دوسرے برتن میں رکھ لیا جائے اور پھر اس کو کھایا جائے' اسی طرح تیل ہو تو پہلے اس تیل کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر نکال لیا جائے اور پھر اس کو دائیں ہاتھ سے لگایا جائے (اور اگر یہ صورت اختیار کی گئی کہ اس تیل کو اس چاندی یا سونے کے برتن میں کسی ہاتھ کی ہتھیلی پر نکالا گیا اور پھر اسی ہتھیلی سے لگایا گیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔) بیوت وحوانیت وغیرہ کو سونا چاندی کے برتنوں سے مزین کرنا حرام ہے۔ امام شافعیؒ اور اصحاب کا کہنا ہے کہ اگر سونا یا چاندی کے برتن سے وضوء کیا یا غسل کیا' تو اس فعل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا' اس کا وضوء اور غسل درست ہو جائے گا اور اسی طرح اگر ان کے برتنوں میں کھایا یا پیا تو گناہ گار ہوگا' وہ شئی ماکول ومشروب حرام نہیں ہوگی' اگر ان کے برتنوں کے استعمال کرنے کی نوبت اضطراری ہو تو ان کو استعمال کر سکتا ہے' جیسا کہ حالت اضطرار میں میتۃ مباح ہے' سونا چاندی کی بیع درست ہے' اس لئے کہ یہ عین طاہر ہے' اس کو توڑنے کے بعد اس سے انتفاع ممکن ہے۔۔

تخریج وتوضیح: طبرانی کی روایت میں اتنی زیادتی ہے: ''إلا أن یتوب'':
پہلی روایت میں صرف شرب اور فضہ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ شاید اس لئے تا کہ یہ (یعنی شراب) ''أکل'' (پر) اور ''ذهب'' کے حکم پر بطریق اولیٰ دلالت کرے۔

ریشم اور سونے و چاندی کے برتن کی ممانعت

۴۲۷۲: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرِبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَاكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٩٦/١٠ الحديث رقم ٥٦٣٣ ومسلم في ١٦٣٧/٣ الحديث رقم (٤-٢٠٦٧) وأبو داؤد في السنن ١١٢/٤ الحديث رقم ٣٧٢٣، والترمذي ٢٦٤/٤ الحديث رقم ١٨٧٨، وابن ماجه في

۲/۱۱۳۰ الحديث رقم ۳٤۱٤' وأحمد في المسند ۵/٤۰۸۔

ترجمه: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ریشمی کپڑا اور دیباج مت پہنو یہ ریشمی کپڑے کی قسم ہے اور سونے چاندی کے برتن میں مت پیو۔ اور سونے چاندی کی رکابیوں میں مت کھاؤ۔ کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:لا تلبسوا الحرير ولا الديباج :

لاتلبسوا'': بائے موحدہ کے فتحہ کے ساتھ ہے''الدیباج'': دال مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے'اس کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ حریر کی ایک قسم ہے۔

اس حکم سے چار انگشت کے بقدر ریشمی کپڑا مستثنیٰ ہے! جو دوسرے کپڑے کے کنارے پر لگایا جائے' جیسا کہ متعارف ہے۔ اسی طرح وہ کپڑا پہننا جائز ہے جس کے تانے میں ریشم ہو اور بانے میں سوت ہو اور اگر سوت تانے میں ہو اور ریشم بانے میں ہو تو اس کا پہننا جائز نہیں ہوگا لیکن لڑائی کے موقع پر اس کا پہننا بھی جائز ہوگا' اسی طرح اگر کسی کو خارش کا مرض لاحق ہو یا جوؤں کی کثرت ہوگئی تو اس صورت میں ریشمی کپڑا پہننا جائز ہوگا۔

قوله:ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صحافها:

اس حصہ سے متعلقہ فقہی احکام پچھلی حدیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

صحاف: بروزن کتاب، صحفة أي القصعة العريضة۔ اگرچہ ذکر''صحاف'' کا ہے مگر مراد''اعم'' ہے۔ اي في صحاف كل واحد من الذهب والفضة واضح رہے کہ لفظ''ذھب'' مؤنث ہے، جیسا کہ ابن حاجبؒ نے اپنے منظوم رسالہ میں بیان کیا ہے۔ صحافها کی ضمیر''فضہ'' کی طرف لوٹ رہی ہے جس کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں: ❶ قرب کی وجہ سے۔ ❷ کثرت استعمال کی وجہ سے، کہ سونے کے مقابلے میں چاندی زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ ❸ یہ باب اکتفاء سے ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:﴿سرابيل تقيكم الحر﴾[النحل۔۸۱]۔ ❹ ذهب کا حکم، فضہ پر قیاس کر کے معلوم ہوسکتا ہے۔ ❺ ضمیر صحاب'' المذكورات '' کی طرف لوٹ رہی ہے اس بنیاد پر کہ اقل جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:﴿والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها﴾[التوبۃ۔۳۴]

فإنها لهم: ضمیر واحد مونث غائب کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ❶ صحافها۔ ❷ زیادہ واضح یہ ہے کہ ضمیر ان''اشیاء ثلاثہ'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ضمیر جمع''کفار'' کی طرف لوٹ رہی ہے، اگرچہ ان کا ذکر ماقبل میں موجود نہیں ہے، لیکن سیاق وسباق بہرحال دلالت کررہا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان حضرات کا مستدل نہیں بن سکتی جو کہتے ہیں کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں ہیں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کیلئے ان چیزوں کا استعمال مباح ہونے کی صراحت نہیں فرمائی، البتہ ان کی عادت ذکر فرمادی کہ وہ یہ کچھ دنیا میں استعمال کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان پر حرام ہے، جیسا کہ مسلمانوں پر حرام ہے۔

دودھ میں ٹھنڈا پانی ڈال کر نوش فرمایا

۴۲۷۳: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَاةٌ دَاجِنٌ وَشِيْبَ لَبَنُهَا بِمَآءٍ مِنَ الْبِئْرِ الَّتِیْ فِیْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰی يَسَارِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَابَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ الَّذِیْ عَلٰی يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَلْاَيْمَنُوْنَ الْاَيْمَنُوْنَ اَلَا فَيَمِّنُوْا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٥/٣٠ الحديث رقم ٢٣٥٢، ومسلم فی ٣/١٦٠٣ الحديث رقم (١٢٥-٢٠٢٩) وأبو داؤد فی السنن ٤/١١٣ الحديث رقم ٣٧٥٦، والترمذی فی ٤/٢٧١ الحديث رقم ١٨٩٣، وابن ماجه فی ٢/١١٣٣ الحديث رقم ٣٤٢٥، والدارمی فی ٢/١٦٠ الحديث رقم ٢١١٦، ومالك فی الموطأ ٢/٩٢٦ الحديث رقم ١٧ فی كتاب صفة النبی ﷺ وأحمد فی المسند ٣/١١٠۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے دودھ دوہا گیا جو کہ پالتو بکری کا تھا۔ اور اس کے ساتھ کنوئیں کا پانی ملایا گیا جو انسؓ کے گھر میں تھا۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا (اس وقت) آپ کے بائیں جانب ابوبکرؓ تھے اور دائیں طرف ایک بدو بیٹھا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ یہ بچا ہوا دودھ ابوبکر کو دیں۔ تو آپ ﷺ نے اس گنوار کو دیا جو آپ کے دائیں جانب تھا۔ پھر فرمایا دایاں پھر دایاں مقدم ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ دائیں طرف والے احق ہیں پس دائیں طرف والوں کو دیا کرو۔ یعنی جب تم جانتے ہو کہ دائیں طرف والے زیادہ حقدار ہیں تو تم بھی ان کی رعایت کیا کرو۔ کہ ابتداء انہیں سے کرو یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **شاۃ داجن**: وہ بکری جو گھروں کے ساتھ الفت وانس رکھتی ہو چراگاہ نہ جاتی ہو۔ یہ **"دجن المکان" اذا أقام به** سے ماخوذ ہے۔ داجن ہونا مؤنث کے مخصوص اوصاف میں سے ہے، چنانچہ اس کے آخر میں تاء لاحق کرنے کی ضرورت نہیں رہی، باوجودیکہ شاۃ کی صفت ہے، اس کی نظیر **طالق و حائض** ہے۔

"شیب": شین معجمہ کے کسرہ کے ساتھ بمعنی **خلط**۔

"فأعطی": صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

علٰی یسارہ......عن یمینه أعرابی: "علٰی" اور "عن" کیوں استعمال کیا؟

جواب یہ ہے: کہ "عن" اور "علیٰ" کو جمع کرنے میں "تفنن فی العبارت" ہے۔ امام طیبیؒ نے اس کی تحقیق کی ہے۔ فرماتے ہیں اگر تم یہ کہو کہ پہلے کے ساتھ "علیٰ" اور دوسرے کے ساتھ "عن" کیوں استعمال کیا گیا تو میں کہتا ہوں کہ "عن" اور "علیٰ" سے تجاوز و استعلاء کے معنی کی تجرید کر دی گئی ہے اور ان سے مراد یمین وشمال کا حصول ہے۔ اگر آپ ان کے معنی مراد لیں گے تو آپ زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ صاحب کشاف نے اس آیت: ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ

اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط...... ﴾ [الاعراف:١٧] ''پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا۔(اوران کی راہ ماروں گا) تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائیگا۔'' کے تحت تحقیق کی ہے۔

صاحب کشاف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حروف صلہ کی طرح سماعی ہے' قیاسی نہیں ہے۔

الذی علی یمینه: ایک نسخہ میں ''**عن یمینه**'' ہے۔

''**الأیمن فالأیمن**: یہ دونوں مرفوع ہیں۔ **أی یقدم الأیمن فالأیمن**۔ اور ایک نسخہ میں دونوں منصوب ہیں۔ **أی أناول الأیمن۔فالأیمن**۔

قوله: وشیب بماء من الشر التی فی دار انس:

عرض مرتب صاحب مظاہر اس کے تحت لکھتے ہیں: ''جو انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا'' ظاہری اسلوب کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ ''جو ہمارے گھر میں تھا'' کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ انہی کے گھر کا ہے' جس بکری کا دودھ دوہا گیا تھا وہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی اور وہ کنواں بھی ان ہی کے گھر میں تھا اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی اس واقعہ کو بیان کرنے والے ہیں' لیکن انہوں نے ظاہری اسلوب کے تقاضے کے برخلاف یہ کہہ کر کہ ''جو انسؓ کے گھر میں تھا'' گویا تفنن عبارت کے اسلوب کو اختیار کیا جس کو علم عربیت میں ''وضع مظہر' موضع مضمر'' کہتے ہیں۔

دونوں لفظ ایمن نون کے پیش کے ساتھ ہیں جن کا ترجمہ یہی ہے کہ ''دایاں مقدم ہے اور پھر دایاں'' یعنی سب سے پہلے اس شخص کو دیا جائے جو داہنی طرف ہو اور پھر اس شخص کو دیا جائے جو پہلے شخص کے برابر میں اسی طرف ہو' اسی ترتیب سے دیتا چلا جائے' یہاں تک کہ سب سے آخر میں اس شخص کا نمبر آئے جو بائیں طرف ہے۔

ایک روایت میں یہ دونوں لفظ ایمن نون کے زبر کے ساتھ ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ میں دائیں طرف والے کو دوں گا پھر دائیں طرف والے کو' لیکن نون کے پیش والی روایت کی تائید مذکورہ بالا دوسری روایت **الا یمنون**...... سے بھی ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا: اکرام کی تمام انواع میں اپنی داہنی طرف کی رعایت ملحوظ رکھنا مستحب ہے۔ اگرچہ داہنی طرف کا شخص بائیں طرف کے شخص کی بہ نسبت چھوٹا ہو یا کم رتبہ ہو تو تب بھی پہلے اسی کو دیا جائے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس دیہاتی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اسی لئے مقدم رکھا کہ وہ دائیں طرف تھا۔ افاضل واکابر کو مقدم کرنے کا حکم اس وقت ہے جب باقی اوصاف میں برابری ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے ''اعلم'' اور اقرا'' کو نماز کی امامت کے لئے ''امن'' اور ''نسیب'' پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شخص کسی موضع مباح کی طرف' یا عالم کی مجلس کی طرف یا کسی بڑے کی طرف سبقت کر جائے تو وہ اپنے بعد آنے والوں سے زیادہ حقدار ہے۔

آنحضرت ﷺ کے کمال عدل وانصاف اور آپ ﷺ کے وصف حق شناسی پر بھی دلالت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل اور مقرب ترین ہونے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سفارش کے باوجود دیہاتی کے حق کو نظر

انداز نہیں کیا

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے کا تعلق ہے تو انہوں نے محض یاد دہانی کے لئے عرض کیا تھا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی یاد نہ رہی ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اس اعرابی کے تعین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جلالت شان کا اظہار مقصود ہو۔

فیمنوا: میم مکسور ومشدد ہے۔گویا اصل کلام یوں ہے: إذا كان الأمر كذلك فيمنوا أنتم أيضًا، وراعوا اليمين وابتدؤوا بالأيمن فالأيمن۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ضبط الأيمن بالنصب والرفع، وهما صحيحان، النصب على تقدير أعطى الأيمن، والرفع على تقدير الأيمن أحق، أو نحو ذلك، وفي الرواية الأخرى: الأيمنون ترجح الرفع۔

تخریج: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: ''الأيمن فالأيمن'' مالك واحمد والستة عن أنس رضی اللہ عنہ۔

دائیں جانب والے کا حق مقدم

۴۲۷۴: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْاَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهٖ فَقَالَ يَا غُلَامُ اَتَاْذَنُ اَنْ اُعْطِيَهُ الْاَشْيَاخَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلٍ مِنْكَ اَحَدًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔

(متفق عليه وحديث ابى قتادة سنذكر فى باب المعجزات ان شآء الله تعالى)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥/٣٤ الحديث رقم ٢٣٥٨، ومسلم في ٣/١٦٠٤ الحديث رقم (١٢٧-٢٠٢٠) ومالك في الموطأ ٢/٩٢٦ الحديث رقم ١٨ من كتاب صفة النبي ﷺ، وأحمد في المسند ٥/٣٣٨۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا (خواہ دودھ کا تھا یا پانی کا) اس میں سے آپ نے نوش فرمایا۔آپ کے دائیں طرف ایک چھوٹا لڑکا تھا یعنی ابن عباسؓ اور بوڑھے حضرات آپ کی بائیں طرف تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے! کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں بوڑھوں کو دے دوں۔وہ لڑکا کہنے لگا میں آپ کے پسماندہ کے لئے اپنے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا اس لڑکے کو عنایت فرمایا۔یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: وعن يمينه غلام اصغر القوم:

یہ خبر ہے۔اور اس کا مبتدا محذوف ہے،اور یہ جملہ ''غلام'' کی صفت ہے۔

أتأذن: یہ استفہام تقریری ہے۔

فقال: ما كنت: مضارع سے ماضی کی طرف عدول مبالغہ کیلئے ہے۔

لأوثر: لام کے کسرہ، ھمزہ کے ضمہ، تائے مثلثہ کے کسرہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ،

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں ایک سے زائد لوگ موجود ہوں اور ان کو کوئی چیز دینی ہو تو دائیں طرف کا شخص اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ دینے کی ابتداء اسی سے کی جائے ہاں اگر کسی مصلحت کا یہ تقاضا ہو کہ پہلے اس شخص کو دیا جائے جو بائیں طرف ہے تو دائیں طرف والے سے اس کی اجازت لینی چاہئے' اگر وہ اجازت دے دے تب بائیں طرف والے کو دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ اس موقعے پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت مانگی لیکن پچھلی حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی سے اجازت نہیں مانگی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف جو بڑی عمر والے لوگ بیٹھے تھے ان کا تعلق قریش سے تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت لے کر ان لوگوں کو دے دیا جائے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کوئی ناگواری بھی نہ ہوگی اور ان بڑی عمر والے لوگوں کی تالیف قلوب بھی ہو جائے گی' جب کہ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پختہ تعلق تھا اور محبت واخلاص راسخ تھی ان کی تالیف قلب کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' دوسری طرف اس دیہاتی کے بارے میں بھی یہ خیال تھا کہ اس سے اجازت لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا' تو شاید وہ اس بات کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوئے کسی وحشت و بیگانگی کا شکار ہو جائے کیونکہ وہ نیا نیا حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی معرفت بھی ابھی راسخ نہیں ہوئی تھی۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تالیف قلب اسی میں دیکھی کہ اس سے اجازت نہ لی جائے۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طاعات قربان دینیہ میں ایثار نہیں ہے' ایثار حظوظ نفسانیہ میں کیا جائے' چنانچہ صف اول میں اپنی جگہ کسی اور کو جگہ دینا مکروہ ہے۔

عرض مرتب: اس مقام پر صاحب مظاہر نے بہت اچھی تفصیل ذکر کی ہے جو حسب ذیل ہے۔ اگر ایثار واجبات میں ہو تو حرام ہے اور اگر فضائل و مستحبات میں ہو تو مکروہ ہے' اس کو اور واضح طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ایک شخص کے پاس صرف اتنا پانی ہے جس سے وہ خود وضو کر سکے لیکن اس نے وہ پانی کسی دوسرے شخص کو دے دیا اور خود تیمّم کر کے نماز پڑھی یا اس کے پاس محض اتنا کپڑا تھا جو اس کی ستر پوشی کے بقدر تھا لیکن اس نے وہ کپڑا کسی دوسرے شخص کو دے دیا اور خود ننگے بدن نماز پڑھی' اس طرح کا ایثار جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے' یہ تو اجبات میں ایثار کی صورت تھی

فضائل و مستحبات میں ایثار کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص با جماعت نماز پڑھنے کے لئے پہلی صف میں امام کے قریب بیٹھا تھا' لیکن اس نے وہ جگہ کسی دوسرے شخص کو دے دی اور خود پچھلی صف میں آ کر نماز پڑھی اس طرح ایثار اچھا نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے' طاعات کے برعکس دنیاوی امور میں ایثار ایک محمود و مستحسن عمل ہے' جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بعض صوفیاء کے بارے میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے مواقع پر طاعات میں ایثار کی صورتیں اختیار کیں تو غالباً انہوں نے ایسا غلبۂ حال کے سبب کیا ہوگا۔ (انتہی)

ابن حجرؒ امام نوویؒ کے سابقہ کلام کی اتباع میں لکھتے ہیں: الإيثار في القرب مكروه، وفي حظوظ النفس مستحب اھ۔ اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال "فيه ما فيه" ہے' چونکہ اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے ایثار جائز

نہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اجازت طلب نہ کرتے، ہاں البتہ ان کے فعل میں اس کے جواز پر تنبیہ ہے، مزید یہ کہ یہ مقام ادب تھا، اکابر کے ساتھ تواضع کا مقام تھا۔ وہی ایثار کہ جو اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے: ﴿ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ [الحشر۔۹] مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو فضیلت حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ ان سے فوت نہ ہوتی، بلکہ اگر ایثار کرتے تو وہ مزید بڑھ جاتی بایں طور کہ دیگرا کابر، افاضل وابرار کا پس خوردہ بھی بیچ میں شامل ہو جاتا۔ چنانچہ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں: **كلما كثر الواسطة فى الخرقة النبوية فهو أفضل من أجل حصول بركة البقية بخلاف الإسناد، حيث كلما قلت الوسائط فيه فهو أعلى درجة لأن أبعد من الخطأ فى الرواية**۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے احتمال فوت کی وجہ سے قرب فضل کو ترجیح دی، چنانچہ وہ فی الجملہ اس جہت سے ''مصیب'' ہیں۔ اگر چہ بہت سے مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ: **الا الايثار فى الأمور الأخروية والدينية، فإنه لا خطر ولا عظمة للأمور الدنيوية، لكن بشرط أن لا يفوته أصل الطاعة**۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ترمذی کی روایت ہم عنقریب ذکر کریں گے اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو تطبیق کا محتاج ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

توضیح: حضرت ابوقتادہ کی یہ طویل حدیث جس کے آخر میں یہ جملہ ہے: ''**إن ساقى القوم آخرهم شربا**''۔ یہ روایت ''**باب المعجزات**'' میں ذکر کئے جانے کے زیادہ مناسب ہے۔

الفصل الثانی:

کھڑے ہوکر ضرورۃً پی سکتے ہیں

۴۲۷۵: عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّانَاكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَمْشِىْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ۔

(رواه الترمذى وابن ماجة والدارمى وقال الترمذى هذا حديث حسن صحيح غريب)

أخرجه الترمذى فى السنن ٢١٥/٤ الحديث رقم ١٨٨٠، ابن ماجه فى السنن ١٠٩٨/٢ الحديث رقم ١-٣٣، والدارمى فى ١٦٢/٢ الحديث رقم ٢١٢٥، وأحمد فى المسند ١٢/٢۔

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھاتے اس حال میں کہ چلتے ہوتے اور کھڑے ہوئے پی لیتے تھے۔ یہ ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت ہے ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

تشریح: ''**ونحن نمشى**'': یہ جملہ حالیہ ہے۔

''**ونشرب**'': اس جملہ کا عطف ''**نأكل**'' پر ہے۔ ''**ونحن قيام**'' کی قید کا ذکر آخر (یعنی ''**نشرب**'' کے ساتھ ہے۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ چلتے پھرتے کھانا پینا جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ''تقریر'' فرمائی ہو۔ وگرنہ تو ائمہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ چلتے پھرتے

'کھڑے ہوکر' سوار ہوکر کھانے سے اجتناب کیا جائے (علی ماصرح بہ ابن الملک) یہی بات کھڑے ہوکر پانی پینے کی بھی ہے' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قوله: رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی:

امام دارمی کا اسم گرامی مؤخر ذکر کیا چونکہ یہ مشہور نہیں ہے' وگرنہ تو یہ امام ترمذی کے شیخ ہیں بلکہ امام بخاری کے بھی شیخ ہیں۔

کھڑے بیٹھے پینے کی اباحت

۴۲۷۶: عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَشْرِبُ قَائِماً وَّقَاعِداً

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢٢٦ الحديث رقم ١٨٨٣' وأحمد فی المسند ٢/١٧٤۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے ہونے کی حالت میں پیتے دیکھا یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پیتے ہوئے تو ایک بار یا دو بار دیکھا ہے اور وہ بھی بیانِ جواز کی خاطر تھا یا کسی ضرورت وعذر کی بنا پر تھا' اس ایک یا دو بار کے علاوہ اور تمام مواقع پر بیٹھ کر ہی پیتے دیکھا ہے۔

پانی میں پھونک کی ممانعت

۴۲۷۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَآءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ۔

(رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١١٤ الحديث رقم ٣٧٢٨' والترمذی فی ٤/٢٦٩ الحديث رقم ١٨٨٨' وابن ماجه فی ٢/١١٣٣ الحديث رقم ٣٤٢٨' وأحمد فی المسند ١/٢٢٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے میں سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ یہ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: ابن الملکؒ شرح السنہ کی اتباع میں فرماتے ہیں:

پیتے وقت برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے تا کہ پیے جانے والے پانی وغیرہ میں تھوک نہ گرے (اور دوسرے شخص کو اس سے کراہت محسوس نہ ہو) نیز بسا اوقات منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے (اور اس صورت میں اگر برتن میں سانس لیا جائے گا یا پھونک ماری جائے گی) تو ہوسکتا ہے کہ اس پی جانے والی چیز میں بھی بدبو پہنچ جائے' چونکہ پانی میں رقت اور لطافت ہوتی ہے (وہ ادنی اثر کو بھی جلد قبول کرلیتا ہے۔) علاوہ ازیں پانی میں سانس لینا اصل میں چوپایوں کا طریقہ ہے۔ کہ جب وہ برتنوں میں پانی پیتے ہیں تو گھونٹ گھونٹ کر پیتے ہیں پھر اسی میں سانس لیتے ہیں' اور پھر دوبارہ اس کو پینا شروع

کر دیتے ہیں۔شرح السنہ کی عبارت یوں ہے: پس احسن یہ ہے کہ برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لیا جائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہیں کہ اولیٰ اور احسن کی بغیر خلاف اولیٰ ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس پی جانے والی چیز کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بھی پھونک مارنے کی ضرورت ہو تو (اس صورت میں بھی پھونک نہ ماری جائے بلکہ اس وقت تک پینے میں) صبر کیا جائے (جب تک کہ وہ ٹھنڈی نہ ہو جائے) نیز اگر پانی میں کوئی تنکا وغیرہ پڑ جائے تو اس کو کسی تنکے وغیرہ سے نکالا جائے' انگلی سے یا پھونک مار کر نہ نکالا جائے کیونکہ اس سے طبیعت نفرت و کراہت محسوس کرتی ہے۔ یا پانی بہادے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ابن ماجہ سند حسن کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في الإناء، فإذا أراد أن يعود فلينح الإناء ثم ليعد إن كان يريد۔

پانی دو تین سانس میں پیو

۴۲۷۸: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِداً كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنْ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢٦٧ الحديث رقم ١٨٨٥۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ایک سانس میں پانی نہ پیو جس طرح اونٹ پیتا ہے لیکن دو سانس سے پیو یا تین سانس سے پیو اور پیتے وقت بسم اللہ کہو۔ اور برتن کو منہ سے ہٹاتے وقت الحمد للہ کہو۔ یعنی ہر مرتبہ یا آخر میں۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: لا تشربوا واحدًا: (اصل کلام یوں ہے): ای شربًا واحدًا۔ (یعنی موصوف محذوف ہے)

شرب: شین کے ضمہ کے ساتھ ہے' اور کبھی فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔

یعنی تم ایک سانس میں پانی مت پیو جس طرح اونٹ پیتا ہے کہ وہ ایک ہی سانس میں پیتا ہے اور سانس برتن میں لیتا ہے۔

مثنی و ثلاث: یہ دونوں منصوب ہیں، مصدر محذوف کی صفت ہیں۔ اور اسی وجہ سے منصوب ہیں۔ أی مرتين مرتين أو ثلاثة ثلاثة۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پانی دو سانس میں پیا جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے تین سانس میں پیا جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اکثر اوقات میں آنحضرت ﷺ کا معمول یہی تھا۔

قوله: وسموا اذا انتم شر بتم:

اس کھانے کا بھی وہی حکم ہے جو پینے کا ہے۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ پہلے سانس کے بعد الحمد للہ کہے' دوسری سانس کے بعد رب العلمین کا اضافہ کرے اور تیسرے سانس کے بعد الرحمٰن الرحیم۔ نیز پانی پینے کے بعد پڑھی جانے والی یہ دعا بھی منقول ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔

پانی میں پھونک کی ممانعت

۴۲۷۹:وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِی الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلُ الْقَذَاةَ اَرَاهَا فِی الْاِنَاءِ قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ فَاِنِّیْ لَا اَرْوٰى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَاَبِنِ الْقَدَحَ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ۔

(رواه الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢٦٨ الحديث رقم ١٨٨٧، والدارمی فی ٢/١٦١ الحديث رقم ٢١٢١، ومالك فی الموطأ ٢/٢١٥ الحديث رقم ١٢ من كتاب صفة النبی ﷺ وأحمد فی المسند ٣/٢٦۔

ترجمه:حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ایک شخص کہنے لگا اگر تنکا وغیرہ پڑا ہو تو پھر پھونک نہ ماروں تو کیا کروں۔ وہ کیسے نکلیں گے۔ آپ نے فرمایا تم اس کو پھینک دے۔ یعنی تھوڑا سا پانی گرا دو تا کہ وہ تمام نکل جائیں۔ (اس شخص نے پھونکنے کی ممانعت سے سانس لینے کی بھی ممانعت خیال کر لی۔ اس سے لازم آیا کہ پانی ایک سانس میں پی لے)۔ اس نے سوال کیا میں تو ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا سانس کے وقت اپنے منہ سے پیالے کو ہٹا دو۔ پھر سانس لو جو برتن سے باہر ہو پھر (دوبارہ) پیو۔ یہ ترمذی و دارمی کی روایت ہے۔

تشریح:قوله: نهی عن النفخ فی الشراب:اگرچہ ذکر صرف ''مشروب'' کا ہے، مگر طعام کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ امام احمد نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس میں دونوں کا ذکر ہے:نهی عن النفخ فی الطعام والشراب۔

قوله:فقال رجل :القذاة:بفتح القاف،ما يسقط فی الشراب والعين۔ یہ ''منصوب علی شریطۃ التفسیر'' ہے۔

قال: أهرقها:ضمیر مؤنث کا مرجع ''ماء'' ہے۔أی بعض الماء لتخرج تلك القذاة منها۔لفظ ''ماء'' کبھی مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مظہرؒ نے حاشیہ بیضاوی میں اس آیت:﴿فسالت أودية بقدرها﴾[الرعد۔٦٧] کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس طرف صاحب قاموس نے بھی اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے:مويه ومويهة۔

" لا أروی'':واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

من نفس:بروزن قلم ہے' بمعنی ''تنفس'' ہے۔

فأبن:''إبانة'' سے امر کا صیغہ ہے۔

قوله:ثم تنفس ثم اشرب:

اس سے اشارةً معلوم ہوا کہ دو سانس پر اقتصار کرنا جائز ہے، البتہ تین سانس میں پینا کئی اعتبار سے بہتر ہے:

اول:تین سانس لینا ''أنفس''، ''امرأ''، ''اهنأ''، ''وأروی'' ہے۔ اس وجہ سے کہ:إن الله وتر يحب الوتر۔

ثالث:نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی۔ حدیث میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک سانس پر اقتصار کیا ہو،

اگر چہ یہ حدیث اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر ایک سانس سے سیراب ہو جائے تو جائز ہے۔

تخریج وتوضیح: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: أبن القدح عن فيك رواه سمويه في فوائده عن أبي سعيد اھ۔ صرف ایک تخرج پر اکتفاء شاید ترمذی ودارمی کی روایت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

پیالے کے سوارخ سے پانی پینے اور پھونک کی ممانعت

۴۲۸۰: وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدْحِ وَاَنْ يَّنْفُخَ فِي الشَّرَابِ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/١١١، الحديث رقم ٣٧/٢٢، وأحمد في المسند ٣/ ٨٠۔

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پیالے کے سوارخ سے پانی پینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ثلمة: تائے مثلثہ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ' پیالہ کی ٹوٹی ہوئی جگہ

خطابیؒ فرماتے ہیں: کہ اگر پینے کا برتن کسی جگہ سے ٹوٹا ہوا ہو تو اس جگہ سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع کیا ہے کیونکہ اس جگہ ہونٹوں کی گرفت اچھی طرح نہیں ہوگی' جب وہ اس پر ہونٹ رکھ کر پیئے گا وہاں سے پانی اور اس کے چہرہ اور کپڑوں پر بہہ جائے گا۔ ابن الملکؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: دوسرے یہ کہ برتن کی دھلائی کے وقت اس کی ٹوٹی ہوئی جگہ اچھی طرح صاف نہیں ہو پاتی (وہاں مٹی وغیرہ لگی رہ جاتی ہے اس صورت میں پاکیزگی وصفائی کا تقاضا بھی یہی ہے اس جگہ منہ لگایا جائے۔)

اس ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ٹوٹے ہوئے برتن میں پانی نہ پیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ برتن کی ٹوٹی ہوئی جگہ پر منہ لگا کر پانی نہ پیا جائے۔

أن ينفخ: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ اور حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

لٹکی مشک سے آپ کا پانی پینا

۴۲۸۱: وَعَنْ كَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِماً فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ۔ (رواه الترمذي وابن ماجة وقال الترمذي هذا حديث حسن غريب صحيح)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٢٧٠ الحديث رقم ١٨٩٢، وابن ماجه في ٢/١١٣٢ الحديث رقم ٣٤٢٣، وأحمد في المسند ٦/٤٣٤۔

ترجمہ: حضرت کبشہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ نے لٹکی ہوئی مشک

کے منہ سے کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں مشک کے منہ کی طرف اٹھی اور اس مشک کے اس مقام کو کاٹ لیا۔ (جہاں آپ ﷺ نے منہ لگا کر پانی پیا تھا) یہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے ترمذی نے اسے حسن غریب صحیح کہا ہے۔

تشریح: قوله: فقمت الى فيها:

(جار مجرور محذوف کے متعلق ہو کر حال ہے۔) ای متوجهة الى فيها۔

مطلب یہ ہے کہ مشک کے منہ کے جتنے حصے پر آپ ﷺ کا دہن مبارک لگا تھا میں نے اتنے حصے کا چمڑہ کاٹ کر اپنے گھر میں حفاظت کے ساتھ رکھ لیا اور یہ میں نے تبرک کی غرض سے کیا یا اس احساس ادب کی بناء پر کیا تا کہ اس حصے پر کسی اور کا منہ نہ لگے جیسا کہ اس کی تائید اس کے ایک ہم معنی واقعہ سے ہوتی ہے جو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت بیان کیا ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ انہوں نے مشک کا منہ اس لئے کاٹ دیا تھا تا کہ آنحضرت ﷺ کے پینے کے بعد کوئی دوسرا شخص اس جگہ منہ لگا کر نہ پئے۔

ابوالشیخ کی روایت میں اتنا اضافہ ہے: وقالت لا يشرب منها أحد بعد شرب رسول الله ﷺ۔

ممکن ہے کہ ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بات کو ملحوظ خاطر رکھا ہو اور نیت کی ہو اور دونوں کو جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں۔

امام نوویؒ امام ترمذیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقطعها لفم القربة لوجهين: أحدهما أن تصون موضعا أصابه فم رسول الله ﷺ أن يبتذل ويمسه كل واحد والثاني أن يحفظ للتبرك به والاستشفاء۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت تحریمی نہیں ہے۔

ٹھنڈی میٹھی چیز کی پسندیدگی

۴۲۸۲: وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْحُلْوَ الْبَارِدَ۔ (رواه الترمذی وقال والصحيح ماروى عن الزهرى عن النبى ﷺ مرسلا)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢٧٢ الحديث رقم ١٨٩٥، وأحمد فی المسند ٦/٣٨۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو پینے میں ٹھنڈی میٹھی چیز نہایت پسند تھی۔ یہ ترمذی کی روایت ہے مگر اس میں صحیح روایت زہری کی ہے جو مرسل ہے۔

تشریح: قوله: كان أحب الشراب الى رسول الله ﷺ الحلو البارد: "أحب":

احب: مرفوع و منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اور نصب زیادہ محبوب ہے۔ "الحلو": نصب کے ساتھ، اور رفع ارفع ہے اور "أحب" بمعنی "الذ" ہے، چونکہ ماء زمزم افضل ہے، اور یہی معاملہ دودھ کا ہے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث باب دیگر کئی روایات کے متعارض ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے۔

① عن ابن عباس رضی الله عنهما: كان أحب الشراب إليه اللبن۔ رواه ابن نعيم فى الطب۔

آنحضرت ﷺ کو پینے کی چیزوں میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا

عن عائشة رضی اللہ عنہا: کان أحب الشراب إلیه العسل۔ أخرجه ابن السنی، وأبو نعیم فی الطب۔آنحضرت ﷺ کو پینے کی چیزوں میں شہد سب سے زیادہ پسند تھا۔اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ

''میٹھی چیز'' سے عموم مراد ہے کہ آپ ﷺ کو ہر میٹھا مشروب بہت زیادہ پسند تھا' میٹھے پانی کا مفہوم سادہ پانی' دودھ کچی لسی مشروب عسل نقیع تمر' نقیع زیب سب کو شامل ہے اس وضاحت سے حدیثوں کے درمیان مطابقت و یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے

''وہ روایت صحیح ہے الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ زہریؒ نے اس روایت کو دو طریق سے نقل کیا ہے ایک طریق میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس طرح اوپر نقل کی گئی ہے: عن الزهری عن عروة عن عائشه ...... الخ اور دوسرے طریق سے مرسلاً ذکر کیا ہے یعنی اس طرح کہ اس میں انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا ہے' بلکہ عبارت کے ظاہری مفہوم ''عن الزہری عن النبی ﷺ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عروہ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے

امام ترمذیؒ اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں: الاکثر رووه مرسلا، وإنما أسنده ابن عینة من بین الناس۔اھ۔ یہ محل بحث ہے، چونکہ سفیان بن عیینہ تابعین میں سے ہیں' انہوں نے اس کو عن معمر عن الزهری عن عروة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها۔ مرفوعاً روایت کیا ہے چنانچہ اس کی صحت سند میں کوئی شک نہیں' اور اس لئے بھی کہ ثقہ کی زیادت متن واسناد میں مقبول ہے' اور حافظ غیر حافظ پر حجت ہوتا ہے اور مذہب منصور میں اکثر کی روایت کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ ابن ہمام نے صراحت کی ہے' باوجودیکہ مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے اور فضائل اعمال میں سب کے ہاں معتبر ہے' مزید یہ کہ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

کھانے کی دُعا

۴۲۸۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَحَدُ كُمْ طَعَا ماً فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرً مِنْهُ وَاِذَا سُقِيَ لَبَناً فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ فَاِنَّهٗ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلاَّ للَّبَنُ۔ (رواہ الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۱۱۶/٤ الحدیث رقم ۳۷۳۰ والترمذی فی ٤۷۲/٥ الحدیث رقم ۳٤٥٥' وابن ماجه فی ۳/۲۔۱۱ الحدیث رقم ۳۳۲۲' وأحمد فی المسند ۲۲٥/۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اس طرح دعا کرے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ ...... اے اللہ ہمارے کھانے میں برکت عنایت فرما اور اس سے بہتر کھلا۔ اور تم میں سے کسی کو دودھ پلایا جائے۔ تو وہ اس طرح دعا کرے اللهم بارك لنا فيه ......اے اللہ ہمارے اس دودھ میں برکت دے اور ہمیں اس سے زیادہ پہنچا یعنی اس طرح نہ کہے کہ اس سے بہتر پہنچا اس لئے کہ دودھ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ کھانے پینے کی جگہ دودھ کفایت کرنے والا ہے۔ یہ سیر اور سیراب کرتا ہے یہ ترمذی کی روایت ہے اور ابوداؤد نے بھی نقل کی ہے۔

تشریح: قوله اللهم بارك لنافيه وزدنا منه: یہ حدیث واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ دودھ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، اسی وجہ سے نومولود کی پہلی غذاء بھی دودھ کو قرار دیا، خالق کائنات نے اس میں عجیب وغریب فوائد رکھے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ٦٦] ''اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔''

اور اس کی تعلیل کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ایک اور وجہ بیان فرمائی: فانه ليس شيئى ـيجزى من الطعام والشرب الا اللبن۔ ''يجزى'': یاء کے ضمہ، زاء کے کسرہ اور ہمزہ کے ساتھ

إلا اللبن: اس میں دو وجوہ اعراب ہیں: ❶ يجزئ کی ضمیر سے ''بدل'' ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ❷ منصوب على الاستثناء بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

تخریج وتوضیح: شرح طیبی میں ہے: قال الخطابی: قوله: ''فإنه ليس شئ يجزى'' هذا لفظ مسدد وهو الذى روى عنه أبو داوٗد هذا الحديث، وظاهر اللفظ يوهم أنه من تتمة الحديث۔اھ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حصہ بھی مرفوع ومسند ہے، اس کو مسدد کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے شمائل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے: قال: دخلت مع رسول اللّٰهﷺ، أنا وخالد بن الوليد على ميمونة، فجاء تنا بإناء من لبن، فشرب رسول اللّٰهﷺ، وأنا على يمينه، وخالد عن شماله، فقال لى: الشربة لك فإن شئت آثرت بها خالدا، فقلت: ما كنت لأوثر على سؤرك أحدا، ثم قال رسول اللّٰه ﷺ: من أطعمه الله طعاما فليقل: اللهم بارك لنا فيه، وأطعمنا خيرًا منه، ومن سقاه الله لبنا فليقل: اللهم بارك لنا فيه وزدنا منه۔ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: ليس شئ يجزى مكان الطعام والشراب غير اللبن۔اھ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کی مکمل شرح شرح شمائل میں بہت وضاحت کے ساتھ ذکر کی ہے۔

تخریج: اسی طرح اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ الجامع الصغیر میں ہے۔

سقیاء کا پانی نوش فرمانا

۴۲۸۴: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنَ السُّقْيَا قِيلَ هِيَ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ يَوْمَانِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/١١٩ الحديث رقم ٣٧٣٥، وأحمد فى المسند ٦/١٠٠

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ کے لئے سقیاء سے میٹھا پانی لایا جاتا۔ یہ مدینہ منورہ سے دو منزل پر واقع ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: یستعذب: بصیغۂ مجہول ہے۔ (میٹھا پانی لانا)

السقیا: سین مہملہ کے ضمہ، قاف کے سکون، یا مثناۃ اور قصر کے ساتھ۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: **ھی قریة جامعة بین مکة والمدینة**۔ اور قاموس میں لکھتے ہیں: **السقیا بالضم موضع بین المدینة وواد بالصفراء**۔

تخریج وتوضیح: الجامع الصغیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: **کان یستعذب له الماء من بیوت السقیا**۔ اور ایک روایت میں یوں ہے: **یستسقی له الماء العذب من بئر السقیا**۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ جگہیں ہوں، اور چشمہ، یا کنواں ہونے میں بھی کوئی منافات نہیں، ممکن ہے کہ متعدد جگہیں ہوں۔

الفصل الثالث:

سونے کے برتن میں پینے والا پیٹ میں آگ بھرنے والا

۴۲۸۵: **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ شَرِبَ فِیْ اِنَآءِ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ اَوْ اِنَاءٍ فِیْهِ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ .**

أخرجه الدارقطنی فی السنن ۱/ ٤٠ الحدیث رقم ۱ من کتاب الطهارة۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں یا جو برتن کچھ سونا چاندی ہو اس سے پانی پیئے گا وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ پیتا ہے۔ یہ دارقطنی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: أو اناءٍ فیه شیءٌ من ذٰلك**:

واضح رہے کہ اس جملہ کے علاوہ حدیث کے باقی حصہ کی تشریح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

"**ذٰلك**": کا مشار الیہ شیئ مذکور ہے یا "**کل واحد منهما**" ہے۔ اور "**اناء**" (مجرور ہے۔ اس سے پہلے حرف جر مقدر ہے) **ای فی اناء**: امام نوویؒ فرماتے ہیں اس میں کئی صورتیں ہیں۔ صحیح ترین اور مشہور ترین یہ ہے کہ:

اس میں سونے یا چاندی کی چھوٹی چھوٹی کیلیں وغیرہ لگی ہوئی ہوں اور ضرورت کے بقدر ہوں تو وہ حرام و مکروہ کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی، لیکن اگر زائد از ضرورت ہوں اور بڑی بڑی ہوں تو پھر وہ حرام کے حکم میں ہوں گی۔ سونے اور چاندی کے برتنوں اور ان برتنوں کے جن میں سونے یا چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہوں کے استعمال کی حرمت میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ اور قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا اور تیل ڈالنا مکروہ ہے، مجابر، مکاحل اور مداہن کا بھی یہی حکم ہے، سونے چاندی کے سرمہ کی سلائی سے سرمہ لگانے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی حکم سونے چاندی کی ملمع چارپائی اور کرسی

کا ہے اور یہی حکم سونا چاندی کے ملمع چراغ کا ہے' اور اسی طرح حکم لگام اور رکاب کا ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں سونے چاندی کے ملمع برتنوں میں کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ جس جگہ منہ لگا کر پیا جائے وہاں لکڑی ہو (یعنی وہاں ملمع نہ کیا ہو۔) کرسی اور چارپائی پر مرد عورت اور خشب والے حصہ پر بیٹھے سونا چاندی والے حصہ پر نہ بیٹھے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور تیل رکھنے اور سونے کی چیزوں پر بیٹھنے کا جو حکم مردوں کے لئے ہے وہی عورتوں کے لئے بھی ہے' البتہ عورتوں کے لئے سونا چاندی کا زیور جائز ہے اور مردوں کے لئے سونا' چاندی یا ان کی ملمع چیزوں میں سے صرف چاندی کی انگوٹھی' تلوار اور اسلحہ کے قبضہ میں رخصت ہے' چونکہ یہ رخصت مروی ہے۔

بَابُ النَّقِيْعِ وَالْاَنْبِذَةِ

نقیع اور نبیذوں کے بیان میں

"أنبذة" بروزن أفعلة جیسے أطعمة۔ "نبیذ" کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: نبذت التمر والعنب، إذا ترکت علیه الماء لیصیر نبیذا، پھر اس لفظ کو مفعول سے فعیل کی طرف پھیر دیا گیا

قاموس میں لکھا ہے: "النبذ" کے معنی ہیں "الطرح" یہ باب ضرب سے مستعمل ہے۔ اور "نبذ" کے (لغوی) معنی ہیں "الملقی" (پھینکا ہوا) نچوڑے ہوئے شیرہ وغیرہ کو بھی "نبیذ" کہتے ہیں۔ یہ دیگر ابواب سے بھی مستعمل ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: وقد نبذه وانبذه وانتبذه ونبذه "ای طرح الزبیب وکوه فی الماء (ماخوذ فوائد حدیث: ۴۲۸۷، ۴۲۸۸)۔ "النهایة" میں ہے "نقیع" سے مراد ہے یہاں وہ مشروب ہے جو کشمش وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ یہ مشروب آگ پر پکائے بغیر تیار کیا جاتا ہے۔ اور "نبیذ" سے مراد وہ مشروب ہے جو کھجور، کشمش شہد گندم اور جو وغیرہ سے بنایا جائے۔ میرکؒ فرماتے ہیں: نبیذ حلال ہے، جب تک کہ اس میں مٹھاس رہے اور نشہ پیدا نہ ہو۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "کل مسکر حرام"

نبی کریم ﷺ جو مشروبات نوش فرمایا کرتے تھے ان میں ایک نقیع اور نبیذ بھی ہے۔

نقیع بنانے کا طریقہ: انگور یا کھجوروں کو پانی میں محض بھگو دیا جاتا ہے اس کو جوش نہیں دیا جاتا، اس طرح انگور یا کھجوروں کی مٹھاس اس پانی میں آ جاتی ہے اور ایک عمدہ قسم کا شربت بن جاتا ہے

چنانچہ خرما کا نقیع معدہ کے نظام کو درست کرتا ہے اور کھانے کو جلد ہضم کرتا ہے جب کہ انگور کا نقیع جسم کی زائد حرارت کو دفع کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔

نبیذ بنانے کا طریقہ: انگور یا کھجوروں کو پانی میں بھگو کر کچھ عرصہ تک کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اس میں کچھ ہلکی سے تیزی اور تغیر پیدا ہو جائے، لیکن اتنی تیزی یا اتنا زیادہ تغیر نہیں جو نشہ آور ہو جانے کی حد تک پہنچ جائے، کیونکہ جس نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اس کا پینا قطعاً حرام ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ اس نبیذ کو ہرگز نہیں پیتے تھے جس پر تین دن سے زائد کا عرصہ گزر جاتا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا۔

نقیع اور نبیذ دونوں لذیذ و مفید مشروب ہیں۔ یہ مقوی بدن ہونے کے ساتھ ساتھ محافظ صحت بھی ہیں۔

مصنف مشکوٰۃ نے اوپر عنوان میں انبذہ جمع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے تا کہ اس کی متعدد اقسام وانواع کی طرف اشارہ ہو جائے۔

الفصل الاول:

پانی' شہد' نبیذ اور دودھ کا استعمال

۴۲۸۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِقَدْحِيْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَآءَ وَاللَّبَنَ ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/ ۱۵۹۱ الحديث رقم (۸۹۔ ۲۰۰۰)' وأحمد في المسند ۳/ ۲۴۷۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس پیالہ کے ساتھ شہد' نبیذ' پانی اور دودھ پلایا ہے یہ مسلم کی روایت ہے۔ •

تشریح: قوله: بقد حی هذا: شمائل کی روایت میں ''بهذا القدح'' ہے۔ یہ لکڑی کا پیالہ تھا' آنحضرت ﷺ جس پیالہ میں پینے کی چیزیں پیا کرتے تھے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نضر بن انسؓ کی میراث میں سے آٹھ لاکھ درہم کے عوض خریدا گیا تھا۔ امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا تھا اور اس مبارک پیالے میں پانی بھی پیا۔

''الشراب'': ''سقیت'' کا مفعول ہے۔ ''ال'' جنس کا ہے' انواع اشربہ کی جنس مراد ہے۔

''كله'': تاکید ہے۔

العسل: اس میں دو ترکیبی احتمال ہیں: ❶ ''کل'' سے ''بدل البعض'' ہے۔ ❷ کہا گیا ہے کہ ''عطف بیان'' ہے۔ عسل سے مراد شہد کا شربت ہے' چونکہ شہد پیا نہیں جاتا بلکہ چاٹا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ (اس سیاق میں ''عسل'' کا ذکر) تغلیباً ہو مشروبات میں سے ''عسل'' کا ذکر خصوصی طور پر فرمایا اس کے اہتمام کی وجہ سے' اور اس وجہ سے کہ یہ پینے کی انواع میں سے سب سے مشہور ہے۔

قوله: والنبيذ والماء واللبن: اس میں واؤ مطلق جمع کیلئے ہے۔ شمائل کی روایت میں یہ ترتیب کچھ مختلف ہے۔ وہاں یوں ہے: الماء والنبيذ والعسل واللبن۔

تخریج: حضرت انسؓ سے مروی ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

قال: لقد سقيت رسول الله ﷺ من هذا القدح أكثر من كذا وكذا

مشک میں نبیذ بنانا

۴۲۸۷: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكَأُ اَعْلَاهُ وَلَهٗ عَزْلَاهُ نَنْبِذُهٗ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهٗ عِشَآءً وَنَنْبِذُهٗ عِشَاءً فَيَشْرَبُهٗ غُدْوَةً ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ۱۵۹۰/۳ الحديث رقم (۸۵-۲۰۰۵)، وأبو داوٗد فى السنن ۱۰۴/٤، الحديث رقم ۳۷۱۱، والترمذى فى ۲٦۱/٤ الحديث رقم ۱۸۷۱ وابن ماجه فى ۱۱۲٦/۲ الحديث رقم ۳۳۹۸۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک مشک میں نبیذ بناتے تھے کہ اس کی اوپر والی جانب بند کر دیتے اس کی نچلی جانب بھی ایک منہ تھا جس سے اس میں کھجوریں ڈالی جاتی تھیں ہم صبح کو کھجوریں ڈالتے تو آپ ﷺ اس کو رات کے وقت استعمال فرماتے اور اگر رات کے وقت ڈالتے تو آپ صبح کے وقت استعمال فرماتے یہ مسلم نے روایت نقل کی ہے۔

تشریح: ننبذ: بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ ہے' بصیغۂ معروف ہے۔اس کے مادہ سے متعلقہ مزید تفصیل کیلئے ابتدائیہ ملاحظہ فرمائیے۔

''سقاء'': سین کے کسرہ اور مد کے ساتھ

یوکأ: ''وکاء'' سے ماخوذ ہے، اصول معتمدہ میں یہ کلمہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔اور بعض نسخوں میں الف مقصورہ کے ساتھ بصورت یاء ہے۔مصباح میں لکھتے ہیں: أوکأت السقاء بالهمزة: شددت فمه بالوکاء۔

اور المغرب میں لکھتے ہیں: أوکأ السقاء الوقاء: شده بالوکاء وهو الرباط، ومنه السقاء الموکأ۔صاحب قاموس نے اس کلمہ کو مہموز میں ذکر نہیں کیا، بلکہ معتل میں ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: الوکاء ککساء رباطة القربة وغيرها، وقد وکاها وأوکأها، وعليها اھ۔پس صحیح یہ ہے کہ یہ معتل ہے صاحب ''المصباح'' کی عبارت میں موجود ''بالهمزة'' کی قید میں احتمال ہے کہ اس کا تعلق ''السقاء'' کے ساتھ ہو۔انہوں نے اس کو ہمزہ کے ساتھ لکھ دیا' حالانکہ حق یہ تھا کہ ''أوکیت'' لکھتے۔

اس کی تائید اگلی حدیث میں وارد ''أوکوا'' کے الفاظ سے ہوئی ہے' اصول معتمدہ میں کاف کے ضمہ کے ساتھ۔واللہ اعلم۔

عزلاء: عین مہملہ مفتوحہ، رائے معجمہ ساکنہ اور الف ممدودہ کے ساتھ،

''عزلاء'' سے یہاں مشک کا دہانہ مراد ہے جو اس کے نیچے کی طرف ہو' ابن الملکؒ فرماتے ہیں اس کے نیچے کے حصے میں ایک دہانہ تھا جس سے پانی پیا جاتا تھا' قاموس میں لکھتے ہیں: العزلاء مصب الماء من الرواية ونحوها اھ۔

غدوة: بالضم نماز فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت۔

عشاء: بکسر الاول زوال کے بعد سے مغرب تک کا وقت۔(علی ما فی النهاية)

وله عزلاء: یہ جملہ حالیہ ہے۔

ننبذه: یہ جملہ مستانفہ ہے۔

نبیذ کا استعمال تین دن سے پہلے پہلے

۴۲۸۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُنْبَذُ لَهٗ اَوَّلَ اللَّيْلِ فَيَشْرَبُهٗ اِذَا اَصْبَحَ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ

اللَّيْلَةَ الَّتِي تَجِيْءُ وَالْغَدَ وَاللَّيْلَةَ الْأُخْرٰى وَالْغَدَ إِلَى الْعَصْرِ فَإِنْ بَقِيَ شَيْءٌ سَقَاهُ الْخَادِمَ أَوْ أَمَرَ بِهٖ فَصُبَّ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في ۳/۱۵۸۹ الحديث رقم (۷۹۔۲۰۰٤) وأحمد في المسند ۱/۲٤۰۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیذ بنائی جاتی۔ اگر رات کے شروع میں ڈالتے تو آپ اس دن صبح کونوش فرماتے اور آئندہ رات اور اگلا دن اور اگلی رات اور اس کے بعد اگلے دن عصر تک استعمال فرماتے اگر کچھ باقی ہوتی تو خادم کو پلاتے یا اسے پھینک دینے کا حکم فرماتے یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **ينبذ له**: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

أصح يومه: منصوب علی الظرفیۃ ہے، یشربہ کیلئے مفعول فیہ ہے۔

ذلك: امام طیبیؒ فرماتے ہیں "یومہ" کیلئے صفت ہے۔ **أي يوم الليل الذي ينبذ له فيشربه وقت دخوله في وقت الصباح۔**

والليلة: اس کا عطف "یومہ" پر ہو رہا ہے، **على سبيل الانسحاب لا التقدير**۔ اگلہ جملہ بھی اسی طرح ہے۔

سقاه الخادم او امربه میں حرف او (یا) اظہار شک کے لئے نہیں ہے بلکہ تنویع کے لئے ہے' اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تیسرے دن عصر کے وقت تک پینے کے بعد جو نبیذ بچ جاتی اس کو پھینک دیتے تھے' اس اندیشہ ہے کہ کہیں اس میں تغیر نہ آ گیا ہو یا نشہ کی حد تک نہ پہنچ گئی ہو۔ مظہرؒ فرماتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نبیذ کو استعمال نہیں فرماتے تھے چونکہ وہ تلچھٹ ہوتی تھی اور "اسکار" کی حد تک نہیں پہنچی ہوتی تھی اور اگر اس میں نشہ کا اثر آجاتا تو پھر خادم کو بھی پینے کیلئے نہیں دیتے تھے بلکہ پھینکوا دیتے تھے۔

یہ دلالت کرتا ہے کہ نبیذ استعمال کرنا درست ہے جب تک وہ "مسکر" نہ ہو' اور اس پر بھی دال ہے کہ آقا کے لئے جائز ہے کہ وہ خود اوپر کا کھانا کھائے اور نیچے کا کھانا اپنے مملوک کو کھلائے۔

صبّ: مجہول کا صیغہ ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: حضرت عائشہؓ کی حدیث: "**ينبذه غدوة فيشربه عشاء**" اس حدیث کے منافی نہیں، چونکہ اسی دن پی لینا، زیادت کے منافی نہیں۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ذکر کردہ معمول موسم گرما کا تھا، چونکہ گرمی میں خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس کی حدیث میں ذکر کردہ معمول ایسے معتدل موسم کا ہے جس میں تین دن سے پہلے اس میں تغیر واقع نہیں ہوتا تھا، اور کہا گیا ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نبیذ قلیل پر محمول ہے، اور حدیث ابن عباس نبیذ کثیر پر محمول ہے۔

پتھر کے برتن میں نبیذ

۴۲۸۹: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ يُنْبَذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سِقَاءٍ فَإِذَا لَمْ يَجِدُوْا سِقَاءً يُنْبَذُ لَهٗ فِيْ تَوْرٍ

مِنْ حِجَارَةٍ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٥٨٤/٣ الحديث رقم (٦٢-١٩٩٩)، وأبو داوٗد في السنن ٩٩/٤ الحديث رقم ٣٧٠٢، والنسائي في ٣٠٩/٨ الحديث رقم ٥٦٤٨، وابن ماجه في ١١٢٦/٢ الحديث رقم ٣٤٠٠، والدارمي في ١٥٧/٢ الحديث رقم د٢١٠٧، وأحمد في المسند ٣٠٤/٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے مشک میں نبیذ بنائی جاتی اور اگر مشک نہ ہوتی تو پتھر کے برتن میں بنائی جاتی۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''تور'': تائے فوقیہ مفتوحہ اور واؤ ساکنہ کے ساتھ مراد ''ظرف'' یعنی برتن ہے۔ پتھر کا ایک چھوٹا برتن کہ جس سے مشروب پیتے تھے، اور وضو بھی کرتے تھے۔ اور ابن الملکؒ فرماتے ہیں: ہانڈی کے مشابہ پانی پینے کا ایک برتن ہوتا تھا۔ اور النہایہ میں لکھتے ہیں کہ ''إجانة'' کی مانند ایک برتن ہوتا تھا جو پیتل یا پتھر کا ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھارا سے وضو بھی کیا جاتا تھا۔ قاموس میں ہے کہ (تور) ایک برتن ہے جس سے مشروب پیا جاتا ہے، اور یہ کلمہ مذکر ہے۔

چار ممنوعہ برتن

۴۲۹۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَاَنْ يُّنْبَذَ فِيْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٥٨٠/٣ الحديث رقم (٤٦-١٩٩٧)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ کدو/ لاکھ کا بنا ہوا برتن، رال سے روغن شدہ برتن، لکڑی کا برتن۔ بلکہ مشک میں نبیذ بنانے کا حکم فرمایا۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے آغازِ اسلام میں ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت فرمائی تھی اور اس ممانعت کی بنیاد یہ خوف تھا کہ کہیں ان برتنوں میں بنائی جانے والی نبیذ میں جلد نشہ پیدا نہ ہو جائے اور اس کے بارے میں معلوم بھی نہ ہو سکے، لیکن جب نشہ کی حرمت نازل ہوئے اچھی خاصی مدت گزر گئی اور لوگوں میں یہ حرمت اچھی طرح راسخ و مشہور ہو گئی تو پھر ہر برتن میں نبیذ بنانا مباح کر دیا گیا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو گا۔ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔

''آدم'': بروزن قمر، بمعنی الأديم یعنی چمڑا۔

النقیر: یہ فعیل بمعنی مفعول یعنی ''منقور'' کے معنی میں ہے یہ لکڑی کا ہوتا تھا۔

أن ینبذ: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

الدباء: بمد و قصر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

المزفت: فاء کی تشدید و فتحہ کے ساتھ ہے۔

حلت وحرمت کا دارومدار برتن پر نہیں

۴۲۹۱: وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نُهِيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَاِنَّ ظَرْفًا لَايُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاَشْرِبَةِ اِلَّا فِيْ ظُرُوْفِ الْاَدَمِ فَاشْرِبُوْا فِيْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَاَنْ لَا تَشْرِبُوْا مُسْكِرًا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۵۸۵/۳ الحديث رقم (۶۵-۹۷۷)، والترمذي في السنن ۲۶۰/۴ الحديث رقم ۱۸۶۹، وأحمد في المسند ۳۵۹/۵۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان ظروف میں نبیذ بنانے کی ممانعت کی تھی تم نے خیال کرلیا کہ حلت وحرمت کا دارومدار برتنوں پر ہے۔ حالانکہ اس طرح نہیں۔ کوئی برتن اس چیز کو حلال نہیں کرتا جس کو حرام کردیا گیا۔ اور جو حلال ہے اس کو حرام نہیں کرتا۔ حکم یہ ہے کہ جو چیز نشہ لائے وہ حرام ہے یعنی جس برتن میں بھی اس کو پیا جائے اور جو چیز نشہ نہ لائے وہ جس ظرف میں بھی ہو وہ حلال ہے اور ایک روایت میں اس طرح وارد ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو پینے کی چیزوں سے منع کیا تھا۔ یعنی مذکورہ ظروف میں، مگر چمڑے کے برتن۔ اب میں نے اس حکم کو منسوخ کیا اور تمام ظروف میں پینا مباح کیا ہے ہر برتن میں پیو مگر نشہ والی چیز نہ پیو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **نهيتكم عن الظروف**: یہاں کچھ عبارت محذوف ہے۔ **اى عن الانتباذ فى ظرف من هذه الظروف**۔ ان ظروف کا ذکر پچھلی روایت میں گذرا ہے۔

فإن ظرفا: ایک نسخہ میں واؤ کے ساتھ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فاء عاطفہ ہے، اور عطف کلام محذوف پر ہے۔ **أى نهيتكم عن الظروف، وظننتم أنها تحل وتحرم، وليس الأمر كذلك فإن ظرفا الخ**۔

لا يحل: یائے کے ضمہ کے ساتھ۔ **أى لا يبيح**۔

قال: نهيتكم: الجامع کی روایت میں یوں ہے: **كنت نهيتكم**

إلا فى ظروف الأدم: استثناء منقطع ہے، چونکہ منہی عنہ ظروف مخصوصہ کے تیار کردہ مشروبات ہیں۔ اور چمڑے کے ظروف اس جنس میں سے نہیں ہیں۔ **ذكره الطيبي**۔

"**فاشربوا**": اس کا عطف کلام محذوف پر ہے: **أى نهيتكم أوّلا عن ذلك فالآن نسخت فاشربوا**۔

"**غير أن لا**": منصوب ہے مستثنیٰ منقطع ہونے کی وجہ سے۔ اور "لا" زائدہ برائے تاکید ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: **أبيح لكم شرب ما فى كل إناء غير شرب المسكر**۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابتدا اسلام میں حنتم، دباء، مزفت اور نقیر میں نبیذ بنانا ممنوع تھا، اس خوف سے کہ کہیں نبیذ میں نشہ نہ پیدا ہو جائے اور اس کی کثافت کی وجہ سے پتہ نہ چلے، پس جب طویل زمانہ گذر گیا، اور مسکرات کی حدیث مشہور ہو چکی اور یہ حکم

حرمت ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا' اور ہر برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی گئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ جو نبیذ مسکر ہو اس کو ہرگز مت پئیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: **كنت نهيتكم عن الأوعية فانبذوا واجتنبوا كل مسكر** اھ۔ یہ حدیث ان احادیث بدیعہ میں سے ہے جن میں ناسخ و منسوخ دونوں مذکور ہیں۔

الفصل الثانی:

شراب کو اور نام سے پینے والے

۴۲۹۲: وَعَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَ شْعَرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِی الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٩١ الحديث رقم ٣٦٨٨' وابن ماجه فی ٢/١٣٣٣ الحديث رقم ٤٠٢٠' وأحمد فی المسند ٥/٣٤٢۔

ترجمه: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا میری امت کے کئی لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام اور رکھیں گے۔ یہ ابوداؤد و ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: یشربن: (یہاں قسم محذوف ہے۔) **أی والله ليشربن:** تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **أی يستترون فی شربها بأسماء الأنبذة۔** اور ابن الملکؒ لکھتے ہیں: **أی يتوصلون إلٰی شربها بأسماء الأنبذة المباحة كماء العسل وماء الذرة ونحو ذلك يزعمون أنه غير محرم لأنه ليس من العنب والتمر وهم فيه كاذبون لأن كل مسكر حرام** ۔اھ

مطلب یہ ہے کہ لوگ نام کو پردہ بنائیں گے' مثلاً نبیذ یا مباح شربت جیسے ماء العسل وغیرہ کو نشہ آور بنا کر پئیں گے اور یہ گمان کریں گے کہ یہ حرام نہیں ہے کیونکہ نہ اس کو انگور کے ذریعہ بنایا گیا ہے اور نہ کھجور کے ذریعہ' حالانکہ وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہوں گے کیونکہ اصل حکم یہ ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے پس مدار مسکر کی حرمت پر ہے' چنانچہ ''قہوہ'' پینے میں کوئی نقصان کی بات نہیں' وہ قہوہ جو مشہور درخت کے چھلکے سے بنایا جاتا ہے' چونکہ اس میں نشہ نہیں ہے' اگرچہ اس کو زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے' اگرچہ ''قہوہ'' شراب کے ناموں میں سے ہے' چونکہ اصل اعتبار تو مسمّٰی کا ہے (نہ کہ اسم کا) جیسا کہ نفس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

واضح رہے کہ تشبہ بالخمر بھی منہی عنہ ہے اگر متحقق ہو' اگرچہ پانی یا دودھ وغیرہ پینے میں ہی کیوں نہ ہو۔

تخریج و توضیح: اسی طرح اس روایت کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ، ابن حبان، طبرانی اور بیہقی نے اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے: **ويضرب علی رؤوسهم بالمعازف والقينات يخسف الله بهم الأرض، ويجعل منهم قردة وخنازير۔**

الفصل الثالث:

نفرت دلانے کے لئے روغنی گھڑے میں نبیذ کی ممانعت

۴۲۹۳: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَبِیْذِ الْجَرِّ الْاَخْضَرِ قُلْتُ اَنَشْرَبُ فِی الْاَبْیَضِ قَالَ لَا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۵۸ الحدیث رقم ۵۵۹٦' وأحمد فی المسند ۳۵۳/٤۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سبز گھڑے کی نبیذ سے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کیا ہم سفید گھڑے کی پی لیں فرمایا نہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: "نبیذ الجر الأخضر": یہ اضافت بمعنی "فی" ہے۔ "جرار" اور "جر" جرة بالفتح کی جمع ہیں۔ **الجرة هی کل ما یصنع من مدر**۔ (ہر وہ چیز جو مٹی سے بنی ہو) (علی ما فی المغرب والنهایة)۔ **وهی الإناء المعروف من الفخار**۔ اوران گھڑوں سے مراد بھی تیل والے گھڑے ہیں' چونکہ ان گھڑوں میں تیار شدہ شراب میں شدت اور نشہ جلد پیدا ہوتا تھا۔

خطابیؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے سبزہ کا ذکر کیا چونکہ اس زمانہ میں عام طور پر سبز مٹکوں میں نبیذ بنائی جاتی تھی' اس لئے سبز ہی کا ذکر کر دیا ورنہ سبز سفید کا حکم ایک ہی ہے کہ یہ حدیث اس ضابطہ پر دلالت کر رہی ہے: **لا اعتبار بالمفهوم فی الدلیل**۔

بَابُ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ وَغَيْرِهَا

برتنوں وغیرہ کوڈھانکنے کا بیان

مرتب عرض کرتا ہے ملا علی قاریؒ کے نسخہ میں ''وغیرھا'' کی زیادتی موجود نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ایک نسخہ صحیحہ میں ''وغیرھا'' کی زیادت موجود ہے۔ لہٰذا ضمیر ''آنیۃ'' کی طرف راجع ہے الا یہ کہ ''اوانی'' میں تخصیص کی جائے اور پانی کے برتن مراد لئے جائیں جیسا کہ شراح نے ذکر کیا ہے کہ

''اوانی'' جمع کثرت ہے، إناء کی، اور آنیة جمع قلت ہے، قاموس میں لکھتے ہیں: الإناء معروف۔ اور مراد یہ ہے کہ تمام برتنوں کو ڈھک دیا جائے' برتنوں کو کھلا نہ رکھا جائے' خصوصاً رات میں' چونکہ اس وقت ''ھوام'' (زہریلے کیڑے مکوڑے) پھیل چکے ہوتے ہیں اور صاحب ''مظاہر'' لکھتے ہیں:

اس باب میں وہ احادیث مذکور ہوں گی جو رات کو سوتے وقت برتنوں کو ڈھانکنے' دروازوں کو بند کر دینے اور چراغ کو بجھا دینے جیسے امور کے سلسلے میں منقول ہیں۔

الفصل الاول:

رات کے وقت اللہ کا نام لے کر برتنوں کو ڈھانک دو

۴۲۹۴: عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ اَوْاَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَاَغْلِقُوْا الْاَبْوَابَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ لَا يَفْتَحُ بَاباً مُّغْلَقاً وَاَوْكُوْا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرُوْا اٰنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْاَنْ تَعْرِضُوْا عَلَيْهِ شَيْئاً وَاطْفَؤْا مَصَابِيْحَكُمْ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيح ٦/٣٣٦ الحديث رقم ٣٢٨٠' ومسلم في ٣/١٥٩٥ الحديث رقم (٩٧-٢٠١٢) وأبو داوٗد في السنن ٤/١١٧ الحديث رقم وأحمد في المسند ٣/٣٠٦۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رات کی ابتداء ہو یا شام ہو تو تم اپنے بچوں کو بند رکھو یعنی ان کو گھروں سے باہر گلی کوچوں میں مت پھرنے دو۔ اس لئے کہ شیطان یعنی اس وقت جنات منتشر ہوتے ہیں پس جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے اور مناسب ہو تو لڑکوں کو چھوڑ دو اور گھر کے دروازوں کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کر دو۔ کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کیا جائے۔ یعنی اگرچہ شیاطین دروازوں اور دیواروں میں بیٹھنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے بیٹھنے کی مجال نہیں رکھتے۔ اور اپنی مشکوں کے منہ باندھ دو یعنی جن میں پانی ہو تا کہ ان میں کوئی کیڑا مکوڑہ وغیرہ نہ گھسے اور اللہ تعالیٰ کا نام لو یعنی

باندھتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اور اپنے برتن ڈھانپ دو اور اللہ تعالیٰ کا نام لو یعنی ان پر ڈھکنا رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اگر چہ عرض میں کوئی چیز رکھو یعنی اگر ڈھانپنے کی کوئی چیز نہ ہو تو لکڑی چوڑائی میں رکھ دینا بھی کفایت کر جائے گا اور اس سے کراہت دور ہو جائے گی اور وہ ضرر ختم ہو جائے گا جو کہ نہ ڈھانکنے کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً شیاطین کا تصرف وغیرہ۔ اور اپنے چراغوں کو بجھا دو یعنی سوتے وقت یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ یعنی یہ الفاظ ان کے مشترک ہیں اور ہر ایک کی روایت میں یہ مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

تشریح: ''جنح'': اس لفظ کے سلسلہ میں اہل لغت و اہل علم کی آراء مختلف ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) **بكسر الجيم على المشهور۔** (۲) **وقيل بضمها جنح الليل بفتح النون أقبل حين تغيب الشمس،** (رات آنا) **كذا في سلاح المؤمن۔** (۳) **وفي القاموس: الجنح بالكسر من الليل الطائفة ويضم** (رات کا ایک حصہ) (۴) **وقال بعض شراح المصابيح وتبعه الطيبي: جنح الليل بالفتح والكسر طائفة منه، وأراده به هنا۔** (۱) **الطائفة الأولى** (۲) **وقيل ظلمته وظلامه** (رات کی تاریکی) کہا گیا ہے کہ یہاں قول معنی مراد ہیں۔

''**أو أمسيتم**'': راوی کو شک ہے۔

''**فكفّوا**'': کاف کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ یعنی بچوں کو بار بار گھر سے باہر جانے سے روکو اس وقت۔

''**فإن الشيطان ينتشر**'': ''شیطان'' سے مراد جن ہیں۔ جنس مراد ہے۔ ''شیطان'' سے مراد جن ہیں۔ جن مراد ہے۔ حصن کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: **فإن الشياطين تنتشر۔**

''**فاذا ذهب ساعة**'': میرک فرماتے ہیں۔ بخاری کے اکثر رواۃ نے ''ذهبت'' ضبط کیا ہے، اور کشمیہنی نے ''ذهب'' نقل کیا ہے۔ اس صورت میں ''ساعة'' بمعنی ''وقت'' مراد ہوگا، یا یہ کہ ''ساعة'' مؤنث غیر حقیقی ہے۔ ''**من الليل**'': ایک روایت میں ''**من العشاء**'' کے الفاظ ہیں۔

''**أغلقوا**'': **إغلاق** مصدر سے امر کا صیغہ ہے۔ چنانچہ قاموس میں لکھتے ہیں: **غلق الباب يغلقه** (یعنی مجرد میں از باب ضرب استعمال کرنا) ہلکا پن ہے، **أغلقه** ایک ردی لغت ہے۔

''**لا يفتح بابا مغلقا**'' کو تسمیہ کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل فصل ثانی کی یہ پہلی حدیث ہے: **فإن الشيطان لا يفتح بابا إذا أجيف وذكر اسم الله عليه۔** (**كذا ذكره الطيبي**)۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان (یعنی جن) اس دروازہ کو کھولنے پر قادر نہیں ہوتا چونکہ اس کو اس قسم کا دروازہ کھولنے کی (من جانب اللہ) اجازت نہیں ہوتی ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب دروازہ کھلا ہوا یا بند ہو لیکن اس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند نہ کیا گیا ہو۔ ابن الملک فرماتے ہیں۔ بعض فضلاء کا کہنا ہے کہ شیطان سے مراد ''**شيطان الإنس**'' ہے، چونکہ دروازوں کا بند کرنا ''شیطان الجن'' کو نہیں روک سکتا۔ لیکن یہ کہنا محل نظر ہے، چونکہ بند کرنے سے مراد اللہ کا نام لے کر بند کرنا مراد ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ تسمیہ کی برکت سے ہر جہت سے ان کا داخلہ ممنوع ہو، اور باب کا ذکر اس طور پر ہے کہ دروازہ سے آنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ جب دروازہ سے آنا ممنوع ہو گیا تو مشکل راستوں سے آنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

چنانچہ الجامع الصغیر کی ایک روایت میں ابوامامہ سے مرفوعاً مروی ہے: أجيفوا أبوابكم، واكفوا آنيتكم، وأوكوا أسقيتكم، واطفؤوا سرجكم، فإنهم لم يؤذن لهم بالتسوّر عليكم

''أوكوا'': ہمزہ کے فتحہ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ای شدوا وار بطوا۔

''قربكم'': قربة کی جمع ہے۔ ا(یہاں اصل میں مضاف محذوف ہے) ای رؤس قربکم وأفواھھا بالوکاء۔ ''وکاء'' رسی کو کہتے ہیں۔ یہ حکم اس لئے دیا تاکہ مشکیزہ میں کوئی حیوان داخل نہ ہو سکے یا اس میں کوئی شئی نہ گر جائے۔ ابن حجرؒ نے اس کو'' بکسر الكاف وبعدها همزة'': ضبط کیا ہے یہ ضبط اصول معتمدہ اور کتب لغت کے مخالف ہے، قصہ مختصر یہ ضبط روایت ودرایت ہر دو کے منافی ہے۔ خمروا: خائے معجمہ کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ بمعنی غطّوا۔

''تعرضوا'': راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ۔ لیکن ضمہ پڑھنا کسرہ پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ فصیح ہے۔ اور ''علیہ'' کی ضمیر کا مرجع وہ اناء ہے جو آنیہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے :''ولو أن تعرضو اعلى رأس الاناء شيئا بالعرض من خشب ونحوه'' ۔ ''ان'' اپنے مدخول کے ساتھ مل کر بتاویل مصدر محلاً منصوب ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے: ولو کان تخمرکم عرضا۔ اوفقط عرضا رکھنے پر اکتفاء میں راز یہ ہے کہ برتن کو ڈھانپا جائے، چونکہ غرض یہ ہے کہ ڈھانپتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، پس عرضاً رکھنا تسمیہ کی علامت ہوگا اور شیطان اس کے پاس جانے سے باز رہے گا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ''لو'' کا مابعد فاعل ہے فعل مقدر کا۔ اصل عبارت یوں ہے: ولو ثبت أن تعرضوا عليه شيئا۔ اور جواب ''لو'' محذوف ہے۔ ای: لكان كافيا۔ مکمل عبارت یوں ہے: ولو خرتموها عرضا بشئ نحو العود وغيره و ذكرتم اسم الله عليه لكان كافيا۔ مقصود یہ ہے کہ ہر فعل کے ساتھ اللہ کا نام لیا جائے تاکہ شیطان وباء حشرات وھوام سے حفاظت حاصل ہو سکے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ ارشاد گرامی ہے: باسم الله الذى لايضر مع اسمه شى فى الارض ولا فى السماء۔

وأطفئوا: پہلے ہمزہ مفتوحہ قطعی، پھر طاء مہملہ ساکن، پھر فاء مکسورہ، اور پھر ہمزہ مضمومہ ہے

مصابیحکم: مصباح کی جمع ہے، بمعنی ''سراج'' موم بتی اور چراغ دان کا بھی یہی حکم ہے۔

''عندالمساء'' کا تعلق ساری مذکورہ چیزوں سے ہو (یعنی جب رات شروع ہو جائے تو برتنوں کو ڈھانک دیا جائے مشکیزوں کے منہ بھی باندھ دیئے جائیں، دروازے بھی بند کر دیئے جائیں اور بچوں کو باہر نکلنے سے روک دیا جائے، اس صورت میں ''شام'' سے مراد وہ وقت ہوگا جو شام سے عشاء تک رہتا ہے۔ اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ ''عندالمساء'' کا تعلق صرف واكفتوا صبيانكم (اپنے بچوں کو اپنے پاس بٹھائے رکھو) سے ہے جیسا کہ حدیث کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ رات میں ان سب چیزوں کا اس طرح خیال رکھو کہ رات کے ابتدائی حصے میں یعنی سورج ڈوبنے کے فوراً بعد بچوں کو باہر نکلنے اور اِدھر اُدھر ہونے سے روک دو کیونکہ یہ وقت جنات کے پھیلنے کا ہے اور جب رات کی ایک گھڑی (یعنی ایک گھنٹہ) گزر جائے تو یہ سب کام کرو یعنی برتن کو ڈھانک دو اور دروازے بند کر دو نیز اس وقت بچوں کو باہر جانے دینے میں کوئی حرج نہیں اس توجیہ سے اس روایت کی متفق علیہ روایت کے ساتھ بھی مطابقت ہو جائے گی۔

قوله: فان للجن انتشاراً وخطفة:

شیاطین کا بچوں کو اچک لینا ایک حقیقت ہے۔ اچک لینے سے مراد بچوں کے ہوش وحواس کو زائل کر دینا یا ان کو کھیل کود میں لگا دینا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد اور ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے۔

توضیح: امام جزریؒ نے عجیب کیا ہے کہ **فخلوھا** تک صیغۂ جمع ذکر کیا ہے اور پھر مفرد کے صیغے ذکر کئے ہیں: **وأغلق بابك الخ**۔ واللہ اعلم۔

۴۲۹۵ : وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ خَمِّرُوْا الْاٰنِيَةَ وَاَوْكُوْا الْاَسْقِيَةَ وَاَجِيْفُوْا الْاَبْوَابَ وَاكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَاِنَّ لِلْجِنِّ اِنْتِشَارًا وَخَطْفَةً وَاَطْفِؤُا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتْ الْفَتِيْلَةَ فَاَحْرَقَتْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٣٥٥ الحديث رقم ٣٣١٦، وأبو داوٗد في السنن ٤/١١٨ الحديث رقم ٣٧٣٣، والترمذي في ٥/١٣١ الحديث رقم ٢٨٥٧، وأحمد في المسند ٣/٣٨٨۔

ترجمہ: جیسا کہ کہا اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے برتنوں کو ڈھانکو اور مشکوں کے منہ بند کر دو اور دروازے بند رکھو اور شام کے وقت اپنے بچوں کو اپنے پاس بٹھا کر رکھو یعنی ادھر ادھر مت جانے دو۔ اس لئے کہ اس وقت جنات پھیلتے ہیں اور اُچکتے ہیں اور سوتے وقت چراغ بجھا دو۔ اس لئے کہ چوہا اکثر یا بعض اوقات بتی کو کھینچ لے جاتا ہے اور گھر کے لوگوں کو جلا دیتا ہے۔

تشریح: ''**أجيفوا**'': ہمزہ کے فتحہ، جیم کے کسرہ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ۔ ای ردّوا

''**اكفتوا**'': ہمزہ وصلی، فاء کے کسرہ تاء کے ضمہ کے ساتھ۔ **أي ضموا**۔

'' **خطفة**'': **بفتح وسكون أى سلبا سريعا**۔

''**الرقاد**'' : راء کے ضمہ کے ساتھ، بمعنی ''**النوم**'' **اى عند ارادته**

''**فويسقة**'': **فاسقة** کی تصغیر ہے۔ اس سے مراد چوہا ہے، چونکہ وہ اپنے بل سے اس لئے نکلتا ہے تاکہ لوگوں کو نقصان پہنچائے۔

''**ربما**'': بائے موحدہ کی تشدید و تخفیف کے ساتھ۔ بمعنی **كثيرا أو قليلا**۔

''**اجترت**'': رائے مشددہ کے ساتھ ''**فاحرقت**''، ضمیر ''**الفتلة**'' کی طرف یا ''**الفارة**'' کی طرف راجع ہے، چنانچہ یہ نسبت مجازی ہے اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ❶ یہ اہل خانہ کو جلا ڈالتا ہے چونکہ وہ بے خبر سو رہے ہوتے ہیں۔ ❷ اہل خانہ کے کپڑوں کو جلا دیتے ہیں، جس کے سبب سے اہل خانہ بھی جل جاتے ہیں اور اگلی روایت اس بات کی تائید کر رہی ہے کہ ان کے گھر جلا ڈالتے ہیں۔

۴۲۹۶ :وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ غَطُّوْا الْاِنَاءَ وَاَوْكُوْا السِّقَاءَ وَاَغْلِقُوْا الْاَبْوَابَ وَاَطْفِؤُا السِّرَاجَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَحِلُّ سِقَاءً وَلَا يَفْتَحُ بَاباً وَلَا يَكْشِفُ اِنَاءً فَاِنَّ لَمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا اَنْ يُّعْرِضَ عَلٰى

اِنَائِهٖ عُوْدًا وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فَلْيَفْعَلْ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۵۹۴/۳ الحديث رقم (۹۶۔۲۰۱۲)، وأحمد في المسند ۳۸۶/۳۔

ترجمہ: اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا برتنوں کو ڈھانپو اور مشک کو بند رکھو اور دروازوں کو بند کرو اور چراغوں کو گل کر دو کیونکہ شیطان بند مشک اور بند دروازوں کو نہیں کھولتا یعنی اس وجہ سے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اگر تم میں سے کسی کو ڈھانکنے کی کوئی چیز میسر نہ ہو تو برتن کی چوڑائی میں لکڑی رکھ دے اور اس برتن پر اللہ تعالیٰ کا نام لے۔ یعنی جس وقت کہ لکڑی رکھے پس اس طرح کرنا چاہئے یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کرے۔ (چراغ بجھا دیا کرو) اس لئے کہ چوہا بسا اوقات گھر کو آگ لگا کر گھر کے لوگوں پر آگ بھڑکا دیتا ہے۔

تشریح: فإن الفويسقة: یہ جملہ تعلیلیہ ہے، ''أطفؤا والسراج'' کی علت بیان کر رہا ہے' اور درمیانی جملے افعال سابقہ کیلئے علل ہیں۔ اور اگر از روئے روایت واؤ عاطفہ کی موجودگی ثابت ہو جائے تو یہ علل بطریق لف ونشر مرتب ہوں گی۔ پھر میں نے قاموس میں دیکھا کہ فاء واء کے معنی میں بھی آتی ہے ''لايحل'': حائے مہملہ کے ضمہ کے ساتھ۔

''فليفعل'': یہ امر ''ندب'' کے لئے ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ حکم عام ہے' جس میں چراغ کے علاوہ وہ چیزیں بھی شامل ہیں' جہاں تک تعلق ہے لٹکتی ہوئی قندیلوں کا ہو اگر ان کے سبب سے آگ لگ جانے کا خوف ہو تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں وگرنہ تو کوئی حرج نہیں' چونکہ علت منتفی ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس باب کے تمام اوامر ارشاد الی المصلحت کے باب سے ہیں' اور احتمال اس کا بھی ہے کہ ندب کے لئے ہو' خصوصاً ان کے حق میں جو امتثال امر کی نیت رکھتے ہیں' اور دروازے بند کرنے کا حکم رات کے ساتھ مقید ہے' ان تمام صورتوں میں اصل یہ ہے کہ ان کا مرجع شیطان ہے' چونکہ شیطان ہی چوہے کو ہنکاتا ہے کہ وہ جلا کر آئے۔

تضرم: از باب افعال ہے، اور ایک نسخہ میں از باب تفعیل ہے۔

۴۲۹۷: وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ لَا تُرْسِلُوْا فَوَاشِيَكُمْ وَصِبْيَانَكُمْ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يُبْعَثُ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۵۹۵/۳ الحديث رقم (۹۸۔۲۰۱۳)، وأحمد في المسند ۳۹۵/۳۔

ترجمہ: اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اپنے مویشی اور لڑکوں کو غروب آفتاب کے وقت مت چھوڑو۔ یہاں تک کہ رات کی اول تاریکی جاتی رہے یعنی رات کی کچھ تاریکی جاتی رہے کیونکہ غروب کے وقت شیاطین منتشر کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ رات کا اول وقت جاتا رہے۔

تشریح: ''فواشي'': بروزن غواشي وحواشي۔ مویشی، اونٹ گائے بکری بھیڑ وغیرہ مراد ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: الفواشي كل شئ منتشر من الأموال۔

يبعث: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے بمعنی یرسل، اور ایک نسخہ میں بصیغۂ معروف ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ''رئیس الشیاطین'' اپنے لشکروں کو روانہ کرتا ہے۔

فحمة العشاء: رات کا ابتدائی تاریک حصہ۔ یہ رات کا تاریک ترین حصہ ہوتا ہے۔

فان الشيطان: "ال" جنس کا ہے، جنس شیطان مراد ہے۔

۴۲۹۸: وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ قَالَ غَطُّوا الْاِنَاءَ وَاَوْكُوا السِّقَاءَ فَاِنَّ فِی السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاءٌ لَا يَمُرُّ بِاِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ اَوْسِقَاءٌ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ اِلَّا نَزَلَ فِيْهِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَبَاءِ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۵۹۶ الحديث رقم (۲۰۱٤/۹۹)۔

ترجمہ: مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا برتنوں کو ڈھانک دو اور مشک کو بند رکھو اس لئے کہ سال میں ایک ایسی رات آتی ہے جس میں وبائیں اترتی ہیں وہ وبا جس کسی ننگے منہ والے برتن اور وہ مشک جس کا منہ بند نہ کیا ہو اس پر سے گزرتی ہے تو اس میں اتر پڑتی ہے۔

تشریح: وباء: واؤ کے فتحہ، اور مد وقصر کے ساتھ۔ طاعون اور عام مرض۔

"لايمر" اس تعبیر سے یوں لگتا ہے گویا کہ وباء کوئی شئی مجسم ہے۔

ليس عليه غطاء: ایک روایت میں "لم يغط" ہے۔ "**ليس عليه وكا**": اور ایک روایت میں "لم يوك" ہے۔

"**الانزل**": ایک روایت میں "وقع" ہے احمد کی ایک روایت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں۔

أو سقاء: مجرور ہے۔ اور "او" برائے تنویع ہے۔

"**من ذلك الوباء**": "نزل" کا فاعل ہے ای بعض ذلک الوباء أو ذلک الوباء اور "من" زائدہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ایسے جملوں پر مشتمل ہے جو خیر وادب کی جامع انواع ہیں۔ ان کا لبّ لباب یہ ہے کہ آفات دنیویہ اور اُخرویہ سے سلامتی حاصل کرنے کے لئے ہر حرکت اور ہر سکون پر اللہ کا نام لیا جائے۔

ڈھانک کر دودھ لاتے

۴۲۹۹: وَعَنْهُ قَالَ جَآءَ اَبُوْ حُمَيْدٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنَ النَّقِيْعِ بِاِنَآءٍ مِنْ لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلَّا خَمَّرْتَهٗ وَلَوْاَنْ تَعْرِضَ عَلَيْهِ عُوْدًا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۷۰ الحديث رقم ۵۶۰۵، ومسلم في ۳/۱۵۹۳ الحديث رقم (۹۵۔۲۰۱۱) وأبو داوٗد في السنن ٤/۱۱۸ الحديث رقم ۳۷۳٤، والدارمي في ۲/۱۶۳ الحديث رقم ۲۱۳۱، وأحمد في المسند ۳/۳۱٤۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابوحمید انصاری رضی اللہ عنہ مقام نقیع سے جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے کھلے برتن میں دودھ لائے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم اسے ڈھانپ کر کیوں نہ لائے۔ اگر اس پر اتنا ڈھانکنا ہوتا کہ تو عرض میں ایک لکڑی رکھ دیتا تو وہ بھی کفایت کرتا۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: النقيع: نون کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں بائے موحدہ کے ساتھ (بقیع) ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ "نقیع "نون کے ساتھ بھی مروی ہے، اور باء کے ساتھ بھی مروی ہے۔ خطابی اور اکثر اہل علم نے نون کے ساتھ ہونے کو صحیح ومشہور بتلایا ہے۔ یہ جگہ وادیٔ عتیق میں واقع ہے، یہ وہ جگہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وغیرہ کے اونٹوں کیلئے "حما" قرار دیا تھا۔

ابن الملکؒ وغیرہ فرماتے ہیں: باء کے ساتھ اس نام کا مدینہ میں ایک قبرستان ہے۔ نیز یہ تصحیف ہے۔

الا خمرته: "الاّ" بمعنی "ھلاّ" امام طیبیؒ فرماتے ہیں: الا حرف تحضیض ہے، ماضی پر داخل ہوا ہے۔ **ای لم لاستر ته وغطیته**۔ ترک پر ملامت کیلئے لایا گیا ہے۔ ملامت کسی مطلوب کے ترک پر ہوتی ہے۔ یہ آدمی دودھ بغیر ڈھکے لایا تھا، اسی وجہ سے سرزنش فرمائی۔

"**ولو أن تعرض علیه عودا**": کہا جاتا ہے: **عرضت العود علی الإناء أعرضه**: عامۃ الناس اس کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، مگر اصمعی کا کہنا ہے کہ یہاں خاص طور پر ضمہ کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اس برتن کو ڈھکن کے ذریعے کیوں نہ ڈھانپا اور اگر تم ایسا نہیں کرسکتے تھے تو کم از کم اتنا تو کرہی لیتے کہ اس پر کوئی چیز عرضاً ہی رکھ لیتے۔

آگ کے متعلق خبردار فرمانا

۴۳۰۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَتْرُكُوْا النَّارَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۸۵ الحدیث رقم ۶۲۹۳، ومسلم فی ۳/۱۵۹۶ الحدیث رقم (۱۰۰ـ۲۰۱۵)، وأبو داؤد فی السنن ۵/۴۰۸ الحدیث رقم ۵۲۴۶، والترمذی فی ۴/۲۳۲ الحدیث رقم ۱۸۱۳، وابن ماجه فی ۲/۱۲۳۹ الحدیث رقم ۳۷۶۹، وأحمد فی المسند ۲/۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آگ کو گھروں میں مت جلتا چھوڑو۔ یعنی جب آگ سے جلنے کا خطرہ ہو۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: عرض مرتب: صاحب مظاہر اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "آگ" سے مراد وہ آگ ہے جس سے کسی چیز کے جل جانے کا خوف ہو، خواہ وہ چراغ ہو یا چولہے وغیرہ کی آگ لہٰذا روشنی کی جو چیزیں قندیل وغیرہ کی صورت میں لٹکی ہوئی ہوں گی، کیونکہ اس ممانعت کی جو اصل علت ہے (یعنی اگ لگنے کا خطرہ) جب وہی نہیں پائی جائے گی تو اس حکم پر عمل بھی ضروری نہیں ہوگا، بلکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر آگ کو بھی گھر میں اس طرح رکھ چھوڑا جائے کہ اس سے کسی چیز کے جلنے کا خوف نہ ہو جیسے جاڑے کے موسم میں شب بیداری کی غرض سے، یا کسی دوسری مصلحت وضرورت کے تحت چولہے وغیرہ میں آگ دبادیتے ہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ممنوع نہیں ہوگا۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

آگ تمہاری دشمن ہے

۴۳۰۱: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ احْتَرَقَ بَیْتٌ بِالْمَدِیْنَةِ عَلٰی اَهْلِهٖ مِنَ اللَّیْلِ فَحُدِّثَ بِشَاْنِهِ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ النَّارَ اِنَّمَا هِیَ عَدُوٌّ لَّکُمْ فَاِذَا نِمْتُمْ فَاَطْفِئُوْهَا عَنْکُمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۸۵ الحدیث رقم ۶۲۹۴، ومسلم فی ۳/۱۵۹۶ الحدیث رقم (۱۰۱-۲۰۱۶)، وابن ماجه فی ۲/۱۲۳۹ الحدیث رقم ۳۷۷۰، وأحمد فی المسند ۴/۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک رات ایک گھر گھر والوں سمیت جل گیا آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے جو تمہارے مال و جان کو نقصان دیتی ہے۔ جب تم سونے لگو تو اس کا ضرر دور کرو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: "بشانه": یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای باء حراق بیتهم۔ "قال": ظاہر کا مقتضی یہ تھا "فقال" کہتے تو ممکن ہے کہ یہ کلام مستانفہ ہو، سوال مقدر کا جواب ہو، جو سوال اس حالت کے علم میں آنے کے بعد گفتگو میں آیا ہو۔

"علی أهله": میں دو ترکیبی احتمال ہیں: ① حال ہے۔ أی ساقطا علیهم۔ ② "احترق" کے متعلق ہے۔ أی ضرره علیهم۔ "فحدث": صیغۂ مفعول کے ساتھ ہے۔

قوله: إن هذه النار انما هی عدولکم: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "هذه النار" سے مراد وہ مخصوص نار ہے جس کے پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ (انتہی) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: نہی بظاہر نار مخصوصہ کے بارے میں ہے۔ البتہ "انما هی عدولکم" میں جنس "نار" مراد ہے۔ اور اس کے دشمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے جان و مال کے منافی ہے اگرچہ اس میں ایسے منافع بھی ہیں جو آگ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ آگ کو ہمارا دشمن قرار دیتے ہوئے عبارت قصر کے ساتھ بیان فرمایا مبالغہ فی التحذیر کیلئے، کہ اس میں معاش کے بہت سے فوائد ہیں مگر مخصوص اوقات کے ساتھ ہیں۔

"نمتم": نون کے کسرہ کے ساتھ، نام ینام سے مشتق ہے۔

"عنکم": محذوف کے متعلق ہے۔ أی مجاوزین إضرارها عنکم۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام حاکمؒ اور طبرانیؒ نے عبیداللہ بن سرجس سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

إذا نمتم فاطفئوا المصباح، فإن الفأرة تأخذ الفتیلة فتحرق أهل البیت، وأغلقوا الأبواب، وأوکوا الأسقیة، وخمّروا الشراب۔

الفصل الثانی:

کتوں‘ گدھوں کی آواز پر اعوذ باللہ پڑھو

۴۳۰۲:عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ وَنَهِيْقَ الْحَمِيْرِ مِنَ اللَّيْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَاِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَالَا تَرَوْنَ وَاَقِلُّوْا الْخُرُوْجَ اِذَا هَدَاءَتِ الْاَرْجُلُ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبُثُّ مِنْ خَلْقِهٖ فِيْ لَيْلَتِهٖ مَا يَشَاءُ وَاَجِيْفُوْا الْاَبْوَابَ وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا اِذَا اُجِيْفَ وَذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَغَطُّوا الْجِرَارَ وَاكْفِئُوْا الْاٰنِيَةَ وَاَوْكُوا الْقِرَبَ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۳۳۲/۵ الحديث رقم ۵۱۰۳‘ وأحمد فی المسند ۳۰۶/۳ والبغوی فی شرح السنة ۳۹۲/۱۱ الحديث رقم ۳۰۶۰۔

ترجمه:حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کتوں اور گدھوں کی آواز رات کو سنو تو اس وقت شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اس لئے کہ کتے اور گدھے اس چیز کو دیکھتے ہیں جس کو تم نہیں دیکھتے ۔یعنی شیاطین اور اس کے لشکر کو دیکھتے ہیں ۔اور اس وقت گھر سے نکلنا کم کرو جب چلنے پھرنے والے پاؤں رک جائیں ۔یعنی لوگوں کی آمد ورفت بند ہو جائے اور رات گئے کم نکلا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عزت وجلال والے اپنی مخلوقات کو منتشر کرتا اور پھیلاتا ہے جس کو چاہتا ہے جنات وشیاطین اور موذی جانوروں وغیرہ سے رات کے وقت اور دروازوں کو بند کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ کیونکہ شیطان اس بند دروازے کو نہیں کھولتا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ اور ان برتنوں کو ڈھانپ دو جن میں پانی ہو اور برتن الٹ کر رکھو یعنی جبکہ وہ خالی ہوں اور مشکوں کا منہ باندھ دو یہ روایت محی السنہ نے شرح السنہ میں نقل کی ہے۔

تشریح:سمعت النبی ﷺ:ایک نسخہ صحیحہ میں ”رسول اللہ ﷺ“ ہے۔

نباح:نون کے ضمہ اور بائے موحدہ کے ساتھ۔اور ایک نسخہ صحیحہ ”الکلب“ بصیغہ مفرد ہے،اور جنس مراد ہے۔

من اللیل:یہ” من تبعیضیه“ ہے۔أی فی بعض أجزاء اللیل۔اس قید کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے، یا آخری کے ساتھ ہے۔ممکن ہے کہ آخری ہی کیلئے ہو،چونکہ گدھے کا رات کے وقت ہنہنانا انتہائی قبیح معلوم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ کتب اصول میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ حصن حصین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:و إذا سمع نهیق الحمیر فلیتعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم:اس حدیث کو امام بخاری،مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے۔اور فرمایا:و کذلك إذا سمع نباح الکلاب۔اس کو ابوداؤد،نسائی اور حاکم ان سب نے عبداللہ سے روایت کیا ہے۔اور”صحیح علی شرط مسلم“ ہے۔فإنهن:سے مراد دونوں اجناس ہیں،یہ ترکیب:[هذان خصمان اختصموا] کے قبیل سے ہے۔یا”کلا من الکلاب والحمیر“ کی تاویل میں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی شیخین، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں یوں ہے:

وإذا سمع صباح الديكة فليسأل اللّٰه من فضله، فإنها رأت ملكا۔

قاضیؒ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سببه رجاء تأمين الملائكة على الدعاء واستغفارهم وشهادتهم بالتضرع والإقبال على اللّٰه، والإخلاص۔ وفيه استحباب الدعاء عند حضور الصالحين والتبرك بهم، اھ۔

ظالم، وفاسق اور دنیا کے حریص لوگ نظر آئیں تو ان کو دیکھ کر بھی دعا مانگنا مستحب ہے۔ جیسا کہ شبلی قدس اللہ سرہ کیا کرتے تھے، کہ جب وہ دنیا داروں کو دیکھتے تو یہ دعا مانگتے: اللهم إنى أسألك العفو والعافية، الحمد للّٰه الذى عافانى مما ابتلاك به۔

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ صالحین وفاسقین کو دیکھنا بمنزلہ آیاتِ وعدووعید سننے کے ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ صالحین کو دیکھے تو دعا مانگے، اور فاسقین کو دیکھے تو اللہ کی پناہ مانگے۔

الجامع الصغیر میں بروایت احمد، شیخین، ابوداؤد وترمذیؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعا مروی ہے:

إذا سمعتم أصوات الديكة فاسألوا اللّٰه من فضله فإنها رأت ملكا، وإذا سمعتم نهيق الحمير فتعوذوا باللّٰه من الشيطان فإنها رأت شيطانا۔

"هدأت": ھاء کے فتحہ، دال مہملہ اور ہمزہ کے ساتھ ہے۔ بمعنی سکنت یہ الهدأة سے ماخوذ ہے' الهدء کا معنی ہے السكون عن الحركة۔ (سکون ہونا' حرکت وآواز وغیرہ میں)

الأرجل: رجل کی جمع ہے۔

يبث: یاء کے فتحہ، بائے موحدہ کے ضمہ اور تائے مثلثہ مشددہ کے ساتھ بمعنی "ينشر ويفرق"۔

"فى ليلته": ایک روایت میں فى ليلة ہے۔ ما يشاء: يبثث کا مفعول ہے۔

من خلقه: "ما" کا بیان مقدم ہے۔ اور "خلق" بمعنی "مخلوق" ہے۔

اجيفوا الأبواب عليه: اى على اغلاقها '

اور ایک روایت میں (علیہ کے بجائے) عليها ہے۔

بابا إذا أجيف: ایک روایت میں "بابا أجيف" ہے۔

الجرار: بروزن کتاب، جرة کی جمع ہے۔

أكفؤا: ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔ کہا گیا ہے کہ وصلی کے ساتھ ہے۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: قال الكسائىؒ: يقال: كفأت الإناء إذا كببته، وأكفأته وكفأته ايضًا إذا أملته ليفرغ ما فيها۔ ایک روایت میں "او كوا" والا جملہ "اكفئوا" پر مقدم مذکور ہے۔ غریبین میں لکھتے ہیں: "إكفاء الآنية" سے مراد یہ ہے کہ برتنوں کو الٹ دیا جائے، تاکہ کوئی رینگنے والی چیز ان کو ناپاک نہ کر جائے۔

توضیح: حدیث میں بیان کردہ اکثر معانی ومفاہیم کتب صحاح وحسان میں موجود ہیں۔ الجامع الصغیر میں معمولی اختلافات کے ساتھ یہ روایت میں نے دیکھی ہے۔ جیسا کہ درمیان کلام میں میں نے اشارہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: اس حدیث کو امام احمد نے، نیز امام بخاری نے ''تاریخ'' میں ذکر کیا ہے، ابوداؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بحوالہ جابر روایت کیا ہے۔ اھ۔ بظاہر مصنفؒ ان مراجع پر مطلع نہیں ہو سکے، اسی وجہ سے اس حدیث کو صاحب مصابیح نے ''شرح السنۃ'' کی طرف منسوب کر دیا، باوجودیکہ شرح السنۃ ''اصول مشہورہ'' میں سے نہیں ہے۔

چوہے کی شیطانی

۴۳۰۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَآءَ تْ فَارَةٌ تَجُرُّ الْفَتِيْلَةَ فَالْقَتْهَا بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْخُمْرَةِ الَّتِىْ كَانَ قَاعِداً عَلَيْهَا فَاَحْرَقَتْ مِنْهَا مِثْلَ مَوْضِعِ الدِّرْهَمِ فَقَالَ اِذَا نِمْتُمْ فَاَطْفِؤُا سُرُجَكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدُلُّ مِثْلَ هٰذِهِ عَلٰى هٰذِهِ فَيُحْرِقُكُمْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/ ٤٠٨ الحدیث رقم ٣٠٦٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ چوہا ایک بتی کو کھینچ لایا اور آپ کے سامنے اس بوریئے پر ڈال دی جس پر آپ تشریف فرما تھے اس کی وجہ سے اس بوریئے سے درہم کی مقدار جل گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم سونے لگو تو چراغ کو گل کر دو اس لئے کہ شیطان اس چوہے جیسے موذی کو فعل کی راہ دکھلاتا ہے اور جلا دیتا ہے اور اسی حیلہ سے وہ تمہارے جلنے کا باعث بن جاتا ہے ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: فأرۃ: ہمزہ کے ساتھ ہے، اور ابدال بھی ہوتا ہے، بلکہ اکثر وبیشتر استعمال بھی اسی طرح ہے۔

تجر الفتیلة: اس جملہ کے محل اعراب میں دو احتمال ہیں:

❶ محل نصب میں حال واقع ہے۔ ❷ جملہ مستانفہ ہے۔ فألقتها: اس جملہ کا عطف ''جاء ت'' پر ہے۔

الخمرہ: خائے معجمہ کے ضمہ، میم کے سکون اور راء کے ساتھ، بمعنی ''سجادہ'' وہ چٹائی جس پر نماز ادا کی جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ زمین کو چھپا دیتی ہے اور چہرہ کو مٹی سے بچاتی ہے۔ الفائق میں لکھا ہے: هی السجادة الصغیرة من الحصیر لأنها مرملة مخمر خیوطها بسعفها۔ ''فاحرقت'': ای الفتیلة ای نار ها۔ ''اذا نمتم'' اس حکم کو ''نوم'' کے ساتھ مقید کیا چونکہ عام طور پر غفلت نیند کے وقت ہوئی ہے اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب بھی غفلت پائی جائے گی یہ نہی متوجہ ہوگی۔ ''علی هذا'' کا مشار الیہ ''فعل'' ہے یعنی ''جر الفتیلة''۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوا: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ......﴾ [فاطر: ٦] ''شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں''۔

كِتَابُ اللِّبَاس

لباس کا بیان

صاحب قاموس لکھتے ہیں: ''لبس'' جب باب سمع سے ہو تو اس کا مصدر بالضم ''لبس'' آتا ہے۔ لبس الثوب: کپڑا پہننا اور ''لباس'' لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ (اس کا معنی ہے ''جو کپڑا پہنا جائے'') اور جب ''لبس'' باب ضرب سے ہو تو اس کا مصدر ''لبس'' لام کے ساتھ ہوتا ہے' اور اس کے معنی ''خلط ملط کرنا'' ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ......﴾ [البقرة: ٤٢] ''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ'' ان لغات کی تحقیق ہم نے اس غرض سے کی ہے کہ اکثر لوگوں کو اس میں التباس ہوتا ہے۔

الفصل الاوّل:

حبرہ کی پسندیدگی

۴۳۰۲: عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ اَنْ يَّلْبَسَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِبْرَةَ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ١٠/٢٧٦ الحديث رقم ٥٨١٣، ومسلم فى صحيحه ٣/١٦٤٨ الحديث رقم (٣٢ - ٢٠٧٩) وأبو داؤد فى السنن ٤/٣٣١ الحديث رقم ٤٠٦٠ والترمذى فى ٤/٢١٩ الحديث رقم ١٧٨٧، والنسائى فى ٨/٢٠٣ الحديث رقم ٥٣١٥، وأحمد فى المسند ٣/١٣٤۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں پہننے کے لئے حبرہ بہت پسند تھی۔ یعنی یہ چادر صرف آپ پہنتے تھے۔ یہ بچھانے اور کسی کو دینے کے لئے استعمال نہ ہوتی تھی۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: كان أحب الثياب الى النبى ﷺ أن يلبسها الحبرة:

''أحب'' کو رفع ونصب ہر دو کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

أن يلبسها الحبرة: بعض کا کہنا ہے کہ ''الثیاب'' سے بدل ہے۔ البتہ ترمذی کی روایت میں ''ان'' کے بغیر ہے۔ چنانچہ اس روایت کی بناء پر کہا گیا ہے کہ یہ جملہ ''أحب'' کیلئے صفت ہے۔ یا ''ثیاب'' کی صفت ہے، اس قید سے وہ کپڑا خارج ہو جائے گا جو بطور فراش وغیرہ کے استعمال ہوتا ہے اور ضمیر منصوب کا مرجع ''ثیاب'' ہے، یا ''أحب'' ہے اور تانیث خبر اس کے مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے۔ اس کی تائید ترمذی کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں ''یلبسه'' آیا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''أن یلبسها'' ''أحب'' کے متعلق ہے۔ ای کان أحب الثیاب لأجل اللبس۔

الحبرة: حاء کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ النہایہ میں لکھا ہے کہ ''الحبرۃ'' چادر کی ایک قسم ہے جو منقش دھاری دار ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے: بردحبرۃ۔ بروزن ''عنبة''۔ یہ اضافت وصفت ہر دو طرح مستعمل ہے۔ یہ یمنی چادر کو کہتے ہیں

امام میرکؒ فرماتے ہیں: اور وہ روایت کہ جس کو امام جزریؒ نے ''تصحیح المصابیح'' میں ذکر کیا ہے اس میں ''حبرۃ رفع'' کے ساتھ ہے، چنانچہ اس تقدیر پر یہ ''کان'' کا اسم ہے۔ اور احب اس کی خبر ہے، اور اس کے برعکس بھی درست ہے۔ شمائل کے اکثر نسخوں میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں ظاہر و متبادر بھی یہی ہے ورنہ روایت کے الفاظ یوں ہوتے: کان الحبرۃ أحب۔ ترجیح پہلے قول کو دی گئی ہے، کہ ''احب'' وصف ہے۔ وجہ اولویت یہ ہے کہ یہ حکم ہے۔ اس کی تفصیل وتحقیق فصل ثانی کی پہلی حدیث کے تحت آئے گی۔ واللہ التوفیق۔

''حبرۃ'' دراصل یمنی چادروں کی ایک قسم ہے، اس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں اور بسا اوقات یہ دھاریاں سبز اور نیلی بھی ہوتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ چادر ان کے نزدیک ''اشرف الثیاب'' شمار ہوتی تھی، یہ قطن سے بنی ہوتی تھیں، پس اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو یہ کپڑا بہت محبوب تھا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کے سبز ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کو زیادہ پسند کرتے تھے کیونکہ یہ اہل جنت کا لباس ہے، اور یہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ کو رنگوں میں سبز رنگ زیادہ پسند تھا۔ چنانچہ اس کو امام طبرانیؒ نے ''اوسط'' میں اور ابن سنی وابونعیم نے ''الطب'' میں ذکر کیا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس کو ''حبرۃ'' اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کو مزین کیا جاتا ہے، اور تحبیر تحسین کو کہتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اسی سے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فهم فی روضة یحبرون﴾ [الروم: ۱۵] بعض علماء نے اس کی پسندیدگی کی وجہ یہ لکھی کہ اس میں زیادہ زیب وزینت نہیں ہوتی اور اس لئے بھی کہ یہ کپڑا بہت ہی ''میل خور'' ہوتا ہے۔

امام جزریؒ فرماتے ہیں: (اس حدیث سے کئی مسائل کا استنباط ہوتا ہے:)

❶ حبرہ پہننا مستحب ہے۔ ❷ منقش کپڑا زیب تن کرنا جائز ہے۔ امام میرکؒ فرماتے ہیں: یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ (انتھی) البتہ علامہ ابن حجرؒ نے ایک عجیب بات نقل کی ہے کہ اس کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تعارض:

روایت باب میں یہ ہے: ''کان أحب الثیاب الی النبی ﷺ ان یلبس الحبرة''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: ''أن أحب الثیاب عنده کان القمیص'' (دیکھئے حدیث: ۴۳۲۸)

ان میں جمع اور تطبیق کی دو صورتیں ممکن ہیں:

❶ یہ جملہ محبوب ترین چیزوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اکثر اشیاء کے بارے میں وارد ہے۔ کہ فلاں عبادت ''افضل العبادات'' ہے، اور فلاں عمل ''افضل الاعمال'' ہے۔

❷ یہ تفصیل دراصل صفة کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا باعتبار صنعت قمیص احب الانواع تھی۔ جبکہ باعتبار رنگ یا جنس کے حبرة أحب الانواع تھا۔ واللہ اعلم

تخریج: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی ذکر کیا ہے۔

تنگ آستین والے جبے کا استعمال

۴۳۰۵: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١/ ٤٧٣ الحدیث رقم ٣٦٣' ومسلم فی ١/ ٢٢٩ الحدیث رقم (٧٧_٢٧٤) والترمذی فی السنن ٤/ ٢١٠ الحدیث رقم ٨/ ١٧٧' وأحمد فی المسند ٤/ ٢٥٥۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تنگ آستین والا رومی جبہ پہنا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''جبة'': جیم کے ضمہ اور باء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ دو کپڑے ہوتے ہیں جن کے درمیان روئی ہوتی ہے اور اگر یہ اون کے بنے ہوئے ہوں۔ تو پھر یہ ایک بھرائی سے خالی ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ''جبة البرد'' جیم کے ضمہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ (بھی) ہے۔

''رومية: یاء کی تشدید ہی کے ساتھ ہے۔ علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی طرح جامع ترمذیؒ کی روایت میں ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ''جبة من صوف من جباب الروم'' آیا ہے لیکن صحیحین وغیرھما کی اکثر روایات میں ''جبة شامية'' آیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ العسقلانی نے تشدید یاء اور تخفیف دونوں کے ساتھ ضبط کیا ہے۔

اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اس لئے کہ شام اس وقت قیصر جو کہ روم کا بادشاہ تھا، کے ملک اور حکم کے تحت داخل تھا۔ گویا کہ دونوں ملک کے اعتبار سے ایک ہی تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پہننے کی ہیئت مقدار کی نسبت ایک جگہ کی طرف کر دی ہو اور خیاطت کی نسبت سے یا اس کو لائے جانے کی نسبت سے دوسرے ملک کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ لہٰذا اس طرح بھی دونوں میں کوئی منافات نہیں رہا۔

''ضيقة الكمين'': یہ ''رومية'' کیلئے بیان ہے۔ یا یہ صفت ثانیہ ہے۔

یہ واقعہ سفر میں پیش آیا تھا۔ جیسا کہ اس پر زکریا بن ابی زائدۃ عن الشعبی کے طریق سے اسی اسناد کے ساتھ حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ سے منقول بخاریؒ کی روایت دلالت کر رہی ہے۔ فرماتے ہیں: ''كنت مع النبي ﷺ في سفر فقال امعك ماء؟ فقلت: نعم فنزل عن راحلته فمشى حتى توارى عني في سواد الليل ثم جآء فا فرغت عليه الاداوة فغسل

وجهه ويديه وعليه جبة شامية من صوف فلم يستطع ان يخرج ذراعيه منها حتى اخرجهما من اسفل الجبة''۔

ایک اور طریق سے روایت اس طرح ہے:''فذهب يخرج يديه من كميه فكانا ضيقين فاخرج من تحت بدنه''۔''بدنہ'' بائے موحدہ کے فتحہ' دال مہملہ اور نون کے ساتھ'

''بدنه'' سے مراد جانب ہے۔جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔''البدن'' یاء اور دال دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ تنگ آستین والی چھوٹی قمیص کو کہتے ہیں۔

امام مسلمؒ نے اس پر یہ زیادتی نقل کی ہے:''وألقى الجبة علٰى كتفيه فغسلها ومسح برأسه وخفيه'' کہ آپ ﷺ نے جبہ کو کندھے پر رکھا' اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا' اپنے سر پر اور خفین (موزوں) پر مسح فرمایا۔

امام مالکؒ، احمد بن حنبلؒ اور ابو داؤدؒ کی روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۃ تبوک میں پیش آیا تھا۔

مؤطا و مسند ابی داؤد میں ہے کہ یہ صبح کی نماز کے وقت پیش آیا تھا اور مسلمؒ نے عباد بن زیاد عن عروة بن المغيرة عن ابيه کے طریق سے نقل کیا ہے:فاقبلت معه حتى وجد الناس قدموا عبد الرحمن بن عوف فصلى بهم فأدرك النبی ﷺ الركعة الاخيرة'فلما سلم عبد الرحمن قام رسول الله ﷺ يتم صلاته فافزع ذلك الناس کہ میں ان کے ساتھ آیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو آگے بڑھا دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جماعت کرائی۔ نبی ﷺ نے آخری رکعت پائی۔ جب عبدالرحمٰن بن عوف نے سلام پھیرا۔تو آپ ﷺ اپنی نماز پوری کرنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔اس بات نے لوگوں کو خوف و ہراس میں ڈال دیا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:قال المغيرة :فأ ردت تاخير عبد الرحمن فقال النبی ﷺ.حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف کو پیچھے کرنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا۔الخ۔(ذکرہ میرک)

فوائد حدیث:

1. کفار کے کپڑوں سے انتفاع جائز ہے۔جب تک اس کی نجاست متحقق نہ ہو جائے۔اس لئے کہ آپ ﷺ نے رومی جبہ کو پہنا تھا اور اس کے بارے میں کوئی تفصیل طلب نہیں کی۔
2. امام قرطبیؒ نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اون موت کی وجہ سے نجس نہیں ہوتا۔کیونکہ یہ جبہ شامی تھا اور شام اس وقت دار کفر تھا۔
3. اون کے پہننے کا جواز ہے۔البتہ امام مالکؒ نے اس شخص کیلئے اس کو مکروہ کہا ہے جس کے پاس اس کے علاوہ کپڑا موجود ہو۔کیونکہ اس میں زہد کی شہرت ہے۔اس لئے کہ اخفاءعمل اولیٰ ہوا کرتا ہے۔

علامہ ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ تواضع اسی کپڑے کے پہننے میں منحصر نہیں ہے بلکہ'' قطن ''وغیرہ میں بھی ہے۔جو ثمن میں اس سے کم ہو۔میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن ثابتؓ سے روایت نقل کی ہے انه ﷺ نهى عن الشهرتين رقة الثياب وغلظها ولينها وخشونتها وطو لها وقصرها۔کہ آپ ﷺ نے دو شہرت والی

چیزوں سے منع کیا ہے۔ زیادہ باریک کپڑے پہننا اور بہت ہی موٹے کپڑے پہننا' اور نرم اور سخت کھردرے کپڑے پہننا اور بہت لمبے اور بہت ہی چھوٹے کپڑے پہننا اور ہدایت وراستی ان کے درمیان میں ہے اور وہی میانہ روی ہے۔ (یعنی نہ زیادہ باریک ہو اور نہ ہی زیادہ موٹا' نہ بہت نرم ہو' اور نہ ہی کھردرا) اور یہی چیز سادات نقشبندیہ کے ہاں مختار ہے۔ البتہ اکثر صوفی نے ''لبس صوف'' کو مختار کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو خواہش نفسی کے لئے نہیں پہنا۔ بلکہ انہوں نے اس کو ستر پوشی اور سردی گرمی سے بچاؤ کے لئے پہنتے ہیں۔ لہٰذا اس کیلئے انہوں نے بالوں سے کھردراپن اور ''صوف'' سے غلاظت کو جدا کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے اصحاب صفہ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کا لباس صوف کا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو جب پسینہ آتا تو اس سے بھیڑ کی بدبو آنی شروع ہو جاتی جب اس کو بارش کا پانی لگ جاتا۔

علامہ سیوطیؒ نے ''الدر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ: **ان اول من لبس الصوف آدم وحواء لما أهبطا من الجنة الى الأرض** ۔ کہ سب سے پہلے صوف حضرت آدم وعلیہ السلام حوا نے پہنا۔ جب ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا اور ''التعرف'' میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ''**مر بالصخرة من الروحاء سبعون نبيًا حفاة عليهم العباء يؤمون البيت العتيق**'' روحاء نامی جگہ پر ایک پتھر (حجر اسود) پر سے ستر نبی ننگے پاؤں (احرام کی حالت میں) ہو کر گزرے۔ اور ان پر ''عباء'' تھیں۔ بیت اللہ کا قصد کئے ہوئے تھے۔

''القاموس'' کے مطابق ''روحاء'' حرمین کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تیس یا چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔

حضرت حسن (بصریؒ) فرماتے ہیں کہ **كان عيسى عليه السلام يلبس الشعر ويأ كل الشجر ويبيت حيث أمسى** ۔ عیسیٰ علیہ السلام اون پہنتے تھے اور کھاتے تھے' اور جہاں شام ہو جاتی وہیں پر رات گذارتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: **كان عليه السلام يلبس الصوعف** کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اون پہنتے تھے اور حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں: **لقد أدركت سبعين بدر يا ماكان لباسهم الا الصوف** کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا کہ ان کا لباس صرف اون ہی ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''منہاج العابدین'' میں ذکر کیا ہے کہ فرقد سنجی حسن (بصری) کے پاس آئے، ان کے جسم پر ایک عام سی چادر تھی جبکہ حضرت حسن کے جسم پر اون کی بنی ہوئی چادر تھی۔ فرقد (ان کی) چادر کو چھونے لگے حسن نے فرمایا: تم میرے کپڑیوں کی طرف غور سے کیا دیکھ رہے ہو' میرے کپڑے اہل جنت کے ہیں اور تیرے کپڑے اہل جہنم کے ہیں اور فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے: ''**اكثر اهل النار اصحاب الاكسية**''۔ پھر حسن نے فرمایا کہ انہوں نے زہد کو اپنے کپڑوں میں ظاہر کیا ہے۔ جبکہ کبر ان کے دلوں میں ہے اور اس ذات کی قسم جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے کہ تم میں سے چادر والا زیادہ تکبر والا ہوتا ہے اس شخص سے کہ جو اون اور نرم کپڑے پہنتا ہے اور اسی معنی ومطلب کی طرف ذو النون المصری نے اشارہ کیا ہے:

تصوف فا زدهى بالصوف جهلاً ۔:۔ وبعض الناس يلبسه مجانه

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے اس بات کا استحباب نکلتا ہے کہ سفر میں آستین تنگ ہونی چاہیئے' نہ کہ حضر میں۔

کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آستین کشادہ ہوتی تھیں۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں: یہ دعویٰ تب تام ہوگا جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ انہوں نے اس کو سفر کیلئے خصوصی تیار کر رکھا تھا۔ ورنہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے سردی سے بچاؤ کیلئے اس کو پہنا ہو۔ یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے زیب تن فرمایا ہو اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ وہ کھلے آستین رکھتے تھے۔ تو یہ اس تو ہم پر مبنی ہے کہ ''اکمام'' ۔ ''کم'' کی جمع ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ ''کمة'' (گول ٹوپی) کی جمع ہے اور یہ 'قلنسوہ'' (ٹوپی) کی طرح ''سر'' پر رکھی جاتی ہے۔ گویا کہ قائل نے ائمہ کرام کے اس قول کو نہیں سنا: ان من البدع المذمومة ''اتساع الكمين آستین کا کشادہ ہونا'' بدعت مذمومہ میں سے ہے۔ (انتھی) اور اس کو اتساع مفرطة پر محمول کرنا بھی ممکن ہے اور جو صحابہ کرام سے منقول ہے وہ اس کے برخلاف ہے' اور یہی ظاہر ہے بلکہ یہی بات متعین ہے اور اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کی کتب میں ''النتف'' ہے کہ يستحب اتساع الكم قدر شبر۔ آستین کا ایک بالشت کے برابر کشادہ ہونا مستحب ہے۔

تخریج: امام مالک، احمد بن حنبلؒ، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو نقل کیا ہے۔

وفات کے وقت پیوند والی چادر

۴۳۰۶: وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ هٰذَيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی ٦/٢١٢' الحدیث رقم ٣١٠٨ ومسلم فی ٣/١٦٤٨ الحدیث رقم (٣٤-٢٠٨٠)' والترمذی فی السنن ٤/١٩٦ الحدیث رقم ١٧٣٣' وأحمد فی المسند ٦/٣٢۔

ترجمہ: حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک پیوند والی چادر اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں دکھائی اور فرمانے لگیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان دو کپڑوں میں قبض کی گئی۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ هٰذَيْنِ:

''كساء'': حرف اول مکسور اور آخر میں ہمزہ ہے۔

''ملبدًا'': سے باء مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ہے' اور ''النہایۃ'' میں اس کا معنی 'مرقعًا'' لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے: ''لبدت القميص والبدة''۔

''وإزارًا غليظًا:'' اور ایک نسخہ میں ''رداءً غليظًا'' ہے' لیکن یہ غیر صحیح ہے' کیونکہ ''كساء'' اس چادر کو کہتے ہیں جو بدن کے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لے۔ جبکہ 'إزار'' اس کے برعکس کپڑے کو کہتے ہیں۔

اور ان دو کپڑوں میں موت کا آنا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کی قبولیت کے باعث تھا:

''اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً''

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس جیسی احادیث میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دنیا سے بے رغبتی اور اس کے سامان اور لذتوں سے اعراض کا بیان ہے۔ لہٰذا آپؐ کی امت پر بھی واجب ہے کہ وہ ان کی اقتداء کرے' اور تمام آثار و افعال میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پیروی کرے۔

تخریج: ترمذیؒ نے ''شمائل'' میں اس کو روایت کیا ہے اور شیخین کی ایک روایت میں ہے: ''**کان له ﷺ کساء ملبد" یلبسه ویقول: انما انا عبد البس کما یلبس العبد**''

جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا چمڑے والا بچھونا

۴۳۰۷: **وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِىْ يَنَامُ عَلَيْهِ اَدَمًا حَشْوُهٗ لِيْفٌ**۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۸۲/۱۱ الحدیث رقم ٦٤٥٦' ومسلم فی ۱٦٥٠/۳ الحدیث رقم (۳۸۔۲۰۸۲)' وأبو داوٗد فی السنن ۳۸۱/٤ الحدیث رقم ٤١٤٧' وابن ماجه فی ۱۳۹۰/۲ الحدیث رقم ٤١٥١' وأحمد فی المسند ۲۰۷/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا بچھونا جس پر آپ آرام فرماتے وہ چمڑے کا تھا اور روئی کی جگہ اس میں کھجور کا چھلکا بھرا تھا۔ یہ مسلم و بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: ''فراش'': فاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

ادم: دونوں حرفوں پر فتحہ ہے۔ یہ ''أدیم'' کی جمع ہے۔ دباغت دیئے گئے چمڑے کو کہتے ہیں جیسا کہ ''المغرب'' میں ہے۔

''**لیف**'': القاموس میں ہے کہ ''لیف'' لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کھجور کے پتوں کو کہتے ہیں۔

''شمائل ترمذی'' کی روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے: ''**کان فراشه مسبحا**''۔ یہ میم کے کسرہ ہے۔ صاحب قاموس نے اس کی وضاحت ''بصاس'' (ٹاٹ) کے ساتھ کی ہے۔

ابوداوٗد نے سند حسن کے ساتھ آل امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے کسی فرد سے روایت نقل کی ہے: **کان فراشه نحوامما یوضع الانسان فی قبره و کان المسجد عندرأسه**۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا بستر ان کپڑوں جیسا تھا جو انسان کیلئے اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور مسجد ان کے سر کے پاس تھی۔

چمڑے کا تکیہ

۴۳۰۸: **وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ وِسَادُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِىْ يَتَّكِئُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ**۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیح ۱٦٥٠/۳ الحدیث رقم (۳۷۔۲۰۸۲) وأبو داوٗد فی السنن ۳۸۱/٤ الحدیث رقم

٤١٤٦، والترمذی فی ٤/٥٥٥ الحدیث رقم ٢٤٦٩۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے وہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کا چھلکا بھرا تھا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''القاموس'' میں ہے: **الوساد المتکا والمخدۃ کالو سادۃ ویثلث**

ابوداؤد، احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے یوں روایت کیا ہے: ''**کان وسادته الذی ینام علیها من أدم حشوها لیف**''

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تکیہ اور بچھونا بنانے اس پر سونے اور اس پر ٹیک لگانے کا جواز نکلتا ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ اظہر یہ ہے کہ اس کو مستحب کہا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت کی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ استراحت کیلئے ایک کامل چیز ہے اور نیند سے استراحت ہی مقصود ہوتی ہے۔ تاکہ عبادت میں نشاط اور چستی رہے۔

دوپہر کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں آمد

۴۳۰۹: وَعَنْهَا قَالَتْ بَيْنَ نَحْنُ جُلُوْسٌ فِيْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِيْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُقْبِلاً مُتَقَنِّعًا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٠/٢٧٣ الحدیث رقم ٥٨٠٧، وأبو داوٗد فی السنن ٤/٣٤٣ الحدیث رقم ٤٠٨٣، وأحمد فی المسند ٦/١٩٨۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے اور دوپہر کا وقت تھا کہ کسی کہنے والے نے کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو چادر کے ایک کنارے سے سر کو ڈھانکے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: ''جلوس'' جالسون کے معنی ہے۔ ''**الظهیرة**: نصف النہار کو کہتے ہیں۔

''مقنعًا'' یہ لفظ نون مشدد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''مقبلاً متقنعًا'' یہ دونوں احوال مترادفہ ہیں، یا احوال متداخل ہیں اور عامل اس میں اسم اشارہ کا معنی ہے۔

یہ حدیث حدیث ہجرت کا ایک حصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کے ساتھ اپنے سر کو ڈھانپ رکھا تھا۔ جیسا کہ گرمی سے بچاؤ کیلئے عام عرب کی عادت تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کو چادر سے اس لئے ڈھانپ رکھا ہو تا کہ تستر رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پہچان نہ سکے۔

تین بستر کفایت کرنے والے ہیں

۴۳۱۰: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهٗ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَاَتِهٖ الثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱٦٥۱ الحدیث رقم (٤۱۔۲۰۸٤)' وأبو داؤد فی السنن ٤/۲۷۹' الحدیث رقم ٤۱٤۲' والنسائی فی ٦/۱۳٥ الحدیث رقم ۳۳۸٥' وأحمد فی ۳/۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بچھونا مرد اور دوسرا عورت کے لئے اور تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قولہُ: قال له: **فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ و الثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ:**

حضرت جابر مقول لہ، اور ''فراش'' مقول ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ''فراش'' مبتدا مخصصہ ہے اور مخصص اس کا محذوف ہے۔ جس پر دال ''الثالث للضیف'' ہے۔ **أی فراش واحد کافٍ۔**

قولہ: ''والرابع للشیطان'' کیونکہ وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کا حکم دیتا ہے۔ تو گویا کہ یہ اس کیلئے ہوا۔ یا اس لئے کہ جب صاحب خانہ کو اس کی حاجت وضرورت نہیں ہے تو یہ شیطان کیلئے سونے اور رات گزارنے کی جگہ بنے گی اور یہی اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ امکان حقیقت کے اثبات کے ہوتے ہوئے مجاز کی طرف عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی

امام نوویؒ اس معنی سے غافل رہے اور وہاں معنی اول کو اختیار کیا اور فرمایا کہ جو زائد از حاجت ہو اور اس کو صرف فخر ومباہات، تکبر اور زینت دنیا کی وجہ سے بنایا ہو اور جو چیز مذکورہ صفت رکھتی ہو وہ مذموم ہے۔ اور ہر مذموم چیز کی اضافت شیطان کی طرف کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہی اس پر خوش اور راضی ہوتا ہے۔ البتہ جو زوج کیلئے تیار کئے گئے بسترہ ہوں' ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ مرض وغیرہ کے وقت ہر ایک فراش کا محتاج ہوتا ہے۔

اس حدیث سے بعض علماء کرام نے استدلال کیا ہے کہ شوہر پر بیوی کے ساتھ اکٹھے سونا لازم نہیں ہے۔ اور اس سے علیحدہ بستر پر سونے کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اپنی بیوی کے ساتھ اکٹھے سونا اگرچہ واجب نہیں ہے۔ لیکن ایک اور دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے بیوی کے ساتھ سونا افضل ہے اور یہی آپ ﷺ کے فعل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ رات کے وقت بیوی کے بستر سے تہجد کیلئے اٹھنا سب سے مشکل اور صعب فعل ہے۔ جب کہ اس کی طرف میلان بھی ہو اور اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: ''**عجب ربنا من رجلین ثار عن وطائه ولحافه من بین حبه واهله إلی صلاته فیقول اللّٰه لملائکته: انظروا إلٰی عبدی ثار عن فراشه ووطأه من بین حبه واهله إلی صلاته رغبةً فیما عندی وشفقًا مما عندی......**''۔

''ہمارا رب دو آدمیوں سے خوشی ہوتا ہے۔ ایک وہ آدمی جو اپنے بستر اور لحاف سے اٹھتا ہے اپنے محبوب اور اپنے کنبہ کے درمیان سے اور نماز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو اپنے بستر اور لحاف سے اپنے محبوب اور کنبہ کے درمیان سے نماز کے لئے اٹھا ہے۔ اس میں رغبت کی وجہ سے جو میرے ہاں ہے اور اس سے ڈرتے ہوئے جو میرے ہاں ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ بلکہ کلام تو اس حدیث سے بیان جواز اور عدم وجوب میں ہے اور وہ اس افضلیت کے منافی نہیں ہے جو آپ ﷺ کے تمام اقوال اور افعال سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''یہ ضعیف ہے'' یہ بات غیر

صحیح ہے۔

تخریج: اس کو مسلمؒ، احمد بن حنبل اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔

لمبی ازار والا نظرِ رحمت سے محروم

۴۳۱۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۵۷/۱۰ الحدیث رقم ۵۷۸۸، ومسلم ۱۶۵۳/۳ الحدیث رقم (۲۰۱۸،۴۸) وابن ماجه فی ۱۱۸۲/۲ الحدیث رقم ۳۵۷۱ و مالك فی المؤطا ۹۱۴/٤ الحدیث رقم ۱۰ من کتاب اللباس وأحمد فی المسند ٤۷۹/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا یعنی نظر رحمت نہ فرمائے گا جو شخص اپنی ازار دراز کرے۔ یعنی ٹخنے سے ازار نیچی رکھے اور اس کا مقصد تکبر اور اترانا ہو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: **لا ینظر اللّٰه یوم القیامة إلٰی من جر ازاره بطرًا:**

''بطرًا'': پہلے دونوں حرفوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد تکبر ہے، یا غنی کی وجہ سے آنے والا طغیان اور فرح مراد ہے۔

اس نظر سے مراد نظر رحمت ہے۔ یہ حدیث مستحل پر محمول ہے۔ یا زجر و توبیخ پر محمول ہے۔ یا یہ ابتداءِ امر کے ساتھ مقید ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو لطف اور عنایت و رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ ''بطرا'' کی قید سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جس نے جر ازار اس مقصد کے علاوہ کیا تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ لیکن مکروہ تنزیہی ہوگا۔

امام مسلمؒ کی روایت میں ابو ہریرہ سے یوں مروی ہے: ''**إن اللّٰه لقانی لا ینظر إلٰی من یجر ازاره بطرًا**'' جبکہ امام احمد اور نسائی نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: ''**ان اللّٰه لا ینظر إلٰی مسبل إزاره**''۔

تکبر سے چادر گھسیٹنے والا رحمت سے محروم

۴۳۱۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۵٤/۱۰ الحدیث رقم ۵۷۸٤، ومسلم فی ۱٦۵۲/۳ الحدیث رقم (٤٤۔۲۰۸۵)، وأبو داوٗد فی السنن ۳٤۵/٤ الحدیث رقم ٤۰۸۵۰، والنسائی فی ۲۰٦/۸ الحدیث رقم ۵۳۲۸، وابن ماجه فی ۱۱۸۱/۲ الحدیث رقم ۳۵٦۹، ومالك فی الموطأ ۹۱٤/۲ الحدیث رقم ۱۱ من کتاب اللباس، وأحمد فی المسند ۱۰۰/۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تکبر کی بنا پر اپنی چادر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے یعنی نظر رحمت نہ فرمائیں گے یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ: وعن ابن عمر ان النبی ﷺ '':

ایک نسخہ صحیح میں یوں ہے: عن النبی ﷺ''

''قال: من جر ثوبه''

یہاں پر ''ثوب'' کا لفظ عام ہے۔ یہ ازار اور رداء وغیرہ سب کو شامل ہے۔

''خیلاء'': خاء معجمہ کے ضمہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ خیلاء ، المخیلة، البطر، الکبر، الزهو اور التبختر سارے الفاظ متقارب فی المعنی ہیں۔

قولہ: لم ینظر الله إلیه یوم القیامة:

یعنی اللہ تعالیٰ نہ اس پر رحم فرمائے گا اور نہ ہی اس کی طرف متوجہ ہوگا۔

تخریج: اسی طرح ائمہ اربعہ اور امام احمد بن حنبل نے بھی نقل کیا ہے۔

متکبر کی فوری پکڑ

۴۳۱۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٥١٥ الحدیث رقم ٣٤٨٥، والنسائی فی ٨/٢٠٦ الحدیث رقم ٥٣٢٦، وأحمد فی المسند ٢/٦٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص تکبر کی وجہ سے اپنے ازار کو گھسیٹتا جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک دھنستا جائے گا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ:

خسف به'' یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے اور باء تعدیہ کیلئے ہے اور ضمیر ''رجل'' کی طرف راجع ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ اس کو زمین میں داخل کر دیا گیا۔

''فهو یتجلجل'' یہ لفظ دوہرے جیم کے ساتھ ہے۔ یعنی اضطراب کی کیفیت کے ساتھ وہ حرکت کرتا رہے گا، اور بار بار پہلو بدلتا رہے گا اور ''الجلجلة'' حرکت مع الصوت کو کہتے ہیں اور ''جلاجل'' بھی اسی سے ماخوذ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس زمین میں دھنستا رہے گا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ شخص اس امت میں سے ہوگا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ عنقریب

ایسا واقعہ واقع ہوگا اور اس کا وقوع متحقق ہونے کی وجہ سے صیغہ ماضی کے ساتھ تعبیر کیا۔

دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ پچھلی امتوں میں سے کسی امت کے کسی شخص کے بارے میں خبر دی ہو۔ یہی صحیح ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے اس) حدیث) کو ''باب ذکر بنی اسرائیل'' میں داخل کیا ہے۔

سیاق حدیث اور ابہام رجل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ شخص قارون کے علاوہ کوئی اور تھا۔

آگ میں جلنے والے ٹخنے

۴۳۱۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ ۔

(رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۲۵٦ الحدیث رقم ۵۷۸۷، والنسائی فی ۸/۲۰۷ الحدیث رقم ۵۳۳۰، وابن ماجه فی ۲/۱۱۸۳ الحدیث رقم ۳۵۷۳، وأحمد فی المسند ۲/٤٦١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز ٹخنوں سے ازار کی قسم سے نیچی ہوگی وہ آگ میں جائے گی۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: أسفل لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ''ما نزل''

''فی النار'' (یہاں جار مجرور کے درمیان میں مضاف محذوف ہے۔) ای صاحب الإزار۔ حاصل یہ ہے کہ اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہوگا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔

''من الإزار'': یہ ''ما'' کیلئے بیان ہے۔ ای من إزار الرجل۔ اشرفؒ کہتے ہیں کہ ''ما'' موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ ''کان'' ہے اور ''اسفل'' منصوب ہے کیونکہ ''کان'' کی خبر ہے۔ اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ ای ''الذی هو اسفل'' اور دونوں تقدیروں کی بناء پر یہ ''افعل'' (اسم تفصیل) ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہوگا۔ ای ''الذی سفل من الإزار من الکعبین''۔

امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ''ما'' کا شرطیہ ہونا اور ''اسفل'' کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔ اھ۔

اور یہی بات زیادہ واضح ہے۔ اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید ''جامع الصغیر'' کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں ''ففی النار'' کے الفاظ ہیں۔

امام خطابیؒ کہتے ہیں کہ اس میں دو جیہات ہیں: ایک توجیہہ یہ کہ ''ما دون الکعبین من قدم صاحبه فی النار'' پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہوگا۔ اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔

دوسری توجیہہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہوگا۔ ای ''هو معدود ومحسوب من افعال اهل النار''۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: کہ ''إسبال'' ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ نے صراحت کی ہے کہ یہ تحریم ''خیلاء'' کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا

ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اگر اِسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے' ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہوگا۔ عورتوں کیلئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے:"أذنلهن في ادخاء ذيولهن"۔

البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی و چوڑائی میں زائد ہو' معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے۔ انتھی۔ ظاہر یہ ہے کہ "معتاد" میں اعتبار معتاد شرعی کا ہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔

چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: انه ﷺ كا ن يلبس قميصا قصير الكمين و الطول کہ نبی ﷺ ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے جس کی لمبائی کم تھی اور آستین تنگ تھیں۔

ابن عساکر کی ایک روایت میں انہی (ابن عباس) سے مروی ہے: كان يلبس قميصافوق الكعبين مستوى الكمين بأطراف أصابعه کہ آپ ﷺ کعبین کے اوپر قمیص پہنتے تھے اور آستین انگلیوں کی اطراف تک تھیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ فصل ثانی میں اس معنی کی کئی احادیث آئیں گی۔

بائیں ہاتھ سے بلا مجبوری کھانے کی ممانعت

۴۳۱۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱۶۶۱ الحديث رقم (۷۰-۲۰۹۹) ومالك في الموطأ ۲/۹۲۲ الحديث رقم ۵ من كتاب صفة النبي ﷺ وأحمد في المسند ۳/۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو بائیں ہاتھ سے نہ کھانا چاہئے اسی طرح ایک جوتے میں چلنے سے منع فرمایا اور جسم پر کپڑے کو اس طرح لپیٹنے سے منع فرمایا کہ ہاتھ بھی اندر لپٹ جائیں یا ایک کپڑے میں گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا جبکہ ستر کھلا ہو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ:

اس نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔

قوله: "او يمشي في نعل واحدةٍ": "یأکل" پر عطف ہے یا "او" تنویع کیلئے ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کیونکہ یہ وقار کے مخالف ہے اور اس لئے بھی کہ جس پاؤں میں جوتا پہنا ہوا ہو وہ پاؤں دوسرے پاؤں سے بلند ہوتا ہے اس طرح چلنا دشوار ہوتا ہے اور بسا اوقات آدمی اس کی وجہ سے گر جاتا ہے۔

قوله: وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ:

"الصماء": صاد مہملہ کے فتحہ' میم کی تشدید اور مدّ کے ساتھ ہے۔ ای نہی عن اللبسۃ الصماء اہل عرب کے ہاں "صماء" سے مراد جسم کو ایک کپڑے کے ساتھ اس طرح باندھنا کہ کوئی جانب بھی مرفوع نہ ہو اور ہاتھ اس سے باہر نکلے ہوتے ہیں اس

سے منع اس لئے فرمایا گیا کہ یہ ''لابس'' کو مغلول (بندھا ہوا) کی طرح بنا دیتا ہے اور اس کو ''صماء'' اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی تمام منافذ اور جگہوں کو بند کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ''الصخرة الصماء'' ہوتا ہے۔ وہ چٹان کہ جس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں اشتمال صماء مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کپڑے کے ساتھ اپنے سر کو اور پورے جسم کو ڈھانپ لیا جائے اور اپنے ہاتھوں کیلئے کوئی راستہ باہر کا نہ رکھا جائے اور کیا یہ عدم ازار کے ساتھ مشروط ہے؟۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عدم ازار کے ساتھ مشروط ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ علمائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ عدم ازار کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

امام نوویؒ نے ''شرح مسلم'' میں لکھا ہے کہ فقہاء کرامؒ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ **اشتمال علی ثوب واحد** یہ ہے کہ جسم پر اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا نہ ہو۔ پھر اس کو ایک جانب سے اٹھا دے اور اس کو اپنے ایک کندھے پر رکھ لے اور اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس سے ستر کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ اگر کشف عورہ متحقق ہو تو حرام ہے، اور اگر کشف عورہ متحقق نہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ فرج سے مراد عوررہ ہے۔

امام نوویؒ اور دوسرے علماء کرامؒ فرماتے ہیں کہ ''الاحتباء'' (بالمد) کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنی رانوں کے بل بیٹھ جائے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کر لے اور پھر اس کو کسی کپڑے سے یا ہاتھ وغیرہ باندھ لے۔ مجالس میں بیٹھنے کی عرب کی عادت تھی۔ (انتھی) یہ نہی کشف عورہ کے ساتھ مقید ہے بصورت دیگر یہ جائز ہے۔ بلکہ غیر حالت صلوٰۃ میں یہ مستحب ہے۔

تخریج: ابوداؤد نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے: ''**نهى عن الصمآء والا حتباء في ثوبٍ واحدٍ**''
نسائیؒ نے یوں روایت کیا ہے۔ ''**نهى أن يمس الرجل ذكره بيمينه وان يمشى فى نعل واحدةٍ وان يشتمل الصمآء وان يحتبى فى ثوب ليس علٰى فرجه منه شئ**''

''آپ ﷺ نے منع کیا ہے اس بات سے کہ آدمی اپنے ذکر کو داہنے ہاتھ سے چھوئے اور اس سے کہ وہ ایک جوتی میں چلے اور یہ کہ وہ اشتمال صماء کرے اور یہ کہ وہ اس کپڑے میں احتباء کرے کہ اس کی فرج پر کوئی کپڑا نہ ہو۔

ریشم پہننے والا آخرت کے ریشم سے محروم

۴۳۱۶۔۴۳۱۷۔۴۳۱۸۔۴۳۱۹: **وَعَنْ عُمَرَ وَاَنَسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَاَبِىْ اُمَا مَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِى الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِى الْآخِرَةِ۔** (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٢٨٤/١٠ الحديث رقم ٥٨٣٢ عن انس و ٥٨٣٣ عن ابن ازبير و ٥٨٣٤ عن عمر ومسلم فى ١٦٤٥/٣ الحديث رقم (٢١۔٢٠٧٣) عن انس و فى ١٦٤١/٣ الحديث رقم (١١۔٢٠٦٩) عن عمر، وفى ١٦٤٦/٣ الحديث رقم (٢٢۔٢٠٧٤)عن أبى أمامة۔وابن ماجه عن انس فى السنن ١١٧٨/٢ الحديث رقم ٣٥٨٨، وأحمد فى المسند ٥/٤ عن ابن ازبير۔

ترجمه: حضرت عمرؓ، انسؓ، ابن زبیرؓ، ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں

ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''وعن عمر و انس و ابن الزبیر و ابی امامۃ :''اس روایت میں دو احتمالات ہیں:

❶ یہ ایک ہی روایت ہے۔ ❷ اسناداً تو روایات متعددہ ہوں اَلبتہ متناً متحد ہوں۔

''من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرۃ''

❶ محمول ہے اس شخص پر جو اس کو حلال سمجھ کر پہنے۔

❷ یہ زجر اور تہدید پر محمول ہے یا یہ دخول جنت کی ماقبل مدت پر محمول ہے۔ کیونکہ جنت میں اہل جنت کا لباس تو حریر ہی ہوگا۔

❸ حافظ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ اکثر علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ شخص سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور اس تاویل کی تائید امام احمد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:''من لبس الحریر فی الدنیا البسہ اللّٰہ یوم القیامۃ ثوبا من نارٍ''۔

اور جامع صغیر میں ہے کہ اس کو امام احمد، شیخین، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

دُنیا میں ریشم والا آخرت کے ریشم سے محروم

۴۳۲۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّمَا یَلْبَسُ الْحَرِیْرَ فِی الدُّنْیَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ ۔ (متفق علیہ)

أخرجہ البخاری فی صحیحہ ۱۰/۲۸۵ الحدیث رقم ۵۸۳۵' ومسلم فی ۳/۱۶۳۹ الحدیث رقم (۷۔۲۰۶۸)

أبو داوٗد فی السنن ۱/۱۴۹ الحدیث رقم ۱۰۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا اس کا آخرت میں حصہ نہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''لا خلاق لہ فی الآخرۃ یعنی اس کیلئے مکمل حصہ اور نصیب نہیں ہوگا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس کی دو توجیہات ہیں:

❶ آخرت میں اس کا کوئی حصہ ہوگا اور نہ وہاں کی نعمتوں میں کوئی حصہ ہوگا۔

❷ آخرۃ کے بارے میں اعتقاد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام نوویؒ نے بھی اس سلسلہ میں دو قول ذکر کئے ہیں: ❶ آخرت میں اس کا کوئی حصہ اور نصیب نہیں ہوگا۔ ❷ جس کا کوئی دین نہ ہو۔ پہلے مطلب کی بناء پر یہ کفار پر محمول ہوگا اور دوسرے مطلب کی بناء پر یہ مسلم و کافر دونوں کو شامل ہوگا۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا' آخرت میں اس کا ریشم میں کوئی حصہ نہیں ہوگا' اس صورت میں یہ عدم دخول جنت سے کنایہ ہوگا۔ اس آیت کریمہ کی وجہ سے:﴿ولباسھم فیھا حریر﴾[الحج :۲۳] کافر کے حق میں تو یہ ٹھیک ہے' کیونکہ وہ جنت میں داخل ہوگا ہی نہیں اور مؤمن کے بارے میں یہ تغلیظ پر

محمول ہوگا۔(انتھی) یا یہ کہ وہ ابتداءً جنت میں داخل نہیں ہوگا' تاوقتیکہ وہ آگ کا لباس نہ پہن لے اگر اللہ کی مشیئت یہی ہو۔
اور جامع صغیر میں ہے کہ امام احمد، شیخین، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت عمر سے نقل کیا ہے۔(انتھی)
اِس میں غور کرنا پڑے گا کہ یہ حدیث کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے یا ابن عمر سے۔ یا ابن عمر نے عمرؓ سے نقل کی ہے۔
(واللہ اعلم)۔

ریشم وسونے چاندی کے برتنوں کی ممانعت

۴۳۲۱: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَاَنْ نَّأْكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَاَنْ نَّجْلِسَ عَلَيْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۹۱/۱۰ الحديث رقم ۵۸۳۷، ومسلم في ۱۶۳۷/۳ الحديث رقم (۲۰۶۷/٤)، وأبو داوٗد في السنن ۱۱۲/٤ الحديث رقم ۳۷۲۷، والترمذي في ۲٦٤/٤ الحديث رقم ۱۸۷۸، وابن ماجه في ۱۱۳۰/۲ الحديث رقم ۳٤۱٤، وأحمد في المسند ۳۹۷/۵۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان باتوں سے منع فرمایا: ① چاندی وسونے کے برتنوں میں پینے اور کھانے سے۔ ② ریشم پہننے سے خواہ وہ موٹا ہو یا باریک۔ ③ ریشم (کے گدے) پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''دیباج'': دال کے کسرہ کے ساتھ ہے' اور فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ دیباج ''ریشم'' کی ایک خاص قسم ہے۔ اس کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ اس کا عدم دخول متوہم نہ ہو کیونکہ اعتبار مسمّٰی کا ہوتا ہے نہ کہ اسم کا۔ جیسا کہ ''الخمر'' کے بیان میں گذرا ہے۔ چونکہ سب کا حاصل ایک ہی ہے اس لئے ''ان نجلس علیه'' میں ضمیر راجع کو مفرد لایا گیا جو ''حریر'' کی طرف راجع ہے۔

قولہ: ''وأن نجلس علیه'' یعنی ہم لوگ اور دیگر لوگ تمام احکام میں ہمارے تابع ہیں اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ ''حریر مصمت'' کا پہننا حرب وغیر حرب دونوں حالتوں میں حرام ہے اور جیسا کہ بالغ مرد کے حق میں مکروہ ہے اسی طرح یہ بچوں کیلئے بھی مکروہ ہے اور اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے بچہ کو پہنایا ہو۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ حرب (جنگ) میں لبس حریر میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کسی کپڑے کا تانا غیر حریر کا ہو اور بانا حریر کا ہو تو غیر حرب میں تینوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ حرب میں اس کا پہننا جائز ہے اور اگر اس کا بانا حریر کا ہو اور تانا غیر حریر ہو تو ہر حال میں اس کا لبس حرام ہے تینوں کے نزدیک۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ افتراش حریر و دیباج اور ان پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی طرح وسائد مرافق' بسط اور ستور اگر حریر یا دیباج کے ہوں بشرطیکہ اس میں تصویریں نہ ہوں جبکہ امام ابو یوسف وامام محمد کے ہاں یہ سب مکروہ ہیں۔ (انتھی)

- حاصل کلام یہ ہوا کہ حدیث میں نہی صاحبینؒ کے ہاں تحریم پر محمول ہے' جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں کراہت تنزیہ پر محمول

ہے۔ جیسا کہ اس قول میں اشارہ کیا ہے: ''لا بأس' فإن الورع من يدع مالا بأس به مخافة ان يكون به بأس'' دراصل یہ اس حدیث مشہور کی طرف اشارہ ہے: ''دع ما يريبك الى مالا يريبك'' اور امام ابوحنیفہؒ کو اس نہی کے نہی تحریم ہونے پر کوئی دلیل قطعی نہیں ملی' اور لبس حریر کے بارے میں جو نصوص ہیں' وہ اس کی قطعیت پر مشتمل نہیں ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے اوپر ''بیٹھنے'' پر لبس کا اطلاق نہیں کیا جاتا' پس اس لئے انہوں نے تنزیہ کا حکم لگایا اور یہ امام صاحب کے ورع فتوی کا ایک مظہر ہے اور ان کا تقوٰی پر عمل تو بہت ہی مشہور ہے اور ان کے مناقب میں مذکور ہے۔ جس کا احصاء نہیں کیا جا سکتا۔

ریشمی کپڑا عورتوں کے لئے درست ہے

۴۳۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُلَّةٌ سِيَرَاءُ فَبَعَثَ بِهَا اِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اَبْعَثْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا اِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيحه ٥/٢٢٩ الحديث رقم ٢٦١٤' ومسلم في ٣/١٦٤٤ الحديث رقم (١٠٧۔٢٠٧١)' والنسائي في ٨/١٩٧ الحديث رقم ٥٢٩٨' وابن ماجه في ١١٨٩ الحديث رقم ٣٥٩٦۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک جوڑا بھیجا گیا جس میں تہہ بند اور خطوط والی ریشمی چادر تو آپ ﷺ نے اسے میری طرف بھیج دیا تو میں نے اسے پہن لیا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرہ پر غصہ کے آثار پائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ اس لئے تیری طرف نہ بھیجا تھا کہ تو اسے پہن لے میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ عورتوں کے درمیان اس کو پھاڑ کر اوڑھنی کے لئے تقسیم کر دو۔

تشریح: ''اهديت لرسول اللهﷺ'' یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

''حلة'' تنوین کے ساتھ ہے۔ عام طور پر یہ ازار اور رداء پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض دفعہ جیوں کہ اس کو منوّن پڑھا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کی صفت لائی گئی ہے۔

''سیراء: اس کو مفرد لایا گیا کیونکہ اس کے موصوف کے لفظ کا اعتبار کیا ہے اور بعض نسخ میں اضافت کے ساتھ بھی منقول ہے۔ ''سیراء'' سین مہملہ کے کسرہ: یائے تحتیہ کے فتحہ' راء اور الف ممدودہ کے ساتھ۔ اس چادر میں حریر ملا ہوا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خالص حریر کی ہوتی ہے اور یہ قول زیادہ اشبہ ہے کہ جو بعض روایات مسلم میں آیا ''حلة من ديباج'' ہے۔ اور ایک دوسری میں ''من سندسٍ'' ہے اور اس لئے بھی کہ یہی تو حرام ہے اور ریشم وغیرہ سے مخلوط کپڑے کے بارے میں تو کلام گزر چکا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کپڑے کو میری طرف بھیجا۔ تو میں اس کو پہن کر آپ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر غصہ کے اثرات دیکھے اور وجہ اس کی یہ تھی وہ کپڑا سارے کا سارا ریشم سے بنا ہوا تھا۔ یا اس میں زیادہ تر ریشم تھا۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ متقین کا لباس نہیں۔ حالانکہ ان کو اس میں غور و فکر کر

نا چاہیے تھا اور تقسیم کر دینا چاہیے تھا۔

پس حضرت علیؓ نے اس طرف توجہ نہ فرمائی اور اس کو اس بناء پر پہن لیا کہ اگر ان کیلئے اس کا پہننا جائز نہ ہوتا' تو آپ ﷺ ان کے پاس یہ کپڑا کیوں بھیجتے۔ اس پر آپؐ کو غصہ آیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو تیرے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہن لو بلکہ اس لئے بھیجا تھا تا کہ تم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

''خمرًا'': خاء اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے۔''خمار'' (بکسر الخاء) کی جمع ہے۔ خمار ''اوڑھنی'' کو کہتے ہیں اور اس کو منصوب ''حالیت'' کی بناء پر پڑھا ہے۔ جیسا کہ یہ قول ہے۔''**خطته قميصًا**''۔

''بين النسآء'': اس میں احتمال ہے کہ یہ ضمیر منصوب سے حال ہو۔ یا ''خمرًا'' کیلئے صفت ہو۔ علی ماذکرہ (طیبیؒ) معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہوگی: **لتقطعها قطعة قطعة كل قطعة قدر خمار وتقسمها بين النساء**: تا کہ تم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ ہر ٹکڑا اوڑھنی کے برابر ہو اور تم اس کو عورتوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

ایک روایت میں ہے: ''**بين الفواطم**''۔ اس سے مراد فاطمہ الزہراء بتول بنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جو کہ حضرت علیؓ، جعفرؓ اور عقیل وطالب کی والدہ ہیں یہ پہلی ہاشمیہ تھی جنہوں نے کسی ہاشمی کو جنا تھا اور تیسری عورت فاطمہؓ اسماء بنت حمزہ کی والدہ تھی۔

مرد کے لئے ریشمی پٹی کی اجازت

۴۳۲۳: وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲۸٤/۱۰ الحديث رقم ۵۸۲۹' ومسلم فی ۱٦٤۲/۳ الحديث رقم (۱۲-۲۰٦۹)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا مگر اتنی مقدار جو دو انگشت کی مقدار ہو۔ آپ نے (اس کی وضاحت کے لئے) دو انگلیاں وسطیٰ وسبابہ اٹھائیں اور ان دونوں کو ملایا کہ اتنی مقدار لباس میں ہو تو مباح ہے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''**أصبعيه: الوسطى والسبابة**: ''وسطیٰ'' بدل ہے۔ یا ''اصبعیہ'' کیلئے بیان ہے۔

ایک نسخہ صحیحہ میں ''وسطى'' کا ذکر ''سبابة'' پر مقدم ہے۔''ضمهما'' کا عطف ''رفع'' پر ہے اور وہ بتقدیر ''قد'' حال ہے اور معنی میں یہ ''هٰكذا'' کیلئے عطف بیان ہے۔

۴۳۲۴: وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَنَّهٗ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَيْنِ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اَرْبَعٍ۔

أخرجه فی صحيحه ۱٦٤۳/۳ الحديث رقم (۱۵-۲۰٦۹)' وأبو داوٗد فی السنن ۳۰۲۱/٤ الحديث رقم

۴۰۴۲' والترمذی فی ۴/ ۱۹۰ الحدیث رقم ۱۷۲۱۔

ترجمہ: مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جابیہ (شام کا شہر) میں خطبہ دیا اور فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا مگر دو انگلیوں یا تین یا چار انگشت کی مقدار۔

تشریح: ''جابیة'': جیم اور بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

فقال: نهى رسول الله ﷺ عن لبس الحرير الا موضع اصبعين:

اس روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کپڑے میں ریشم کی مقدار کی نشانی لگانا جب تین یا چار انگلیوں کی مقدار سے زائد نہ ہو۔ تو جائز ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک مختار ہے۔

قاضی خان نے بشر عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما روایت نقل کی ہے کہ کپڑے میں ریشم کے کپڑے کی نشانی لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب چار انگلیوں سے زائد نہ ہو' اور اس میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے ''السیر'' میں ذکر کیا ہے کہ نشانی کے کپڑے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تابع ہے۔ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔) انتھی اور شاید عدم تقدیر کا سبب ارباب شرع کے ہاں اس کی مقدار کے مشہور معروف ہونے کی وجہ سے ہو۔

طیلسانی و کروانی جبہ کا استعمال

۴۳۲۵: وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسَةً كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لَبِنَةُ دِيْبَاجٍ وَفُرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/ ۱۶۳۱ الحدیث رقم (۱۰ ـ ۲۰۶۹) وأبو داوٗد فی ۳/ ۳۲۸ الحدیث رقم ۴۰۵۴۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طلسانی کروانی جبہ نکالا اس میں ریشمی ٹکڑا گریبان پر سلا ہوا تھا یعنی بطور سنجاف سلا ہوا تھا اور میں نے دونوں کشادگیوں کو دیکھا کہ ان کے ساتھ بھی ریشمی کپڑا سلا ہوا تھا۔ حضرت اسماء کہنے لگیں یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وہ جبہ ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کی وفات پر میں نے ان سے لیا یعنی یہ مجھے میراث میں ملا ہے۔ کیونکہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ آپ ﷺ اس کو کبھی کبھی پہنتے تھے۔ ہم اس کو پانی میں دھو کر بیماروں کو امراض (سے شفا کی خاطر) اس کا پانی پلاتے ہیں۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''جبة''۔ ''طيالسة'': اضافت کے ساتھ ہے۔ جبکہ دوسرے نسخہ میں موصوف صفت ہے۔ ا''طیالسہ'' ''لام'' کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ ''طیلسان'' بفتح اللام کی جمع ہے۔ ''المغرب'' کے مطابق یہ ''تالسان'' سے معرب ہے۔ یہ دراصل عجم کا لباس ہے۔ جو کالے رنگ کا اور گول ہوتا ہے اور ''جمع التفاریق'' میں ہے کہ ''طیالسہ'' اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ جس کا تانا اور بانا دونوں صوف کے ہوں اور ''جبة'' میں تاء وحدت کیلئے ہے۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے: ''جبة صوف سوداء''۔ یہ امام نوویؒ کے کلام کا خلاصہ ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس توجیہہ کے مطابق اضافۃ بیانیہ ہے۔

''كسروانية'' یہ بکسر الکاف ہے اور فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ''کسریٰ'' کی طرف منسوب ہے جو کہ ''فارس'' کا بادشاہ تھا۔ ''کسروان'' میں الف نون زائدتین ہیں۔ یہ منصوب ہے ''جبة'' کی صفت ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ ''كسروانية مجرور ہے۔ ''طیالسة'' کی صفت ہے' یہ تقریر اضافت کی تقدیر پر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں کوئی ''حشو'' نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ظاہر صوف سے بنا ہوتا ہے اور ایک روایت مشہورہ کے مطابق اس کی اضافت ''طيالسة'' کی طرف ہے اور اس کی تفسیر ''الخلق'' کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ گویا کہ اضافة الى الطيالسة ''خلق'' سے کنایہ ہے۔ کیونکہ ''صاحب خلق'' طیالسہ نہیں پہنے گا مگر طبلسان کے ساتھ ہے۔ تا کہ پھٹے ہوئے حصہ کو چھپا سکے۔

''لهالبنة ديباج'' ''ھاء'' ضمیر ''جبة'' کی طرف راجع ہے۔ ''لبنة'' یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کہ قمیص کے جیب میں رکھا جاتا ہے۔ اور بعض کے ہاں اس کپڑے کو کہتے ہیں۔ جو بغل کے نیچے رکھا جاتا ہے۔

''فرجيها'': ''فاء'' کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ جبکہ اکثر نسخوں میں ''بفتح الفاء'' ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کپڑے میں دو شقیں تھیں۔ ایک شق پیچھے کی جانب سے اور ایک اگلی جانب سے۔

''مكفوفين بالديباج'' جس کو ریشم کے ساتھ سیا گیا تھا اور معنی یہ ہوگا کہ اس کی ہر شق کی ایک طرف اوپر سے نیچے تک ایک قطعہ سیا جاتا ہے اور ''مصابیح'' کے شارح کہتے ہیں کہ جس کے ہر دو جانب ریشم کے ساتھ سیئے گئے تھے۔

''الكف'' کا معنی ہے ''عطف اطراف الثوب'' کہا جاتا ہے: ''ثوب مكففٌ'' اى مرقع جيبه وأطراف كميه بشئى من الديباج،

''فرجيها'' فعل محذوف ''وجدت'' کی بناء پر منصوب ہے۔ مشہور روایت اس کے رفع کے ساتھ منقول ہے۔

مذکورہ روایت اور عمران بن حصینؓ سے منقول روایت: ''ولا البس القميص المكفف بالحرير'' میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے کراہت کی بناء پر یہ کہہ دیا کہ ''لا ألبس القميص المكفف'' کیونکہ اس کی وجہ سے اس کپڑے میں ترفہ اور تجمل بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ ''جبة مكفوفه'' میں ایسی کوئی علت نہیں ہے۔ اھ۔

اور شاید مذہب میں قول ضعیف کا ماخذ ہے۔ کہ لبس حریر تو اس وقت حرام ہے جب اس کا اتصال بدن کے ساتھ ہو' دونوں کے درمیان کوئی فصل نہ ہو۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ''وفرجيها مكفوفين'' اسی طرح تمام ''اصول'' میں وارد ہے اور یہ دونوں افعال محذوفہ کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ای ''رأيت'' اور ان کی موافقت علامہ قاضی عیاضؒ نے بھی کی ہے اور پھر فرمایا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جبة مكفوفه'' کو نکالنا' اس سے مقصود اس بات کا بیان تھا' کہ یہ اس وقت جائز ہے' جب یہ ''اضابع أربع'' سے زائد نہ ہو۔ اھ۔ اس پر اشکال کی بات یہ ہے کہ ''جبة'' میں حریر کی مذکورہ مقدار غیر مبین اور غیر واضح ہیں۔ تو ''معلوم من الخارج'' پر محمول کیا جائے گا۔ ورنہ اگر اس مقدار سے معمولی سا زائد بھی ہو جائے تو پھر ہم اس کے جواز کا کہیں گے۔ اگر چہ قصد مذکور اس میں بھی محتمل ہے۔

''وقالت'': اس کا عطف ''أخرجت'' پر ہے اور ایک نسخہ صحیح میں ''فقالت'' آیا ہے۔

قوله:هذه جبة رسول اللهﷺ كانت عند عائشةؓ :اور شاید یہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ کی جانب سے ہدیہ میں ملا ہو۔ کیونکہ انبیاء کرام کے مال میں وراثت نہیں چلتی۔ جب حضرت عائشہؓ وفات پا گئیں تو حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق نے بطور میراث کے لے لیا' چونکہ یہ آپؓ کی ہمشیرہ تھیں اور آپ ﷺ بھی اس کو کبھی کبھار پہنتے تھے۔

قوله:''فنحن نغسلها للمرضٰی'': ہم مریضوں کو اس کپڑے کا دھویا ہوا پانی پلاتے تھے۔ کیونکہ ہم اس پانی سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ یا جبۃ سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ اس طور پر کہ اس مریض کے سر اور آنکھوں پر رکھ دیتے تھے۔ وہ اس کو ہاتھوں سے چھو کر اور لبوں سے چوم کر اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ واللہ اعلم

مریض کے لئے ریشم کی اجازت

۴۳۲۶:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا (متفق عليه وفی رواية لمسلم) قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ۔

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰/۲۹۵ الحديث رقم ۵۸۳۹' ومسلم فی۳/۱۶۴۶ الحديث رقم (۲۵-۲۰۷۶)' وأبو داوٗد فی السنن ۴/۳۲۹ الحديث رقم ۴۰۵۶' والترمذی فی ۴/۱۹۰ الحديث رقم ۱۷۲۲' والنسائی فی ۸/۲۰۲ الحديث رقم ۵۳۱۰' وابن ماجه فی ۲/۱۱۸۸ الحديث رقم ۳۵۹۲' وأحمد فی المسند ۳/۱۲۲۔

ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر اور عبدالرحمان بن عوفؓ کو ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ ان کو خارش تھی جو جوؤں کی وجہ سے تھی جیسا کہ اگلی روایت میں ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے جوؤں کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

تشریح: ''حكة'': ''حاء'' کے کسرہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ ہے۔ خارش کی بیماری کو کہتے ہیں۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ اجازت جوؤں کی وجہ سے دی ہو۔ لہٰذا اس مذکورہ روایت اور اگلی روایت میں کوئی منافات نہیں۔ اگرچہ ان دونوں روایتوں میں اجتماعاً وافتراقاً جمع ممکن ہے۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کا جواز مل رہا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''لبس الحرير لعذرٍ'' کے جواز پر دال ہے۔ البتہ ضرورت کی وجہ سے اس کا لبس' جیسا کہ خارش میں یا دفع قمل کیلئے تو اس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ موضع ضرورت میں لبس حریر جائز ہے۔ جیسا کہ اس وقت جائز ہے کہ جب اچانک لڑائی چھڑ جائے یا گرمی و سردی کی بناء پر انسان کو اس کی ضرورت پڑ جائے۔ تو حاجت کی بناء پر یہ جائز ہے۔

جبکہ بعض لوگوں کے ہاں اس وقت جائز نہیں ہے، لیکن یہ قول منکر ہے اور سفر میں دفع قمل کیلئے لبس حریر جائز ہے اور اسی طرح ان ضروریات کیلئے حضر میں بھی اس کا جواز منقول ہے۔

''انهما شكوا'': ''شكوا'' ''شكيا'' سے افصح ہے اور القاموس میں ہے کہ ''شكوت'' میں ایک لغت ''شكيت'' ہے۔

''فرخص لهما فى قمص الحرير'': قمص: قاف اور میم کے ضمہ کے ساتھ ''قمیص'' کی جمع ہے اور اضافت بیانیہ ہے اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ فوق القميص لبس حریر جائز نہیں ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

کسم سے رنگے کپڑے مردوں کو جائز نہیں

۴۳۲۷: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ اَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ اَحْرِقْهُمَا (رواه مسلم وسنذكر حديث عائشة خرج النبى ﷺ ذات غداة فى باب منا قب اهل بيت النبى ﷺ)۔

أخرجه مسلم فى صحيحه ٣/١٦٤٧ الحديث رقم (٢٧-٢٠٧٧)، والنسائى فى السنن ٨/٢٠٣ الحديث رقم ٥٣١٦، وأحمد فى المسند ٢/١٦٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسم سے رنگے ہوئے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہے جو حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے اور نہ ہی مردوں عورتوں کے لباس میں تمیز کرتے ہیں ان کو مت پہنو میں نے کہا کیا میں ان کو دھو ڈالوں آپ نے فرمایا ان کو جلا دو یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''معصفرين'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑے پیلے رنگ سے رنگے گئے تھے۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ ''منهى عنه'' اصل میں وہ کپڑا ہے جس کو بُننے کے بعد رنگا گیا ہو۔ ہاں اگر کاتا ہوا دھاگہ رنگ کر بُن لیا جائے تو وہ ''منهى عنه'' نہیں ہے اور اس کی کوئی بو بھی نہ ہو۔ تو یہ پھر بعض کے نزدیک اس میں رخصت ہے۔ (انتھی) اس کی تفصیل و تتمہ آئے گا۔

''فقال ان هذه'' یہ اشارہ ثوب معصفر کی جنس کی طرف ہے۔

''من ثياب الكفار'' یعنی وہ لوگ نہ حلال حرام میں تمیز کرتے ہیں۔ اور نہ مرد و زن کے لباس میں فرق کرتے ہیں۔

''فلا تلبسها'': ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو یہ کپڑا پہننے سے منع کر دیا کیونکہ اس میں ''تشبه بالنّسآء'' ہے۔

''قلت اغسلها'': یعنی تاکہ اس کی بو جاتی رہے اور اس کی خوشنمائی جاتی رہے اور اس کے شروع میں ہمزہ استفہام مقدر ہے۔

''قال: بل احرقهما'' یہ امر تغلیظ کیلئے ہے۔ ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غسل'' کی اجازت نہیں دی کیونکہ

یہ کپڑا اگر چہ مردوں کیلئے مکروہ ہے لیکن عورتوں کیلئے مکروہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے غسل میں ضیاع ہے (وقت کا بھی اور مال کا بھی) اھ۔ یہ بعض لوگوں کے اس قول پر محمول ہے کہ کراہت میں اعتبار رنگ کا نہیں ہے بلکہ رائحہ کا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کراہت اون کی وجہ سے ہے اور وہ دھونے سے ختم نہیں ہو سکتی۔

اور اس میں ضیاع نہیں ہے۔ ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے کہ مرد کیلئے یہ مکروہ ہے کہ وہ عصفر زعفران اور اس کے ساتھ رنگے ہوئے کپڑے پہنے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ ''إحراق'' سے مراد آپ ﷺ کی یہ تھی کہ ان دونوں کپڑوں کو فناء کر دو' چاہے بیع کے ذریعہ ہو یا ھبہ کے ذریعہ ہو اور شاید مبالغہ کیلئے اور ''نکیر'' میں تشدید کیلئے اس کو مستعار لیا ہو اور دھوڈالنے کی اجازت آپ ﷺ نے نہیں دی' کیونکہ اگر چہ یہ مردوں کیلئے مکروہ ہے' لیکن عورتوں کیلئے تو مکروہ نہیں ہے۔ لہٰذا دھوڈالنے میں اس کا ضیاع اور مال کا اتلاف ہوگا اور اس تاویل پر یہ روایت بھی دال ہے: ''انه اتی اهله وهم يسجرون التنور فقذفها فيه'' پھر جب اگلا دن ہوا تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا، کہ اے عبداللہ! آپ نے کیا کیا؟ تو انہوں نے بتلایا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''افلا كسوتهما بعض اهلك فإنه لا باس بهما للنسآء'' آپ نے وہ کپڑا اپنے اہل خانہ میں سے کسی عورت کو کیوں نہیں پہنا دیا۔ کیونکہ عورتوں کیلئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ یہ بات محل نظر ہے کہ یہ حدیث اس تاویل پر دال ہے۔

پھر فرماتے ہیں: جو کچھ عبداللہ نے کیا یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی اس کراہت شدیدہ کو دیکھا۔ یا فہم ظاہر کی وجہ سے 'یا ان کو اس کی عمومی کراہت کا وہم ہوا۔ اس لئے اس کو جلا ڈالا۔ اھ۔

اور آخری احتمال پر اس کو محمول کرنا اولیٰ ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ عصفر کے ساتھ رنگ کے کپڑوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء صحابہ و تابعین اس کی اباحت کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ اس کے علاوہ کپڑا اس سے افضل ہے۔

علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے' اور نہی کو اس تنزیہ پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سرخ حلہ زیب تن فرمایا ہے لیکن میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے ہاں یہ مؤول ہے، کہ اس میں دراصل سرخ رنگ کے دھاگے کی لکیریں تھیں۔ جیسا کہ یمانی چادروں میں ہوتا ہے اور عنقریب وہ احادیث بھی آئیں گی۔ جو سرخ رنگ کی تحریم پر دلالت کر رہی ہیں۔ (امام نووی) نے فرمایا: اور ''صحیحین'' میں حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے: قال رأيت رسول الله ﷺ يصبغ بالعصفر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ''عصفر'' کے ساتھ کپڑے رنگ رہے تھے''۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ اس روایت سے مردوں کیلئے ثوب معصفر کی حلت کا کوئی جواز نہیں نکلتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہی ''ما صبغ بعد النسج'' کی طرف منصرف ہے۔ ادور اگر دھاگے کو رنگ کر اس کی بنائی کی جائے تو وہ کپڑا اس نہی میں داخل نہیں ہے۔

میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں کہ اس کیلئے خارجی دلیل کی ضرورت ہے۔

کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے پر محمول کیا ہے۔ تا کہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہوجائے:''نهى المحرم ان يلبس ثوبا مسه زعفران او ورس''۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو وہ کپڑا پہننے سے منع فرمایا' جس کو زعفران یا ورس نے چھوا ہو'۔

میں (ملا قاری) کہتا ہوں کہ اس کی حرمت بھی غسل کے ساتھ مرتفع ہو جاتی ہے' یعنی اس حد تک دھویا جائے کہ اس کی بو ختم ہوجائے اور اس کے باقی ہوتے ہوئے اس میں مرد وعورتیں برابر ہیں۔

فرماتے ہیں: امام بیہقیؒ نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب ''معرفۃ السنن'' میں بیان کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے آدمی کو زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے سے منع فرمایا اور معصفر کپڑے کی اجازت دی ہے۔ پھر (امام شافعیؒ) نے فرمایا کہ ''معصفر'' کی میں نے اجازت اس لئے دی کیونکہ میں نے کسی کو بھی نہیں پایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ حکایت کرتا ہو۔ سوائے اس حدیث کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے:''نهاني ولا اقول نهاكم''یعنی مجھے منع کر دیا اور میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو بھی منع فرمایا ہے'۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کئی ایسی احادیث ہیں جو''نهى على العموم'' پر دال ہیں۔ پھر انہوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے علاوہ دوسری کچھ احادیث ذکر کی ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ احادیث امام شافعیؒ کو پہنچ جاتیں تو وہ اس سے منع کر دیتے۔ پھر اپنی سند کے ساتھ امام شافعیؒ کے اس قول صحیح کو بھی ذکر کر دیا کہ انہوں نے فرمایا۔''اذا صح حديث النبي ﷺ خلاف قولي فاعملوا بالحديث ودعوا قولي فهو مذهبي''جب میرے قول کے خلاف کوئی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو تم حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو۔ یہی میرا مذہب ہے۔

میں کہتا ہوں: ہر مسلم (مسلمان) کا مسلک یہی ہونا چاہیے۔

فرمایا جہاں تک''إحرقهما'' کی بات ہے تو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عقوبت وتغلیظ ہے۔ تا کہ ان کو اور دوسروں کو اس قسم کے فعل سے زجر ہو اور اس کی نظیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے جو آپؐ نے اس عورت کو کہ جس نے اونٹنی پر لعنت کی تھی: فأرسلها کہ اس کو کھلا چھوڑ دو' یعنی اس کو قافلہ سے نکال دو۔

''جامع الصغیر'' میں خطیب کی جو روایت ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے :كان له ﷺ ملحفة مصوغة بالورس والزعفراب يدور بها على نسائه 'فاذا كانت ليلة هذه رشتها بالماء واذا كانت ليلة هذه رشتها۔کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر تھی جو ورس اور زعفران سے رنگی ہوئی تھی۔ اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں کے پاس باری باری جاتے رہتے تھے۔ جب اس زوجہ کی باری آتی تو پانی سے دھوا ڈالتے اور جب اس بیوی کی باری آتی تو پانی سے دھوڈالتے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو پھر یہ اس پر محمول ہے کہ وہ زوجہ اس میں لپٹ جاتی تھیں۔ یا وہ بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بچھا دیتی تھیں یا دونوں کیلئے بچھائی جاتی تھی۔ یا یہ حالت وہیئت مستثنیٰ ہے۔ یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ (واللہ اعلم)۔

الفصل الثانی:

قمیص کی پسندیدگی

۴۳۲۸: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَمِيْصَ ـ

(رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤: ٣١٢ الحديث رقم ٤٠٢٥، والترمذی فی ٤/ ٢٠٨ الحديث رقم ١٧٦٢۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں میں سے قمیص بہت محبوب تھا۔ یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: قالت: كان احب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص:

''الثیاب'': میں رفع ونصب دونوں قول ہیں۔ البتہ رفع کا قول اظہر واشہر ہے اور اسی وجہ سے اس کو مؤخر نہیں کیا ''ثوب'' اصل میں وہ چیز ہے جس کے ساتھ انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے چاہے وہ سلا ہوا ہو یا ان سلا ہو۔ اس کی جمع ''ثیاب'' آتی ہے۔ (''ثیاب'' اصل میں ثواب تھا) ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل دیا۔

احب ''آفعل'': کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے۔ زیادہ فضیلت وشرف والے کپڑے۔

''القمیص'': اس میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں۔ پہلی صورت میں یہ ''کان'' کا اسم ہوگا۔ جبکہ دوسری صورت میں ''کان'' کی خبر ہوگی۔ یا اس کے برعکس ہوگا اور ''قمیص'' وہ سلا ہوا کپڑا جس کو انسان پہنتا ہے جس کا ایک گریبان اور دو آستینیں ہوتی ہے۔ میرکؒ نے ''شرح الشمائل'' میں کہا ہے کہ قمیص منصوب ہے اور یہی روایت میں مشہور ہے اور اسم ہونے کی بناء پر اس کا رفع بھی جائز ہے اور ''احب'' خبریت کی بناء پر منصوب ہوگا۔

ان کے علاوہ دوسرے شراح کہتے ہیں کہ یہ دو (علیحدہ علیحدہ) روایتیں ہیں۔ حنفیؒ کہتے ہیں کہ اس میں راز یہ ہے کہ اگر مقصود ''احب'' کی تعیین ہو تو ''قمیص'' اس کی خبر ہوگی اور اگر مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی حالت کا بیان ہو تو پھر یہ اس کا اسم ہوگا۔

اور عصامؒ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ جب وصف ہے تو یہ حکم بننے کے زیادہ لائق ہے۔ البتہ اس کی ترجیح کہ یہ اس باب اور مقام کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ اس لئے منعقد ہے تاکہ احوال لباس کا اثبات ہو جائے تو اس وقت ''قمیص'' کو موضوع بنایا جائے گا اور اثبات حال اس کے عکس سے زیادہ انسب ہے۔ تو ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا اس مذکورہ باب میں اس حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے۔

''المغرب'' میں مذکور ہے کہ ''ثوب'' اس کو کہتے ہیں جس کو لوگ پہنتے ہیں جو سوتی، اونی، خز اور فرو کا ہوتا ہے اور ''ستور'' ثیاب میں سے نہیں ہیں۔ علامہ جزریؒ کے بقول قمیص اس سلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں جس کی دو آستین ہوتی ہیں زیادہ کشادہ بھی نہیں ہوتا اور اس کو تحت الثیاب پہنتے ہیں۔

اور ''القاموس'' میں ہے کہ قمیص تو ایک معلوم چیز ہے۔ لفظ ''قمیص'' کو بسا اوقات مؤنث لایا جاتا ہے اور یہ صرف ''قطن''

ہی کی ہوتی ہے' اون کی نہیں ہوتی۔

شاید یہاں پر ''قمیص'' کو قطن میں محصور کرنا غالب استعمال کی وجہ سے ہے۔ لیکن بظاہر یہاں پر اس کا قطن سے ہونا مراد ہے۔ کیونکہ ''صوف'' بدن کو اذیت دیتا ہے اور پسینہ لاتا ہے اور اس کی بو سے تکلیف ہوتی ہے۔ علامہ دمیاطیؒ نے ایک حدیث کی تخریج کی ہے: کان قمیص رسول الله ﷺ قطنا قصیر الطول والکمین۔ کہ ''رسول اللہ ﷺ کی قمیص قطن کی تھی۔ اس کی لمبائی کم اور اس کی آستین چھوٹی ہوتی تھیں۔

پھر ایک وجہ قمیص کی ''احب'' کی یہ بیان کی ہے کہ یہ ''ازار'' اور ''رداء'' کے مقابلے میں اعضاء کیلئے زیادہ ستر پوش ہے اور اس لئے بھی کہ یہ بدن پر ہلکی پھلکی رہتی ہے' اس پر خرچ کم آتا ہے اور اس کا پہننے والا دوسروں سے زیادہ متواضع ہوتا ہے۔

ترمذیؒ نے اس کو طرق متعددہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جبکہ حاکمؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

آستین گٹے تک

۴۳۲۹: وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الرُّصْغِ ۔

(رواه الترمذی وابوداود وقال الترمذی هذحدیث حسن غریب)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٣١٣ الحديث رقم ٤٠٢٥' والترمذی فی ٤/٢٠٩ الحديث رقم ١٧٦٥۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک کی آستین ہاتھ کے گٹے تک تھی یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اسماء بنت یزید'': یزید سے مراد یزید ابن السکن ہیں۔ مؤلف علیہ الرحمۃ نے ''اسماء الرجال'' میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

قوله: کان کم قمیص رسول الله ﷺ الی الرصغ:

''رصغ'' راء کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں سین مہملہ کے ساتھ آیا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ترمذی اور ابوداؤد کے نسخوں میں صاد مہملہ کے ساتھ ہے' جبکہ ''الجامع'' میں سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں ''ترمذی'' سے مراد ''جامع الترمذی'' ہے۔ ورنہ تو شمائل کے تمام نسخوں میں بغیر کسی اختلاف کے سین کے ساتھ ہے اور ''الجامع'' سے مراد ''جامع الاصول'' ہے اور اسی طرح ''المصابیح'' میں بھی سین کے ساتھ ہے۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ جبکہ ''صاد'' بھی اس میں ایک لغت ہے اور اسی طرح النہایۃ میں ہے۔ اس سے مراد ہاتھ کا وہ جوڑ ہے جو ہتھیلی وساعد کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو ''الکوع'' بھی کہتے ہیں۔

اور ''القاموس'' میں ہے کہ ''رسغ'' ضمہ اور ضمتین کے ساتھ ہے' اور ''رصغ'' ضمہ کے ساتھ (ہی) ہے۔

علامہ جزریؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ سنت یہ ہے کہ قمیص کی آستین ''رسغ'' سے متجاوز نہ ہو اور غیر قمیص کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں بھی سنت یہ ہے کہ وہ انگلیوں سے متجاوز نہ ہو جائے۔ جیسا کہ جبہ وغیرہ ہے۔ (انتھی)

''شرح السنۃ'' میں منقول ہے کہ ''ابوالشیخ ابن حبان'' نے اسی اسناد کے ساتھ تخریج یوں کی ہے: ''کان ید قمیص رسول اسفل من الرسغ'' رسول اللہ ﷺ کی قمیص کی آستین رسغ سے نیچے ہوتی تھی اور اسی طرح ابن حبانؒ نے مسلم بن یسار عن مجاہد عن ابن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے قال: کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین بأطراف أصابعہ۔ کہ رسول اللہ ﷺ ٹخنوں سے اوپر قمیص پہنتے تھے' اور اس قمیص کی آستینیں ''اطراف اصابع'' کے برابر ہوتی تھیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے ''کتاب الوفاء'' میں ابن حبان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

جامع صغیر میں ابن ماجہ کی روایت حضرت ابن عباس ؓ سے منقول ہے: ''کان یلبس قیمیصًا فوق اللکعبین'' اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی نقل کیا ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: ''کان قمیصہ فوق الکعبین و کان کمہ مع الاصابع''۔ تو اس میں اس کا ثبوت ہے کہ ''کم قمیص'' میں رؤس اصابع تک تجاوز کیا جا سکتا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اس کو تعدد قمیص پر محمول کیا جائے۔ یا روایت کتاب کو روایت تخمین پر حمل کیا جائے' یا الرسغ کو بیان افضل پر محمول کیا جائے گا' اور ''رؤوس'' کو ''نہایۃ الجواز'' پر حمل کیا جائے۔

علامہ عصام نے یہاں عجیب وغریب بات فرمائی ہے۔ کہ دراصل یہ اختلاف ''احوال کم'' کے اختلاف کی وجہ سے ہوا ہو۔ کہ ''کم'' تو اس وقت وہ طویل ہو اور غسل اگر علامہ عصامؒ یہ فرماتے کہ قبل الغسل تو کپڑا طویل ہوتا تھا اور غسل کے ساتھ وہ قصر ہو جاتا تھا تو فی الجملہ اس کی کوئی توجیہ ہو سکتی تھی۔ لیکن ان دونوں میں اس قدر تفاوت نہیں ہوتا۔

دائیں طرف سے پہننے کی ابتدا

۴۳۳۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَاَ بِمَيَامِنِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٣٧٩/٤ الحديث رقم ٤١٤١، والترمذی فی ٢٠٩/٤ الحديث رقم ١٧٦٦، وابن ماجه فی ١٤١/١ الحديث رقم ٤٠٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب قمیص پہننا شروع فرماتے تو دائیں جانب سے ابتداء فرماتے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: کان رسول اللہ ﷺ اذا لبس قمیصًا بدأ بمیامنه'' یعنی جب قمیص کو پہننے لگتے تو قمیص کے دائیں جانب سے ابتداء فرماتے۔ اسی وجہ سے اس کو جمع لایا گیا ہے۔ (ذکرالطیبی) گویا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ قمیص کے داہنی جانب کے ہر ٹکڑے پر یمین کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جمع ارادہ تعظیم کی وجہ سے ہو۔ خاص کر جب اس سے مراد ید یمنیٰ ہو اور یہی اظہر ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی آستین سے ید یمنی کو یسری سے پہلے نکالتے تھے۔

نصف پنڈلی تک تہبند

۴۳۳۱: وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰى اَنْصَافِ

سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِى النَّارِ قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهُ بَطَرًا۔ (رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٣٥٣ الحديث رقم ٤٠٩٣، وابن ماجه في ٣/١١٨٣ الحديث رقم ٣٥٧٣، ومالك في الموطأ ٢/٩١٤ الحديث رقم ١٢ من كتاب اللباس، أحمد في المسند ٣/٩٧۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ مومن کی پسندیدہ حالت تہہ بند کے سلسلے میں یہ ہے کہ وہ آدھی پنڈلیوں تک باندھے۔یعنی اولیٰ تو یہ ہے۔البتہ مومن کامل کواس میں بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے تہہ بند کو نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان باندھے اور جو اس سے نیچے ہوگی پس وہ آگ میں ہے اور یہ تین بار آپ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نہ دیکھیں گے جو اپنے تہہ بند کو تکبر کی وجہ سے زمین پر کھینچے۔یہ ابو داؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: إزرة المؤمن:

''إزرة'' ہمزہ کے کسرہ اور زاء کے سکون کے ساتھ ہے۔مراد اس سے حالت اور ہیئت احتراز ہے۔ركبة اور جلسة کی طرح ہے۔(کذا فی النھایۃ)

''إلٰى انصاف ساقيه'': ازار کی انتہا نصف ساقین تک تھی۔مطلب یہ کہ وہ حالت اور ہیئت کہ جس پر مؤمن اتزار میں اچھا لگتا ہے وہ یہ ہے کہ اس صفت پر ہو اور ''انصاف'' کو جمع لایا تاکہ توسع کی طرف اشارہ ہو نہ کہ تضییق کی طرف۔بعض کا کہنا ہے کہ یہ اسلوب کلام 'قطعت رؤوس الكبشين' اور اللہ جل شانہ کے اس فرمان کے قبیل سے ہے:[صغت قلوبكما] [التحريم: ٤]

''لا جناح عليه'' یعنی اس مؤمن کامل پر کوئی گناہ اور کوئی حرج نہیں ہے۔

''فيما بينه وبين الكعبين'': ضمیر نصف ساق کی طرف راجع ہے.

علامہ طیبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فيما بينه'' کی ضمیر اس ''حد'' کی طرف راجع ہے کہ جس پر ''إزرة'' کا وقوع ہوتا ہے۔

''وما أسفل من ذالك ففي النار'': اس کا بیان گذر چکا ہے۔

''قال ذالك'': اشارہ ''ما أسفل......'' کی طرف ہے۔یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے' تاکید کیلئے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔

ولا ينظر الله يوم القيلة الى من جر ازاره بطرا: یہاں ''بطر'' سے مراد تکبر ہے۔اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے.

اس حدیث کو امام النسائی نے ابی ہریرہ' ابی سعید اور ابن عمر سے روایت کیا ہے' جب کضیاء نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے حدیث کا ابتدائی حصہ' اور ابتدائی حصہ یہ ہے: ''إزرة المؤمن الٰى انصاف ساقيه'' جبکہ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ''الإزار الٰى نصف الساق أو إلى الكعبين لا خير في آسفل من ذالك''۔

ہر کپڑے میں درازی منع ہے

۴۳۳۲: وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلْاِسْبَالُ فِی الْاِزَارِ وَالْقَمِیْصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّمِنْهَا شَیْئًا خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٢٥ الحديث رقم ٤٠٨٥، والسنائی فی ٨/٢٠٨ الحديث رقم ٥٣٣٤، وابن ماجه فی ٢/١١٨٤ الحديث رقم ٣٥٧٦۔

ترجمه: حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تہہ بند' قمیص اور پگڑی میں درازی ہے مگر جو شخص ان میں سے کسی چیز کو بھی تکبر کی بنا پر لٹکا کر کھینچے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں فرمائے گا۔ یہ ابو داؤد' نسائی اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: الإسبال'': کہا جاتا ہے: ''اسبل إزاره'' اذ أخاه'

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور ''فی الإزار'' اس کی خبر ہے۔

یعنی وہ اسبال جس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں کلام کیا جاتا ہے وہ ان تین چیزوں میں ہوا کرتا ہے۔

''العمامه'' بکسر العین ہے اور عصامؒ کا یہ کہنا کہ یہ فتح کے ساتھ ہے۔ بروزن 'غمامة' تو یہ دراصل علامہ کے قلم سے سہو ہوا ہے اور مراد۔

''من جرّ منها شیئاً'' یعنی جس نے ان تینوں میں مقدار شرعی سے تجاوز کیا۔

''خیلاء'': جبکہ ایک نسخہ میں ''تخیلاً'' ہے اور مراد اس سے تکبر اور متکبرانہ حال ہے۔ یعنی وہ خیال کرے کہ وہ دوسروں سے بہتر ہے۔

''لم ینظر اللّٰه'': اس نظر سے مراد نظر رحمت اور عین عنایت ہے۔

سر سے ملی ہوئی ٹوپی کا استعمال

۴۳۳۳: وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَةَ قَالَ کَانَ کِمَامُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بُطْحًا۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث منکر)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢١٦ الحديث رقم ١٧٨٢۔

ترجمه: حضرت ابو کبشہؓ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ٹوپیاں سر سے لگی ہوئی تھیں بلند نہ تھیں یہ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

تشریح: ''ابی کشة'' یہ بفتح الکاف ہے۔

''کمام'' بکسر الکاف' یہ ''کمة'' بالضم کی جمع ہے۔ جس طرح کے ''قبات'' اور ''قبة'' ہے اور مراد ''قلنسوۃ مدورۃ

''معنی وہ گول ٹوپی ہے۔ اس کو 'مدورۃ'' اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ پورے سر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

''**بطحا**'' بائے موحدہ کے ضمہ اور طائے مہملہ کے سکون کے ساتھ' یہ ''**بطحاء**'' کی جمع ہے۔ یہ ٹوپی ان کے سروں پر پھیلی ہوتی تھی' چپکی ہوئی ہوتی تھی سر سے اٹھی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ ''کم'' بضم الکاف کی جمع ہے' جیسا کہ قفاف اور قفۃ ہے' چونکہ وہ حضرات قلنسوۃ کم ہی پہنا کرتے تھے۔ ''بطحا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ وسیع و عریض اور کشادہ ہوتی تھی۔ پس یہ 'ابطح'' کی جمع ہے۔ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ عرب کشادہ زمین کو 'بطحاء'' کہتے تھے اور مراد اس سے یہ ہے کہ وہ رومی یا ہندی ٹوپیوں کی طرح تنگ نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ وہ ایک بالش کی مقدار وسیع ہوتی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آج کل یمن کے مشائخ کا شعار بن گیا ہے۔

اصولِ معتمدہ اور تصحیح شدہ نسخوں میں ''بطح'' نصب کے ساتھ آیا ہے اور بعض میں ''بطحا'' رفع کے ساتھ ہے۔ کہا گیا ہے کہ ترمذی میں رفع کے ساتھ ہے' لیکن جامع الاصول میں نصب کے ساتھ ہے اور یہی ظاہر ہے۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے اس کو بغیر الف کے روایت کیا ہے' اور مصابیح میں بھی اسی طرح بغیر الف تنوین کے ہے۔ یہ خطا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض نے اس لفظ کو ان کی کتاب سے اسی طرح روایت کیا ہو' اور رواۃ نے رسم الخط کی اتباع کی ہو' اور ان کی عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں' اگرچہ لفظ غلط ہی لکھا ہوا ہو۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ جب روایت کی صحت معلوم ہو جائے تو پھر طعن کیلئے کوئی مجال نہیں ہے۔ لہٰذا مرد کو چاہیے کہ وہ کلام کی توجیہہ کرے۔ لہٰذا اس میں احتمال ہے کہ یہ ''کان'' میں ضمیر شان ہوا ور جملہ اس کی خبر ہے جو کہ اس کے اسم کو بیان کر رہا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ''بطح'' مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ یعنی 'ھی بطح'' اور جملہ ''کان'' کی خبر ہو۔ ہاں البتہ بطحا میں روایت بالنصب اظہر ہے۔ ''طبرانیؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''**کان یلبس قلنسوۃ بیضآء**'' اور رویانیؒ اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے انه ﷺ **کان یلبس القلانس تحت العما ئم وبغیر العمائم 'ویلبس العمائم بغیر قلانس' وکان یلبس القلانس الیمانیة وھن البیض المضربة 'ویلبس ذوات سترۃ بین یدیه وھو یصلی 'وکان من خلقه أن یسمی سلاحه ودوابه ومتاعة**۔ کہ آپ ﷺ پگڑی کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور بعض دفعہ بغیر عمامہ کے بھی پہنتے تھے اور آپ ﷺ پگڑی بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے۔ آپ ﷺ یمنی سفید رنگ کی ٹوپی پہنتے تھے۔ میدان جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور بعض دفعہ آپ ﷺ ٹوپی اتار دیتے تھے اور اپنے سامنے بطور ''سترہ'' کے رکھتے نماز پڑھتے ہوئے اور آپ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ اپنے سلاح سواری اور متاع کا نام رکھتے تھے۔ (کذا فی الجامع الصغیر للسیوطیؒ)

عورت کو ازار کی درازی میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے

۴۳۳۴: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ ذَكَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُرْخِيْ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِيْدُ عَلَيْهِ۔ (رواہ مالك وابوداود والنسائی وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٦٤ الحدیث رقم ٤١٧، والترمذی فی ٤/١٩٥ الحدیث رقم ١٧٣١، والنسائی فی ٨/٢٠٩ الحدیث رقم ٥٣٣٦، وابن ماجه فی ٢/١١٨٥ الحدیث رقم ٣٥٨٠، ومالك فی الموطأ ٢/٩١٥ الحدیث رقم ١٣ من کتاب اللباس، وأحمد فی المسند ٦/٣٠٩۔

ترجمہ: حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہئے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت۔ تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔ پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلاً فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاآنکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔ یہ مالکؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

تشریح: "فالمرأة" یہ کلام مقدر پر عطف ہے اور کلام مقدر یہ عبارت ہے: "رواة المؤمن الى انصاف ساقيه: فقال: اذا تنكشف: اذا: تنوین کے ساتھ ہے۔ تنکشف: رفع کے ساتھ اکثر نسخوں میں اور رسیدؒ کے نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔

قال: فذ راعا: ای فترخی ذرا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہاں ذراع سے مراد ذراع شرعی ہے کیونکہ وہ ذراع عرفی سے قصیر ہوتا ہے۔

۴۳۳۵: وَفِیْ رِوَایَةِ التِّرمَذِیُّ وَالنِّسَائِیُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ اِذَا تَنْکَشِفُ اَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَیُرْخِیْنَ ذِرَاعًا لَا یَزِدْنَ عَلَیْهِ.

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٦٥ الحدیث رقم ٤١١٩ والترمذی فی ٤/١٩٥ الحدیث رقم ١٧٣١، والنسائی فی ٨/٢٠٩ الحدیث رقم ٥٣٣٦۔

ترجمہ: اور ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد ہے۔ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں پھر ان کے قدم کھلے رہیں گے تو آپ نے فرمایا ایک ہاتھ کی مقدار لٹکالیں اور اس سے زائد نہ کریں۔

گھنڈی دار قمیص کا استعمال

۴۳۳۶: وَعَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ رَهْطٍ مِنْ مُزَیْنَةَ فَبَایَعُوْهُ وَاِنَّهٗ لَمُطْلَقُ الْاِزَارِ فَاَدْخَلْتُ یَدِیْ فِیْ جَیْبِ قَمِیْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٤٢ الحدیث رقم ٤٠٨٢، وابن ماجه فی ٢/١١٨٤ الحدیث رقم ٣٥٧٨ وأحمد فی المسند ٤/١٩۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ مزینہ کی ایک جماعت اسلام لانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی

انہوں نے اس حالت میں بیعت کی کہ آپ ﷺ کے قمیص مبارک کی گھنڈیاں کھلی تھیں تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے قمیص مبارک میں داخل کیا اور میں نے مہر نبوت پر ہاتھ پھیرا یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:قال اتيت النبي في رهط من مزينة:

''رھط'' ھاء کے سکون اور حرکت کے ساتھ' اس سے مراد طائفہ اور جماعت ہے۔''مزینہ'' تصغیر کے ساتھ ہے۔ یہ مشہور ومعروف قبیلہ ہے۔

یہ حرف جر''رھط'' کیلئے صفت ہے۔

اس کی تعداد تین سے دس تک ہوتی ہے۔(کذا فی الناس) اور بعض کا کہنا ہے کہ''رھط'' کا اطلاق چالیس افراد تک مشتمل جماعت پر ہوتا ہے۔جیسا کہ''النہایۃ'' میں مذکور ہے۔

یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ جس میں آیا ہے:**جاء جماعة من مزينة وهم أربعمائة راكب وأسلموا** کہ ''مزینہ'' سے ایک جماعت آئی' اس میں چار سو سوار تھے اور وہ مسلمان ہو گئے۔اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ چار سو افراد گروہ در گروہ آئے ہوں۔

یا اس لئے کہ اس کا اطلاق مطلق قوم پر بھی کیا جاتا ہے (کما قدمہ فی القاموس) اور''فی'' بمعنی''مع'' ہے' جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:**دخلوا في أمم**[الاعراف:۳۸] **وانه** :واؤ حالیہ ہے' اور''انّ'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔**اى والحال انه لمطلق الا زار:اى محلولها او متروكها مركبة**۔

''إزار'' اصل میں''زر'' کی جمع ہے۔میرک کہتے ہیں:ای غیر مشدود الازار آپ ﷺ کے بٹن بندھے ہوئے نہیں تھے اور علامہ عسقلانیؒ کہتے ہیں ای''غیر مزرور''۔اور شاید یہ اختلاف شمائل میں مروی حضرت قرۃ کی روایت کی وجہ سے ہے **قال:أيت رسول الله ﷺ في رهط من مزينة لنبايعه' وان قميصه لمطلق او غير مركبة بزار 'وقال:زرقميصه مطلق اى غير مربوط**۔فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مزینہ کی ایک جماعت میں آیا تا کہ ہم آپ ﷺ سے بیعت کریں اور آپ ﷺ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔اور کہا کہ آپ ﷺ کے قمیص کے بٹن بندھے ہوئے نہیں تھے'' اور یہ شک ترمذی کے شیخ کی جانب سے ہے۔ابن ماجہ اور ابن سعد نے اس میں اضافہ نقل کیا ہے:**قال عروة:فما رأيت معاوية و لأباه الامطلق الأزار في شتاء و لاخريف 'ولايزران ازراهما**۔حضرت عروہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد معاویہ اور ان کے والد کو کبھی بھی نہیں دیکھا مگر یہ کہ ان کے بٹن بندھے ہوئے نہیں دیکھا۔نہ ہی سردی میں اور نہ ہی گرمی میں اور نہ ہی ان دونوں کے قمیص میں بٹن ہوتے تھے۔

مشکاۃ کے نسخوں میں دونوں الفاظ راؤں کے ساتھ ہیں اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ہے وانہ لمطلق الازار کہ یہ مطلق ازار تھے۔شیخ الجزریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے''اصول'' اور روایات میں''الآزر'' زاء کے بعد بغیر راء کے ہے۔یہ''إزار'' کی جمع ہے اور جس سے مراد مطلق کپڑا ہے اور المصابیح کے بعض نسخوں میں یا اکثر نسخوں میں''إزرار'' یعنی''زر'' بکسر الزاء کی جمع ہے۔ ''زر'' ...ینہ الجیب کو کہتے ہیں اور''جیب قمیص'' سے مراد وہ طوق ہے جس سے انسان سر باہر نکالتا ہے اور عرب کی عادت یہ تھی کہ

وہ اس کو کشادہ رکھتے تھے اور اس میں بٹن نہیں لگاتے تھے۔ پس متعین ہو گیا کہ یہ صرف ''إزرار'' ہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جیسا کہ روایت مشہورہ میں ہے۔ اھ۔

میرک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب میں اس حدیث کی ''ابوداؤد'' کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ تخریج کی ہے: ''وإن قميصه لمطلق'' اور ایک دوسرے طریق میں یوں ہے: 'فرايته مطلق القميص'' اور یہ اس کی تائید کرتا ہے کہ یہ روایت: 'الازرار'' دو راؤں کے ساتھ ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا ''زر'' اور ''عروة'' بھی ہو۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اس طور پر کہ اس میں بغیر تکلیف کے ہاتھ داخل کیا جا سکتا تھا اور یہ علامہ ابن الجوزیؒ کی اس روایت کی تائید کر رہا ہے کہ جس کو انہوں نے ''الوفاء'' میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے: انه قال: ما اتخذ رسول الله ﷺ فميصاله زر کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قمیص نہیں بنائی کہ جس کے بٹن ہوں۔ علامہ ابن حجرؒ عصام کی اتباع میں کہتے ہیں فيه حل لبس القميص 'وحل الزر فيه 'وحل اطلاقه 'وأن طوقه كان مفتوحا بالطول لانه الذى يتخذ له الازرار عادة۔ اھ۔ آخری بات محل نظر ہے۔ کیونکہ عادات اشخاص زماناً ومکاناً مختلف ہوا کرتی ہیں اور ''اول'' میں بحث ہے۔ کیونکہ اس کے ''احب'' ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ چیز مستحب ہو۔

قوله: فادخلت يدى فى جيب قميصه: ''يدى'' صیغۂ مفرد ہے۔ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان سینے پر تھا۔ جیسا کہ آج کل عام عادت ہے۔ بے علم شخص نے یہ خیال کر لیا کہ ''یہ بدعت ہے''۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

''گریبان'' کی تحقیق:

یہ بات جان لینی چاہیے کہ ''جیب'' جیم کے فتحہ اور یاء کے سکون اور بائے موحدہ کے ساتھ ہے۔ آگے لکھتے ہیں: مايقطع من الثوب ليخرج الرأس أو اليد أ وغير ذلك کہتے ہیں: ''جاب القميص يجوبه ويجيبه اى قدر جيبه وجيبه أى جعل له جيبا'' اصل میں جیب کا معنی ہے: القطع والخرق۔ اس کا اطلاق اس چیز پر کیا جاتا ہے کہ جس کو ''صدر الثوب'' میں بنایا جاتا ہے تاکہ اس میں کوئی چیز رکھی جائے۔ ''ابوعبید'' نے اس کی تفسیر یہی بیان کی ہے۔ لیکن اس حدیث میں ''جیب'' سے مراد وہ طوق ہے جس نے گردن کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے۔

اسمٰعیلیؒ کہتے ہیں: جيب الثوب اى جعل فيه ثقب يخرى منه الرأس'' علامہ عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''فأدخلت يدى'' کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر تھا چونکہ صدر حدیث میں یہ بات مروی ہے۔

''فمسِت الخاتم'': پہلی سین پر کسرہ ہے۔ اور فتحہ بھی دیا جاتا ہے سین پر کسرہ پڑھنا فصیح لغت ہے اور اسی سے یہ آیت مبارکہ ہے: لايمه الا المطهرون [الواقعة: ۷۹] ''الخاتم'': تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ (اس کو ترمذی نے شمائل میں روایت کیا ہے اور ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ اور ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

سفید کپڑے کی محبوبیت

۴۳۳۷: وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَلْبِسُوا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ١٠٩/٥ الحديث رقم ٢٨١٠‘ والنسائی فی ٣٤/٤ الحديث رقم ١٨٩٦‘ وابن ماجه فی ١١٨١/٢ الحديث رقم ٣٥٦٧‘ وأحمد فی المسند ١٣/٥۔

ترجمہ: حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سفید کپڑے پہنو کہ وہ بہت پاکیزہ اور خوشتہ ہوتے ہیں اور اپنے اموات کو سفید کپڑوں کا کفن دو۔ یہ احمد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: قال: ”أبسو الثياب البيض:“

یہ ”بیض“ اصل میں ”أبیض“ کی جمع ہے ”بیض“ اصل میں ”بوص“ تھا‘ بروزن فُعل‘ جیسا کہ حمر‘ صفر‘ سود۔ قیاس تو یہ تھا کہ ”بوض“ ہوتا ہے‘ لیکن حرف اول کو کسرہ دے دیا‘ تاکہ یاء حرف اصلی باقی رہے۔

فا انها اطهر: ای لادنس ولا وسخ فيها۔ کیونکہ اس میں کوئی داغ اور میل کچیل باقی نہیں رہتا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ چونکہ سفید رنگ باقی رنگدار کپڑوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ (یعنی سفید کپڑے میلے جلدی ہو جاتے ہیں)۔ لہٰذا اس کو زیادہ دھویا جاتا ہے۔ اس لئے وہ اطہر ہے۔ اھ۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ اس لئے اطہر ہے کیونکہ یہ ظہور نجاست کو جلدی بتلا دیتا ہے برخلاف دوسرے رنگ کے‘ کہ اس میں ظہور نجاست جلدی نہیں ہوتا اور اس میں ایک احتمال ہے کہ شاید رنگائی میں نجاست ہوتی ہو اور سفید اس نجاست سے بری ہوتا ہے۔

”وأطيب“ یعنی طبعاً یا شرعاً احسن ہے۔ اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ماقبل کیلئے تاکید ہو۔ لیکن تاسیس قول سدید میں تاکید سے اولیٰ ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ ”اطیب“ اس لئے ہے کہ یہ عام طور پر تواضع پر اور کبر‘ خیلاء اور عجب کے عدم پر دلالت کرتا ہے۔

”وکفنوا“ اس کا عطف ”أبسوا“ پر ہے۔ ای البسوا فی حیاتکم وکفنوا فیها موتاکم۔

قوله: کفنوا فیها موتاکم یہ جو نص میں آیا ہے کہ تغییر مستحب ہے۔ جیسا کہ عورت کیلئے مستحب ہے کہ اس کے ہاتھوں کو مہندی لگائی جائے‘ اور جہاں کہیں کوئی غرض مباح نہ ہو یا کوئی اور صورت ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ جیسا کہ بعض صوفیائے کرامؒ نے پیلے رنگ کو دھونے کی کم احتیاجی کی وجہ سے اختیار کیا ہے اور اس کی حالت کی رعایت ہو۔ تو یہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ”أطهر“ اس لئے ہے کہ اس کو رنگ اترنے کے خوف کے بغیر دھویا جاتا ہے اور ”أطيب“ بمعنی ”آلذ“ ہے۔ کیونکہ مؤمن بندے کی لذت اس کے ثوب کی طہارت میں ہے۔

اور یہ جو علامہ ابن حجر العسقلانیؒ نے اس پر گرفت کی ہے: ”وفيه من الركاكة مالا يخفى“ تو اس میں ظہور خفاء کے ساتھ ساتھ جو خفاء ہے وہ بھی ما لا یخفی“ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ”اطیب“ بمعنی ”احل“ ہو۔

چنانچہ ''النهاية'' میں ہے کہ اکثر ''طیب'' بمعنی ''حلال'' مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ''خبیث'' بمعنی ''حرام'' مستعمل ہے اسکی تائید باری تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ......﴾ [المائدة: ۱۰۰] ''کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش ہی لگے۔ تو عقل والو خدا سے ڈرتے رہو تا کہ رستگاری حاصل کرو'' اور ابن ماجہ نے ابی درداء سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''إن احسن ما زرتم الله في قبوركم ومساجدكم البياض''۔

علامہ میرکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد میں مروان بن سالم الغفاری ہے جو متروک الحدیث ہے اور اس کے باقی رجال ثقات ہیں۔ (انتھی) بعض نے کہا ہے کہ ''اطیب'' بمعنی ''احسن'' ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنے اس رنگ پر باقی رہتا ہے کہ جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ......﴾ [الروم: ۳۰] ''(اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' اور یہ معنی اس کے بہت ہی مناسب ہے۔ کیونکہ یہ اس قول کے ساتھ مقترن ہے: ''وكفنوا فيها موتاكم'' پس اس میں اشارہ ہے کہ ان کو چاہیے کہ وہ سارے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں۔ زندہ ہوں یا مردہ اس فطرت اصلیہ پر۔ جو بیاض کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور وہ فطری توحید ہے۔ اس طور پر کہ اگر اس کو تن تنہا چھوڑ دیا جائے تو بالطبع اس توحید کو اختیار کرے گا کسی عقلی یا نقلی دلیل کو مدنظر رکھے بغیر اور اس فطرت جبلی کو عوارض مصنوعہ تبدیل کرتے ہیں جو کہ رنگ دار کپڑوں کے مشابہ ہیں اور اس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا ہے:

''فابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه'' یہ سب کچھ تقلید محض کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ عام امت پر غالب ہے۔ جیسا کہ انہوں نے کہا: وجدنا اباء نا على امة۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۳۸] ''(کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔

اور بیاض میں طہارت باطن کی طرف اشارہ ہے کہ غل، ملاوٹ، دشمنی اور تمام اخلاق رذیل جیسی چیزوں سے پاک ہے یہ چیزیں حکمی نجاسات کے مشابہ ہیں بلکہ حقیقی نجاسات ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ [الشعراء: ۸۸-۸۹] ''جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)''۔

حاصل یہ کہ ظاہر اصل میں باطن کا عنوان ہے اور یہ کہ ظاہری بدن اور کپڑوں وغیرہ کے پاک وصاف ہونے اور ان کی تزئین وآرائش کو ''باطن'' میں تاثیر بلیغ حاصل ہے اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وربك فكبر و ثيابك فطهر۔ یہاں پر امرین کو جمع کیا ہے اور حدیث شریف میں ایک مخفی اشارہ ہے۔ کہ دنیا میں لبس بیاض اطیب ہے کیونکہ اس سے اہل عقبیٰ کا لباس یاد آتا ہے اور اشارہ ہے کہ اس کا مآل اور انجام ایک آزمائش ہے۔ تو کسی عاقل کے لئے مناسب نہیں۔ کہ وہ اس کی تحصیل میں

بلاء کا متحمل ہو۔

پھر یہ بات بھی جاننی چاہیے کہ کفن میں سفید رنگ اس لئے افضل ہے۔ کہ میت کو مسلسل ملائکہ سے واسطہ پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس شخص کا لباس افضل ہونا چاہیے جو محافل میں آتا جاتا ہو۔ جیسا کہ مسجد میں جماعت کیلئے داخل ہونا اور علماء اور کبراء کے ساتھ ملاقات کرنا۔

اور عید کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں افضل لباس وہ ہے جو قیمت کے لحاظ سے ارفع ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی کا اظہار ہو،اس کی زینت کا اظہار ہو اور اس کے خصوصی احسانات کا اظہار ہو۔

اس قول کی تائید ''جامع الصغیر'' میں مروی بیہقی کی روایت سے بھی ہوتی ہے

عن جابر انه ﷺ كان يلبس برده الأ حمر في العيد والجمعة حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ عیدین اور جمعہ کے موقع پر اپنی سرخ (دھاری) دار چادر پہنتے تھے' اور یہاں بیان سے مراد یہ ہے کہ اس میں سرخ رنگ کی دھاریں تھیں۔ کیونکہ عام طور پر چادریں پیلی اور سرخ یا ان جیسے رنگوں کی دھاریوں سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ لغۃً وعرفاً معلوم ہی ہے۔ (واللہ اعلم)۔

شمائل ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

''عليكم بالبياض من الثياب ليلبسها أحياؤكم' وكفنوا فيها موتاكم' فإنها من خيا رثيابكم''

اور جامع صغیر میں ان الفاظ کو ''سمرہ'' کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور کہا ہے: **رواه احمد والنسائي والحاكم عنه**

پگڑی کا شملہ مونڈھوں کے مابین

۴۳۳۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ۔

(رواه الترمذي وقال هذ حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ١٩٧ الحديث رقم ١٧٣٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب شملہ باندھتے تو پگڑی کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑتے یہ ترمذی کی روایت ہے یہ روایت حسن غریب ہے۔

تشریح: قوله: قال: كان رسول الله إذا اعتم: اعتم : میم مشدد ہے۔ عمامته: (یہاں مضاف محذوف ہے۔) ای طرفہ۔ اس کو ''علامة'' اور ''عذبة'' بھی کہتے ہیں۔ بين كتفيه : بصیغۂ تشنیہ ہے

اور ایک روایت میں ہے: ''ارسلها بين يديه ومن خلفه'' البتہ افضل پہلی صورت ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے ''الوفاء'' میں ابو معشر عن خالد الذاء کے طریق سے روایت کیا ہے قال: **أخبرني ابن عبد السلام قال : قلت لابن عمر : كيف كان رسول الله يعتم؟ قال يدير كور العمامة على رأسها ويفر شها من ورائه ويرخي لها ذ؛ابته بين كتفيه**۔ کہ مجھے ابن عبدالسلام نے خبر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے

عمامہ باندھتے تھے؟ تو فرمایا کہ آپ ﷺ کو رعمامہ کو سر پر مدور باندھ لیتے اور پیچھے اس کو بچھا دیتے اور اس کو شانوں کے درمیان ذوائب لٹکا دیتے۔

''ترمذی'' میں ہے: **قال نافع: وكان ابن عمر يفعل ذلك. قال عبيد الله ورأيت القاسم بن محمد وسالما يفعلان ذلك اى ماذكر من اسدال طرف العمامة بين الكتفين**۔ کہ نافع کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد اور سالم کو بھی ایسا کرتے دیکھا ہے۔ ای ''**إسدال طرف العمامة بين الكتفين**''۔

دوشملوں والی پگڑی

۴۳۳۹: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٤١ الحديث رقم ٤٠٧٩۔

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے پگڑی بندھوائی اور اس کا ایک شملہ ایک اگلی جانب اور ایک پچھلی جانب چھوڑ دیا یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **عَمَّمَنِيْ**: دوہرے میم کے ساتھ ہے۔

قوله: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ۔

علامہ ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی کہ میرے عمامہ کے دو اطراف کو لٹکایا۔ ایک کو میرے سینے پر اور دوسرے کو میری پشت پر۔

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد اور مصنف رحمہ اللہ نے جامع میں اپنی سندوں کے ساتھ اہل مدینہ کے ایک شیخ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر عمامہ باندھا' اور اس کے دو اطراف کو میرے آگے اور پیچھے لٹکایا اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو عمامہ باندھا اور ان کے کندھوں پر اس کے طرفین کو لٹکایا۔

''شرح السنہ'' میں ہے کہ محمد بن قیس کا کہنا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو عمامہ باندھے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اس کے طرفین کو اپنے آگے اور پیچھے لٹکایا تھا۔

کتب سیر میں یہ بات کہ روایات صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے علامت اور ذائبۃ کو بعض دفعہ شانوں کے درمیان لٹکاتے تھے اور بعض دفعہ بغیر علامت کے پگڑی پہنتے۔ لہٰذا یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان دونوں امور میں سے کسی ایک کو بھی بجالانا سنت ہے۔

پگڑی کے نیچے ٹوپی

۴۳۴۰: وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ .

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب واسناده ليس بالقائم)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٤٠ الحديث رقم ٤٠٧٨، والترمذی فی ٤/ ٢١٧ الحديث رقم ١٧٨٤۔

ترجمہ: حضرت رکانہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپی پر پگڑی باندھتے ہیں یہ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند درست نہیں۔

تشریح: القلانس: ''قاف کے فتحہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ یہ ''قلنسوة'' کی جمع ہے اور یہ ٹوپی وغیرہ کو کہتے ہیں کہ جس پر عمامہ باندھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں جبکہ وہ عمامہ کو اسی طرح باندھ لیتے ہیں۔

(ذکره الطیبیؒ وغيره من الشراح وتبعهما ابن الملکؒ)

رواه الترمذی وقال هٰذا حديثٌ غريب وإسناده ليس بالقائم۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ اس کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ شاید کہ اس کی سند قائم ہو یا اس کے ساتھ قیام حاصل کیا جا سکتا ہو۔

علامہ جزریؒ سے منقول ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ٹوپی اور عمامہ دونوں پہنے جائیں۔ البتہ صرف ٹوپی پہننا مشرکین کا لباس ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد اور ترمذیؒ کی حدیث رکان میں ہے۔ (انتہی) یہ محل نظر ہے چونکہ یہ شراح کے سابقہ کلام کے منافی ہے۔ لیکن علامہ میرک نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے: **انه رسول الله ﷺ كان يلبس القلانس تحت العمائم ويلبس العمائم بغير القلانس**۔ اھ۔ کہ رسول اللہ ﷺ پگڑی کے نیچے ٹوپی پہنا کرتے تھے اور پگڑی کو بغیر ٹوپی کے بھی باندھتے تھے اور صحابہ سے یہ بات مروی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہے۔ لہٰذا متعین ہو گیا کہ یہ مشرکین کا لباس ہے۔

قضاعی اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **العمائم تيجان العرب، والاحتباء حيطانها، وجلوس المؤمن فی المسجد رباطها**۔ کہ ''عمامے عرب کے تاج ہیں اور احتباء ان کے حیطان ہیں اور مؤمن کا مسجد میں بیٹھنا اس کیلئے رباط ہے۔''

اور دیلمیؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے یوں روایت کیا ہے: ''**العمائم تيجان العرب، فاذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم**'' جب وہ پگڑیوں کو اتار دیں گے تو گویا کہ انہوں نے اپنی عزت کو اتار دیا۔ البارودی نے رکانۃ سے یوں روایت کیا ہے: ''**العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين، يعطى يوم القيامة لكل كورة يدورها على راسه نورا** ''۔

ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

صلاة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا و عشرين صلاة بلا عمامة ' و جماعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة۔

کہ ''نفلی یا فرض نماز پگڑی کے ساتھ پڑھنے کا ثواب بغیر پگڑی کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور عمامہ کے ساتھ جمعہ المبارک کی نماز پڑھنے کا ثواب ستر جمعوں کے برابر ہے۔ پس یہ تمام روایات عمامہ کی مطلق فضیلت پر دلالت کر رہی ہیں۔ ہاں ان احادیث میں جمع یوں ممکن ہے کہ عمامہ ٹوپی کے ساتھ افضل ہے۔ یا تو اس لئے کہ اس کے ساتھ خوبصورتی مزید بڑھ جاتی ہے یا اس لئے کہ ٹوپی پگڑی کو پسینہ سے بچاتی ہے' اور اسی لئے اس کو ''**عرقية**'' بھی کہتے ہیں۔ تو جس نے اس کو اکیلے پہنا تو وہ مخالف سنت ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ مشرکین کا لباس ہے اور اسی طرح بعض ممالک میں یہ بدعتیوں کی عادت ہے۔ لیکن اب یہ یمن کے بعض مشائخ کرام کا شعار بن گیا ہے۔ (**واللّٰہ اعلم بمقاصدھم و نیاتھم**)۔

علامہ امام جزریؒ نے ''تصحیح المصابیح'' میں لکھا ہے کہ ''کتب'' کا تتبع کیا اور تاریخ و سیر میں بہت تلاش کیا کہ میں نبی ﷺ کے عمامہ کی مقدار معلوم کرسکوں' لیکن میں اس سلسلہ میں کسی شئی پر مطلع نہیں ہوسکا۔ یہاں تک مجھے ایک نے خبر دی جو میرے تئیں ثقہ ہے' کہ وہ امام نووی کے کلام پر مطلع ہوا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کی ایک چھوٹی پگڑی تھی اور ایک پگڑی بڑی تھی۔ چھوٹی پگڑی سات ذراع کی تھی اور بڑی پگڑی بارہ ذراع کی تھی۔ اھ۔ البتہ مدخل کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اور ان کا عمامہ مطلق سات ذراع کا تھا' قصر و طویل کی کوئی قید نہیں ہے اور لباس کے معاملہ میں آپ ﷺ کی سیرت باقی معاملات میں سیرت کی طرح اتم ہے اور لوگوں کو اس کا نفع اعم ہے۔ اس لئے کہ عمامہ بڑا ہوگا تو وہ سر کو آفات حسیہ اور معنویہ سے محفوظ رکھے گا۔ جیسا کہ فقہاء مکیہ و قضاۃ رومیہ کے مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ چھوٹا عمامہ گرمی اور سردی سے محفوظ نہیں رکھتا۔ تو یہ اس کو وسط بنائے گا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ آپ اپنے تمام افعال میں اعتدال سے کام لیں۔

صاحب مدخل فرماتے ہیں: **وعليك ان تسترول قاعداوتتعم قائما** کہ تم پر یہ لازم ہے کہ سراویل بیٹھ کر پہنو' اور عمامہ کھڑے ہو کر باندھو اور ابن حجرؒ کی ''شرح الشمائل'' میں ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے اپنے شیخ ابن تیمیہؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک انوکھی چیز کو ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ نے جب اپنے رب کریم کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ کتفین کے درمیان رکھے ہوئے ہے تو اس موضع کو ''عذبۃ'' کے ساتھ عزت و اکرام بخشا۔ عراقی فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ یعنی سنت میں۔ (یعنی حدیث میں)۔

عرض مرتب:

علامہ ابن حجرؒ نے یہاں کچھ سخت کلام فرمایا ہے جو من وعن نقل کرنا ہی بہتر لگتا ہے: **بل هذا من قبل رأيهما وضلالهما اذهو مبنى على ماذهبا اليه وأطالا فى الاستدلال له والحط على أهل السنة والجماعة فى نفيهم له' وهو اثبات الجهة والجسمية لله تعالىٰ ولهما فى هذا المقام من القبائح وسوالا عتقاد ما تصم عنه الاذان' ويقضى عليه بالزوروالبهتان قبحهما الله وقبح من قال بقولهما۔** امام احمد اور ان کے مذہب کے جلیل القدر لوگ

اس قبیح عقیدے سے بری ہیں۔اور کیوں نہ ہوں یہ اکثر کے ہاں کفر ہے۔میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اس نسبت سے بچائے اور جس نے ندیم الباری شیخ عبداللہ انصاری حنبلیؒ کی شرح ''منازل السائرین'' کا مطالعہ کیا ہے۔

حالانکہ وہ بالاتفاق صوفیہ کرام کے ہاں شیخ الاسلام تھے۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں اہل سنت والجماعت میں سے تھے۔بلکہ اس امت کے اولیاء کرام میں سے ہیں۔شیخ الاسلام کا یہ کلام ان کے مرتبہ سنۃ اور مقدار علم کو واضح کرتا ہے اور یہ کہ وہ ''تشبیہ'' و''تمثیل'' سے بری ہے جو ان کے ''جہی'' دشمنوں نے منسوب کی ہیں۔جیسا کہ رافض کہتے ہیں کہ وہ نواصب ہیں اور ناصبہ کہتے ہیں کہ وہ روافض ہیں۔اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ نوائب ہیں۔

یہ (الزامات) لگانا رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کی میراث ہے کہ انہوں نے ان پر اور ان کے صحابہ کرامؓ پر الزام عائد کیا کہ وہ ''صباۃ'' ہیں اور یہ کہ انہوں نے ایک نیا دین دیجاد کیا ہے اور یہ محدثین اور اہل السنۃ کی میراث ہے نبی ﷺ سے ملی ہے کہ وہ اہل باطل کو القاب مذمومہ کے ساتھ الثا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کی روح کو پاک کرے۔جیسا کہ جب ان کی طرف رافضیت کی نسبت کی گئی تو فرمایا: انہوں نے ؎

إن كان رفضا حب آل محمد ❁ فليشهد الثقلان انی رافضی

اگر آل محمد ﷺ کی محبت رفض ہے۔تو ثقلین کو گواہی دینی چاہئے کہ میں رافضی ہوں۔

اور اللہ راضی ہو جائے ہمارے شیخ ابو عبداللہ بن تیمیہ سے کہتے ہیں:

إن كان نصباحب صحب محمد ❁ فليشهد الثقلان انی ناصبی

اگر اصحاب محمد کی محبت ناصیت ہے تو ثقلین گواہی دینی چاہئے کہ میں ناصبی ہوں۔

اور اللہ عفوو درگزر فرمائے ایک تیرا کہنے والا کہتا ہے:

فان كان تجسيما ثبوت صفاته ❁ وتنزيهما عن كل تأويل مفتر

فإني بحمد الله ربی مجسم ❁ هلموا شهودًا واملئوا كل محضرٍ

اگر اس (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا ثبوت اور اس کی صفات کو ہر تراشیدہ تاویل سے پاک قرار دینا ''تجسیم'' ہے تو میں بحمد اللہ اقرار کرتا ہوں کہ میرا رب صاحب جسم ہے آؤ گواہ بن جاؤ اور حاضر ہونے کی ہر جگہ (اور ہر دستاویز) کو بھر دو۔

پھر شرح مذکور میں وہ چیزیں بیان کی ہیں جو مذکورہ تشنیع سے سراعت پر دلالت کرتی ہے۔امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: الرحمٰن على العرش استوىٰ [طٰہٰ:۵] کہ استوای کی کیا کیفیت ہے؟ تو اس پر امام مالکؒ نے اپنا سر جھکا لیا' یہاں تک کہ پسینہ سے سخت شرابور ہو کر سر اٹھایا اور پھر فرمایا کہ ''استواء معلوم ہے' کیفیت غیر معقول ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔اس لفظ کے معنی معلوم اور اس کیفیت کے درمیان جس کو بشر نہیں سمجھتا' کے درمیان فرق ہے۔

امام مالکؒ کا یہ جواب سمع و بصر، علم و حیاۃ، قدرت و ارادہ، نزول و غضب' و رحمت و ضحک وغیرہ کے تمام مسائل صفات کے

لئے شافی ومحیط ہے۔ان تمام صفات کے معانی معلوم ہیں' البتہ اس کی کیفیت غیر معقول ہے۔کیونکہ کیفیت کو سمجھنا کیفیت ذات اور اس کی کنہ کے علم کی فرع ہے۔پس جب یہ غیر معلوم ہے تو وہ کیفیت صفات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔اس باب میں نفع بخش بچاؤ کی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے جس وصف کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے موصوف کیا ہے۔بغیر کسی تحریف اور تعطیل کے' اور بغیر کیفیت وتمثیل کے۔ بلکہ اس کیلئے اسماؤ صفات کو ثابت مانا جائے اور اس سے مشابہت مخلوقات کی نفی کی جائے تو آپ کا اثبات تشبیہ سے منزہ ہوگا اور آپ کی نفی تعطیل سے منزہ ہوگی۔لہٰذا جس نے حقیقت استواء کی نفی کی تو وہ ''معطل'' ہے اور جس نے استواء رحمٰن کو استواء مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دی تو وہ ''مشبہ'' ہے اور جس نے کہا کہ یہ استواء ایسا ہے کہ اس کی طرح کی کوئی چیز نہیں ہے تو یہی شخص موحد منزہ ہے۔ان کا کلام ختم ہو گیا،اور اس کا مقصد واضح ہو گیا' اور ظاہر ہو گیا کہ ان کا عقیدہ سلف اہل حق اور جمہور خلف کے مسلک کے موافق ہے۔

لہٰذا یہ طعن شنیع ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا کلام بعینہٖ امام اعظمؒ اور مجتہد اقدم کے مسلک کے موافق ہے جو انہوں نے ''الفقه الأکبر'' میں بیان کیا ہے۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ید' وجہ اور نفس ثابت ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو وجہ ید، اور نفس کا ذکر کیا ہے تو وہ اس کی صفات ہیں' بلا کیف ہیں۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کے ''ید'' سے مراد اس کی قدرت ہے۔یا اس کی نعمت ہے۔کیونکہ اس میں ابطال صفت لازم آتا ہے۔قدریہ اور معتزلہ کا یہی قول ہے اور غضب ورحمت اس کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں' بلا کیف ہیں۔(انتھی) اس طرح سے کہ اس سے اعتقاد تجسیم کی نفی ہو جائے۔تو جو معنی جو حدیث کریمہ میں مذکور ہے اس کی توجیہ بالکل ظاہر ہے۔چاہے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے رب کریم کو خواب میں دیکھا ہو' یا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صوری فرمائی ہو' اور تجلی ارباب حال ومقام کے ہاں معروف ومشہور ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے انبیاء کے احوال سے اور اپنے چنیدہ لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہے جن کو اس نے مہذب بنایا۔اور ان کے دلوں کو کھول دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اشواق نصیب کر دے۔ہمیں ان کے احوال واخلاق سے نواز دے اور ہمیں ان کے احوال واخلاق سے نواز دے اور ہمیں ان کے طریقہ پر زندہ رکھے اور ان کی محبت پر موت عطا کرے اور ہمیں ان کے زمرہ میں اٹھائے۔

مردوں کے لئے ریشم وسونے کی حرمت

۴۳۴۱:وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاُنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُکُوْرِهَا۔

أخرجه الترمذی فی السنن ١٨٩/٤ الحدیث رقم ١٧٢٠ الحدیث رقم ١٦١/٨ الحدیث رقم ٥١٤٨' وأحمد فی المسند ٣٩٢/٤۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا حرام کیا اور میری امت کی عورت کے لئے ان کو حلال کیا۔یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ترمذی

نے اس کو حسن صحیح کہا۔

تشریح: احل الذهب والحرير للاناث من امتی:اُحل : بصیغہ ماضی ہے۔اناث:ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے حرم:کی ضمیر کا مرجع "ماذکر" یا "کل واحد منهما" ہے یہاں "ذکور" اپنے عموم کے ساتھ صبی کو بھی شامل ہے۔لیکن چونکہ صبی مکلّف نہیں ہیں اس لئے صبی کو پہنانا حرام ہے اور "ذهب" سے مراد سونے کے زیورات ہیں ورنہ تو سونے اور چاندی کے برتن تو مرد وعورت سب پر حرام ہیں اور اسی طرح چاندی کے زیورات بھی عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔مگر مردوں کے لئے انگوٹھی وغیرہ کے لئے جائز ہے۔جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

تخریج:اوراسی طرح اس کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

کپڑا پہننے کی دعا

۴۳۴۲:وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ عِمَامَۃً اَوْ قَمِیْصًا اَوْرِدَآءً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَہٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٠٩ الحديث رقم ٤٠٢٠، والترمذی فی ٤/٢٠٠ الحديث رقم ١٧٦٧، وأحمد فی المسند ٣/٣٠۔

ترجمہ:حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ جب کوئی کپڑا پہنتے تو اس کپڑے کا نام لے کر مثلاً عمامہ قمیص پھر یہ دعا فرماتے اللھم لك الحمد كما......اے میرے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں کہ آپ نے مجھے یہ قمیص پہنائی۔میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی اور بدن کی عافیت مانگتا ہوں کہ کوئی عافیت اس کو نہ پہنے اور اس کی بھلائی مانگتا ہوں کہ جس کے لئے بنایا گیا ہے یعنی پہن کر طاعت کی توفیق دے اور اس کی برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس کی برائی سے جس کے لئے بنایا گیا یعنی اس کو پہن کر گناہ نہ کروں۔یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح:قوله:كان رسول الله ﷺ اذا استجد ثوبا:

"استجد":نیا لباس پہننا اور القاموس کے مطابق اس کا اصل یہ ہے:"صير ثوبه جديدًا" اور بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ جس نے "استجد" معنیٰ کیا ہے:"ای طلب ثوبًا جديدًا"۔

اور ابن حبان نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے: قال: كان رسول الله ﷺ اذا استجدثوبالبس يوم الجمعة۔رسول اللہ جب نیا کپڑا پہننے کا ارادہ کرتے تو جمعہ کے روز پہنتے اور اسی طرح خطیب نے اور بغویؒ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے۔پس معنیٰ اس کا یہ ہوگا کہ جب نیا کپڑا پہننے کا ارادہ کرتے تو اس کے پہننے کی ابتداء جمعہ کے روز کرتے اور یہ تشریح اس قول کے منافی نہیں ہے:"سماه با سمه"۔

قوله:سماه باسمه: ضمیر منصوب ثوب کی طرف راجع ہے اور اس سے جنس ثوب مراد ہے۔یعنی اس کا جو نام معروف

متعین شخص سے فرماتے۔ موضوع لہ ہوتا تھا۔ چاہے وہ کپڑا عمامہ ہوتا یا قمیص یا چادر ہوتی۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور کپڑا ہوتا۔ مثلاً ازار، سراویل اور موزے وغیرہ ہیں۔ مقصود اس سے تعمیم ہے اور تخصیص تمثیل کیلئے ہے۔

یعنی یوں کہتے: **رزقنی الله أو أعطانی أو کسانی هذه العمامة أو القمیص أو الرداء**۔ کہ اللہ نے مجھے دیا ہے۔ یا مجھے یہ پگڑی، قمیص پہنائی ہے۔

"او" تنویع کیلئے ہے لیکن پہلی بات زیادہ واضح اور فائدہ کے لحاظ سے اتم و اکثر ہے اور یہی مظہرؒ کا قول ہے، اور دوسرا قول علامہ طیبیؒ کا مختار ہے۔

قوله: "ثم یقول للهم لك الحمد کما کسوتنیه":

یہاں پر کاف تعلیلیہ ہے۔ یا بمعنیٰ "علیٰ" ہے اور ضمیر "مسمّٰی" کی طرف راجع ہے۔ مظہرؒ کہتے ہیں اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ تسمیہ "**اللهم لك الحمد کما کسوتنی هٰذا القمیص او العمامة**" کہتے وقت پڑھتے ہوں، لیکن پہلی بات زیادہ اوجہ ہے۔ کیونکہ "**ثم**" کے ذریعہ عطف کرنا اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اھ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ "**تسمیة**" سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کلام کے ضمن میں، یعنی **کسوتنیه** کی ضمیر سے بدلہ۔ علاوہ ازیں یہ اس کے ساتھ مناسبت بھی نہیں رکھتا ہے۔ نیز یہ دعاء کے ظاہری الفاظ کے مخالف بھی ہے اور انہوں نے فرمایا: "**کما کسوتنیه**" محلاً مرفوع ہے۔ اس طور پر کہ یہ مبتدا مؤخر ہے۔

قوله: اسألك خیره وخیر ما صنع له: یہ کلام...... مشبہ ہے۔ **ای مثل ما کسوتنیه من غیر حول منی ولاقوة أسألك خیره ......**: یعنی جیسا کہ اے رب تو نے میری طاقت اور قوت کے بغیر مجھے یہ کپڑا پہنا دیا اسی طرح میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی بہتری کا اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے یعنی پیدا کیا گیا ہے یعنی جوارح اور قلب سے شکر کے لئے اور یہ کہ مولیٰ کی تعریف زبان کے ساتھ ہو جائے۔ اھ اور ہم نے جو بات پہلے کی ہے، وہ اولیٰ ہے۔ لہٰذا "**اسألك**" تقدیم ثناء کے بعد استئناف ہے۔

"**واعوذبك**": کا پر عطف **اسألك** ہے۔ یعنی میں تیری پناہ میں آتا ہوں. اس کے شر سے اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے یعنی کفران نعمت سے اور "کما" میں احتمال ہے، کہ اس کا تعلق "**اسألك**" کے ساتھ ہو۔ اور معنیٰ یہ ہوگا کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس چیز کا جو اس کے خلق پر مترتب ہے۔ یعنی خیر و بھلائی اور وہ ہے اس کے ساتھ عبادت کرنا، اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف کرنا ہے اور اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جس پر تیری ناراضگی مترتب ہوتی ہے مثلاً کبر اور تکبر کرنا اور اس کی حرمت کی وجہ سے مجھے سزا مل جائے۔ میرک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کپڑے کی خیر اس کی بقاء ونقد (ستھرائی) ہے اور یہ کہ اس کو ضرورت وحاجت کے لئے پہننا ہے۔

"**خیر ما صنع له**" سے مراد وہ ضروریات ہیں، جن کی وجہ سے لباس بنایا جاتا ہے۔ یعنی گرمی و سردی سے بچنا، اور ستر پوشی۔

ان امور میں سوال خیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑا اس مطلوب تک پہنچائے۔ جس کے لئے وہ کپڑا بنایا گیا ہے۔ یعنی عبادت میں اور اپنے مولیٰ کی اطاعت میں معاونت حاصل ہو اور شر میں مذکورہ امور کا برعکس ہے اور وہ ہے اس کا حرام ونجس ہونا

اورطویل مدت تک پاک صاف نہ کیا جائے یا یہ کہ وہ معاصی، شرور افتخار۔ عجب (خود پسندی) اور غرور کا سبب بن جائے، اور اس پر عدم قناعت ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

وکذا احمد والنسائی وابن حبان والحاکم۔

شرح السنہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمرؓ پر ایک سفید قمیص دیکھی۔ تو آپ نے فرمایا: کہ آپ کی یہ قمیص نئی ہے۔ یا دھلی ہوئی ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا بلکہ دھلی ہوئی ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "البس جدیدًا، وعش حمیدًا، ومت شھیدًا"۔

کھانا کھانے کی دعا

۴۳۴۳: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنِىْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّىْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواہ الترمذی وزادابوداود) وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّىْ وَلَاقُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣١٠ الحدیث رقم ٤٠٢٣، والترمذی فی ٥/ ٤٧٤ الحدیث رقم ٣٤٥٨، وابن ماجه فی ٢/ ١٠٩٣ الحدیث رقم ٣٢٨٥، وأحمد فی المسند ٣/ ٤٣٩۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانا کھائے وہ اس طرح دعا کرے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ ...... تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کی جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور یہ کھانا بغیر حیلہ اور وقت کے پہنچایا۔ (جب یہ دعا پڑھتا ہے) تو اس کے پہلے گناہ یعنی صغیرہ بخشے جاتے ہیں یہ ترمذی کی روایت ہے۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ کہ جو کپڑا پہنے وہ اس طرح کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّىْ وَلَاقُوَّةٍ۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور میرے حیلہ اور قوت کے بغیر عنایت فرمایا۔ (یہ کہنے سے) اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

تشریح: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ یہاں لفظ "وما تأخر" نہیں ہے ترمذی وابوداؤد میں اور مصابیح کے بعض نسخوں میں اگلے جملہ کے قرینہ کی وجہ سے تو ھما بڑھا دیا گیا ہے۔

قوله: غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر:

علامہ میرکؒ کہتے ہیں کہ امام احمد اور مؤلف نے اپنی کتاب میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ابوداؤد اور حاکمؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا اور ابن ماجہ نے معاذ بن انسؓ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "من لبس ثوبا فقال: الحمد لله الذی کسانی هذا و رزقنيه من غير حول منی ولا حوة غفر له ماتقدم من ذنبه اور ابوداؤد نے اپنی روایت میں "وماتاخر" کا اضافہ نقل کیا ہے۔ اھ اور قرینہ اولیٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس

کو ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، حاکمؒ اور ابن سنیؒ نے معاذ بن انسؓ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ''الحصن'' میں بھی ہے۔ تو مؤلف کا یہ قول ''وزاد أبو داؤد'' وہم پیدا کرتا ہے اس بات کا کہ ''پہلے جملہ کو ترمذیؒ نے روایت نہیں کیا ہے'' حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ امام حاکمؒ نے ''المستدرك'' میں عائشہؓ سے روایت کیا ہے: قالت: قال رسول اللہ ﷺ ''ما اشتریٰ عبد ثوبا بدينار او نصف دينار فحمد اللّٰه عليه الا لم يبلغ ركبتيه حتى يغفر اللّٰه له''۔

امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی سند کے بارے میں کسی بھی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اس پر جرح کی ہو۔

اور جامع صغیر میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ''ان من امتى من يأتى السوق فيبتاع القميص بنصف او ثلث دينار فيحمد اللّٰه تعالىٰ اذالبسه فلا يبلغ ركبيته حتى يغفر له''۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے۔

مسافر کے توشہ پر دُنیا میں اکتفاء

۴۳۴۴: وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِيْ فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَاِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِيْ ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ (رواه الترمذى وقال هذ حديث غريب لا نعرفه الا من حديث صالح بن حسان وقال محمدبن اسما عيل صالح بن حسان منكرالحديث)

أخرجه الترمذى فى السنن ٤/ ٢١٥ الحديث رقم ١٧٨٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ ؓ! اگر تو میرے ساتھ ملنا چاہتی ہے یعنی دنیا و آخرت میں اتصال و پیوستگی چاہتی ہے تو تجھے دنیا سے اسی پر اکتفاء کرنا ہوگا جو توشہ کہ مسافر سوار لیتا ہے اور دولت مندوں کی ہم نشینی سے بچتی رہ اور کپڑے کو پرانے ہونے پر پرانا شمار نہ کر اور نہ اس کو پھینک یہاں تک کہ اس پر پیوند لگائے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے یہ صرف صالح بن حسان کی سند سے معروف ہے۔ امام بخاری نے صالح کو منکر الحدیث قرار دیا ہے یعنی اس کی روایت منکر ہے۔

تشریح: قوله: فليكفك من الدنيا كزادالراكب: ''کاف'' جر ''مثل'' کے معنی میں ہے۔ ای مثلہ یہ ''یکفی'' کا فاعل ہے۔

تو تمہارے لئے دنیا میں سے اتنا کافی ہونا چاہیئے، جتنا کہ ایک سوار کا ''توشہ'' ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو دنیا کی تھوڑی چیز پر قناعت کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ تم راہ ''عقبیٰ'' کے راہرو ہو۔

مالدار لوگوں کی مجالس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ چہ جائیکہ وہ ارباب دنیا کے مجالس ہوں۔ کیونکہ ان کے مجالس شہوات ولہوات کی محبت کی طرف جاتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ تم ارباب دنیا کی طرف مت دیکھو۔ کیونکہ اغنیاء فقراء کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا تمدن عيينك......﴾ [الاعراف:١٥٥] اور حدیث میں آتا ہے: اتقوامجالسة الموتى'

قيل :ومن هم يا رسول الله ؟قال :الاغنياء۔ مردوں کی ہم نشینی سے بچو۔ تو کسی نے پوچھا، کہ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟۔ تو آپ نے فرمایا، مالدار لوگ۔

دیلمیؒ نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اترکو الدنیا لأهلها فانه من أخذمنها فوق مایکفیه أخذ من حتفه وهو لایشعر۔ کہ تم دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دو۔ چونکہ جس نے کفایت سے بڑھ کر اس کی دنیا سے لیا اس نے بن سوچے سمجھے اپنی موت کو لیا۔

قوله: ولا تستخلقي ثوبا خائے معجمہ اور قاف کے ساتھ' یعنی اس کو پرانا شمار کرو۔ استخلق ضد ہے استجد کی۔ یہی اکثر شراح کا قول ہے اور اشرفؒ کہتے ہیں کہ فاء کے ساتھ مروی ہے' استخلف لہ سے ہے۔ جب کوئی اس کے لئے عوضاً طلب کرے۔ اصل میں اس کا استعمال ''مِن'' کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن توسّعاً حذف کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت قرآنی میں ہے: ﴿واختار موسٰى قومه﴾ [الاعراف:۱۵۵]

حتى ترقعيه: قاف کی تشدید کے ساتھ' یعنی جب تک تم اس پر پیوند لگا کر اس کو ایک مرتبہ پہن نہ لو۔ اس حدیث میں ابھارا گیا ہے اور اس بات پر کہ حقیر و معمولی کپڑے پر اکتفاء کرنا چاہئے اور یہ کہ مساکین وفقراء کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا چاہئے۔

شرح السنہ میں ہے: قال أنس: رأيت عمر بن الخطاب رضى الله عنه وهو يومئذ أمير المؤمنين وقدرقع ثوبه برقاع ثلث لبد بعضها فوق بعض حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ بن الخطاب کو دیکھا، حالانکہ وہ امیر المؤمنین تھے۔ ان کے کپڑوں پر اوپر نیچے تین پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ: خطب عمرؓ وهو خليفة وعليه او وفيه اثنا عشر رقعة۔ اھ۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن خطبہ دیا، جب کہ وہ خلیفہ تھے' ان کے جسم پر ایک چادر تھی جس میں بارہ پیوند لگے تھے۔ ''حسان'': سین مشددہ کے ساتھ ان کو منصرف و غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے ابن عساکرؒ نے حضرت ابوایوب سے نقل کیا ہے: انه ﷺ كان يركب الحمار ويحصف النعل' يرقع القميص ويلبس الصوف ويقول: من رغب عن سنتى فليس منى، کہ آپ علیہ السلام گدھے پر سواری فرماتے تھے' جوتے سیتے تھے' قمیص میں پیوند لگاتے تھے' اون پہنتے تھے' اور فرماتے تھے، کہ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔

کپڑے کی بوسیدگی اور ترکِ دُنیا' علامتِ ایمان

۴۳۴۵: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِیَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٣٩٣ الحديث رقم ٤١٦١' وابن ماجه فى ٢/١٣٧٩ الحديث رقم ٤١١٨۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے ان کا نام ایاس بن ثعلبہؓ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں سنتے! یعنی غور سے سنو! کہ کپڑے کی کہنگی اور ترک دنیا اور اس کی زینت کو چھوڑنا ایمان کے اخلاق میں سے ہے تحقیق کپڑوں کی کہنگی اور ترک زینت ایمان کے اخلاق سے ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: اى من كمال اهله الا تسمعون الا تسمعون: "ألا" لام مخففہ کے ساتھ ہے۔ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔

قوله: ان البذاذة من الايمان: بذاذة : بائے موحدہ کے فتحہ اور دو ذال معجمہ کے ساتھ (جار مجرور کے درمیان مضاف محذوف ہے)۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے: رجل بذالهيئة. وباذ الهيئة اى رث اللبسة اور حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ لباس میں تواضع اور زیب و زینت سے بچنا اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے اور ایمان اس کا باعث ہے۔

ان البذاذة من الايمان: اس کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے اور اس میں یہ سبق ہے کہ فقر اور کسر شان کو اختیار کرنا چاہیئے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہننا کتاب اللہ پر ایمان لانے والوں کے اخلاق میں سے ہے۔ جامع صغیر میں ہے: "البذاذة من الايمان" اس کو امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے ابو امامہ حارثیؓ سے روایت کیا ہے۔

شہرت کے کپڑے کی مذمت

۴۳۴۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مُذِلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواه احمد و ابوداود و ابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٣١٤/٤ الحديث رقم ٤٠٢٩، وابن ماجه فى ١١٩٢/٢ الحديث رقم ٣٦٠٦، وأحمد فى المسند ١٣٩/٢۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہرت کا کپڑا دنیا میں پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔ یہ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: 'ثوب شهرة: شہرت سے مراد تکبر و تفاخر اور تجبر کا لباس ہے۔ یا اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو ایک "متزہد" (بناوٹی زاہد) اپنے آپ کو زہد میں مشہور کرانے کے لئے پہنتا ہے۔ یا وہ علامت سیادت مراد ہے جس سے کوئی "متسید" (بتکلف سید ہونے والا اپنا سید) ہونا بتلائے۔ مثلاً سبز کپڑے پہننا۔ یا 'متفقہ" ایسا لباس پہنے، جو کہ عام طور پر فقہاء کرام پہنتے ہیں حالانکہ یہ شخص خود سفہاء میں سے ہے۔

"مذلة": یہ "معزة" کی ضد ہے۔ کیونکہ معالجہ اضداد کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اس دنیا میں ذلت کا لباس پہنا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو عزت والا لباس پہنائے گا۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں، کہ "شهرة" کا معنی ہے ظهور الشىء فى شيئه بحيث يشهر به صاحبه۔ اس طور پر کہ وہ صاحب شیء اس کے ساتھ مشہور ہو جائے اور "ثوب شهرة" سے مراد وہ کپڑا ہے جس کا پہننا حلال نہیں ہے۔ ورنہ تو اس پر وعید کا ترتب نہ ہوتا۔

یا یہ کہ وہ حلال ہو لیکن اس کے پہننے سے مقصود تفاخر ہو، اور فقراء پر تکبر ہو، ان کو ذلیل اور کمتر سمجھنا ہو اور ان کے دلوں کو توڑنا ہو۔

یا اس سے مراد وہ لباس ہے، جو عام طور پر مسخرے پہنتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے وہ لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو ایک مسخرہ ظاہر کردے۔ یا اس سے مراد اپنے اعمال کا دکھلاوہ ہو، تو ثوب ''عمل'' سے کنایہ ہوگا اور اس صورت میں یہ عام ہوگا صرف کپڑے پر منحصر نہیں ہوگا۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ دوسرا مطلب' اگلے کلام ''البسه الله ثوب مذلة'' کے پیش نظر زیادہ واضح ہے۔

اور النہایہ میں ہے: ''ای اشمله بالذل کما یشمل الثوب البدن'' یعنی وہ ذلت کے ساتھ ایسا مشتمل ہوگا جیسا کہ کپڑا پورے بدن کو شامل ہوتا ہے۔

ابن ماجہ اور ضیاء نے زید بن ارقم سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے:

''من لبس شهرة اعرض الله عنه حتی یضعه الله''

ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی قسم کی روایت کیا ہے:

''من لبس ثوب شهرة البسه الله یوم القیامة ثوباً مثله ثم یلهب فیه النار''

ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ نے ''سنن الصوفیۃ'' میں اور دیلمیؒ نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کیونکہ یہ متابعات و شواہد اضافی الفاظ پر مشتمل ہیں۔ احذروا الشهرتین الصوف والخز۔ کہ دو شہرت والے کپڑوں سے احتراز کرو: اون اور ریشم۔

اور جامع صغیر میں ہے: لیس البر فی حسن اللباس والزی' ولکن البر السکینة والوقار''۔ اس سلسلہ میں تحقیقی کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

غیروں سے مشابہت کی ممانعت

۴۳۴۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/ ٣١٤ الحدیث رقم ٤٠٣١' وأحمد فی المسند ٢/ ٥٠۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے۔ یہ احمد' ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: یعنی جس کسی نے مثلاً لباس وغیرہ میں کفار کے ساتھ یا فساق و فجار کے ساتھ یا اہل تصوف و صلحاء امرا کے ساتھ مشابہت اختیار کی تو وہ شخص گناہ اور نیکی میں ان ہی کے ساتھ ہوگا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ یہ خلق و خُلق اور شعار کو شامل ہے اور چونکہ ''شعار'' شبہ میں زیادہ واضح ہے اس وجہ سے اس کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تشبہ سے مراد شعار ہی ہے نہ کہ کچھ اور' اس لئے کہ صوری خلق میں تشبہ کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ جب کہ خلق معنوی کو تشبہ نہیں کہتے، بلکہ تخلق کہتے ہیں۔

ایک عجیب حکایت نقل کی گئی ہے جو ایک عجیب لطیفہ بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دریائے نیل میں غرق کیا تو

اس مسخرہ کو غرق نہیں کیا جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لباس اور کلام و گفتگو کی نقل اتارتا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو اپنی حرکات وسکنات سے ہنسایا کرتا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کریم سے آہ وزاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! وہ تو مجھے بقیہ آل فرعون سے زیادہ اذیت و تکلیف دیتا تھا۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا، کہ ہم نے اس کو اس لئے غرق نہیں کیا کہ وہ تیرے لباس کی طرح لباس پہنتا تھا اور دوست کو عذاب نہیں دیا جاتا، جو حبیب کی صورت پر ہو۔

پس دیکھ لیجئے کہ جس شخص نے بقصد باطل اہل حق کے ساتھ مشابہت کی تو اس کو صوری نجات حاصل ہوگئی اور بسا اوقات یہ معنوی نجات تک لے جاتا ہے۔ تو وہ شخص جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ علی قصد التشریف والتعظیم مشابہت کرے گا، تو اس کو کیسے نجات نہیں ملے گی۔ تشبہ بالمعارف کی انواع ''عوارف المعارف'' کے ترجمہ میں بسط کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

دراصل انواع تشبہ کو ''المعارف فی ترجمۃ عوارف المعارف'' میں شرح وبط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

تواضع کے تقاضے

۴۳۴۸: وَعَنْ سُوَیْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَّجُلٍ مِنْ اَبْنَاءِ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَهُوَ يَقْدِرُعَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ تَوَاضُعًا كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَجَّهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱۳۸/۵ الحديث رقم ٤٧٧٨۔

ترجمہ: حضرت سوید بن وہبؓ سے روایت ہے انہوں نے صحابہ کرام کی اولاد میں سے ایک صاحب سے نقل کیا ہے کہ اس نے اپنے والد سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قدرت کے باوجود زینت والا کپڑا چھوڑ دے اور ایک روایت میں تواضعاً کا لفظ زائد ہے یعنی کہ تواضع سے چھوڑ دیے۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ بزرگی کا جوڑا یعنی جنت کا جوڑا پہنائے گا۔ جو باعث رفعت و بزرگی ہوگا یا اس کو بزرگی عنایت فرمائیں گے دنیا اور آخرت میں جیسا کہ روایت ہے: من تواضع لله رفعه الله...... اور جو اللہ تعالیٰ کی خاطر نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بادشاہت کا تاج پہنائے گا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

سوید بن وہب۔ یہ سوید بن وہب ''ابن عجلان'' کے شیخ ہیں۔

تشریح: وعن سويد بن وهب عن رجل من أبناء أصحاب النبي : ایک نسخہ میں (النبی کی بجائے) ''رسول اللہ'' ہے: بظاہر صحابی کا بیٹا بھی اپنے باپ کی طرح ''عدل'' ہے۔ اس احتمال ساتھ کہ شاید وہ بھی صحابیؓ ہو۔ پس یہ جہالت مضر نہیں اور یہ ترک اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہو یا اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام ملنے کی امید پر ہو۔ یا زینت دنیا کو حقیر و کمتر خیال کرتے ہوئے ''تواضعًا'': ''ترک'' کے لئے مفعول لہ ہے۔ **قوله: كساه الله حلة الكرامة**: یعنی اللہ تعالیٰ اس کا اکرام فرمائے گا اور جنت کا لباس پہنائے گا۔

من تزوج لله: یعنی اس طور پر کہ اس نے اپنے درجہ سے کمتر خاندان والی کے ساتھ نکاح کر لیا۔ مثلاً یتیم وحقیر لڑکی سے۔ یا مسکینہ فقیرہ سے یا معتوقہ صالحہ سے لیکن یہ صرف اللہ کی رضاء کی خاطر کیا ہو۔ یا اس نے یہ شادی اپنے دین اور اپنی نسل کی حفاظت کی خاطر کی ہو۔

توجه الله تاج الملك: یہ اس کی عزت وتوقیر سے کنایہ ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کو تاج دیگا، اور جنت میں ایک مملکت دے گا۔ آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی طرح کا ہے: من قرأ القرآن وعمل بما فيه ألبس والداه تاجا يوم القيامة 'ضوء ه أحسن من ضوء الشمس في بيوت الدنيا . فما ظنكم بالذى عمل به۔ جس نے قرآن پڑھا، اور اس کے احکامات پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے والدین کو ایک ایسا تاج پہنائے گا۔ جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں سورج کی روشنی سے زیادہ اچھی ہوگی۔ تو اس شخص کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس نے خود اس پر عمل کیا ہو۔ اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے سہل بن معاذؓ سے روایت کیا ہے اور ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ہے: "البس والداه حلة لا تقوم له الدنيا وما فيها"۔ علامہ طیبیؒ نے عجیب بات کہی ہے کہ احتمال ہے کہ "من تزوج لله" کا مطلب یہ ہو کہ جس نے دو قسم کا مال صدقہ کیا۔ یہ قول آپ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی سے ماخوذ ہے "من انفق زوجين في سبيل الله ابتدرته حجبة الجنة قبل: وما زوجان......؟ یہ راوی کا ادراج ہے۔ جو اس نے بطور تفسیر ذکر کیا ہے تزوج کی یہ تشریح اس احتمال پر انتہائی بعید ہے بلکہ محال کے قریب ہے۔ ہاں البتہ بعض شراح مصابیح نے ذکر کیا ہے، کہ لفظ حدیث "من زوج" بغیر تاء کے ہے۔ تو فرمایا: أى اعطى لله اثنين من الاشياء" اور بعض نے اس کی تشریح یہ کی ہے: من زوج کریمۃ للہ تعالیٰ جس نے اپنی "عزیز اور پیاری" کا نکاح اللہ کی خاطر کیا۔

البتہ جامع الصغیر میں ہے، کہ امام ترمذیؒ اور حاکمؒ نے معاذ بن انسؓ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے "من ترك اللباس تواضعًا...... وهو يقدر عليه دعاه الله يوم القيامة على رؤس الخلائق حتى يخيره من اى حلل الايمان شاء يلبسها"۔ (ترجمہ ابھی گزرا)

۴۳۴۹: وَرَوَى التِّرْمَذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ۔

أخرجه الترمذى فى السنن ٤/٥٦١ الحديث رقم ٢٤٨١۔

اور ترمذی نے مکمل طور پر معاذ بن انس ﷺ کی روایت سے نقل کی ہے جو باب اللباس میں ہے۔

یعنی امام ترمذیؒ نے یہ حدیث سوید بن وہب سے نہیں بلکہ حضرت معاذ بن انس سے روایت کی ہے اور احتمال ہے کہ کسی مبہم صحابی سے روایت کی ہو۔ یعنی اس میں تزوج کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن الجامع الصغیر میں کہ امام ترمذی اور حاکم نے حضرت معاذ بن انس سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: من ترك اللباس تواضعا ......۔

نعمتوں کا اثر لباس میں نظر آنا چاہئے

۴۳۵۰: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى

اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۱۱۴ الحدیث رقم ۲۸۱۹، وأحمد فی المسند ۲/ ۱۸۲۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ' انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر نظر آئے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: **ان الله يحب ان يرى أثر نعمته على عبده** : یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں، کہ وہ اپنے بندے پر اپنے احسان وکرم کے اثر کو دیکھیں۔ نعمتوں کا اظہار شکر کا حصہ ہے اور نعمتوں کو چھپانا ان نعمتوں کی ناشکری وکفران ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دنیاوی نعمتوں میں سے کوئی نعمت دے تو اس کو اپنے آپ پر ظاہر کرے۔ مثلاً یہ کہ وہ اس طرح کا لباس پہنے' جو اس کے حال کے لائق ہو' تاکہ اس پر اللہ کی نعمت کا اظہار ہو جائے اور تاکہ محتاج لوگ طلب زکوٰۃ وصدقات کے لئے اس کے پاس جائیں اور اسی طرح علماء کرام کو اپنے علم کا اظہار کرنا چاہئے تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اھ۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ کیا آپ علیہ السلام نے سادگی پر نہیں ابھارا ہے؟۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ آپ علیہ السلام نے اس پر ابھارا ہے تاکہ حاجت کیوقت اس سے عدول نہ کیا جائے اور ہر عمدہ لباس کا تکلف نہ کرے۔ جیسا کہ عام لوگوں کی عادت کا مشاہدہ یہی بتایا ہے۔ یہاں تک کہ علماء و متصوفہ (صوفیوں کی سی عادت بنانے والے) میں بھی یہ عادت ہے۔ ہاں البتہ جو شخص اس کو عادت بنائے گا باوجودیکہ اس کو ثوب جدید اور نظافت پر قدرت بھی ہو' تو پھر یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خساست اور دناءت ہے اور ہمارے مذکورہ کلام کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے: **ان الله تعالىٰ يحب المؤمن المتبذل الذى لايبالى مالبس** کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سادہ مؤمن کو محبوب رکھتا ہے، اس بات کو پرواہ نہ کرے جو اس نے پہن رکھا ہے و **كذا الحاكم عن ابن عمرؓ**۔

میلے کپڑے اور پراگندہ حالت کی ناپسندیدگی

۴۳۵۱: وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰی رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَاكَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَرَاٰی رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَاكَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ۔ (رواہ احمد والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۴/ ۳۳۲ الحدیث رقم ۴۰۶۲، والنسائی فی ۸/ ۱۸۳ الحدیث رقم ۵۲۳۶، وأحمد فی المسند ۳/ ۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں ملاقات کے لئے تشریف لائے آپ نے ایک آدمی کو پراگندہ حالت میں دیکھا اس کے بال بکھرے تھے آپ نے فرمایا کیا اس آدمی کو ایسی چیز میسر نہیں جس سے یہ

اپنے سر کے بال سمیٹے۔اسی طرح آپ نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے بدن پر میلے کپڑے تھے آپ نے فرمایا کیا اس کو وہ چیز میسر نہیں جس سے یہ اپنے کپڑے صاف کرے۔ یہ احمد ونسائی کی روایت ہے۔

تشریح: شعثا: سین معجمہ کے فتحہ اور عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ قد تفرق شعرہ: یہ جملہ ''سعثا'' کی تفسیر ہے۔شعر: عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔''ما'' نافیہ ہے' اور ہمزہ انکاری مقدر ہے۔ای ألم یکن۔ وسخة: واؤ کے فتحہ اور سین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہاں پر آپ علیہ السلام نے اس کی اس ''بذاذت'' پر نکیر فرمائی جو اس کو ذلت کی طرف لے جارہی تھی اور آپؐ کے اس ارشاد گرامی ''البذاذة من الایمان'' میں مؤمن کے لئے اثبات تواضع تھا۔جیسا کہ مروی ہے:''المؤمن متواضع ولبس بذلیل' وله العزة دون التکبر''۔

اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ آپؐ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انك لست ممن یفعله خیلاء''۔ میں کہتا ہوں صحیح بات یہ ہے کہ ''بذاذة'' یہ ہے کہ گھٹیا (یعنی غیر بڑھیا) کپڑے پر قناعت کرنا اس نظافت کے منافی نہیں ہے جس کے بارے میں آیا ہے۔ کہ وہ دین کا حصہ ہے اور نہ ہی اس سے ارباب یقین کے ہاں ذلت کو مستلزم ہے۔جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

مال ونعمت کا اثر جسم پر نظر آنا چاہئے

۴۳۵۲:وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَی ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِیْ اَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَیِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ قَالَ فَاِذَا اَتَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَلْیُرَ اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَكَرَامَتِهٖ۔

(رواه احمد والنسائی وفی شرح السنة بلفظ المصابیح)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٣٣ الحدیث رقم ٤٠٦٣' والترمذی ٤/٣٢٠ الحدیث رقم ٢٠٠٦' والنسائی فی ١٩٦/٨ الحدیث رقم ٥٢٩٤۔

ترجمہ:حضرت ابوالاحوصؓ نے اپنے والد سے نقل کیا کہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور میرے بدن پر ناکارہ کپڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا کس قسم کا مال ہے۔ میں نے کہا ہر قسم کا مال اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت کیا ہے۔اونٹ' گائے' بکری' گھوڑا' غلام۔آپ نے فرمایا جب تمہیں مال دیا گیا ہے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر نظر آنا چاہئے اور اس کا اثر بھی معلوم ہو کہ اس نے یہ نعمت عنایت کی ہے۔یہ نسائی کی روایت ہے۔شرح السنۃ میں دیگر الفاظ سے نقل کی گئی ہے جو مصابیح سے مختلف ہیں۔یعنی عبارت الگ الگ اور مضمون ایک ہے۔

تشریح:وعلی ثوب دون:''دون'' ای ''دنیء''،یعنی میرے جسم پر ایسا کپڑا تھا جو میری حالت غنا کے لائق نہیں تھا۔القاموس میں ہے کہ دون ''الشریف'' اور ''خسیس'' پر دو معنی میں آتا ہے' اضداد میں سے ہے۔من ای المال: ای من

أی صنف من جنس الاموال۔من کل المال: ای من کل هذا الجنس۔ یہ "من" تبعیض کے لئے ہے۔یعنی ہر جنس کا کچھ مال میرے پاس موجود ہے۔قد أعطانی الله: (یہاں مفعول محذوف ہے۔)ای أعطا نیه الله من الابل: یہ"من" کے لئے بیان ہے اور مراد اس سے بعض اونٹ ہیں۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ "قد اعطانی" استئناف ہے ماقبل کے لئے مُبَیّن ہے اور اس کی تائید ان بعض نسخوں سے ہو رہی ہے جو فاء کے ساتھ ہیں، یعنی "فقد" آیا ہے اور علامہ طیبیؒ کے قول "ای من کل ماتعورف بالمال بین أبنا ء الجنس" سے اس کو مزید تقویت ملتی ہے اور "فأعطانی الله من الابل" اس کا بیان اور اس کی تفصیل ہے۔اھ۔ یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ مشکاۃ کے الفاظ "فأعطانی" نہیں ہیں بلکہ "قد اعطانی اللّٰہ من الابل" ہیں۔

"رقیق": ای من المما لیك من نو ع الانسان سے مراد غلام ہیں۔مطلب یہ ہے کہ تم اچھا کپڑا پہنو تا کہ لوگ جان لیں کہ تم غنی ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر طرح طرح کی نعمتیں کی ہیں اور شرح السنہ میں ہے جیسا کہ عجمیوں کی عادت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل تو عرب عجم سے اس معاملے میں بڑھ گئے ہیں۔کہا گیا ہے:من رق ثوبه رق دنیه جس کا کپڑا نرم ہوگا اس کا دین بھی رقیق ہوگا۔امام بغویؒ فرماتے ہیں: نبی علیہ السلام سے مروی ہے: انه کان ینهی عن کثیر من الارفاه۔ آپؐ زیادہ ترفہ یعنی رفاہیت بالغہ سے منع کیا کرتے تھے۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے:انه ﷺ نهی عن الشهرتین :رقة الثیاب وغلظها' ولینها وخشو نتها' وطولها وقصر ها 'ولکن سداد فیما بین ذلك واقتصاد۔

قوله:رواه النسائی:

اور ایک نسخہ میں "رواه احمد والنسائی" ہے۔

سرخ کپڑے کی ناپسندیدگی

۴۳۵۳:وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٣٦ الحدیث رقم ٤٠٦٩' والترمذی فی ٥/ ١٠٧ الحدیث رقم ٢٨٠٧۔

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص گزرا جس نے دو کپڑے سرخ رنگ کے اوڑھ رکھے تھے اس نے آپ ﷺ سے علیک سلیک کی۔آپ ﷺ نے اس کے "سلام" کا جواب نہ دیا یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ مردوں کے لئے سرخ کپڑا پہننا حرام ہے اور اس بات پر کہ جو شخص سلام کے وقت کسی ممنوعہ چیز کا مرتکب ہو، وہ سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہے۔

طبرانی نے عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیا ہے:تم سرخ رنگ سے بچو کیونکہ یہ شیطان کے نزدیک محبوب ترین

زینت ہے۔البتہ جو شمائل میں مروی ہے، کہ آپ نے سرخ رنگ کی چادر پہنی تھی۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں، کہ حدیث صحیح ہے اور اس سے ہمارے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ سرخ رنگ کا کپڑا پہننا حلال ہے۔اگر چہ بہت گہرا سرخ ہی کیوں نہ ہو۔

میں اس کے جواب میں عرض کرتا چلوں، کہ ابن حجر عسقلانیؒ کا کہنا ہے اس سے مراد دھاری دار کپڑے ہیں نہ کہ خالص سرخ رنگ کے کپڑے مراد ہیں۔یمنی چادروں میں متعارف یہی ہے۔اور اس پر اہل لغت نے اتفاق کیا ہے اور اسی وجہ سے میرک شاہ رحمہ اللہ نے فرمایا پس یہ حدیث اس شخص کے لئے حجت نہیں ہے جو لبس احمر کے جواز کا قائل ہے۔میں کہتا ہوں اور مسلم کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے:قال: رأی رسول اللہ ﷺ علی ثوبین معصفوین فقال: ان ھذہ من یثاب الکفار'فلا تلبسھا۔ (حدیث:۴۳۴۷)

سرخ زین اور کسم کے رنگے کپڑے کی مذمت

۴۳۵۴:وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ وَلَا اَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَوَلَا اَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ اَلَا وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَا لَوْنَ لَهٗ وَطِيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيْحَ لَهٗ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٢٤ الحديث رقم ٤٠٤٨' وأحمد فی المسند ٤/ ٤٤٢۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سرخ رنگ کے زین پوش پر سوار نہیں ہوتا اور نہ کسم کا رنگا کپڑا پہنتا ہوں اور وہ قمیص بھی نہیں پہنتا جس کا سنجاف ریشمی ہو اور فرمایا خبردار رہو! مردوں کو وہ خوشبو لگانی چاہئے جو بو رکھتی ہو مگر اس کا رنگ نہ ہو یعنی گلاب وعطر وغیرہ تا کہ زینت لازم نہ ہو اور عورتوں کو خوشبو رنگدار ہو مگر مہک نہ رکھتی ہو مثلاً زعفران اور مہندی وغیرہ تا کہ اس کی خوشبو باہر نہ پھیلے اور مردوں کے فتنہ کا باعث نہ ہو۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ :لا ارکب الارجوان:

''أرجوان''،ہمزہ اور جیم دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور دونوں کے درمیان راء ساکنہ ہے۔ریشم سے تیار کردہ سرخ رنگ کا چھوٹا سا تکیہ جو زین پر رکھا جاتا ہے اور معنیٰ اس کا یہ ہے:لا ارکب دابۃ:علی سرجھا الا رجوان کہ میں اس جانور پر سواری نہیں کرتا جس کی زین پر ارجوان رکھا ہوا ہو۔(کذا قالہ بعض الشراح من علمائنا) ہمارے بعض شراح علماء نے فرمایا ہے اور النہایہ میں ہے کہ''ارغوان'' سے معرب ہے۔یہ ایک درخت ہے جس کی سرخ روشنی ہوتی ہے۔اس کے مشابہ ہر رنگ کو ''ارجوان'' کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔اھ اور القاموس میں ہے کہ''الارجوان'' بالضم''احمر''یعنی سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ میرے خیال میں اس سے مراد''میاثر حمر'' ہے۔جو کبھی دیباج اور کبھی حریر سے بنایا جاتا ہے۔ان دونوں سے نہی وارد ہے۔کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مردوں کا لباس نہیں ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں حدیث شریف میں "ارجوان" سے مراد مطلق سرخ رنگ کا کپڑا ہے۔خواہ ریشمی ہو یا غیر ریشم ہو،اس (حدیث) میں سرخ رنگ کا کپڑا پہننے سے اجتناب میں زیادہ مبالغہ مقصود ہے۔اس لئے کہ جب اس پر رکوب ممنوع ہے حالانکہ اس پر "لبس" کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اور جب اس کی نفی فرمادی اور حریر وریشم پر بیٹھنا مختلف فیہ ہے تو لبس احمر میں تو شدید مبالغہ ہوگا۔

قوله ولا ألبس لمعصفر:

جس کو "عصفر" کے ساتھ رنگا گیا ہو۔یہ علی الاطلاق ان سب رنگے ہوئے کپڑوں کو شامل ہے۔چاہے ان کو بُننے کے بعد رنگا گیا ہو یا اس سے پہلے۔لہٰذا امام خطابی کا یہ کہنا "ماصبغ غزله ثم نسج فليس بداخل" خارجی دلیل کا محتاج ہے۔

قوله: ولا البس القميص المكفف: پہلی فاء مشدد ہے اور اس سے مراد "المكفوف بالحرير" النہایہ میں ہے کہ "مکفف" اس کو کہتے ہیں، کہ جس کے ذیل، اکمام اور جیب پر بریشم کی کشیدہ کاری کی گئی ہو اور "كفة" ہر چیز کے طرف اور حاشیہ کو کہتے ہیں اور گولائی والی چیز کو بھی "مکفف" کہتے ہیں اور ہر مستطیل نما کو بھی کہتے ہیں۔قاضی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت اسماء کی حدیث کے معارض نہیں ہے: "لها لبنة ديباج وفرجيها مكفو فين بالديباج" وقالت: ھذہ جبۃ رسول اللہ ﷺ۔اس لئے کہ بسا اوقات آپ نے قميص مكفف بالحرير کو نہیں پہنا ہے اس لئے کہ اس میں تجمل اور ترفہ تو اور بھی زیادہ ہے۔جب کہ "جبة مكففة" پہنا ہے۔اھ۔اس پر پہلے کلام گزر چکا ہے۔

اس حدیث اور حدیث اسماء میں زیادہ واضح توفیق وتطبیق یہ ہے کہ یہاں پر "ماکف بالحرير" کی مقدار وہاں کی مقدار مرخص سے زیادہ تھی اور وہ مقدار چار انگلیوں کی بقدر ہے۔یا اس کو ورع اور تقویٰ پر محمول کیا جائے اور اس کو رخصت پر اور بیان جواز وفتویٰ پر محمول کیا جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ لبس جبۃ سے متقدم ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

قوله: وقال الا وطيب الرجال ريح لالون فيه: کہ مردوں کیلئے جس خوشبو کی اجازت ہے وہ، وہ خوشبو ہے جس میں مہک تو ہو مگر رنگ نہ ہو۔جیسا کہ مشک، کافور اور عود ہے۔جب کہ عورتوں کی خوشبو رنگ دار ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔جیسا کہ زعفران اور خلوق ہے۔ اور ان کیلئے مہک بکھیرنے والی خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ باہر نہ نکلیں تو پھر جائز ہے اور حدیث میں یہ خبر "امر" کے معنی میں ہے اور معنیٰ اس طرح ہوگا: ليكن طيب الرجال ريحا دون لون' وطيب النسا' لونا دون ريح۔مردوں کی خوشبو میں مہک ہونی چاہئے' رنگ دار نہ ہونی چاہئے' جب کہ عورتوں کی خوشبو رنگ دار ہونی چاہیئے۔

الفائق میں ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے۔: **كانوا يكرهون المؤنث فى الطيب ولا يرون بذكورته بأسا والمؤنث مايتطيب به النساء من الزعفران والخلوق وماله ردع 'والذكورة طيب الرجال الذى ليس له درع كالكافور والمسك والعود وغيرها' والتاء فى الذكورة لتانيث الجمع مثلها فى الحزونة والسهولة۔**

دس ممنوعات

۴۳۵۵ :وَعَنْ اَبِیْ رَیْحَانَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُكَامَعَةِ الرَّجُلِ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَمُكَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَاَنْ يَّجْعَلَ الرَّجُلُ اَسْفَلَ ثِيَابِهٖ حَرِيْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ اَوْ يَجْعَلَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنِ النُّهْبٰى وَعَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ اِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ۔ (رواه ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٢٥ الحديث رقم ٤٠٤٩، والنسائی فی ٨/١٤٣ الحديث رقم ٥٠٩١، وأحمد فی المسند ٤/١٣٤۔

ترجمہ:حضرت ابوریحانہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں سے منع فرمایا۔نمبر۱ دانتوں کو تیز کرنے۔نمبر۲ گودنے۔نمبر۳ بال اکھاڑنے۔نمبر۴ مرد کو مرد کے ساتھ سونے سے بغیر کسی کپڑے کے درمیان میں حائل ہونے کے۔نمبر۵ عورت کو عورت کے ساتھ کپڑے کے حائل ہونے کے بغیر سونے سے منع فرمایا۔نمبر۶ مرد کو عجمیوں کی طرح ریشم کا استر لگانے سے منع فرمایا۔نمبر۷ عجمیوں کی طرح مونڈھوں پر ریشمی کپڑا لگانے کی ممانعت فرمائی۔نمبر۸ چیتے کے چمڑے کی زین پر لیٹنے اور سوار ہونے۔نمبر۹ اور الٹ پلٹ ہونے سے منع فرمایا۔نمبر۱۰ انگوٹھی پہننے کی ممانعت فرمائی البتہ حاکم مہر کے لئے پہن سکتا ہے۔یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح:عن عشر :(اس کی تمیز محذوف ہے۔ ای عشر خصال)

قولہ:عن الوشر :واؤ مفتوحہ شین معجمہ اور راء کے ساتھ ہے۔النہایہ کے مطابق اس کا معنی دانتوں کو کشادہ کرنا،اور ان کے کناروں کو باریک کرنا ہے۔بڑی عمر کی عورتیں ایسا کرتی تھی تا کہ جوان عورتوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں فریب دہی ہے اور تغییر خلق اللہ تعالیٰ ہے۔

قولہ:والوشم :وشم سے مراد یہ ہے کہ''جلد'' کو سوئی کے ساتھ کھرچیں کہ اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جائے۔جس اس کا رنگ نیلا یا سبز نظر آنے لگتا ہے۔

قولہ:والنتف :اس میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں:❶ عورتوں کا اپنے چہروں سے بال نوچنا ❷ داڑھی کے بال نوچنا۔ ❸ ابرو کے بال نوچنا یعنی سفید بالوں کو نوچنا ❹ مصیبت کے وقت بالوں کو نوچنا

''وشر'' اور ''وشم'' سے اس لئے منع فرمایا کہ ان دونوں میں تغییر خلق اللہ ہے۔

وعن مكامعة الرجل الرجل بغير شعار:''شعار وہ کپڑا ہے جو بدن کے بالوں کے ساتھ متصل ہو''النہایہ میں ہے آدمی کا اپنے ساتھی کو ایک کپڑے میں اس طرح ہونا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حاجز نہ ہو۔یعنی کہ دونوں ننگے ہوں۔بظاہر حدیث مطلق ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ نہی مقید ہو اس صورت کے ساتھ کہ جب دونوں کا ستر ڈھکا ہوا نہ ہو۔

قولہ:'' وان يجعل الرجل في اسفل ثيابه حريرا مثل الأعاجم:''

مثل الاعاجم: (یہاں مضاف محذوف ہے۔) ای مثل ثیابھم یعنی اعاجم کے کپڑوں کی طرح کیونکہ وہ اس میں سجاف بہت زیادہ لگاتے ہیں اور شاید وہ اس لئے ایسا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے کپڑوں کو تکبراً ظاہر کریں یا فخر کی وجہ سے۔ مظہرؒ کہتے ہیں کہ ریشم پہننا مردوں پر حرام ہے۔ چاہے کپڑوں کے نیچے ہو یا کپڑوں سے اوپر ہو۔ جاہل عجمیوں کی عادت ہے کہ وہ کپڑوں کے نیچے چھوٹا سا ریشمی کپڑا پہنتے ہیں تاکہ ان کے اعضاء و جوارح نرم رہیں۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ شاید یہ دونوں لفظ "یجعل" اور "اسفل" اس کو ظاہر کر رہے ہیں اور اگر مراد ہوتا تو یوں کہا جاتا: "وان یلبس تحت الثیاب"۔

قولہ: وعن النھبی: پہلے ضمہ اور پھر سکون ہے۔ یہ مصدر ہے۔ بمعنیٰ لوٹ' غارت اور بسا اوقات لوٹی ہوئی چیز کو بھی "نھبیٰ" کہتے ہیں اور مراد اس سے "النھی عن اغارۃ المسلمین"۔ (مسلمانوں پر غارت ڈالنے سے منع کرنا) ہے۔

قولہ وعن رکوب النمور:

"النمور": "نمر" (بمعنی چیتا) کی جمع ہے۔ اس سے مراد ان کی جلدیں ہیں۔ بعض کا کہا ہے کہ چونکہ یہ عجمیوں کی عادت ہے۔ (اس لئے منع فرمایا گیا ہے۔) علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ نہی کا مقتضی اس میں کے زینت اور تکبر کا ہونا ہے یا اس کی نجاست ہے یعنی اس پر جو بال ہیں، کیونکہ وہ دباغت کے ساتھ بھی پاک نہیں ہوتے۔ اھ۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ یہ آخری بات ساقط عن الاعتبار ہے۔ کیونکہ ہر کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ مگر انسان، خنزیر اور کُتے کی جلد پاک نہیں ہوتی۔ اگرچہ مردار کے بال ہمارے نزدیک اصل کے اعتبار سے پاک ہیں۔

قولہ: ولبوس الخاتم: "لبوس" لام کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے۔ جیسا کہ "الدخول" ہے۔ ای نھی عن لبس الخاتم ۔ خاتم: تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے' اور فتحہ بھی پڑھا جاتا ہے اور اس کی وجہ ممانعت یہ ہے کہ اس میں زینت ہے اور ہر ایک کو اس کے پہننے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہاں! البتہ بادشاہ کو خطوط پر مہر لگانے کیلئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل "باب الخاتم" میں آئے گی۔ "سلطان" کے حکم میں ہر وہ شخص ہے جس کو اس کی ضرورت ہو۔ جیسا کہ قاضی اور امیر وغیرہ۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ "تختم" محض زینت کیلئے مکروہ ہے۔ یعنی وہ زینت کہ جس میں مصلحت شامل نہ ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ اس نہی سے مراد تنزیہہ ہے اور یہی ظاہر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ علیہ السلام کے زمانہ میں اور آپؐ کے بعد خلفاء کرام نے بھی بغیر کسی نکیر کے انگوٹھی کا استعمال کیا ہے۔ امام خطابیؒ کہتے ہیں، کہ انگوٹھی پہننا ذوسلطان کیلئے مباح ہے۔ کیونکہ وہ خطا پر مہر لگانے کے لئے اس کا محتاج ہوتا ہے اور ان کے علاوہ کیلئے مکروہ ہے کیونکہ وہ زینت محض ہے' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اھ۔

امام خطابیؒ کا یہ کلام امام شافعیؒ کے ظاہری مذہب کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک کیلئے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ "لذی سلطان" میں لام تاکید کیلئے ہے اور (عبارت کی) تقدیر اس طرح ہوگی: "نھی عن لبوس الخاتم جمیعا الا ذا سلطان" و کذا الامام احمد۔

سونے کی انگوٹھی کی ممانعت

۴۳۵۶: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمَيَاثِرِ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة وفی روایة لابی داود قال نَهٰی عَنْ مَيَاثِرِ الْأُرْجُوَانِ)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٢٧ الحدیث رقم ٤٠٥١ والترمذی فی ٤/١٩٨ الحدیث رقم ١٧٣٧ والنسائی فی ٨/١٦٦ الحدیث رقم ٥١٦٦ وابن ماجه فی ٢/١٢٠٥ الحدیث رقم ٣٦٥٤ وأحمد فی المسند ١٠/١٢٧۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔قسی کے پہننے اور میاثر کے استعمال سے منع فرمایا یہ ترمذی ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا آپ ﷺ نے سرخ رنگ کے میاثر سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: "القسی": قاف کے فتحہ اور سین مہملہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ بلاد مصر میں سے ایک شہر "قس" کی طرف منسوب ہے۔بعض شراح نے کہا ہے کہ یہ ایک ریشمی کپڑا ہے جس میں دھاریاں ہوتی ہیں۔(انتہی) چنانچہ یہ نہی تنزیہی ورع کے لئے ہے۔ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ یہ نہی اس وقت ہے، جب یہ مکمل ریشمی ہو۔یا اس کا لحمہ حریر کا ہو۔اس وقت نہی تحریم کے لئے ہوگی۔النہایہ میں ہے کہ یہ سوتی کپڑا ہوتا ہے جس کے ساتھ ریشم ملا ہوا ہوتا ہے۔یہ مصر سے لایا جاتا تھا۔ساحل سمندر پر واقع ایک قریہ کی طرف منسوب ہے۔جس کو "قس" کہا جاتا ہے قاف کے فتحہ کے ساتھ اور بعض محدثین اس کو بالکسر پڑھتے ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ "قسی" کی اصل "قزی" ہے۔یعنی "زاء" کے ساتھ ہے "قز" کی طرف منسوب ہے۔یہ ابریشم کی ایک قسم ہے۔زاء کو سین کے ساتھ بدل دیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ "الخز" خالص حریر کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ جس میں اون ملی ہوئی ہو اور دوسرا جائز ہے۔پس یہاں مراد اوّل ہے۔میں کہتا ہوں اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔پس تامل فرما لیجئے، چونکہ یہ مقام لغزش ہے۔

قوله: والمياثر: یہاں کچھ عبارت مقدر ہے۔**أی وعن استعمالها "المیاثر**: "**میثرة** ۔میم کے فتحہ کے ساتھ ہے" کی جمع ہے۔سرخ رنگ کے چھوٹے تکیہ کو کہتے ہیں، جس کو سوار اپنے نیچے رکھتا ہے اور اس سے متعلقہ نہی اس وقت ہے، جب یہ ریشم کی ہو۔ہمارے علماء میں سے بعض شراح کا کہنا یوں ہی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ نہی کا سبب **ترفه** اور **تنعم** ہو اور یہ نہی تنزیہی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ عجمیوں کی سواریوں میں سے ہے۔علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہاں پر "**المیاثر**" مطلق ہے، اس کو مقید سمجھا جائے گا۔جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور بعض کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ "**میثرة**" صرف سرخ رنگ کا ہی ہوتا ہے۔اس صورت میں تقیید تاکید کیلئے ہے، یا تجرید کی بناء پر ہے۔

قوله: وفی روایة لأبی داود قال: اور ایک نسخہ میں واو بھی ہے ای وقال جامع صغیر میں ہے: "**نهٰی عن المیاثر الحمر والقسی**" اس حدیث کو بخاری اور ترمذی نے حضرت براء سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذیؒ نے عمران بن حصین سے

(بصیغۂ مفرد) عن المیثرۃ الأرجوان روایت کیا ہے" و روی الترمذی عن المیثر۔

ریشمی زین پوش اور چیتے کے چمڑے پر سواری کی ممانعت

۴۳۵۷: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَرْكَبُوا الْخَزَّوَلَا النِّمَارَ .

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٧٢ الحديث رقم ٤١٢٩، وابن ماجه فی ٢/١٢٠٥ الحديث رقم ٣٦٥٦، وأحمد فی المسند ٤/٩٣۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ تم ریشمی زین پوش پر سوار مت ہو اور چیتے کے چمڑے سے بنے ہوئے زین پوش پر سواری مت کرو۔ یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: و لا ترکبوا الخز: ہمارے علماء میں سے بعض شراح کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ کپڑا ہے جس کا اکثر حصہ ریشم کا ہو یا سارا ریشم کا ہو۔ یہ کپڑا اوبر سے بنایا جاتا ہے۔ ابریشم اور صوف سے بنے ہوئے کپڑے میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس کپڑے میں بھی جو ابریشم، قطن اور کتان کا ہو۔ اس کی سابقہ تفصیلات آپ پر مخفی نہیں۔

النمار: یہ "نمر" کی جمع ہے۔ اس کی جمع میں مشہور وزن "النمور" ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ یہ "نمرۃ" کی جمع ہے۔ جو نقش و نگار والی چادر کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں کراہت تنزیہی ہو گی۔ اسکی وجہ ظاہر نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ جب یہ دھاریاں سرخ ہوں تو اسکی مشابہت "میثرۃ" کے ساتھ ہو جائے گی۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، "النمار" سے مراد "جلود النمور" ہے اور صحیح اس میں "النمور" ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ "نمرۃ" کی جمع ہے۔ اور "نمرۃ" دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس سے یہی مراد ہے، تو شاید اس کی زینت کی وجہ سے مکروہ کہا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ "النمار" نمر کی جمع کے طور پر آیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے اور جو النہایہ میں یہ مروی ہے کہ "نهٰی عن رکوب النمار" اور ایک روایت میں "النمور" ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث متنازع فیہ ہے، لہٰذا اس سے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں، القاموس میں تصریح ہے کہ "النمار" کا "النمور" کے معنیٰ میں آنا صحیح ہے۔ جیسا کہ کہا ہے کہ "نمرۃ" نون کے ضمہ کے ساتھ، کسی بھی رنگ کے نکتہ کو کہتے ہیں، اور "نمر" بروزن کتف نون کے کسرہ کے ساتھ ایک معروف درندہ ہے۔ اس کے جسم پر موجود دھاریوں کی وجہ سے اس کو یہ نام دیتے ہیں۔ اس کی جمع أنمر، أنمار، نمر و نمر، نمار، نمارۃ، اور نمورۃ آتی ہے۔

جامع صغیر میں لکھتے ہیں: "نهی عن الرکوب علٰی جلود النمار" اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے ان سے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: "نهی عن النوح والشعر والتصاویر وجلود السباع والتبرج والغناء والذهب والخز والحریر"۔

سرخ زین پوش کی ممانعت

۴۳۵۸: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمَيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ۔

رواه فى شرح السنة۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ زین پوش سے منع فرمایا اس کو بغوی نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

۴۳۵۹: وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَهٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبُهٗ اَحْمَرُ (رواه الترمذى وفى رواية لابى داود) هُوَ ذُوْ وَفْرَةٍ وَبِهَا رَدْعٌ مِنْ حِنَّاءٍ۔

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٤١٦ الحديث رقم ٤٢٠٦، والترمذى فى ٥/١١٠ الحديث رقم ٢٨١٢، والنسائى فى ٨/٢٠٤ الحديث رقم ٥٣١٩، وأحمد فى المسند ٢/٢٢٦۔

ترجمہ: حضرت ابورمثہ تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں چند بال ایسے تھے کہ جن پر بڑھاپا غالب آیا تھا اور سفید بالوں پر سرخی تھی۔ یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وفرہ تھے اور ان بالوں میں مہندی کا اثر تھا۔

تشریح: (قوله: عليه ثوبان اخضران): یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو کپڑے پہن رکھے تھے وہ یا تو خالص سبز رنگ کے تھے یا ان میں سبز رنگ کی دھاریاں تھیں اہل جنت کا اکثر لباس سبز رنگ کا ہوگا۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ (ذکرہ میرکؒ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عاليهم ثياب سندس خضر﴾ [الانسان: ۲۱] اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کپڑے میں سبز رنگ کی دھاریاں ہوں۔ جیسا کہ بعض روایات میں ''ثوبان'' کی جگہ ''بردان'' آیا ہے اور چادریں عام طور پر دھاری دار ہی ہوتی ہیں

عصامؒ کہتے ہیں، کہ ''ثوبان'' سے مراد ازار اور رداء ہے اور یہ جو کہا گیا ہے، کہ ''سبز کپڑا پہننا سنت ہے'' تو اس کا ضعف ظاہر ہے۔ کیونکہ غایت مفہوم اس کی اباحت کا نکلتا ہے۔ (انتھی) لیکن اس کا ضعف بھی ظاہر ہے، کیونکہ اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہی ہیں اور جب ''مختار'' (یعنی نبی کریم) نے اس میں سے کوئی چیز لباس کیلئے اختیار کر لی تو اس کے ''افادہ استحباب'' میں تو کوئی شک ہی نہیں رہا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قوله: وله شعر قد علا الشيب: ''شعر'' عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور سکون بھی درست ہے۔ ''شعر'' کو نکرہ اس لئے لایا، تا کہ قلت پر دلالت ہو جائے۔ ای وله شعر قليل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت ہی کم تھے' ان کی تعداد بھی بیس سے کم تھی۔ چنانچہ شرح السنۃ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے: ما عدت فى راس رسول الله ﷺ ولحيته الأربع عشرة شعرة بيضاء فرماتے ہیں، میں نے آپ علیہ السلام کے سر اور داڑھی مبارک کے سفید بال گنے۔ تو وہ صرف چودہ بال تھے۔

''قد علا'' یہ صفت ہے۔ ملا علی قاریؒ کے نسخہ میں ''قد علا'' (بغیر ضمیر منصوب متصل کے) ہے اور ہمارے نسخہ میں ''قد علاہ'' (ضمیر

منصوب متصل کے ساتھ) ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ میں ''وقد علاہ'' ہے یہ جملہ حالیہ ہے۔

قوله: وشيبه أحمر: یعنی وہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے (ذکرہ طیبیؒ اور مطلب یہ ہوگا کہ وہ شعر قلیل (تھوڑے سے بال) مہندی کے ساتھ رنگے ہوئے تھے۔ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے: ''**بها ردع من حناء**'' اور ابورمثہ سے مروی امام حاکمؒ کی اس روایت سے اس کو مزید تقویت ملتی ہے: ''**ان شبه أحمر مصبوع بالحناء**''۔ بعض نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ ان بالوں کے اطراف میں سرخی سفیدی سے خلط ملط ہوگئی تھی۔ کیونکہ عادۃً اولا بالوں کی جڑیں سفید ہوتی ہیں اور جب بال سفید ہونے لگتے ہیں تو وہ سرخ ہو جاتی ہیں اور پھر سفید ہو جاتی ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام نے خضاب لگایا تھا کہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

''**وهو ذو وفرة**'' ''**وفره**'' ان بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں کی لو تک پہنچتے ہوں۔

''ردع'': راء کے فتحہ دال مہملہ کے سکون اور عین مہملہ کے ساتھ اور بعض کا کہنا ہے کہ غین معجمہ کے ساتھ ''ردغ'' ہے اس کا معنی ہے: اُثر والطخ اور ''مقدمہ'' میں ہے کہ دال مہملہ کے سکون اور عین مہملہ کے ساتھ ہے بمعنی صبغ اور غین معجمہ کے ساتھ اس کا معنی ہے ''طین کثیرا''۔ القاموس میں ہے: ''ردع'' زعفران کو کہتے ہیں، زعفران کے ساتھ لتھڑنے کو کہتے ہیں اور جسم میں اس کے خوشبو کے باقی ماندہ اثر کو کہتے ہیں اور ''روع'' کے بارے میں فرماتے ہیں: **الردغة معركة الماء والطين والوحل الشديد**۔ (انتھی) لہٰذا از روئے روایت ''ردع'' عین مہملہ ہی کے ساتھ درست ہے۔

۴۳۶۰: **وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى اُسَامَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبُ قِطْرٍ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ۔** (رواه في شرح السنة)

أحمد في المسند ۳/۲۱۲۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے۔ بیماری کی حالت میں اُسامہ کے سہارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطری کپڑا اوپر ڈال رکھا تھا اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی۔ یہ شرح السنہ کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: ان النبی کان شاکیا**: ''شاکیا'' اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا مصدر ''شکوی'' اور ''شکایۃ'' آتا ہے بمعنی ''مرض''۔ کہا گیا کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفاۃ کا ہے۔

قوله: وعليه ثوب قطر: بعض نسخوں میں یہ اضافت کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں وصف کے ساتھ ہے۔ ''قاف'' کے کسرہ اور طاء کے سکون کے ساتھ یمنی چادر۔ جو اُون سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس میں سرخی ہوتی ہے اور نقش و نگار ہوتے ہیں اور تھوڑا سا کھردرا پن بھی ہوتا ہے۔ بعض کے ہاں اس سے مراد اچھی قسم کا حلہ ہے جو ''بحرین'' کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ ازہریؒ کہتے ہیں، کہ ''بحرین'' کے مضافات میں ایک گاؤں ہے، جس کو ''**قطرية**'' کہتے ہیں۔

قوله: وقد توشح به: اس کے اطراف کو گردن پر ڈالا تھا رومال کی طرح کیونکہ یہ چادر کے مشابہ تھا۔ بعض نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ آپ نے اس کو اپنے داہنے ہاتھ کے نیچے کرتے ہوئے اپنے بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ جیسا کہ ''محرم''

حالت احرام میں کرتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ اپنے جسم اطہر کو ڈھانپا ہوا تھا۔

تخریج: (و کذا الترمذیؒ فی الشمائل)۔

قطری کپڑے بدن پر بھاری تھے

۴۳۶۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيْظَانِ وَكَانَ اِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَقُلْتُ لَوْبَعَثْتَ اِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ اِلَى الْمَيْسَرَةِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا تُرِيْدُ اِنَّمَا تُرِيْدُ اَنْ تَذْهَبَ بِمَالِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ اَنِّيْ مِنْ اَتْقَاهُمْ وَآدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵۱۸/۳ الحديث رقم ۱۲۱۳' والنسائی فی ۲۹۴/۷ الحديث رقم ۴۶۲۸' وأحمد فی المسند ۱۴۷/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو قطری کپڑے تھے جو کہ موٹے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر تک بیٹھنے سے پسینہ آتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر بھاری ہو جاتے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی۔ بالآخر فلاں یہودی کے پاس شام سے کپڑا آیا تو میں نے عرض کیا کہ اگر فلاں یہودی کی طرف کسی کو بھیجتے اور اس وعدہ پر اس سے دو کپڑے خریدتے کہ جب کہیں سے کچھ آئے گا تو اس وعدہ پر اس سے لے لیں تا کہ ان کپڑوں کی ایذاء سے بچت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس یہودی کی طرف کپڑا خریدنے کے لئے بھیجا تا کہ وہ اس وعدہ پر کپڑا لائے۔ اس نے اس یہودی سے اس وعدہ پر کپڑا مانگا تو یہودی کہنے لگا تم یہ چاہتے ہو کہ اس میں تم میرا مال لے جاؤ اور پھر بعد میں قیمت سے انکار کر دو۔ یہودی نے بظاہر اس کو مخاطب کیا جو خریدنے گیا تھا اور حقیقت میں یہودی کا خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ جب وہ شخص واپس لوٹا اور اس یہودی کا جواب بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس یہودی نے جھوٹ بولا ہے یعنی وہ خود بھی جانتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ وہ تورات کے حوالے سے جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ متقی ہوں اور تمام لوگوں میں امانت کو زیادہ ادا کرنے والا ہوں۔ یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: كان اذا قعد فعرق ثقلا:** ''عرق'': راء کے کسرہ کے ساتھ ثقلا: قاف کے ضمہ کے ساتھ' بمعنی وزناً۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ جملہ شرطیہ کنایہ ہے اس تعب ومشقت سے جو قطری کپڑا زیب تن فرمانے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہوتی تھی۔ بائے موحدہ کے فتحہ اور زائے مشددہ معجمہ کے ساتھ بزازوں کے سامان کپڑا وغیرہ کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کے ہاں یہ کتان اور قطن کے کپڑے ہیں۔ نہ کہ اون اور ریشم کے ''قدوم'' کی نسبت ''بز'' کی طرف مجازی ہے۔

الميسرة: سین کے فتحہ کے ساتھ اور ضمہ بھی دیا جاتا ہے' جب کہ کسرہ بھی مروی ہے۔ سہولت اور غنا۔ مراد ثمن موجل ہے۔ جواب ''لو'' محذوف ہے ای **لكان حسنا**۔ بعض نے کہا ہے کہ ''لو'' تمنی کیلئے ہے۔ ''**فقال قد علمت**'': علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ''**فقال**'' میں فاء کلام محذوف پر عطف کیلئے ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی: ''**فأرسل رسولاً الى اليهودى**

یستسلف بزا الی المیسرۃ' فطلب الرسول منه فقال الیهودی"۔

قد علمت ما ترید بصیغۂ خطاب کی صورت میں اس کا مخاطب قاصد ہوگا' اور بصیغۂ غائب کی صورت میں اس کا فاعل نبی کریم ہوں گے' علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ "ما" استفہامیہ ہے۔ علم کو عمل سے معلق کیا ہے' اور یہ بھی جائز ہے کہ "ما" موصولہ ہو اور "علم" بمعنی عرفان ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ بصیغہ خطاب کی یہ تعبیر قاصد کی اپنی تعبیر ہو' کہ اس نے یہودی کی بات کو اپنے الفاظ میں نقل کیا ہو۔ کیونکہ اس کے الفاظ بصیغہ غائب یہ تھے "**قد علمت ما یرید**" اور یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب رسول سے ہو' اور اسناد مجازاً ہو۔

انما ترید ان تذهب بما لی: دونوں صیغے مخاطب کے ہیں' اور بعض نسخ میں دونوں صیغے غائب کے ہیں۔ "**أنی من اتقاهم**": وہ یہ باتیں حسد کی بناء پر کہتا ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں: **أو من زمرة من یعتقدون أنهم من المتقین**۔ کہ یا ان لوگوں کے زمرے میں سے ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ متقین میں سے ہیں اور یہ "علم" اس عرفان کی طرح ہے اس آیت میں ہے: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط……﴾ [البقرة:١٤٦] "وہ ان (پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے"۔

اداهم: یہ الف ممدودہ اور دال مہملہ مخففہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے: **أشدهم أداء للأمانة وأقضاهم للدین علی یقتضیط لدین** یعنی امانت کی ادائیگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ سخت ہیں اور دین کے اقتضاء کے مطابق زیادہ عمل کرنے والے ہیں۔

۴۳۶۲: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ مَصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَعَرَفْتُ مَاكَرِهَ فَانْطَلَقْتُ فَاَحْرَقْتُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا صَنَعْتَ بِثَوْبِكَ قُلْتُ اَحْرَقْتُهٗ قَالَ اَفَلَا كَسَوْتَهٗ بَعْضَ اَهْلِكَ فَاِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِهٖ لِلنِّسَاءِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٣٥ الحدیث رقم ٤٠٦٨' وابن ماجه فی ٢/١١٩١ الحدیث رقم ٣٦٠٣' وأحمد فی السمند ٢/١٩٦۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حالت میں دیکھا کہ کسم کا گلابی رنگ والا کپڑا مجھ پر تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے اس بات سے اندازہ لگایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں۔ میں نے جا کر اس کپڑے کو جلا ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا؟ میں نے عرض کیا اسے جلا ڈالا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنی کسی عورت کو کیوں نہ پہنا دیا۔ اس لئے کہ عورتوں کو ایسا کپڑا پہننے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: وعلی ثوب مصبوغ بعصفر موردا**

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وصف کو مصدر موصوف کے قائم مقام کیا گیا ہے اور "مورد" اس کپڑے کو کہتے ہیں' جو گلابی رنگ میں رنگا گیا ہو۔ (انتھی) اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ "نصب" اختصاص کی بناء پر ہو۔

قال أفلا كسوته'': اور ایک نسخہ میں ''فقال'' (فاء کے ساتھ) ہے۔
اس کی مانند صحیح مسلم کی بھی ایک حدیث ماقبل میں گذری ہے۔ یہ حدیث صریح ہے کہ مردوں کیلئے لال رنگ حرام ہے۔

سرخ چادر کا استعمال

۴۳۶۳:وَعَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى يَخْطُبُ عَلٰى بَغْلَةٍ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ اَحْمَرُ وَعَلِيٌّ اَمَامَهٗ يُعَبِّرُ عَنْهُ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤ /٣٣٨ الحديث رقم ٤٠٧٣، وأحمد في المسند ٣ /٤٧٧۔

ترجمہ: ہلال بن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میرے والد نے بیان کیا کہ میں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پر خطبہ دیتے دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ چادر یعنی دھاری دار پہن رکھی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام لوگوں کو بیان فرماتے جا رہے تھے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے

راویٔ حدیث:

عامر بن ربیعہ۔ یہ عامر بن ربیعہ ہیں' ان کی کنیت ابوعبداللہ العنزی ہے۔ ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ دونوں کے مہاجر ہیں۔ غزوۂ بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ ان سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ مرتب عرض کرتا ہے کہ مرقاۃ مشکوٰۃ کے فوقانی متن میں ''عبداللہ بن عامر بن ربیعہ'' ہے اور تحتانی متن میں عامر بن ربیعہ ہے اور مؤطا میں عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ہے اور یہی درست ہے۔

ہلال بن عامر۔ یہ ہلال ''عامر'' کے بیٹے مزنی ہیں۔ اہل کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اور رافع المزانی سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے یعلی وغیرہ نے روایت کی۔ ''عامر'' سے مراد بظاہر عامر بن ربیعہ ہیں۔

تشریح: بمنا: یہ الف کے ساتھ ہے اور منصرف ہے اور یاء کے ساتھ بھی لکھا جاتا ہے اور غیر منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔

قوله: وعليه برد احمر: اس کی تأویل پہلے گزر چکی ہے کہ سارا کپڑا سرخ رنگ کا نہیں تھا بلکہ اس پر سرخ رنگ کی دھاریاں تھیں اور اس کی تائید لغت کی مشہور کتاب ''قاموس'' سے بھی ہوتی ہے کہ ''برد'' باء کے ضمہ کے ساتھ۔ ''ثوب مخطط'' کو کہتے ہیں۔

قوله: علی أمامه يعبر عنه: چونکہ مجمع بہت زیادہ تھا فرد واحد کی آواز اس سارے انبوہ تک نہیں پہنچ رہی تھی' اس لئے حضرت علیؓ آپ کے سامنے کھڑے ہو کر آپؐ کے الفاظ سامعین پہنچا رہے تھے۔

۴۳۶۴:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيْهَا وَجَدَ رِيْحَ الصُّوْفِ فَقَذَفَهَا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٣٩ الحدیث رقم ٤٠٧٤' وأحمد فی المسند ٦/ ٢١٩۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ چادر تیار کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا۔ پھر جب اس میں پسینہ آیا تو اس میں اون کی بومحسوس فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''صنعت'': بصیغۂ مجہول ہے'' بردۃ: نائب فاعل ہے اور'' سوداء'' اس کی صفت ہے۔

۴۳۶۵ :وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلٰی قَدَمَیْهِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٣٩ الحدیث رقم ٤٠٧٥' وأحمد فی المسند ٥/ ٦٣۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر کے ساتھ گوٹ مار کر بیٹھے تھے اور اس کے ڈورے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''شملة'': اس سے مراد'' شال'' ہے، یا کساء ہے۔ هد بها: ھاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ چادر کے اطراف کے دھاگے۔ مطلب یہ کہ آپ علیہ السلام حالت احتباء میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس کا شملہ گھٹنوں کے پیچھے ڈالا تھا اور دونوں ہاتھوں میں اس چادر کے ایک طرف کو پکڑا ہوا تھا۔ تا کہ آپؐ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے شخص کی طرح ہو جائیں۔ یہ عرب کی عادت تھی کہ جب وہ کسی چیز پر تکیہ نہ لگائے ہوئے ہوتے تو اس طرح بیٹھتے تھے۔

قبطی کپڑا عورتوں کے استعمال کے لئے

۴۳۶۶ :وَعَنْ دِحْیَةَ بْنِ خَلِیْفَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِیَّ فَاَعْطَانِیْ مِنْهَا قُبْطِیَّةً فَقَالَ اِصْدَعْهَا صَدْعَیْنِ فَاقْطَعْ اَحَدَهُمَا قَمِیْصًا وَاَعْطِ الْاٰخَرَ امْرَاَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَاْمُرِ امْرَاَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَا یَصِفُهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٦٣ الحدیث رقم ٤١١٦' وأحمد فی السمند ٥/ ٢٠٥۔

ترجمہ: حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبطی کپڑے لائے گئے آپ نے اس میں سے ایک قبطی کپڑا مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا اس کو دو ٹکڑے کرو اور ایک کا قمیص بناؤ اور دوسرا اپنی بیوی کو دو تا کہ وہ اوڑھنی بنا لے۔ جب دحیہ پیٹھ پھیر کر چل دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیوی کو کہو کہ اس کے نیچے ایک کپڑا لگائے تا کہ اس سے اس کے بدن اور بال ظاہر نہ ہوں کیونکہ وہ کپڑا باریک ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

دحیہ کلبی: یہ'' دحیہ'' خلیفہ کلبی کے بیٹے ہیں۔ بلند مرتبہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ غزوۂ احد اور مابعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٦ ھ میں قیصر شاہ روم کے پاس مدت صلح کے زمانہ میں بھیجا تھا۔'' قیصر'' نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان لانا چاہا مگر اس کے پادری ایمان نہیں لائے تو وہ بھی مسلمان نہیں ہو سکا۔ یہ ملک شام چلے گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک وہاں رہے۔ متعدد تابعین رحمہم اللہ نے ان سے روایت کی ہے۔

''دحیۃ'' دال کے کسرہ اور حائے مہملہ کے سکون اور دو نقطوں والی یاء کے ساتھ ہے۔ اسی طرح اکثر محدثین اور اہل لغت نے روایت کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ دحیہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

خصوصی فضیلت:

یہ ''دحیہ'' وہی صحابی ہیں کہ حضرت جبرئیل امین ان کی صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے۔

تشریح: ''قباطی'' قاف کے فتحہ' بائے موحدہ طائے مہملہ کے کسرہ' بائے تحتیہ مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ''قبطیۃ'' کی جمع ہے۔ پتلا اور سفید رنگ کا کپڑا تھا۔ گویا کہ ''قبط'' کی طرف منسوب ہے اور ''قبوط'' اہل مصر تھے۔ بیان نسب کے وقت قاف کے ضمہ استعمال ابنایہ کے مطابق یہ مصر کا بنا ہوا ہوتا ہے' کپڑوں کی نسبت کے وقت بھی یوں ہی مستعمل ہے' اور لوگوں کی طرف نسبت ہو تو قاف کے کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ''قبطیۃ'': قاف کے ضمہ کے ساتھ ہے' کسرہ بھی دیا جاتا ہے' **فقال اصدعها**: اور ایک نسخہ میں بغیر فاء کے ہے'' ''اصدع'' دال مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے'' ''صدعین'' بفتح الاول مصدر ہے' اور کسرہ کے ساتھ الآخر: خاء کے فتحہ کے ساتھ ہے' اور کسرہ بھی درست ہے۔

تختمر به: یہ مرفوع ہے۔ مبتدا محذوف کی خبر ہونے بنا پر' اور جواب امر ہونے کی بناء پر اس پر جزم بھی جائز ہے۔

فلما ادبر: اس میں التفات ہے یا یہ نقل بالمعنیٰ ہے

قوله: وأمر امرأتك ان تجعل تحته ثوبًا لا يصفها: یہ مرفوع ہے استیناف کی بناء پر موجب کا بیان ہے اور بعض نے ''جزم'' کے ساتھ پڑھا ہے جواب امر ہونے کی بناء پر۔ کیونکہ قبطی کپڑا بہت باریک ہوتا ہے اور شاید اس کی تخصیص کی وجہ ان کے حال کا اہتمام ہو اور اس لئے کہ بسا اوقات باریک کپڑا برتنے میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے برخلاف آدمی کے۔ کہ وہ عام طور پر ازار اور شلوار کے ساتھ قمیص بھی پہنتا ہے۔

اوڑھنی کے استعمال کا طریقہ

۴۳۶۷: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَهِیَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَيَّةً لَا لَيَّتَيْنِ۔

(رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٦٣ الحديث رقم ٤١١٥' وأحمد فی المسند ٦/٢٩٦۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اس حالت میں آئے کہ وہ اوڑھنی اوڑھنے والی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ایک پیچ سر پر دو نہ کہ دو پیچ۔ یہ ابوداوٗد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: فقال: لية لا ليتين:

''لية'': لام کے فتحہ اور بائے تحتیہ مشددہ کے ساتھ مفعول مطلق ہے. أی لوی لية واحدة''۔ یعنی ایک دوپٹہ ہوتا کہ

اسراف سے بچا جائے جا سکے۔ یا مردوں کی مشابہت سے بچا جا سکے۔ کیونکہ عورتوں کو مردوں کی طرح لباس نہیں پہننا چاہئے اور اس کے برعکس بھی نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے **لعن الله المشبهات من النساء بالرجال والمشبهين من الرجال بالنساء** کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر (بھی لعنت کی ہے) جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کو حکم دیا کہ سر پر دوپٹہ رکھیں، اور تھوڑی کے نیچے سے پیچ دے، دو پیچ نہ دے، تا کہ اسراف نہ ہو اور عمامہ باندھنے والوں سے مشابہت بھی لازم نہ آئے۔

تخریج: وكذا أحمد في مسنده والحاكم في مستدركه۔

الفصل الثالث:

حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی شاندار مثال

۴۳۶۸: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ إِزَارِيْ اِسْتِرْخَاءٌ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِرْفَعْ إِزَارَكَ فَرَفَعْتُهُ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُّ فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاهَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِلٰى اَيْنَ قَالَ اِلٰى اَنْصَافِ السَّاقَيْنِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۶۵۳/۳ الحديث رقم (۴۷-۲۰۸۶)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس وقت میرا تہبند لٹک رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبداللہ! تو اپنے تہبند کو بلند کر۔ میں نے بلند کیا تو فرمایا اس کو اور بلند کرو۔ پس میں ہمیشہ کوشش وقصد سے یہ کام کرتا ہوں۔ کہ تہبند کا اٹھانا آپ کے حکم سے بعض لوگوں نے کہا آپ کہاں تک اٹھاتے ہیں تو فرمایا۔ آدھی پنڈلیوں تک یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **فما زلت أتحرها: أي أتحرى الفعلة** اور فعل سے مراد ہے "**رفع الازار شيئا فشيأً**"۔ (ذکرہ الطیبی)
اور بظاہر یہ ضمیر "**رفعة اخيرة**" کی طرف راجع ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کہ ہمیشہ مکمل کوشش کیا کرتا ہوں کہ میری شلوار آپ علیہ السلام کی اس تقریر کے مطابق اوپر ہی رہے۔ "**بعد**" مبنی علی الضم ہے۔ (مضاف الیہ محذوف ومنوی ہے۔) **اى بعد قول النبى** ﷺ **ارفع ثم زد۔**

شمائل میں عبید بن خالد المحاربی سے روایت ہے قال: **بينما أنا أمشي بالمدينة اذانسان خلفي يقول: ارفع ازارك فانه أتقى** اور ایک روایت میں نون کے ساتھ "**انقى**" ہے اور ایک میں بائے موحدہ کے ساتھ "**ابقى**" ہے۔ سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے: **قال: كان عثمان بن عفان يأتزر الى أنصاف ساقيه. وقال هكذا كانت ازرة صاحبي يعني النبي** ﷺ۔ کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا ازار نصف ساقین (پنڈلیوں) تک ہوتا تھا اور فرمایا کہ میرے محبوب یعنی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار بھی اسی طرح ہوتا تھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال أخذ رسول الله ﷺ بعضلة ساقی أوساقه فقال: هذا موضع الإزار فإن أبيت فأسفل فان أبيت فلاحق للازار فی الكعبين۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے: "ما اسفل من الكعبين من الازار فی النار"۔

غیر اختیاری طور پر چادر لٹک جانے کا حکم

۴۳۶۹: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِزَارِىْ يَسْتَرْخِىْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۹/۷ الحديث رقم ۳۶۶۵، وأبو داوٗد فی السنن ۳۴۵/۴ الحديث رقم ۴۰۸۵، والنسائی فی ۲۰۸/۸ الحديث رقم ۵۳۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہ فرمائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! میری چادر تو لٹکی رہتی ہے یعنی میرے اختیار کے بغیر لٹک جاتی ہے اور بعض اوقات ٹخنے اور قدم تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ البتہ میں ہر وقت اس بات کا خیال رکھتا ہوں یعنی اکثر و بیشتر خیال نہیں بھی رہتا خواہ کوئی سبب پیش آتا ہے یا شرعی رکاوٹ بن جاتی ہے یا عرفی وجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس بارے میں میرے حق میں کیا حکم ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر! تو ان میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ازار کو لٹکاتے ہیں۔ (ع)

تشریح: قوله: من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة:

اس سے مراد نظر رحمت ہے یا نظر عنایت ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس کو امام احمد اور اصحاب صحاح اربعہ نے بھی نقل کیا ہے۔

اتعاهده: النہایہ کے مطابق اس کا معنی ہے حفظ و رعایت۔

قوله: انك لست ممن يفعله فيلاء۔ یعنی تم ان لوگوں کے زمرے میں داخل نہیں ہو جو تکبراً ایسا کرتے ہیں۔

استرخاء بغیر قصد و ارادہ کے کوئی نقصان نہیں کرتا۔ خاص کر جب خیلاء اور تکبر نہ ہو البتہ افضل متابعت ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے "جر ازار" میں سبب حرمت خیلاء اور تکبر ہے۔ جیسا کہ آغاز حدیث میں موجود "من" شرطیہ کی قید سے پتہ چلتا ہے۔

عرضِ مرتب:

ملا علی قاریؒ کی یہ آخری بات محل نظر معلوم ہوتی ہے، چونکہ بعض روایات میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر مطلق حرمت بھی منقول

ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کرنا اور اس کا برعکس حنفیہ اور شوافع کے درمیان اختلافی ہے۔

اتباع کا نمونہ

۴۳۷۰: وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَأْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ اِزَارِهٖ مِنْ مُقَدَّمِهٖ عَلٰى ظَهْرِ قَدَمِهٖ وَيَرْفَعُ مِنْ مُؤَخَّرِهٖ قُلْتُ لِمَ تَأْتَزِرُ هٰذِهِ الْاِزْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتَزِرُهَا۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٥٤ الحديث رقم ٤٠٩٦۔

ترجمہ: عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنا تہبند باندھتے تو اس کا کنارہ اگلی جانب اپنے قدم کی پشت پر رکھتے اور پچھلی جانب سے بلند رکھتے۔ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ تو وہ فرمانے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باندھا کرتے تھے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: تأتزر هذه الازرة: "الازرة": بکسر الاول ہے۔ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدھ بار اس طرح سے تہبند باندھا ہو اور ابن عباس کی ان پر نظر پڑ گئی ہو۔ اسی وجہ سے حضورؐ کا یہ عمل صرف انہی سے منقول ہے۔

پگڑیاں فرشتوں کا لباس

۴۳۷۱: وَعَنْ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْعَمَائِمِ فَاِنَّهَا سِيْمَاءُ الْمَلَائِكَةِ وَاَرْخُوْهَا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ۔ (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

أخرجه البيهقی فی شعب الايمان ٥/١٧٦ الحديث رقم ٦٢٦٢۔

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پگڑیاں باندھنا لازم پکڑو کیوں کہ پگڑیاں فرشتوں کا لباس ہے۔ (یعنی وہ فرشتے یوم بدر کو دستار باندھے آئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ [آل عمران: ١٢٥] اپنی پشتوں کے پیچھے شملے چھوڑو) اس لئے کہ ملائکہ کی آمد بھی اسی کیفیت سے تھی۔ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔

تشریح: قوله: "عليكم بالعمائم فانها سيماء الملائكة:

"سیما" اسم مقصور ہے اور بسا اوقات اس پر مد بھی پڑھا جاتا ہے۔

قوله: وارخوها خلف ظهركم: اس کا ہمزہ قطعی ہے "ظهر" أی أرسلوا أطراف العمام۔ سے مراد جنس ہے یا یہ ہر فرد کے اعتبار سے ہے اور ایک نسخہ میں "خلف ظهوركم" آیا ہے۔ یعنی جمع کے مقابلہ میں جمع منقول ہے۔

قوله: رواه البيهقی فی شعب الايمان: طبرانی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور الفاظ و معانی کی بحث ماقبل میں گزر چکی ہیں۔

باریک کپڑے کی ممانعت

۴۳۷۲: وَعَنْ عَآئِشَةَ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يُّصْلِحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ . (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٧٥ الحديث رقم ٤١٠٤۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اورانہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیرلیا اور فرمایا جب عورت ایام حیض کو پہنچ جائے یعنی بالغ ہو تو اس کے جسم کا کوئی عضو بھی سوائے ان کے اور ان کے ظاہر نہ ہونا چاہیے۔ آپ علیہ السلام کا اشارہ چہرے اور ہاتھوں کی طرف تھا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: ''وعليها ثياب رقاق:

''رقاق'' رقیق کی جمع ہے۔ ممکن ہے یہ واقعہ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہو۔ قوله: اذا بلغت المحيض : محیض کی تخصیص غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ أن يرى: بصیغۂ مجہول ہے۔ ''منها'' أي من بدنها وأعضائها۔ لن يصلح: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''لن'' تاکید نفی کے لئے ہے۔ اور اسم اشارہ کو لانا مزید تقریر کے لئے ہے۔

کپڑا پہننے کی دُعا

۴۳۷۳: وَعَنْ اَبِیْ مَطَرٍ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا اشْتَرٰى ثَوْبًا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ .

أحمد فی المسند ١/١٥٧۔

ترجمہ: ابومطر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اللہ عنہ نے ایک دن ایک کپڑا تین درہم کا خرید فرمایا۔ جب اس کو پہنا تو کہنے لگے الحمد اللہ...... تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں' جس نے زینت والا کپڑا عنایت فرمایا اور وہ کپڑا ہمارے ستر کو چھپانے کا ذریعہ ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا یعنی کپڑے پہننے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ یہ احمد کی روایت ہے۔

تشریح: ''رزقنی من الرياش: یہ ''ریش کی جمع ہے اور مراد لباس زینت ہے۔ یہ ''ریش الطائر '' سے مستعار لیا گیا ہے۔ کیونکہ ''پر'' پرندوں کا لباس اور زینت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [الاعراف:٢٦] ''اے بنی

آدم! ہم نے تم پوشاک اتاری کی تمہاری ستر ڈھانکے اور تمہارے بدن کو زینت دے اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ خدا کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں''۔

ما اتجمل به في الناس: یہ ''ما'' موصولہ ہے یا ''ما'' موصوفہ ہے۔

وا واری عوراتي: أي ما استر به اور ممکن ہے کہ مبالغہ کیلئے ہے (یعنی یہاں ''اُواری'' فعل کو باب مفاعلہ سے لانا مبالغہ کی غرض سے ہے۔)

ایک اور دُعا اور پرانے کپڑے کا حکم

۴۳۷۴: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ ثَوْبًا جَدِیْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ لَّبِسَ ثَوْبًا جَدِیْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثُمَّ عَمِدَ اِلَی الثَّوْبِ الَّذِیْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِہٖ کَانَ فِیْ کَنَفِ اللّٰہِ وَفِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَفِیْ سَتْرِاللّٰہِ حَیًّا وَّمَیِّتًا ۔

(رواه احمد والترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٥٢١ الحديث رقم ٣٥٦٠، وابن ماجه فی ٢/١١٧٨ الحديث رقم ٣٥٥٧، وأحمد فی المسند ١/٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پہنا اور پھر یہ دعا پڑھی: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ...... تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کو لائق ہیں جس نے مجھے ستر چھپانے والا کپڑا اعنایت فرمایا۔ اور اس کے ساتھ اپنی زندگی میں زینت کرتا ہوں۔'' پھر کہنے لگے میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے پھر وہ یہ دعا پڑھے۔ پھر پرانا کپڑا خیرات کر دے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ اور عفو و مغفرت کے پردہ میں رہے گا جب تک زندہ رہے یا مرے یعنی دنیا و آخرت میں۔ یہ روایت امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے غریب کہا۔

تشریح: **كان في كنف الله:** **عمد:** میم کے فتحہ کے سے ساتھ ہے، کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ جملہ شرط کی جزاء ہے۔ ''کنف'': کاف اور نون' دونوں کے ساتھ اس کا معنی ہے: حرز و ستر۔ ''کنف'' اصل میں 'طرف' ''ناحیہ'' اور سایہ کو کہتے ہیں۔ (قاموس)

وفي حفظ الله وفي ستر الله: یہ تاکید اور مبالغہ ہے۔ ''الصحاح'' میں ہے کہ ''الستر'' بالکسر ''الستور'' کا واحد ہے اور بفتح السین مصدر ہے۔ ''میتا'': یاء کو مشدد و مخفف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

رواه ابن ابی شيبة والحاکم وصححه۔

باریک اوڑھنی کا پھاڑ ڈالنا

۴۳۷۵: وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰی عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ۲/ ۹۱۳ الحديث رقم ٦ من كتاب اللباس۔

ترجمہ: حضرت علقمہ بن ابی علقمہ سے روایت ہے انہوں نے اپنی والدہ سے نقل کیا کہ جناب حفصہ عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں۔ وہ اس وقت باریک اوڑھنی پہنچے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور انہیں موٹی اوڑھنی پہنادی۔ یہ موطا امام مالک کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

حفصہ بنت عبدالرحمٰن۔ یہ ''حفصہ'' عبدالرحمٰن کی صاحبزادی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ''منذر بن الزبیر بن العوام'' کے نکاح میں تھیں۔

تشریح: '' خمار'' '' دوپٹہ'' فشقته عائشة: تو حضرت عائشہؓ نے غصہ ہو کر دوٹکڑے کر دیا اور اس سے دو رومال بنا دیئے۔ لہٰذا اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے مال کو ضائع کر دیا اور اس پتلے دوپٹے کے بدلے اس کو اک کھردرا موٹا کپڑا دیا یا ان کو ادب سکھانے کیلئے اور ان کے آداب کی تربیت کیلئے۔ جو انہوں نے مربی اکمل صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے تھے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید اس دوپٹے کے نیچے سے ان کا بدن بھی نظر آ رہا ہو اور اس کے بال بھی نظر آ رہے ہوں۔ تو انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا۔ (واللہ اعلم)۔

قطری کرتہ کا استعمال

۴۳۷۶: وَعَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُهٗ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَقَالَتْ اِرْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰی جَارِيَتِیْ اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰی اَنْ تَلْبَسَهٗ فِی الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِیْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَیَّ تَسْتَعِيْرُهٗ. (رواه البخاری)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٥/ ٢٨٦ الحديث رقم ٢٦٢٨۔

ترجمہ: عبدالوحد بن ایمن نے اپنے والد سے نقل کیا کہ ایک دن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے قطری لباس پہن رکھا تھا۔ یعنی مصری کرتہ جس کی قیمت پانچ درہم سے زائد نہ تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں۔ تم میری لونڈی کو دیکھو یہ گھر میں یہ کپڑا پہننے سے اعراض کرتی ہے۔ (چہ جائیکہ کہ اس کو پہن کر باہر نکلا جائے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرا ایک کپڑا اس طرح کا تھا۔ مدینہ منورہ کی جو عورت شادی بیاہ

کے موقع پر زینت کرنا چاہتی تو وہ پیغام بھیج کر یہ کرتہ منگواتی اور پہنتی تھی۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عبدالواحد بن ایمن۔ پورا نام عبدالواحد ابن ایمن مخزومی ہے۔ یہ قاسم بن عبدالواحد کے والد ہیں۔ انہوں نے حدیث کا سماع اپنے والد اور دوسرے تابعین سے کیا ان سے ایک بڑی جماعت نے حدیث کی سماعت کی ہے۔

تشریح: ''وعليها درع: القاموس میں ہے:''درع المرأة قميصها'' ہے: المغرب میں ہے:''درع الحديد مؤنث و درع المرأة ما يلبس فوق القميص يذكر''۔ قطری : قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے' مراد ''مصری'' ہے۔ثمنة خمسة دراهم:''ثمن'' مرفوع ہے۔ای ذوثمنها اور ایک نسخہ میں یہ منصوب ہے' اس طور پر کہ یہ ''الدرع'' سے حال ہے۔امام طیبیؒ کہتے ہیں کہ اصل کلام ''ثمنه خمسة دراهم'' تھا اس کو الٹ کر دیا گیا اور ''مثمن'' کو ثمن بنا دیا گیا۔

تزهى: علامت مضارع کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ' اور ھاء صرف مفتوحہ ہی ہے اور ''فتح الباری'' میں ہے کہ ''تزهى'' اول کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مراد اس سے تکبر اور ناپسند کرنا ہے۔ یہ لفظ ان حروف میں سے ہے، جو فعل مجہول مستعمل ہوتا، اگرچہ بمعنیٰ الفاعل ہوتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: غي بالأمر' نتجت الناقة ۔فرمایا کہ ابوذر کے نسخہ میں تزھی' صرف اول کے فتحہ کے ساتھ ہے' اور اصمعی کا کہنا ہے کہ فتحہ کے ساتھ نہیں بولا جاتا ہے۔اھ۔ میں کہتا ہوں کہ محدث کا اثبات' لغوی کی نفی سے اولیٰ ہے تقين: بصیغۂ مجہول ہے' ''تقين'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے تزئین ''مقينه'' ماشطہ کو کہتے ہیں یعنی' کنگھی چوٹی کرنے والی عورت۔

(وقد كان لي منها): مقصود اس سے یہ ہے کہ یہ بات تو ابھی قریبی زمانہ کی ہے لیکن لوگ ہی بدلتے جارہے ہیں۔ زمان تبدیل ہوگئے۔ پس یہ بات صحیح ثابت ہوگئی، کہ سال بہ سال تم مزید رذیل سے رذیل تر ہوتے چلے جاؤ گے۔ بلکہ بخاریؒ، احمدؒ، نسائیؒ نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے :لايأتي عليكم عام ولا يوم الاوالذى بعده شرمنه حتى تلقوا ربكم۔فرمایا کہ تم پر کوئی سال اور دن ایسا نہیں آئے گا، مگر ہر دن کے بعد آنے والا دن اس سے بدتر ہوگا۔ یہاں تک کہ تم اپنے ربّ سے مل لو گے اور اس کا سبب ان کے انوارات سے بُعد' اور ان کے اسرار سے احتجاب ہے جو کہ اپنی جانوں پر ظلم کا مقتضی ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

ناپسندیدہ کپڑے بیچنے کا حکم

۴۳۷۷ :وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءَ دِيْبَاجٍ اُهْدِىَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَكَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ اَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرِيْلُ فَجَآءَ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ اَمْرًا وَاَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِيْ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اُعْطِكَهٗ تَلْبَسُهٗ اِنَّمَا اَعْطَيْتُكَهٗ تَبِيْعُهٗ فَبَاعَهٗ بِاَلْفَيْ دِرْهَمٍ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٣/١٦٤٤ الحديث رقم (١٦-٢٠٧٠)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمائی۔ جو کہ آپ کی طرف تحفہ میں بھیجی گئی تھی۔ پھر جلدی سے اسے اتار ڈالا اور اس کو عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ تو صحابہؓ (موجودین) نے کہا۔ کہ آپ نے جلدا سے اتار ڈالا تو فرمایا مجھے اس کے پہننے سے جبرئیل نے منع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ قصہ سن کر روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اسے پسند نہ کیا یعنی اس کے زیب تن کرنے کو۔ اور میری طرف بھیجی تاکہ میں اسے پہن لوں۔ تو میرا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ میں نے تجھے پہننے کیلئے نہیں دی بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو اسے فروخت کر دے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دوہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''دیباج'': دال کے کسرہ کے ساتھ ہے' اور فتحہ بھی درست ہے۔ آپؐ نے اس ہدیہ دینے والے کی خاطر مدارت کی وجہ سے پہنی تھی جیسا کہ متعارف ہے۔ ''قد أوشك مأ: أی قد أسرع انتزاعك اياه''۔

''فجاء عمر يبکی'': اس کا عطف کلام مقدر پر ہے ای **فسمع عمر هذه القضية فجاء عمر باکيا**۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی اور روتے ہوئے آئے۔

''تلبسه'': رفع کے ساتھ ہے' اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے ''تبیعه'': اس میں دونوں صورتیں درست ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''تلبسه'' اور ''تبیعه'' دونوں مرفوع ہیں مستانفہ ہیں' اعطاء کی غرض کا بیان ہے' میں کہتا ہوں ممکن ہے اس کے منصوب ہونے کی وجہ سے ہو کہ اس کی اصل ''لان تبیعه'' ہے' پس لام کو حذف کر دیا اور اعراب کو اس کی اصل پر برقرار رکھا' جیسا کہ ''تسمع بالمعيدی'' کے بارے میں کہا گیا ہے۔

خالص ریشمی کپڑا ممنوع ہے

۴۳۷۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمِتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَاَمَّا الْعَلَمُ وَسَدٰى الثَّوْبِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٣٢٩ الحديث رقم ٤٠٥٥' وأحمد فى المسند ١/٢١٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کو پہننے سے منع فرمایا' جو خالص ریشم کا ہو۔ البتہ ریشم کی گوٹ یا بیل (جو چار انگشت کی مقدار ہو وہ) جائز ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

تشریح: ''مصمت'': میم اولیٰ کے ضمہ اور ثانیہ کے کسرہ کے ساتھ وہ کپڑا جس کا تانا اور بانا دونوں ریشم کے ہوں کوئی اور چیز اس میں شامل نہ ہو۔ من الحرير: یہ تاکید کیلئے ہے۔ یا بناء علی التجرید ذکر کیا ہے۔ القاموس میں ہے کہ ''ثوب مصمت'' اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں ایک ہی رنگ ہو اس میں اور کوئی رنگ نہ ہو۔

وسدی الثوب: سین کے فتحہ اور دال دونوں معجم و مفتوح ہیں ''لحمة الثوب'' کی ضد ہے۔ سدی اس کو کہتے ہیں جو

عرضاً بنا جائے اور لحمۃ وہ دھاگا جو طولاً ہو۔ حاصل یہ کہ جب اس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا غیر ریشم کا ہو جیسا کہ قطن اور صوف ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کپڑے کی تکمیل ''بانے'' کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور اس کا عکس صرف حرب میں جائز ہے، اور یہی ہمارے ائمہ کا مسلک مختار ہے۔ فائدہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حرمت اور حلیت میں اعتبار اکثریت اور اغلبیت کا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بعض علماء کا قول ہے۔

''خز'' کی شال کا استعمال

۴۳۷۹: وَعَنْ اَبِیْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ وَعَلَیْهِ مُطَرَّفٌ مِنْ خَزٍّ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ نِعْمَةً فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّرٰی اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ۔

(رواه احمد)

أحمد في المسند ٤/٤٣٨۔

ترجمہ: حضرت ابو رجاء رحمہ اللہ سے روایت ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے خز کی شال پہن رکھی تھی۔ وہ کہنے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عنایت کرے تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس پر دیکھا جائے۔ یہ احمد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

ابو رجاء۔ یہ ابو رجاء ''عمران بن تمیم عطاردی'' ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام لے آئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے یہ بڑے عالم باعمل سن رسیدہ اور ماہرین قراءت میں سے تھے۔ ۱۰۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے ان کا اسم گرامی تابعین کی فصل میں ذکر فرمایا ہے۔

تشریح: '' مطرف'': تثلیث میم' سکون طاء' راء مفتوحہ' آخر میں ''فاء'' ہے اور میم زائدہ ہے۔ وہ کپڑا جس کے دونوں کناروں پر نقش و نگار ہوں۔

امام فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اصل اس میں ضمہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ فی المعنیٰ ''اطرف'' سے مأخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے جعل طرفیہ العلمین لیکن عرب نے ضمہ کو ثقیل سمجھتے ہوئے اس کو کسرہ دے دیا۔ (کذا فی النہایۃ) اور امام فراء کے کلام سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کو فتح دینا جائز نہیں اور یہ کہ کسرہ افصح ہے لیکن صاحب قاموس نے ضمہ پر اقتصار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''المطرف'': المکرم کی طرح ہے' خز کی وہ چوکور چادر جس پر نقش و نگار ہوں۔ اھ۔ پس (حدیث میں) ''خز'' کا لفظ تاکید کیلئے ہے یا تجرید پر مبنی ہے اور ''خز'' خالص ریشم کے کپڑے کو کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ ابریشم اور اون سے بُنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔ یہ مباح ہے۔ پس یہاں پر ثانی مراد ہے۔

ان یرٰی: یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

أثر نعمته علی عبده: علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہاں پر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کا قائم مقام کیا گیا ہے جو کہ مبتدا کی طرف راجع ہے۔ تاکہ عبودیت کا اظہار ہو کہ اس پر اس کے مالک و رب کے نعمت کا اثر وظاہر ہو۔

''منہاج العابدین'' میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ فرقد سنجی حضرت حسن کے پاس آئے۔ اس وقت فرقد کے جسم پر چادر تھی جب کہ حضرت حسن ''حلہ'' زیب تن کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ فرقد ان کے حلہ کو چھو کر دیکھنے لگے۔ تو حضرت حسن نے کہا میرے کپڑوں کی طرف کیا دیکھ رہے ہو؟ میرے کپڑے اہل جنت کے ہیں' جب کہ تمہارے کپڑے اہل جہنم کے ہیں۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اکثر اہل جہنم چادروں والے ہوں گے۔ پھر حضرت حسن نے فرمایا کہ لوگ کپڑوں میں زُہد سمجھتے ہیں جب کہ دلوں میں کبر اور تکبر ان کے سینوں میں بھرا ہوتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کی قسم اٹھائی جاتی ہے کہ تم میں سے چادروں والے زیادہ تکبر والے ہوتے ہیں۔ مطرفہ والے سے۔ اھ۔ نقشبندیہ' شاذلیہ اور بکریہ کے ہاں بھی یہی مختار ہے کہ دیگر صوفیہ کی طرح کسی صوف وغیرہ کے کسی لباس کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکات اور ان کی نیتوں کے حسن مقاصد سے سرفراز فرمائے۔

اسراف و تکبر سے بچنے کا حکم

۴۳۸۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَا اَخْطَأَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِيْلَةٌ۔

(رواه البخاری)

البخاری تعلیقًا ۱۰/ ۲۵۲ باب قول اللّٰه تعالٰی ﴿قل من زینة...﴾ کتاب اللباس۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جائز اور مباح چیزوں میں سے جس کو چاہو کھاؤ اور پہنو۔ بشرطیکہ دو چیزوں سے پرہیز رہے اسراف اور تکبر یعنی ان دو وجوہات کی وجہ سے چیزوں میں کراہت پیدا ہوتی ہے۔ یہ روایت امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں نقل کی ہے۔

تشریح: ''ما أخطأتك اثنتان'': ما یہاں پر مداومت کیلئے ہے۔ ای مدۃ تجاوز الخصلتین عنک یعنی جب تک تم ان دو خصلتوں سے تجاوز نہ کرو ''سرف و مخیلة'': اسراف اور تکبر کو کہتے ہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت انس ؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے ان من السرف أن کل کل ماشتهیت کہ ''یہ بھی اسراف ہے کہ تم جو چاہو کھاتے رہو'' اور اسی پر من چاہے کپڑے کو قیاس کرلیا جائے کہ من السرف أن تلبس کل اشتهیت علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اسراف کی مطلقاً نفی تکبر کی نفی کو مستلزم ہے اور ''المخیلة'' کی نفی تاکید کیلئے ہے۔ ان دونوں استیعاب مفعود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [الاسراء: ۲۳] میں کہتا ہوں کہ یہ آیت حدیث کی نظیر ہے۔ کیونکہ ''انتهار'' اف کو شامل ہے اور آیت کا مفہوم نہی، ''نهی عن الانتهار'' کو بطریق اولیٰ شامل ہے۔ حدیث میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''اسراف'' کا تعلق کمیت کے ساتھ ہے اور ''مخیلة'' کا تعلق ''کیفیت'' کے ساتھ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: ''لا خیر فی سرف ولا سرف فی خیر''۔ (اسراف میں خیر نہیں اور خیر میں اسراف نہیں۔)

قوله: رواه البخاری فی ترجمة الباب: مطلب یہ کہ اس کو امام بخاریؒ نے بغیر اسناد کے تعلیقاً روایت کیا ہے یہ ہے تو

''موقوف''۔لیکن حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

ضرورت کا کھانے اور پہننے کا حکم

۴۳۸۱: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا اَوْ اِلْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِيْلَةٌ۔ (رواه احمد والنسائی و ابن ماجة)

أخرجه النسائی فی السنن ۷۹/۵ الحديث رقم ۲۵۵۹، وابن ماجه فی ۱۱۹۲/۲ الحديث رقم ۳۱۰۵، وأحمد فی المسند ۱۸۱/۲۔

ترجمہ: عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ پیو بقدر ضرورت اور ضرورت سے زائد کو راہ خدا میں دو اور پہنو بشرطیکہ اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو۔ یہ نسائی، احمد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: **مالم یخالط فیه اسراف ولا مخلیة**: اس قید کا تعلق آخری کے ساتھ ہے، نفی مخیلہ اس کا قرینہ ہے اور اگر کچھ تکلف سے کام لیا جائے تو اس کا تعلق ماقبل میں مذکور تمام اوامر سے بھی ہوسکتا ہے۔

سفید کپڑا بہترین لباس

۴۳۸۲: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَازُرْتُمُ اللّٰهَ فِیْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱۱۸۱/۲ الحديث رقم ۳۵۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہترین کپڑا سفید کپڑا ہے کہ جسے پہن کر تم اپنی قبروں اور مسجد میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو۔

تشریح: **''ان احسن ما زرتم الله**: یہ ''ما'' موصوفہ ہے، یا موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے۔ ای ''احسن شیء زرتم الله فيه''** اور جامع صغیر کی روایت میں ہے: **''ان احسن ما زرتم الله به''**۔

فی قبورکم ومساجدکم البیاض: یعنی کفن اور عبادت کیلئے بہترین کپڑا سفید رنگ کا کپڑا ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ ''مساجد'' میں تو ظاہر ہے، کیونکہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔ جب کہ قبور سے مراد میتوں کے کفن ہیں۔ کیونکہ مؤمن موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملے گا، تو اس کو چاہئے کہ وہ سب سے اعلیٰ حالت میں ہو، موت اور زندگی دونوں میں۔

آغاز باب میں اس پر سیر حاصل بحث گزر چکی ہے۔

بَابُ الْخَاتَمِ

انگوٹھی پہننے کا بیان

''خاتم'' تاء کے فتحہ کے ساتھ اس کا معنی ہے ''طابع'' خاتم کسرہ کے ساتھ تو اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کی طرف ''ختم'' کی نسبت مجازی ہے۔ آپؐ نے انگوٹھی کیوں بنوائی تھی؟ اس کا بیان آگے آئے گا اور ''الشمائل'' میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے: **لما أراد رسول الله ﷺ أن يكتب الى العجم قيل له :ان لعجم لايقبلون الا كتا با عليه خاتم ' فاصطنع خاتما كانى أنظر الى بيا ضه فى كفه** .''جب رسول اللہ نے ''عجمیوں'' کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو کسی نے کہا، کہ عجم تو بغیر مہر کے خط کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے انگوٹھی بنوائی اور مجھے اب بھی یوں لگ رہا ہے کہ میں آپ علیہ السلام کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں''۔

الفصل الاول:

سونے کی انگوٹھی کا پھینکنا

۴۳۸۳: **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَجَعَلَهٗ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَّرِقٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَا يَنْقُشَنَّ اَحَدٌ عَلٰى نَقْشِ خَا تَمِيْ هٰذَا وَكَانَ اِذَا لَبِسَهٗ جَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ بَطْنَ كَفِّهٖ۔** (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ۳۲۸/۱۰ الحديث رقم ۵۸۷۹' ومسلم فى ۱۶۵۵/۳ الحديث رقم (۵۳۔۲۰۹۱) والنسائى فى السنن ۱۹۲/۸ الحديث رقم ۵۲۷۶' وابن ماجه فى ۱۲۰۱/۲ الحديث رقم ۳۶۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس کو پہنا دائیں ہاتھ میں پھر اسے پھینک دیا۔ پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ کندہ کروایا اور فرمایا اس طرح کی کوئی انگوٹھی نہ بنوائے۔ آپ جب اسے پہنتے تو اس کا نقش اپنی ہتھیلی کی طرف کرتے یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **اتخذ النبى ﷺ خاتما:** (اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں): ① آپؐ نے ''انگوٹھی'' بنانے کا حکم دیدیا۔ ② آپؐ نے تیار انگوٹھی پائی تو پہن لی۔

من ذهب: یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مردوں پر سونا حرام نہیں ہوا تھا۔ امام محمدؒ ''موطأ'' میں فرماتے ہیں، کہ مرد [illegible] نہیں کہ وہ سونے، لوہے، اور پیتل کی انگوٹھی بنائے۔ البتہ چاندی کی انگوٹھی بنانے کی اجازت ہے۔ البتہ عورتوں کیلئے

سونے کی انگوٹھی بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کیلئے سونے کی انگوٹھی جائز اور مردوں کیلئے حرام ہے۔

شرح السنہ والے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو امور پر مشتمل ہے۔ ان دونوں امور میں بعد میں حکم تبدیل ہوگیا۔ ایک یہ کہ مردوں کے حق میں سونے کے انگوٹھی پہننے کی حرمت ہے اور دوسرا یہ کہ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی جائے۔ جب کہ آپ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ نے اس کو بائیں ہاتھ میں پہنا تھا۔ امام سیوطیؒ ''حاشیہ البخاری'' میں لکھتے ہیں کہ اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں کہ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہننی چاہئے اور بائیں ہاتھ میں پہننے کی بابت بھی احادیث وارد ہیں اور عمل اسی پر ہے پہلا حکم منسوخ ہے۔ (قالہ البیہقی) ابن عدیؒ وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تخریج کی ہے کہ آپ پہلے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر اس کو بائیں ہاتھ میں منتقل کر دیا۔ پھر آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔

نقش فیہ: یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے اور ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا جملہ اس کا نائب فاعل ہے اور ایک نسخہ میں ''نقش'' صیغہ معروف کے ساتھ ہے۔ **ای أمر با لنقش فیہ** اس صورت میں یہ جملہ اس کا مفعول ہوگا محل نصب میں یا محل رفع میں ہوگا۔ اور اس کے نقوش کی حکایت ہوگا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ جائز ہے کہ یہ جار حال ہو فاعل سے۔ کیونکہ یہ نکرہ سیاق نفی میں ہے۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ **''أی ناقشا علی نقش ختمی و مما ثلالہ'' او'' نقشا علی نقش خاتمی ھذا''** امام نوویؒ کا قول ہے کہ سبب نہی یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے اپنی خاتم پر اس قول کو نقش کیا تھا تا کہ بادشاہوں کی طرف جانے والے خطوط پر مہر لگائی جا سکے۔ پس اگر دوسرے لوگ بھی یہ نقش اپنی انگوٹھی پر بنواتے تو مفسدہ ہوتا اور خلل واقع ہوتا۔ (انتھی) آپ نے ان کو منع کر دیا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ صحابہؓ اس میں آپ اتباع کریں گے، جیسا کہ کمال متابعت ان کی عادت تھی، ان کو مجرد نقش کی اجازت دیدی لیکن اس میں اس خاص نقش سے ان کو منع کر دیا تا کہ حکمت اور مصلحت عامہ فوت نہ ہو۔

کان اذا لبسہ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس کو علی الدوام نہیں پہنتے تھے۔ لہٰذا یہ جو شمائل میں آیا ہے: **ان النبی ﷺ اتخذ خاتما من فضة و کان یختم بہ و لا یلبسہ** کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مہر لگاتے تھے۔ پہنتے نہیں تھے۔ اس مذکورہ مفہوم کے منافی نہیں ہے۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ اس روایت میں اور ان روایات میں کہ جن میں آتا ہے کہ آپ انگوٹھی پہنا کرتے تھے، کے درمیان جمع ممکن ہے اور وہ یوں کہ: ''**و لا یلبسة**'' حال ہے یہ اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ عدم لبس کی حالت میں آپ اس سے مہر لگاتے تھے اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ اس کو مطلقاً نہیں پہنتے تھے اور شاید اس میں راز ریاء ترک اور اظہار تواضع تھا۔ کیونکہ پہنی ہوئی انگوٹھی سے مہر لگانا تکبر اور خیلاء سے خالی نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''**و لا یلبسہ**'' کا ''**یختم بہ**'' پر عطف کیا جائے اور مراد اس سے یہ ہو کہ آپ اس کو علی سبیل الاستمرار والدوام نہیں پہنتے تھے بلکہ جب ضرورت ہوتی تو اس کو پہن لیتے تھے اور وہ ضرورت مہر ثبت کرنا تھی۔ جیسا کہ بعض روایات میں صراحۃً وارد ہوا ہے اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب وغریب بات کہی ہے کہ ''مہر ثبت کرتے وقت انگوٹھی پہن لیتے تھے'' یہ بات بعید ہے' اسکی نفی کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

حنفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے آپؐ نے کئی انگوٹھیاں بنوائی ہوں، جیسا سلاطین وحکام کے پاس ہوا کرتی ہیں اور اس میں

بعض کو آپ پہنتے ہوں اور بعض کو نہ پہنتے ہوں۔لیکن عصام نے اس کا تعاقب کیا ہے کہ یہ بات بھی بہت بعید ہے۔کیونکہ جب آپ نے یہ ایک حاجت کی وجہ سے بنوائی تھی۔تو یہ بات بعید ہے کہ آپ نے متعدد بنوائی ہوں۔

ایک جماعت نے انگوٹھی پہننے کو مطلقاً مکروہ جانا ہے۔یہ مسلک شاذ ہے۔ہاں یہ بات ثابت ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے ایک انگوٹھی بنائی اور صحابہؓ نے بھی اسی طرح کی انگوٹھیاں بنوائیں۔تو آپ نے اسکو پھینک دیا' چنانچہ صحابہؓ نے بھی۔اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں یہ "عدم ندب خاتم" پر دال ہے اس شخص کے لئے کہ جس کو اس کی ضرورت نہ ہو۔

البتہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ آپ نے تکبر اور خیلاء کے خدشہ کے پیش نظر اس کو پھینک دیا تھا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ امام زہریؒ کا وہم ہے جو آپؐ نے ایک دن پہن کر پھینک دی تھی۔وہ دراصل سونے کی انگوٹھی تھی۔جیسا کہ یہ حضرت ابن عمرؓ اور انسؓ سے متعدد طرف سے ثابت ہے۔ یا وہ انگوٹھی لوہے کی تھی ابوداؤد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ کے پاس چاندی کی ایک انگوٹھی تھی جس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی۔تو ممکن ہے کہ آپؐ نے یہ انگوٹھی پھینکی ہو۔آپؐ اس کے ساتھ لگاتے ہوں اور اس کو پہنتے نہ ہوں۔

ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ اگر زینت کے ارادہ سے بنوائی گئی ہو تو مکروہ ہے اور دوسرے کچھ علماء کہتے ہیں کہ غیر سلطان کیلئے مکروہ ہے' چونکہ دوسروں کے لئے ممانعت آتی ہے۔اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

قولہ: البتہ امام احمد سے منقول ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

جعل فصه ممايلى بطن كفه: "الفص" نگینہ کو کہتے ہیں۔امام نوویؒ کہتے ہیں۔اس نگینہ کو بطن کف کی جانب کرتے تھے یہ تکبر اور اعجاب سے بعید ہے اور جب آپ نے اس کا حکم نہیں دیا تو ظاہر کف کی طرف کرنا بھی جائز ہے اور سلف نے اس پر دونوں طرح سے عمل کیا ہے میں کہتا ہوں۔کہ شاید ان کی مخالفت کی وجہ یہ ہو کہ انکو یہ روایات نہ پہنچی ہو۔

قاضی خانؒ کہتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی بنوانا اس شخص کیلئے جائز ہے جیسے کی ضرورت مہر لگانے ہو اور عدم حاجت کی صورت میں اس کا ترک افضل ہے اور جب کوئی انگوٹھی بنائے تو اس کو چاہئے کہ نگینہ کو باطن کف کی جانب رکھے۔امام نوویؒ کہتے ہیں، کہ اگر کسی نے یکے بعد دیگرے پہننے کے لئے کئی انگوٹھیاں بنوائی تو یہ بھی جائز ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں جواز اور عدم جواز دونوں اقوال ہیں۔

قرآن رکوع میں نہ پڑھا جائے

۴۳۸۴: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقِسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَائَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١٦٤٨/٣ الحديث رقم (٢٩-٢٠٧٨)(وأبو داوٗد فى السنن ٣٢٢/٤ الحديث رقم ٤٠٤٤ والترمذى فى السنن ١٩٨/٤ الحديث رقم ١٧٣٧' والسنائى فى ١٩١/٨ الحديث رقم ٥٢٦٧' وأحمد فى المسند ١١٤/١ -

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسی اور کسم کے کپڑے پہننے اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی یعنی مردوں کیلئے ان کا استعمال ممنوع قرار دیا اور رکوع میں قرآن مجید کی تلاوت سے منع فرمایا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: نهى رسول الله ﷺ عن لبس القسي والمعصفر: اس کا بیان گزر چکا ہے۔

قوله: وعن تختم الذهب: مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا اور فرمایا، یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے پاس سونے کی کئی انگوٹھیاں تھیں۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عورت کیلئے چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تو مردوں کی شان ہے۔ اگر عورت صرف چاندی ہی کی انگوٹھی پائے تو پھر اس کو زعفران وغیرہ کے ساتھ رنگ دے۔

قوله: وعن قراءة القرآن في الركوع: چونکہ رکوع تسبیح کا محل ہے اور سجدہ میں تلاوت قرآن کا حکم بھی یہی ہے۔

سونے کی انگوٹھی پہننے والا آگ کی انگشتری پہنتا ہے

۴۳۸۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۳/۱٦٥٥ الحديث رقم (۵۲-۲۰۹۰)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی ایک انگوٹھی دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا تم آگ کے انگارے کا قصد کر کے اسے اپنے ہاتھ میں پہنتے ہو۔ یعنی سونا پہننے سے وہ ہاتھ دوزخ میں جلایا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد ان صاحب سے کہا گیا کہ تم اس انگوٹھی سے فائدہ اٹھاؤ یعنی فروخت کر دو یا کسی عورت کو دے دو۔ تو وہ کہنے لگا میں اس چیز کو ہرگز نہ لوں گا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: فنزعه وطرحه: یہ کلام انکار میں ابلغ ہے اور اسی وجہ سے آپ نے اپنے اس ارشاد میں ”من رأى منكم منكرا فليغيره بيده“ کے الفاظ کو مقدم ذکر فرمایا۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ”ازالة المنكر باليد“ ہے۔ اس شخص کیلئے جو کہ اس پر قدرت رکھتا ہو۔

فقال يعمد: میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ اور ہمزہ انکار استفہامی کا مقدر ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اس میں تاکید ہے کہ آپ نے انکار کو مخرج اخبار میں ذکر فرمایا اور ”نزع الخاتم وطرحه“ کے بعد اس خطاب کو عام کر دیا۔ یہ غضب عظیم اور تہدید شدید پر دال ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ ”الى جمرة“ اسی طرح ”صحيح مسلم“ میں بھی ”تاء“ کے ساتھ ہے اور

"فیجعلها" میں ضمیر مؤنث ہے اور نسخ مصابیح میں بغیر "تاء" کے ہے اور ضمیر مذکر کی ہے۔

قوله: لاوالله لاآخذه ابدًا وقد طرحه رسول الله ﷺ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں امتثال امر رسول میں مبالغہ کا اظہار ہے اور یہ کہ تاویلات ضعیفہ سے رخصت نہیں مل سکتی ہے۔ ان صاحب کے انگوٹھی نہ اٹھانے کی وجہ سے فقراء کیلئے اس انگوٹھی کو اٹھانا اور اس میں تصرف کرنا صحیح ہو گیا۔

مہر کے طور پر انگوٹھی استعمال کرنے کا جواز

۴۳۸۶: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَاَنْ يَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (رواه مسلم وفى رواية للبخارى) كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/٣٢٤ الحديث رقم ٥٨٧٥، ومسلم في ٣/١٦٥٧ الحديث رقم (٥٨-٢٠٩٢) وأبو داؤد في السنن ٤/٤٢٣ الحديث رقم ٤٢١٤، والترمذي في ٤/٢١٢ الحديث رقم ١٧٤٨۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کے بادشاہ کسریٰ اور روم کے بادشاہ قیصر اور حبشہ کے بادشاہ کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ بادشاہ خطوط کو مہر کے بغیر قبول نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کا نقش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطور میں تھا۔ نیچے کی سطر میں آپکا اسم گرامی ایک سطر میں رسول اور اوپر کی سطر میں اسم پاک باری تعالیٰ تھا۔ محمد رسول اللہ۔

تشریح: کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ چنانچہ "المغرب" میں لکھتے ہیں کہ کسرہ کے ساتھ ہے اور فتحہ افصح ہے لیکن قاموس میں یوں ہے کہ کسریٰ فتحہ کے ساتھ فارس کا بادشاہ تھا۔ "خسرو" سے معرب ہے جس کا معنی ہے "واسع الملک" (وسیع مملکت والا)۔ اور "قیصر" روم کے بادشاہ کا لقب تھا۔

جب کسریٰ کے پاس خط آیا۔ تو اس نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس پر آپ نے اس کو مملکت کے ٹکڑے ہونے کی بد دعاء دی اور اس کی مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جب ہرقل روم کے پاس آیا، تو اس نے اس کو حفاظت سے اپنے پاس رکھا چنانچہ اس کی مملکت محفوظ ہو گئی۔

النجاشی: یہ ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا۔ آپ نے اس کی طرف خط لکھا۔ اس کا نام "أصحمة" تھا۔ آپ اس سے اسلام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور ٦ھ کو یہ اسلام لے آیا اور ٩ھ کو وفات پا گیا اور آپ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ اور وہ نجاشی جو اس کے بعد آیا ہے۔ آپؐ نے دعوت اسلام کیلئے اس کو خط لکھا تھا۔ اس کے نام اور اس کے اسلام لانے کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلا۔ یہ کتابت صرف اس "اصحمه" کے لئے تھی۔ یہ کوئی اور اصحمہ تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلمؒ میں حضرت قتادہ سے منقول ہے اور اصحمہ کو آپ نے دوبارہ خط لکھا کہ "ام حبیبہ" کا نکاح آپ کے ساتھ کرا دے۔

ماقبل میں ہم نبی کریم ﷺ کے بعض مکتوبات کا ذکر چکے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ قائل عجمی تھا اور بعض نے کہا کہ قریش سے تھا اور اس کی تائید طاؤس کی مرسل روایت سے ہوتی ہے کہ یہ قائل قریش سے تھا۔
مضمون ماقبل میں گزر چکا ہے۔

انهم لا يقبلون كتابا الا بخاتم: أی موضوعًا عليه بخاتم. اور ایک روایت میں ہے کہ "**الا عليه خاتم ای وضع عليه خاتم**" اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں "مضاف" محذوف ہے۔ **ای عليه نقش خاتم.**

بعض نے کہا ہے کہ عدمِ اعتماد کا سبب یہ تھا، کہ اس کے بغیر خط کا مضمون قابل بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔ یا یہ کہ وہ مہر کو اپنی تعظیم کی علامت سمجھتے تھے اس لئے اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ یا یہ سمجھانے کیلئے کہ اس مکتبوت میں درج امور پر کسی کو اطلاع نہ ہو۔ (ذکرہ ابن حجر) لیکن یہ بات مخفی نہ رہے کہ ان کا شعار "ختم الورق" تھی۔ یہ کوئی ایسا سبب نہیں کہ جس کے باعث آپ نے انگوٹھی بنوائی، الا یہ کہ یوں کہا جائے تا کہ دونوں یکجا ہو جائیں۔

قوله: فصاغ رسول الله ﷺ خاتما: اور ایک روایت میں ہے: **فاصطنع خاتما** ۔

حلقة فضة یہ اضافت کے ساتھ ہے۔ "**خاتما**" سے بدل ہے یا اس کیلئے بیان ہے اور "ترمذی" میں، "**حلقته فضة**" کے الفاظ ہیں اس صورت میں یہ "خاتم" کیلئے صفت ہوگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نگینہ چاندی کا نہیں تھا۔

نقش فيه: یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ معروف کے ساتھ ہے۔

امام بغویؒ نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ یہ خاتم آپ علیہ السلام کے دست اقدس میں تھی۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہی، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی یہاں تک کہ معقیب کے "اریس" نامی کنوئیں میں گر گئی۔

"بئر آریس" اور راء دونوں مدینہ منورہ میں مسجد قباء کے قریب ایک مشہور جگہ تھی۔ "اریس" ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس کی مزید تحقیق آگے آئے گی۔

قوله: وفی رواية البخاری: اور ترمذیؒ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح منقول ہے "محمد سطر" مبتدا خبر ہیں "رسول" مبتداء ہے۔ بلا تنوین مرفوع علی الحکایۃ ہے۔ اسلئے کہ اصل میں یہ مضاف ہے اور معرب ہونے کی بناء پر تنوین بھی جائز ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور "سطر" اس کی خبر ہے۔

"اللہ" یہ رفع کے ساتھ ہے یا بالجر علی الحکایۃ ہے اور یہی اولیٰ ہے اور اس کی خبر "سطر" ہے۔

علامہ میرک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بظاہر اس سے زیادہ اس میں کوئی زیادت نہیں تھی۔ البتہ ابو الشیخ نے اخلاق النبیؐ میں ایک روایت کی تخریج کی ہے کہ عرعرۃ نے عروۃ بن ثابت عن انس کے طریق سے روایت کیا ہے: **كان فص خاتم رسول الله ﷺ حبشيا مكتوب عليه لا اله الا الله محمد رسول الله ۔ ابن المدينی** نے عرعرۃ کی تضعیف کی ہے لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہوئی اور اس طرح ابن سعدؒ نے ابن سیرین کی مرسل میں "بسم اللہ محمد رسول اللہ" زیادتی نقل کی ہے یہ بھی شاذ ہے اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں ہے۔ فرمایا مرسل طاؤس، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ اور سالم ابن الجعدؒ وغیرہ میں مروی روایت میں "محمد رسول اللہ"

پر کوئی زیادت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فرض کیا کہ یہ ثقہ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے تو اس صورت میں اس حدیث کو ''اختصار'' پر محمول کیا جائے اور وجہ امتیاز کے بیان پر محمول کیا جائے کہ نام نامی اسم گرامی کی وجہ سے انگوٹھی کو خصوصیت حاصل تھی یا اس کو تعدد خاتم پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔اس سے جمع بین الروایات کا حصول ممکن ہو جائے گا اور کسی راوی پر طعن بھی نہیں ہو گا۔ پھر علامہ میرکؒ کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ اس مذکورہ ترکیب پر تھا۔ البتہ اس کی کتابت سیاق عادی پر تھی۔ کیونکہ ضرورت ختم کا تقاضا یہ تھا کہ منقوش حروف الٹے ہوں تا کہ اس سے مہر سیدھا لگے اور یہ جو بعض شیوخ کا قول ہے کہ اس کی کتابت نیچے سے اوپر کی طرف تھی۔ یعنی لفظ جلالۃ میں اور ''محمد'' سب سے نچلی سطر میں اور ''رسول'' درمیان والی سطر میں تھا تو میں نے اس کی تصریح احادیث میں نہیں دیکھی' بلکہ اسماعیلی کی روایت تو اس کے سب سے اوپری سطر ظاہر کے مخالف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ اس میں ''محمد'' ایک سطر تھی۔ ''رسول'' سطر ثانی تھا اور ''اللہ'' سطر ثالث تھا۔ اھ۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام کے علاوہ کے لئے نقش اسم جلالہ مکروہ ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے میں کہتا ہوں اس کی ایک بہترین توجیہ جو کسی پر مخفی نہیں وہ توجیہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی تعظیم ہے تا کہ اس کی اہانت نہ ہو۔ اگر چہ کبھی کبھار ہی ہو جیسا کہ علماء نے مسجد وغیرہ کی دیواروں پر لفظ جلالہ کی کتابت کو مکروہ کہا ہے قبروں کے پتھروں وغیرہ پر بھی لفظ جلالہ کا نقش کرنا مکروہ ہے۔ لفظ جلالہ اگر کسی علم کا حصہ ہو مثلاً عبداللہ تو پھر اس میں ضرورت کی بناء پر کوئی حرج نہیں ہے۔

نگینہ وانگوٹھی دونوں چاندی سے تھے

۴۳۸۷: وَعَنْهُ اَنّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهٗ مِنْ فِضَّةٍ وَكَانَ فَصُّهٗ مِنْهُ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۲۲/۱۰ الحدیث رقم ۵۸۷۰' وأبو داوٗد فی السنن ٤۲٤/٤ الحدیث رقم ٤۲۱۷' والترمذی فی ۱۹۹/٤ الحدیث رقم ۱۷٤۰' والنسائی فی ۱۷۳/۸ الحدیث رقم ۵۱۹۸' وأحمد فی المسند ۲٦٦/۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اور اس کا نگینہ دونوں چاندی کے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: وكان فصه منه: ''منه'' میں ضمیر کو مذکر اسلئے لایا گیا ہے۔ کہ یہ ''ورق'' کی تاویل میں ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ ضمیر ''ما صنع منه الخاتم'' کی تعبیر کی تقدیر پر ''فضہ'' کی طرف راجع ہے۔ لیکن یہ بعید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''منہ'' میں ''من'' تبعیض کیلئے ہو اور ضمیر خاتم کی طرف راجع ہو۔ ای فصہ بعض من الخاتم برخلاف اس کے کہ یہ پتھر کا ہو کیونکہ وہ اس سے جدا ہوتا ہے۔

اسی طرح ترمذیؒ نے الشمائل میں روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: "من فضة كله"۔ علامہ میرکؒ کہتے ہیں، کہ اس کو بھی تعدد خاتم پر محمول کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ ابوداؤد اور نسائی نے ایاس بن الحارث بن معیقیب کی حدیث میں نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: كان خاتم النبی ﷺ من حديد ملوى عليه فضة فربما كان فی يدی و كان معيقيب علی خاتم النبی ﷺ ہے۔ فرماتے ہیں معیقیب اس "خاتم" کے امین تھے۔ ابن سعدؒ نے اس کیلئے بطور شاہد کے ایک مرسل روایت کی تخریج کی ہے۔ مکحولؒ سے روایت ہے: "ان خاتم رسول الله ﷺ كان من حديد ملوى عليه فضة غير ان فصه بارز"۔

دوسرا شاہد: اسی طرح ابراہیم نخعیؒ سے بھی مرسلاً منقول ہے۔ البتہ اس میں آخری الفاظ ("غير ان فصه بارز") کی زیادتی نہیں ہے۔ تیسرا شاہد: سعید بن عمرو بن سعید بن العاص عن خالد ابن سعید ابن العاص کے طریق سے مسنداً منقول ہے کہ آپؐ کے پاس انگوٹھی لائی گئی تو آپؐ نے اس کو پہن لیا اور یہی آپؐ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے۔ ایک اور طریق سے سعید بن عمر سے منقول ہے، اس کے مطابق یہ واقعہ عمرو بن سعید یعنی خالد بن سعید کے بھائی کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب عمرو بن سعید بن العاص حبشہ سے واپس آکر حضورؐ کے پاس تشریف لائے۔ تو آپؐ نے ان سے کہا۔ کہ اے عمرو! تمہارے ہاتھ میں یہ انگوٹھی کیا ہے۔ وہ بولے یہ "حلقه" ہے، آپ نے فرمایا اس پر کیا نقش ہے؟ تو وہ بولے "محمد رسول اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ انگوٹھی لے لی"۔ یہ انگوٹھی آپؐ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے پھر یہ ابوبکر صدیق کے ہاتھ میں موت تک رہی۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس موت تک رہی۔ پھر اس کو حضرت عثمان بن عفان نے پہن لیا۔ ایک دن وہ اہل مدینہ کیلئے کنواں کھودرہے تھے۔ جس کو "بئر آريس" کہتے ہیں۔ اسی اثناء میں کہ وہ اس کے کنارے پر بیٹھے ہوئے اس کی کھدائی کا حکم دے رہے تھے کہ انگوٹھی ہاتھ سے چھوٹ کر کنویں میں گرگئی۔ حضرت عثمان اکثر ہاتھ سے انگوٹھی کو نکالتے تھے اور پھر پہنتے تھے۔ لوگوں نے بہت تلاش کی لیکن اس پر قادر نہ ہوسکے۔ تو شاید یہی خاتم حبشہ سے لائی گئی ہو جس کا نگینہ حبشی تھا اور حدیث اول میں "من ورق" کو محمول کیا جائے چاندی کی ملمع انگوٹھی پر۔

میں کہتا ہوں، کہ انسؓ کا یہ قول اس مناسب نہیں لگتا: "كان يختم به ولا يلبسه"۔ "کہ انگوٹھی کو پہنتے نہیں تھے فقط مہر لگاتے تھے۔"

علامہ میرکؒ کہتے ہیں، کہ آپ نے حضرت خالد یا عمرو سے اس لئے لے لی تھی۔ تاکہ آپ کی خاص مہر مشتبہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کا نقش آپ کی خاتم کے نقش کے موافق تھا۔ اس طرح "ختم" کی مصلحت ختم ہوجاتی۔ جیسا کہ سبب نہی ماقبل میں گزرا ہے۔ البتہ نگینہ والی انگوٹھی یہ وہ انگوٹھی تھی۔ جس پر آپؐ نے چاندی کے کا پانی چڑھانے کا حکم دیا تھا۔

دارقطنیؒ نے افراد میں سلمہ عن عکرمہ عن یعلی بن امیہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ کیلئے ایک ایسی انگوٹھی بنائی تھی۔ جس میں میرے ساتھ کوئی اور شریک نہیں تھا اور اس میں میں نے "محمد رسول اللہ" نقش کیا تھا۔ خاتم کا یہ واقعہ خالد اور عمرو سے انگوٹھی لینے سے پہلے کا ہے۔

یہ جو عبدالرزاق نے معمر عن عبداللہ بن عقیل کے طریق سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آپ کیلئے انگوٹھی نکالی تھی اور یہ خیال کیا

کہ رسول اس کو پہنتے تھے جس میں شیر کی تمثال تھی۔ معمر کا کہنا ہے کہ ہمارے بعض اصحابؓ نے اس کو دھو کر پیا ہے۔ اس میں ارسال کے ساتھ ساتھ ضعف بھی ہے۔ اس لئے کہ "ابن عقیل" کا قابل احتجاج ہونا میں مختلف فیہ ہے جب وہ منفرد ہوں اور جب دوسرے راوی کی مخالفت کریں۔ تو اس وقت ان سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے اور بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو تو ممکن ہے آپؐ نے نہی سے پہلے ایک دفعہ پہنا ہو۔ (واللہ اعلم)

شمائل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی یہ آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔ یعنی پہنی ہوئی تھی۔ یا یہ کہ آپ کے تصرف میں تھی یعنی مہر لگانے کیلئے پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس یکے بعد دیگر آئی۔ انہوں نے اپنے پاس یا تو مہر کیلئے یا تبرک کیلئے رکھی۔ پھر یہ حضرت عثمان کے ہاتھ میں رہی۔ ہاتھ سے مراد انگلی ہے۔ "کل "بول کر" جزء " مراد لیا ہے اور اس کی تائید بخاریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے بعد اس انگوٹھی کو ابو بکر و عمرؓ و عثمانؓ نے پہنا تھا۔ لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ وہ اس کو تبرک کیلئے بسا اوقات پہنتے تھے۔ البتہ اکثر اوقات وہ معیقیب کے پاس ہوتی تھی تا کہ جمع بین الرویات ہو جائے۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ **"کون الخاتم فی ایدیھم"** سے مراد یہ ہے کہ یہ ان کے پاس تھی جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے: **"ان الشیء الفلانی فی ید فلان وھو ذوالید"** اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس ہے۔ تو "حتی وقع" کا ظاہر اس کا انکار کر رہا ہے۔

ظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عثمان کے ہاتھ سے گری تھی اور صریح روایت یہ ہے کہ سعید بن ابی العاص کے آزاد کردہ غلام معیقیب کے ہاتھ سے گری تھی اور "الجامع" کے مطابق یہ صحابی مدینہ میں اس کے نگران تھے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ جب ایک ساتھی اپنے دوسرے ساتھی کو انگوٹھی پکڑا رہا ہوگا کہ اسی اثناء میں وہ کنویں میں گر گئی ہو۔ اسی وجہ سے سقوط کی نسبت دونوں کی طرف کر دی گئی۔

بخاریؒ کی روایت سے اشکال پڑتا ہے جو حضرت انسؓ کے طریق سے مروی ہے: **فلما كان عثمان جلس على بئر اريس فأخرج الخاتم فجعل يعبث به فسقط . قال: فاختلفنا ثلاثه ايام مع عثمان ننزح البئر فلم نجده**۔ کہ جب حضرت عثمان غنی بئر آریس کے کنارے پر بیٹھے تھے وہ انگوٹھی نکال کر اس سے کھیلنے لگے پس اس وقت وہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی۔ راوی کہتا ہے کہ ہم تین دن تک کنویں سے پانی نکالتے رہے لیکن ہمیں انگوٹھی نہ مل سکی۔

امام نسائیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی چیز پر مہر لگانے کے لئے معیقیب سے انگوٹھی مانگی وہ مسلسل ان کے ہاتھ میں رہی۔ وہ کسی چیز کے بارے میں متفکر تھے اور اس کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے گر گئی۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ روایت نسائی سے وہ اشکال رفع ہو جاتا ہے جو بخاریؒ کی روایت سے واقع ہوتا ہے کہ ان کی طرف عبث کی نسبت کی گئی ہے۔ عبث دراصل وہ تفکر تھا جو کسی معاملے میں حیرانگی کا باعث تھا اور اس فعل میں اضطراب کا سبب تھا۔ جس کی وجہ سے خاتم ان کے ہاتھ سے گر گئی اس میں ان کے تغیر حال، ابقاء نصب اور انشاء عزل میں لوگوں کے اضطراب کی اطراف اشارہ ہے اور اس کو صورۃً عبث کہہ دیا۔ ورنہ درحقیقت یہ ایک فکر کی وجہ سے تھی اور اس قسم کی فکر صرف حیرت میں ہی ہوا کرتی ہے

اور اس کی وجہ سے شیعوں کا حضرت عثمانؓ پر اعتراض دفع ہو جاتا ہے۔

امام نوویؒ نے اس حدیث سے چند فوائد اخذ کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں: ❶ صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ❷ ان کی پہنی ہوئی چیزیں پہننے کا جواز معلوم ہوتا ہے ❸ خاتم پہننا جائز ہے۔ ❹ حدیث دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام کسی کو وارث بنا کر نہیں گئے تھے اگر کسی کو وارث بناتے تو پھر خاتم کسی وارث کو ہی دیتے۔ بلکہ خاتم، پیالہ اور اسلحہ وغیرہ آثار صوریہ میں سے تھے، یہ مسلمانوں کیلئے صدقہ تھے اور ولی الامر کو حسب مصلحت ان میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ پس پیالہ کو حضرت انسؓ کے پاس رہنے دیا، چونکہ انہوں نے آپؐ کی خدمت کی تھی اس کے ذریعہ حضرت انسؓ کا اکرام مقصود تھا اور جس نے اس سے تبرک کے حصول کا ارادہ کیا تو اس کو منع نہیں کیا اور باقی اثاثے کو معروف لوگوں کے پاس رکھدیا گیا اور خاتم کو اپنے پاس رکھا اس ضرورت کی وجہ سے جس کی وجہ سے آپ نے وہ بنوائی تھی۔ تاکہ وہ آپ کے بعد خلیفہ کیلئے موجود رہے۔ پھر خلیفہ ثانی اور پھر خلیفہ ثالث کیلئے۔

اور اس پر علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ ''خاتم'' کو بھی مال مصالح میں سے بنایا جائے اور پھر وہ امام وقت کے پاس منتقل ہو جائے۔ تاکہ وہ اس سے منتفع ہوتا رہے جس کے لئے اس کو بنایا گیا۔ لیکن میں کہتا ہوں، کہ اصل بات پہلی ہی ہے، جب کہ یہ دوسری صورت محتمل ہے۔ لہٰذا وہی ''مووّل'' ہے۔ پس اس میں تأمل فرمالیجئے اور یہ باب بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ جس میں سے بعض کو ہم نے ''شرح الشمائل'' میں ذکر کیا ہے۔

۴۳۸۸: وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ فِيْهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهٗ . (متفق عليه)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۶۵۸/۳ الحديث رقم (۶۲-۲۰۹۴)، وأبو داوٗد في السنن ۴۲۴/۴ الحديث رقم ۴۲۱۶، والترمذي في السنن ۱۹۹/۴ الحديث رقم ۱۷۳۹، والنسائي في ۱۷۲/۸ الحديث رقم ۵۱۹۶، وابن ماجه في ۱۲۰۱/۲ الحديث رقم ۳۶۴۱، وأحمد في المسند ۲۰۹/۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی جس کا نگینہ حبشی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی کو اس طرح پہنتے کہ اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف ہوتا (بخاری و مسلم)

تشریح: **قوله: لبس خاتم فضة في يمينه**: یہ ابتدائی زمانہ کا ذکر ہے۔

قوله: فيه فص حبشي: اس میں کئی توجیہات کی گئی ہیں: ① بعض نے کہا ہے کہ اس کا صانع حبشی تھا۔ ② بعض نے کہا ہے کہ اس کے نقش کا صانع حبشی تھا۔ ③ اس کو حبش سے لایا گیا تھا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی منافات نہیں رہا کہ اس کا نگینہ اس میں سے تھا۔ اس کے باوجود اس میں تعدد متعین ہے کیونکہ احادیث اس پر دال ہیں۔ اس میں سے ایک روایت بخاری کی ہے اور اسی وجہ سے حافظ بن عبدالبر نے اس کو اصح کہا ہے۔ ہمارے علماء میں سے بعض شراح نے کہا ہے، کہ اس کا معنٰی ہے ''اسود اللون''، یعنی عقیق (انتہی) اور اس کا معنٰی ہے کہ اس کا رنگ حبشوں کی طرح سیاہ تھا بایں طور کہ اس کی سرخی سیاہی کی

طرف مائل تھی۔ ورنہ تو عقیق کا معدن تو یمن ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو قاضی خان نے نقل کیا ہے **انه كان يتختم بالعقيق** آپ علیہ السلام عقیق کے ساتھ مہر لگاتے تھے اور ابتدائے اسلام میں چاندی اور عقیق کے ساتھ مہر لگانا سنت تھا۔ لیکن اس کے شارح کہتے ہیں کہ اس بات کو جاننا چاہئے کہ عقیق کے ساتھ مہر لگانا بعض علماء کے ہاں حرام ہے' کیونکہ یہ پتھر ہے: اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مختار ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عقیق کے ساتھ مہر لگانا جائز ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا، کہ عقیق کی انگوٹھی بنواؤ کیونکہ یہ مبارک پتھر ہے۔ (انتھی) ظاہر یہ ہے کہ اختلاف حلقہ میں ہے نگینہ میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ جائز ہے کہ نگینہ پتھر کا ہو اور حلقہ چاندی کا ہو اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ایک حدیث میں صراحتاً آیا ہے جس کو سید جمال الدین نے ''روضۃ الاحباب'' میں ذکر کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا۔ النہایہ میں ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد جزع یا عقیق ہو' کیونکہ ان دونوں کا معدن یمن اور حبشہ ہے۔ یا کوئی اور نوع مراد ہو جس کی طرف اس کو منسوب کیا گیا ہو۔ (انتھی) بعض نے کہا ہے کہ یہ ''جزع'' تھا یا عقیق تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ حبشی پتھر تھا' کیونکہ یہ دونوں قسم کے پتھر بلاد یمن سے لائے جاتے تھے اور یہ حبشہ کا ایک ضلع تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ ''**فصه منه**'' سے مراد اس کے نگینہ کی جگہ ہے۔ تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں رہے گا کہ اس کا نگینہ پتھر کا تھا اور بعض شراح نے کہا ہے کہ یہ جو عقیق کی انگوٹھی بنانے کے بارے میں وارد ہے کہ یہ فقر کی نفی کرتا ہے اور یہ کہ یہ مبارک ہے اور یہ کہ جو اس کی انگوٹھی بنائے گا وہ ہمیشہ خیر میں رہے گا۔ یہ تمام روایات غیر ثابت ہیں جیسا کہ حفاظ حدیث نے ذکر کیا ہے اور ایک حدیث ضعیف میں ہے کہ یاقوت کے اصفر کی انگوٹھی بنانا طاعون کو روکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث ''**تختموا بالعقيق فانه مبارك**'' کو عقیلی نے ضعفا میں ذکر کیا ہے۔ ابن لالؒ نے ''مکارم الاخلاق'' میں' حاکم نے اپنی تاریخ میں' بیہقی' خطیب' ابن عساکر اور' دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ کثرت طرق اس بات پر دال ہے کہ اس حدیث کی اصل موجود ہے اور ابن عدیؒ نے ''الکامل'' میں حضرت انسؓ سے یوں روایت کیا ہے: ''**تختموا بالعقيق فانه ينفي الفقر**''۔

قوله: كان يجعل فصه مما يلى كفه: یہ استئناف بیان ہے۔

اس روایت: ''**كان يجعل فصه مما يلى كفه**'' کو ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور ابن عمرؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں اسی کے مثل یعنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہننے کے بارے میں عبداللہ بن جعفر' ابن عمر' ابن عباس' اور حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: **و كان خاتم النبى في هذه و اشار الى الخنصر في يده اليسرى**۔ اور نافع نے ابن عمر سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔ اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے دونوں کام کئے ہوں چنانچہ کبھی آپ دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے' اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے سلسلہ میں صریح نہیں۔ میں یعنی جیسا اتفاق ہوتا' ان میں سے کوئی بھی روایت کسی ایک ہاتھ میں مداومت کے ساتھ انگوٹھی پہننے کے سلسلہ میں صریح نہیں۔ میں کہتا ہوں بیہقیؒ نے صراحت کی ہے کہ اول منسوخ ہے۔ ابن عدی وغیرہ نے یہ روایت کی ہے: **انه ﷺ تختم في يمينه ثم حوله في يساره**۔ انتھی تو گویا کہ جس نے اس کے برعکس کیا اس کو

نسخ کی خبر نہیں پہنچی اور کم سے کم بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے' جیسا کہ ہمارا مذہب صحیح ہے' چونکہ یہ اعجاب وزھو سے ابعد ہے' جیسا کہ نگینہ کو ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف کرنا' امام نوویؒ فرماتے ہیں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے جواز پر اجماع ہے' اور بائیں ہاتھ میں پہننے پر بھی اختلاف ان دونوں میں سے افضل کے بارے میں ہے۔ ہمارا مذہب صحیح یہ ہے کہ دایاں ہاتھ افضل ہے' چونکہ یہ زینت ہے' اور دایاں ہاتھ زینت واکرام کے لئے اشرف واحق ہے۔ اھ۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ انگوٹھی پہننے کا مقصد زینت نہ ہو' چونکہ بقصد زینت تو یہ مکروہ ہوگا جیسا کہ بعض علماء کا کہنا ہے بلکہ انگوٹھی پہننے کا مقصد یا تو کوئی ضرورت ہو' یا متابعت سنت کی خاطر پہنی جائے۔

انگوٹھی بائیں چھنگلیاں میں

۴۳۸۹: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٣/١٦٥٩ الحديث رقم (٦٣-٢٠٩٥)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں تھی۔ یہ کہہ کر انہوں نے چھنگلیا کی طرف اشارہ کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: كان خاتم النبی: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننے کے بارے میں آخری عمل یہ تھا۔ "خنصر" ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کو کہتے ہیں۔

درمیانی اُنگلی میں انگوٹھی نہ پہنی جائے

۴۳۹۰: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَخَتَّمَ فِيْ اِصْبَعِيْ هٰذِهٖ اَوْهٰذِهٖ قَالَ فَاَوْمَاَ اِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٣/١٦٥٩ الحديث رقم (٦٥-٢٠٧٨)، والنسائي في ١٧٧/٨ الحديث رقم ٥٢١٠، وابن ماجه في ١٤٠٣/٢ الحديث رقم ٣٦٤٨، وأحمد في المسند ١٢٤/١۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ اپنی اس انگلی میں یا اس انگلی میں انگوٹھی پہنوں۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنی درمیانی انگلی اور اس کے قریب شہادت والی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

تشریح: في اصبعي هذه او هذه: یہاں پر "او" تنویع کیلئے ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ "او هذه" یہ تردید راوی کیلئے نہیں ہے بلکہ تقسیم کیلئے ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ [الانسان: ٢٤]

فأوما: اس کے آخر میں ہمزہ ہے اور ایک نسخہ میں "فاومی" ہے۔

"التی تلیھا" سے مراد مسبحة یعنی شہادت کی انگلی ہے۔ نبی علیہ السلام صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی سے بھی انگوٹھے اور بنصر کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔ لہٰذا "خنصر" میں مندوب ہے اور اس کی طرف شافعیہ اور حنفیہ کا میلان ہے۔ (ذکرہ میرکؒ) ظاہری قیاس کا بھی تقاضا یہ ہے کہ انگوٹھے اور بنصر میں انگوٹھی پہننا مردوں کے لئے ممنوع ہے نہ کہ عورتوں کے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مرد کیلئے "وسطی" اور اس کے ساتھ والی انگلی میں انگوٹھی پہننا مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ عورتوں کیلئے تمام انگلیوں میں انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

الفصل الثانی:

آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے

۴۳۹۱: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ۔

(رواه ابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٢٠٠ الحديث رقم ١٧٤٤، والنسائی فی ٨/١٧٥ الحديث رقم ٥٢٠٤، وابن ماجه فی ٢/١٢٠٣ الحديث رقم ٣٦٤٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اس روایت کو ابن ماجہ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

۴۳۹۲: وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ۔

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٤٣١ الحديث رقم ٤٢٢٦، والنسائی فی ٨/١٧٤ الحديث رقم ٥٢٠٣۔

ترجمہ: اور نسائی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔

دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

۴۳۹۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَسَارِهٖ. (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داود فی السنن ٤/٤٣١ الحديث رقم ٤٢٢٧۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اپنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یہ ابو داؤد کی روایت ہے۔

تشریح: الجامع الصغیر میں ہے: "كان يتختم في يمينه" اس کو بخاری اور ترمذی نے حضرت ابن عمر سے، مسلم و نسائی نے حضرت انس سے اور احمد، ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے۔

"كان يتختم في يساره" اس کو مسلم نے حضرت انس سے اور ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

''كان يتختم في عينه ثم حوله في يساره'' اس کو ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے اور ابن عساکر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔

مردوں پر سونا اور ریشم حرام ہے

۴۳۹۴: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ حَرِيْرًا فَجَعَلَهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَاَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهٗ فِيْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ۔ (رواه احمد وابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٣٠ الحديث رقم ٤٠٥٧، والنسائی فی ٨/١٦٠ الحديث رقم ٥١٤٤، وابن ماجه فی ٢/١١٨٩ الحديث رقم ٣٥٩٥، وأحمد فی المسند ١/٩٦۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا لیا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں تھاما اور سونا لے کر اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں تھاما اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اس روایت کو احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا۔

تشریح: ''ان هذين'': ''شرح الطيبی'' میں ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یوں کہا جاتا ''حرامان'' مگر یہ کہ یہ مصدر ہے اور مصدر نہ تثنیہ آتا ہے اور نہ اس کی جمع لائی جاتی ہے'' یا تقدیری عبارت یہ ہے: ''كل واحد منها حرام'' اس کو مفرد لایا گیا تاکہ جمع کا وہم پیدا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ افراد میں تو جمع زیادہ ہے بنسبت اس کے جو متبادر الی الفہم ہے لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ اس کو مصدر پر محمول کیا جائے۔

اس حدیث کو طبرانی نے زید بن ارقم عن واثلہ یوں روایت کیا ہے: ''الذهب والحرير حل لاناث امتی وحرام علی ذكورها''۔

چیتے کی کھال اور سونے کے استعمال کی ممانعت

۴۳۹۵: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا۔ (رواه ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داود فی السنن ٤/٤٣٧ الحديث رقم ٤٢٣٩، والنسائی فی ٨/١٦١ الحديث رقم ٥١٥٠، وأحمد فی المسند ٤/٩٣۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کے چمڑے پر سوار ہونے اور سونا پہننے سے منع فرمایا۔ مگر یہ کہ بہت قلیل مقدار ہو۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: وعن معاوية ان رسول الله ﷺ: اور ایک نسخہ میں ''ان النبی'' ہے۔

نهی عن ركوب النمور: اس کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے اور یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں برابر ہے۔

البتہ اس کا زیادہ تر استعمال مرد کرتے ہیں اور الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں "نهی عن الركوب على حلود النمار فقط" اور کہا ہے کہ اس کو ابوداؤ داور نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

پیتل کے علاوہ تمام انگوٹھیوں کی ممانعت

۴۳۹۶: وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ مَالِيْ اَجِدُمِنْكَ رِيْحَ الْاَصْنَامِ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَآءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيْ اَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ اَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَّرَقٍ وَلَا تُتِمُّهُ مِثْقَالاً (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وقال محی السنة وقد صح) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصُّدَاقِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْخَاتَماً مِنْ حَدِيْدٍ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٢٨ الحديث رقم ٤٢٢٣، والترمذی فی ٤/٢١٨ الحديث رقم ١٧٨٥، والنسائی فی ٨/١٧٢ الحديث رقم ٥١٩٥۔

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تجھ سے بتوں کی بدبو آ رہی ہے اور یہ اس لیے فرمایا کہ بت عموماً پیتل کے بنائے جاتے تھے اس نے اسے پھینک دیا اور پھر ایسی حالت میں واپس لوٹا کہ وہ لوہے کی انگوٹھی پہننے والا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں تو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر میں کسی چیز کی انگوٹھی بنواؤں تو فرمایا کہ چاندی کی اور اس کا وزن مثقال کے برابر مت کرو۔ یہ ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی۔ محی السنہ کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح حدیث میں وارد ہے جو حضرت سہل ابن سعد سے مروی ہے کہ ایک آدمی نکاح کا ارادہ کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لئے کوئی مال تلاش کر کے لا جو اس کو مہر کی شکل میں دیا جائے اگرچہ لوہے کی انگوٹھی کیوں نہ ہو۔

تشریح: **قال النبي قال لرجل عليه خاتم من شبه**: یہ چیز "شبہ" شین معجمہ کے فتحہ اور بائے موحدہ کے ساتھ 'ایک شئی پیتل کے مشابہ ہوتی ہے' فارسی میں اس کو "بربخ" کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ اسکی یہ ہے کہ سنہری رنگ کی ہوتی ہے اور القاموس میں لکھتے ہیں: **الشبه معركة النحا س الأصفر ويكسر.**

"**ما لی**": یہ آپ علیہ السلام کا مقولہ ہے اور "ما" استفہام انکاری ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ مراد اس سے "مخاطب" ہے ای "**مالك**"

اجد منك ريح الاصنام" یہ بات آپؐ نے اس لئے ارشاد فرمائی کیونکہ عام طور پر بت پیتل سے بنائے جاتے تھے۔ (خطابیؒ)

ما لی ارٰی علیك حلية اهل النار "**حليه**" حاء کے کسرہ کے ساتھ' "**حلی**" کی جمع ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس دنیا میں بعض کفار کی زینت ہے۔ یا جہنم میں زنجیریں اور طوق کے لباس ان کی زینت ہوں گے۔ یہ ہمارے ہاں عام طور پر لوہے

سے بنائے جاتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کو اس کی بدبو کی وجہ سے ناپسند کیا ہے۔

قال من ورق "ای اتخذه من ورق۔

ولا تتمه مثقالا: تاء کے ضم اور میم مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔**ای لا تکمل وزن الخاتم من الورق**

علامہ ابن الملک رحمہ اللہ علامہ مظہر کی اتباع میں فرماتے ہیں یہ نہی ''ارشاد الی الورع'' ہے۔اس لئے کہ اولیٰ یہ ہے کہ خاتم کا وزن مثقال سے کم ہو' کیونکہ یہ اسراف سے بعید ہے اور اس طرح یہ تکبر سے بھی بعید ہے۔شوافع کے کچھ علماء تو کہتے ہیں کہ مثقال سے زائد حرام ہے۔لیکن بعض دوسرے علماء نے اس کے جواز کو ترجیح دی ہے۔ان مجوزین میں حافظ عراقیؒ بھی ہیں انہوں نے ''شرح الترمذی'' میں کہا ہے کہ نہی مذکور تنزیہ پر محمول ہے۔

اسنادی حیثیت: ترمذی اور نسائی نے اس کو سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے' بلکہ ابن حبان وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ہمارے علماء میں سے قاضی خانؒ وغیرہ نے پیتل اور لوہے کی انگوٹھی پہننے کو مکروہ کہا ہے اور امام نوویؒ نے شرح مہذب میں صاحب الابانۃ سے ان دونوں کا مکروہ ہونا نقل کیا ہے اور ''متولی'' سے مروی ہے کہ وہ مکروہ نہیں کہتے ہیں اور اسی کو اختیار کیا ہے اور شرح مسلمؒ میں اس کو صحیح کہا ہے اور اس کی دلیل ''صحیحین'' وہ قصہ ہے کہ جس میں ایک خاتون نے اپنے آپ کو ہبہ کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا: **اطلب ولو خاتما من حدید** اگر یہ مکروہ ہوتا تو اس کی اجازت نہ دی جاتی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب آئے گا۔

وہ فرماتے ہیں ابوداؤد کی روایت میں ہے: **"وکان خاتمه من حدید ملوی علیه فضة"**۔ میں کہتا ہوں، یہ بات گذر چکی ہے کہ آپؐ اس کے ذریعہ مہر لگاتے تھے اس کو پہنتے نہیں تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''حدیث نہی'' ضعیف ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے کئی شواہد ہیں' جو اس کو اگر درجہ صحت تک کو نہیں پہنچاتے تو درجہ حسن تک تو پہنچاتے ہی ہیں حالانکہ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ ماقبل میں گذرا ہے۔(واللہ اعلم)

قوله: قال محیئ النسة ......:اور ایک نسخہ میں ''وقال'' ہے۔کہ **" الصداق "**۔الصداق: حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ای باب الصداق'' ''صداق'' صاد کے فتحہ کے ساتھ اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔اس کا معنی ہے کہ تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں، کہ یہ مبالغہ کیلئے ہے تاکہ وہ ''مقدمہ نکاح'' کے طور پر کچھ خرچ کریں اگرچہ وہ کم تر چیز ہو۔جیسا کہ کہا جاتا ہے: **اعطنی ولو کفا من تراب**۔کہ مجھے کچھ دو اگرچہ وہ مشت خاک ہی کیوں نہ ہو اور لوہے کی انگوٹھی سے اگرچہ ''تختم'' ممنوع ہے' اس کے باوجود۔یہ ان اشیاء میں داخل نہیں ہے، جن کی کوئی قیمت نہ ہو اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس میں **"تختم بخاتم الحدید"** سے ممانعت حدیث سہل کے بعد فرمائی ہو کیونکہ حدیث سہل استقرار سنن اور استحکام شرائع سے پہلے کی ہے۔ جب کہ حدیث بریدہ اس کے بعد کی ہے۔

قوله: عن لبس الذهب الا مقطعًا:

''مقطعا'': طائے مہملہ مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔**ای مکسرا قطعا صغارا**۔مردوں کیلئے سونا پہننا حرام ہے۔الا یہ کہ

وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوں۔ جیسا کہ اسلحہ اور کپڑوں کے پھول بوٹوں پر لگے ہوتے ہیں۔

(کذا ذکرہ بعض شراح من علمائنا)

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ابوسلیمان الخطابیؒ نے اس میں تاویل کی ہے اور اس کو تنزیہ اور کراہت پر محمول کیا ہے اور نفی میں استثناء کے ساتھ ساتھ اس حکم کو عورتوں کے ساتھ مقید کیا ہے اور کہا ہے کہ "المقطع" سے "شیء یسیر" مراد ہے۔ جیسا کہ تلوار اور انگوٹھی ہے اور اس سے زائد چیز کو مکروہ سمجھا ہے۔ جیسا کہ اہل اسراف کی عادت ہے اور متکبرین کی زینت ہے اور "یسیر"۔ اتنی مقدار ہے کہ جس میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔ یہ اچھی تقدیر ہے' لیکن معاویہ کی حدیث میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ہے اور مرد و زن سے متعلق نہی کے مابین اس میں کوئی فرق بھی نہیں ہے۔

پھر "نهي عن لبس الذهب" کو "نهي عن ركوب النمور" پر مرتب کیا ہے۔ یہ نہی رجال و نساء دونوں کے حق میں عام ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے "نهي عن لبس الذهب" کو روایت کیا ہو۔ جیسا کہ دوسرے راویوں نے روایت کیا ہے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ سونے کی بالکل معمولی مقدار چاندی کے ساتھ ملا کر دی جائے' جو چاندی مردوں کے لئے مباح ہے۔ وہ اور اس کے ساتھ اس کی ملمع سازی کی جائے تلوار کے پچھلا حصہ ہی یا اس کے ساتھ انگوٹھی کا نگینہ لگایا جائے تو وہ اس نہی میں داخل نہیں ہے اس کو "حرير يسير" پر قیاس کرتے ہوئے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کے بعد اس کا استدراک کر دیا ہو۔ واللہ اعلم بحقيقة ذلك۔

علامہ طیبیؒ اور خطابی کہتے ہیں، کہ "مالا يحب الزكاة بيه" یسیر کا بیان ہے۔ نہ کہ "حلي مباح" کا کہ جس قدر بھی ہو اس میں اس زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے مذہب کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن ماجہ نے ابوریحانہ سے صرف "عن ركوب النمور" روایت کیا ہے۔

دس ناپسندیدہ اشیاء

۴۳۹۷: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خَلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِيْ الْخَلُوْقَ وَ تَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَجَرَّ الْاِزَارِ وَالتَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحِلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقٰى اِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحِلِّهٖ وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهٖ۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٢٨ الحديث رقم ٤٢٢٢، والنسائی فی ٨/١٤١ الحديث رقم ٥٠٨٨، وأحمد فی المسند ١/٣٨٠۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دس چیزیں ناپسند تھیں۔ ① خلوق کا استعمال یعنی زرد رنگ ② بڑھاپے کو متغیر کرنا یعنی خضاب کرنا۔ ③ تہبند کو لٹکا کر کھینچتے ہوئے چلنا یعنی جب ٹخنوں سے نیچے ہو۔ ④ سونے کی انگوٹھی کو پہننا یعنی مردوں کے لیے ⑤ عورت کا بے محل زینت کو ظاہر کرنا ⑥ نرد کھیلنا یعنی چوسر

⑦معوذات کے علاوہ منتر کو آپ ﷺ ناپسند کرتے تھے ⑧ منکے اور کوڑیاں باندھنا ⑨ عورت سے بے موقعہ عزل کرنا ⑩ بچے کے بگاڑ کے لیے۔ آپ اس کو حرام قرار دینے والے نہ تھے یہ ابوداؤد ونسائی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: كان النبی ﷺ يكره عشر خلال:**

''خلال'': حرف اول کے کسرہ کے ساتھ' یہ "**خلة**" کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ خصلت وعادت ہے۔

الصفرة: یہ منصوب ہے' البتہ اس کو مرفوع ومجرور پڑھنا بھی جائز ہے اس کی نہی "**رجال**" کے ساتھ مختص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں تصریح کی گئی ہے جس کو شیخین، ابوداؤد، ترمذیؒ اور نسائی نے روایت کیا ہے: ''**نهى ان يتزعفر الرجل**''۔

قوله: يعني الخلوق: یہ حضرت ابن مسعودؓ یا اس کے بعد کے کسی راوی کی تفسیر ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ اس کا استعمال مردوں کیلئے مکروہ ہے۔ یہ ایک مرکب خوشبو ہے جس کو مختلف قسم کی خوشبوؤں زعفران وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اور اس پر سرخ رنگ یا پیلا رنگ غالب ہوتا ہے۔ کہیں اس کی اباحت نقل ہے اور کہیں نہی منقول ہے اور نہی اکثر واثبت ہے۔ وجہ ممانعت یہ ہے کہ کر دیا۔ یہ عورتوں کی خوشبو ہے اور عورتیں مردوں کی نسبت خوشبو زیادہ استعمال کرتی ہیں اور بظاہر احادیث نہی ناسخ ہیں۔

قوله: تغيير الشيب: اس کا عطف بھی "**الصفرة**" پر ہے۔ دس میں سے دوسری خصلت کا بیان ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد سفید بالوں کو اس طور پر خضاب لگانا ہے کہ بال کالے ہو جائیں اور وہ شخص جوانوں کے مشابہ ہو جائے اپنے بڑھاپے کو چھپاتے ہوئے دیکھنے والے کو پتہ نہ چلے۔ اس ممانعت کا محل حناء کا خضاب نہیں ہے' اگرچہ وہ بھی تغییر ہے۔ لیکن اس میں ''حقیقت شیب'' کا التباس پیدا نہیں ہوتا۔

امام محمدؒ نے اپنی ''موطا'' میں فرمایا ہے کہ ہم وشمہ، مہندی اور صفرہ کے ساتھ خضاب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اگر سفید بالوں کو سفید ہی رہنے دے تو اس میں بھی کوئی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ تمام صورتیں حسن ہیں۔ اھ۔ بعض نے کہا ہے کہ تغییر سے مراد اس سفید بالوں کو نوچنا ہے اور علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ "**تغيير الشيب**" سے مراد وہ خضاب ہے، جو باعث التباس ہو' وہ خضاب مراد نہیں جو مہندی وغیرہ کے مشابہ ہو۔ کیونکہ اس کے بارے میں حکم وارد ہے۔ اھ اور الجامع الصغیر میں ہے: **غيروا الشيب ولا تشبهوا باليهود** کہ بڑھاپے کو تبدیل کرو اور یہود کی مشابہت مت اختیار کرو۔ اس حدیث کو احمد اور نسائی نے حضرت زبیرؓ سے روایت کیا ہے' ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے' اور اس کو امام احمد نے حضرت انس سے روایت کیا لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: "**غيروا الشيب ولا تقربوه السواد**۔

قوله: وجر الازار: اسبال ازار وغیرہ مراد ہے جواز روئے تکبر ہو۔ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

قوله: والتختم بالذهب: لیکن یہ ممانعت مردوں کیلئے ہے۔

والتبرج بالزينة لغير محلها: اس سے مراد عورت کا اپنی زینت اور اپنے محاسن کا اظہار مردوں کے سامنے کرنا ہے۔ یعنی اپنے شوہر اور محارم کے علاوہ کے سامنے اور وہ محل کہ جہاں اس کے لئے اظہار زینت کی اجازت ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: ﴿......وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ......﴾ [النور: ۳۱] ''اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ

ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈیوں غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (چھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے) اُن کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور (مومنو!) سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

قولہ: والضرب بالکعاب: یہ لفظ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''کعب'' کی جمع ہے اور اس سے مراد نرد کے مہرے ہیں۔ یہاں پر اس سے مراد اس کے ساتھ کھیلنا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس کو صحابہؓ اور آپ علیہ السلام نے مکروہ سمجھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابن مغفل اپنی بیوی کے ساتھ یہ کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ابن مسیبؒ نے اس کی رخصت دی ہے۔ بشرطیکہ اس میں جوا نہ ہو اور جامع صغیر میں بروایت احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم مرفوعا وارد ہے: **من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ** ''جس نے نرد کھیلا، تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔ شطرنج کھیلنا بھی اسی حکم میں شامل ہے اور یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ جب کہ امام شافعیؒ کے ہاں مباح ہے لیکن مخصوص شرائط کے ساتھ۔

قولہ: والرقی بالمعوذات:

الرقی: راء کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہ ''رقیۃ'' کی جمع ہے۔

''**المعوذات**'': واؤ مشدد کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس سے مراد معوذ تان ہیں اور وہ ہے جو اس کے معنیٰ و مفہوم کو شامل ہو۔ جیسا کہ ادعیۃ ماثورہ ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء کے ساتھ تعوذ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد معوذ تان، سورۃ الاخلاص اور سورۃ الکافرون ہے۔

قولہ: وعقد التمائم: یہ ''تمیمۃ'' کی جمع ہے اور مراد اس سے وہ تعویذات ہیں، جو زمانہ جاہلیت کے منتروں پر مشتمل ہوں۔ مثلاً شیاطین کے نام، ایسے الفاظ جن کا معنیٰ معلوم نہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو اہل عرب جاہلیت میں اس کو اپنی اولاد کے گلے میں لٹکاتے تھے۔ ان کے گمان کے مطابق وہ ان کو نظر وغیرہ سے بچاتے تھے۔ اسلام نے اس کو باطل قرار دیا کیونکہ یہ نہ نفع دیتا ہے اور نہ ہی کسی چیز کو دفع کرتا ہے۔

قولہ: وعزل الماء لغیر محلہ: اس کا مطلب ہے کہ منی کو فرج سے نکال کر باہر بہانا ممکن ہے کہ غیر محلّہ سے مراد بغیر الاِماء (لونڈیوں کے علاوہ ہو) کیونکہ عزل کا محل لونڈیاں ہیں، آزاد عورتیں نہیں ہیں اور ''حرۃ'' میں یہ عدم اذن پر محمول ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں تعریض و کنایہ ہے، دبر میں جماع سے۔ مطلب یہ کہ منی کو اس جگہ میں بہانا جو اس کیلئے نہیں ہے، کیونکہ منی کا محل عورت کی فرج ہے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں، کہ میں نے اس حدیث کے علاوہ میں (یوں) سنا ہے ''**عزل الماء عن محلہ**'' یعنی انسان اپنی منی کو عورت کی فرج کے باہر نکالے اور اس کو اس وجہ سے مکروہ کہا ہے، کیونکہ اس میں ''قطع نسل'' لازم آتا ہے اور مکروہ وہ ہے جو حرائر میں ان کی اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ لونڈیوں کے ساتھ عزل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں: ولا اذن

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ دونوں روایتوں میں "عن" کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ یعنی خواہ لفظ "عن" کے ساتھ ہو یا کسی اور لفظ کے ساتھ ہو کیونکہ "محلّہ" کی ضمیر مجرور لفظ "ماء" کی طرف راجع ہے اور "لغیر محله" والی روایت کے مطابق ضمیر کو عزل کی طرف راجع کیا جائے گا۔

قوله: فساد الصبی: اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے ساتھ وطی کرتا ہے وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ اس سے اس کا دودھ فاسد ہو جاتا ہے اور اس میں بچے کو نقصان ہوتا ہے۔ اس کو علامہ خطابیؒ نے ذکر کیا ہے اور دوسروں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بسا اوقات عوت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس سے رضیع اور دودھ کی قوت میں خلل پڑ جاتا ہے۔

غیر محرمه: علامہ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں، کہ لفظ "غیر" حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ کیونکہ یہ "یکرہ" کے فاعل سے حال ہے۔ **أی یکرهه غیر محرم ایاه**" اور ضمیر مجرور "**فساد الصبی**" کی طرف راجع ہے کیونکہ وہی اقرب ہے اور جامع للاصول میں کہا ہے، کہ ان تمام خصال کو ناپسند کیا ہے' البتہ یہ ناپسندیدگی حد تحریم کو نہیں پہنچتی اشرفؒ کہتے ہیں، کہ "**غیر محرمه**" **فساد الصبی** کی طرف عائد ہے فقط۔ کیونکہ وہی زیادہ قریب ہے۔ ورنہ تو "**تختم بالذهب**" ویسے بھی حرام ہے۔ اگر یہ سب کی طرف عائد ہوتا، تو پھر "**محرمها**" فرماتے، اور ہمارے علماء میں سے بعض شراح نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ یہ بات تو مقرر ہے کہ حال اصل میں فعل کیلئے قید ہوتا ہے۔ پس جب تک اس کے ساتھ تعلق ممکن ہو تو اس کی طرف رجوع واجب ہے۔ مگر یہ کہ کوئی خارجی دلیل اس کو خاص کر دے۔

امام رازیؒ کہتے ہیں، کہ اس جیسے فعل میں عمل کو ترک کیا جاتا ہے دلیل اجماع کی بناء پر اور باقی میں عمل کو ترک نہیں کیا جاتا اور یہ کہنا کہ اگر سب کی طرف عائد ہوتا تو پھر "**محرمها**" فرماتے"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر مفرد اسم اشارہ کی جگہ پر آئی ہے (انتھی) اس کا مآل کار بھی وہ ہے جس کو علامہ ابن الملکؒ نے اختیار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

امام احمد نے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے:

"نهی عن النوح والشعر والتصاویر وجلود السباع والتبرج والغناء والذهب والخز والحریر"۔

گھنگرو شیطان کی جرس (گھنٹی) ہے

۴۳۹۸: وَعَنِ ابْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّ مَوْلَاۃً لَّھُمْ ذَھَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَیْرِ اِلٰی عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ وَفِیْ رِجْلِھَا اَجْرَاسٌ فَقَطَعَھَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَعَ کُلِّ جَرَسٍ شَیْطَانٌ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٤٣٢ الحدیث رقم ٤٢٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک لونڈی حضرت زبیر کی بیٹی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئی لڑکی کے پاؤں میں گھنگرو تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹ ڈالا اور فرمایا ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: عن ابن الزبیر: اطلاق کی وجہ سے بظاہر ''عبداللہ ابن الزبیر'' مراد ہے۔

مولاۃ لھم: زبیر کے یا ابن الزبیر کے اہل خانہ کی آزاد کردہ تھی۔

وفی رجلها اجراس: یہ ''جرس'' کی جمع ہے۔ شیطان اس کو اس کے اہل کے ہاں مزین کر دیتا ہے۔

امام احمدؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **''الجرس مزامیر الشیطان''** اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے۔

اس حدیث سے لے کر اختتام فصل تک آنے والی تمام احادیث کی اس ترجمۃ الباب سے مناسبت کسی پر بھی مخفی نہیں۔

چھوٹے بچوں کے لئے بھی گھنگرو کا استعمال درست نہیں

۴۳۹۹: وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْاَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ اِذْدُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَا تُدْخِلَنَّهَا عَلَيَّ اِلَّا اَنْ تُقَطِّعَنَّ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ جَرَسٌ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٣٣ الحديث رقم ٤٢٣١، وأحمد فی االمسند ٦/٢٤٢۔

ترجمہ: حضرت بنانہ جو کہ حضرت عبدالرحمٰن بن حیان کی آزاد کردہ لونڈی تھی وہ حضرت عائشہ کے پاس تھیں۔ ایک چھوٹی لڑکی لائی گئی جس نے گھنگرو پہن رکھے تھے جو آواز کرتے تھے پس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس لانے والی عورت سے فرمایا اس لڑکی کو میرے گھر مت لانا مگر یہ کہ اس کے گھنگرو تم کاٹ ڈالو۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ جس گھر میں جرس ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

بنانۃ۔ یہ ''عبدالرحمٰن بن حیان'' کی آزاد کردہ ہیں یہ انصاریہ ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں اور ان سے ابن جریج نے روایت کی ہے۔ ان کی حدیث ''جلاجل'' والی ہے۔ بنانہ باء کے پیش اور نون کی تخفیف کے ساتھ حیان میں حاء مہملہ مفتوح ہے اور دو نقطوں والی یا مشدد ہے۔

تشریح: قوله: **اذ دخلت علیها بجاریة وعلیها جلاجل یصوتن:**

''دخلت'' صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ اَی **'ادخلت علی عائشہؓ'** ہے۔ جار و مجرور **''دخلت''** کیلئے نائب فاعل ہے اور تانیث اس اعتبار سے ہے کہ مجرور مؤنث ہے۔ ''جلاجل'': پہلی جیم کے فتحہ اور دوسری جیم کے کسرہ کے ساتھ، یہ ''جلجل'' کی جمع ہے جو بروزن ''هدهد'' ہے ''جلجل'' اس گھنٹی کو کہتے ہیں، جو جانور کی گردن میں لٹکائی جاتی ہے یا باز کے پاؤں میں لٹکائی جاتی ہے۔

''یصوتن'' یعنی جب اس کو حرکت دی جاتی ہے تو اس سے آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔

لا تدخلنها علی): تاء کے ضمہ، خاء کے کسرہ اور تشدید نون کے ساتھ ہے۔ یہ نہی غائبہ کے لئے ہے۔ ای **لا تدخلنها**

علی واحدة منکن یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی اس کو میرے پاس نہ لائے اور ایک نسخہ میں سکون لام اور تخفیف نون کے ساتھ ہے۔اس طور پر کہ یہ جمع مؤنث حاضر کا صیغہ ہو۔

الا ان تقطعن جلاجلها: تاء کے ضمہ اور طائے مکسورہ مشددہ کے ساتھ' اور ایک نسخہ میں تاء کے فتحہ' طائے مخففہ کے فتحہ' اور نون مؤکدہ کے ساتھ۔اور بعض نسخوں میں اس کی تخفیف کے ساتھ ہے' اس وجہ سے کہ یہ جمع مؤنث کی ضمیر ہے پہلی تقدیر پر فاعل غائبہ ہے' اور تقدیر ثانی پر فاعل مخاطبہ ہے' امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ نون تاکید کو فعل مضارع پر داخل کرنا' اس کی فعل امر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں داخل ہے: [**فلا تصیبن**] [الانفال: ۲۵] یہ اس تقدیر پر کہ یہ جواب ہو' **واتقوا فتنة**'' کا' اس کے فعل نہی کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے۔(قالہ الکشاف)

قوله: لا تدخل الملائكة بيتا فيه جرس:

''**لاتدخل**'': یہ صیغہ تانیث کے ساتھ ہے اور بصیغہ تذکیر بھی جائز ہے اور مراد اس سے رحمت کے فرشتے ہیں.

الجامع الصغیر میں ہے: کہ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔(واللہ اعلم)

سونے کی مصنوعی ناک درست ہے

۴۴۰۰: **وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ اَنَّ جَدَّهٗ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُهٗ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ وَرَقٍ فَاَنْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَّخِذَ اَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ۔**

(رواه الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤.٤٣٤ الحديث رقم ٤٢٣٢' والترمذی فی ٤.٢١١ الحديث رقم ١٧٧٠' والنسائی فی ١٦٣/٨ الحديث رقم ٥١٦١' وأحمد فی المسند ٢٣/٥۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی ناک حرب فجار میں کاٹی گئی انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی جس نے چند دن میں تعفن پیدا کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنانے کی اجازت دی یہ ترمذی ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عرفجہ بن اسعد۔عرفجہ بن اسعد ہیں۔ان سے ان کے بیٹے ''طرفہ'' روایت کرتے ہیں۔یہ وہ ہیں جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ یہ اپنی ناک چاندی کی بنوالیں پھر اس کے بعد سونے کی ناک بنوانے کا حکم دے دیا تھا۔''یوم کلاب'' میں ان کی ناک کٹ گئی تھی۔

تشریح: ''کلاب'' کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔عرضِ مرتب: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ''طرفہ'' کا نام ذکر کیا ہے اور نہ ان کے والد کا نام ذکر کیا ہے۔مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ''عبدالرحمٰن'' صحابی ہیں' اور وہ اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔چاندی کی ناک انہوں نے از خود بنوائی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا۔البتہ سونے کی ناک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

حکم سے بنوائی تھی۔

''یوم الکلاب'': پانی کی ایک جگہ کا نام ہے یہاں ایک جنگ ہوئی تھی بلکہ دو جنگیں ہوئی تھیں۔جن کو'' کلاب اول'' اور ''کلاب ثانی'' کہتے تھے۔علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ یہ پانی تھا، جس کے دائیں طرف پہاڑی اور شام کا علاقہ تھا اکثم بن صیفی کے ایام سے ہیں اہل عرب کے دو دن مشہور ہیں۔حاصل یہ کہ ''یوم الکلاب'' عرب کی ایک مشہور لڑائی کا نام ہے۔

ان یتخذ انفا من ذهب: اس حدیث کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ سونے کی ناک بنانا' اور اسی طرح دانتوں کو سونے سے بندھوانا جائز ہے۔

آگ کا کنگن

۴۴۰۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّحَلِّقَ حَبِیْبَهٗ حَلْقَةً مِنْ نَّارٍ فَلْیُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِنْ ذَهَبٍ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّطَوِّقَ حَبِیْبَهٗ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَلْیُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِّنْ ذَهَبٍ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّسَوِّرَ حَبِیْبَهٗ سِوَارًا مِنْ نَارٍ فَلْیُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِنْ ذَهَبٍ وَلٰكِنَّ عَلَیْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٣٦/٤ الحدیث رقم ٤٢٣٧' وأحمد فی المسند ٣٣٤/٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنائے تو وہ اسے سونے کا حلقہ پہنا دے اور جس کو یہ پسند ہو کہ اپنے دوست کے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو وہ اس کے گلے میں سونے کا طوق ڈال دے۔اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنے دوست کو آگ کا کنگن پہنائے تو وہ اسے سونے کا کنگن پہنا دے۔لیکن تم چاندی کو استعمال کرو اور اس کے ساتھ تصرف کرو۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: قال من احب ان یطوق حبیبه:** ''حبیبہ'': نصب کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں (یطوق) ''بفتح الواؤ'' ہے اور ''حبیبہ'' رفع کے ساتھ ہے اور مراد ''محبوب'' ہے۔چاہے بیوی ہو، یا اولاد ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو۔

حلقة: یہ سکون لام کے ساتھ ہے اور مفعول ثانی ہونے کی بناء پر منصوب ہے. **أی حلقة كائنة** ۔

قوله: ومن أحب أن یسور حبیه سوارًا من نار فلیسوره سوارًا من ذهب: واؤ مشددہ مکسورہ ہے' اور فتحہ بھی دیا جا سکتا ہے جیسا کہ ماقبل میں علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ حدیث میں ''تحلیق'' عرب کے اس قول ''ابل محلقه'' کی طرف راجع ہے۔یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کی علامت حلق ہو اور اس نکیر کو تہدید پر حمل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لئے شفقت پر محمول ہے۔

قوله: ولكن علیكم بالفضة فالعبوا بها: یہ ترغیب کیلئے ہے۔اس میں اشارہ ہے، کہ یہ تحلیہ مباحہ لہو ولعب اور لایعنی کاموں میں پڑنا میں شمار ہوگا۔(ذکرہ طیبیؒ) ابن الملکؒ کہتے ہیں، کہ ''اللعب بالشیء'' سے مراد اس میں تصرف کرنا ہوتا

ہے۔ جیسے چاہے تصرف کرے۔ یعنی جس نوع کی چاندی چاہو اس سے بناؤ لیکن عورتوں کیلئے نہ کہ مردوں کیلئے۔ البتہ مردوں کے لئے انگوٹھی بنوانا' اور آلات حرب میں سے تلوار وغیرہ کا زیور بنانا درست ہے۔

آگ کا ہار اور بالی

۴۴۰۲: وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلَهَا مِنَ النَّارِيَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَيُّمَا امْرَاَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا خُرْصًا مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلَهٗ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٣٧ الحديث رقم ٤٦٠/٦ والنسائی فی ١٥٧/٨ الحديث رقم ٥١٣٩، وأحمد فی المسند ٤٦٠/٦۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت سونے کا ہار پہنے تو اس کو قیامت کے دن اسی طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے کان میں اسی طرح کی آگ کی بالی ڈالیں گے۔ یہ ابوداؤد ونسائی کی روایت ہے۔

تشریح: ''قلادۃ'' قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ خرص حرف اول کے ضمہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔

''النھایۃ: میں ہے کہ ''حرص'' ضمہ اور کسرہ کے ساتھ' چھوٹا سا حلقہ' یہ عورتوں کے کانوں کا زیور ہوتا ہے۔ (یعنی ''بالیاں'' مراد ہیں۔) علامہ ابن الملک ؒ کہتے ہیں کہ ''خرص'' خاء معجمہ کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے اور بعض نے بکسر الخاء کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلا قول اہل مکہ کی زبان پر زیادہ مشہور ہے اور القاموس میں ہے کہ ''الخرص'' ضمہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے اور اس سے مراد سونا یا چاندی کا چھلہ بالی کا حلقہ یا زیورات کا چھوٹا سا حلقہ ہے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں، کہ اس کی دو تاؤیلات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ علیہ السلام نے یہ پہلے زمانہ میں فرمایا تھا' پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور سونے کے زیورات کو عورتوں کیلئے مباح قرار دیا گیا اور دوسری توجیہہ یہ ہے کہ یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے، کہ جو سونے کی زکوٰۃ اداء نہ کرتا ہو۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا اس وعید کا مورد نہیں ہے اشرفؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ وعید زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے کے ساتھ مخصوص ہوتی آپ علیہ السلام سونے کو مردوں کے ساتھ خاص نہ کرتے اور ''فضة'' میں بھی کوئی رخصت نہیں دی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ''و لکن علیکم بالفضة فالعبوا بھا'' کیونکہ سونے اور چاندی کے مابین زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب کہ دونوں حدیثیں ان دونوں کے مابین فرق پکار پکار کر بتلا رہی ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ اس کا یہ جواب دینا بھی ممکن ہے کہ وہ زیور جو سونے سے بنایا گیا ہو، جب وہی زیور چاندی سے بنوانے کا ارادہ ہو جائے، اور اس کا حجم اس کے حجم جتنا ہو لیکن اس کا وزن اس کے وزن سے کم ہو تقریباً اس کا نصف ہو تو سونا اپنے مبلغ نصاب کو پہنچ جائے گا برخلاف چاندی کے۔ (انتھی) اور یہ جو ان سب نے کہا ہے یہ صرف ہمارے مذہب کے اقتضاء کے مطابق ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں ''زیورات'' میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اور ان کے مذہب کے مطابق زیورات میں کوئی زکوٰۃ نہیں

ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ ''کراہت تنزیہی'' پر محمول ہے کیونکہ زینت میں اسراف مکروہ ہے۔ تو یہ قول مردود ہے' کیونکہ کراہت تنزیہی پر اتنی شدید وعید کا ترتب نہیں ہوتا۔

چاندی پر قناعت کرو

۴۴۰۳: وَعَنْ اُخْتٍ لِحُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ اَمَا لَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَا تُحَلِّيْنَ بِهِ اَمَا اِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُحَلِّيْ ذَهَبًا تُظْهِرُهُ اِلَّا عُذِّبَتْ بِهٖ۔

(رواه ابو داود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٤٣٦ الحديث رقم ٤٢٣٧' والنسائي في ٨/١٥٧ الحديث رقم ٥١٣٧' وأحمد في المسند ٦/٣٥٧۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن روایت کرتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عورتوں کی جماعت! کیا تمہارے لئے چاندی میں وہ چیز نہیں کہ تم اس سے اپنا زیور بناؤ (یعنی چاندی کا زیور کفایت کرنے والا ہے) خبردار! جو عورت تم میں سے بے محل سونے کے زیور کو ظاہر کرے تو اسے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہ روایت ابوداؤد و نسائی نے نقل کی ہے۔

تشریح: **عن اخت حذیفة:** بظاہر یہ صحابیہ ہیں' لہٰذا صحابیہ کا نام معلوم نہ ہونا روایت کے لئے باعث نقصان نہیں۔

اما لکن: یہ ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور ''ما'' نافیہ ہے۔ **ای الیس لکن کفایة۔**

فی الفضة ما تحلین به: یہ ''ما'' موصولہ

مبتدا ہے' اور ''لکن'' اس کی خبر ہے' اور یہ احتمال بھی ہے کہ ''اَما'' حرف تنبیہ ہو بمعنی الا' میم مخفف ہے۔

''**تحلین**'': تاء کے ضمہ' حاء کے فتحہ' لام مشددہ کے کسرہ و فتحہ' اور سکون یاء کے ساتھ' اور ایک نسخہ میں دونوں کے فتحہ اور لام مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ہے' اور ایک نسخہ میں حاء مہملہ کے بجائے جیم ہے۔

قوله: انه لیس منکن امرأة تحلّی ذهبًا تظهره۔

''**انه**'': یہ ضمیر شان ہے۔ اپنے اجانب کے سامنے ظاہر کرے یا تکبراً اور افتخاراً اس کو پہنے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ ''**تظهره**'' سے مراد وہ نہی ہے جو اس آیت کریمہ میں وارد ہے: ﴿......وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى......﴾ [الاحزاب: ۳۳] ''اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ'' اور نہی دونوں جزء پر وارد ہے۔ لہٰذا یہ ''**تبرج بالفضة**'' کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔

الا عذبت به: اور یہ تعذیب ''**تحلیة**'' اور ''**اظهار**'' دونوں پر بیک وقت مرتب ہے اور ہمارے بعض شراحؒ فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔

الفصل الثالث:

آخرت کا زیور چاہتے ہو تو دُنیا میں مت پہنو

۴۴۰۴: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ اَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِى الدُّنْيَا۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۸/۱۵۶ الحدیث رقم ۵۱۳۶۔

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیور وحریر پہننے والوں کو فرماتے کہ اگر آخرت کا زیور وحریر پہننا چاہتے ہو تو یہاں دنیا میں مت پہنو! یہ نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: کان یمنع اهل الحلیة والحریر:

مراد یہ ہے کہ ان کی کثرت سے منع کرتے تھے۔ یا یہ کہ اصلاً اس سے منع فرمایا کرتے تھے تا کہ ان دونوں ان کو بے رغبتی ہو جائے اور فرماتے تھے کہ اگر تم اہل جنت کے زیورات اور ریشم کو کمال حد تک پسند کرتے ہو۔ تو اس کو زیادہ نہ پہنو یا مطلقاً نہ پہنو۔ یہ دراصل باب ''اکتفاء'' سے ہے۔ ورنہ ظاہر کلام یوں ہوتا: ''فلا تلبسوهما''۔

فی الدنیا: کیونکہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: من أحب آخرته أضر بدنیاه ،ومن أحب دنیاه أضرباً خرته 'فآثروا ما یبقی علی ما یفنی۔ کہ جو شخص اپنی آخرت کو پسند کرتا ہے، وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص دنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ لہٰذا تم باقی رہنے والی کو ترجیح دو اس پر جو فنا ہونے والی ہے اور جیسا کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے: أشبعکم فی الدنیا أجوعکم فی العقبی 'ورب کاسیة فی الدنیا عاربة فی الآخرة۔ کہ تم میں سے دنیا کا سیر ترین آدمی آخرت میں بہت ہی بھوکا ہوگا اور کتنی ہی کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابوموسیٰ اشعری کی حدیث سے منسوخ ہے۔ جس میں آتا ہے: انه ﷺ قال: احل الذهب والحریر للإناث من أمتی۔ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سونا اور ریشم کو میری اُمت کی عورتوں کیلئے حلال کر دیا گیا ہے۔

انگوٹھی کا پھینکنا

۴۴۰۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا فَلَبِسَهٗ قَالَ شَغَلَنِىْ هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُ الْيَوْمِ اِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَاِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ اَلْقَاهُ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النساتی فی السنن ۸/۱۹۴ الحدیث رقم ۵۲۸۹۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ نے ایک انگوٹھی پہنی اور پھر اس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا۔ اس انگوٹھی کی طرف دیکھنے نے مجھے تم سے غافل کر دیا۔ یہ نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: اتخذ خاتما:

منذ اليوم: ''اليوم'' نصب کے ساتھ ہے'ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں جر کے ساتھ ہے۔
علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''منذ اليوم'' ظرف ہے ''اشغلنی'' کے لئے اور جملہ کی طرف مضاف ہے جس کا صدر صلہ محذوف ہے۔ ای ''منذ كان اليوم''۔ امام دار قطنیؒ نے اسی طرح فرمایا ہے اور مشہور قول یہ ہے کہ ''منذ''مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ کیونکہ ''منذ یوم الجمعة اور مذیومان'' کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ ملاقات کی اول مدت جمعہ ہے اور جمیع مدت دو یوم ہیں۔
امام زجاجؒ فرماتے ہیں، کہ اس کا مابعد مبتدا ہے اور ''منذ'' خبر مقدم ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ معنیٰ اس کا انکار کررہا ہے، چونکہ آپ ''جمیع مدت'' کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ ''دو یوم'' ہے، اور اسی طرح یہ لفظ بھی کیونکہ ''یومان'' نکرہ ہے۔ جس کا کوئی مصحح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ظرف مبتداء کے لئے اس وقت مصحح ہوتا ہے جب وہ اس کے لئے ظرف ہو، اور اگر وہ اس کے لئے ظرف ہوگا تو یہ اس پر زائد ہوگا۔ پس مشہور قول کے مطابق یہ جملہ مستانفہ علی طریق السوال ہے اور جواب یہ جملہ ہے: ''اليه نظرة واليكم نظرة'' یہ ظرف مصدر کے ساتھ متعلق ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای ''لی نظرة اليه ولی نظرة اليكم'' اور دونوں جملے ''شغلنی'' کیلئے بیان ہیں
اس بات کو جانئے کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں ابن جریج عن زیاد بن سعد عن الزہری عن انسؓ روایت کیا ہے:
اتخذ خاتما من ورق ثم ألقاه جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ ''زہریؒ'' کا وہم ہے کیونکہ امام زہریؒ کے علاوہ محدثین کے ہاں جو معروف (روایت ہے) وہ یہ ہے: **ان الخاتم الذی طرحه النبی ﷺ انما هو خاتم الذهب لا الورق** ہے اور اسی طرح عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں اکثر ائمہ حدیث سے نقل کیا ہے، چونکہ زہریؒ کو اس میں وہم ہوا ہے اور ان میں سے بعض نے اس کی تأویل کی ہے اور اس وہم سے جوابات دیتے ہیں۔ ان میں سے قریب ترین جواب جس کو شیخ نے اختیار کیا ہے وہ یہ احتمال ہے کہ نبی کریمؐ نے سونے کی انگوٹھی زینت کیلئے بنوائی تھی۔ جب لوگوں نے اس میں تابع کیا تو اس پر تحریم نازل ہوگئی چنانچہ آپؐ نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور اسی وجہ سے آپ نے فرمایا **لا ألبسه أبدا** کہ میں کبھی بھی اس کو نہیں پہنوں گا اور لوگوں نے بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں اور پھر سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت کی تصریح فرمادی۔ پھر جب آپ ﷺ کو مہر کیلئے انگوٹھی کی ضرورت پڑی تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر اپنا نام مبارک نقش کروایا تو لوگوں نے اس میں بھی آپ کا اتباع کیا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو پھینک دیا تو لوگوں نے بھی پھینک دیں۔ تاکہ وقوع اشتراک کی وجہ سے ''مصلحت نقش'' فوت نہ ہو جائے۔ جب لوگوں کی انگوٹھیاں معدوم ہوگئیں۔ تو آپ اس خاتم خاص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے ساتھ مہر لگانے لگے اور اس کی طرف یہ قول اشارہ کررہا ہے جو بخاری شریف میں عبدالعزیز بن صہیبؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: ''**انما اتخذنا خاتما ونقشنا فيه فلا ينقش عليه احد**'' (انتهى)
زیادہ جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے جب سونے کی انگوٹھی کی حرمت کے بعد بغیر نقش کے چاندی کی انگوٹھی پہنی تو لوگوں نے بھی بطور سنت آپ کا اتباع شروع کردیا۔ آپ نے اس میں تکبر محسوس کیا اس کو پھینک دیا، چنانچہ لوگوں نے بھی پھینک دیں۔ پھر جب آپ کو مہر کے لئے خاتم کی ضرورت پڑی تو آپ نے اس کو پھر سے پہن لیا اور لوگوں سے فرمایا ''**انما اتخذ نا خاتما ونقشنا فيه نقشا للمصلحة فلا ينقش عليه أحد اسمنا بل ينقش اسمه اذا احتاج اليه**'' کہ ہم نے

خاتم بنوائی ہے، اور مصلحت کے لئے ہم نے اس میں نقش کیا ہے' لہٰذا اس پر کوئی ہمارا نام نقش نہ کرے۔ بلکہ اگر ضرورت ہو تو اپنا نام اس میں نقش کرے۔ اسی قول سے ہمارے ائمہ وغیرہ کے اس قول کو تقویت ملتی ہے کہ غیر حکام کیلئے اس کا پہننا مکروہ ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، اور نسائی نے ابوریحانہ سے روایت کیا ہے **انه انهى عن لبس الخاتم الالذى سلطان** کہ آپ علیہ السلام نے خاتم کی اجازت صرف ''ذوسلطان'' کو دی ہے۔

امام نوویؒ نے ''شرح مسلم'' میں لکھا ہے چاندی کی انگوٹھی کے جواز پر کہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ البتہ شام کے بعض علماء متقدمین نے اس کو غیر سلطان کیلئے مکروہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے ایک اثر روایت کیا ہے' لیکن یہ شاذ اور مردود ہے اور اس پر حضرت انس کی وہ روایت دال ہے، کہ نبی علیہ السلام نے جب اپنی انگوٹھی پھینکی، تو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں جس کے پاس سلطنت اور کوئی عہدہ نہ بھی ہوتا، وہ اس کی پہنتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ایک ظاہر جو کہ عام ہو، اور محتمل بھی ہو ایک منصوص علیہ خاص کے ردّ کا سبب کیسے بن سکتا ہے۔ حالانکہ حدیث انسؓ اوائل امر میں سے بھی ہے اور اس کا حکم منسوخ بھی ہو چکا ہے اور حدیث ابی ریحانہ اس میں سے ہے کہ جس پر امر مستقر ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ بطریق العموم اس کے جواز پر اجماع بھی ہے اور بالخصوص بعض لوگ کراہت کے قائل بھی ہیں۔ اسی لئے تو علامہ عسقلانیؒ نے فرمایا، کہ مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ لبس خاتم غیر ذی سلطان کیلئے خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تزین ہے اور مردوں کی شان اس کے خلاف ہے۔ مگر یہ کہ اس کی ضرورت ہو، تو اس صورت میں وہ ادلہ جو کہ اس کے جواز پر دال دہیں وہ نہی تحریم کیلئے صارفہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی تائید اس روایت کے بعض طرق سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ: **انه ﷺ نهى عن الزينة والخاتم** آپ علیہ السلام نے زینت اور خاتم سے منع فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

سونے کا زیور لڑکے کو مکروہ تحریمی ہے

۴۴۰۶: وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ اَنَا اَكْرَهُ اَنْ يَلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِاَنَّهُ بَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَاَنَا اَكْرَهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ۔

(رواه فى الموطا)

أخرجه مالك فى الموطأ ٩١١/٢ الحديث رقم ٤ منك تاب اللباس۔

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں لڑکے کے لئے سونے کے زیور پہننے کو مکروہ خیال کرتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی کی ممانعت فرمائی یعنی جب انگوٹھی ممنوع ہے تو دوسرا کوئی زیور بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوا۔ پس میرے ہاں مردوں کیلئے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے سونا پہننا منع ہے۔ یہ روایت امام مالک نے مؤطا میں نقل کی ہے۔

تشریح: قوله:قال:انا اکره ان یلبس الغلمان شیئا من الذهب:

"ان یلبس"،"الباس" مصدر سے مجہول کا صیغہ ہے اور اسی طرح چاندی بھی۔ مگر یہ کہ انگوٹھی کی بقدر ہو اور اسی طرح ریشم بھی اس کراہت کے معنیٰ میں داخل ہے۔ جب سونے کی انگوٹھی ممنوع ہیں تو دوسری چیزیں بطریق اولیٰ ممنوع ہوں گی۔

فأنا اکره للرجال: بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ذکور (مرد) ہیں ورنہ تو "رجل" بھی "ذکور" میں سے ہے جو حد بلوغ کو پہنچ چکا ہو اور اس پر اس قول کی تعمیم بطریق بدلیت دلالت کر رہی ہے: "الکبیر منهم و الصغیر" اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تغلیب پر محمول ہے۔ اس عبارت میں "مسامحت" ہے کیونکہ کراہت صغیر کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کبیر سے متعلق ہے جو اس کو پہنے گا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ بچوں کو سونا زیور پہنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تین صورتیں ہیں۔ اصح اور منصوص علیہ توجیہ کے مطابق یہ جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمارے ہاں اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے۔

قوله:رواه فی المؤطا

"المؤطأ": کے آخر میں ہمزہ ہے اور کبھی الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ ان کی کتاب کا نام ہے۔ اس میں مسامحت ہے جیسا کہ آغاز کتاب میں گذرا۔

بَابُ النِّعَالِ

پاپوش کا بیان

النعال: نون کے کسرہ کے ساتھ' یہ "نعل" کی جمع ہے۔ جیسا کہ بغال اور بغل ہے اور القاموس کے مطابق اس چیز کو کہتے ہیں، کہ جس کے ذریعے سے قدم کو زمین سے بچایا جائے۔ جیسا کہ "النعلة" ہے۔ یہ مؤنث اسی طرح محکم ہے۔ میں ہے علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں آج کل اس کو "الناسومة" کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ "النعل" مصدر بھی آتا ہے اور بسا اوقات اسم بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر یہی مراد ہے اور اگر یوں کہتے "باب النعل" تو اس میں ان دونوں معنی کا احتمال ہوتا۔ اگرچہ معنیٰ ثانی اظہر و اشہر ہے۔

علامہ ابن العربی کہتے ہیں کہ "نعل" انبیاء علیہم السلام کا لباس ہے' اور ان کے علاوہ لوگوں نے بھی اس کو اس لئے اپنایا۔ کیونکہ ان کی زمین میں مٹی تھی۔ اھ اور ممکن اس کو اس آیت سے اخذ کیا گیا ہوگا: ﴿اخلع نعليك﴾ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے نعل پہنے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ "صاحب النعلین "صاحب الوسادة" صاحب السواك والطهور تھے۔ جب اٹھتے تو نعلین آپ ﷺ کو پہناتے اور جب بیٹھتے تو ان کو اپنے بازو میں دبا لیتے تھے۔ یہاں تک کہ اٹھ جاتے۔

الفصل الاول:

پاپوش بغیر بالوں کے تھا

۴۴۰۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/٣٠٨ الحديث رقم ٥٨٥١، ومسلم فی ٢/٨٤٤ الحديث رقم (٢٥-١١٨٧)، ومالك فی الموطأ ١/٣٣٣ الحديث رقم ٣١ من كتاب الحج وأحمد فی المسند ٢/٦٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ایسا پاپوس پہنتے دیکھا کہ جس میں بال نہ تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: قال رأيت رسول الله ﷺ "يلبس النعال التی ليس فيها شعر:

یعنی وہ نعال پہنتے تھے جو چمڑے کے بنے ہوتے تھے اور ترمذی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس میں وضوء بھی فرماتے تھے۔ تو میں بھی اس کو متابعت ھدیٰ کی وجہ سے پہننا پسند کرتا ہوں' نا کہ خواہشات کی پیروی کی بناء پر، یہ دراصل اس اعتراض کا جواب ہے، جب ان سے ابن جریج نے کہا تھا: "رأيتك تلبس النعال السبتية" یہ "سبت" کی طرف منسوب ہے۔ ابوعبیدہ

کہتے ہیں کہ اس سے مراد مدبوغہ ہے۔ حنفیؒ نے ''شرح الشمائل'' میں لکھا ہے کہ یہ اعتراض اس لئے کیا، کیونکہ دراصل یہ جوتے اہل نعمت اور مالدار پہنتے ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں، کہ اسی وجہ سے صحابہ کرام یہ نہیں پہنتے تھے۔ جیسا کہ خبر بخاریؒ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ سائل نے کہا، کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ چار کام ایسے کرتے ہیں جو ہمارے اصحاب نے نہیں کئے اور اس کام کو ان چار میں سے شمار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بظاہر سائل کی مراد یہ تھی کہ اس کو اختیار کرنے میں اور اس پر مواظبت کرنے کی کیا حکمت ہے۔ باوجودیکہ صحابہ کرامؓ لباس وغیرہ کی کسی خاص نوع کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ مگر اس وقت جب اس میں متابعت رسول کا ثبوت ہو۔

''یتوضا فیھا'' اس سے یہ بتلانا ہے کہ آپ اس سے احتراز نہیں کیا کرتے تھے اس کی اصل طہارت پر اعتماد کرتے ہوئے۔ یا اس وجہ سے کہ دباغت کے ساتھ اس کی طہارت حاصل تھی۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں، کہ بال موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں اور یہ کہ اس میں دباغت مؤثر نہیں رہتی۔ حالانکہ اس حدیث میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (انتھی) حدیث کا اطلاق تو یہ بتا رہا ہے کہ ان کا پہننا ہر حال میں جائز ہے اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ قبرستان میں پہننا مکروہ ہے اور دلیل بشیر ابن خصاصی کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں قبرستان میں چل رہا تھا، میرے پاؤں میں جوتے تھے۔ کہ اچانک ایک آدمی نے پیچھے سے آواز دی۔ اے سبتی جوتوں والے صاحب! جب تم یہاں ہوا کرو تو اپنے جوتے اتار لیا کرو۔ اس حدیث کی تخریج احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے کی ہے اور حاکمؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور مذکورہ بالا مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور امام طحاویؒ نے اس پر گرفت کی ہے کہ یہ جائز ہے کہ ان کے ''خلع'' کا حکم ہو۔ کیونکہ ان دونوں جوتوں میں گندگی ہوتی ہیں اور حدیث سے ثابت ہے کہ مردے جوتوں کی آواز سنتے ہیں جب لوگ واپس لوٹتے ہیں۔ یہ حدیث ''مقابر'' میں لبس نعال کے جواز پر دلالت کر رہی ہے اور حدیث انسؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے جوتوں میں نماز پڑھی ہے۔ لہٰذا جب مسجد میں جوتوں کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے، تو قبرستان میں بطریق اولیٰ جائز ہے۔ عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ نہی سے مراد اکرام میت ہو۔ جیسا کہ ''جلوس علی القبر'' سے نہی وارد ہے اور یہاں پر سبتتین کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ اتفاقی بات ہے اور دراصل نہی تو قبروں پر جوتوں کے ساتھ چلنے سے ہے۔ (واللہ اعلم بالحال)

میں کہتا ہوں کہ بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ قبروں پر چلنا ممنوع ہے چاہے نعال کے ساتھ ہو یا بغیر نعال ہو۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ مشی علی القبور رہو، تو اس کو متنبہ کر دیا۔ اس پر کہ جوتے اتارے جائیں کیونکہ یہ ادب واحترام کی جگہ ہے اور تواضع کی جگہ ہے۔ کیونکہ تکبر کا بھی امکان ہے۔ تو اس کا علاج ضد کے ساتھ فرمایا اور اس کو ایک سخت حکم دیا' یہ لبس نعال کے جواز کے منافی نہیں ہے' مکان ضرورت میں دفع حرج کے لئے۔

پاپوش کے دو تسمے

۴۴۰۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۲/۱۰ الحدیث رقم ۵۸۵۷' وأبو داوٗد فی السنن ۳۷۵/٤ الحدیث رقم ٤۱۳٤' والترمذی فی ۲۱۲/٤ الحدیث رقم ۱۷۷۱' والنسائی فی ۲۱۷/۸ الحدیث رقم ٥۳٦۷' وابن ماجه فی ۱۱۹٤/۲ الحدیث رقم ۳٦۱٥۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش کے دو تسمے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله:ان نعل النبی کان لها قبالان:**

"القبال" (بکسر القاف) جوتے کے تسمے کو کہتے ہیں۔ دو انگلیوں کے درمیان والے سیر کو کہتے ہیں۔ (اس کو النہایہ میں ذکر کیا ہے۔) اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے جوتے میں دو تسمے تھے اس کو اپنے پاؤں کی انگلیوں میں رکھتے تھے اور "اصبعین" سے مراد وسطیٰ اور اس کے ساتھ والی انگلی ہے۔ ہمارے بعض شراح کہتے ہیں، کہ ہر جوتے میں دو تسمے ہوتے تھے۔ ابہام اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ایک تسمہ میں داخل کرتے تھے اور دوسری انگلیوں کو دوسرے تسمے میں داخل کرتے تھے۔ اس کی تائید شمائل کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ کی جوتیاں کیسی تھیں؟ تو انہوں نے کہا، کہ اس کے دو تسمے تھے۔ یعنی ہر ایک جوتی کے دو تسمے تھے۔ اس حدیث میں افراد اس کی جنس کے اعتبار سے ہے۔ عسقلانی فرماتے ہیں "قبال" اس "زمام" کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اس "شسع" (تسمہ) کو باندھا جاتا ہے جو پاؤں کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔

علامہ جزری کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے نَعل کے دو تسمے تھے' ایک کو ابہام اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان رکھ دیتا تھا اور دوسرے کو وسطیٰ اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان رکھتے تھے اور دونوں تسمے آپ کے قدم کے اگلے حصہ پر آ کر ملتے تھے۔ اس کو "اشراک" کہتے ہیں اور عنقریب آئے گا کہ رسول اللہ کے نعل کے دو "قبال" تھے۔ ان کے دو شراک تھے۔

مرد پاپوش کے ساتھ سوار کی طرح ہے

۴۴۰۹: **وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا یَقُوْلُ اسْتَکْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَایَزَالُ رَاکِبًا مَا انْتَعَلَ۔** (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی ۱٦٦۰/۳ الحدیث رقم (٦٦۔۲۰۹٦)' وأبو داوٗد فی السنن ۳۷٥/٤ الحدیث رقم ٤۱۳۳۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جہاد کے لئے (روانگی کے موقع پر) فرمایا تم بہت سے پاپوش لے لو۔ کیونکہ مرد پاپوش کے ساتھ سوار کی طرح ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله:یقول استکثروا من النعال فان الرجل لایزال راکبا ما انتعل۔** امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ خفت مشقت قلت تعب میں وہ راکب کی طرح ہے۔ اس کے پاؤں کانٹوں اور تکلیف دہ چیزوں اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اس سے اس بات کا استحباب معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سفر میں جوتے اور سفری

ضروریات اپنے پاس رکھے۔

تخریج: اس حدیث کو اسی طرح احمد نے اور بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور امام نسائی نے حضرت جابر سے اس کو ذکر کیا ہے۔ طبرانیؒ نے الکبیر میں عمران بن حصین سے اور اوسط میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونۃ بنت سعد سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **نعلان أجا هد فيها خير من أن أعتق ولد الزنا۔** ''وہ نعلین جن کو پہن کر میں جہاد کروں اس سے بہتر ہیں کہ میں ولد الزنا کو آزاد کروں''۔

دایاں پاؤں پہننے میں پہلے اور اُتارنے میں آخر میں ہو

۴۴۱۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۱/۱۰ الحدیث رقم ۵۸۵۶' ومسلم فی ۱۶۶۰/۳ الحدیث رقم (۶۷۔۲۰۹۷)' وأبو داوٗد فی السنن ۳۷۷/٤ الحدیث رقم ٤۱۳۹' والترمذی فی ۲۱۵/٤ الحدیث رقم ۱۷۷۹' ابن ماجه فی ۱۱۹۵/۲ الحدیث رقم ۳۶۱۶' وأحمد فی المسند ۲۳۳/۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تم پاپوش پہنو تو دائیں پاؤں سے ابتداء کرو۔ یعنی دایاں اور پھر بایاں اور جب اتارو تو بائیں طرف سے شروع کرو۔ پہلے بایاں نکالو پھر دایاں۔ مناسب یہ ہے کہ دائیں پہننے میں اول اور اتارنے میں آخری ہو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: فليبد أباليمنى: اور شمائل میں (''بالیمنی'' کے بجائے) ''بالیمین'' ہے۔

قوله: واذا نزع: اور ایک روایت میں ''خلع'' ہے۔ **أی اراد خلعها۔**

قوله: فليبدأ بالشمال: ''شمال'' پہلے حرف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ای بالیسری' جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

عسقلانیؒ فرماتے ہیں قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے، کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے اور خطابیؒ فرماتے ہیں، کہ جوتا آدمی کے لئے کرامت ہے۔ کیونکہ یہ انسان کو تکلیف سے بچاتا ہے اور جب ''یمنی'' یسریٰ سے افضل ہے۔ تو جوتا پہننے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا چاہیئے اور جوتا اتارنے میں دائیں کو مؤخر کرنا چاہیئے تاکہ جب تک جوتا پاؤں میں ہے اس کی کرامت و شرافت کا وافر حصہ ملتا رہے اور اس پر یہ قول دال ہے: ''**فلتكن اليمنى**'' اور ایک روایت میں ''**فلتكن اليمين**'' ہے اور اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے: **وأو لهما تنعل۔**

او لهما: یہ ''**تنعل**'' کے ساتھ متعلق ہے۔ اگرچہ اس کی تانیث و تذکیر میں اختلاف ہے اور پہلا قول اصح ہے ''تذکیر'' تاویل ''عضو'' پر محمول ہوگی۔ یہ ''کان'' کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس میں رفع کا احتمال بھی ہے۔ مبتدا ہونے کی بناء پر اور ''**تنعل**'' اس کی خبر ہے اور جملہ ''کان'' کی خبر ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ)

''**وآخرهما تنزع**'': اس کی ترکیب پچھلے جملہ کی طرح ہے عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ''کان'' کی خبر یا حال ہونے

کی بنا پر منصوب ہیں اور خبر "تنعل وتنزع" ہے۔ یہ دونوں فعل بصیغہ تذکیر وتانیث دونوں طرح ضبط کئے گئے ہیں میرکؒ فرماتے ہیں: ہماری روایات میں اول (احتمال) یہ ہے کہ دونوں ضمیریں "یمنعی" کی طرف راجع ہیں' اور دوسرا (احتمال) یہ ہے جو شیخ نے ضبط کیا ہے' اور ان کے کلام سے بطور فائدہ معلوم ہوتا ہے وہ باعتبار نعل وخلع کے ہے' جن سے مراد وہ دو مصدر ہیں جو دو فعلوں سے مفہوم ہو رہے ہیں۔ اور یہ خفاء سے خالی نہیں۔ عصامؒ فرماتے ہیں اس خصلت کا حکم دینے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ خصلت راسخ اور ثابت ودائم رہنی چاہیئے۔ کیونکہ عام طور پر لوگ اس کو کمتر خیال کرتے ہیں۔ یا یہ کہ یہ عادت یمنیٰ کو مقدم کرنے کی ہے چنانچہ تقدیم یسریٰ کی فوتگی کا خیال تھا۔ (انتھی)

حاصل یہ ہے کہ جملہ ثانیہ تاکید اولیٰ سے خالی ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ اس میں زیادۃ افادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ فعلین سابقین سے مقصود دونوں مذکورہ جہتوں پر دراصل صرف یمنٰی کے اکرام کی رعایت ہے پہننے میں بھی اور اتارنے میں بھی۔ یہاں تک کہ یہ خیال نہ ہو جائے، کہ اس سے یمنیٰ اور یسریٰ میں مساوات ہے۔ اس کے برعکس ہے اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک کو فعل میں ابتداء دے دی ہے اور اس کی نظیر دخول مسجد میں یمنیٰ کی تقدیم اور خروج میں یسریٰ کی تقدیم ہے' اور دخول الخلاء میں اس کے برعکس ہے۔ اس کی تائید شمائل میں مروی حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے انہ ﷺ کان یحب التیمن ما استطاع فی ترجلة وتنعله وطھورہ اس سے ابن حجرؒ کے قول کی تضعیف ہوتی ہے کہ "اس کا فائدہ یہ ہے کہ امر اول میں تقدیم یمنیٰ اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ نزع میں مؤخر کیا جائے۔ کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ اتارا جائے۔ پس جس نے یہ خیال کیا کہ یہ تاکید کیلئے ہے، تو اس کو وہم ہوا ہے اور اسی طرح جس نے میرے بیان کردہ معنیٰ کے علاوہ کوئی اور معنیٰ مراد لیا اس نے تکلف کیا اس کو تاکید سے نکالتے ہوئے' اور وہ ایسی بات کا قائل ہوا کہ سماع جس کا انکار کرتا ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اس کو تاکید سے نکال دیتا ہے۔

اور آپ یہ جانتے ہیں، کہ دونوں کو ایک ساتھ اتارنا اور ایک ساتھ پہننا عقلاء کے افعال میں متصور نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ اپنی کہی ہوئی بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ "سماع اس کا انکار کرتا ہے' لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا"۔

علامہ میرک کہتے ہیں کہ بعض نقاد نے یہ گمان کیا ہے، کہ حدیث مرفوع لفظ "بالشمال" پر ختم ہے اور "فلتکن" سے "تنزع" تک بعض رواۃ کی طرف سے مدرج ہے اور یہ ادراج شرح وتاکید کی غرض سے ہے اکثر لوگ اس سے جاہل ہوتے ہیں اور اس پر عمل سے غافل ہوتے ہیں۔

تخریج "ورواہ احمد والترمذی وابن ماجة"۔

ایک جوتے کے ساتھ چلنے کی ممانعت

۴۲۱۱: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْشِيْ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا اَوْلِيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعًا ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۰۰۹/۱۰ الحدیث رقم ۵۸۵۵' ومسلم فی ۱۶۶۰/۳ الحدیث رقم

(٦٨-٢٠٩٧)، وأبو داوٗد فيا لسنن ٣٧٦/٤ الحديث رقم ٤١٣٦، ولاترمذى فى ٢١٣/٤ الحديث رقم ١٧٧٤، وابن ماجه فى ١١٩٥/٢ الحديث رقم ٣٦١٦، ومالك فى الموطأ ٩١٦/٢ الحديث رقم ١٤ من كتاب اللباس، وأحمد فى المسند ٢٤٥/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک جوتا پہن کر مت چلو دوسرے پاؤں سے بھی اتار لو یا دونوں میں پہنو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: لا يمشى أحدكم: یہ "نفی" بمعنیٰ "نہی" ہے، جو تنزیہ کیلئے ہے اور شمائل میں "لا يمشين أحدكم" کے الفاظ ہیں۔

فى نعل واحدة: اور شمائل کی ایک روایت میں "واحد" تذکیر کے ساتھ ہے۔ "نعل"، "ملبوس" کی تاویل میں ہے۔

ليحفهما: یہ باب "افعال" یا باب "علم يعلم" سے ہے۔ احفاء "انعال" کی ضد ہے۔ ننگے پاؤ چلنا (جوتا موزہ وغیرہ اتار کر چلنا، جوتا اتارنا۔

جميعًا او ينعلهما: یہاں پر "او" تخییر کیلئے ہے اور دونوں ضمیریں۔ "قدمین" کی طرف راجع ہیں، اگرچہ ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا ہے لیکن دلالت سیاق کی وجہ سے ہے یہ لغت عرب میں مشہور ہے اور قرآن میں بھی ہے۔ اس کو علامہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ آیت مراد لی ہے: **حتى توارت بالحجاب** [ص:٣٢] اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ......﴾ [النحل:٦١] "اور اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑنے لگے تو ایک جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔" لیکن "لنعلهما" کی روایت سے یہ متعین ہو گیا ہے کہ یہ ضمیر "نعلين" کی طرف راجع ہے۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ تقدیری عبارت یوں ہے: "ليلبس نعل القدمين" اور اس بحث کو ہم نے شرح الشمائل میں دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں، اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قلت مروت، سستی و کمزوری اور ٹیڑھا ٹیڑھا چلنا لازم آتا اور یہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام ایک جوتے میں بھی چلے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو، تو یہ نادر چیز ہے اور شاید اتفاقاً کسی سبب کی بناء پر گھر میں ایسا کیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کو "بعد از نہی پر محمول کر لیا جائے، تو پھر اس کو ضرورت پر محمول کیا جائے گا، یا بیان جواز پر اور یہ کہ یہ نہی تحریم کیلئے نہیں ہے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں، کہ اس حالت میں چلنا باعث مشقت ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بدنما لگتا ہے اور آنکھوں کے سامنے ایک قبیح منظر بھی ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس لئے کہ اس کے اعضاء و جوارح میں اعتدال نہیں رہتا اور بسا اوقات اس کے فاعل کو اختلال رائے اور ضعف رائے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

ابن العربی کہتے ہیں کہ اس میں نہی کی علت یہ ہے کہ یہ شیطان کی چال ہے۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ کراہت شہرت کی وجہ سے ہے۔ چونکہ جو اس کو دیکھتا ہے وہ اس کو دیکھتا ہی رہتا ہے۔ حالانکہ لباس میں بھی شہرت سے نہی وارد ہے اور ہر وہ شیئ جس

سے صاحب شیئ مشہور ہو جائے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس سے اجتناب برتا جائے۔ (یہ علامہ عسقلانیؒ کی تحقیق ہے۔)
ابن ماجہ کی حدیث ہے: ''لا یمش أحدکم فی نعل واحد ولا فی خف واحد''۔ بعض نے ایک ہاتھ کو آستین سے باہر نکالنے کو اسی مسئلہ کے ساتھ چادر کو ایک کندھے پر ڈالنے ایک پاؤں میں جوتا پہننے اور دوسرے پاؤں میں موزہ پہننے کے مسئلہ کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کیا ہے اس کو شرح السنہ میں ذکر کیا ہے۔

ایک موزہ میں نہ چلا جائے

۴۴۱۲: وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهٖ فَلَا يَمْشِيْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهٗ وَلَا يَمْشِيْ فِيْ خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يَاْكُلْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَحْتَبِيْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفُ الصَّمَّآءَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۳/۱۶۶۱ الحدیث رقم (۷۱-۲۰۹۹)، وأبو داوٗد فی السنن ۴/۳۷۷ الحدیث رقم ۴۱۳۷، وأحمد فی المسند ۳/۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے۔ اس کو ایک جوتا پہن کر نہ چلنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس کا تسمہ درست کرے۔ اور ایک موزہ پہن کر بھی نہ چلے اور بائیں ہاتھ سے بھی نہ کھائے۔ اور ایک کپڑے میں لپٹے ہونے کی حالت میں گوٹ مار کر نہ بیٹھے جب کہ ستر پر کوئی چیز نہ ہو اور بدن کو اس طرح کپڑے میں نہ لپیٹے کہ ہاتھ بھی اندر لپٹ جائیں اور ہاتھ کے نکالنے سے ستر کھل جائے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **انقطع شسع نعله** شین معجمہ کے کسرہ، اور سین مہملہ کے ساتھ۔ اور الجامع الصغیر کی روایت میں: ''**شسع نعل أحد کم**'' ہے۔

فلا یمشی: صیغہ نفی کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ صحیحہ میں صیغہ نہی کے ساتھ ''**فلا یمش** ہے۔ اور ایک روایت میں ''**فی الأخری**'' کا اضافہ ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: **ومعنی حتی انه لا یمشی فی نعل واحدةٍ اذا قطع شع نعله الاخری فیمشی بالنعلین**۔ اس لفظ کی جامع الاصول میں تصحیح کی گئی ہے۔ میرکؒ کہتے ہیں، کہ یہ جو مسلم نے ابورزین عن ابی ہریرہ کے طریق سے روایت کیا ہے: **اذا انقطع شع أحد کم أو شراکه فلا یمشی فی احد اهما بنعل والأخری حافیة لیحفهما جمیعا**۔ اس کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ چہ جائیکہ یہ اس کے غیر میں اذن پر دلالت نہ کرے یہ غالب عادت کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور ممکن ہے کہ یہ مفہوم موافق ادنیٰ سے اعلیٰ پر تنبیہ ہو۔ اسلئے کہ جب احتیاج کے ساتھ ممنوع ہے تو عدم احتیاج میں بطریق اولیٰ ممتنع ہوگا۔ علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں، کہ یہ ترمذیؒ کی روایت کے ضعف پر دلالت کر رہا ہے جو حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ

بسا اوقات رسول اللہ کے ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا، تو وہ ایک جوتے میں چلتے رہتے تھے یہاں تک کہ اس کو ٹھیک کر لیتے۔ میرکؒ کہتے ہیں، کہ شیخ نے جامع الترمذیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جبکہ اصل ترمذیؒ میں یہ الفاظ مجھے نہیں ملے۔ بلکہ اس میں لیث بن ابی سلیم عن عبدالرحمٰن بن القاسم بن سالم عن ابیہ عن عائشہ کے طریق سے ہے: **قالت: ربما مشی النبی ﷺ فی نعل واحدة** کہ بسا اوقات نبی علیہ السلام ایک جوتی پہن کر چلتے اور اسی طرح صاحب المصابیح، صاحب المشکوٰۃ، اور شیخ جزریؒ نے "تصحیح المصابیح" میں ترمذی سے نقل کیا ہے۔ (واللہ اعلم) متن میں یہ حدیث عنقریب آ رہی ہے۔

شرح السنہ میں مذکور ہے کہ آپؐ سے ایک جوتا پہن کر چلنے کی رخصت کے بارے میں کئی احادیث منقول ہیں اور حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات ہیں۔ ابن سیرین اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

ولا یمشی: یہ نفی ہے۔ لیکن معنیٰ نہی ہے۔ جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح مذکور ہے۔

لا یأکل بشماله: یہ جملہ خبر ہے۔ البتہ معنیٰ ہے۔ جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح مذکور ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنیٰ نہی ہے۔ یہ قید ومقید کے مجموعہ پر عطف ہے صرف مقید بقید متقدم پر عطف نہیں۔ چونکہ اگر ایسا ہوتا تو معطوف اور معطوف علیہ کی اس مقید میں شرکت لازم آتی اور وہ یہاں صحیح نہیں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ نفی بمعنیٰ النہی ہے اور اس نہی کا سابقہ دونوں افعال پر عطف جائز نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ نہی سابق پر عطف ہے۔ اس کی شرح کے ساتھ ماُخوذ ہو کر' تاکہ شرط کے ساتھ مقید نہ ہو جائے اور اس صورت میں کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہے گا۔ چاہے اس کو نہی بنایا جائے یا نفی بنایا جائے۔

قوله: ولا یحتبی بالثوب الواحد: یہ صرف صیغہ نفی کے ساتھ ہے۔ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب اس کی شرمگاہ پر کوئی ستر نہ ہو۔

قوله: ولا یلتحف الصماء: یہ تشدید میم کے ساتھ ہے۔ اس سے ممانعت اس لئے فرمائی کہ بعض اوقات اس سے کشف عورہ ہو جاتا ہے۔ اس پر کلام گزر چکا ہے۔

قوله: رواه مسلم: شرطیہ اولیٰ کو انفراداً مسلمؒ نے بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں' نسائی نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' طبرانیؒ نے شداد بن اوس سے اور بزار اور ابن عدی نے "الکامل" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔: **اذا انقطع شسع أحد کم فلیسترجع فانها من المصائب** کہ جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے۔ تو اس پر "انا للّٰہ وانا الیه راجعون" پڑھے۔ کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ نسائی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے: **کان ینهی أن یمس الرجل ذکره بیمینه وأن یمشی فی نعل واحدة وأن یشتمل الصماء وأن یحتبی فی ثوب لیس علی فرجه منه شیئی**۔ کہ رسول اللہ اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ کہ آدمی داہنے ہاتھ سے اپنا ذکر چھوئے اور یہ کہ وہ ایک جوتے میں چلے، اور یہ کہ وہ "صماء" کرے اور یہ کہ وہ اس طرح احتباء کرے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ رہے۔

الفصل الثانی:

دو تسموں والا پاپوش

۴۴۱۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا۔

(رواه الترمذی)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ٢/١١٩٤ الحديث رقم ٣٦١٤۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش دو تسمے والے تھے۔ انگلیوں میں پہنا جانے والا حصہ دوہرا تھا۔ تا کہ وہ پاؤں کو نہ چبھے بلکہ استوار ہو۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: "مثنٰی": "تثنية" سے اسم مفعول ہے۔ یا "الثنی" سے ہے جیسا کہ نسخہ صحیحہ میں ہے اور "قبالان" کی صفت ہے، اور "شراکھا" نائب فاعل ہے۔

شراك: شین معجمہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ النہایہ کے مطابق جوتے کے دو تسموں میں سے ایک تسمہ کو کہتے ہیں۔ جو کہ اس کے اگلے حصہ پر ہوتا ہے۔

ترمذیؒ نے اس کو الشمائل میں عبداللہ بن الحارث سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے: "كان لنعل رسول الله ﷺ قبالان وابی بكر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما وأول من عقد عقد او احدًا۔ ای اتخذ قبا لاواحدًا۔ عثمان رضی الله عنه" اور سب سے پہلے جس شخص نے ایک تسمہ باندھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دراصل بیان جواز کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ آپ کا اس کو پہننا ایک عادت کے طور تھا، نہ کہ اس قصد سے کہ بندوں کے لئے عبادت قرار پائے۔ جیسا کہ "اصول" میں بیان ہوا ہے کہ آپ کے افعال چار طرح کے ہیں: ❶ مباح، ❷ مستحب، ❸ واجب، ❹ فرض۔ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کو بیان نہ فرماتے تو اس سے "قبال واحدٍ" پر اقتصار کی کراہت کا توہم ہوتا۔ یا اس کے خلاف اولٰی ہونے کا وہم ہوتا۔ کیونکہ یہ آپ اور آپؐ کے صاحبین کے فعل کے خلاف تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "لبس نعلین" کا ترک اور غیر نعلین کا لبس غیر مکروہ ہے۔

کھڑے ہو کر جوتا نہ پہنو

۴۴۱۴: وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔

(رواه ابوداود ورواه الترمذی وابن ماجة عن ابی هريرة)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٣٧٦ الحديث رقم ٤١٣٥۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی کھڑے ہو کر جوتا پہنے۔

(ابوداؤد)

تشریح: نهی رسول الله ﷺ ان ينتعل الرجل قائما: یہ باب انفعال سے ہے۔ جوتا پہننا۔ مظہرؒ کہتے ہیں یہ

ممانعت اس صورت میں ہے جب انسان کو کھڑے ہو کر پہننے میں مشقت ہوتی ہو۔جیسا کہ موزہ یا وہ جوتا ہے کہ جس کے تسمے باندھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ضیاء اور ترمذیؒ نے اس کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ''نھٰی ان ینتعل الرجل وھو قائم''۔ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۴۴۱۵: وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ۔

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ٢١٣ الحديث رقم ١٧٧٥، وابن ماجه في ٢/ ١١٩٥ الحديث رقم ٣٦١٨۔

ترجمہ: اور ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

نادر احوال میں ایک جوتے کا استعمال

۴۴۱۶: وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّمَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ۔ (رواه الترمذي وقال هذا اصح)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/ ٢١٤ الحديث رقم ١٧٧٧۔١٧٧٨۔

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ایک جوتے میں چلتے تھے۔اور ایک روایت اس طرح ہے کہ بے شک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک جوتے میں چلیں۔ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے اسے اصح کہا ہے۔یعنی اس کی سند یا معنی صحیح تر ہے۔

تشریح: ''ربما'': بائے موحدہ کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے' یہاں قلت کے معنی میں ہے۔ای قلیلا۔ اس کو مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ موقوف روایت معنیً یا اسناد کے لحاظ سے اصح ہے۔

پاپوش نکال کر پہلو کی جانب رکھے

۴۴۱۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ اَنْ يَخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعُهُمَا بِجَنْبِهٖ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ٣٧٧ الحديث رقم ٤١٣٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آدمی بیٹھے تو پاپوش کو پاؤں سے نکال کر پہلو کی طرف رکھ دے۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: من السنة اذا جلس الرجل ان يخلع نعليه فيضعها بجنبه۔: ''من السنة'' خبر مقدم ہے اور ''اذا جلس'' مبتدا کے لئے ظرف ہے۔اور مبتدا ''أن يخلع نعليه فيضعهما بجنبه'' ہے

ایمن کی تعظیم کی وجہ سے جوتے اپنی بائیں جانب رکھتے اور قبلہ کی تعظیم کے پیش نظر سامنے نہیں رکھتے تھے اور پیچھے اسلئے نہیں رکھتے تھے کیونکہ چوری کا خدشہ ہوتا ہے۔علامہ طیبیؒ کے اصل نسخہ میں ''ان من'' ہے اور فرمایا کہ ''ان یخلع'' انّ کا اسم

ہے اور ''اذا جلس'' اس کیلئے ظرف ہے۔

سیاہ موزے کا استعمال

۴۳۱۸: وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّجَاشِيَّ اَهْدٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ اَسْوَدَيْنِ سَاذِجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا۔

(رواه ابن ماجة وزاد الترمذی عن ابن بريدة عن ابيه ثم توضأ ومسح عليهما)

أخرجه الترمذی فی السنن ۱۱٤/٥ الحديث رقم ۲۸۲۰' وابن ماجه فی ۱۰۲/۱ الحديث رقم ٥٤٩' وأحمد فی المسند ۳٥۲/٥۔

ترجمه: حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جوانہوں نے اپنے والد سے نقل کی کہ نجاشی نے دوسادہ سیاہ موزے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۃً بھیجے۔ جن پر نقش نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا (یعنی طہارت کی حالت میں) یہ ابن ماجہ کی روایت ہے' ترمذی نے بھی ابن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے۔ کہ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو ان پر مسح فرمایا۔

تشریح: عن ابن بریدة اور بعض نسخوں میں ''ابی بریدة'' ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ یہ فحش غلطی ہے۔

ان النجاشی اهدٰی الی النبی ﷺ: ''الصحاح'' میں ہے: الهدية واحدة الهدايا يقال: آهديت اليه وله'' دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

ساذجین: القاموس کے مطابق یہ ''سادة'' سے معرب ہے۔ مطلب یہ کہ وہ غیر منقوش تھے۔ یا وہ بالوں سے خالی تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ''نعلین جرداوین'' آیا ہے۔

قوله: وزاد الترمذی عن ابن بريدة: ایک نسخہ میں ''عن أبی بريدة'' ہے۔

علامہ میرک کہتے ہیں، کہ ابن حبان نے ہیثم بن عدیؒ کے طریق سے روایت نقل کی ہے: کہ نجاشی نے آپ کو لکھا، کہ میں نے آپ کی شادی قوم کی ایک عورت ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے ساتھ کر دی ہے۔ جو آپ کے دین پر ہے اور میں آپ کو ایک ہدیہ دے رہا ہوں۔ جو قمیص' شلوار، عطاف اور بغیر بالوں کے دو وزے پر مشتمل ہے۔ نبی نے وضوء کیا اور ان پر مسح فرمایا۔

سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ میں نے ہیثم سے پوچھا، کہ یہ ''عطاف'' کیا چیز ہے تو انہوں نے کہا کہ ''الطیلسان'' کو کہتے ہیں۔ الشمائل میں ہے کہ دحیہ نے آپ کو موزے اور ایک جبہ ہدیہ کیا۔ جن کو آپ پہنتے رہے یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔ یہ بات معلوم نہیں ہے۔ کہ وہ پاک تھے یا نہیں۔ اس حدیث میں اس بات پر دلالت بھی ہے کہ اشیائے مجہولہ میں اصل ''طہارت'' ہے۔ پھر صحابہؓ نے آپ کی درایت کی نفی کی یا تو اس وجہ سے کہ آپ نے اس کی تصریح کی تھی۔ یا اس وجہ سے کہ آپؐ نے اس کو عدم سوال اور تفحص حال کے قرینہ سے لیا تھا۔ میرکؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے موزے پہنے ہیں اور اس پر مسح کیا ہے اہل السنّت والجماعت کے ہاں: ''مسح علی الخفين فی السفر والحضر'' کی حدیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔

بَابُ التَّرَجُّلِ

کنگھی کرنے کا بیان

''ترجل'' جیم کے ضمہ اور تشدید کے ساتھ ہے اور ''النہایہ'' میں ہے کہ ''ترجل اور ''ترجیل ''کا معنی ہے بالوں میں کنگھی کرنا، ان کو صاف رکھنا اور خوبصورت بنانا۔ (طیبیؒ) زیادہ واضح بات یہ ہے: ''رجل شعره ای ارسله بالمشط'' اور ''ترجل'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ کام خود کیا۔ اھ۔ یا کسی اور سے کرایا۔ اور قاموس میں ہے شعر رجل و ككتف وكجبل بين السبوطة والجعودة۔ وقد رجل كفرح ورجلته ترجيلا۔ ''تنویر المصابیح'' میں ہے کہ ''ترجل'' کا معنی ہے تطہر وتزین' اور ''ترجیل ''کا معنی ہے بالوں میں کنگھی کرنا۔

الفصل الاول:

سر کے بالوں میں کنگھی کا استعمال

۴۴۱۹: عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/٣٦٦٨ الحديث رقم ٥٩٢٥، ومسلم في ١/٢٤٤ الحديث رقم (٩-٢٩٧)، وأبو داوٗد في السنن ٢/٨٣٤ الحديث رقم ٢٤٦٩، وابن ماجه في ١/٢٠٨ الحديث رقم ٦٣٣، والدارمي في ١/٢٦٢ الحديث رقم ١٠٥٨، ومالك في الموطأ ١/٦٠ الحديث رقم ١٠٢ من كتاب الطهارة، وأحمد في المسند ٦/١٠٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ میں حالت حیض میں جناب رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو کنگھی کر دیا کرتی تھی۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: كنت ارجل رأس رسول الله ﷺ وأنا حائض:

''رأس رسول الله ﷺ '': یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای شعر رأس رسول اللہ ﷺ۔ اس حدیث سے حائضہ عورت کے ساتھ مخالطت کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

تخریج: اور اسی طرح ترمذیؒ نے شمائل میں اس کو ذکر کیا ہے۔ میرک کہتے ہیں کہ اسی طرح تمام رواۃ نے امام مالک سے نقل کیا ہے اور ابو حذیفہؒ نے ہشام سے اس طرح روایت کیا ہے: ''انها كانت تغسل رأس رسول الله ﷺ وهو مجاور في المسجد وهي حائض يخرجه اليها''۔ اس کی تخریج دار قطنیؒ نے بھی کی ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے: ❶ حائض عورت کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہے۔ ❷ ''معتکف'' کیلئے جماع اور اس کے مقدمات ممنوع ہیں۔ ❸ حائضہ

عورت مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ (کذا قالوا)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں، کہ مباشرت مطلق سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ان کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اعتکاف میں وضوء شرط نہیں ہے اور حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس کے فوراً بعد بغیر کسی فصل کے نماز ادا فرما لیتے تھے اور اگر اس کو فرض کر بھی لیا جائے تو بات یہ ہے کہ بال چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

پانچ امورِ فطریہ

۴۴۲۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۴۹ الحدیث رقم ۵۸۹۱، ومسلم فی ۱/۲۲۲ الحدیث رقم (۵۰-۲۵۷)، وأبو داوٗد فیا لسنن ۴/۴۱۲ الحدیث رقم ۴۱۹۸، والترمذی فی ۵/۸۵ الحدیث رقم ۲۷۵۶، والنسئی فی ۸/۱۸۱ الحدیث رقم ۵۲۲۵، وابن ماجه فی ۱/۱۰۷ الحدیث رقم ۲۹۲، ومالك فی الموطأ ۲/۹۲۱ الحدیث رقم ۳ من کتاب صفة النبی ﷺ وأحمد فی المسند ۲/۴۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت سے ہیں نمبر۱ ختنہ کرنا نمبر۲ زیر ناف کیلئے لوہے کا استعمال (استرہ، بلیڈ) نمبر۳ مونچھیں کاٹنا نمبر۴ ناخن ترشوانا نمبر۵ بغل کے بال اکھاڑنا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قال رسول اللّٰہ ﷺ "الفطرۃ": مراد اس سے فطرت اسلام ہے۔ قاضیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ فطرت کی تفسیر اس سنت قدیمہ کے ساتھ کی گئی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا تھا اور اس پر شرائع متفق تھیں گویا کہ یہ ایک جبلی امر ہے جس پر ان کو پیدا کیا گیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ "فطرت" کی تفسیر میں یہ سب سے بہترین اور جامع بات ہے۔

الختان: "خاء" کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ القاموس میں ہے: **ختنه یختنه فهو ختین و مختون قطع غرلته**" غرلة "ختان" اسم ہے، جیسا کہ "کتاب" ہے۔ "غرلة" "قلفه" کو کہتے ہیں۔

شرح "شرعۃ الاسلام" میں مذکور ہے کہ ختان سنن میں سے ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اکثر علماء اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ یہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس میں تشدد کیا ہے اور فرمایا کہ غیر مختون شخص کی گواہی، نماز اور ذبیحہ قبول نہ کی جائے۔ ابن شریحؒ کہتے ہیں کہ ستر عورت بالاتفاق واجب ہے۔ اگر ختان واجب نہ ہوتا تو پھر اس کا کشف بھی جائز نہ ہوتا۔ لہٰذا اس کے کشف کا جواز اس کے وجوب کی دلیل ہے۔ ("کذا فی التنویر") اور ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مراد یہ ہو کہ یہ سنت سے ثابت ہے، نہ کہ یہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اکثر کتب اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ "ختان" سنت ہے۔ لیکن اگر وہ مکمل طور پر مختون پیدا نہ ہوا ہو اور ہم نے اس کو اس لئے مقید کیا کیونکہ "الخلاصہ" اور "مجمع

الفتاویٰ'' میں ہے کہ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہوا۔ اس طور کہ اگر اس کو کسی انسان نے دیکھا اور کہ اس کا ختنہ ہو چکا ہے اور اس پر دوسری مرتبہ ختنہ تکلیف کا باعث بنتا ہو اور حجاموں میں سے اہل بصیرت نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تو اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

اور ''زین العرب'' میں مذکور ہے، کہ چودہ انبیاء مختون پیدا ہوئے ہیں: ❶ حضرت آدم علیہ السلام، ❷ شیث، ❸ نوح، ❹ صالح، ❺ شعیب، ❻ یوسف، ❼ موسیٰ، ❽ زکریا، ❾ سلیمان، ❿ عیسیٰ، ⓫ خظلہ بن صفوان یہ ''اصحاب الرس'' کے نبی تھے۔ ⓬ حضرت محمد ﷺ۔ صاحب الشرعۃ نے لکھا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام مختون پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی عزت واکرام کی وجہ سے۔ تاکہ کوئی شخص ان کے ستر کی طرف نہ دیکھے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر ختنہ کے پیدا ہوئے۔ انہوں نے بذات خود اپنا ختنہ کیا۔ تاکہ بعد والوں کیلئے سنت قرار دیا جائے۔ یہ ساری بات مرد کے لئے ہے۔

عورتوں کا ختنہ:

البتہ عورتوں کیلئے یہ باعث عزت واکرام ہے۔ چنانچہ خزانۃ الفتاویٰ میں ہے کہ مردوں کیلئے ختنہ کرانا سنت ہے۔ البتہ عورت کے ختنہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ ادب القاضی میں اس کو مکروہ لکھا ہے اور ایک اور جگہ پر اس کو ''سنت'' کہا ہے۔ بعض علماء نے اس کو ''واجب'' کہا ہے اور بعض نے اس کو ''فرض'' کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سنت ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''الختان سنة للرجال ومكرمة للنساء'' اس کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ ابوملیح سے روایت کیا ہے اور طبرانیؒ نے شداد بن اوس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور ''فتاویٰ الصوفیۃ'' میں ہے کہ ختنہ کا وقت ساتویں سال سے دسویں سال تک ہے۔ (انتھی) گویا اس سے مراد افضل و اعدل وقت ہے۔

قولہ: الاستحداد: زیر ناف بالوں کو مونڈنا باب استفعال سے ہے اور ماخذ ''حدید'' ہے۔ اس سے مراد لوہے کا استعمال ہے جیسا کہ استرا ہے۔ مرد کے ذکر کے اردگرد اور عورت کی فرج کے اردگرد کے بال قاضی ابن شریح نے ''حلقة الدبر'' کو بھی شامل کیا ہے۔ گویا کہ انہوں نے ''عانۃ'' سے مراد مطلق ''منبت الشعر'' لیا ہے اور مشہور قول اول ہی ہے۔ اگر بالوں کو لوہے کے آلہ کے علاوہ کسی اور چیز سے زائل تو یہ طریقہ نہیں ہوگا۔ (کذافی شرح المشارق) اور اس بات کو جاننا لازمی ہے کہ حالت جنابت میں کہیں کے بھی بال نہ کاٹے جائیں۔

قولہ: وقص الشارب: اس سے مراد وہ بال ہیں جو اوپر والے ہونٹ کے کنارے اگتے ہیں۔ نسائی کی روایت میں ''حلق الشارب'' بھی ہے اور نسائی کی ایک اور روایت میں ''تقصیر الشارب'' کے الفاظ بھی ہیں۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ''قص الشارب'' کے بارے میں قول مختار یہ ہے کہ مونچھوں کے بال اس طرح کاٹے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔ لیکن ''احفاء'' نہ کرے۔ البتہ یہ جو روایت ہے: ''احفوا'' تو اس کو معنیٰ یہ ہے: **أزيلوا ماطال على الشفتين** کہ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ ڈالو۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں ''قص الشارب'' ~~یہ ہے~~ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو تراشا جائے اس طور پر کہ کھانے

والے کو تکلیف نہ دیں اور نہ ہی اس میں میل کچیل جمع ہو اور فرمایا کہ ''احفاء'' سے مراد بھی یہی ''قص'' مذکور ہے اور امام مالکؒ کے ہاں اس سے مراد ''استئصال'' نہیں ہے اور بعض کوفیوں کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد استیصال ہے۔ امام طبری اس میں تخییر کے قائل ہیں' چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ ''احفا'' کا معنی ''استصال'' ہے۔ اور ''نھک'' بھی اسی طرح ہے۔ ''نھک'' نون اور کاف کے ساتھ ہے۔ اس میں مبالغہ ہے۔ سنت کی دلالت ان دونوں امور پر ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ''قص'' بعض بالوں کے قطع پر دلالت کرتا ہے جب کہ ''احفاء'' کل کے قطع پر دلالت کرتا ہے اور دونوں ثابت ہیں اور عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ احادیث مرفوعہ میں ان دونوں امور کے ثبوت کو ترجیح حاصل ہے (کذا حققہ سیوطیؒ)

المحیط میں ہے کہ حلق کے بال نہ منڈوائے جائیں امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ابرو کے بال اور چہرے کے بال کاٹے بشرطیکہ اس کی مشابہت مخنثوں کے ساتھ نہ ہو۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ گدی کے بالوں کا حلق مکروہ ہے۔ البتہ پچھنے لگوانے کے وقت درست ہے۔ البتہ سینے اور کمر کے بال کاٹنا ترک ادب ہے۔ (کذا فی البنایۃ)

قولہ: وتقلیم الاظفار: اس میں مستحب وہی ہے جو علامہ امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے اور امام غزالیؒ نے ''الاحیاء'' میں اس کو اختیار کیا ہے کہ پاؤں سے پہلے ہاتھوں کے ناخن تراشے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے' اس کے بعد درمیانی انگلی پھر بنصر' پھر چھنگلیا۔ پھر انگوٹھا پھر بائیں ہاتھ کے کاٹے۔ کہ خنصر سے شروع کر کے آخر تک کاٹتا چلا جائے۔ پھر دائیں پاؤں کی خنصر سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی نصر پر ختم کرے۔

''القنیۃ'' میں ہے کہ جب آدمی اپنے ناخن یا بال کاٹے تو تراشے ہوئے بال اور ناخن دفن کر دینا چاہئیں۔ اگر اس کو پھینک دیا، تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر اس کو بیت الخلا' یا غسل خانہ میں ڈالے تو یہ مکروہ ہے

بیہقیؒ کی ایک حدیث مرسل میں ہے: **کان ﷺ یقلم أظفاره ویقص شاربه یوم الجمعة قبل الخروج الی الصلاة**۔ کہ نبی علیہ السلام جمعہ کے دن نماز کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور اپنی مونچھوں کے بال کترتے تھے۔

امام نوویؒ نے عبادی کی طرح روایت کیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ غنیٰ حاصل ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے ناخن جمعرات کے روز تراشے۔

ایک حدیث ضعیف میں ہے کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے ارشاد فرمایا: **یا علی قص الاظفار وانتف الابط' واحلق العانة یوم الخمیس والغسل والطیب واللباس یوم الجمعة** علی! اپنے ناخن تراشو' بغل کے بال نوچو اور زیر ناف بال مونڈھو۔ یہ سب کام جمعرات اور غسل، خوشبو اور کپڑے جمعہ کے روز۔

بعض کا کہنا ہے کہ جمعرات کے روز ناخن کاٹنے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے' بلکہ جب ضرورت پڑ جائے' ناخن وغیرہ کاٹ لے اور ان کی کیفیت ثابت نہیں ہے اور نہ کسی دن کی تعظیم کے بارے میں کوئی چیز ثابت ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علیؓ وغیرہ سے کلام منظوم منقول ہے، سو وہ باطل ہے۔ (ابن حجر العسقلانیؒ)

ناخن کے بارے میں فوائد متفرقہ:

ابن ابی حاتم نے اپنی ''تفسیر'' میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **کان لباس آدم الظفر بمنزلة الریش الطیر' فلما عصی سقط منه لباسه' وترکت الأظفار زینة ومنافع** حضرت آدم کا لباس ناخن تھے جیسا کہ پرندوں کے بال و پر ہوتے ہیں۔ جب ان سے وہ لغزش سرزد ہوئی تو ان سے ان کا لباس گر گیا' اور ناخن زینت اور منافع بن کر رہ گیا۔ **کان آدم طوله ستون ذرا عافکساه الله هذا الجلد واعانه بالظفر یحك به۔** سدیؒ سے منقول ہے حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ جلد پہنائی اور ناخن کے ساتھ ان کی مدد کی۔

(کذا فی "اتمام الدرایة لقراء نقایة")

قولہ: ونتف الابط: ای نتف شعر الالط یعنی بغل کے بالوں کو نوچنا۔ ''ابط'' ہمزہ کے کسرہ اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ' اور کسرہ بھی منقول ہے' مذکر و مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ (کذا ذکرہ السیوطی) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "ابط" صحیح مسلم، بخاریؒ جامع الاصول اور بعض نسخ مصابیح میں صیغہ افراد کے ساتھ منقول ہے اور بعض نسخوں میں "آباط" صیغہ جمع کے ساتھ ہے اور القاموس میں ہے کہ "ابط" کندھے کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں اور باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کبھی اس کو مؤنث پڑھا جاتا ہے اور جمع "آباط" آتی ہے۔

شرح المشارق میں فرماتے ہیں، کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ بغل کے بالوں کو مونڈنا سنت نہیں ہے بلکہ نوچنا سنت ہے۔ کیونکہ حلق سے اس کے بال گھنے ہو جاتے ہیں اور بہت ہی کریہ بدبو کا باعث بنتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں، کہ نوچنا اس شخص کیلئے افضل ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو، اسلئے کہ حکایت ہے کہ امام شافعیؒ بغلوں کے بال کا حلق کرواتے تھے۔ فرمایا، کہ مجھے معلوم ہے کہ اس میں سنت عمل نوچنا ہے، لیکن میں درد برداشت نہیں کر سکتا۔ ''الفردوس'' میں عبداللہ بن بشیر سے مرفوعاً منقول ہے: **''لاتنقفوا الشعر الذی یکون فی الانف فانه یورث الأ کله' ولکن قصوه قصا۔''** (شرح السنہ)

جامع صغیر میں اس طرح ہے: **"خمس من الفطرة– الخ"**. اس کو احمد اور شیخین نے ذکر کیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: **"الفطرة خمسٌ"** کا معنیٰ ہے **"خمس من الفطرة"**۔ جیسا ایک اور روایت میں ہے: **"عشر من الفطرة"** البتہ **"فطرة"** دس کے عدد میں منحصر نہیں ہے۔ ان خصال میں سے اکثر سنت ہیں' واجب نہیں ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ ''ختنہ'' ہے اور واجب کو غیر واجب کے ساتھ ملانا کوئی ممتنع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ [الانعام: ۱۴۱] ''**ایتاء** ''واجب ہے اور ''**اکل**'' واجب نہیں ہے۔

ختنہ کی شرعی حیثیت:

امام شافعیؒ کے ہاں ختنہ مردوں اور عورتوں دونوں پر واجب ہے۔ البتہ مرد پر اس تمام چمڑی کو کاٹنا لازم ہے جس نے ''حشفہ'' کو ڈھانپ رکھا ہے یہاں تک کہ ''حشفہ'' ظاہر ہو جائے اور عورت پر فرج کے اوپری حصہ میں سے معمولی سا کاٹنا لازم ہے۔

ڈاڑھی بڑھاؤ مونچھیں کٹاؤ

۴۴۲۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰی وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنْھِکُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰی۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۵۱ الحدیث رقم ۵۸۹۳، ومسلم فی ۱/۲۲۲ الحدیث رقم (۵۲-۲۵۹)، وأبو داؤد فی السنن ٤/٤١٣ الحدیث رقم ٤١٩٩، والترمذی فی السنن ٥/٨٨ الحدیث رقم ٣٧٦٣، والنسائی فی ٨/١٨١ الحدیث رقم ٥٢٢٦، وأحمد فی المسند ٢/٥٢۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو۔ (وہ مونچھیں بڑھاتے اور ڈاڑھی کترواتے ہیں) تم مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ لبوں کو خوب پست کرو اور ڈاڑھیوں کو چھوڑ دو۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: قال رسول اللّٰہ ﷺ "خالفوا المشرکین أوفر واللحی وأ حفوا الشوارب: کیونکہ وہ داڑھی کترتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ لمبی ہو جاتی ہے۔ اگلا جملہ اس کی تفسیر ہے۔

"او فروا": اس کا معنیٰ ہے، "اکثروا" خوب بڑھاؤ۔

اللحی: یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی درست ہے۔ قصر کے ساتھ ہے "لحیة" کی جمع ہے۔ "لحیة" لام کے کسرہ کے ساتھ۔ اس کا اطلاق اُن بالوں پر ہوتا ہے جو گالوں اور ٹھوڑی پر اُگتے ہیں۔ (ذکرہ سیوطیؒ) معنیٰ اس کا یہ ہے کہ تم بکثرت داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کرو اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا کرو اور اس کو زیادہ ہونے کے لئے چھوڑ دو۔

قوله: "واحفوا الشوارب" ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔ جامع صغیر میں اس جملہ کو پہلے جملہ پر مقدم کیا ہے۔ "المغرب" میں ہے "احفی شاربه" حائے مہملہ کے ساتھ اس کا معنیٰ ہے، کہ اس کے کاٹنے میں خوب مبالغہ سے کام لینا۔ بعض نے کہا ہے کہ "احفاء" حلق کے قریب ہے۔ (یعنی اتنا کاٹنا کہ وہ حلق معلوم ہو)۔ البتہ مونچھوں کے بارے میں حلق وارد نہیں ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ قاضی عیاضؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ "احفاء" کلام میں استقصاء کو کہتے ہیں، پھر اس کو "اخذ شارب" میں استقصاء کے لئے مستعار لے لیا گیا۔

قوله: "انهکوا الشوارب": ہمزہ کے فتحہ اور هاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں ہمزہ وصلی مکسور اور ہا، مفتوح ہے۔ کہا جاتا ہے: نهك کفرح وأنهك بالغ فی قصه

قوله: واعفوا: یہ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔ بمعنیٰ "أوفروا"۔

فائدہ: "الاحیاء" میں ہے کہ دس مکروہ خصال ہیں۔ جن میں سے بعض بعض سے زیادہ شدید ہیں: ❶ کالے رنگ کا خضاب لگانا۔ ❷ داڑھی کو "کبریت" وغیرہ کے ساتھ سفید کرنا۔ ❸ داڑھی کو نوچنا ❹ سفید بالوں کو نوچنا۔ ❺ اس میں کمی کرنا۔ ❻ اس میں اضافہ کرنا ریاء کیلئے ❼ اس میں کنگھی کرنا۔ ❽ اس کو پراگندہ چھوڑنا زُہد کے اظہار کیلئے۔ ❾ اس کے کالے رنگ کو

دیکھ کر جوانی کا اچھا لگنا اس کی سفیدی کو دیکھنا، تا کہ بڑھاپے اور زیادہ عمری کا اندیشہ ہو۔ ⑩ اس کو سفید یا سرخ رنگ دینا تا کہ صالحین کے ساتھ تشبیہ ہو جائے، نہ کہ اتباع سنت ہو جائے اور امام نوویؒ نے اس کا بھی اضافہ کیا ہے: ① داڑھی کو گرہ لگانا ② اس کو تہہ در تہہ رکھنا ③ داڑھی کو مونڈھوانا۔ البتہ اگر عورت کی داڑھی ہو تو اس کیلئے اس کو حلق کرنا مستحب ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ)

آگے اس بات کی تفصیل آ جائے گی کہ داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹنا مستحب ہے۔ لیکن وہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ وہ مٹھی کی مقدار سے بڑھ جائے۔ یہ ابتداء میں ہے۔ البتہ جب وہ طویل ہو جائے۔ تو پھر اس کے کاٹنے کے بارے میں علماء فرماتے ہیں، کہ اس کو کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اندیشہ ہے کہ یہ مثلہ بن جائے گا اور میں کہتا ہوں کہ اس کے کاٹنے میں تدریج سے کام لے۔ تا کہ وہ سنت کے مطابق مشابہ ہو جائے اور اعتدال متعارف ہو جائے۔ نہ کہ وہ اس کو ایک دم کاٹ ڈالے کہ جس سے وہ مثلہ بن جائے۔

چالیس دن کے اندر اندر چار کام انجام دو

۴۴۲۲: وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ وَقَّتَ لَنَا فِیْ قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِیْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبْطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَا نَتْرُكَ مِنْ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۲۲۲/۱ الحديث رقم (۵۱-۲۵۸)، والترمذی فی السنن ۸۶/۵ الحديث رقم ۲۷۵۹، والنسائی فی ۱۵/۱ الحديث رقم ۱۴، ابن ماجه فی ۱۰۸/۱ الحديث رقم ۲۹۵، وأحمد فی المسند ۲۵۰/۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ چالیس دن مونچھیں کٹوانے، ناخن ترشوانے، بغل کے بال دور کرنے اور زیرِ ناف کیلئے مقرر فرمائے۔ یعنی چالیس سے زیادہ دن ان کو نہ چھوڑا جائے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: وقت رسول الله ﷺ لنا فی قص الشارب ---من أربعين ليلة:

یہ "توقیت" سے فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ ای بین لأجلنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو اتنا نہ چھوڑیں کہ وہ مدت چالیس یوم سے تجاوز کر جائے۔ نہ یہ کہ چالیس روز اس کو چھوڑے رکھنے کی مدت ہے۔ کیونکہ حلق، ناخن تراشتے، اور لبیں تراشنے میں مختار اس کی طوالت ہے۔ جب یہ طویل ہو جائیں تو پھر حلق کرے، مونچھے کٹوائے اور ناخن تراشے۔ (ذکرہ نوویؒ)

"شرح السنۃ" میں حضرت ابوعبداللہ الاغر سے روایت ہے: ان رسول الله ﷺ كان يقص شاربه ويأخذ من أظفاره فی كل جمعة: کہ رسول اللہ مونچھیں کاٹتے تھے اور ناخن کو تراشتے تھے ہر جمعہ کے روز۔ (انتھی) اس کا مفہوم یہ ہے کہ "حلق عانة" اور "نتف ابط" کو آپ مؤخر کیا کرتے تھے اور وہ ظاہر ہے اس لئے ہے کہ ایک ہفتہ میں وہ اتنی طویل نہیں بڑھتیں۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں، بعض روایات میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: أن النبی ﷺ كان يأخذ أظفاره ويحفی

شاربه فی کل جمعة ،ویحلق العانة عشرين یوما ،ونتف الابط فی کل أربعین یومًا۔ کہ رسول اللہ ہر جمعہ کو ناخن کاٹتے تھے۔ مونچھیں کترتے تھے، زیر ناف بالوں کو بیس روز میں کاٹتے تھے اور بغلوں کے بالوں کو چالیس روز میں نوچتے تھے۔

"القنیہ" میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ آدمی یہ کام ہر ہفتہ کر لیا کرے: ❶ ناخن تراشنا، ❷ مونچھ کترنا، ❸ زیر ناف بال مونڈنا ❹ غسل کرنا۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر ہر پندرہ روز میں کرے، اور چالیس روز کے بعد تک چھوڑنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ہفتہ کی مدت افضل ہے، پندرہ یوم کی اوسط ہے اور چالیس روز کی مدت ابعد ہے، اور چالیس یوم سے زیادہ مؤخر کرنا کوئی عذر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔

مظہرؒ کہتے ہیں کہ ان اشیاء کی توقیت کے بارے میں بعض ایسی احادیث آئی ہیں جو "المصابیح" میں نہیں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ اور ابو عبداللہ الاغرؓ سے روایت ہے، کہ نبی علیہ السلام ہر جمعہ کو نماز جمعہ سے پہلے اپنی مونچھیں اور ناخن کاٹتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام ہر چالیس دن میں زیر ناف کو مونڈتے تھے اور بغلوں کے نیچے والے بالوں کو نوچتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ ہر مہینے میں۔ یہ سارے اقوال میں سے معتدل ترین قول ہے۔

قاضی خان فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی ناخن تراشنے اور سر کے بال مونڈھوانے کیلئے جمعہ کا دن مقرر کر دے، تو اگر وہ اس جمعہ کے علاوہ کے دن میں اس کے جواز کا قائل ہے لیکن وہ کسی اور دن تک بہت زیادہ مؤخر کر دیتا ہے تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ جس کے ناخن طویل ہوں گے اس کا رزق تنگ ہوگا۔ البتہ اگر آخری مدت سے تجاوز نہ کیا احادیث سے تبرک حاصل کرنے کی خاطر مؤخر کیا تو یہ مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے: **من قلم أظافيره يوم الجمعة أعاذه الله من البلايا الى الجمعة الأخرى وزيادة ثلاثة ايام۔** کہ جس نے جمعہ کے دن اپنے ناخن تراشے اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے جمعہ تک مصائب سے بچائے گا۔ (انتھی) اور اس کے ساتھ تین دن مزید۔

اس بات میں کوئی خفاء نہیں کہ "حلق رأس" کے ذکر کا اس مقام میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی عدم تعیین میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس سے سنت کی مخالفت آتی ہے۔ نہ کہ یہ علت کہ یہ رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ صحیح بھی ہو، تو یہ اس مخالفت پر تفریع ہے نہ کہ یہ تعلیل میں اصل ہے۔ (فتأمل)

سیاہ رنگ کے علاوہ خضاب کرو

۴۴۲۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰/۳۵۴ الحديث رقم ۵۸۹۹، ومسلم فی ۳/۱٦٦۳ الحديث رقم (۸۰-۲۱۰۳)، وأبو داوٗد فی السنن ٤/٤۱۵، الحديث رقم ٤۲۰۳، والنسائی فی ۸/۱۳۷ الحديث رقم ۵۰۷۲، وابن ماجه فی ۲/۱۹٦ الحديث رقم ۳٦۲۱، وأحمد فی المسند ۲/۲٤۰۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود ونصاریٰ بیشک خضاب نہیں کرتے تم یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو۔ یہ بخاری، مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: "ان اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم:

"يصبغون": بائے موحدہ کے ضمہ کے ساتھ ہے، ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ اور ایک دوسرے نسخہ میں کسرہ کے ساتھ ہے القاموس میں ہے کہ صبغ "منع" ضرب اور نصرب کی طرح ہے اور مفعول محذوف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی داڑھیوں کو خضاب نہیں لگاتے۔ لہٰذا تم اپنے داڑھیوں کو مہندی لگا کر ان کی مخالفت کرو۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

سیاہ رنگ کے خضاب سے بچو

۴۴۲۴: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اُتِيَ بِاَبِيْ قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَاْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ كَالثُّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۶۶۳/۳ الحديث رقم (۷۹۔۲۱۰۲)، وأبو داؤد في السنن ۴۱۵/۴ الحديث رقم ۴۲۰۳، والنسائي في ۱۸۵/۸ الحديث رقم ۲۵۴۲، وابن ماجه في ۱۱۹۷/۲ الحديث رقم ۳۶۲۴۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کے لئے فتح مکہ کے دن لائے گئے۔ انہوں نے اسی دن اسلام قبول کیا۔ اس وقت ان کی ڈاڑھی اور سر ثغامہ کی طرح سفید تھے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان کی سفیدی کو کسی چیز سے بدل ڈالو۔ البتہ سیاہ رنگ سے بچو یعنی سیاہ رنگ نہ کرنا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: "الثغامة": تصحیح شدہ نسخ میں ثاء کے ضمہ اور غین معجمہ کے ساتھ ہے۔ میرک شاہؒ نے بھی اس کو اسی طرح ضبط کیا ہے بعض کا کہنا ہے کہ اس میں تینوں حرکات درست ہیں۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ لیکن القاموس میں ہے کہ "الثغام" بروزن "السّحاب" ہے۔ ایک جڑی بوٹی کا نام ہے۔ جس کو فارسی میں "درمنہ" کہتے ہیں۔ اس کا واحد تا کے ساتھ (ثغامۃ) آتا ہے سفیدی میں سر ثغامہ کی طرح تھا اور النہایہ میں ہے کہ یہ ایک بوٹی ہے جو بالکل سفید ہوتی ہے۔ بوڑھاپے کو اس کے پھل اور پھول کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

بیاضًا: یہ اس تشبیہ سے تمیز نسبتی ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ وغیرہ)

واجتنبوا السواد: علامہ ابن الملکؒ کہتے ہیں، کہ یہ غیر غازیوں کے لئے ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مجاہد اپنی داڑی کالی کرے تا کہ دشمن کے دلوں میں رعب پڑے۔ تزین کیلئے نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مروی ہے کہ رعب کے لئے حضرت عثمان، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اپنی داڑھیوں کو کالا خضاب لگاتے تھے۔

امام احمدؒ نے حدیث انسؓ کی تخریج یوں کی ہے ابو بکر صدیق اپنے والد ابو قحافہ کو فتح مکہ کے دن آپ کے پاس اٹھا کر لائے

اور آپ کے سامنے رکھ دیا' انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال سفیدی میں ثغامہ کی طرح تھے۔ الخ

طبریؒ اور ابن ابو عاصم نے حضرت جابرؓ سے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے: **فذھبوا به و خمروه** ۔ کہ وہ ان کو لے گئے اور ان کی داڑھی کو سرخ کر دیا امام احمد اور نسائی نے حضرت زبیر سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے: **غیر والشیب ولا تشبھو ابا لیھود** کہ بالوں کی سفید کو تبدیل کر دو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو''۔ احمد و ابن حبانؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے **غیر واالشیب ولا تشبھو ابا لیھود والنصاری** اور احمد کی ایک اور روایت جس کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ مرد اور عورت کے لئے سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے' جب کہ کالا رنگ حرام ہے اور اس سے پہلے امام محمد کے حوالے سے گزرا ہے کہ انہوں نے اپنی ''موطأ'' میں فرمایا کہ ہم وسمہ، مہندی اور صفرہ کے خضاب میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اگر اس کو بالکل سفید چھوڑ دیا تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سب کام حسن ہیں۔

''الشرعۃ'' میں ہے کہ خضاب لگانا سنت ہے۔ قول وفعل دونوں سے ثابت ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ پہلی بات تو ابو ہریرہ ﷛ کی پچھلی حدیث سے ثابت ہے اور دوسری بات ابن عمرؓ کے اس قول سے ثابت ہے: **ان النبی ﷺ کان یصفر لحیته با لورس والز عفران**۔ یہ روایت عنقریب آئے گی۔

''مجمع الفتاوٰی'' میں ہے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی عمر میں خضاب لگایا ہے کہ نہیں؟: اصح یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے داڑھی میں خضاب نہیں لگایا کیونکہ ضرورت نہیں پڑھی اور سر کے بالوں کے بارے میں مشہور بات ہے، کہ مہندی لگائی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام نے سر کے بالوں میں کئی دفعہ خضاب لگایا ہے سر درد اور بخار کی وجہ سے میں کہتا ہوں اس کی تائید کئی احادیث سے ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث میں ہے: **اختضبوا بالحناء فانه یزید فی شبابکم وجمالکم ونکاحکم** آپؐ نے حکم دیا کہ مہندی کے ساتھ خضاب کرو کیونکہ یہ تمہاری جوانی' تمہارے جمال اور تمہارے نکاح میں اضافہ کرے گا۔ بزارؒ اور ابو نعیمؒ نے ''الطب'' میں اس کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت ہے: **اختضبوا بالجناء فانه طیب الریح یسکن الروع** اس کو ابو یعلی نے اور حاکم نے ''الکفی'' میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے: **اختصبوا وأفرقوا وخالفوا الیھود**۔ کہ خضاب لگایا کرو، مانگ نکالا کرو، اور یہود کی مخالفت کرو۔ اسی حدیث کو ابن عدی نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور اس کی مزید بحث آگے بھی آئے گی۔

وحی سے قبل اہل کتاب کی موافقت کا حکم جس میں امکان تحریف نہیں

۴۴۲۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْفِيْهِ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُ وْ سَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ ﷺ نَا صِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ . (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳٦۱ الحدیث رقم ۵۹۱۷، ومسلم فی ٤/۱۸۱۷ الحدیث رقم (۹۰-۳۳٦)، وأبو داؤد فیا لسنن ٤/٤۰۷ الحدیث رقم ٤۱۸۸، والنسائی فی ۸/۱۸٤ الحدیث رقم ۵۲۳۸، وابن ماجه فی ۲/۱۱۹۹ الحدیث رقم ۳٦۳۲، وأحمد فی المسند ۱/۲۸۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے ایسی چیزوں میں جس کے متعلق ابھی حکم نہ اترا ہوتا تھا۔اور اہل کتاب اپنے بالوں کو مانگ کے بغیر چھوڑتے اور مشرک مانگ نکالتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی کے بالوں کو چھوڑ دیتے بطور موافقت اہل کتاب کے مگر بعد میں آپ نے مانگ نکالنا شروع کیا۔ یہ بخاری، مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: كان يحب النبی ﷺ موافقة اهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه:** یعنی جس چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفت کا حکم نہ دیا گیا ہوتا۔ ابن الملک رحمہ اللہ کہتے ہیں، یعنی جن احکامات کے بارے میں مخالفت کا حکم نہ اترا ہوتا تھا

قوله: كان أهل الكتاب يسد لون أشعارهم: "یسدلون": دال کے ضمہ کے ساتھ ہے، کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔"المغرب" میں ہے کہ "سدل" باب "طلب" سے ہے، باب افعال سے پڑھنا غلط ہے۔اور قاموس میں لکھتے ہیں: **سدله يسدله ويسد له وأسدله أخاه وأرسله** یہاں پر "**سدل الشعر**" سے مراد یہ ہے کہ سر کے بالوں کو سر کے اردگرد چھوڑ دیتے تھے۔ان کو دو حصوں میں تقسیم نہ کرتے۔کہ نصف بال دائیں طرف ہوں اور نصف بائیں جانب، ایسا نہیں کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے، کہ "سدل" کا مطلب یہ ہے کہ بالوں کو اسی طرح چھوڑ دے کہ اس کے جوانب کو آپس میں جوڑ نہ دے۔امام نووی رحمہ اللہ کی "شرح مسلم" میں ہے، علماء فرماتے ہیں کہ سدل سے مراد یہ ہے کہ بالوں کو ماتھے پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو جوڑے کی طرح بنا دیا جائے اور "**الفرق**" سے مراد یہ ہے کہ بعض بالوں کو بعض سے جدا کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ "سدل" سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف لٹکا دے اس میں مانگ نہ نکالے اور "**فرق**" سے مراد یہ ہے کہ اس کو دو حصوں میں بانٹ دے اور ہر ایک حصہ کے ذوائب بھی ہو۔ یہ قول اس اگلے کلام کے زیادہ مناسب ہے:"**وكان المشركون يفرقون يفرقون**": راء کو کسرہ اور ضمہ دینا دونوں درست ہیں۔" علامہ عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**الفرق**" بالوں کی تقسیم کو کہتے ہیں اور "**مفرق**" سر کے درمیان کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں "**الفرق بين الشئين**" (دو چیزوں کے درمیان جدائی سے) ماخوذ ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چونکہ آپ کے پاس جبرئیل تشریف لائے تھے اور آپ کو مانگ کا حکم دیا تھا۔جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے مانگ نکالنا شروع کر دیا۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**موافقة اهل الكتاب مما لم يؤمر فيه شيئی**" کی تأویل میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شاید آپ علیہ السلام نے ابتدائے اسلام میں ان کی تألیف قلب کیلئے ایسا کیا ہو اور ان کی موافقت "عبدۃ الاصنام" کی مخالفت میں کیا کرتے ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مستغنی کر دیا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا تو آپ نے کئی امور میں ان کی (یہود و نصاریٰ) مخالفت کی۔ان میں سے ایک سفید بالوں کو رنگنا تھا۔

بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس میں احتمال ہے کہ آپ کو ان کی شریعتوں کی اتباع کا حکم دیا گیا ان چیزوں میں کہ جن

کے بارے میں کوئی وحی نہ اتری ہو۔لیکن یہ ان امور کے بارے میں تھا کہ جن کے بارے میں معلوم تھا کہ انہوں نے اس حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔

اس حدیث سے بعض اصولیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہم سے پہلی شریعتیں ہمارے لئے حجت ہیں جب تک کہ اس کے خلاف ہمارے پاس شریعت کا حکم نہ آ جائے اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ بلکہ یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ ہمارے لئے بطور شرع حجت نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کا فرمان ہے:"**یحب موافقتهم**" لہٰذا اس سے اشارہ ہو گیا، کہ آپ کو اس بارے میں اختیار تھا۔ اگر وہ ہمارے لئے شریعت ہوتی تو پھر اس کی اتباع کا حکم وجوبی ہوتا۔علماء فرماتے ہیں کہ "**فرق**" سُنت ہے۔ کیونکہ آپؐ نے اس کی طرف رجوع کیا تھا۔اس کی دلیل یہ ہے: **انه كان يحب موافقة اهل الكتب فيما لم يؤمر فيه**"۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں، کہ سدل منسوخ ہے۔لہٰذا اب سدل جائز نہیں ہے اور نہ ہی جمہ اس کو ماتھے پر ڈالنا ہی جائز ہے۔ فرمایا: کہ اس سے "**فرق**"(مانگ) کا جواز معلوم ہوتا ہے نہ کہ اس کا وجوب اور یہ احتمال بھی ہے کہ "**فرق**" ان کی مخالفت کے نتیجے میں اجتہادی عمل ہو بذریعہ وحی نہ ہو۔لہٰذا "فرق" مستحب ہوگا۔حدیث میں آتا ہے، کہ آپؐ کے بال مبارک "لمّہ" تھے کہ اگر مانگ نکالتے تو نکل آتی ورنہ اسی طرح چھوڑ دیتے تھے۔حاصل کلام صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ "سدل" جائز ہے اور "فرق" افضل ہے۔(انتھی) علامہ عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ حازمی نے جزم کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے کہ سدل "فرق" کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے اور استدلال معمر عن الزہری عن عبداللہ کی روایت سے کیا ہے:"**ثم امر بالفرق وكان الفرق آخر الامرين**" اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔(واللہ اعلم)

وہ امور جن میں نبی علیہ السلام نے اہل کتاب کی موافقت کی اور پھر ان کی مخالفت کی مندرجہ ذیل ہیں: ❶ وہ "سدل" اور "فرق" ہے۔ ❷ ابتداء میں مہندی کا ترک پھر اس کو شروع کر دیا ❸ صوم عاشوراء تھا۔پھر عاشوراء سے ایک روز قبل یا بعد کے روزے کے ساتھ ان کی مخالفت کر دی ❹ بیت المقدس کا استقبال پھر کعبہ کا۔ ❺ حائضہ کے ساتھ مخالطت کو ترک کیا، پھر اس سے منع ہونا، ❻ جنازہ کیلئے کھڑا ہونا، پھر اس کو ترک کیا۔ ❼ ہفتہ کے روز روزے سے منع ہونا بھی ہے۔یہ نسائی وغیرہ میں متعدد طرق سے آیا ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ منسوخ ہے اور اس کیلئے ناسخ حضرت "امّ سلمہ" کی حدیث ہے: **انه ﷺ كان يصوم يوم السبت والأحد يتحرى ذلك ويقول :انها يو ما عيد الكفار وأنا أحب أن أخالفهم** کہ آپ علیہ السلام ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اس کیلئے کوشش کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن کفار کی عید کے ہیں اور میں ان کی مخالفت کو پسند کرتا ہوں اور ایک روایت میں آتا ہے **مامات رسول الله ﷺ حتى كان أكثر صيامه يوم السبت والأحد**۔ کہ آپ علیہ السلام جب فوت ہوئے، تو اس سے پہلے آپ کے اکثر روزے ہفتہ اور اتوار کے دن کے تھے۔ "یوما" میں اشارہ ہے کہ ہفتہ یہود کی عید کا دن ہے اور اتوار نصاریٰ کی عید کا دن ہے۔

قزع (انگریزی بالوں) کی ممانعت

۴۴۲۶: وَعَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ قِيْلَ

لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ۔

(متفق عليه والحق بعضهم التفسير بالحديث)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰/۳٦۳ الحديث رقم ۵۹۲۰، ومسلم فی ۱٦۷۵.۳ الحديث رقم ۲۱۲۰/۱۱۳، وأبو داوٗد فی السنن ٤/٤۱۰ الحديث رقم ٤۱۹۳، والنسائی فی ۸/۱۸۲ الحديث رقم ۵۲۲۹، وابن ماجه فی ۲/۱۲۰۱ الحديث رقم ۳٦۳۷، وأحمد فی المسند ۲/٤۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ قزع سے منع فرماتے تھے نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کیا چیز ہے۔ انہوں نے کہا کہ سر کا کچھ حصہ مونڈا جائے اور کچھ حصہ چھوڑا جائے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ بعض رواۃ نے تفسیر کو روایت سے ملایا اور کہا کہ قزع کا یہ معنیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

تشریح: قوله: سمعت النبی ﷺ ينهى عن القزع: قاف کے فتحہ، زاء اور عین مہملہ کے ساتھ ہے۔ شرح السنہ میں ہے کہ ''قزع'' اصل میں بادل کے متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ سر کے بالوں کے جدا جدا ہونے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

قوله: قيل لنافع مالقزع؟ قال تحلق بعض راس الصبی ويترك البعض: تحلق: بصیغۂ مجہول ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں، کہ ''قزع'' سر کے بعض بالوں کو حلق کرنے کو کہتے ہیں۔ یہی اصح قول ہے۔ کیونکہ یہ راوی کی تفسیر ہے اور ظاہر کے مخالف بھی نہیں ہے لہٰذا اس پر عمل واجب ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ ''قزع'' مکروہ ہے۔ اگر یہ مختلف جگہوں پر ہوں۔ ہاں اگر دوائی کیلئے ہو تو پھر مکروہ تنزیہی ہے۔

بعض رواۃ محدثین نے اس تفسیر موقوف کو حدیث مرفوع کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اس طور پر کہ اس میں سے ''قيل لنافع'' کو حذف کیا ہے اور باقی حدیث کو مسلسل کر دیا ہے۔

تمام سر مونڈ دو یا تمام چھوڑ دو

۴۴۲۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَأْسِهٖ وَتُرِكَ بَعْضُهٗ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ احْلِقُوْا كُلَّهٗ اَوِ اتْرُكُوْا كُلَّهٗ۔ (رواه مسلم)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤۱۱ الحديث رقم ٤۱۹۵، والنسائی فی ۸/۱۳۰ الحديث رقم ۵۰٤۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس کا کچھ سر مونڈا گیا تھا اور بعض حصہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ آپ نے لڑکے کی پرورش کرنے والوں کو اس سے منع کیا اور فرمایا تمام سر مونڈ دو یا تمام چھوڑ دو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قد حلق: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

''عن ذلك'' مشار الیہ امر مذکور ہے۔ای عماذ کر من حلق البعض و ترك البعض اس میں اشارہ ہے، کہ حج وعمرہ کے علاوہ میں بھی حلق رأس جائز ہے اور یہ کہ آدمی کو حلق اور ترک حلق کے درمیان اختیار ہے۔لیکن افضل یہ ہے کہ سر کو حلق نہ کیا جائے مگر عمرہ یا حج میں۔جیسا کہ آپ علیہ السلام اور آپؐ کے صحابہ کیا کرتے تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارے میں متفرد تھے جیسا کہ آغاز باب میں گذرا۔

جامع صغیر میں ہے:''احلقوه كله او اتركوه كله''. رواه ابو داوٗد، والنسائی

مخنثوں پر لعنت فرمائی

۴۴۲۸:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/٣٣٣ الحديث رقم ٥٨٨٦، والترمذی فی السنن ٥/٩٨ الحديث رقم ٢٧٨٥، والدارمی فی ٢/٣٦٤ الحديث رقم ٢٦٤٩، وأحمد فی المسند ١/٢٢٥۔

ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں میں سے مخنثوں پر لعنت فرمائی۔اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو دوسروں سے مشابہت اختیار کرنے والی ہوں۔اور فرمایا کہ مخنثوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح:قوله:لعن النبی المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء:

''مخنثین'': نون کے فتحہ وتشدید اور کسرہ کے ساتھ' پہلا ضبط زیادہ مشہور ہے۔خنث یخنث کعلم یعلم سے ماخوذ ہے: سے مراد وہ لوگ ہیں جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔حلیہ لباس، شکل وصورت، خضاب، آواز وتکلم میں اور تمام حرکات وسکنات میں۔یہ فعل منھی عنہ ہے کیونکہ یہ ''تغير لخلق الله'' ہے۔

''المترجلات'' جیم مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔وہ عورتیں جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں ہیئت بنانے میں چلنے میں اور رفع صورت وغیرہ میں۔رائے اور علم کے لحاظ سے مشابہت مذموم نہیں' کیونکہ اس میں تو ان کے ساتھ مشابہت محمود ہے۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں روایت ہے: كانت رجلة الرأی ان کی رائے مردوں کی رائے کی طرح تھی۔(النہایہ کے)۔

قوله:وقال أخرجوهم من بيوتكم۔شرح السنہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک مخنث لایا گیا، جس نے اپنے ہاتھ پاؤں پر مہندی رچائی ہوئی تھی آپ نے حکم دیا تو اس کو ''نقیع'' کی طرف بدر کر دیا گیا۔''شرعۃ الاسلام'' میں ہے کہ مہندی عورتوں کیلئے سنت ہے اور مردوں کیلئے مکروہ ہے۔ہاں اگر کوئی عذر ہو تو جائز ہے۔(مردوں کے لئے مہندی لگانا مکروہ ہے) کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔(انتھی) عنقریب متن میں بھی اس مسئلہ کا بیان آئے گا۔اہل یمن پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ ان کے مرد حناء لگاتے ہیں حالانکہ یہ روافض کا شعار بھی ہے۔

كذا آبو داود والترمذی۔

مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت

۴۴۲۹ :وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ مُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۳۲/۱۰ الحدیث رقم ۵۸۸۵، والترمذی فی السنن ۹۸/۵ الحدیث رقم ۲۷۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان مردوں پر لعنت کرے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی ہوں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:لعن اللّٰه المتشبهين من الرجال بالنساء، ......:

اس میں اخبار و دعاء دونوں کا احتمال ہے۔

مخنث کی اقسام:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ ہے جو پیدائشی طور پر عورتوں کی طرح ہو۔ یعنی اس کے اخلاق حلیہ و ہیئت، حرکات و سکنات، بول چال بلا تکلف عورتوں کی طرح ہو، تو اس پر کوئی ذم نہیں ہے۔ نہ اس میں کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی عقوبت۔ کیونکہ وہ معذور ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جو عورتوں کے اخلاق، حرکات و سکنات، ان کے کلام اور ان کے حلیہ کو بتکلف اپنائے۔ یہی دوسری قسم مذموم ہے کہ جس کے بارے میں حدیث میں لعنت آئی ہے۔

تخریج: و كذا احمد، ابو داود، والترمذی وابن ماجة.

بال ملانے اور ملوانے والی عورتیں لعنت کی حقدار ہیں

۴۴۳۰ :وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۷۴/۱۰ الحدیث رقم ۵۹۳۷، ومسلم فی ۱۶۷۷/۳ الحدیث رقم ۱۱۹۔۲۱۲۴، وأبو داوٗد فی السنن ۳۹۷/۴ الحدیث رقم ۴۱۶۸، والترمذی فی ۲۰۷/۴، الحدیث رقم ۱۷۵۹، وابن ماجه فی ۶۳۹/۲ الحدیث رقم ۱۹۸۷، وأحمد فی المسند ۲۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر لعنت

فرمائی جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال ملائے۔ (یعنی بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کیلئے) اور اس عورت پر لعنت کی جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملوائے اور اس عورت پر لعنت کی جو بالوں کو گودنے والی اور گدوانے والی ہو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: المستوصلة: وہ عورت جو غیروں سے ایسا کرواتی ہو اور حکم کرتی ہو کہ وہ اس کے بالوں کے ساتھ ایسا کریں۔ لفظ "مستوصلة" مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا یہاں پر "تاء" باعتبار نفس کے ہے۔ یا باعتبار اکثر کے ہے کہ اکثر عورتیں ایسا کرواتی ہیں یا اس پر خوش ہوتی ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ وصل کے بارے میں احادیث تحریم صریح ہیں اور یہی مسلک ظاہر و مختار ہے۔ ہمارے اصحاب نے اس میں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کسی انسان کے بالوں کو ملایا، تو یہ بلا اختلاف حرام ہے کیونکہ انسان کے بالوں اور اس کے اجزاء سے انتفاع اس کی کرامت کی وجہ سے حرام ہے۔ غیر انسان کے ظاہر بال اگر وہ عورت لگوائے جس کا مولیٰ یا شوہر نہ ہو تو یہ بھی حرام ہے، اور اگر (عورت کا زوج یا آقا) ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ ان میں اصح یہ ہے کہ اگر اس نے یہ کام شوہر یا آقا کی اجازت سے کیا ہو تو جائز ہے۔ امام مالکؒ، طبریؒ اور اکثر علماء فرماتے ہیں، کہ وصل خواہ کسی بھی چیز کا ہو ممنوع ہے چاہے بال ہو یا اون ہو یا دھجی وغیرہ کا ہو۔ احادیث سے استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ یہاں پر نہی بالوں کے ساتھ مختص ہے، لہٰذا صوف وغیرہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے ساتھ وصل جائز ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، لیکن ان کا صحیح قول جمہور علماء کے موافق ہے۔

"وشم" کے احکام:

الواشمة: یہ "وشم" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جلد کو سوئی وغیرہ سے کریدا جائے کہ اس سے خون بہنے لگے پھر اس جگہ میں سرمہ، نیل، یا نورہ وغیرہ بھر دیا جائے جس سے وہ سبز ہو جائے۔

والمستوشمة۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ فعل فاعلہ اور مفعولة بها دونوں کیلئے حرام ہے اور جس جگہ میں وشم کیا جاتا ہے وہ نجس ہو جاتی ہے۔ اگر اس کا ازالہ علاج کے ساتھ ممکن ہو تو ازالہ واجب ہے اور اگر اس کا ازالہ زخم سے ممکن ہو، تو اگر اس سے تلف ہونے، یا عضو کے فوت ہونے یا منفعت کے فوت ہونے یا عضو میں کوئی بڑی بدصورتی آتی ہو، تو پھر اس کا ازالہ واجب نہیں ہے لیکن اگر کر لے گا تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا اور اگر ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا خدشہ نہ ہو تو پھر اس کا ازالہ لازم ہے اور تاخیر کرنے پر وہ گنہگار ہوگا۔

ورواه احمد والآربعة.

زبانِ نبوت سے چار ملعون عورتیں

۴۴۳۱: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَ تْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اِنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ

وَكَيْتَ فَقَالَ مَالِيْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِّيْهِ مَا قَرَأْتِ مَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ نَهٰى عَنْهُ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٨/٦٢٩ الحديث رقم ٤٨٨٦، ومسلم في ٣/١٦٧٨ الحديث رقم (١٢٠-٢١٢٥)، وأبو داؤد في السنن ٤/٣٩٧ الحديث رقم ٤١٦٩، وابن ماجه في ١/٦٤٠ الحديث رقم ١٩٨٩، والدارمي في ٢/٦٣ الحديث رقم الحديث رقم ٢٦٤٧، وأحمد في المسند ١/٤١٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر لعنت فرمائی۔ اسی طرح ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو اپنے منہ پر سے بالوں کو اکھڑوا دیں۔ اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو حسن کیلئے دانتوں کو تیز کرانے والی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی فطرت کو بدلنے والی ہیں۔ پس آپ کی خدمت میں ایک عورت آ کر کہنے لگی مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم ایسی عورتوں پر لعنت کرتے ہو۔ تو ابن مسعود فرمانے لگے کیا میں ان پر لعنت نہ کروں جن پر جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور اس کو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ملعون قرار دیا ہو۔ تو وہ عورت کہنے لگی میں نے اس قرآن کو تو پڑھا ہے جو دو جلدوں کے درمیان ہے مگر میں نے اس میں یہ بات نہیں پائی جو تم نے کہی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تو پڑھتی تو اس میں یہ پالیتی یعنی اگر غور و فکر سے پڑھتی تو پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ: مَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ...... یعنی جو تم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی ہاں یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ یہ بخاری، مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **الواشمات والمستوشمات:** "وشم" کے احکام پچھلی حدیث میں تفصیل سے گذر چکے ہیں۔

"**المتنمصات**": میم مکسورۃ مشددہ کے ساتھ ہے۔ وہ عورت جو موچنے کے ذریعہ چہرہ سے بالوں کے ازالہ کا مطالبہ کرتی ہے اور جو عورت یہ کام کرتی ہے، اس کو "نامصة" کہتے ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں، کہ یہ حرام ہے۔ مگر اس صورت میں کہ جب عورت کی داڑھی یا مونچھ نکل آئے، تو پھر جائز ہے۔

المتفلجات: لام مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ وہ عورت جو یہ فعل طلب کرے۔ یہ "فلج" سے ماخوذ ہے۔ فلج حرکت کے ساتھ ہے۔ ثنایا اور رباعیات کے درمیان والے خلا کو اور دانتوں کے درمیان والے فرق کو کہتے ہیں، (النہایہ) اس سے مراد وہ عورتیں ہیں کہ جو دانتوں میں ایسا کرتی ہیں، تا کہ ان کے حسن میں اضافہ ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عورت مراد ہے جو ثنایا اور رباعیات کے درمیان دوری پیدا کرتی ہے دانتوں کو باریک کروا کر۔ بعض کہتے ہیں یہ وہ عورت ہے کہ جو دانتوں کو باریک بناتی ہے اور ان کو مزین کرتی ہیں۔

"**للحسن**" میں لام تعلیل کیلئے ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس میں افعال مذکورہ کا تنازع ہو، لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس کا تعلق آخری فعل کے ساتھ کے ساتھ ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں، اور اس میں اشارہ ہے کہ اگر یہ فعل حسن کے لئے ہو تو

حرام ہے اور اگر ضرورت کے تحت ہو مثلاً علاج کیلئے یا دانتوں میں کوئی اور عیب ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"المغيرات": یہ ان تمام مذکورات کیلئے صفت ہے۔ "خلق الله": یہ مفعول ہے "المغيرات" کے لئے اور یہ جملہ وجوب لعن کے لئے بمنزلہ تعلیل کے ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ)

قوله: انه بلغني أنك لعنت كيت و كيت: "انه": یہ ضمیر ضمیر شان ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مذکورہ عورتوں پر لعنت بتلائی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان پر لعنت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان پر لعنت جائز نہیں ہے کہ جن پر اللہ نے لعنت نہ کی ہو۔

فقال مالي: یہ "ما" نافیہ ہے۔ یا استفہامیہ ہے۔ بمعنی "كيف" ہے۔ حدیث ابتداً تو موقوف تھی' انتہاءً مرفوع ہوگئی۔

ومن هو في كتاب الله: اس کا عطف موصول اوّل پر ہے۔ **اى ومن هو ملعون فيه۔** یعنی جس پر لعنت ضمناً مذکور ہے' اور چونکہ کلام مبہم تھا اس لیے وہ عورت منازعت پر اتر آئی.

ما بين اللوحين: ذکر طرفین کی وجہ سے اول تا آخر سارا قرآن مراد ہے۔ گویا کہ اس نے "لوحين" سے مراد اول مصحف اور آخر مصحف کے دونوں گتے مراد لئے ہیں۔

لئن كنت قراتيه لقد وجدتيه : تاء کے کسرہ میں اشباع کی بناء پر یاء بڑھائی گئی ہے: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ لام اول قسم کے لئے ہے اور لام ثانی جوابِ قسم کے لئے ہے۔ جو جواب شرط کا قائم مقام ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی: "**لو قراء تيه بالتدبر والتأمل لعرفت ذالك**"۔

أما قراءت: یہ ہمزہ استفہام انکاری کا ہے "ما" نافیہ ہے' اور اس (فعل) کا مفعول "**ما اتاكم الرسول**" ہے' اور جملہ محل نصب میں ہے۔

قوله: مااتاكم الرسول فخذوه: ایک نسخہ میں (واؤ کے ساتھ) "**وما اتاكم الرسول فخذوه**" ہے مطلب یہ ہے کہ بندے اس بات پر مأمور ہیں کہ جہاں رسول روک دے وہاں رک جایا کرو اور رسول اللہؐ نے مذکورہ چیزوں سے اس حدیث اور اس کے علاوہ احادیث میں منع کیا ہے۔ لہٰذا گویا کہ رسول اللہ ﷺ کے جمیع منہیات قرآن میں مذکور ہیں۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ کا "**و اشمات**" الخ پر لعنت کرنا ایسا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہو۔ لہٰذا اس حکم پر عمل لازم ہے۔

جامع صغیر میں یہ روایت "خلق الله" تک ہے۔ اور فرمایا: **رواه أحمد والشيخان والأربعة۔**

نظر لگنا برحق ہے

۴۴۳۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهٰى عَنِ الْوَشْمِ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٢٠٣/١٠ الحديث رقم ٥٧٤٠، ومسلم فی ١٧١٩/٤ الحديث رقم

(٤١-٢١٨٧)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نظر کی تاثیر برحق ہے۔ اور آپ نے گودنے سے منع فرمایا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قال رسول اللہ ﷺ: العین حق:

یہاں مضاف محذوف ہے۔ أی اصابۃ العین یعنی اس کی تاثیر کے وقوع میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ جان واموال کو لگتی ہے۔ بلاشبہ یہ امر الٰہی ہے۔ (تورپشتی رحمہ اللہ) النہایہ میں ہے کہ: أصابت فلانا عین اس وقت کہا جاتا ہے، کہ جب دشمن یا حاسد اس کی طرف حسد سے دیکھے اور نظر اس میں اثر کر جائے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جائے۔

قوله: نهي عن الوشم: یہ بھی "قال" پر عطف ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں "نهي وشم" کو "اصابة العين" کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ یہ دراصل "واشمه" کے اس زعم کی تردید کیلئے ہے کہ وشم نظر کو پھیر دیتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلم کے زمانہ کے ساتھ اقتران پر مبنی ہے۔ فتأمل۔

قوله: رواه البخاري: یعنی ان دونوں جملوں کو بخاریؒ نے ذکر کیا ہے ورنہ جامع صغیر میں تو صرف یہ ہے: "العين حق" اس کو احمد، شیخین، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے۔

طبرانی وحاکم نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "العين حق تستنزل الحالق"

ای الجبل: ابن عدی اور ابونعیم نے "الحلیہ" میں حضرت جابرؓ سے یوں روایت کیا ہے: "العين تدخل الرجل القبر وتدخل الجمل القدر"

احمدؒ و مسلمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: "العين حق، ولو كان شيء سابق القدر سبقته العين واذا استغسلتم فاغسلوا۔ یعنی" جب تم سے اس اصابت عین کی وجہ سے غسل کا مطالبہ کیا جائے۔ تو تم غسل کر لیا کرو۔

کجی نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یوں روایت کیا ہے:

"العين حق يحضرها الشيطان وحسد ابن آدم".

سفر میں بالوں کی حفاظت کیلئے تلبید جائز ہے

۴۴۳۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا۔ (رواه البخاري)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٠/٣٦٠ الحديث رقم ٥٩١٤، ومسلم في ٢/٨٤٢ الحديث رقم (٢١-١١٨٤)، والنسائي في ٥/١٣٦ الحديث رقم ٢٦٨٣، وأحمد في المسند ٢/١٢١۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تلبید کرنے والے

ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: لقد رأيت رسول الله ﷺ ملبدا: بائے موحدہ مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے فتحہ بھی دیا جاتا ہے: الفائق میں ہے کہ "تلبید" اس کو کہتے ہیں، کہ سر پر گوند یا شہد وغیرہ لگا لیا جائے تا کہ تلبید ہو جائے اور سر میں جوئیں وغیرہ پیدا نہ ہوں۔ بعض شراح نے اس کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ آدمی سفر کے لئے سر کو "لبید" کی طرح بنالے تا کہ گرد و غبار سے پراگندہ نہ ہو۔ اس حدیث سے غیر حالت احرام میں "تلبید" کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

مرد کو جسم پر زعفران ملنا جائز نہیں

۴۴۳۴: وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۳۰۴ الحدیث رقم ۵۸٤٦' ومسلم فی ۳/۱٦٦۳ الحدیث رقم (۷۷-۲۱۰۱)' وأبو داؤد فی المسند ٤/٤۰٤ الحدیث رقم ٤۱۷۹' والترمذیفی ٥/۱۱۱ الحدیث رقم ۲۰۱٥' والنسائی فی ۸/۱۸۹ الحدیث رقم ٥۲٥٦۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مرد اپنے کپڑے یا بدن پر زعفران ملے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: نهى النبي ﷺ ان يتزعفر الرجل: کپڑوں اور بدن پر زعفران کا استعمال کرنا یہ عورتوں کی عادت ہے۔ البتہ قلیل مقدار معاف ہے۔ کیونکہ جب آپ علیہ السلام نے بعض صحابہؓ پر اس کو دیکھا تو آپ نے ان پر کوئی نکیر نہیں کی۔ (ابن الملکؒ)

شرح السنۃ میں ابو عیسیٰؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کراہت زعفران کا معنیٰ یہاں پر یہ ہے کہ آدمی زعفران کی خوشبو لگائے۔ آدمی کیلئے منھی عنہ مقدار کثیر ہے۔ البتہ قلیل مقدار کے بارے میں شادی کرنے والے کیلئے، رخصت مروی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دیکھا کہ انہوں نے زعفران لگایا ہوا تھا تو آپ نے ان پر کوئی نکیر نہیں کی۔

میں کہتا ہوں کہ جو قلیل لگا ہوا تھا، شاید کہ یہ ان کی دلہن سے بلا ارادہ کے لگ گیا تھا۔ لہٰذا یہ اس نہی کے تحت داخل ہی نہیں ہے جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے اور جیسا کہ عموم نہی پر آپ علیہ السلام کا یہ مطلق قول بھی دلالت کرتا ہے: "**طيب الرجال ما خفي لونه**"۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ زعفران لگاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو بعض صحابہؓ پر محمول کرنا چاہے اور ان بعض صحابہ سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جن کو یہ نہی نہیں پہنچی تھی۔ یا ان کے نزدیک یہ صحیح نہیں تھی۔

عبدالملکؒ کہتے ہیں، کہ میں نے امام شعبیؒ کو دیکھا، کہ وہ حمام میں داخل ہوئے اور انہوں نے زعفران لگایا پھر اس کو دھویا۔ میں کہتا ہوں شاید یہ دوائی کے طور پر لگایا ہو علاوہ ازیں یہ کہ زعفران لگانا اور پھر اس کو دھونا عرف میں اس کو "خوشبو لگانا" نہیں کہتے ہیں۔ "خلوق" سے ممانعت کے بارے میں آگے کئی احادیث آئیں گی۔

ورواه ابو داود والنسائی والترمذی .

ڈاڑھی اور سر میں خوشبو کی چمک

۴۴۳۵: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَطْيَبِ مَانَجِدُ حَتّٰى اَجِدَ وَبِيْصَ الطِّيْبِ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٠/٣٦٦ الحدیث رقم ٥٩٢٣، ومسلم فی ٢/٨٤٧ الحدیث رقم (٣٨-١١٨٩) وأبو داؤد فی السنن ٢/٣٥٨ الحدیث رقم ١٧٤٥، والترمذی فی ٣/٢٥٩ الحدیث رقم ٩١٧، والنسائی فی ٥/١٣٨ الحدیث رقم ٢٦٩٠، وابن ماجه فی ٢/٩٧٩ الحدیث رقم ٢٩٢٦، والدارمی فی ٢/٥١ الحدیث رقم ١٨٠٢ ومالك فی الموطأ ٢/٣٢٨ الحدیث رقم ١٧ من كتاب الحج، وأحمد فی المسند ٦/١٨٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خوشبو لگایا کرتی تھی ۔ یہاں تک کہ میں آپ کی ڈاڑھی مبارک اور سر میں خوشبو کی چمک پاتی تھی ۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: طیب: یاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ **مانجد: أی نصادف نحن معشر النساء۔** "باطیب" کو اضافت کی وجہ سے جر دیا گیا ہے۔

وبیص: صاد مہملہ کے ساتھ خوشبو کی چمک کو کہتے ہیں ۔ (النہایۃ)

مظہر رحمہ اللہ کہتے ہیں، کہ اس حدیث پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا: "**طیب الرجال ما خفی لونه**" کیونکہ اس سے مراد ایسا رنگ ہے کہ جس سے اس کی زینت و جمال ظاہر ہوتا ہے ۔ جیسا کہ سرخ یا پیلا رنگ ہے اور جو ایسا نہ ہو، جیسا کہ مشک اور عنبر ۔ تو وہ جائز ہے ۔ (انتہی) "کافور" اور زباد بھی اسی حکم میں آتے ہیں۔

جامع صغیر میں ہے: **کان یأخذ المسك فیمسح به رأسه ولحیته** کہ "نبی علیہ السلام مشک لے کر اس کو سر اور داڑھی میں ملتے تھے" ۔ اس کو ابو یعلیٰ نے سلمہ بن کوع سے روایت کیا ہے۔

اَگر اور کافُور کی دھونی

۴۴۳۶: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اسْتَجْمَرَ بِاُلُوَّةٍ غَيْرَ مُطَرَّاةٍ وَبِكَافُوْرٍ يَطْرَحُهٗ مَعَ الْاُلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧٦٦ الحدیث رقم (٢١-٢٢٥٤)، والنسائی فی ٨/١٥٦ الحدیث رقم ٥١٣٥۔

ترجمہ: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب خوشبو کی دھونی لیتے تو اگر میں مشک ملانے کے بغیر دھونی لیتے تھے یعنی کبھی صرف اگر کی دھونی لیتے اور کبھی کافور سمیت لیتے ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیتے کبھی صرف اگر اور کبھی اس کے ساتھ کافور ملا کر دھونی لیتے تھے ۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: کان ابن عمر اذا استجمر: ای تبخر وتعطر۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: ای استعمل الجمر وحصل الجمر فیه للبخور۔ (انتھی) اس میں اشارہ ہے کہ یہ "جمرۃ" سے مأخوذ ہے اور اس سے "مجمرۃ" بھی ہے۔ اس برتن کو کہتے ہیں کہ جس میں آگ رکھی جاتی ہے پھر اس میں عود رہے اور اس سے دھواں نکلتا ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ "استجمار" سے مراد یہاں "استعمال الطیب والتجر بہ" ہے۔ "مجمرۃ" سے مأخوذ ہے۔ استجمار کو "اُلوۃ" کے ساتھ مقید کر دیا، کیونکہ "استجمار" جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد استنجاء بالاحجار یا مطلق استنجاء مراد ہوتا ہے۔

استجمر بألوه ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کو ضمہ بھی دیا جاتا ہے لام پر ضمہ ہے اور واؤ مشدد ہے ازہریؒ نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ لام کو کسرہ کے ساتھ مشدد و مخفف دونوں ضبط کیا ہے۔ فارسیؒ کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ فارسی کا لفظ ہے معرب ہے عود کو کہتے ہیں جس سے دھونی لی جاتی ہے غیر مطراۃ: یہ "اُلوۃ" کے لئے صفت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ اس کے علاوہ مشک وعنبر وغیرہ کے ساتھ مخلوط نہیں تھی۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "مطراۃ" اصل میں "مرباۃ" کو کہتے ہیں جو خوشبو کی مہک میں اضافہ کر دیتا ہے۔ "بکافور یطرحه" جملہ (محل جر میں) "کافور" کی صفت ہے۔ یعنی کبھی صرف عود استعمال کرتے تھے اور کبھی کبھار اس کے ساتھ کافور وغیرہ بھی ملا لیتے تھے۔

الفصل الثانی:

سب سے پہلے لبیں کترنے والے خلیل اللہ علیہ السلام ہیں

۴۴۳۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ اَوْ يَاْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ صَلٰوٰتُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ يَفْعَلُهٗ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی سننه ۸۶/۵ الحدیث رقم ۲۷۶۰، وأحمد فی المسند ۳۰۱/۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لبیں کترتے یا لیتے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام یہ عمل کیا کرتے تھے یعنی وہ بھی لبیں کترتے تھے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: کان النبی یقص او یاخذ من شاربه: یہ راوی کا شک ہے۔

قوله: وکان ابراهیم خلیل الرحمن صلوات الرحمن علیه یفعله: "یفعله" کی ضمیر منصوب "قص" کی طرف یا دونوں کی طرف راجع ہے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر شاید اس لئے کیا کہ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے مونچھیں کاٹی تھیں۔ جیسا کہ باب کے آخر میں اس کی تصریح آئے گی۔ لہٰذا خلیل کے بعد حبیب کی اتباع اجر جمیل اور ثواب جزیل کا سبب بنے گا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں "وکان ابراهیم" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ......﴾ [البقرة: ۱۲۴] "اور جب پروردگار نے چند

باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے خدا نے کہا میں تم لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار!) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو) خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا'' بعض نے کہا ہے کہ سر میں مانگ نکالنا۔ مونچھیں کتروائے اور مسواک وغیرہ۔

لبیں کٹوانا ضروری ہے

۴۴۳۸: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَاْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۸۷/۵ الحديث رقم ۲۷٦۱' والنسائی فی ۱۵/۱ الحديث رقم ۱۳' وأحمد فی المسند ۳٦٦/٤۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو اپنی لبیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ احمد' ترمذی' نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: ''من لم يأخذ من شاربه فليس منا'': اس کے کئی مطالب ہو سکتے ہیں: ❶ وہ ہمارے موافقین میں سے نہیں ہے اس فعل میں۔ لیکن یہ کوئی صحیح توجیہ نہیں ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ ❷ بعض نے کہا ہے کہ اس سنت کے ثواب کے حصول میں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ پہلی توجیہ کے قریب تر ہے۔

❸ بظاہر اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان میں سے نہیں ہے کہ جنہوں نے ہمارے طریقے کی تکمیل کی ❹ اس سنت کے تارک کو ڈرانا مقصود ہے کہ اس کی موت غیر ملت اسلامیہ پر بھی آ سکتی ہے۔

ڈاڑھی کو طول وعرض سے لینا

۴۴۳۹: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۸۷/۵ الحديث رقم ۲۷٦۲۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ بیشک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض میں سے لیتے تھے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: قوله: كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها: ''من عرضها وطولها'': اعادہ جار کے ساتھ بدل ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ''اعفوا اللحی'' کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ منھی تو داڑھی کتروانا ہے جیسا کہ اعاجم کرتے ہیں یا اس کو کبوتر کے گھونسلے کی طرح بنانا ہے۔ ''اعفاء'' سے مراد ''توفیر'' ہے' جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ داڑھی کے اطراف سے قلیل مقدار میں بال کاٹنا ''قص کے حکم'' میں نہیں آتا (انتھی) مصابیح کے تمام شراح زین العرب وغیرہ کا موقف بھی

یہی ہے۔اس حدیث کو''شرح الشرعة'' میں اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے:''اذ زاد علی قدر القبضة''اور''التنویر'' میں اس کو نفس حدیث کا جزء بنایا ہے اور''الشرعۃ'' میں یہ زیادتی بھی ہے: وکان یفعل ذالك فی الخمیس او الجمعه'' ولایترکه مدة طویلة اور''النہایہ شرح الہدایہ'' میں ہے، داڑھی کی مقدار ہمارے ہاں طولاً بقدر مشت ہے اور جو اس سے زائد ہو اس کا قطع واجب ہے۔رسول اللہ سے مروی ہے: انه ﷺ من اللحیة من طولها وعرضها۔اس کو ابوعیسیٰ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے اور: من سعادة الرجل خفة لحیته۔اھ داڑھی کا ہلکا ہونا آدمی کی سعادت مندی میں سے ہے''

(صاحب النہایہ کے کلام میں)''یجب'' یہاں ''ینبغی'' کے معنیٰ میں ہے۔یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ایسی سنت مؤکدہ ہے کہ جو وجوب کے قریب ہے۔ورنہ علی الاطلاق اس کا مطلب صحیح نہیں ہے۔

ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ داڑھی کے بالوں کو برابر کرنا ہمارے ہاں سنت ہے۔سیدھا کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر لمبے بال کو کاٹ دے تاکہ سارے بال برابر ہو جائے۔''احیاء'' میں لمبی داڑھی کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اگر آدمی اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑے، مٹھی سے نیچے آئے ہوئے بالوں کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ابن عمرؓ اور تابعین کی ایک جماعت ایسا ہی کیا کرتے تھے۔امام شعبیؒ، ابن سیرین نے اس کو مستحسن جانا ہے۔حسن بصریؒ اور قتادۃ اور ان کے متبعین نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس کے ترک میں عافیت ہے اور میں اس کو آپ کے اس فرمان کی وجہ سے پسند کرتا ہوں:''اعفو اللحی''، لیکن اصح قول پہلا ہی ہے۔

نخعیؒ کہتے ہیں عجبت لرجل عاقل طویل اللحیة کیف لایأ خذمن لحیته فیجعلها بین لحیتین ای طویل وقصیر۔کیونکہ ہر چیز میں توسط و میانہ روی بہترین چیز ہے اور اسی سے ہے: خیر الأمور أوسطها کہ بہترین کام میانہ روی ہے اور اسی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں: کلماطالت اللحیة نقص اللحیة۔جب داڑھی لمبی ہو جاتی ہے تو عقل کم ہو جاتی ہے۔

رواه الترمذی وقال هذا حدیثٌ غریبٌ۔

خلوق مرد کیلئے درست نہیں ہے

۴۴۴۰: وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلَيْهِ خَلُوْقًا فَقَالَ اَلَكَ امْرَاَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ١١٢/٥ الحدیث رقم ٢٨١٦، والنسائی فی ١٥٢/٨ الحدیث رقم ٥١٢١، وأحمد فی المسند ١٧١/٤۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یعلیٰ پر خلوق کا اثر دیکھا۔آپ نے ارشاد فرمایا کیا تمہاری بیوی ہے۔اس نے کہا نہیں۔تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس خلوق کو دھوڈال پھر دھو اور پھر دھو ڈال۔آئندہ اسے استعمال نہ کرنا۔یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: ''خلوق'': خائے معجمہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک قسم کی رنگ دار خوشبو ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشبو پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک مشہور خوشبو ہے جس کو زعفران وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔

فقال ألك امراة: مظہرؒ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری بیوی ہے اور تمہیں اس کے بدن اور کپڑوں سے یہ خوشبو بغیر قصد وارادہ کے لگی ہے تب تو تم معذور ہو۔ ہمارے علماء میں سے بعض شراح کہتے ہیں کہ آپ نے شادی کرنے والے کو مقدار قلیل اجازت دی ہے' کثیر کی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قول اصح مظہر کا ہی ہے جیسا کہ ماقبل میں گذرا اور آگے بھی آئے گا

قوله: لا ای لیس لی امرأة۔ قوله قال فاغسله ثم اغسله ثم اغسله:

مظہرؒ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو تین بار دھونے کا حکم بطور مبالغہ کے دیا اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ تین دفعہ سے کم دھونے سے اس کا رنگ چھپتا نہیں۔ ''لا تعد'': عین کے ضمہ کے ساتھ ہے

خلوق لگانے والے کی نماز قبول نہیں

۴۴۴۱: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ رَجُلٍ فِیْ جَسَدِهٖ شَیْءٌ مِنْ خَلُوْقٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه البخاری فی السنن ٤/٤٠٣ الحديث رقم ٤١٧٨' وأحمد فی المسند ٤/٤٠٣۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا۔ جس کے بدن پر کچھ خلوق لگا ہو۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: فی جسده شیئی من خلوق**: یہاں پر ''شیء'' کو نکرہ لایا ہے تا کہ قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہو جائے۔ یہ ان لوگوں کی تردید ہے۔ جو ''نھی'' کو ''کثیر'' کے ساتھ مختص کرتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں یہ مذہب گزر چکا ہے۔ **قوله: لایقبل الله صلاة رجل**: سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ یہاں پر صلوٰۃ کاملہ کے ثواب کی نفی مراد ہے۔ کیوں کہ اس شخص کی نماز تشبہ بالنساء کی وجہ سے ناقص ہوگئی ہے۔ ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ اس میں ''استعمال خلوق'' سے زجر وتہدید ہے۔

حکم شرع کی خلاف ورزی پر سلام کا جواب نہ دیا

۴۴۴۲: وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی اَهْلِیْ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ تَشَقَّقَتْ یَدَایَ فَخَلَّقُوْنِیْ بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ وَقَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٠٢ الحديث رقم ٤١٨٦' وأحمد فی المسند ٤/٣٢٠۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سفر سے گھر لوٹا۔ میرے دونوں ہاتھ پھٹ گئے تھے۔ گھر والوں نے میرے ہاتھوں پر خوشبو کا لیپ کیا جس میں زعفران ملا ہوا تھا۔ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے جواب مرحمت نہ فرمایا اور فرمایا جاؤ اور اسے اپنے بدن سے دھو ڈالو۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: مطلب یہ کہ میرے ہاتھوں کی پھٹی ہوئی جگہوں میں زعفران کو بھر دیا۔ تا کہ علاج ہو جائے۔ اسکو علامہ ابن الملکؒ نے ذکر کیا ہے۔

قوله: فخلقوني بزعفران خلقوني: اس میں لام مشدد ہے:

''بزعفران'' کا ذکر تاکید کیلئے ہے۔ یا کلام میں تجرید ہے۔

قوله: فلم يرد علي: یہ ردشدید ہے۔ یہ جملہ ردّ بلیغ ہے ان قائلین پر جو مقدار قلیل کے جواز کے قائل ہیں۔

فاغسل هذا عنك: یہ فرمانا شاید اس بناء پر ہو کہ آپ کو ان کا عذر بیان نہیں کیا گیا تھا' یا ان کا یہ لگا کر نکلنا نبی کریم ﷺ کو اچھا نہیں لگا: یا یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اگر انہوں نے خلوق عذر کی وجہ سے لگایا تو چاہئے تھا کہ اس موقع پر ہاتھ دھو کر آتے۔

مرد کی خوشبو

۴۴۴۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَاظَهَرَ رِيْحُهٗ وَخَفِيَ لَوْنُهٗ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِيَ رِيْحُهٗ۔ (رواه الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٩٩ الحديث رقم ٢٧٨٧' والنسائي في ٨/١٥١ الحديث رقم ٥١١٧' وأحمد في المسند ٢/٥٤١۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مرد کی خوشبو یہ ہے کہ خوشبو ظاہر اور رنگ پوشیدہ ہو جیسا کہ مشک' عنبر وغیرہ اور عورت کی خوشبو یہ ہے کہ جس کا رنگ ظاہر اور خوشبو پوشیدہ ہو مثلاً مہندی' زعفران۔ یہ ترمذی ونسائی کی روایت ہے۔

تشریح: ''طيب الرجال'': لفظ ''الطیب'' اسم اور مصدر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور یہاں پر یہی (یعنی خوشبو) مراد ہے۔ (ذکرہ الجوھری)

قوله: وطيب النسآء ماظهر لونه وخفي ريحه: شرح السنہ میں ہے سعد کہتے ہیں، یہاں پر ''طیب النسآء'' اس وقت پر محمول ہے کہ جب عورت باہر نکلنے کا ارادہ کرے۔ البتہ جب وہ شوہر کے پاس ہو تو وہ جس قسم کی خوشبو چاہے لگائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''کل عین زانیة'' کہ ہر آنکھ زنا کرتی ہے۔ پس جب عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی کسی مجلس سے گزرے گی، تو وہ ایسی ایسی ہے۔ یعنی زانیہ ہے۔ (انتھی) اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے: **ايما امرأة أصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء** ''جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء میں حاضر نہ ہو''۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''ما خفي ريحه'' کالزعفران'' اور کئی علماء کہتے ہیں وکالحناء لیکن یہ عجیب سی بات

ہے، کیونکہ یہ قائلین شوافع ہیں اور ان کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ مہندی خوشبو کی اقسام میں سے نہیں ہے۔ برخلاف حنفیہ کے۔

اسنادی حیثیت میرک کہتے ہیں کہ اس کو حسن قرار دیا ہے اگر چہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ کیونکہ وہ تابعی ہے اور ان سے روایت کرنے والا راوی ثقہ ہے۔ لہٰذا اس جہت سے اس کی جہالت منتفی ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں، کہ اگر اس کی تعدد اسانید کی طرف دیکھا جائے، تو یہ حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ **قولہ النسائی)**: میرک کہتے ہیں کہ بعض نسخوں میں ''ترمذی والنسائی'' کے درمیان ''ابوداؤد'' کا بھی ذکر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث سنن ابی داؤد میں نہیں ہے۔ (انتھی)

تخریج: ورواہ الطبرانی والضیآء عن انس۔

مرکب خوشبو کا استعمال جائز ہے

۴۴۴۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُکَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٩٤ الحديث رقم ٤١٦٢۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سکہ نامی خوشبو تھی یہ ایک مرکب خوشبو کا نام ہے۔ آپ اس سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **قولہ: کانت لرسول اللّٰہ ﷺ سکۃ یتطیب منھا**: ''کانت'': اور ایک روایت میں ''کان'' ہے۔ ''سکۃ'' سین مہملہ کے ضمہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ۔

یہ ایک نادر قسم کی خوشبو ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مشک سے بنائی جاتی ہے۔ الصحاح میں ہے: **المسك من الطيب عربي**۔ بعض نے کہا کہ یہ خوشبو کئی انواع کا معجون ہے صاحب قاموس لکھتے ہیں: علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ایک مرکب خوشبو ہے۔ بعض کہتے ہیں، کہ بظاہر یہ لگتا ہے کہ اس سے مراد وہ برتن ہے جس میں خوشبو رکھی جاتی تھی۔ اس احتمال کی تائید اگلے جملہ ''**یتطیب منھا**'' سے ہوتی ہے۔

کیونکہ اگر خوشبو مراد ہوتی۔ تو پھر یوں کہتے ''**یتطیب بھا**''۔ علامہ جزری نے ''**تصحیح المصابیح**'' میں لکھا ہے کہ یہ کئی قسم کی خوشبوؤں کا مجموعہ ہے اور ''سکۃ'' اس کا ایک قطعہ ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد برتن ہو۔ میرک کہتے ہیں کہ اگر اس سے مراد طیب ہوتی۔ تو اس صورت میں ''من'' تبعیض کے لئے ہو سکتا ہے۔ تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ آپ اس کو کئی بار استعمال کرتے تھے۔ برخلاف اس کے کہ اگر ''بھا'' فرماتے' کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ اس کو استعمال کرتے تھے اور اگر اس سے مراد 'برتن' ہو تو پھر ''من'' ابتداء کیلئے ہوگا۔

''**وکذا الترمذی فی الشمائل**''۔

کثرت سے تیل کا استعمال

۴۴۴۵: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دُهْنَ رَأْسِهِ وَ تَسْرِيْحَ لِحْيَتِهٖ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَانَ ثَوْبُهٗ ثَوْبَ زَيَّاتٍ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ١٢/١٨٢ الحدیث رقم ٣١٦٤۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر تیل کا استعمال کثرت سے فرماتے تھے اور ڈاڑھی مبارک کو بہت کنگھی کرتے تھے۔ اور سر پر جو کپڑا کثرت سے رکھتے وہ تیل کی وجہ سے تیلی کے کپڑے کی طرح تھا۔ یہ شرح السنہ میں نقل کی گئی ہے۔

تشریح: یکثر: "اکثار" سے ہے۔ "دھن": دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ تیل ملنا' لگانا' استعمال کرنا' "دھن": دال کے ضمہ کے ساتھ' تیل کو کہتے ہیں۔ "تسریح": منصوب ہے' اور اس کا عطف "دھن" پر ہے' اور جس نے اس کا عطف "رأسہ" پر قرار دیتے ہوئے اس کو مجرور پڑھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ "تسریح" سے مراد تمشط ہے اور بالوں کو سیدھا کرنا ہے۔

ابن جوزیؒ نے "کتاب الوفاء" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں' کہ رسول اللہ جب رات کو لیٹنے کیلئے آتے تو آپ کیلئے مسواک' وضوء کا پانی اور کنگھا رکھا جاتا تھا اور رات کی جس گھڑی میں اللہ عزوجل آپؐ کو بیدار کرتا الخ۔

خطیب بغدادیؒ نے "الکفایۃ" میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ پانچ چیزیں نبی علیہ السلام نہ سفر میں چھوڑتے تھے' نہ حضر میں: ❶ آئینہ' ❷ سرمہ دانی' ❸ کنگھی' ❹ مدری ❺ مسواک اور ایک روایت میں "مدری" کی جگہ "قارورۃ دھن" آیا ہے۔

طبرانیؒ نے الاوسط میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ مسواک اور کنگھی کو نہیں چھوڑتے تھے' اور جب داڑھی میں کنگھی کرتے تو آئینہ دیکھتے تھے۔

خطیب نے حسین بن علوان عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہؓ روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ سات چیزوں کو رسول اللہ سفر و حضر میں ترک نہیں کیا کرتے تھے: ❶ تیل کی شیشی' ❷ کنگھی' ❸ آئینہ' ❹ سرمہ دانی' ❺ مسواک' ❻ قینچی ❼ مدری۔ میں نے ہشام سے پوچھا' کہ "مدری" رکھنے کی کیا وجہ تھی؟ تو وہ کہتے ہیں' کہ مجھے میرے والد نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔ آپ "مدری" کے ساتھ بالوں کو حرکت دیتے تھے۔ مدری میم کے کسرہ اور دال مہملہ کے ساتھ لکڑی کا ایک آلہ جس سے عورتیں بالوں کو درست کرتی ہیں' تاکہ سر کے بال باہم الجھیں نا۔

"مِقص"' میم کے کسرہ کے ساتھ' قطع وقص کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں' یعنی قینچی۔

حافظ سیوطیؒ نے ابوداؤد کے حاشیہ میں ایک روایت نقل کی ہے' کہ ولی الدین العراقیؒ ابوداؤد کی اس حدیث: کہ رسول اللہ نے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی روزانہ کنگھی کرے"۔ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ نہی "تنزیہی" ہے۔ تحریم کے لئے نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ ترفہ اور تنعم "عیش پرستی" ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے اور اس میں سر اور داڑھی میں کوئی فرق

نہیں ہے۔

فرمایا اگر کوئی اعتراض کرے کہ ترمذیؒ نے ''الشمائل'' میں حضرت انس کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ''رسول اللہ سر کے بالوں پر کثرت سے تیل لگاتے تھے اور داڑھی میں بکثرت کنگھی کیا کرتے تھے''۔ میں کہتا ہوں کہ ''کثرت'' سے یہ لازم نہیں آتا، کہ روزانہ کیا کرتے تھے بلکہ اکثار کا اطلاق اس چیز پر بھی کیا جاتا ہے جو آدمی حسب حاجت کرتا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ بھی منقول ہے کہ '' آپ روزانہ دو مرتبہ داڑھی کو کنگھا کیا کرتے تھے''۔ میں کہتا ہوں، کہ مجھے اس کی سند معلوم نہیں ہے اور نہ کسی کو جانتا ہوں کہ جس نے یہ نقل کی ہو۔ البتہ امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں روایت کی ہے' اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ''الاحیاء'' میں وہ احادیث بھی ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

قولہ: ویکثر القناع: یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای لبسہ اور ممکن ہے کہ اعادۃ عامل کی وجہ یہی ہو ''قناع'': قاف کے کسرہ اور نون مخففہ کے ساتھ ہے' اور اس کے آخر میں عین مہملہ ہے۔ قناع اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پگڑی کے نیچے سر پر رکھا جاتا ہے' تاکہ پگڑی کو تیل کے اثر اور میلا ہونے سے بچایا جائے۔ یہ عورت کی اوڑھنی کے مشابہ ہوتا ہے اور ''**الصحاح**'' میں ہے کہ یہ ''**مقنعة**'' سے زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ یہ وہ کپڑا ہوتا ہے جس کو عورت ''**مقنعة**'' کے اوپر ڈالتی ہے۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں یعنی آپؐ یہ کپڑا سر پر بکثرت رکھا کرتے تھے یا یہ کہ آپؐ تیل لگانے کے بعد اس کو اکثر استعمال کرتے تھے۔

کان: یہ تشدید نون کے ساتھ ہے، اور الشمائل میں ہے: ''**حتی کان**'' یہ اکثار کے لئے غایت ہے۔

قولہ: ثوبہ ثوب زیات:

''زیات'': تیل بیچنے والے یا تیل بنانے والے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جو آپؐ کے بدن پر ہوتا تھا کیونکہ آپؐ تیل بکثرت استعمال فرماتے تھے' اور قناع ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ لباس والے تھے۔ سب سے بہترین ہیئت والے اور سب سے زیادہ جمیل تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو گندے کپڑوں میں دیکھا۔ تو آپ نے پوچھا کہ کیا اس شخص کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے یہ کپڑوں کو دھو لے؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے کپڑوں کو ٹھیک رکھو۔ یہاں تک کہ تم لوگوں کے درمیان ''**شامة**'' کی طرح ہو جاؤ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو اس حدیث کے بعض طرق میں آتا ہے کہ آپؐ کی چادر کے اوپر ایک اور چادر تیل والی ہوتی تھی۔ اس (روایت) کو علامہ ذہبیؒ نے ''حسن بن دینار'' کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور اس کو ابن سعد کی حدیث سے بھی تقویت ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے: **کان رسول اللہ ﷺ یکثر التقنع بثوب حتی کان ثوبہ ثوب زیات** اور اس معنیٰ کی تعین پر دلالت اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر یہ معنی مردانہ ہو تو پھر ''قناع'' کے ذکر کا کیا فائدہ ہے؟ اور نہ ہی ''**حتی**'' کی غایت کا کوئی فائدہ ہے۔

''**کان ثوبہ**''**ثوب زیات**'': یہ ''**کان یکثر القناع**'' کے لئے بطور نتیجہ کے ہے۔ بلکہ اس وقت مناسب یہ تھا کہ یہ کہتے: **کان یکثر دھن رأسہ حتی کان ثوبہ ثوب زیات** کہ آپ سر پر تیل کثرت سے استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا کپڑا تیل بیچنے والے کی طرح ہوتا تھا۔ گویا کہ یہاں پر ''مضمر'' سے ''**مظہر**'' کی طرف عدول کیا گیا اور یہ نہیں کہا ''کانہ

ثوب زیات'' کہ اس صورت میں یہ ضمیر ''قناع'' کی طرف راجع ہوگی۔تا کہ آپ علیہ السلام کی طرف اعادہ ضمیر کا توہم پیدا نہ ہو ۔یا اس سے اشارہ ہے کہ اس کپڑے سے مراد آپ کا وہ خاص کپڑا ہے جس کو تیل کیلئے استعمال کرتے تھے نہ کہ مطلق ثوب مراد ہے۔اس سے خلل مرتفع ہو جائے گا۔لیکن پھر ایک چیز رہ جائے گی کہ سوق کلام تو ''اکثار دھن'' میں مبالغہ کیلئے ہے۔ایک ساتھ اس کپڑے کے ساتھ تشبیہ بھی ہے جس کو پہنا جاتا ہے۔اس لئے کہ یہ بات جو معلوم ہی ہے کہ ''قناع'' جس سے ''مدھون'' کو ڈھانپا جاتا تھا۔وہ قناع ''ثوب زیات'' کے مشابہ تھی۔پس اولیٰ یہ ہے کہ اس کپڑے کو آپ کے خاص کپڑوں پر محمول کیا جائے۔یعنی وہ خاص کپڑا جس کو آپ تیل استعمال کرنے کے وقت پہنتے تھے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ آپ اس کو مسلسل استعمال کرتے تھے کیونکہ یہ مخل نظافت ہے۔بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اتارتے اور اس کی جگہ اور کپڑا لیتے تھے جیسا کہ انکی عام عادت تھی اور اس کی خبر آپ علیہ السلام کے خادم خاص نے دی ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ باتوں سے واقف تھے۔واللہ اعلم۔

قولہ: رواہ شرح النسة: اس کو امام بغویؒ نے شرح السنہ میں ذکر کیا ہے۔حالانکہ المصابیح میں ذکر ہے، اس کے ضعف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔اس کو امام ترمذی نے اپنی الجامع اور الشمائل میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح جامع الاصول میں بھی ہے اور ابن سعدؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔لہٰذا اس روایت کو امام جزریؒ کی بات سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جو انہوں نے شمائل کے رواۃ میں سے ''ربیع بن صبیح کے بارے میں کہی ہے کہ وہ عابد تھے' لیکن حدیث میں ضعیف تھے اور ''کان ثوبہ ثوب زیات'' کے الفاظ کو ان کی منکر روایات میں شمار کیا ہے' اس بناء پر کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے خلاف ہے۔اس کی تاویل اوپر گذر چکی ہے' لہٰذا اس کا ''منکر'' ہونا بھی مرتفع ہو گیا' انکار تو اس شخص کا ہے جس نے اس کو اس فاسد معنی پر محمول کیا ہے۔لیکن کہا کہ حدیث کے معاملے میں وہ ضعیف ہے۔

چار گیسوئے مبارک

۴۴۴۶: وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْنَا بِمَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ ۔

(رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجۃ)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤٠٩/٤ الحديث رقم ٤١٩١، والترمذی فی ٢١٦/٤ الحديث رقم ١٧٨١، وابن ماجه فی ١١٩٩/٢ الحديث رقم ٣٦٣١، وأحمد فی المسند ٣٤١/٦۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کے چار گندھے ہوئے گیسو تھے۔(دو دائیں طرف اور دو بائیں طرف) یہ ترمذی احمدؒ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: قدمة: یہ لفظ قاف کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے اور قدوم سے اسم مرۃ ہے۔مفعول مطلق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ تشریف آوری کتنی بار ہوئی؟

(۱) عمرۃ القضاء کے موقع پر۔ (۲) فتح مکہ۔ (۳) عمرۃ الجعرانۃ۔ (۴) حجۃ الوداع کے موقع پر۔

بعض روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ یہ تشریف آوری فتح مکہ کے دن ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت آپ علیہ السلام نے غسل کیا تھا اور ام ہانی کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی تھی۔

ولہ اربع عذائر: یہ ''عذیرۃ'' کی جمع ہے۔''ضفیرۃ'' کے معنی میں ہے' اس کو ''ذوابۃ'' بھی کہتے ہیں اور یہ جملہ حال ہے۔

سر کی چوٹی پر مانگ

۴۴۴۷: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ صَدَعْتُ فَرْقَهُ عَنْ يَافُوْخِهِ وَاَرْسَلْتُ نَاصِيَتَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٤٠٨ الحدیث رقم ٤١٨٩' وابن ماجه فی ٢/١١٩٩ الحدیث رقم ٣٦٣٣۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں مانگ نکالتی تو تالو کے اوپر سے مانگ بناتی اور بالوں کو آپ کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: اذا فرقت: مطلب یہ کہ میں رسول اللہ کے سر کے بالوں کو دو حصوں میں بانٹ دیتی تھی۔ کچھ بال دائیں طرف اور کچھ بال بائیں جانب کر دیتی تھی۔

''فرق'': وہ لکیر جو سر کے بالوں کے درمیان اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسے مانگ کہتے ہیں' یہ خط سر کی سفیدی ہے جو بالوں کے درمیان ہوتی ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ وغیرہ) ناصیۃ سر کے اگلے حصہ کے بال۔

عن یافوخه: امام طیبیؒ فرماتے ہیں یافوخ وسط رأس کو اور (نومولود) بچے کے سر کا وہ حصہ جو حرکت کرتا رہتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ ''یافوخ'' سر کے درمیان کے اس حصہ کو کہتے ہیں، جو چھوٹے بچے کے سر میں حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے اور معنیٰ یہ کہ یہ اس خط کی ایک جانب یافوخ کے پاس ہوتی تھی اور دوسری طرف پیشانی کی جانب ہوتی تھی۔

وارسلت ناصیته بین عینیه): یعنی میں ان کی مانگ کو آنکھوں کے درمیان سے شروع کرتی، اس طور پر کہ ماتھے کے آدھے بال اس مانگ کے دائیں جانب تھے اور دوسرے نصف سر کے بال اس مانگ کے بائیں جانب تھے۔ ان دونوں قولوں کے درمیان فرق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بڑا دقیق فرق ہے۔ اور وہ شخص اس میں تأمل کرنے کے زیادہ لائق ہے جس کو توفیق عطا ہوئی ہے۔

ایک دن چھوڑ کر کنگھی کرنا

۴۴۴۸: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا۔

(رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٣٩٢ الحدیث رقم ٤١٥٩' والترمذی فی ٤/٢٠٥ الحدیث رقم ١٨٥٦' والنسائی

فی ۱۳۲/۸ الحدیث رقم ۵۰۵۵، وأحمد فی المسند ۸٦/٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن درمیان میں چھوڑ ے (یعنی ایک دن کا وقفہ کئے بغیر) کنگھی کرنے سے منع فرمایا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: نهى عن الترجل الا غبا :

ترجل سے مراد تمشط (کنگھی کرنا) ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں "غب" اس کو کہتے ہیں، کہ ایک دن کام کرے، اور دوسرے دن اس کو ترک کردے اور مراد اس سے مواظبت سے منع کرتا ہے اور اس کا اہتمام ہے کیونکہ یہ تزئین میں مبالغہ ہے اور اپنے کو خوبصورت بنانے کے بہت زیادہ خواہش مند ہونے کا اظہار ہے۔ ایک شارح فرماتے ہیں "غب" کا معنی ہے کسی کام کو وقتاً فوقتاً ناغہ کر کے کرنا۔ ایک شارح فرماتے ہیں:

اور معنی اس کا یہ ہے کہ سر کو دوام کے ساتھ تیل لگانا اور کنگھی کرنے پر دوام سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ بھی تزئین میں مبالغہ ہے۔

عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ داڑھی کو روزانہ کنگھی کرنا اس نہی میں داخل نہیں ہے۔ اس کے متعلق احکام پہلے گزر چکے ہیں۔

القاموس میں ہے کہ "غب" (بکسر الغین) کا معنی ہے چیز کا انجام کو ایک دن اور ایک دن اور زیارت میں "غبا" کا مطلب ہے ہر ہفتہ۔ لہٰذا ہر چیز میں "غب" کا مفہوم اس کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ افعال واشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ بہت سے طرق میں آیا ہے: "زُر غبا تزدد حبا"۔

النہایہ میں ہے کہ "غب" اونٹ کی باریوں کو کہتے ہیں کہ آپ ایک دن اونٹ کو پانی پلائیں ارر ایک دن پھر اس لفظ کو کئی دنوں کے بعد زیارت کرنے کے معنی کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے "غب الرجل" جب کوئی شخص کئی دنوں کے بعد زیارت کے لئے آئے۔ حسن کہتے ہیں، ہر ہفتہ میں اور اس سے مدعی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ حسن بصریؒ اس حدیث کو "ابن مغفل" سے روایت کر رہے ہیں۔

تخریج: اسی طرح احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ میرکؒ کہتے ہیں کہ نسائیؒ نے حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ میں ایک آدمی سے ملا جس کو نبی کریمؐ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ جیسا کہ ابو ہریرہؓ نے چار سال آپ کی صحبت اختیار کی۔ انہوں نے فرمایا: نهانا رسول الله ﷺ أن يمتشط أحدنا كل يوم۔ ہمیں رسول اللہؐ نے منع کیا ہے اس سے کہ ہم میں سے کوئی روزانہ کنگھی کرے۔

کبھی ننگے پاؤں بھی چلنا چاہیے

۴۴۴۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ مَالِيْ اَرَاكَ شَعِثًا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاِرْفَاهِ قَالَ مَالِيْ لَا اَرٰى عَلَيْكَ حِذَآءً قَالَ كَانَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا اَنْ نَحْتَفِيَ اَحْيَانًا۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/ ٣٩٢ الحديث رقم ٤١٦٠، وأحمد في المسند ٦/ ٢٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے فضالہ بن عبید کو کہا کہ میں تمہیں پراگندہ بالوں کی حالت میں دیکھتا ہوں وہ فرمانے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں زیادہ حسن اور عیش کی باتوں سے منع فرماتے تھے۔ (کنگھی اور تیل کی کثرت اسی میں داخل ہے)۔ وہ کہنے لگا۔ اے فضالہ! کیا وجہ ہے کہ تیرے پاؤں میں جوتا نہیں۔ فضالہ کہنے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ ہم کبھی ننگے پاؤں پھرا کریں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عبداللہ بن بریدۃ۔ یہ عبداللہ بن بریدہ اسلمی ہیں۔ ''مرو'' کے قاضی تھے۔ مشہور تابعین میں سے ایک قابل اعتماد تابعی ہیں۔ اپنے والد وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے ابن سہل رضی اللہ عنہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ ''مرو'' ہی میں وفات پائی ان کی بہت سی احادیث ہیں۔

عرضِ مرتب:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جلد دہم میں مروی عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ ''عن أبیہ'' سے مراد ابوموسیٰ اشعری ہیں اھ۔ یہ بظاہر تعارض ہے' چونکہ ابوموسیٰ اشعری کا نام ''بریدہ'' نہیں بلکہ ''عبداللہ'' ہے۔ ملاحظہ فرمائیے جلد اول کی گیارہویں حدیث۔ ممکن ہے کہ بریدہ سے مراد ''بریدہ بن حصیب'' ہوں۔ (ان کے حالات جلد دوم میں حدیث: ۳۰۸ کے تحت گذر چکے ہیں) چونکہ وہ بھی اسلمی ہیں' اور انہوں نے بھی ''مرو'' میں کچھ عرصہ گذارا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح: مالي اراك شعثا: ''ما'' استفہامیہ تعجبیہ ہے۔ ''لی'': یاء ساکن ومفتوح دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ''شعثا'': شین معجمہ کے فتحہ اور عین مہملہ کے کسرہ کے ساتھ۔

قوله: ان رسول الله ﷺ ينهانا عن كثير من الارفاه:

ارفاہ: کسر ہمزہ کے ساتھ ہے۔ یہ مصدر ہے بمعنیٰ ''تنعم''، کیونکہ اس کی عادت نفس کو متکبر اور غافل بنا دیتی ہے جیسا کہ سرکش گھوڑا ہوتا ہے اور اس وقت یہ اپنے سوار پر غالب آ جاتا ہے جو بمنزلہ ''روح'' ہوتا ہے اور اسلئے کہ اس کی عادت کی وجہ سے ایسا شخص کئی امور اور کئی گناہوں کا محتاج ہو جاتا اور اس لئے بھی کہ بسا اوقات اس سے فقر اور سوءعیش پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے آدمی کا معاملہ سخت ہو جاتا ہے اور اس کو اس کا حال ضرر دیتا ہے اور تمام بندوں کے تمام افعال میں میانہ روی محمود ہے ''الغریبین'' میں ہے کہ اصل میں جب اونٹ اپنی مرضی سے پانی پینے جائیں تو کہا جاتا ہے، ''ارفه القوم'' کثرت تدہن اور ادہان کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

ابوسعید کہتے ہیں، کہ ''ارفان'' کا معنی ہے تنعم وتفاخر یعنی طعام پر طعام کو ظاہر کرنا اور لباس پر لباس پہننا۔

شرح السنۃ میں ہے کہ اسی سے ''رفاھیۃ'' ماخوذ ہے۔ نبی علیہ السلام نے تنعم میں افراط کو ناپسند کیا ہے۔ یعنی تیل لگانے

اور کنگھی کرنے میں، جیسا کہ اعاجم کی عادت ہے اور ان تمام امور میں میانہ روی کا حکم فرمایا ہے۔ طہارت اور تنظیف اس حکم میں نہیں ہے کیونکہ نظافت تو دین کا حصہ ہے۔

حذآء: حائے مہملہ کے کسرہ اور الف ممدودہ کے ساتھ' بمعنی ''نعل'' **قوله: كان رسول الله ﷺ يأمرنا أن نحتفي أحيانا:** یعنی رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم ننگے پاؤں چلیں تواضع کیلئے اور کسرِ نفسی کیلئے مجبوری کے وقت جوتا نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کو ''احیانا'' کے ساتھ مقید کیا ہے اور لفظ ''احیانا'' ''غبا'' سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

بالوں کا اکرام کرو

۴۴۵۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْیُكْرِمْهُ.

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/ ٣٩٤ الحديث رقم ٤١٦٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کے بال ہوں اسے ان کا اکرام کرنا چاہیے یعنی ان کو دھویا اور تیل لگایا کرے اور ان کی کنگھی کیا کرے اور ان کو پراگندہ نہ رکھے کیونکہ ستھرائی اور خوش ہیئتی محبوب و پسندیدہ ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ظاہراً یہ لگتا ہے کہ یہاں بالوں سے مراد سر کے بال ہیں۔ یعنی اس کو دھویا کرے' ان میں تیل لگایا کرے' کنگھا کیا کرے اور اول جلول شخص کی طرح ان کو بکھرا نہ رہنے دے' کیونکہ نفاست وصفائی اور خوش ہیئتی ایک پسندیدہ اور محبوب چیز ہے۔

مہندی و وسمہ بڑھاپے کو متغیر کرنے والا

۴۴۵۱: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَبِهِ الشَّیْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/ ٤١٦ الحديث رقم ٤٢٠٥' والترمذی فی ٤/ ٢٠٤ الحديث رقم ١٧٥٣' والنسائی فی ٨/ ١٣٩ الحديث رقم ٥٠٧٧' وأحمد فی المسند ٥/ ١٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چیزیں جو بڑھاپے کو بہترین انداز سے متغیر کرنے والی ہیں وہ مہندی وسمہ ہے۔ یہ ترمذی' ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: **غیر به:** یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ اور ''به'' میں باء سببیہ ہے' الشیب) نائب فاعل ہے اور جامع صغیر کے الفاظ یہ ہیں ''ان احسن ما غیرتم به هذا الشیب''۔

الحناء: دونوں روایتوں میں رفع کے ساتھ ہے ''ان'' کی خبر ہونے کی بناء پر۔

الکتم: النہایہ میں ہے کہ ابوعبید کہتے ہیں، "الکتم" تشدید تاء کے ساتھ ہے اور اس میں مشہور تخفیف ہے۔ یہ ایک بوٹی ہے جس کو "وسمة" کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ بالوں کو کالا کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "کتم" "وسمة" ہی کو کہتے ہیں۔ اسی سے ایک حدیث ہے کہ ابوبکر صدیق مہندی اور کتم کے ساتھ بال رنگتے تھے اور اشبہ یہ ہے کہ "کتم" کو "حناء" سے علیحدہ متفرق طور پر استعمال کرنا مراد ہے۔ کیونکہ "مہندی" کے ساتھ جب "کتم" لگایا جاتا ہے تو کالا رنگ بن جاتا ہے۔ جب کہ کالے خضاب کے بارے میں صریح نہی آئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "بالحناء أو الکتم" کی حدیث تخییر پر محمول ہو۔ لیکن روایات حناء کتم کے بارے میں اختلاف ہے۔ (اھ) تو مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ بسا اوقات مہندی لگاتے تو آپ کے بال سرخ ہو جاتے تھے اور کبھی "کتم" لگاتے تو آپ کے بال سبز ہو جاتے تھے۔ "واؤ" بعض دفعہ "او" کے معنیٰ میں آتا ہے۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

❶ جب یہ تقسیم کے معنیٰ میں ہو۔ مثلاً "الکلمۃ اسم وفعل وحرف" ❷ جب یہ اباحت کے معنیٰ میں ہو۔ مثلاً: جالس الحسن و ابن سیرین۔ ❸ جب یہ "تخییر" کے معنیٰ میں ہو۔ (جیسے اس شعر میں ہے:)

وقالو: نأت فاختر لها الصبر : والبکا
فقلت البکا آشی اذا لغلیلی

"والبکاء" کا معنیٰ "او البکا" ہے۔ کیونکہ بکاء صبر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور اس طرح شاطبیؒ کا قول ہے۔

"وصل واسکتن":

کیونکہ "وصل" اور "سکت" میں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وقف بلا تنفس کو کہتے ہیں اور اس سے "فصل" حاصل ہو جاتا ہے۔

پھر ظاہراً بالوں کی رنگت کی تبدیلی میں ان دونوں کی فضیلت مراد ہے۔ تغیر کی کیفیت کا بیان مقصود نہیں ہے اور عسقلانیؒ فرماتے ہیں، کہ محض "کتم" کالا پن پیدا کرتا جو سرخی کی طرف مائل ہوتا ہے اور حناء سرخی لاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے استعمال سے سرخ اور کالے رنگ کے درمیان ایک رنگ بن جاتا ہے اور اس کی تائید "الصحاح" کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ "کتم" ایک بوٹی ہے جس کو خضاب کے لئے وسمہ کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور "مکتومة" عرب کا تیل ہے جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے اس سے زعفران یا کتم بنایا جاتا ہے اور اس بات کو "المغرب" میں منقول ازہریؒ کے اس قول سے بھی تقویت ملتی ہے کہ کتم ایسی بوٹی ہے۔ کہ جس میں سرخی ہوتی ہے اور اسی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: کان یخضب بالحناء والکتم وہ مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔

جزریؒ کہتے ہیں، کہ مہندی اور کتم دونوں کو ایک ساتھ استعمال کرنے کا تجربہ کیا گیا تو اس سے کالا رنگ نہیں ہوا بلکہ وہ مہندی کی پیلاہٹ اور سرخی کو سبز سا بنا دیتا ہے رنگت کالی نہیں ہو پاتی۔ ہمارے مشاہدہ میں یہی بات آئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر بات یہ ہے کہ "خلط" مختلف ہوتا ہے اگر اس پر "کتم" غالب ہو یا دونوں برابر سرابر ہوں کالا رنگ بن جاتا ہے اور اگر اس پر مہندی غالب ہو تو سرخ رنگ بن جاتا ہے۔ شمائل میں حضرت قتادہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی

اللہ عنہ سے پوچھا، کہ کیا رسول اللہ نے خضاب لگایا ہے؟ تو انہوں نے کہا، کہ ان کے بال خضاب کے محتاج نہیں ہوئے تھے اور مسلم کی روایت میں ہے:''لم یبلغ الخضاب کان شیئا'' اور ایک روایت میں ''شبیبا'' آیا ہے اور بخاریؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں انما کان شئی فی صدغیه۔ أی فیما بین عنیه و أذنه۔

میرکؒ کہتے ہیں، کہ یہ حدیث اسی طرح حضرت قتادہ سے مروی ہے اور مسلمؒ میں ابن سیرین نے اس کی عاصم احول کے طریق سے موافقت کی ہے۔اس میں صرف ابوبکرؓ کا ذکر ہے۔اس کے لفاظ یہ ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کیا حضرت ابوبکرؓ خضاب لگاتے تھے؟ تو انہوں نے کہا، کہ ''نعم، بالحناء والکتم'' اور احمد نے ہشام بن حسان عن محمد بن سیرین کے طریق سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:''وکان ابو بکر وعمر خضبا بالحناء والکتم''۔میرے خیال میں یہاں عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر وہم ہے، کیونکہ مسلمؒ میں حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس کے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں:''وقد اختضب ابو بکر بالحناء والکتم واختضب عمر بالحناء بحتاً ای صرفا'' میں کہتا ہوں کہ اس کو اس پر محمول کیا جائے، کہ عمرؓ نے ایک دفعہ ایسا کیا ہوگا اور دوسری مرتبہ ابوبکرؓ کی موافقت کی ہوگی یہ تاویل افضل ہے اس سے کہ ہم اس کو ''وہم'' پر محمول کریں اور اسی وجہ سے علامہ عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان دونوں کو جمع کرتے تھے۔البتہ ان کے کلام سے دوام مفہوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح امام احمد، ابن ماجہ، اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذیؒ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

سیاہ خضاب پر وعید

۴۴۵۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَايَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤١٨/٤ الحديث رقم ٤٢١٢، والنسائی فی ١٣٨/٨ الحديث رقم ٥٠٧٥، وأحمد فی المسند ٢٧٣/١۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے۔ جو اس سیاہی کے ساتھ خضاب کریں گے جو کبوتر کے پوٹوں کی طرح ہوتا ہے (کہ جس طرح بعض کبوتروں کا پوٹا خالص سیاہ ہوتا ہے) یہ لوگ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے۔ یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون:''یخضبون'': ضاد معجمہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔''هذا السواد'': مطلب یہ کہ لوگ سروں اور داڑھیوں کے سفید بالوں کو تبدیل کریں گے اس کالے رنگ کے ساتھ۔مراد اس سے جنس ہے۔اس کی معین نوع مراد نہیں ہے۔لہٰذا کالا رنگ مراد ہے۔گویا کہ یہ رنگ اس زمانہ میں متعارف تھا اور اسی لئے اس کو ''بھذا

السواد" سے تعبیر کیا۔ یا اس سے مراد خالص سیاہ کالا رنگ ہے تاکہ اس سے سرخی مائل سیاہ رنگ نکل جائے۔ جیسا کہ کتم اور حناء ہے اور اس کی تائید اس قید سے ہوتی ہے۔

كحواصل الحمام: کیونکہ وہ غالباً کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور اصل میں "الحوصلة" معدہ کو کہتے ہیں۔ یہاں پر اس سے مراد ان کا کالا سینہ ہے۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ تمام کبوتروں کے سینے کالے نہیں ہوتے بلکہ بعض کے کالے ہوتے ہیں اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، یہ فرمانا غالب احوال کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض کے سینے کالے نہیں ہوتے ہیں۔

قوله: لا يجدون رائحة الجنة: یعنی اس کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ وہ پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اس میں متعدد تاویلات کی گئی ہیں: ❶ یہاں پر مراد دھمکی ہے۔ ❷ یہ مستحل پر محمول ہے۔ ❸ یہ مقید دخول ❹ جنت سے پہلے قبر پر، ❺ موقف پر ❻ نار پر۔ میرکؒ فرماتے ہیں، کہ اکثر علمائے کرام کالے رنگ کے خضاب کی کراہت کے قائل ہیں۔ امام نوویؒ کا میلان کراہت تحریمی کی طرف ہے۔ بعض علماء نے جہاد میں اس کی رخصت دی ہے اور اس کے علاوہ میں رخصت نہیں دی ہے۔ بعض نے اس میں عورت اور مرد کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ عورت کو اجازت دی ہے۔ اس کو حلیمیؒ نے اختیار کیا ہے۔

ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگانا عورتوں کے لئے مستحب ہے، اور مردوں کیلئے حرام ہے، الا یہ کہ بطور علاج ہو۔

اسنادی حیثیت: میرکؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں مقال ہے۔

طبرانیؒ اور ابن ابی عاصمؒ نے ابو درداء سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **من خضب بالسواد سوّد الله وجهه يوم القيامة**۔ کہ جس نے کالا خضاب لگایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے چہرے کو کالا کریں گے۔ اسکی سند کمزور ہے۔

ڈاڑھی پر ورس کی زردی لگانا

۴۴۵۳: **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَيُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔** (رواه النسائی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٤١٧ الحديث رقم ٤٢١٠، والنسائي في ٨/١٨٦ الحديث رقم ٥٢٤٣، وحمد في المسند ٢/١٤٤۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دباغت کیے ہوئے بے بال چمڑے کا پاپوش پہنتے اور اپنی ڈاڑھی مبارک کو ورس سے زرد رنگ دیتے۔ ورس ایک گھاس ہے جو یمن میں پائی جاتی ہے۔ اور زعفران سے بھی رنگتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے یعنی اسی طرح کے جوتے پہنتے اور اسی طرح کا خضاب لگاتے۔ یہ نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: ان النبی کان یلبس النعال السبتیة:**

"السبتية": سین مہملہ کے کسرہ، بائے موحدہ کے سکون، تاء اور پھر یائے نسبتی۔ النہایہ میں ہے کہ "سبت"۔ سین مہملہ کے

کسرہ کے ساتھ' گائے کے مدبوغہ چمڑے کو کہتے ہیں جس کو قرظ کے ساتھ دباغت دی گئی ہو۔اس سے جوتے بنائے جاتے ہیں اور وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ (السبتیۃ' سبت الرأس سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے سر مونڈنا) کھال پر سے مونڈ کر زائل کئے ہوتے ہیں۔اور بعض کا کہنا ہے کہ (یہ ''انسبت الجلد'' کھال کا نرم ہونا سے ماخوذ ہے چنانچہ) اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ دباغت کے ذریعہ نرم کی گئی ہوتی ہے اور علامہ طیبیؒ کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ، میں اتساع ہے۔ یہ عرب کے اس قول کی طرح ہے: ''فلان یلبس الصوف والقطن والابرلیم'' تو اس سے مراد ان چیزوں سے تیار کردہ کپڑے ہوتے ہیں لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ ''یاء'' نسبتی کا وجود اس ''اتساع'' سے مانع ہے۔جیسا کہ کوئی کہے ''لبس القطنية'' قوله: يصفر لحيته بالورس: ''يصفر'': فائے مکسورہ مشددہ کے ساتھ ہے۔ای یجعلها اصفر ''الورس'': واؤ کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کو ملا کر داڑھی کو خضاب لگاتے تھے۔لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو کئی طرح سے مروی ہے۔ان میں سے ایک مسلم کی یہ حدیث ہے: لم يخضب رسول الله ﷺ وانما كان البياض في عنفقته وهي مابين الذقن والشفة السفلى 'وفي الصد غين وفي الرأس نبذ بضم فقتح أو بفتح فسكون أى شعرات متفرقة کی نفی کرتی ہے۔

عسقلانیؒ نے ان دونوں روایات کو جمع کیا ہے بایں طور کہ حضرت انسؓ کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے سفید بال اتنے نہیں تھے، کہ جو خضاب کے محتاج ہوں اور اس بات کو محمد بن سیرین کی روایت میں صراحت سے فرمایا ہے کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: ''لم يبلغ الخضاب''۔

مسلمؒ نے حماد عن ثابت عن انسؓ روایت کیا ہے کہ اگر میں چاہتا کہ آپؐ کے سر کے سفید بالوں کو گن لوں، تو میں ایسا کر لیتا۔اگلا ابن سعد اور حاکم نے اضافہ کیا ہے: ما شانه بالشيب۔

مسلم میں جابر بن سمرہ کی حدیث میں ہے، کہ آپؐ کے سر کے اگلے حصہ اور داڑھی میں سفیدی تھی۔ جب آپؐ تیل لگاتے تو نظر نہ آتی' اور اگر تیل نہ لگائے تو وہ نظر آتی۔(انتھی)

میرکؒ فرماتے ہیں، کہ اس جمع مذکور کی صورت مجھ پر واضح نہیں ہے (فليتأ مل فيه) اور میرے سامنے اس کی جمع کی صورت یہ ظاہر ہو رہی ہے کہ حدیث انس منقطع ہے۔تو جمع باعتبار مجموع ہے اور اس کے ساتھ ضمناً وہ اشکال بھی رفع ہو جائے گا کہ آپ علیہ السلام سے خضاب لگانا ثابت ہے۔تو اس کے ذریعہ رفع کی اشارہ کر دیا کہ حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ آپ کے بالوں میں سفید بال اتنے نہیں تھے کہ جو خضاب کے محتاج ہوتے اور یہ بات ''صحیحین'' میں مروی ابن عمرؓ کی حدیث کے منافی نہیں ہے کہ جس سے خضاب کا ثبوت ملتا ہے۔وہ فرماتے ہیں: رأيت النبي ﷺ يصبغ بالصفرة ۔حاصل جمع یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان تھوڑے بالوں کو کبھی کبھار تو خضاب لگایا ہے۔البتہ اکثر اوقات ترک کیا ہے۔ ہر ایک راوی نے جو کچھ دیکھا اس کے مطابق خبر دیدی اور دونوں سچے ہیں اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جس نے صبغ کی نفی کی ہے تو اس نے دوام اور عاحالت مراد لی ہے اور جس نے صبغ کو ثابت کیا ہے، تو اس نے بطور نادر الوقوع کے مراد لیا ہے۔

اور ابن حجرؒ نے جو فرمایا کہ انسؓ کی روایت ''لم يخضب'' یہ ان کے علم پر مبنی ہے، تو یہ بہت بعید ہے کیونکہ وہ آپ کے

خادم تھے ان پر یہ بات کیسے مخفی رہ سکتی ہے اور اس سے زیادہ یہ بات بعید ہے کہ جس نے ابن عمرؓ کی حدیث میں تاویل کی ہے۔ چونکہ انہوں نے اس حدیث میں صراحت کی ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو زرد خضاب لگایا کرتے تھے۔

الجامع الصغیر میں ہے: "رواہ الشیخان وابو داود عن ابن عمرؓ الی قولہ: "لحیتہ".

زرد خضاب کی پسندیدگی

۴۴۵۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا اَحْسَنُ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ اٰخَرُ وَقَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ فَقَالَ هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ اٰخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٤١٧ الحديث رقم ٤٢١١، وابن ماجه في ٢/١١٩٨ الحديث رقم ٣٦٢٧۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک آدمی گزرا جس نے مہندی کا خضاب کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا خوب ہے۔ پھر ایک شخص گزرا جس نے مہندی اور وسمہ کا خضاب کر رکھا تھا۔ یعنی خالص سیاہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پہلے سے بہت اچھا ہے۔ پھر ایک اور شخص گزرا جس نے زرد خضاب کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان تمام سے زیادہ اچھا ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ: مر علی النبی رجل قد خضب: "خضب": ضاد معجمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

ما احسن هذا: فعل تعجب ہے۔

قد خضب بالحناء والکتم: یعنی اس طور پر کہ وہ سیاہ نہیں تھا۔ اس سے ہماری سابقہ بات کی تائید ہوتی ہے کہ واؤ اپنے ہی معنی میں ہے یعنی جمع علی التفصیل پر تھا۔ حناء وکتم کے خضاب مرکب اور خالص جن کے خضاب میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اول میں سرخی سبزی کی طرف مائل ہوتی ہے اور دوسرے میں سرخی زردی کی طرف مائل ہوتی ہے۔

قد خضب بالصفرۃ: یعنی ورس اور زعفران کو باہم ملا کر تیار کردہ خضاب تھا۔ جیسا کہ آپ کے فعل سے ثابت ہے۔

هذا احسن من هذا: یہاں جنس مراد ہے۔

"کلہ": یہ تاکید کے لئے ہے۔

تخریج: و کذا ابن ماجه

خضاب کے ذریعے یہود کی مخالفت

۴۴۵۵: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٢٠٣ الحديث رقم ١٧٥٢، وأحمد في المسند ٢/٤٩٩۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بڑھاپے کو خضاب سے تبدیل کرو اور یہود کی مشابہت مت کرو۔ (کیونکہ یہود خضاب نہیں کرتے) یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: قال رسول الله غيرو الشيب ولا تشبهوا با ليهود: لاتشبهوا:** ایک تاء محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ترک خضاب میں یہود کی مشابہت مت کرو۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ نہی اس حالت کے ساتھ مختص ہو، کہ جس میں سفید بال کالے بالوں کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ اختلاف لونین میں ایک قسم کا تضاد قبح ہے اور منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ اگر پورے بال سفید ہو جائیں، اور پورے سر کے بالوں کا ایک ہی رنگ ہو جائے تو اس کو تبدیل نہ کرو۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو جو حالت کفر میں پل کر جوان ہوا ہو اور پھر مسلمان ہو گیا ہو تا کہ تغیر کے بعد وہ اسلام میں جوان نظر آئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید ابی قحافہ کے قضیہ سے بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ اہل جہاد کے ساتھ مختص ہو تا کہ دشمن پر رعب و دبدبہ طاری ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہی غالب ہے اور اسی پر اعصار و امصار میں امت کی غالب اکثریت کا عمل ہے۔ فرمایا: میں کہتا ہوں یہ صوفیانہ اشارہ عبارات صوریہ سے اشبہ ہے۔

۴۴۵۶ ـ ۴۴۵۷: وَرَوَاهُ النِّسَائِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالزُّبَيْرِ ـ

أخرجه النسائي في السنن ۱۳۷/۸ الحديث رقم ۵۰۷۳ـ أخرجه النسائي في السنن ۱۳۷/۸ الحديث رقم ۵۰۷۴، وأحمد في المسند ۱۶۵/۱ـ

ترجمہ: نسائی نے اس کو ابن عمر اور زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بعض نسخوں میں زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔

تخریج: اسی طرح امام احمد نے زبیرؓ سے اور احمد و ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں لفظ ''نصاریٰ'' کی زیادتی ہے اور امام احمد نے حضرت انسؓ سے یوں روایت کیا ہے۔ ''**غيروا الشيب ولا تقربوه السواد**'' اور ''الاحیاء'' میں ہے **الخضاب بالسواد خضاب الكفار** کالا خضاب دراصل کفار کا خضاب ہے۔

فائدہ: کہا جاتا ہے، کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے کالا خضاب لگایا وہ فرعون ملعون تھا۔

بڑھاپا نورانیت کا باعث ہے

۴۴۵۸: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَاِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً وَكَفَّرَعَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۴۱۴/۴ الحديث رقم ۴۲۰۲، والترمذي في ۱۱۵/۵ الحديث رقم ۴۲۰۲، والنسائي في ۱۳۶/۸ الحديث رقم ۵۰۶۸، وابن ماجه في ۱۲۲۶/۲ الحديث رقم ۳۷۲۱ وأحمد في المسند ۲۱۶/۴ـ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا سفید بالوں کومت چنو۔ کیونکہ بڑھاپا مسلمان کیلئے نورانیت کا باعث ہے۔ جس کا ایک بال اسلام میں سفید ہوا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی وجہ سے ایک نیکی لکھتا ہے اور اس سے ایک غلطی دور کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

تشریح: قوله: قال رسول الله لا تنتفوا الشيب فانه نور المسلم: لاتنتفوا: تائے ثانیہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''الشیب'' سے مراد سفید بال ہیں۔

فانه نور المسلم: یہ اضافت اختصاص کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی علامت ہے جو مسلمان کو غرور سے روکتی ہے۔ یہ شہوتوں اور فتور کو توڑتی ہے اور یہ اعمال صالحہ کا نور پیدا کر دیتی ہے جو قبر میں اس کے لئے نور بنے گا اور میدان حشر کے اندھیروں میں مؤمن کے آگے آگے ہوگا اور اہل حیاء کیلئے تغییر سابق اس کے منافی نہیں ہے تا کہ کفار مجاہدین کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ ان کو عمر رسیدہ اور ضعیف سمجھیں اور ان کی شجاعت میں قدح اور طعن کریں۔

مالکؒ نے سعید بن میسّبؒ سے روایت کیا ہے کہ بنی آدم میں سے اول جس شخص کے بال سفید ہوئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جب انہوں نے اپنی داڑھی میں سفیدی دیکھی، تو کہا کہ اے میرے ربّ! یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ وقار ہے''۔ تو ابراہیمؑ نے کہا، کہ اے میرے ربّ! میرے وقار میں اضافہ فرما۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ وقار صوری مصطفوی بالوں میں کیوں کم تھا؟ میں کہتا ہوں کہ چونکہ نبی کریم ﷺ عورتوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور عورتیں خضاب کئے ہوئے بالوں کو ناپسند کرتی ہیں۔ تو یوں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو کراہت طبعیہ سے محفوظ فرمالیا۔ ''والله اعلم باسرار النبوّة''۔

حاکم وابن سعد نے حدیث عائشہؓ کی تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرماتی ہیں: ما شانه الله ببيضاء اللہ تعالیٰ نے۔ آپ علیہ السلام کو سفید بالوں کے ساتھ بدصورت نہیں کیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے ماقبل حدیث کی وجہ سے۔ کہ آپ علیہ السلام کے بعض بال سفید ہو گئے تھے۔ تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ان سفید بالوں نے آپ کی حسن وخوبصورتی میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ جمال وکمال کے اعتبار سے مزید زیادتی کی۔ کیونکہ نور کے ساتھ وقار بھی آ گیا۔ گویا کہ ''نور علی نور'' اور ''سرور علی سرور'' ہوگیا۔

میرکؒ کہتے ہیں کہ سفید بالوں کو نوچنا اکثر علماء کے ہاں مکروہ ہے۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے: ''لا تنتفوا الشيب فانه نور المسلم'' اس کو ائمہ اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے ''حسن'' کہا ہے۔

امام مسلمؒ نے قتادۃ عن انسؓ روایت کیا ہے قال: كان يكره نتف الرجل الشعرة البيضاء من رأسه و لحيته۔'' نبی علیہ السلام سر اور داڑھی سے سفید بالوں کے نوچنے کو مکروہ سمجھتے تھے''۔ بعض علماء فرماتے ہیں، کہ ''نتف الشيب'' مکروہ نہیں ہے۔ البتہ ''علی وجہ التزین'' ہو تو پھر مکروہ ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے ''نتف'' سے منع کیا اور ''خضاب'' سے منع نہیں کیا، کیونکہ ''نتف'' میں اصل کے اعتبار سے تغیر خلقت ہے برخلاف خضاب کے، کہ وہ ناظر پر اصل خلقت کو تبدیل نہیں کرتا۔ (واللہ الموفق)

اسلام میں بوڑھا ہونے والے کیلئے بڑھاپا نور

۴۴۵۹ :وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (رواه الترمذى والنسائى)

أخرجه الترمذى فى السنن ۴/۱۴۷ الحديث رقم ۱۶۳۴' والنسائى فى ۶/۲۶ الحديث رقم ۳۱۴۲' وأحمد فى المسند ۴/۲۳۶۔

ترجمہ:حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوتو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا۔ یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

کعب بن مرۃ۔ یہ کعب ہیں۔ مرہ کے بیٹے ہیں۔''بہزی بنوسلیم''میں سے ہیں۔ ملک شام میں''اردن''میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔اور وہاں ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔ان سے کچھ لوگوں نے روایت کی ہے۔

تشریح: قوله: من شاب شيبة فى الاسلام كانت له نورا: یعنی قیامت اور موقف کے اندھیروں اور سختیوں سے روشنی اور جائے خلاص ہوگا۔

ترمذیؒ نے عمرو بن عبسہ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح ہے اور طبری نے ابن مسعود کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی علیہ السلام تغییر شیب کو مکروہ سمجھتے تھے۔ میرکؒ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت علیؓ 'سلمہ بن اکوع، ابی بن کعب اور کبار صحابہؓ کی ایک جماعت نے خضاب نہیں لگایا۔ حسنؓ و حسینؓ اور کبار صحابہؓ کی ایک جماعت نے خضاب لگایا ہے حدیث ابی امامہ سے استدلال کرتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ انصار کے مشائخ کے پاس تشریف لائے جن کی داڑھیاں سفید تھیں۔ آپ نے فرمایا: یا معشر الأ نصار حمر وا أو صفر وا' و خالفوا أ ل الكتاب۔ انصار کے گروہ!''داڑھی کو سرخ کرو یا زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو''۔اس حدیث کی تخریج احمد نے سند حسن کے ساتھ کی ہے۔ان حضرات کا استدلال دوسری احادیث سے بھی ہے جو کتاب میں اس باب کے تحت گزری ہیں۔امام طبریؒ نے ان احادیث کو جو اخضاب پر دال ہیں اور ان احادیث کو جو اس کے خلاف پر دال ہیں جمع کیا ہے۔ کہ یہ حکم اس شخص کیلئے ہے کہ جس کے سفید بال بے مزہ ہوں۔ تو اس کیلئے خضاب مستحب ہے اور جو اس کے برخلاف ہو تو اس کے حق میں مستحب نہیں ہے۔لیکن مطلقاً خضاب اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس میں اہل کتاب کی مخالفت کے حکم کا امتثال ہے اور اس کی وجہ سے بال غبار وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر اہل بلد کی عادت اس کے ترک کی ہو تو پھر اس کے حق میں ترک اولیٰ ہے۔ یہ جمع بین الروایات کی بہترین صورت ہے۔ (واللہ اعلم)

حاکم نے''الکنی''میں حضرت ام سلمۃ سے یہ زیادتی نقل کی ہے''مالم یغیرھا'' یعنی یہ فضیلت اس صورت میں حاصل ہوگی کہ اگر اس تغیر میں نیت ٹھیک ہو یعنی تکبر تستر اور تجبر وغیرہ کے طور پر نہ ہو۔ لہٰذا یہ اس بات کے منافی نہیں جو ماقبل میں گذری کہ جہاد کے لئے خضاب لگانا مستحب ہے۔

طبریؒ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً روایت کیا ہے۔"من شاب شیبة فی الاسلام فھی له نور الا ان ینتفھا او یخضبھا" لیکن عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور اس کو "حسن" کہا ہے۔ میں نے اس حدیث کے کسی بھی طریق میں استثناء مذکور نہیں دیکھا ہے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بال جمہ سے اُوپر تھے

۴۴۶۰: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ۔ (رواہ الترمذی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤٠٧/٤ الحديث رقم ٤١٨٧، والترمذي في ٢٠٥/٤ الحديث رقم ١٧٥٥، وابن ماجه في ١٢٠٠/٢ الحديث رقم ٣٦٣٥، وأحمد في المسند ١١٨/٦۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے تھے (یعنی وہ برتن میرے اور آپ کے درمیان میں رکھا ہوتا تھا) اور آپ کے بال مبارک جمہ سے اوپر اور وفرہ سے نیچے تھے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: **کنت اغتسل انا رسول الله من انا ء واحد:**

"رسول": رفع کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں نصب کے ساتھ ہے۔ میرک شاہؒ کہتے ہیں کہ "رسول اللّٰہ" نصب کے ساتھ مفعول معہ ہے اور رفع کے ساتھ جملہ کا عطف جملہ پر ہے اور ضمیر بارز ذکر فرمائی تا کہ عطف صحیح ہو جائے۔"ای اغتسل انا ویغتسل رسول اللّٰہ ﷺ" یا عطف مستتر پر ہے اور اس میں "تغلیب المتکلم علی الغائب" ہوگئی ہے اور [اسکن انت وزوجك الجنة] [البقرۃ۔۳۵] میں تغلیب المخاطب علی الغائب ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ "اسکن" میں تغلیب کا فائدہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جنت کے سکنیٰ میں اصل تھے اور حواء ان کی تابع تھیں یہاں پر تغلیب کا کیا فائدہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ عورتیں محل شہوات ہوتی ہیں۔ یا غسل پھر ابھارنے والی ہوتی ہیں، گویا کہ اس باب میں وہ اصل ہیں۔ آغازِ کتاب میں علامہ طیبیؒ کی نسبت سے اس جیسی بات پہلے بھی گزری ہے۔ یا اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ انسان اپنے بارے میں خبر دیتا ہے اور شاید یہی توجیہہ زیادہ واضح ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ پانی حضرت عائشہؓ کے غسل کیلئے تیار کیا گیا ہو نبی علیہ السلام ان کے ساتھ شریک ہو گئے ہوں۔ (کذا قیل) اول تو یہ توجیہ بعید ہے ثانی یہ کہ حضرت عائشہ کا "کنت" فرمانا۔ اس توجیہہ کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ عرفاً اور لغتاً یہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔

"من اناء واحدٍ" أغتسل کے متعلق ہے۔

اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں نے غسل یکے بعد دیگرے کیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل پہلے کیا ہوگا، جیسا کہ شان ادب کا تقاضا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں نے غسل بیک وقت فرمایا ہو اور ستر کا اہتمام فرمایا ہو جیسا کہ ان دونوں کے جمال کمال حیاء سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اگر "تکشف" بھی مان لیا جائے۔ تو اس میں "عدم النظر الی العورة" کا احتمال ہے، بلکہ

"عدم النظر" حضرت عائشہؓ کی بعض روایات میں صریح ہے۔ وہ فرماتی ہیں ما رأیت فرج رسول اللہ ﷺ میں نے رسول اللہؐ کے شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ آپ حضرت عائشہ سے زیادہ حیاء دار تھے اور حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں آتا ہے: ما رأیت منه ولا رأی منی یعنی الفرج۔ اور بلاشبہ کہ میں نے رسول اللہ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا اور انہوں نے میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا اور اس روایت سے وہ اشکال رفع ہو جاتا ہے جو میرکؒ نے بعض فضلاء سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ آدمی عورت کی شرمگاہ کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی جائز ہے اور آپ جانتے ہیں کہ احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جیسے ابن حبانؒ نے روایت کیا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا، یعنی اس بارے میں کہ آدمی اپنی بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ تو انہوں نے کہا، کہ میں نے عطاء سے پوچھا تو انہوں نے کہا، کہ میں نے اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا، تو انہوں نے اس حدیث کو بالمعنیٰ ذکر کر دیا۔ یہ اس مسئلہ کے بارے میں نص صریح ہے۔

اس کا نص ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ اس کی تقدیر پر کلام سابق کے ساتھ اس کا تناقض ہے۔ لیکن بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہو تو پھر اس کو فرج کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی رانوں وغیرہ پر۔ کیونکہ بسا اوقات غسل کے وقت فرج منکشف ہو جاتی ہے اس کے ساتھ اشکال زائل ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالحال)

بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے ماء قلیل سے چلو بھر کر پانی لینے سے وہ پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے برتن سے باہر ہاتھ دھوئے ہوں گے اس کے بعد انہوں نے پانی لیا ہوگا۔

میرکؒ فرماتے ہیں کہ بخاریؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "من اناء واحد من قدح" کہا گیا ہے "من" اولیٰ ابتداء ئیہ ہے اور "من" ثانیہ بیانیہ ہے۔ اولی یہ ہے کہ یہ کہا جائے، کہ "من قدحٍ" "من اناء" سے بدل ہے اعادۂ جار کے ساتھ اور ایک دوسری روایت میں آتا ہے: "من اناءٍ واحدٍ من جنابةٍ" اس میں "من" ثانیہ تعلیلیہ ہے. ای من اجل الجنابة وسببها۔

ابن التینؒ فرماتے ہیں: کان هذا الانا ء من شبه وهو بفتح المعجمة والموحدة نحاس اصغر۔ یعنی کہ یہ برتن پیتل کا تھا۔ ان کا استناد اس حدیث سے ہے جس کو امام حاکمؒ نے حماد بن سلمہ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے: "من تور من شبه"۔ القاموس کے مطابق "تور" پانی پینے کے برتن کو کہتے ہیں۔ اور بخاریؒ کی ایک روایت میں ہے: "من اناءٍ یقال له الفرق" "فرق" فاء اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور راء کے سکون کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ جمہور کے ہاں مشہور یہ ہے کہ تین صاع کا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو صاع کا ہوتا ہے۔ پہلے قول کی تائید ابن حبان کی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہ کے یہ الفاظ ہیں: "قدره ستة اقساطٍ" اور اہل لغت کا اتفاق ہے کہ (یعنی "فرق" بمنزلہ "بالٹی" وغیرہ کے تھا اور "تور" بمنزلہ "ڈلول" وغیرہ کے ہوتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب)

"قسط"۔ قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ نصف صاع کو کہتے ہیں۔

"تور" اور "فرق" میں جمع اس طرح ہوگا کہ "فرق" موضوع تھا جب کہ "تور" فرق کا آلہ تھا۔ اس سے عدم استعمال کا استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

بعض علماء کرامؒ نے "اغتسال الرجل بفضل المرأة وعكسه" کے جواز کو اختیار کیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور بعض نے "طهارة المرأة بفضل الرجل دون العكس" کے جواز پر استدلال کیا ہے اور بعض نے ممانعت کو اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے جب دونوں علیحدہ علیحدہ ہوں اور جب دونوں اکٹھے ہوں، تو اس کے جواز پر استدلال کیا ہے اور ہر ایک نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور تمام روایات کی صحت کی تقدیر پر اس میں جمع یوں ممکن ہے کہ نہی کو اعضاء سے ٹپکے ہوئے پانی پر محمول کیا جائے اور جواز کو "ما بقي في الاناء" پر محمول کیا جائے۔ یہی تطبیق امام خطابیؒ اور بعض علماء نے کی ہے کہ جواز اس وقت ہے جب دونوں ایک ساتھ چلّو بھریں۔ اور یکے بعد دیگرے بھریں تو ممنوع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جمع کی اس صورت میں فرق ظاہر نہیں ہوتا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ نہی کو اس پانی پر محمول کیا جائے جو اعضاء مستعملہ سے برتن میں ٹپک رہا ہو اور جواز کو اس صورت پر محمول کیا جائے جب "ماء مستعمل" پانی میں گرے۔ بعض نے نہی کو "مکروہ تنزیہی" اور "فعل" کو جواز پر محمول کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

قوله: وكان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة:

"جمة" جیم کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ' کاندھوں سے نیچے تک کے بال" وفرة" واؤ مفتوح' فاء ساکن اور پھر راء۔ وہ بال جو کان کی لو تک پہنچتے ہوں۔ یہ تعریف جامع ہے (کذافی الاصول والنہایہ وشرح السنہ) اس کا بظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ علیہ السلام کے بال "جمة" اور "وفره" کے درمیان تھے۔ یعنی نہ "جمة" اور نہ ہی "وفرة" تھے۔ کیونکہ "فوق الجمة" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بال محل جمة یعنی کندھوں تک نہیں پہنچے تھے اور "دون الوفرة" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بال کانوں کی لو سے نیچے تھے۔ لیکن بعض روایات میں آتا ہے: "كان عظيم الجمة الى شحمة اذنيه" اس حدیث کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ آپ کے بال "جمة" تھے۔ یہ آپ کے احوال کے اختلاف کے اعتبار سے ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے حسن غريب صحيح ہے اور ترمذیؒ نے شمائل میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: كان رسول الله ﷺ فوق الوفرة دون الجمة۔ کہ آپ ﷺ کے بال "وفرة" سے اوپر تھے اور "جمة" سے کم تھے۔ (جامع کذافی الاصول)

میرک کہتے ہیں کہ اسی طرح شمائل میں بھی ہے اور ابو داؤد نے اسی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ "فوق الوفرة دون الجمة" اور بعض نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ "عراقی جامع الترمذیؒ کی شرح میں ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "فوق" اور "دون" کبھی تو محل کی نسبت سے ہوتا ہے اور کبھی مقدار کی نسبت سے۔ لہٰذا "فوق الجمة" کا مطلب یہ ہے کہ محل میں اس سے بلند تھے اور "دون الجمة" کا مطلب یہ ہے کہ مقدار میں اس سے کم تھے اور اس طرح برعکس میں۔ علامہ عسقلانیؒ شرح البخاری میں فرماتے ہیں: وهو جمع جيد لولا أن مخرج الحديث متحد۔

حنفیؒ کہتے ہیں کہ اس میں بحث ہے کیونکہ اس تقدیر پر دونوں روایات کا نتیجہ از روئے معنی متحد ہے اور ان دونوں میں تفاوت بعض عبارت کا ہے۔ لہٰذا اس میں مخرج حدیث کا اتحاد قادح ہے۔ غاية ما في الباب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نیا ان کے نیچے کے راوی نے دونوں عبارتوں سے ایک معنیٰ کی ادائیگی کی ہے اور یہ بے غبار ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ شاید حضرت عائشہ اور

رسول اللہ نے ایک برتن سے کئی مرتبہ غسل کیا ہو اور یہ اختلاف اختلاف احوال سے پیدا ہوا ہے۔ (انتھی)

اور اس میں بھی کوئی خفاء نہیں ہے کہ اس کا مبنیٰ یہ بات ہے کہ جملہ "و کان" الخ حال ہے اور اگر یہ "کانت" پر معطوف ہو جیسا کہ ظاہر سے لگتا ہے، تو اس کا اغتسال کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا اور دونوں مستقل حدیثیں ہوں گی۔ اگرچہ یہ بذریعہ عطف ہوں۔

اگر اس کو (حال) کو صحیح تسلیم کیا جائے، اس سے لازم آئے گا کہ ہر غسل کے وقت علیحدہ حالت ہوتی تھی تو یہ بات اس سے مناسبت نہیں رکھتی جیسا کہ اہل عقل ودانش پر مخفی نہیں ہے۔! جانئے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کو "شرح شمائل" میں یونہی ذکر کیا ہے: "وانزل من الوفرة" اور کہا ہے "ای من محلها" وهوشحمة الآذن یہ روایت اصل "ابوداؤد" کی روایت کے ہم معنیٰ ہے۔ اور پھر کہا ہے کہ ہمارے ہاں موجود نسخوں میں روایت "فوق الجمة دون الوفرة" ہے اور یہ ابوداؤد کی روایت کے برعکس ہے۔ (انتھی)۔ "انزل من الوفرة" کے یہ الفاظ اصولِ معتمدہ میں موجود ہیں۔ نہ ہی تصحیح شدہ نسخوں میں موجود ہیں اور نہ ہی شراح میں سے کسی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

خریم رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اتباع

۴۴۶۱: وَعَنِ ابْنِ حَنْظَلِيَّةَ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمٌ الْاَسَدِيُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ فَبَلَغَ ذٰلِكَ خُرَيْمًا فَاَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ اِلٰى اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ۔ (رواه أبو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٣٤٨ الحديث رقم ٤٠٨٩، وأحمد فی المسند ٤/ ١٨٠۔

ترجمه: حضرت ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہ صحابی ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خریم اسدی رضی اللہ عنہ اچھا آدمی ہے۔ اگر اس کے لمبے بال اور تہبند کی درازی نہ ہوتی۔ یہ اطلاع حضرت خریم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اُسترا لے کر اپنے بال کانوں تک کاٹ ڈالے اور تہبند کو نصف پنڈلی تک بلند کیا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

ابن الحنظلیہ۔ ان کا نام "سہل" ہے۔ یہ "عبداللہ الحنظلیہ" کے بیٹے ہیں۔ یہ حنظلیہ ان کی پردادی ہیں اور یہ پردادی کے نام سے منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔ ان کے والد کا نام "ربیع بن عمرؓ" تھا۔ "سہل" اصحابِ بیعت شجرہ میں سے ہیں۔ انتہائی عالم و فاضل شخص تھے۔ نماز، و ذکر میں بکثرت مشغول رہتے تھے۔ یہ لاولد تھے کوئی اولاد نہ ہوئی شام میں سکونت اختیار فرمائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں "دمشق" میں وفات پائی۔

تشریح: قوله: عن ابن الحنظلية رجل من أصحاب النبی ﷺ:

"رجل": یہ "بدلیت" کی بناء پر مجرور ہے اس کا بدل واقع ہونا اس لئے صحیح ہے کہ یہ موصوف ہے اور "من أصحاب النبی ﷺ" اس کی صفت ہے اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے: ﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾

[العلق:۱۵-۱۶] ''دیکھو تو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اسکی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال'' اور ''ابن'' مبدل منہ ہے' اور ایک نسخہ میں ''رجل'' رفع کے ساتھ ہے۔اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔
ای هو رجل من اصحاب النبی ﷺ.

قوله:نعم الرجل خریم۔

قوله:لو لا طول جمته: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ طول شعر کوئی مذموم چیز نہیں ہے اور نہ ہی کسی خاص مقدار سے زائد بالوں کے قطع کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے۔تو شاید نبی علیہ السلام نے اس شخص کو ''طول جمة'' کی وجہ سے فخر و غرور کرتے ہوئے دیکھا ہو۔جیسا کہ اس پر ''اسبال ازاره'' دال ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس میں جواز ہے کہ ایک مسلمان اپنے غائب بھائی کے ان افعال مکروہ کا ذکر کر سکتا ہے جو اس میں موجود ہوں۔جب اس کو یہ معلوم ہو کہ جب وہ سنے گا تو وہ اس فعل کو ترک کر دیگا۔

جب ان کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے چھری لی،اور کانوں تک کے بالوں کو کاٹ ڈالا اس بات کو ختم کرنے کیلئے کہ جو غرور وتکبر کا باعث تھی۔

حکایت کی جاتی ہے کہ ایک بوڑھا اپنی داڑھی کی تحسین میں مشغول رہتا تھا،تو اس کو یہ بتلایا گیا،کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے مگر یہ کہ ٹھوڑی کے ساتھ معلق رہتی ہے۔تو وہ اس فعل پر نادم و پشیمان ہو کر بالوں کو نوچنے لگا۔پھر اس سے کہا گیا کہ وہ بھی اس چیز کے ساتھ متعلق ہیں کہ جس کے ساتھ آپ اس سے پہلے متعلق تھے۔

شرح السنہ میں ہے کہ بالوں کو کانوں کی لو تک کاٹنے کا جواز مردوں کے حق میں ہے اور عورتیں بالوں کو بڑھاتی رہیں' ان کے لئے ''جمہ'' جائز نہیں ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کے بالوں کا پیار سے پکڑنا

۴۴۶۲:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِیْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِیْ اُمِّیْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَاْخُذُهَا۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/٤١١ الحديث رقم ٤١٩٦۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے گیسو تھے۔میری والدہ نے مجھے کہا کہ میں ان کو نہ کاٹوں گی کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (پیار سے) پکڑتے اور کھینچتے تھے۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ذؤابة: یہ ذال معجمہ کے ضمہ اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ہمزہ کو واؤ سے بدل کر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔القاموس کے مطابق ماتھے کو یا سر میں بالوں کے اُگنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

لا اجزها: جیم کے ضمہ اور زائے مشددہ کے ساتھ ہے۔مطلب یہ ہے کہ میں اس کو نہیں کاٹوں گی کیونکہ رسول اللہ اس کو پسند تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ دل لگی فرماتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ کانوں تک اس کو لمبا کرتے تھے پھر کانوں سے زائد

حصہ کو لے کر کاٹ دیتے تھے۔

''کان'' والا جملہ استیناف تعلیل کیلئے ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث، حدیث سابق کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ زلفیں نہ تراشنے کی علت انہوں نے یہاں بتلائی ہے کہ نبی علیہ السلام انہیں پکڑا کرتے تھے، وہ اس سے تبرک حاصل کرتی تھیں۔ یہ بات پہلے ہم نے بیان کر دی ہے کہ یہ کاٹنا کوئی حتمی امر نہیں ہے اور یہ کہ ''حدیث سابق'' میں ایک عارض تھا یعنی تکبر اور غرور، لہٰذا یہ قطع مخصوص اس شخص کے ساتھ مخصوص ہوگا جس میں یہ علت پائی جا رہی ہو۔ یا جس کے بارے میں خدشہ ہو کہ وہ اس میں مبتلا ہوگا' نہ کہ علی الاطلاق۔ کیونکہ کانوں سے بڑھے ہوئے بال کاٹنا بالاتفاق جائز ہے۔

سر کے تمام بال مونڈھنا

۴۴۶۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْهَلَ اٰلَ جَعْفَرٍ ثَلَاثًا ثُمَّ اَتَاهُمْ فَقَالَ لَا تَبْكُوْا عَلٰى اَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُوْا اِلَيَّ بَنِيْ اَخِيْ فَجِيْءَ بِنَا كَاَنَّنَا اَفْرَاخٌ فَقَالَ ادْعُوْا اِلَيَّ الْحَلَّاقَ فَاَمَرَهٗ فَحَلَقَ رُءُوْسَنَا۔ (رواہ ابو داود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٤٠٩ الحديث رقم ٤١٩٢، والنسائی فی ٨/٩٢ الحديث رقم ٥٢٢٧، وأحمد فی المسند ١/٢٠٤۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد جعفر کو تین دن تک (سوگ کی) اجازت دی۔ (یہ اجازت ان کی شہادت کی اطلاع پہنچنے کے بعد تھی کہ وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پر روتے تھے اور ان پر عرض کرتے تھے)۔ ان دنوں میں آپ تشریف لائے یعنی دلاسہ دینے کیلئے اور ارشاد فرمایا تم آج کے دن کے بعد میرے بھائی پر مت رؤو۔ پھر فرمایا میرے پاس میرے بھتیجوں کو بلاؤ یعنی عبداللہ' عون اور محمد کو جو کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ ہمیں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا گویا کہ ہم چوزے تھے یعنی چھوٹے چھوٹے تھے۔ پھر فرمایا کہ نائی کو بلاؤ (بلایا گیا) پھر آپ نے اسے ہمارے سر مونڈنے کا حکم دیا۔ تو اس نے سر مونڈ دیے۔ یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: ثلاثا: أی ثلاث ليال. تین راتیں۔ یہ ظاہر اور مناسب ہے ظلمات حزن کے پیش نظر۔ اگرچہ راتیں اور دن آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے قصہ میں تین راتوں کا ذکر کیا ہے اور ایک جگہ تین دن کا ذکر کیا ہے۔ علامہ طیبیؒ کے اس تفسیر سے عدول کرنے کی کوئی وجہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ أی ثلاثة ایام۔ شیخ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کی ثلاثہ (یعنی تین راتوں) کا ذکر راتوں کے پرمشقت و پرفکر ہونے کی وجہ سے کیا' اور کلام میں ان کے مدعا کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ وہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہے۔ جیسا کہ ادنیٰ توجہ سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں دلالت ہے کہ میت کے غم میں رونا اور اس پر سوگ منانا تین دن تک جائز ہے۔

''لا تبکوا علی اخی'': ان کو بھائی کہنا دینی بھائی یا نسبی بھائی کے طور پر تھا کیونکہ یہ آپؐ کے چچازاد تھے اور عرب

قریب کو "أخ" کہتے ہیں۔

"بعد الیوم": آج کا دن یا تیسرا دن مراد ہے۔

کأننا افراخ: ہمزہ کے فتحہ' فاء کے سکون اور راء کے ضمہ کے ساتھ "فرخ" کی جمع ہے۔ پرندے کے بچے کو کہتے ہیں۔ آپ نے اس کو بال مونڈنے کا حکم دیا اگرچہ بال باقی رکھنا افضل ہے مگر حج وعمرہ سے فراغت کے بعد حلق افضل ہے۔ جیسا کہ کمال معتاد طریقہ یہی ہے۔ چونکہ ان کی والدہ اسماء بنت عمیس شوہر کے قتل کے غم کی وجہ سے ان کے سر میں کنگھی کرنے طرف متوجہ نہ ہوسکیں چنانچہ نبی کریمؐ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے سر میں میل کچیل اور جوئیں نہ ہو جائیں۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ولی کو بچہ کا سر منڈانے اور ختنہ کے بارے میں مکمل تصرف کا حق حاصل ہے۔

ختنہ میں مبالغہ نہ کرو

۴۴۶۴: وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ الْاَنْصَارِيَّةِ اَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْهِكِيْ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَحْظٰى لِلْمَرْاَةِ وَاَحَبُّ اِلَى الْبَعْلِ ۔

(رواہ ابوداود وقال هذا الحديث ضعيف وراويه مجهول)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/٤٢١ الحديث رقم ٥٢٧١۔

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت (عورتوں کا) ختنہ کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم چمڑے کو کاٹنے میں مبالغہ نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ اس میں مبالغہ نہ کرنا عورت کیلئے باعث لذت ہے اور خاوند کیلئے لذیذ تر ہے یعنی اگر اس جگہ کو کاٹنے میں مبالغہ کیا جائے تو خاوند و بیوی لذت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ اور یہ روایت ضعیف اور اس کے راوی مجہول ہیں۔

تشریح: تخنتن: تاء مخففہ کے کسرہ کے ساتھ۔ لا تنھکی: تاء کے ضمہ اور ہاء کے کسرہ کے ساتھ' اور ایک نسخہ میں دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ فان ذلك: کاف کے کسرہ کے ساتھ۔ ای عدم المبالغة والا ستقصاء أحظى: حائے مہملہ کے سکون اور ظائے معجمہ کے فتحہ کے ساتھ ای انفع للمرأة

یہاں "ألذ" کے معنی میں ہے۔

شرح السنہ میں ہے۔ کہ اس کو "اشمی ولا تنھکی" بھی روایت کیا گیا ہے اور "لا تنھکی" دراصل "اشمی" کیلئے تفسیر ہے. أی لا تستقصی۔ کیونکہ عدم مبالغہ اور استقصاء عورت کیلئے زیادہ فائدہ مند ہے اور شوہر کو اس سے زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب اس کے ختنہ میں مبالغہ کیا جائے تو پھر نہ عورت کو لذت حاصل ہوتی ہے اور نہ مرد کو۔ قوله: هذا الحديث ضعيف :اور ایک صحیح نسخہ میں "هدا حديث" کے الفاظ ہیں۔

وفی رواته مجهول :اس میں احتمال ہے کہ رواۃ سے مراد جنس رواۃ ہو۔ اس کی تائید ایک نسخہ صحیحہ سے ہوتی ہے جس میں ورواية کے الفاظ ہیں. اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس کے رواۃ میں سے ایک راوی مجہول ہے اور اس کی تائید

اس نسخہ سے ہوتی ہے جس میں ''وفی رواتہ مجھول'' کے الفاظ ہیں' کہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔ البتہ اس کو طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکمؒ نے ''مستدرک'' میں ضحاک عن قیس یوں روایت کیا ہے:

''اخنضی ولا تنھکی 'فانہ انضر للوجہ واحظی عند الزوج''.

مہندی کی بُو کو ناپسند فرمانا

۴۴۶۵: وَعَنْ كَرِيْمَةَ بِنْتِ هَمَّامٍ اَنَّ امْرَاَةً سَاَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَابَاْسَ وَلٰكِنِّى اَكْرَهُهٗ كَانَ حَبِيْبِىْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ رِيْحَهٗ۔ (رواہ ابوداودوالنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٣٩٥ الحديث رقم ٤١٦٤' والنسائى فى ٨/١٤٢ الحديث رقم ٥٠٩٠' وأحمد فى المسند ٦/٢١٠۔

ترجمہ: کریمہ بنت ہمام روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ سے مہندی کے خضاب سے متعلق دریافت کیا (سر پر) تو انہوں نے فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں مگر میرے ہاں یہ ناپسند ہے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بو کو ناپسند فرماتے تھے۔ یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

کریمۃ بنت ہمام۔ یہ کریمہ ہیں جو ہمام کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ ان کی حدیث ''خضاب'' کے متعلق ہے۔ ہمام میں ہاء پر ضمہ اور میم غیر مشدد ہے۔ سید رحمہ اللہ کے نسخہ میں ہاء کے فتحہ' میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''مغنی'' میں ''ہمام'' کا ضبط یوں ہے۔ ہاء مفتوح اور میم مشدد۔ اس نام کے کئی افراد ہیں' اور ہاء کے ضمہ اور میم غیر مشدد کے ساتھ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن ہمام کا نام آتا ہے۔ (تحریر المشتبہ)

تشریح: **قولہ: ان امرأۃ سألت عائشۃ رضی اللہ عنہ عن خضاب الحناء**): ظاہر سے لگتا ہے کہ ''سر'' میں حناء لگانے کے بارے میں پوچھا ہے۔ تو انہوں نے کہا، کہ اس فعل میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی اس کے مباح ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن میں اس کو ایک عارض کی وجہ سے مکروہ سمجھتی ہوں۔ اس عارض کا بیان اگلے جملہ میں آ رہا ہے۔ **قولہ: کان حبیبی یکرہ ریحہ**: اس قول سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ مہندی خوشبو نہیں ہے کیونکہ آپ علیہ السلام خوشبو پسند کرتے تھے۔ لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خوشبو کی یہ قسم آپ علیہ السلام کی طبیعت کے موافق نہ ہو۔ جیسا کہ ''زباد'' بعض لوگوں کی طبیعت کے موافق نہیں ہوتی اور جیسا کہ آپ علیہ السلام گوشت پسند کرتے تھے لیکن بعض حیوانات کا گوشت آپ نہیں کھاتے تھے کیونکہ اس سے طبیعت مبارکہ کو گھن آتی تھی۔ پھر حدیث کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ کراہت بالوں کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ چکنائی اور بدبو کا اثر بالوں میں باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رنگنے میں مہندی سے تجاوز کر کے ورس اور زعفران لگایا ہے۔ امہات المؤمنین کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مہندی کو آپ مکروہ نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آگے حدیث میں آئے گا اور وہ حدیثیں بھی آئیں گی جس میں ہے کہ آپ نے ان عورتوں پر نکیر کے لیے کی ہے کہ جنہوں نے ہاتھوں پر مہندی

نہ لگائی ہو۔ واللہ اعلم۔

عورت کیلئے مہندی کی تاکید

۴۴۶۶: وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٩٥ الحدیث رقم ٤١٦٥۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ بیشک ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ ؐ! مجھ سے بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا میں تجھ سے بیعت نہیں لیتا (یعنی زبان کے ساتھ) یہاں تک کہ تو اپنے ہاتھوں کو مہندی سے متغیر کرے یعنی مہندی لگائے۔ پس گویا تیرے ہاتھ گویا درندے کے ہیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: یا رسول الله بایعنی: حدیث کا ظاہر یہ بتلا رہا ہے کہ یہ بیعت فتح مکہ کے روز کی بیعت کے علاوہ تھی۔

قوله: وکانهما کفا سبع:

کراہت میں آپ نے ان کے ہاتھوں کو درندے کے ہاتھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ مردوں کے مشابہ لگتی ہیں۔ اس کی تائید آنے والی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث سے مردوں کے ہاتھوں پر مہندی لگانے کی کراہت بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

عورت کے ہاتھ کی علامت مہندی ہے

۴۴۶۷: وَعَنْهَا قَالَتْ اَوْ مَأَتْ اِمْرَاَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فَقَالَ مَا اَدْرِيْ اَيَدُ رَجُلٍ اَمْ يَدُ امْرَاَةٍ قَالَتْ بَلْ يَدُ امْرَاَةٍ قَالَ لَوْ كُنْتِ امْرَاَةً لَغَيَّرْتِ اَظْفَارَكِ يَعْنِيْ بِالْحِنَّاءِ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٩٦ الحدیث رقم ٤١٦٦، والنسائی فی ٨/١٤٢ الحدیث رقم ٥٠٨٩، وأحمد فی المسند ٦/٢٦٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اشارہ کیا اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جو کہ کسی نے جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس کھینچ لیا اور وہ خط وصول نہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا میں نہیں جانتا کہ یہ ہاتھ آیا مرد کا ہے یا عورت کا۔ وہ عورت کہنے لگی یہ ہاتھ عورت کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی یعنی عورتوں کے شعار کا لحاظ کرنے والی ہوتی تو اپنے ناخنوں کو مہندی سے رنگین کرتی ہے۔ یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: اومت: صحیح نسخوں اور اصول معتمدہ میں میم کے بعد بلا ہمزہ آیا ہے۔ یہ اصل میں "موم" ہے یعنی معتل اللام ہے۔ لیکن صاحب قاموس نے اس کا مادہ مطلقاً ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کو "مہموزات" میں ذکر کیا ہے۔ بعض "شراح مصابیح" نے ذکر کیا ہے کہ اس کی اصل "اومأت" ہے۔ یعنی ہمزہ کے ساتھ ہے ہمزہ کو الف کے ساتھ بدل کر تخفیف کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔ اس کا معنی ہے "اشارت" سین کے کسرہ کے ساتھ ہیں۔

"بیدها كتاب": مبتدا مؤخر اور خبر مقدم کی مل کر یہ جملہ "امرأة" کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ اس سے حال واقع ہو۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، "کتاباً" جار و مجرور کے لئے فاعل ہے، نہ کہ مبتدا۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ جملہ اسمیہ بغیر واؤ کے حال واقع ہو گیا اگرچہ یہ قول ضعیف کے مطابق جائز بھی ہے اور یہ بھی مخفی نہیں ہے، کہ "حال" کا صحیح ہونا یہاں اس بات پر مبنی ہے کہ "مرأة" اصل میں "من وراء ستر" سے موصوف ہے اور ظاہراً یہ لگتا ہے کہ یہ "او مت" کے متعلق ہے ابتدائی طور پر

فقبض النبی یدہ: ظاہر سے یوں لگتا ہے کہ آپؐ عورتوں کے ساتھ ہاتھ کے ذریعے بھی بیعت فرماتے تھے' حالانکہ قول مشہور اس کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہاں پر اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو مبالغہ فعلی کے لئے پھیلایا تھا۔ پھر آپ عورتوں کے بارے میں زبانی بیعت پر اکتفاء کرنے لگے یعنی آپؐ اپنا ہاتھ عورت کے ہاتھ سے نہیں ملاتے تھے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ پر کوئی کپڑا وغیرہ لپیٹ لیتے ہوں اور عورتیں تبرک کی غرض سے آپ کی آستین کو آپ کے ہاتھ کا قائم مقام قرار دے کر پکڑ لیتی ہوں۔ جیسا کہ حجر اسود کے بارے میں وارد ہے، کہ زمین میں یہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کو خطیب اور ابن عساکر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں حضرت انس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اُزرقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ سے موقوفاً روایت کیا ہے' اور دونوں کے الفاظ یہ ہیں: "الحجر یمین الله فمن مسحه فقد بایع الله"۔

قوله: قالت: بل امرأة: "امرأة" رفع کے ساتھ ہے۔ (یعنی یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے) ای صاحبتها۔ (یا یہ خبر ہے اور مبتدا محذوف ہے۔) ای أنا امرأة اور ایک نسخہ میں اضافہ کے ساتھ "بل ید امرأة" ہے،

یعنی بالحناء: یہ تفسیر حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ ہے یا کسی اور راوی کی بیان کردہ ہے۔

اس وجہ سے کہ یہ افضل ہے۔ یا اس وجہ سے کہ معتاد و متعارف ہے۔ یا حناء کا ذکر بطور مثال کے ہے۔ تو اس صورت میں یہ حناء کے علاوہ کو بھی شامل ہوگا۔

جامع صغیر میں یہ الفاظ ہیں: "لو كنت امرأة لغیرت اظفارك بالحناء"۔ اس کو احمدؒ اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر سابق حضرت عائشہؓ کے علاوہ کسی اور کی فرمودہ ہے۔

تین ملعون عورتیں

۴۴۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ

وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٩٩ الحديث رقم ٤١٧٠، وأحمد فی المسند ١/٢٥١۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان عورتوں پر لعنت کی گئی: ① ملانے والی اور ملوانے والی' ② بالوں کو چننے والی اور چنوانے والی اور ③ گودنے والی اور گودوانے والی بلا مرض کے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: لعنت: یہ صیغہ مجہول کا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔ یا ان کو رسول اللہ کی زبانی ملعون قرار دیا گیا ہے۔

الواصلة: اس میں ایک قسم کا جھوٹ ہے۔

النامصة: ① جو زیر ناف اور بغل کے بالوں کے علاوہ بالوں کو نوچتی ہو۔ ② بعض نے کہا ہے کہ ''نامصہ'' ''نمص'' سے ہے، نمص کے معنی ہیں، چہرہ سیدھا کے یا نوچنے کے ساتھ بال نوچنا۔ ③ اور بعض کہتے ہیں وہ عورت مراد ہے جو عورتوں کو ''نمص'' کے ذریعہ خوبصورت بناتی ہو۔

والواشمة: وہ عورت جو ہاتھ کی پشت پر یا بازوؤں پر یا جسم کے کسی اور جگہ پر سوئی یا کانٹے سے خون نکال کر اس میں سرمہ یا نیل وغیرہ کوئی چیز ڈالتی ہے تا کہ اس حصہ کا رنگ سبز ہو جائے اور اس میں نقوش باقی رہیں۔ یا اس میں اس کا نام لکھتی ہے۔

والمستوشمة: وہ عورت جو وشم کا مطالبہ کرتی ہو۔ اگر یہ فعل صیغرہ کے ساتھ کیا گیا تو فاعلہ گنہگار ہوگی اور مفعولہ گنہگار نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ مکلّف نہیں ہے۔

من غير داءٍ: یہ ''وشم'' کے ساتھ متعلق ہے۔ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اگر علاج کے طور پر ''وشم'' کی ضرورت ہو تو جائز ہے اگرچہ اثر باقی رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق ماقبل کے سب امور کے ساتھ ہے۔ یعنی اگر بیماری کی وجہ سے ان امور میں سے کوئی کام کرتی ہو تو پھر جائز ہے۔

اس کے ہم معنی صحاح ستہ کی ایک روایت بحوالہ ابن مسعود ماقبل میں گذر چکی ہے۔

مردوں کا لباس پہننے والی عورت پر لعنت

۴۴۲۹: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٣٩٩ الحديث رقم ٤١٧٠، وأحمد فی المسند ١/٢٥١۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی' جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مردوں جیسا لباس پہنے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: لعن رسول الله ﷺ الرجل يلبس "لبسة المرأة: "لبسة": لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''يلبس لبسة المرأة'': یہ جملہ صفت ہے (''الرجل'' کی) یا حال ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

اَسْفَارًا﴾ [الجمعة: ٥]

والمرأة: یہ نصب کے ساتھ ہے اس کا عطف "رجل" پر ہے۔ ای ولعن المرأة۔

البتہ جامع صغیر کے الفاظ یہ ہیں: "لعن الله الرجل" الخ. اس کو ابوداؤد اور حاکمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت ہے

۴۴۷۰: وَعَنْ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ قِیْلَ لِعَائِشَةَ اِنَّ امْرَاَةً تَلْبَسُ النَّعْلَ قَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَآءِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/٣٥٥ الحديث رقم ٤٠٩٩۔

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ایک عورت مردوں جیسا جوتا پہنتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرمائی ہے جو مردوں جیسی مشابہت اختیار کرنے والیاں ہیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: "الرجلة: جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

"من النساء": یہ "الرجلة" کا بیان ہے کیونکہ اس میں تاء ارادہ وصفیت کیلئے ہے۔ ای المتشبهة یعنی وہ عورت جو کلام اور لباس میں مردوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو۔ کہا جاتا ہے: کانت عائشة رجلة الرأی کہ حضرت عائشہؓ کی رائے (از روئے مضبوطی و پختگی) مردوں کی رائے کے مشابہ تھی۔ لہٰذا رائے یا علم میں مردوں کے ساتھ مشابہت مذموم نہیں ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کپڑے کا زائد پردہ لٹکانے پر ناراضی

۴۴۷۱: وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ كَانَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِاِنْسَانٍ مِنْ اَهْلِهٖ فَاطِمَةَ وَاَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ عَلَیْهَا فَاطِمَةُ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا اَوْسِتْرًا عَلٰی بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ قُلْبَیْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ یَدْخُلْ فَظَنَّتْ اَنَّ مَامَنَعَهٗ اَنْ یَّدْخُلَ مَارَاٰی فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَفَكَّتِ الْقُلْبَیْنِ عَنِ الصَّبِیَّیْنِ وَقَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبْكِیَانِ فَاَخَذَهٗ مِنْهُمَا فَقَالَ یَا ثَوْبَانُ اِذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰی اٰلِ فُلَانٍ اَنَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِیْ اَكْرَهُ اَنْ یَاكُلُوْا طَیِّبَاتِهِمْ فِیْ حَیَاتِهِمُ الدُّنْیَا یَا ثَوْبَانُ اشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِنْ عَصْبٍ وَسِوَارَیْنِ مِنْ عَاجٍ۔

(رواه احمد وابوداود)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٤/٤١٩ الحديث رقم ٤٢١٣، وأحمد في المسند ٥/٢٧٥۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال میں سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے یعنی آخری کلام وگفتگو ان سے فرماتے اور جو وصیت کرنا ہوتی ان کو فرماتے اور رخصت کرتے۔ اور جب سفر سے واپس لوٹتے تو اپنے اہل میں سب سے پہلے ان کے ہاں تشریف لاتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد سے واپس تشریف لائے جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اپنے دروازہ پر ایک ٹاٹ اور پردہ لٹکایا تھا (یعنی زینت کیلئے) کیونکہ اگر پردہ کیلئے ہوتا تو وہ آپ کو ناگوار نہ ہوتا۔ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے دو کڑے پہنائے تھے۔ (یعنی ہر صاحبزادے کو ایک ایک کڑا پہنایا تھا یا دو دو کڑے پہنائے تھے) پس آپ سفر سے تشریف لائے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل نہ ہوئے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گمان کیا کہ کون سی چیز نے آپ کو ان کے ہاں داخلہ سے منع کیا ہے۔ وہ چیز پردہ کا لٹکانا اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو کڑے پہنانا ہے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ نے وہ پردہ پھاڑ ڈالا اور دونوں کڑے ہاتھوں سے اتار کر توڑ ڈالے۔ پھر دونوں صاحبزادے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زیور کو لیا اور فرمایا۔ اے ثوبان! اس زیور کو آل فلاں کے پاس لے جا! آپ نے اپنے قرابت والوں کا نام لیا جو کہ مستحق تھے۔ اس لئے کہ یہ میرے اہل بیت ہیں میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنے لذائذ دنیا کی زندگی میں کھائیں یعنی اچھے کھانوں سے لذت حاصل کریں اور نفیس لباس پہنیں گویا طیبات کا کھانا یہ لذت حاصل کرنے اور سکون لینے سے کنایہ ہے بلکہ میں ان کے لئے فقر وریاضت کو اختیار کرتا ہوں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور وہ ان لوگوں کے مشابہ نہ ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا ...... ۔ آپؐ نے اس سے ایک گونہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شکستہ دلی خیال فرمائی۔ تو ارشاد فرمایا۔ اے ثوبان تم فاطمہ کیلئے ایک ہار عصب کا خرید لاؤ (عصب یہ سمندری جانور کا دانت ہے جس سے ہار بنتے ہیں) اور دو کڑے ہاتھی دانت کے خریدو' دونوں صاحبزادوں کیلئے۔ یہ احمد وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ: کان آخر عھدہ بانسان من اھلہ فاطمۃ رضی اللہ عنھا:

''فاطمۃ'' سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ ای عھد فاطمۃ۔ (یہ حذف مقدر ماننا اس لئے ضروری ہے) تاکہ ''مبتدا'' کا'' خبر ''پر حمل درست ہو جائے۔

یہ ''کان'' کی خبر ہے۔

قولہ: اول من یدخل علیھا فاطمۃ

''فاطمۃ'': نصب کے ساتھ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ رفع کے ساتھ ہے۔

غزاۃ: اصل میں یہ ''غزوۃ'' تھا۔ واؤ کی حرکت زاء کی طرف نقل کر دی گئی' اور اس واؤ کو الف کے ساتھ تبدیل کر دیا کیونکہ اصل میں متحرک تھی اور اب اس کا ماقبل مفتوح ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تاء تانیث کا ماقبل تقدیراً متحرک تھا۔ کیونکہ سکون ایک عارض ہے۔

مسحا: میم کے فتحہ کے ساتھ۔

او سترًا: یہ ''او'' شک کیلئے ہے۔ اور ''ستر'' سین کے کسرہ کے ساتھ ہے

حلت: لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''تحلية'' سے ماخوذ ہے۔ ''حلت'' اصل میں ''حليت'' تھا' یاء کو الف سے بدلا گیا چونکہ یاء متحرک تھی اور ماقبل مفتوح تھا پھر اس کو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور وصل کی صورت میں یہاں پر ''تاء'' کو حرکت دی جاتی ہے چونکہ التقائے ساکنین لازم آتا ہے۔ لہٰذا اس کی حرکت عارضی ہے اصلی نہیں ہے۔

''قلبين'': قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ کڑے' کنگن

فقدم: یہ تاکید کے لئے ہے۔ چونکہ حالیہ جملوں کی وجہ سے' درمیان میں فصل طویل آ گیا تھا۔

فلم يدخل: آپؐ حضرت ''فاطمہ'' کے گھر میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ آپ نے نورِ نبوت اور ظہور مکاشفہ سے دیکھ لیا تھا کہ دروازہ پر ایسا پردہ پڑا ہوا تھا اور حضرت حسنین کو ایسی چیز پہنائی ہوئی ہے جوان کیلئے مناسب نہیں تھی۔

فظنت ان ما: یہ ''ما'' موصولہ ہے۔ حق تو یہ تھا، کہ اس کو مفصولا لکھا جاتا۔

ما رای: یہ ''ما'' مصدری ہے' اور ''منعه'' کا فاعل ہے۔ یا ''ما'' موصول ہے اى ما راه من التستر و التغير ''واضح رہے کہ یہاں پر ''ان'' بفتح الہمزہ ہے اور 'ما' میں یہ احتمال ہے کہ یہ كافة ہو اور ''منع'' کا فاعل ''ما راى'' ہے۔ عبارت اس طرح ہو گی: ''ما منعه من الدخول الا ما راه من تعليق امر السترين وتحلية الحسنين''۔ تو اس صورت میں ''ما'' کو موصولا لکھا جانا چاہئے اور ''منعه'' اس کا صلہ ہوگا اور اس کا فاعل وہ ضمیر ہے جو ''ما'' کی طرف راجع ہے اور ''راى'' ''ان'' کی خبر ہو گی۔ اى الذى منعه من الدخول ما رأه. تو اس صورت میں اس کو ''موصولا لکھا جانا چاہئے'' اور اکثر نسخ مصححہ میں یہی ہے۔ اور ''مارأى'' میں ''ما'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے۔ واللہ اعلم۔

فكت القلبين وقطعته منهما : اى ما بأيدى الصبين أو كلا من القلبين منها أى من أيدى الصبين 'أو فصلت كلا من الصبين عن القلبين۔

''فكت القبين'': ''فكت'' کاف کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ ماقبل کیلئے عطف تفسیری ہے۔ حاصل یہ کہ ''قلبین'' کا ''قلبین'' کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ما جعل الله لرجل من قلبين﴾ [الاحزب۔ ٤]

فأخذه منهما: اشرفؒ کہتے ہیں اى أخذ النبى ﷺ شيئاً من الرأفة و الر قة عليهما یعنی نبی علیہ السلام کو ان پر رحم آیا۔ میں کہتا ہوں، کہ یہ معنیٰ مابعد کلام کے موافق نہیں ہے، علاوہ وہ ازیں امر زائد کو مقدر ماننا لازم آتا ہے۔ چنانچہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو توڑنے کے بعد حسنینؓ کے ہاتھ رسول اللہ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ ان کو صدقہ کر دیں۔ اور معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے: فاخذه أى مافى أيد يهما أو كلامن من القبين منهما اى من الحسنين وأعطا ه لثوبان۔

اذهب بهٰذا :اى بكل من القلبين (ان میں سے ہر ایک کنگن کو لے جاؤ) اور بعض نے کہا ہے کہ ''قلب'' کی طرف اشارہ ہے یا ان دراہم کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے ان کو دیئے تھے۔

الى آل فلان: یعنی وہ گھرانہ، فقر و حاجت میں مشہور و معروف تھا۔ علامہ طیبی اشرفؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خبر اسم اشارہ کی جگہ پر آئی ہو۔ اى أخذ النبى ﷺ ذلك اى القلب المفكك اور اس بات

کی دلیل کہ یہ بمعنی اسم اشارہ ہے یہ کلام ہے: "اذهب بهذا" اور "هذا" تحقیر کے لئے ہے۔

اور یہ بات کہ یہ اشارہ تحقیر کیلئے ہے محل تفتیش ہے۔ ہاں اگر اس سے تحقیر معنوی مراد ہو اس حیثیت سے کہ بعض کی نسبت سے زیادت تنعم صوری ہے تو اس کی توجیہہ ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے اگلے جملہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے "ان هؤلاءِ أهلی ......"۔

هؤلاء اهلی: "هؤلاء" یہ اس سے بدل ہے یا اس کا بیان ہے اور اس کی خبر "اكره" ہے۔ یا "اهلی" کی خبر ہے اور "اكره" جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے۔ مطلب یہ کہ میں جیسے اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ اسی طرح ان کیلئے بھی ناپسند کرتا ہوں

ابن ماجہ اور حاکمؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے: "ان اكثر الناس شبعا فى الدنيا اطولهم جوعا يوم القيامة" یقیناً اکثر لوگ دنیا میں سیر ہونے والے قیامت کے روز زیادہ بھوکے ہوں گے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "ان هؤلاء" یہ جملہ مستانفہ ہے موجب ممانعت کا بیان ہے اور "اهلی"، "ان" کی خبر ہے۔ لہٰذا اسم اشارہ تعظیم کیلئے ہے۔ تو اس صورت میں یہ معنیٰ ہوگا **لايجوز هذا المحقر لهؤ لاء العظام** کہ یہ حقیر اور کم تر چیز ان عظیم لوگوں کیلئے جائز نہیں ہے اور "اكره" یہ دوسرا جملہ مستانفہ ہوگا۔

يا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة:

"اشتر": راء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ "قلادہ" ہار کو کہتے ہیں۔

عصب: عین کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ اسکو فتحہ بھی دیا جاتا ہے عین اور صاد دونوں بغیر نقطے والے ہیں۔ جانور کے دانت کو کہتے ہیں۔ (النہایہ) علامہ خطابیؒ نے "معالم" میں فرمایا ہے کہ اگر یہ یمنی کپڑے نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ یہ کیا چیز ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ "قلادہ" اس سے بنتا ہو۔ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں یہ احتمال ہے کہ اصل میں روایت میں "عصب"۔ بفتح الصاد۔ ہے۔ حیوان کے جوڑ کے پٹھوں کو کہتے ہیں۔ یہ ایک گول سی چیز ہوتی ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی حیوان کے پاک پٹھے لے کر کاٹنے کے بعد "خرز" کے مشابہ کوئی چیز بناتے ہوں اور جب وہ چیز خشک ہو جاتی ہو، تو اس سے "قلادہ" بناتے ہوں اور جب مگر مچھ وغیرہ کی ہڈیوں سے کنگن بنانا جائز ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہے اور جائز ہے کہ "عصب" وغیرہ سے قلادے بنائے جاسکتے ہوں۔ فرماتے ہیں، کہ پھر مجھے بعض اہل یمن نے بتلایا کہ "عصب" سمندری جانور کا ہوتا ہے جس کو "فرس فرعون" کہتے ہیں۔ اس سے خرز اور چھریوں کے دستے وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے۔

قولہ: وسوارين من عاج:

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام خطابیؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ "عاج" اصل میں "ذیل" کو کہتے ہیں اور یہ مگر مچھ کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے اور یہ بات اصمعیؒ سے منقول ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ لغت مشہورہ سے ایسے معنی کی طرف عدول کیا گیا ہے جو اہل لغت کے ہاں مشہور و معروف نہیں ہے۔ اور مشہور بات یہ ہے کہ "عاج" ہاتھی دانت کی ہڈی کو کہتے ہیں اور اس وجہ سے متقدمین و متاخرین محدثین نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

میں کہتا ہوں شاید عدول کی وجہ یہ ہو کہ اصل میں الن کے بال "میت" (مردہ) کی ہڈی نجس ہوتی ہے بلکہ ہمارے ائمہ میں

سے امام محمدؒ کے ہاں تو ہاتھی بھی نجس العین ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ماً کول اللحم حیوان کی ہڈی کی طہارت صرف ذبح سے حاصل ہو سکتی ہے قول ضعیف کو اختیار کرتے ہوئے کہ میتة کی ہڈی پاک ہے۔اس کو''الروضہ'' میں ذکر کیا ہے۔سید جمال الدین نے ذکر کیا ہے، خطابی نے اصمعیؒ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ان العاج هو الذبل هو عظم ظهر اسحلفات البحرية'' اور اس کا استعمال جائز ہے' کیونکہ یہ ایک بحری حیوان طاہر کی ہڈی ہے۔البتہ ''عاج''یعنی ہاتھی دانت امام شافعیؒ کے ہاں نجس العین ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں طاہر ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول اسی طرح ہے۔لہٰذا یہاں پر اس کا حمل بعید نہیں ہے۔صاحب القاموس لکھتے ہیں کہ ''عاج'' ذبل کو اور ''عظم الفيل'' کو کہتے ہیں اور ''ذبل'' بحری یا بری سلحفاۃ (کچھوے) کی جلد کو کہتے ہیں یا سمندری جانور کی ریڑھ کی ہڈی جس سے کنگن اور کنگھیاں بنائی جاتی ہیں۔اھ۔حضرات ''حسنین'' کو یہ اس خیال سے پہنائے ہوں کہ ان کیلئے یہ پہننا جائز ہے اور جب نبی کریمؐ نے حضرت فاطمہ پر عتاب فرمایا کہ ان کے ہاں تشریف لے جانا چھوڑ دیا' اور ان سے جو فعل بصورت عصیان ظاہر ہوا تھا اس پر عتاب فرمایا اور ان کی طرف سے اور ان کے بچوں کی طرف سے کفارہ کے طور پر صدقہ کر دیا تو ان کی دلجوئی کے طور پر ایک قلادہ اور دو کنگن خریدے' تا کہ وہ یہ پہنیں' تشبہ بالرجال سے احتراز ہو' اور درشت ترین حالات میں بھی قناعت کا اظہار ہو' کہ جو بہترین انجام کا موجب ہے۔واللہ اعلم بالحال۔

اثمد سرمہ آنکھوں کی صحت کا باعث ہے

۴۴۷۲:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوْ الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٣٢ الحديث رقم ٤٠٦١' والترمذی فی ٤/٢٠٦ الحديث رقم ١٧٥٣' والنسائی فی ١٤٩/٨ الحديث رقم ٥١١٣' وأحمد فی المسند ١/٢٣١۔

ترجمه:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اثمد سرمہ لگایا کرو۔یعنی ہمیشہ لگاؤ۔پس وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور بالوں (پلکوں) کو اگاتا ہے۔جو کہ باعث زینت اور آنکھوں کی صحت کی علامت ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سرمہ دانی تھی۔جس سے آپ ہر رات میں تین مرتبہ سرمہ لگاتے تھے۔تین بار پے در پے دائیں اور تین بار بائیں آنکھ میں۔یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:اكتحلوا بالاثمد:

اثمد:ایک پتھر کو کہتے ہیں جس سے سرمہ بنایا جاتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اثمد معروف سرمہ ہے۔زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ سرمہ کی ایک خاص قسم ہے۔جیسا کہ ترمذیؒ کی روایت میں ابن عباس سے منقول ہے ان خير أكحالكم الاثمد کہ تمہارا بہترین سرمہ اثمد ہے۔علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک معدنی پتھر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اصفہانی سرمہ ہے جو

دفعۃ اوردانوں کوصاف کرتا ہے۔آنکھ کی صحت کی حفاظت کرتا ہے اس کی پلکوں کوتقویت دیتا ہے۔خصوصاً بوڑھوں اوربچوں کی۔
''تاج الأسامي میں ہے، کہ اثمد ''توتیاء'' کو کہتے ہیں اور ایک روایت میں ہے ''بالا ثمد المروح'' ہے یعنی آنکھوں کو راحت دیتی ہے اور یہ وہی ہے کہ جس کی طرف خالص مشک کو منسوب کیا جاتا ہے۔(قالہ ترمذیؒ) اورسنن ابوداوٗدؒ میں ہے أمر رسول الله ﷺ بالا ثمد المروح عند النوم وقال :ليتقه الصائم۔کہ رسول اللہ نے ''اثمد مروح'' لگانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ روزہ دار اس سے بچے بیہقیؒ میں حدیث ابی رافعؓ سے مروی ہے أن النبى ﷺ كان يكتحل بالا ثمد۔رسول اللہ اثمد سرمہ لگاتے تھے''۔لیکن اس کی سند میں مقال ہے۔

ابوالشیخؒ نے کتاب ''أخلاق النبیؐ'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:قالت :كان لرسول الله ﷺ اثمد يكتحل به عند نومه فى كل عين ثلاثا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے پاس اثمد تھا جس سے سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ہر آنکھ میں تین تین مرتبہ۔

قوله:فانه يجلوا لبصر: سرمہ لگانا نظر کو اچھا کرتا ہے آنکھ کی روشنی کو بڑھاتا ہے اور ''باصرۃ'' کو صاف کرتا ہے۔سر سے آنکھ کی طرف اترنے والے ردی مواد کو زائل کرتا ہے۔

قوله:ينبت الشعر:الشعر: پہلے دونوں حرف مفتوح ہیں اور عین کو ساکن پڑھنا بھی درست ہے۔لیکن میرکؒ فرماتے ہیں روایت فتحہ کے ساتھ ہے اور شاید کہ اس کی وجہ لفظ ''بصر'' کی رعایت ہے۔یہ محسنات لفظیہ بدیعیہ اور مناسبات سجعیہ میں سے ہے اور اس کی نظیر اس مقولہ کی یہ مشاکلت ہے:لاملجأ ولا منجا اور یہ روایت بھی اس کی نظیر ہے:اذهب الباس رب الناس کہ ''الباس'' کے ہمزہ میں ابدال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔اس کے اور بھی نظائر ہیں۔یہاں پر ''شعر'' سے مراد ''هدب'' (پلک) ہے۔جس کو فارسی میں 'مژہ' کہتے ہیں۔ان بالوں کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے کناروں پر اُگتے ہیں۔ابو عاصمؒ اور طبرانی نے حضرت علیؓ سے حدیث نقل کی ہے۔کہ تم اثمد لگایا کرو کیونکہ یہ بالوں کو اُگاتی ہیں اور گند کو دور کرتی ہے اور آنکھوں کو صاف کرتی ہے۔

قوله:وزعم:اس کا فاعل ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے جیسا کہ شارح نے اس کی تصریح کی ہے۔ابن ماجہ کی روایت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور شمائلؒ میں امام ترمذی کی روایات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور یہی اقرب ہے اور استدلال کے زیادہ مناسب ہیں اور بعض نے کہا ہے، کہ ''زعم'' کی ضمیر کا مرجع امام ترمذی کے شیخ محمد بن حمید ہیں۔بعض نسخوں میں ''فزعم'' فاء کے ساتھ ہے۔

بعض دفعہ ''زعم'' بول کر اس سے قول محقق مراد لیا جاتا ہے۔اگر چہ اس کا اکثر استعمال ''مشکوک فیہ'' یا ظن باطل میں ہوا کرتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وزعم الذين كفروا﴾ [التغابن: ۷] اور حدیث شریف میں ہے:''بئس مطية الرجل زعموا''۔اس کو امام احمدؒ اور ابوداوٗد نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے۔اگر یہاں پر ''زعم'' کی ضمیر کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہما ہوں جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے تو اس سے مراد قول محقق ہے۔جیسا کہ ام ہانیؓ نے اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم سے کہا تھا:''زعم ابن امى آنه قاتل فلان وفلان لاثنين من أصهارها أجرتهما فقال

النبي ﷺ اجرنا من أجرت" اگر "زعم" کا مرجع محمد بن حمید ہوں تو بعض حضرات کا زعم ہے کہ "زعم" اپنے معنیٰ حقیقی پر ہے۔ معنیٰ متبادر یہ ہے کہ اس میں ان کی اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے اور نبی علیہ السلام کے درمیان کے تمام وسائط کو ساقط کر دیا ہے۔ لیکن عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قائل ابن عباس ہوں تو پھر یہ کہا جاتا "وان النبي" اور "زعم" کے تذکرہ کا فائدہ باقی نہیں رہتا، مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ اس کو طول فصل کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ جیسا کہ بہت سی عبارت میں "قال" لایا جاتا ہے اور اس میں دو جملوں کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اوّل حدیث قولی ہے اور ثانی حدیث فعلی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام سیوطیؒ نے اس کو دو حدیثیں قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: **كان له مكحلة يكتحل منها كل ليلة ثلاثة في هذه وثلاثة في هذه**۔ کہ آپ علیہ السلام کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ اس میں سے ہر رات تین سلائی اس آنکھ میں اور تین سلائیاں اُس آنکھ میں لگاتے تھے۔

چونکہ عام طور پر "زعم" کا استعمال بمعنیٰ ظن ہوتا ہے تو اس قول "أن النبيَّ" کو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ضبط کیا اور اس کی خبر "**كانت له مكحلة**" ہے۔

مكحة : دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بیچ والا حرف ساکن ہے۔ یہ **آلۃِ كحل** "**ميل**" کا اسم ہے۔ یہ علیٰ خلاف القیاس ہے اور یہاں پر اس سے مراد سرمہ دانی ہے۔

يكتحل بها: مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں باء کے ساتھ ہے اور "شمائل" کی تمام روایات میں "**منها**" کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہاں "باء" بمعنیٰ "مِن" ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں کہا گیا ہے: ﴿**يشرب بها عباد الله**﴾[الانسان۔٦] اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باء سببیہ ہو۔

كل ليلة: بعض روایت میں "**قبل أن ينام**" ہے اور بعض میں "**عند النوم**" ہے۔

سوتے وقت سرمہ لگانے میں حکمت یہ ہے کہ اس وقت لگایا گیا سرمہ آنکھ میں زیادہ دیر باقی رہ جاتا ہے اور ان کے طبقات میں زیادہ سرایت کرتا ہے۔

ثلاثة: ای ثلاثۃ مرات متوالیہ مشار الیہ کی تعیین راوی نے بطریق تمثیل کی ہے۔ آپ علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، **من اكتحل فليوتر** جو سرمہ ڈالے تو طاق عدد میں ڈالے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ "ایتار" کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک تو ما قبل گزرا ہے اور اس پر متعدد روایات شاید ہیں اور اعتبار کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے ہر عضو میں ایتار کی تکرار کا تحقق ہو جائے جیسا کہ اعضاء وضوء میں تثلیث کا اعتبار کیا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آنکھ میں پانچ مرتبہ سرمہ لگایا جائے۔ تین مرتبہ دائیں آنکھ میں اور دو مرتبہ بائیں آنکھ میں، جیسا کہ شرح السنہ میں مروی ہے۔ اس کے مطابق "ابتداء" بھی بالیمین ہونی چاہیئے اور انتہاء بھی۔ تاکہ یمین کو یسار پر فضیلت حاصل رہے۔ جیسا کہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے لکھا ہے اور ہر آنکھ میں دو دو اور ایک دونوں کے درمیان تقسیم کر کے دائیں آنکھ میں تین مرتبہ پے درپے اور بائیں میں دو مرتبہ۔ تو اس صورت میں "وتر" دونوں کی نسبت سے ہوگا، لیکن پہلا قول زیادہ راجح ہے کیونکہ اس سے وتر "شفعا" حاصل ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ

بھی متصور ہو سکتا ہے کہ ہر آنکھ میں ایک مرتبہ ہو اور ''وترین'' کی تاویل ''عضوین'' کی نسبت سے ہو۔ لیکن اگر اس کو طہارت اعضاء کے باب پر قیاس کریں جبکہ دونوں میں امر جامع تنظیف و تزئین ہے۔ تو وہ پہلا ہی قول ہے۔

قوله: الترمذی : اور اسی طرح ''شمائل'' میں بھی اسانید مختلفہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تخریج: امام احمدؒ نے ابو النعمان الانصاریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے **التحلوا بالاثمد المروح فانه يجلو البصر و ينبت الشعر** کہ تم اثمد سرمہ لگایا کرو۔ جو راحت دینے والی ہے اور وہ آنکھوں کو جلاء بخشتا ہے اور پلکوں کو اُگاتا ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت جابر اور ابن عمرؓ سے اور حاکم نے بھی ان سے روایت کیا ہے: ''**عليكم بالاثمد عند النوم**'' الخ۔

طبرانیؒ نے اور ابو نعیمؒ نے ''**الحلية**'' میں حضرت علی سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے: ''**عليكم الاثمد فانه منبة للشعر مذهبة للقذى مصفاة للبصر**''۔

امام بغویؒ نے مسند عثمانؓ میں روایت کیا ہے: ''**عليكم بالكحل فانه ينبت الشعر و يشد العين**''

احمدؒ نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے: **انه ﷺ كان اذا اكتحل اكتحل وترا' و اذا ستجمر استجمر وترا**۔ جب آپ سرمہ لگاتے تو طاق عدد میں لگاتے' اور جب استنجاء کرتے تو طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرتے۔

دوائی میں چار چیزیں بہترین

۴۴۷۳: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَقَالَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْاِثْمِدُ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَاِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهٖ مَامَرَّ عَلٰى مَلَاٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/ ٣٤٠ الحديث رقم ٢٠٤٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سونے سے قبل تین تین مرتبہ ہر آنکھ میں سرمہ اصفہانی لگاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دوائی میں چار چیزیں بہترین ہیں: ① الدود ② سعوط ③ حجامت ④ مشی اور جس چیز سے سرمہ لگاؤ ان میں بہترین اصفہانی سرمہ ہے۔ یقیناً وہ بینائی کو روشن کرتا ہے۔ اور بالوں کو اُگاتا ہے اور سینگی بھر کر کھینچوانے کے بہترین دن سترہ' انیس اور اکیس کے ہیں اور آپ ﷺ کو جب معراج ہوئی۔ تو آپ کا گزر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے ہوا انہوں نے یہی کہا تمہیں بھری ہوئی سینگی کھینچوانا لازم ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اور انہوں نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

تشریح: **اللدود**: لام کے فتحہ اور دال کے ضمہ کے ساتھ۔ وہ دوائی جو مریض کو پچھلی یا اگلی شرمگاہ سے پلائی جاتی ہے۔

السعوط: یہ بروزن ''لدود'' ہے۔ جو ناک کی طرف ڈالی جاتی ہے۔

الحجامة: حائے مہملہ کے کسرہ کے ساتھ پچھنے لگوانا۔

المشی: یہ "مشی" سے فعیل کے وزن پر ہے اور ایک نسخہ میں میم کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور المغرب میں اس کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ دوا جو اطلاقِ بطن کیلئے پی یا کھائی جائے۔ تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "دواء مسہل" کو "مشی" اس لئے کہا گیا کہ یہ دوا پینے والا بیت الخلاء آنے جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

"خیر": اس کا نصب اور رفع دونوں جائز ہیں۔

عشرہ: شین کے سکون اور کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔

"یوم": یہ مرفوع ہے' مضاف ہے' "ان" کی خبر ہے۔

یوم احدٰی وعشرین: لیکن یہ بظاہر "یوم أحد وعشرین" ہے۔

وان رسول اللہ ﷺ حیث عرج به: یہ جملہ مستطردہ ہے۔ راوی نے "حجامة" پر ابھارنے کیلئے اس کو ذکر کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی مقول ہو کر منقول بالمعنیٰ ہو۔

تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں حجامت میں ملائکہ کے مبالغہ سے کام لینے کی وجہ علاوہ اس منفعت کے جو اس کی وجہ سے بدن کو پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ خون ان قویٰ نفسانیہ سے نکل جاتا ہے وہ قویٰ نفسانیہ جو بندے اور اس کے "ترقی الی الملکوت" کے درمیان رکاوٹ ہوتے ہیں اور روحانی انکشافات تک حصول میں مانع ہوتے ہیں۔ خون کے غلبہ اور زیادتی کی وجہ سے جماحِ نفس اور اس کی صلابت بڑھ جاتی ہے۔ جب اس سے خون نکل جاتا ہے تو یہ اس میں خضوع وخمود اور لین ورقت کو پیدا کر دیتا ہے اس کی وجہ سے نفس امارہ سے وہ گندے خیالات منقطع ہو جاتے ہیں' اور اس کی خواہشات کا مادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے بصیرت بڑھ کر "نور علیٰ نور" ہو جاتی ہے۔

جامع صغیر میں یہ الفاظ ہیں: "**خیر ما تداویتم به الحجامة**"۔ اس کو احمدؒ، طبرانی اور حاکمؒ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابونعیم نے "الطب" میں حضرت علیؓ سے "**والفصاد**" کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے: اور اس میں اس طرح بھی ہے "**الحجامة تنفع من کل داءٍ ألا فاحتجموا**" اس کو دیلمی نے "مسند فردوس" میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے اس طرح مروی ہے: "**الحجامة فی الرأس تنفع من الجنون والجذام والبرص والاضراس والنعاس**" اس کو عقیلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور طبرانیؒ وابونعیمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے:

"**الحجامة فی الرأس شفاء من سبع اذا ما نویٰ صاحبها: من الجنون والصداع الجذام والبرص والنعاس و وجع الضرس وظلمة یجدها فی عینه**"۔

ابن ماجہؒ، حاکمؒ، ابن السنیؒ اور ابونعیمؒ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "**الحجامة علی الریق امثل' وفیها شفاء وبرکة' وتزید فی الحفظ والعقل' فاحتجموا علی برکة اللہ یوم الخمیس' واجتنبوا الحجامة یوم الجمعة والسبت ویوم الاحد، واحتجموا یوم الاثنین والثلاثاء 'فانه الیوم الذی عا فی اللہ فیه ایوب من البلاء'**

واجتنبوا الحجامة يوم الاربعاء 'فانه اليوم الذی ابتلی فيه ايوب' وما يبدو جذام ولابرص الا فی يوم الاربعاء او فی ليلة الاربعاء"۔

ابن حبیب نے "الطب النبوی" میں عبدالکریم الحضرمی سے معضلاً روایت کیا ہے: "الحجامة تكره فی اول الهلال' ولا يرجی نفعها حتی ينقص الهلال"۔

ابوداؤد و حاکمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح روایت کیا ہے: "من احتجم لسبع عشرة من الشهر وتسع عشرة واحدی و عشرين كان له شفاء من كل داءٍ"۔

طبرانی و بیہقیؒ نے حضرت معقل بن یسارؓ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں: "من احتجم يوم الثلاثاء لسبع عشرة من الشهر كان دواء لداءِ سنة"۔

حاکم و بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح روایت کیا ہے: من احتجم لسبع عشرة الشهر وتسع عشرة واحدی وعشرين كان له شفاء من كل داء۔

امام حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت یوں نقل کی ہے:

"من احتجم يوم الاربعاء او يوم السبت فرأی فی جسده وضحا فلا يلو من الا نفسه"۔

عورتیں حمامات میں داخل نہ ہوں

۴۴۷۴: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَی الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ اَنْ يَدْخُلُوْا بِالْمَيَازِرِ ۔ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/٣٠٠ الحديث رقم ٤٠٠٩' والترمذی فی ٥/١٠٥ الحديث رقم ٢٨٠٢' وابن ماجه فی ٢/١٢٣٤ الحديث رقم ٣٧٤٩' وأحمد فی المسند ٦/١٣٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یقیناً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حمامات میں داخلے سے منع فرمایا۔ پھر مردوں کو تو رخصت عنایت فرمائی کہ وہ تہبند کے ساتھ جا سکتے ہیں (مگر عورتوں کو نہیں دی) یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: نهی الرجال والنساء عن دخول الحمامات ثم رخص للرجال أن يد خلوا بالميازر: "میازر" اصل میں "مئزر" کی جمع ہے۔ حاکم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے: "نهی النبی ان يدخل الماء الا بمئزر"۔ مظہرؒ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کو رخصت نہیں دی کیونکہ ان کے تمام اعضاء ستر ہیں اور اس کا کشف جائز نہیں ہے مگر ضرورت کے وقت۔ مثلاً وہ مریضہ ہو اور بیماری کی وجہ سے داخل ہو یا اس کا نفاس منقطع ہو گیا ہو اور تنظیف کیلئے داخل ہو یا سخت سردی میں اس پر جنابت طاری ہو گئی ہو اور پانی گرم کرنے پر قدرت نہ رکھتی ہو اور ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہو۔

مردوں کیلیئے حمام میں ایسی ازار کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے جو ناف سے گھٹنوں تک کے حصہ کے لئے ساتر نہ ہو۔ یہ بات مخفی نہیں کہ ان کے کلام سے مردوں اور عورتوں کے مابین نہی میں فرق کی کوئی حکمت ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ عورتیں عورتوں کے ساتھ ایسی ہیں جیسا کہ مرد مردوں کے ساتھ ہو بغیر کسی فرق کے۔

شاید عورتوں کو دخول حمامات سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہو کہ غالباً وہ ایک دوسرے سے حیاء نہیں کرتی اور ایک دوسرے کے سامنے منکشف ہوتی ہیں اور ایک دوسری کو دیکھتی ہیں۔ یہاں تک کہ اجنبی عورتیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں، چہ جائیکہ وہ قریبی ہوں۔ بیٹی ماں کے ساتھ یا جاریہ اور جاریہ حبشیوں کے ساتھ۔ یہ تو گھر میں بھی ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتیں چہ جائیکہ حمام میں کریں۔ اس بات کا عورتوں کے حماموں میں اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے خاص طور پر بلادِ عجم میں اور یہ کہ وہ سرے سے ازار ہی نہیں پہنتی مگر نادرۃ العصر مثلاً بادشاہ کی عورتیں، یا امراء کی عورتیں۔ اگر رعایا میں سے کوئی ایک عورت بھی ازار پہن لے، تو حمام میں ضرب وطرد کے ذریعہ اس کو ملامت کیا جاتا ہے۔ گویا کہ آپ علیہ السلام نے نورِ نبوّت سے اس فساد کو دیکھ لیا تھا اس لئے سدِ باب کے طور پر ان کو منع کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حجاب کو شق کرنے والی عورت

۴۴۷۵: وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ قَالَ قَدِمَ عَلٰی عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِنْ اَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّكُنَّ مِنَ الْكُوْرَةِ الَّتِیْ تَدْخُلُ نِسَآئُهَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلٰی قَالَتْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَخْلَعُ امْرَاَةٌ ثِيَابَهَا فِیْ غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا وَفِیْ رِوَايَةٍ فِیْ غَيْرِ بَيْتِهَا اِلَّا هَتَكَتْ سِتْرَهَا فِيْمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

(رواہ الترمذی وابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٠١ الحديث رقم ٤٠١٠، والترمذی فی ٥/١٠٥ الحديث رقم ٢٨٠٣، وابن ماجه فی ٢/٢٣٤ الحديث رقم ٣٧٥١، والدارمی فی ٢/٣٦٥ الحديث رقم ٢٦٥١، وأحمد فی المسند ٦/٢١٧۔

ترجمہ: ابو الملیح کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس شام کے مشہور شہر حمص کی کچھ عورتیں آئیں آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کی رہنے والی ہو انہوں نے بتلایا کہ ہم شام کی رہنے والی ہیں تو آپؓ نے فرمایا کہ شاید کہ تمہارا تعلق اسی بستی سے ہے جہاں کی عورتیں حماموں میں جاتی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں تو حضرت عائشہؓ فرمانے لگی کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس عورت نے اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ اور کسی گھر میں اپنے کپڑے اتارے تو اس نے اپنے اور اللہ کے درمیان حجاب کو پھاڑ ڈالا اور ایک اور روایت کے اندر یہ اس طرح ہے کہ اپنے گھر کے علاوہ جگہ میں اس نے اپنے پردے کو پھاڑ دیا جو اس کے اور عزت اور بزرگی والے اللہ ﷺ کے درمیان تھا (یعنی ان دو روایتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں فی غیر بیت زوجھا کے الفاظ ہیں۔ اور دوسری میں فی غیر بیتھا کے

الفاظ ہیں بقیہ الفاظ اسی طرح ہیں) یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: الکورۃ: شہر کو بھی کہتے ہیں، یا اس کا کوئی کونہ مراد ہے۔

قلن بلی: یہ دلیل ہے، کہ عرب لفظ "بلی" کو نفی اور غیر نفی کی تصدیق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

قولہ: لاتخلع امرأۃ ثیابھا فی غیر بیت زوجھا الا ھتکت الستر بینھا وبین ربھا: کوئی عورت اپنے کپڑے اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ گھر میں اتارے، اگر چہ وہ گھر اس کے باپ یا ماں کا ہی کیوں نہ ہو۔ تو وہ حجاب' حیاء اور ادب کی چادر کو پھاڑ دیتی ہے ستر پوشی کا اہتمام کرے اور اپنے آپ کو اجنبی کی نگاہ سے بچائے کیونکہ وہ اس پر مامور ہے۔ یہاں تک کہ خلوت میں بھی کشف عورت نہیں کرنا چاہئے مگر یہ کہ جب وہ اپنے شوہروں کے پاس ہوں۔ لہٰذا اگر اس نے حمام میں بلاضرورت اپنے اعضاء کو منکشف کیا، تو درحقیقت اس نے اس ستر کی بے حرمتی کی' جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دے رکھا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس نازل کیا ہے تا کہ قابل شرم حصوں کو اس کے ذریعہ چھپایا جائے اور وہ لباس تقویٰ ہے۔ جب وہ اللہ سے نہیں ڈرتیں اور اپنا ستر کھول دیتی ہیں تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان ستر کی بے احترامی کی مرتکب ہوتی ہیں۔

حمام میں بغیر تہبند داخل ہونے کی ممانعت

۴۴۷۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَتُفْتَحُ لَكُمْ اَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِيْهَا بُيُوْتًا يُقَالُ لَهَا الْحَمَّامَاتُ فَلَا يَدْخُلَنَّهَا الرِّجَالُ اِلَّا بِالْاُزُرِ وَامْنَعُوْهَا النِّسَاءَ اِلَّا مَرِيْضَةً اَوْ نُفَسَاءَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٤/ ٣٠١ الحديث رقم ٤٠١١' وابن ماجه فی ٢/ ١٢٣٣ الحديث رقم ٣٧٤٨۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سرزمین عجم کو تمہارے لئے فتح فرمائیں گے اور تم وہاں ایسے مقام پاؤ گے جن کو حمام کہا جاتا ہے ان میں تم بغیر تہبند کے داخل نہ ہونا اور بیمار اور نفاس والی عورت کے علاوہ اپنی عورتوں کو وہاں داخلے سے منع کرنا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **قولہ: ستفتح لکم أرض العجم**: اس میں ماقبل تفسیر کی طرف اشارہ ہے۔ **ستجدون فیھا بیوتا**: بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر "وجدان" کی نسبت ان کی طرف کی ہے فتح کی نسبت ان کی طرف نہیں کی ہے۔ کیونکہ فتح ان کے فعل کی طرف مضاف نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ **قولہ: فلایدخلنھا الرجال الا بالأزر**: یہ نہی مؤکد ہے۔

الا بالازرر: ازار کی جمع ہے۔

شرح السنہ میں حضرت جبیر بن نفیر سے منقول ہے کہ ملک شام میں ہمارے سامنے عمر بن خطاب کا خط پڑھا گیا جس میں یہ لکھا ہوا تھا، کہ تم میں سے کوئی شخص حمام میں داخل نہ ہو مگر ازار کے ساتھ اور کوئی عورت اس میں داخل نہ ہو مگر بیماری کی وجہ سے

اور تم اپنے کھیل کو تین چیزوں میں محدود کرو: ❶ الخیل ❷ النساء ❸ النضال"۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ حمام میں داخل ہوتے تو یہ فرمایا کرتے تھے "نعم البیت الحمام یذھب الصنة ویذکر النار" "بہترین گھر حمام ہے، جو "صنہ" کو ختم کر دیتا ہے اور آگ کو یاد کراتا ہے"۔ ازھریؒ کہتے ہیں کہ "الصنة" سے مراد "الصنان" یعنی بغل کی بو ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جحفہ میں ایک حمام دیکھا۔ وہ احرام کی حالت میں اس حمام داخل ہو گئے اور فرمایا "مایعبأ الله بأ وساخنا شیئا"۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری گند میل کچیل سے کوئی سروکار نہیں۔

"احیاء العلوم" میں فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ شام کے حمامات میں داخل ہوئے۔ تو ان میں سے بعض نے کہا، کہ "بہترین گھر 'حمام' ہیں جو بدن کو صاف کرتے ہیں اور آگ یاد دلاتے ہیں۔ یہ حضرت ابودرداء اور حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے اور بعض نے کہا، کہ بدترین گھر حمام ہیں، جو ستر کو ظاہر کر دیتے ہیں اور حیاء کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہ اس کی آفت کی وجہ سے اعراض کیا جا رہا ہے اور وہ اس کی خصلت کی وجہ سے اور آفت سے احتراز کے وقت اس کا فائدہ طلب کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔"

مؤمن اپنی عورت کو حمام میں نہ جانے دے

۴۴۷۷: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسْ عَلٰی مَائِدَۃٍ تُدَارُ عَلَیْہَا الْخَمْرُ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۱۰۴ الحدیث رقم ۲۸۰۱ والنسائی فی ۱/۱۹۸ الحدیث رقم ۴۰۱، وأحمد فی المسند ۳/۳۳۹۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بلا تہبند حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص آخرت پر اور اللہ پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی عورت کو حمام میں داخل نہ ہونے دے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اس دسترخوان پر مت بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔ یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر: یہاں پر ایمان کے دو اطراف کا ذکر اختصار کی غرض سے فرمایا' اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ دونوں اصل ایمان ہیں اور "ایمان" سے مراد "کمال ایمان" ہے' یا تہدید مراد ہے۔

فلا یدخل: یہ باب افعال سے ہے۔ مطلب یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو حمام میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے اور اسی کے مفہوم میں ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ بھی داخل ہیں۔ یعنی جو بھی عورت اس کے حکم کے تحت ہو۔

''احیاء العلوم'' میں ہے کہ مرد کیلئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حمام کی اُجرت دے، کیونکہ اس صورت میں وہ اس مکروہ کام پر اس کا معاون ہے۔ **قوله فلا يجلس على مائدة تدار عليه الخمر:** یعنی وہ اس جگہ سے بھی نہ گذرے جہاں اس دسترخوان پر شراب کے جام چل رہے ہوں، اور لوگ شراب پی رہے ہوں۔ کیونکہ اگر وہ نہ بھی پیئے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان کو شراب نوشی سے روکے۔ جب وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی' نہ ہی ان سے اعراض کیا' اور نہ ہی ان پر غصہ ہوا تو وہ کامل مؤمن نہیں ہوگا۔

قوله: رواه الترمذی و النسائی:

اور ایک نسخہ میں ''ترمذی'' کی جگہ ''ابو داوٗد'' ہے۔ لیکن پہلے کی تائید جامع صغیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے. ''**رواه الترمذی والحاکم**''۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت باتفاق اہل معرفت موضوع ہے کہ آپ علیہ السلام ''جحفہ'' کے حمام میں داخل ہوئے۔ اگرچہ علامہ دمیریؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے اور ایک ضعیف روایت میں یہ ہے: **انه ﷺ كان يتنور' وكان اذا كثر شعره اى شعر عانته حلقه۔** کہ آپ علیہ السلام نورہ لگاتے تھے' جب آپ موئے زیرناف زیادہ ہوجاتے تو حلق فرمادیتے۔ یہ روایت صحیح ہے۔ ایک صحیح مرسل روایت میں ہے: **انه ﷺ كان اذا طلا بدأ بعا نته فطلا ها با لنورة وسائر جسده۔**

الفصل الثالث:

آپ ﷺ نے (سیاہ) خضاب استعمال نہیں کیا

۴۴۷۸: وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْشِئْتُ اَنْ اُعَدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَاْسِهٖ فَعَلْتُ قَالَ وَلَمْ يَخْتَضِبْ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَقَدِ اخْتَضَبَ اَبُوْبَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتاً ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۵۱/۱۰ الحديث رقم ۵۸۹۵ ومسلم في ۱۸۲۱/۴ الحديث رقم (۱۰۰-۲۳۴۱) والنسائي في السنن ۱۴۰/۸ الحديث رقم ۵۰۸۶' وابن ماجه في ۱۹۸/۲ الحديث رقم ۳۶۲۹۔

ترجمہ: ثابت کہتے ہیں کہ انس بن مالکؓ سے جناب رسول اللہ ﷺ کے خضاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر میں چاہتا تو آپ کی ڈاڑھی مبارک اور سر کے سفید بالوں کو شمار کرسکتا تھا (پھر آپ ﷺ خضاب کیوں کرتے آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا) اور انس یا ثابت نے ایک روایت میں یہ زائد بات بھی کہی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے مہندی اور کتم کا خضاب کیا اور عمرؓ نے صرف مہندی کا خضاب کیا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: ''**أعد**'': عین کے ضمہ کے ساتھ شمار کرنا' گننا

شطات: یہ ''**شمطة**'' کی جمع ہے' قاموس کے مطابق یہ حرکت کے ساتھ ہے' سر کے بالوں کی سفیدی جو سیاہی کے ساتھ ملی ہوئی ہوا سے کہتے ہیں۔ النہایہ میں ہے کہ ''**شمطات**'' سے مراد ان کے سر کے سفید بال ہیں' ان بالوں کی قلت بیان کرنا

مقصود ہے۔قولہ: ولم یختضب: یہ روایت اختضاب لحیہ کی روایت سابق' اور ابن عمر کی اگلی روایت کے منافی نہیں۔فتدبر۔
''فعلت'': اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ❶ عددت۔ ❷ فعلت العد۔قولہ: زاد فی روایة وقد اختضب أبو بکر ۔۔۔: اس پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈاڑھی پر زردی کے چھینٹے ڈالنا

۴۴۷۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ کَانَ یُصَفِّرُ لِحْیَتَهٗ بِالصُّفْرَةِ حَتّٰی یَمْتَلِیءَ ثِیَابَهٗ مِنَ الصُّفْرَةِ فَقِیْلَ لَهٗ لِمَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ قَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصْبَغُ بِهَا وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْهَا وَقَدْ کَانَ یَصْبِغُ بِهَا ثِیَابَهٗ کُلَّهَا حَتّٰی عِمَامَتَهٗ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٣٣٣ الحديث رقم ٤٠٦٤' والسنائی فی ٨/١٤٠ الحديث رقم ٥٠٨٥۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنی ڈاڑھی کو زردی کے ساتھ رنگتے یہاں تک کہ اس کے چھینٹے ان کے کپڑوں پر بھی پڑ جاتے تو کسی نے کہا کہ آپ زردی سے اپنی ڈاڑھی کو کیوں رنگتے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو زردی کے ساتھ اپنی ڈاڑھی رنگتے دیکھا اور آپ ﷺ کو ڈاڑھی کے خضاب کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی اور آپ ﷺ زردی سے اپنے تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی رنگتے تھے۔یہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: کان یصفر لحیته بالصفرة: ''صفرة'' سے مراد ''ورس'' ہے۔وہ ایک بوٹی ہے، جو زعفران کے مشابہ ہوتی ہے۔کبھی زعفران کے ساتھ بھی ملائی جاتی ہے قولہ: حتی یمتلی: اس کو بصیغۂ تذکیر و تانیث دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ ولم تصبغ'': بائے موحدہ کے ضمہ کے ساتھ ہے' اس کو فتحہ اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔قولہ: انی رأیت رسول اللہ ﷺ یصبغ بھا: بظاہر ابن عمر کی مراد یہ تھی کہ آپ علیہ السلام اپنی داڑھی کو زرد خضاب لگاتے تھے۔تاکہ یہ ابن عمرؓ کے اس فعل یعنی داڑھی کو زرد خضاب کرنے کے لئے دلیل بن سکے۔

امام سیوطیؒ نے مؤطا کے حاشیہ میں لکھا ہے، بعض نے کہا کہ اس سے مراد بالوں کو رنگنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کپڑوں کو رنگنا ہے، حسنؒ کہتے ہیں یہی زیادہ درست ہے کیونکہ آپ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے بالوں کو خضاب کیا ہو۔عیاضؒ کہتے ہیں کہ یہ ان دونوں توجیہات میں سے زیادہ واضح ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو زعفران لگانے سے منع کیا ہے۔عصفر اور زعفران والا لباس پہننے والے پر نکیر بھی کی ہے۔تو یہ اس پر کیسے محمول کیا جائے گا؟

صحیح بات وہ ہے جو صاحب النہایہ نے کہی ہے کہ اس میں مختار قول یہ ہے کہ بعض اوقات آپ نے خضاب لگایا ہے لیکن اکثر اوقات اس کو ترک کیا۔لہٰذا ہر ایک نے اپنی رؤیت کے مطابق خبر دی ہے۔یہ تاویل جمع بین الاحادیث کے لئے گویا متعین ہے۔

قولہ: وقد کان یصبغ بھا ثیا به کلھا حتی عمامته: یعنی حضرت ابن عمرؓ کی پگڑی بھی اس رنگ سے متأثر ہو جاتی

تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ کہ آپ اس کو رنگ لگاتے تھے اور پھر اس کو پہن لیتے تھے کیونکہ اس سے ممانعت کا بیان ماقبل میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

شرح السنہ میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ اپنی داڑھی کبھی کبھار زرد کرتے اور کبھی اس کو چھوڑ دیتے۔ حضرت ابوامامہ، جریر بن عبداللہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور عبداللہ بن بسرؓ سے مروی ہے، کہ وہ اپنی داڑھیوں کو زرد کرتے تھے۔ سالم بن عبداللہ اور سعید بن المسیبؒ بھی یہ کیا کرتے تھے اور کالے رنگ کے ساتھ خضاب کو مکروہ سمجھتے تھے۔ سعید بن جبیر تو فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے اس نور کو، بجھانے کا ارادہ رکھتا ہے جو اس شخص کے چہرہ میں ہے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال بہت ہی سفید تھے۔

رنگین بال باعثِ برکت

۴۴۸۰: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعْرًا مِّنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۰/۳۵۲ الحديث رقم ۵۸۹۷۔

ترجمہ: عثمان بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال جو کہ رنگین تھا وہ ہمیں نکال کر دکھایا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: میرکؒ کہتے ہیں کہ ابن ماجہ اور احمد نے اس روایت میں "بالحناء والکتم" کا اضافہ کیا ہے اور ابن سعد نے نصیر بن اشعث کے طریق سے ابن موہب سے نقل کیا ہے "ان ام سلمه أرته شعر رسول الله ﷺ" کہ حضرت ام سلمہ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال دکھائے جو سرخ تھے۔ اس کی تخریج بخاریؒ نے بھی کی ہے۔

اور اسی طرح ترمذی نے "شمائل" میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: رأيت شعر رسول الله ﷺ مخضوبا۔ کہ میں نے رسول اللہؐ کے بال خضاب لگائے ہوئے دیکھے۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت انسؓ کی روایت گذری ہے: کہ رسول اللہ نے خضاب نہیں لگایا۔

اس کی یہ توجیہہ ہے کہ نفی سے مراد اکثر احوال کی نفی ہے اور اثبات بعض اوقات کا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور دوسرے کو مجاز پر محمول کیا جائے بایں طور کہ آپ کے بالوں کا رنگ حناء کی وجہ سے متغیر ہوا تھا اور سر درد دفع کرنے کیلئے آپؐ نے یہ استعمال فرمائی تھی یا کثرت خوشبو کی وجہ سے اس کو مخضوب کہا۔ یا بڑھاپے کے ابتدائی آثار کی وجہ سے سرخ ہوتے بالوں کو مجازاً خضاب کہہ دیا۔ میرے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ نفی خضاب کو بڑھاپے کی وجہ سے خضاب پر محمول کیا جائے گا اور اثبات کو آپ کی داڑھی کے بعض سفید بالوں پر محمول کیا جائے۔ پھر میں نے اسماعیلی کے نسخہ میں بخاریؒ کی روایت دیکھی۔ وہ کہتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ علیہ السلام داڑھی کا بال تھا جس پر حناء اور کتم کا اثر تھا۔ تو اس کو مطلق روایات پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ "شمائل" کے حوالہ سے گذرا: أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه سئل: هل خضب رسول الله ﷺ؟ قال: نعم کہ ابوہریرہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں اس

سے متعلقہ تفصیلات ہم بیان کر چکے ہیں۔اور شرح شمائل میں ہم نے اس کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مخنث کا مدینہ منورہ سے اخراج

۴۴۸۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَالُ هٰذَا قَالُوْا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَاَمَرَبِهٖ فَنُفِيَ اِلَى النَّقِيْعِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَانَقْتُلُهٗ فَقَالَ اِنِّیْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/ ٢٢٤ الحديث رقم ٤٩٢٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک مخنث لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتا ہے یعنی قول اور فعل میں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے مدینہ منورہ سے نکال دینے کا حکم دیا چنانچہ اسے مدینہ سے مقام نقیع کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اس کو قتل کر دیں یعنی آپ ﷺ فرمائیں، تو ہم اس کو قتل کر ڈالیں کیونکہ یہ فسق و فجور کا سبب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: المخنث: اس لفظ کا ضبط و معنی ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔''نقیع'': نون کے ساتھ ہے مدینہ میں واقع ایک جگہ کا نام ہے۔

جو حمیٰ تھی۔یعنی مدینہ کا سرحدی اور مضافاتی علاقہ تھا۔''لا نفتله'': صیغہ جمع متکلم کے ساتھ ہے' اور ایک نسخہ میں صیغہ خطاب کے ساتھ ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے اصحاب شافعیؒ کی یہ دلیل ختم ہوگئی کہ جو قصداً نماز ترک کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ''مصلّی'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس پر فعل صلاۃ غالب ہو۔ایک دفعہ یا دو دفعہ ترک کرنے سے وہ اس وصف سے نہیں نکلتا اور نہ ہی عرف میں ایک دفعہ یا زائد مرتبہ نماز پڑھنے والے کو ''نمازی'' کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس پر ''مصلّی'' کا اطلاق ہوتا ہے جس پر فعل صلاۃ غالب نہ ہو۔اسی لئے ہمارے بعض ائمہ نے کہا ہے کہ جس نے ہمارے زمانہ کے بادشاہ کو عادل کہا وہ کافر ہے، اگرچہ بعض اوقات وہ عدل بھی کرتا ہو۔ ہاں البتہ مفہوم مخالف کے طور پر یہ دلیل بن سکتا ہے ان قائلین کی جو اس کے قصداً ترک کرنے والے کو قتل کرنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے شعائر اسلام میں سے اکبر شعار کو ترک کیا ہے۔لیکن ان کا قتل بھی بطریقہ مقاتلہ ہوگا۔اس لئے ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر والوں نے اذان کو ترک کر دیا تو ہم ان کے ساتھ مقاتلہ کریں گے۔

خلوق کی وجہ سے سر پر ہاتھ نہ پھیرنا

۴۴۸۲: وَعَنِ الْوَلِیْدِ بْنِ عُقْبَۃَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَکَّۃَ جَعَلَ اَھْلُ مَکَّۃَ یَأْتُوْنَہٗ بِصِبْیَانِھِمْ فَیَدْعُوْا لَھُمْ بِالْبَرَکَۃِ وَیَمْسَحُ رُءُوْسَھُمْ فَجِیْءَ بِیْ اِلَیْہِ وَاَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ یَمَسَّنِیْ مِنْ اَجْلِ الْخُلُوْقِ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٤٠٤ الحديث رقم ٤١٨١، وأحمد فى المسند ٤/٣٢۔

ترجمہ: حضرت ولید بن عقبہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو مکہ والے اپنے لڑکوں کو آپ ﷺ کے پاس لانے لگے آپ ﷺ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے یعنی شفقت کے طور پر سر پر ہاتھ پھیرتے مجھے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا میں خلوق سے آلودہ تھا تو آپ ﷺ نے خلوق سے آلودہ ہونے کی بناء پر مجھے ہاتھ نہ لگایا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

الولید بن عقبۃ ۔ یہ ولید ہیں۔ عقبہ کے بیٹے۔ کنیت ''ابو وہب'' ہے۔ قرشی اور عثمان بن عفان ؓ کے ماں شریک بھائی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ اس وقت جوان ہونے کے قریب تھے۔ حضرت عثمان ؓ نے ان کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا۔ یہ قریش کے جوانمردوں اور شاعروں میں سے ہیں۔ ان سے ابوموسیٰ ہمدانی وغیرہ نے روایت کی۔ ''رقہ'' میں وفات پائی۔

تشریح: ''ویمسح رؤسھم'' سے احتمال اول کی تائید ہوتی ہے۔

''مخلق'': خائے معجمہ کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ۔ (یہ ''تخلیق'' سے ہے جس کا معنی ہے ''خلق خوشبو لگانا'')

''الخلوق'': مہذب میں ہے کہ ''خلوق'' ایک قسم کی خوشبو ہے جو ''صفرۃ'' (ردی) کی طرف مائل ہوتی ہے۔

آپ ﷺ ان کے سر پر دست شفقت پھیرنے سے رک گئے، کیونکہ ''خلوق'' عورتوں کی خوشبو ہے۔ اس کو مس کرنے سے عورتوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ چنانچہ یہ مردوں کیلئے ممنوع ہے۔

بالوں کے احترام کا حکم

۴۴۸۳: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ جُمَّۃً اَفَاُرَجِّلُھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَکْرِمْھَا قَالَ فَکَانَ اَبُوْقَتَادَۃَ رُبَمَا دَھَّنَھَا فِی الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَکْرِمْھَا۔ (رواہ مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ٢/٩٤٩ الحديث رقم ٦ من كتاب الشعر۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے جمہ بال ہیں (یعنی مونڈھوں تک بال ہیں) کیا میں ان میں کنگھی کروں آپ ﷺ نے فرمایاہاں! ان کا احترام کرو۔ یعنی تیل کنگھی وغیرہ کیا کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ بالوں کی تعظیم کے ارشاد کے بعد منہمک ہوکر دن میں دومرتبہ بالوں کو تیل لگالیا کرتے تھے۔ یہ مؤطا کی روایت ہے۔

تشریح: "جمة": جیم کے ضمہ اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ وہ بال جو کندھوں تک پہنچتے ہوں۔ اُرجلها: جیم مکسورہ مشددہ کے ساتھ ہے **دهنها**: ھاء کو مشدد و مخفف دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے المغرب میں ہے،: **دهن رأسه أو شاربه اذا طلاه بالدهن** (سر پر یا داڑھی پر تیل ملنا)۔ اور القاموس میں: **يدهن رأسه اذا بله با لدهن** (سرکو تیل سے تر کرنا)۔ اس سے دن میں دومرتبہ داڑھی میں کنگھی کرنے کا جواز نکلتا ہے۔ البتہ عراقی وغیرہ کا اس میں اختلاف ہے' جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو ہریرہ سے اور بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے: "**اذا كان لاحدكم شعر فليكرمه**". جب کسی آدمی کے بال ہوں تو اسے چاہیے کہ ان کا خیال رکھے۔

دو گیسو جائز ہیں

۴۴۸۴: وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِىْ اُخْتِىَ الْمُغِيْرَةُ قَالَتْ وَاَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَاْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْقُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا زِىُّ الْيَهُوْدِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/ ٤١٢ الحديث رقم ٤١٩٧۔

ترجمہ: حضرت حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل سمیت حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں گیا میری بہن مغیرہ نے روایت بیان کی وہ کہنے لگی کہ تم اس وقت چھوٹے بچے تھے اور تمہارے دو گوندھے گیسو تھے یا یہ کہا: **لك قصتان** اور حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی اور یہ فرمایا کہ ان کو کتروا ڈالو یا منڈوادو کہ یہود کی جیسی ہیئت ہے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

الحجاج بن حسان۔ یہ حجاج بن حسان حنفی ہیں۔ "حجاج" میں حائے مفتوح اور پہلی جیم مشدد ہے اور "حصان" میں سین مہملہ مشدد ہے۔ لفظ حسان کو منصرف و غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تابعی ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث کو سنا ہے ان سے یحیٰی بن سعید اور یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں۔

تشریح: " **حسان**": اس کو منصرف و غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

حدثتنى اختى المغيرة: "المغیرۃ" بدل ہے، یا عطف بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مغیرۃ" اسم مشترک ہے مرد و زن پر ہر دو کا نام ہوسکتا ہے۔

''قالت'': یہ ''حدثت'' سے بدل ہے۔ یا استیناف بیان ہے۔ ''وأنت يومئذ غلام'': علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ جملہ مقدر (یعنی ذو الحال مقدر) سے حال ہے۔ای أنا اذكر انادخلنا على انس مع جماعة ولكن انسيت كيفية الدخول فحدثتني اختي وقالت أنت يوم دخولك على انس غلام ۔الخ ان مغیرہ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ مؤلف نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ان کے بھائی حجاج نے بھی ان سے ''باب الرجل'' میں حدیث نقل کی ہے۔

قرنان او قصان: ضفیرہ (زلفوں) کو کہتے ہیں۔ ''قصتان'': قاف کے ضمہ اور صاد کی تشدید کے ساتھ ماتھے کے بالوں کو کہتے ہیں۔ ''أو قصان'': بعد کے راویوں میں سے کسی کو شک ہے ''زیّ'': زاء کے کسرہ اور یاء تشدید کے ساتھ أو قصوهما: یہ ''اوْ'' تنویع کے لئے ہے' بعض کا زعم ہے کہ یہ برائے شک ہے۔ ''برك'': راء کی تشدید کے ساتھ بمعنی ''بارك'' (برکت کی دعا کرنا) ''هذا'': اس کا مشارالیہ محذوف ہے۔ای هذا الزی کیونکہ یہ یہود کی ہیئت وعادت ہے کہ وہ اپنی اولاد کے سر کے بال ایسا ہی بنواتے ہیں' لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔

اس سے پہلے قزع (آدھے سر کے بال کاٹنا اور آدھے چھوڑنا اس) کی ممانعت کا بیان گذر چکا ہے اور یہ حدیث بھی گذر چکی ہے: ''احلقوه او اتركوه كله'' اس کو ابوداؤد اور نسائی نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

عورت کا سر منڈوانا ناجائز ہے

۴۴۸۵: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَاْسَهَا۔

(رواه النسائی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳/۲۵۷ الحدیث رقم ۹۱٤' والنسائی فی ۸/۱۳۰ الحدیث رقم ۵۰٤۹۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے عورت کو سر منڈوانے سے منع فرمایا یہ نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: عورت کو سر منڈوانے سے منع فرمایا اس لئے کہ عورتوں کے بال مردوں کے داڑھیوں کی طرح ہیں۔ اس سے بطریق مفہوم مخالف آدمی کیلئے حلق کا جواز نکلتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ کیا سنت ہے؟ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حلق کرواتے تھے' اور اس پر آپؐ کی ''تقریر'' ثابت ہے فرمایا: ''عليكم بسنتی وسنة الخلفآء الراشدين المهديين'' یا یہ کہ سنت نہیں ہے کیونکہ آپ علیہ السلام نے اور آپؐ کے سارے صحابہؓ نے حلق کے ترک پر مواظبت کی ہے۔ مگر سوائے نسکین (حج وعمرہ) سے فراغت کے بعد۔ لہٰذا حلق میں صرف رخصت ہے' استحباب نہیں' یہی زیادہ واضح ہے۔ (واللہ اعلم)

تخریج: وکذا النسائی۔

سر کے بالوں کو شیطان کی طرح پراگندہ مت کرو

۴۴۸۶: وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك في الموطأ ۲/۹۴۹ الحديث رقم ۷ من كتاب الشعر

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا یعنی اس طرح اشارہ کیا کہ جس سے وہ ڈاڑھی اور سر کے بارے میں کچھ سمجھ جاتا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سنوارنے کا حکم دے رہے ہیں چنانچہ اس نے اپنے بالوں کو سنوارا اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ حالت بہتر نہیں اس سے کہ تم میں سے کوئی شخص سر کے بالوں کو شیطان کی طرح پراگندہ کر کے آنے والا ہو یعنی یہ بدہیئتی گویا شیطان کی شکل ہے۔ یہ حدیث امام مالکؒ نے نقل کی ہے۔

تشریح: فی المسجد: اطلاق کی وجہ سے مسجد مدینہ مراد ہے۔ لہٰذا ''المسجد'' کا لام عہد ذہنی کیلئے ہے۔

میرک کہتے ہیں کہ عطاء مشہور تابعی ہیں۔ لہٰذا اولیٰ یہ تھا کہ مصنف یوں فرماتے: ''رواه مالك مرسلاً''۔ میں کہتا ہوں کہ گویا کہ انہوں نے اس کی شہرت پر اعتماد کیا ہے' ورنہ تو یہ بات متعین ہے کہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ اس پر تنبیہ فرماتے۔ پس اولیٰ کی تعبیر اس وجہ سے اختیار کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی پسند ہے

۴۴۸۷: وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ سُمِعَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطِّيْبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا اُرَاهُ قَالَ اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ۵/۱۰۳ الحديث رقم ۲۷۹۹۔

ترجمہ: ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنی کہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں اور خود بھی پاک ہیں اور سخاوت اور کرم کو پسند کرنے والے ہیں اور خود بھی کریم اور بخشش والے ہیں۔ پس تم صاف رکھو۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ ابن مسیّبؒ نے یہ کہا کہ تم اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور تم یہود کی مشابہت مت اختیار کرو کیونکہ ان کے صحن

کوڑے کرکٹ سے ناپاک اور خراب ہوتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول مہاجر بن مسمار سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ عامر بن سعد نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے بھی اسی طرح بات فرمائی جیسے سعید ابن مسیبؒ نے کہی ہے۔ صرف فرق اس بات میں ہے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا کہ اپنے گھر کے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو یعنی اس روایت میں افنیتکم کا لفظ صراحۃً مذکور ہے۔ سعید ابن مسیّب کے قول کی طرح شک کے ساتھ نہیں۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: سمع: یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ اور ضمیر ''ابن المسیب'' کی طرف راجع ہے۔

یقول: حال ہے، یا مفعول ثانی ہے۔ ''طیب'': طاء کے کسرہ کے ساتھ ہے' اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں: ❶ طیب الحال' ❷ طیب القال ❸ الریح الطیب۔

قوله: ان الله طيب:

یعنی اللہ تعالیٰ نقائص سے مبرا ہے اور عیوب سے پاک ہے۔ اچھی حالت اور اچھی بات کو پسند فرماتا ہے یا اچھی خوشبو کو پسند کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندے خوشبو استعمال کریں اور ان سے اس فعل کے سبب خوش ہوتا ہے۔ یہ اگلے جملہ کے زیادہ مناسب حال ہے۔

قوله: نظيف يحب النظافة:

یعنی ظاہری و باطنی طہارت کو پسند کرتا ہے۔ اور ایک نسخہ میں طاء کے فتحہ اور یاء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مراد یہ ہوگی، کہ جو شخص پاکیزہ عقائد، اقوال، افعال، اخلاق و احوال سے متصف ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔

قوله: كريم يحب الكرم جواد يحب الجود: امام راغبؒ فرماتے ہیں ''الجود'' اور ''الکرم'' میں فرق یہ ہے کہ ''جود'' قیمتی چیزوں کو خرچ کرنے کا نام ہے اور کہا جاتا ہے: ''**رجل جواد وفرس جواد**'' کیونکہ وہ بھی دشمن کے مقابلے میں ساری طاقت خرچ کر دیتا ہے اور ''**کرم**'' سے کسی انسان کو متصف کیا جائے تو یہ نام ہوتا ہے ان محمود اخلاق و افعال کا جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں' اور اس کو کریم نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ان چیزوں کا ظہور اس سے نہ ہو جائے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: ﴿**ان اكرمكم عند الله اتقكم**﴾ [الحجرات: ۱۳] اور یہ اس وجہ سے کہ افعال محمودہ میں سے سب سے زیادہ کرم اور شرف والے افعال وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ لہٰذا جو کوئی بھی اپنے اچھے افعال کے ذریعہ اس کا قصد و ارادہ کرے گا وہ ''تقی'' ہوگا۔ چنانچہ اس وقت ''**اکرم الناس**'' کا مصداق شخص ''**اتقی الناس**'' ہوگا اور ہر وہ چیز جو اپنے باب میں قابل شرف ہو' اس کو کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وانبتنا فيها من كل زوج كريم** [لقمان: ۱۰] **ومقام كريم** [الشعراء۔۵۸] **انه لقرآن كريم** [الواقعة۔۷۷]

فنظفوا: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں فاء جواب ہے شرط محذوف کا. ای ''**اذا تقرر ذلك فطيبوا كل ما أمكن تطييبه**'' یعنی ہر اس چیز کو صاف کرو، جس کا صاف کرنا تمہارے لئے آسان ہو' یہاں تک کہ گھر کے صحن کو بھی ''فنا'' گھر کے سامنے کے وسیع حصہ کو کہتے ہیں۔ نہایت کرم و جود سے کنایہ ہے۔ کیونکہ جب گھر کا صحن وسیع اور پاک و صاف ہو، وہ مہمانوں کے لانے کا زیادہ داعی ہوتا ہے اور آنے جانے والوں کیلئے باعث کشش ہوتا ہے۔

"أراه اى أظنه" اوراس کا فاعل ابن مسیّب کا سامع ہے۔ أی "اظن ابن المسيب" قال۔

"أفنيتكم": یہ نصب کے ساتھ ہے کیونکہ "نظفوا" کا مفعول بہ ہے۔

"افنية": فناء کی جمع ہے۔یعنی گھر کا صحن اوراس کا باہر کا آس پاس کا حصہ مراد ہے۔

"ولا تشبهوا": اس کا عطف "نظفوا" پر ہے۔ یہاں پر دو تاء میں سے ایک تاء حذف ہوئی ہے۔"اى لا تكونوا متشبهين"۔یعنی عدم نظافت اور عدم طہارت میں اور قلة تطيب اور كثرة بخل میں اور خسة و دناءة میں اور اسی وجہ سے ان پر ذلت ورسوائی مسلط کر دی گئی۔ برخلاف نصاریٰ کے' کہ ان کو ظاہری طور پر عزت وسلطنت عطاء کی گئی اور شاید اس کی اصل (وجہ) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمائی ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [المائدة:۸۲] "(اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنیوالے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں مشائخ بھی اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔"

قوله: قال: فذكرت ذلك: لمهاجر بن مسمار: مهاجر میم کے ضمہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور مسمار میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

"نظفوا افنيتكم": اس کی وجہ سے حدیث کے دو طرق بن جاتے ہیں۔ایک طریق ابن سعد پر موقوف ہے اور دوسرا طریق مرفوع ہے۔لیکن اس اسناد میں سامع مجہول ہے' اور ممکن ہے کہ اصل سند میں معلوم ہو۔اسی وجہ سے مؤلفؒ نے "رواه الترمذی" ارشاد فرمایا اور ضعف اسناد کو کوئی تعارض نہیں کیا۔البتہ امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں حدیث مرفوع کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے: امام ترمذی نے اس حدیث کو سعد سے روایت کیا ہے اور ابن مسیّب کے طریق کو ذکر نہیں کیا ہے۔

بڑھاپا وقار ہے

۴۴۸۸: وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ سَعِيْدَبْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُوْلُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ اَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَاَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَاَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهٗ وَاَوَّلَ النَّاسِ رَاَى الشَّيْبَ فَقَالَ يَارَبِّ مَا هٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَقَارٌ يَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا۔ (رواه مالك)

أخرجه مالك فى الموطأ ۲/۹۲۲ الحديث رقم ٤ من كتاب صفة النبى ﷺ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے سعید ابن مسیّبؒ کو کہتے سنا کہ ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمانی کی ان سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لبیں کاٹیں (یعنی مونچھیں درست کیں) اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سفید بال اپنی ڈاڑھی اور سر میں دیکھے تو عرض کیا پروردگار یہ کیا ہے تو اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے یعنی بڑھاپا حلم اور وقار پیدا کرتا ہے اور لہو ولعب اور ارتکاب معاصی سے روکتا

ہے۔تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے اللہ میرے اس وقار میں اضافہ فرما۔اس روایت کو امام مالک نے نقل کیا ہے۔

تشریح: "اول الناس ضیف:

"ضیف": یائے مشددہ کے ساتھ ہے یہ "کان" کی خبر ہے اور "اول الناس" اس کے لئے ظرف ہے اور مابعد کی ترکیب بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ "اول الناس" کان کی خبر ہو، اور "ضیف" بتاً ویل مصدر ہو کر تمیز واقع ہوا ہو۔أی اول الناس تضیفیاً۔"ضیف الضیف" یہ کلام مجاز پر محمول ہے' باعتبار مایوؤل کے ہے۔جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: "اذا اراد احدکم الحج فلیتعجل فانه یمرض المریض ویضل الضالة"۔ یہاں پر بھی متوقع "ضیف" و "مریض" اور "ضال" کو ضیفاً مریضاً اور ضالةً کہہ دیا ہے۔(یہ علامہ طیبیؒ کی تحقیق ہے)۔

اظہر یہ ہے کہ "ضیف" یہاں "اطعم الضیف واکرمهم" کے معنیٰ میں ہے۔تو اس میں ایک نوع کی تجرید ہے۔

قوله: واول الناس اختتن: لوگوں میں سے پہلا ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا' کیونکہ تمام انبیاء پیدائشی طور پر مختون تھے اور سب لوگ ختنہ پر مامور نہیں تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے ختنہ کیا تو بعد کے لوگوں کیلئے "سنت" بن گیا **قوله**: واُول الناس قص شاربه: احتمال ہے کہ انہی کی مونچھیں بڑھی ہوں۔یا یہ کہ پہلی اُمتوں کیلئے یہ امر تعبدی نہیں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قص کو مبالغہ پر محمول کیا جائے۔اس صورت میں یہ ان کی خصوصیات میں سے ہوگا اور ان کے بعد والوں نے ان کی اتباع کی۔

"واول الناس رأی شیئا" یعنی داڑھی میں سفیدی نظر آئی۔ظاہر سے یہی معنی مستفاد ہوتا ہے اور اگلے کلام سے بھی بولے۔

اے میرے ربّ یہ کیا ہے؟ یعنی اس تغیر میں کیا حکمت ہے۔ **قوله**: قال الرب تبارك وتعالٰی :وقار یا ابراهیم : یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے ابراہیم یہ وقار اور عزت کا سبب ہے۔وقار اصل میں "رزانة العقل اور "تانی فی الامور" کو کہتے ہیں اور اس پر صبر و حلم' عفو اور خصال حمیدہ کا ترتب ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "شیب" کو "وقار" اسلئے کہا کہ بڑھاپے کا زمانہ رزانۂ نفس کا زمانہ ہے اور سکون وثبات مکارم الاخلاق میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ما لکم لا ترجون اللّٰه وقاراً﴾۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **مالکم لاتخافون لله عاقبة** کہ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ہو۔کیونکہ عاقبت استقرار امور اور ثبات ثواب وعتاب کی حالت ہوتی ہے۔ وقر اذا ثبت واستقر سے ماخوذ ہے۔

قوله:رب زدنی وقارا": آپؑ نے "رب زدنی شیبا" سے عدول کیا "رب زدنی وقارا" کی طرف' اس میں ایک لطیف نکتہ ہے جو مخفی نہیں ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے وقار کو زیادہ کیا باوجو یکہ آپؐ پر اس قدر بڑھاپا نہیں آیا تھا۔یہ بحث ماقبل بھی گذر چکی ہے۔

قوله: رواه مالك: یعنی اس کو مرسلاً روایت کیا ہے اور اس (یعنی "مرسلاً) کو اس کے ظہور کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔کیونکہ ابن مسیبؒ مشہور تابعین میں سے ہیں۔امام سیوطیؒ نے حاشیۂ موطاً میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ناخن تراشے' سر میں مانگ نکالی' زیر ناف بال کاٹے' شلوار پہنی اور کتم کا خضاب لگایا' منبر پر خطبہ دیا' اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کیا جنگ میں لشکر کو میمنہ' میسرہ' مقدمہ' مؤخرہ اور قلب کے طور پر مرتب کیا ہے، معانقہ کیا اور ثرید بنائی ہے۔

بَابُ التَّصَاوِيْرِ

تصاویر کا بیان

''تصاویر'' یہ ''تصویر'' کی جمع ہے، صورت بنانے کے عمل کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ''تصویر'' سے مراد ذوات الروح میں سے اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کے مشابہ صورت بنانا ہے' جو دیوار یا پردے پر ہو۔ (کماذکرہ ابن الملکؒ)

الفصل الاول:

فرشتوں کی برکات سے محروم رکھنے والے ''کتا اور تصویر''

۴۴۸۹: عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَاتَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيْرُ۔

(متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳۸۰/۱۰ الحديث رقم ۵۹۴۹ ومسلم فی ۱۶۶۵/۳ الحديث رقم (۸۳-۲۱۰۶)، وأبو داوٗد فی السنن ۳۸۴/٤ الحديث رقم ٤۱۵۳، والترمذی فی ۱۰۶/۵ الحديث رقم ۲۸۰٤، والنسائی فی ۲۱۲/۸ الحديث رقم ۵۳٤۷، وابن ماجه فی ۱۲۰۳/۲ الحديث رقم ۳۶٤۹، وأحمد فی المسند ۲۹/٤۔

ترجمہ: حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **لا تدخل الملائكة**: یہ صیغہ تذکیر و تانیث دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں نہ کہ حفاظت پر مامور اور موت والے ملائکہ۔ اس میں ان کی کراہت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لیکن وہ ان کاموں پر مامور ہوتے ہیں اور جو ان کو جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔

بيتا فيه كلب: سے مراد رہائش کی جگہ ہے' اس سے شکار، کھیتی اور چوپاؤں کی حفاظت کے لئے رکھے جانے والے کتے مستثنیٰ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی مانع ہیں اگر چہ ان کا رکھنا حرام نہیں ہے۔ **ولا تصاوير**: یہ تمام انواع کی صورت کو شامل ہے۔ البتہ وہ چیزیں جن کو پاؤں کے ساتھ روندا جاتا ہو۔ ان میں رخصت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن الملکؒ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ دراصل ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں وہ کتے اور تصویریں ہوں جو حرام ہیں۔ البتہ جو کتے حرام نہیں ہیں، مثلاً کھیتی، شکار اور ماشیہ کیلئے رکھے گئے کتے اور وہ تصویریں جو حرام نہ ہوں۔ یعنی جو بستروں اور تکیوں میں ہوں تو یہ دخول ملائکہ کیلئے مانع کی حیثیت نہیں رکھتے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حکم کلب اور تصویر کے بارے میں عام ہے اور ان سب کی وجہ سے یہ ملائکہ گھر وغیرہ میں داخل نہیں ہوتے ہیں کیونکہ احادیث مطلق ہیں اور اس لئے بھی

نبی علیہ السلام کے گھر میں کتا چارپائی کے نیچے تھا' اس میں تو عذر ظاہر تھا کیونکہ نبی علیہ السلام کو اس کا علم نہیں تھا مگر اس کے باوجود جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے گھر میں داخل نہیں ہوئے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا تصویر والے گھر میں داخل نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ تصویر ان چیزوں میں سے ہے، کہ جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے اور جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے اس لئے داخل نہیں ہوتے، کہ کتا گندگی کھاتا ہے اور اسلئے بھی کہ ان میں سے بعض کو شیطان کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، اور ملائکہ شیطان کی ضد ہیں اور اس لئے بھی کہ کتوں سے قبیح قسم کی بو آتی ہے اور جو کوئی کتا رکھے گا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو محروم کر دیا جائے بایں طور کہ نہ ملائکہ اس کے گھر میں داخل ہوں اور نہ اس کے لئے دعائے رحمت واستغفار کریں۔ یہ فرشتے حفاظت کرنے والوں کے علاوہ ہیں' کیونکہ وہ مکلفین سے جدا نہیں ہوسکتے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حیوان کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور کبائر میں سے ہے، کیونکہ اس پر یہ شدید قسم کی وعید وارد ہوئی ہے۔ چاہے کپڑے پر بنائے یا بستر پر دراہم ودینار پر بنائے یا کسی اور چیز پر۔ البتہ درختوں' کجاوہ اور پہاڑ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ یہ نفس تصویر کا حکم ہے۔ البتہ اگر حیوان کی تصویر بنائے، تو اگر وہ دیوار پر معلق ہے چاہے اس تصویر کا سایہ ہو یا نہ ہو' یا کپڑے پر بنائے اور وہ کپڑا ملبوس ہو یا عمامہ یا اس طرح کی چیز ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ البتہ تکیہ اور اس جیسی وہ چیزیں جس کو روندا جاتا ہے تو ان پر تصویر حرام نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ بھی دخول ملائکہ کا مانع بنتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں البتہ وہ گڑیا جو بچیوں کے کھیل کے لئے کپڑوں سے بنائی جاتی ہے تو اس میں رخصت ہے۔ لیکن امام مالک نے آدمی کیلئے اس کے خریدنے کو مکروہ لکھا ہے اور بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کے ساتھ بچیوں کے کھیلنے کی اباحت ان احادیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

جامع صغیر میں ہے، کہ اس حدیث کو احمد، شیخین، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوطلحہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "**لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا صورة**"۔ امام احمدؒ، ترمذی، ابن حبان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے: "**ان الملائكة لا تدخل بيتاً فيه تماثيل او صورة**"۔ ابن ماجہ نے حضرت علی سے اس طرح روایت کیا ہے: "**ان الملائكة لا تدخل بيتاً فيه كلب ولا صورة**"۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "**ولا تصاوير**" کا عطف "**كلب**" پر ہے اور ظاہر کا حق یہ تھا کہ "**لا**" کا تکرار ہوتا اور یوں کہا جاتا: "**لا كلب ولا تصاوير**"، لیکن سیاق نفی میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿**ما ادرى ما يفعل بى ولا بكم**﴾ اور اس میں تاکید ہے۔ اگر اس کو ذکر نہ کرتے تو اس میں یہ احتمال ہوتا، کہ ان کے درمیان جمع کی نفی ہے۔ جیسا کہ یہ قول ہے: "**ما كلمت زيدًا ولا عمروًا**" اگر اس کو حذف کرتے تو جائز تھا کہ ان میں سے کسی ایک کا تکلم ہوتا۔ کیونکہ "واؤ" جمع کے لئے ہے اور اعادہ "لا" اعادۂ فعل کی طرح ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کے گھر میں نہ آنے کا باعث کتا اور تصویر

۴۴۹۰:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا وَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَلْقَانِي اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِيْ اَمَا وَاللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ ثُمَّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اِنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۶۶۴/۳ الحديث رقم (۸۲-۲۱۰۵)، وأبو داؤد في السنن ۳۸۷/٤ الحديث رقم ٤۱۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ کہتی ہیں کہ ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش اور غمگین تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین ہونے کا یہ سبب حضرت میمونہؓ یا کسی اور زوجہ محترمہ سے یا بطور تعجب اور حیرانی کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات آئی کہ آج رات جبرائیل نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر اس نے ملاقات نہیں کی اللہ کی قسم جبرائیل صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدے کی خلاف ورزی مجھ سے نہیں کرتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال آیا کہ کتے کا بچہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے نیچے پڑا تھا جبرائیل صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے نہیں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کتے کے بچے کو نکال دیا جائے اسے نکال دیا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا پانی لے کر اپنی جگہ پر چھڑکا تو پھر جب شام ہوئی تو جبرائیل صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا جی ہاں مگر ہم ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویر ہو پس جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو بھی مارنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں حفاظت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بڑے باغات کے کتوں کو چھوڑ دیا کیونکہ ان میں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **عن ميمونة** "اصبح" یہ "اصباح" کے لئے ظرف ہے۔

واجمًا: میم سے پہلے جیم ساکن ہے۔ یہ حال ہے۔ **أي ساكنًا حزينًا من الوجوم**۔ غم اور غصہ کی وجہ سے خاموش ہونے کو کہتے ہیں اور "النہایۃ" میں ہے ای مھتمًا۔ "واجم" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو غم خاموش کرا دے اور اس پر سخت رنج غالب آ جائے۔

ان يلقاني: یاءِ متکلم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن کرنا بھی جائز ہے اور وصل میں اس کا حذف بھی جائز ہے۔

الليلة: یہ "وعد" کیلئے ظرف ہے۔ "اَمَ": ہمزہ کے فتحہ اور میم کے ساتھ۔ یہاں پر "اما" تنبیہ کے لئے ہے اور الف کو تخفیفا حذف کر دیا گیا ہے۔ "الجرو": جیم مکسور، واؤ ساکن اور پھر واؤ ہے۔ القاموس میں ہے کہ "الجرو" میں تینوں حرکات

درست ہیں۔ کتے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔

فسطاط: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ایک قسم کے خیمہ کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد چار پائی ہے۔ **فأمر به: ای باخراج الجرور۔** امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس شخص کا وقت ضائع ہو جائے اور اس کا وظیفہ خراب ہو جائے تو اس کو اس کے سبب میں غور وفکر کرنا چاہئے' جیسا کہ یہاں نبی علیہ السلام نے کیا یہاں تک کہ اس کتے کو نکال دیا اور اس کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ دیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۱] ''جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔'' **''أمسی'': أی دخل المساء** زوال کے بعد یا سورج کے غروب ہونے کے بعد کا وقت مراد ہے۔ **''أجل''**: لام مخففہ کے سکون کے ساتھ' بمعنی ''نعم''۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے چھوٹے باغ کے کتوں کے قتل کرنے کا حکم کیا۔ کیونکہ ایسے باغوں کو حراست کی ضرورت نہیں تھی۔ جب کہ بڑے باغات کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ کتوں کے بغیر اس کی پہرہ داری مکمل نہیں تھی۔

حتی انه: ''انّ بکسر الہمزہ ہے' اور ضمیر ضمیر شان ہے' یا نبی کریمؐ کی طرف راجع ہے' علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ''**یامر**'' حکایت حال ماضیہ ہے۔ ''**یترك**'' یہ معطوف ہے۔ اس تقدیر پر کہ یہ ''**لم یأ مر بقتل کلب الحائط الکبیر**'' کے معنی میں ہے اور یہ ''**حائط کبیر**'' کے وصف سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے دلیل ہے جو مفہوم مخالف پر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ سائمہ غنم کی زکوٰۃ میں کہتا ہوں عمل بالقید اور عمل بالمفہوم میں فرق ہے اور حدیث مفہوم مخالف کے عدم اعتبار میں صریح ہے۔ ورنہ تو کلام میں واصل کا تکرار ہوتا اور تحصیل حاصل ہوتا۔ کیونکہ ''**یآمر بقتل کلب الحائط الصغیر**'' کا مفہوم یہ ہے **لم یأمر بقتل کلب الحائط الکبیر بل یترکه۔** کہ آپ نے بڑے باغ کے کتوں کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کو چھوڑ دیا اور اسی طرح ''**ویترك کلب الحائط الکبیر**'' کا مفہوم یہ ہے **لم یترکه کلب الحائط الصغیر بل یأمر بقتله** کہ آپ نے چھوٹے باغ کے کتوں کو نہیں چھوڑا بلکہ اس کے قتل کا حکم دیا۔ واللہ اعلم

تصویر والی چیز کا توڑنا

۴۴۹۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبُ اِلَّا نَقَضَهٗ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۸۵/۱۰ الحدیث رقم ۵۹۵۲' وأبو داوٗد فی السنن ۳۸۳/۴ الحدیث رقم ۴۱۵۱' وأحمد فی المسند ۲۳۷/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے گھر میں کوئی تصویر والی چیز دیکھتے تو اس کو توڑ ڈالتے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: ان النبی لم یکن یترك فی بیته شیئًا فیه تصالیب الانقضه:** اس سے مراد تصاویر ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

یعنی اس چیز کو زائل کر دیتے یا اس کو توڑ دیتے۔ اصل میں ''نقض'' عمارت کے اجزاء کے ابطال کو کہتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الملکؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اصل میں راوی نے ''تصاليب''کو تماثیل کی جگہ ذکر کیا ہے حالانکہ اصل میں یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں۔ کیونکہ ''تصليب'' میں اصل یہ ہے کہ یہ ''تصليب''کی جمع ہے۔ ''تصليب'' صلیب تصویر بنانے کو کہتے ہیں۔ صلیب ایک مثلث نما چیز ہوتی ہے جس کی عبادت نصاریٰ کرتے ہیں۔ پھر نفس ''تصليب'' پر اس کا اطلاق کیا گیا۔ اور پھر جس چیز میں بھی ''صليب'' کی شکل وصورت تھی اس کو ''تصليب'' کہنے لگے۔ ''تسميه بالمصدر'' کے قبیل سے ہے۔۔ پھر اس کی جمع لائے۔ جیسا کہ ''تصاوير'' ہے اور یہاں پر ''تصاليب'' سے مراد صورتیں (یعنی تصاویر) ہیں۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''**كان لا يترك في بيته شيئاً فيه تصاليب الا قضبه**''.

اور ''قضبه''کا معنیٰ ''قطعه'' ہے (یعنی اس کو کاٹ دیتے)۔ احتمال ہے کہ اختلاف لفظین بعض رواۃ کی طرف سے واقع ہوا ہو۔ ابوداؤد کی حدیث زیادہ فصیح اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں نظر ہے' کیونکہ بخاریؒ کے رواۃ اوثق اور اضبط ہیں۔ بخاری کی روایت پر اعتماد اولیٰ واحریٰ ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے، کہ ابوداؤد کے الفاظ کے بارے میں شیخ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ از روئے لغت زیادہ فصیح اور از روئے صناعت زیادہ قرین قیاس ہیں یہ اس بات کے منافی نہیں ہے، کہ کتاب البخاریؒ ہر ایک کے ہاں روایت کے اعتبار سے اصح اور درایۃً کے اعتبار سے افصح ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ قراء سبعہ میں سے بعض قراء بعض اوقات کسی ایسے قراءت میں منفرد ہوتے ہیں جو تمام قراءت متواترہ سے افصح ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کلام باری تعالیٰ میں فصیح اور افصح دونوں کا وقوع جائز ہے اور اس طرح آپ علیہ السلام کے کلام میں بھی ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے ایک کا بطریق اصح ہونا' یا اکثر سے مروی ہونا ایک جدا بات ہے۔ پھر علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ علامہ خطابیؒ نے ''اعلام السنن'' میں ذکر کیا ہے، یہ بخاری کی شرح ہے۔ ''**وفي سائر الروايات**'' کے الفاظ اس بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ یہ کتاب بخاریؒ میں ہے، کیونکہ ''السائر''کا معنیٰ: ''بقية من الشيء''۔ اس طرح صاحب النہایۃ نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ ''سور'' سے ماخوذ ہے

یہ ایک عجیب بحث اور ایک عجیب اعتراض ہے۔ اس لئے کہ ''سائر'' بمعنیٰ ''جميع'' آتا ہے اور بمعنیٰ ''الباقي'' بھی آتا ہے۔ اکثر واظہر یہی ہے اور یہ معنیٰ اس مقام میں متعین ہے۔ لیکن علامہ خطابیؒ کی مراد باقی روایات البخاریؒ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ خلاف ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ روایات بخاری کے تتبع کا محتاج بھی ہے اور یہ معنیٰ اس مبنیٰ کے وجود پر مبنی ہونا ہے، اور اگر اس کی صحت فرض کرلی جائے، تو پھر یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ روایت ابوداؤد میں بھی اس طرح ہے اور یہ بھی ممتنع نہیں ہے کہ بخاریؒ کی بعض روایات بخاری ہی کی بعض روایات سے افصح اور اقیس ہوں روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔ (واللہ اعلم)

تصویر کی وجہ سے چہرہ مبارک پر ناراضی

۴۴۹۲: وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ

عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَّةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَابَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِىْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَآئِكَةُ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۹۳/۱۰ الحدیث رقم ۵۹۶۱‘ ومسلم فی ۱۶۶۹/۳ الحدیث رقم (۹۶۔۲۱۰۷)‘ وأحمد فی المسند ۲۴۶/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا جس پر تصاویر تھیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو آپ ﷺ دروازے پر ٹھہرے رہے گھر میں تشریف نہ لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے جس کی وجہ تصویر دار تکیہ تھا۔ تو حضرت عائشہ ؓ کہنے لگی یارسول اللہؐ! میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے اللہ کی رضا کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میں نے کیا غلطی کی ہے کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف نہیں لاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تکیے کا کیا معاملہ ہے اور تم اسے کہاں سے لائی ہو۔ حضرت عائشہؓ عرض کرنے لگیں کہ اس کو میں نے آپ ﷺ کے لئے خریدا ہے تاکہ آپ ﷺ اس پر بیٹھیں اور تکیہ لگائیں یعنی جس طرح پسند ہو۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اس چیز کو زندہ کریں جس کو تم نے بنایا تھا اور ارشاد فرمایا یقیناً وہ گھر جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں داخل ہوتے (یعنی اور نہ ہی انبیاء و اولیاء اس میں داخل ہوتے ہیں) یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: نمرقة: نون اور راء دونوں کے ضمہ کے ساتھ‘ اور ایک نسخہ میں دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ القاموس میں ہے کہ ”النمرقة“ چھوٹے تکیہ و النمر قة مثلثہ ہے‘ یا اس تکیہ کو کہا جاتا ہے جو کجاوے کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ کہتے ہیں: نون اور راء دونوں پر تینوں حرکتیں درست ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ دونوں کے کسرہ کے ساتھ ہے ”وسادة“ کو کہتے ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”النمرق“ نون کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ‘ چھوٹے تکیہ کو کہتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ مرقعة کو کہتے ہیں۔

فیها تصاویر: ”تصاویر“ یہ ”صور“ کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں تصویریں تھیں۔ گویا کہ انہوں نے گھر کے سامنے والے حصہ میں ڈال رکھا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا تو وہیں پر ٹھہر گئے اور غضب و غصّہ کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہوئے۔

فعرفت: یہ متکلم کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ میں بصیغۂ تانیث ہے۔ اس صورت میں یہ قول راوی کا ہوگا۔ یعنی انہوں نے آپ کے چہرے سے غصّہ کا اثر اور عدم دخول کی وجہ معلوم کر لی۔

”الی“ کے اعادۃ میں ان دونوں کی طرف استقلال رجوع پر دلالت ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حسن ادب ہے، کہ گناہ پر مطلع ہوتے ہی توبہ کو مقدم کیا۔ جیسا کہ اللہ کا قول ہے: ﴿عفا اللّٰه عنك لم اذنت لهم﴾ [التوبة: ٤٣] رسول اللہ کے ساتھ تلطف اور رحم کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے عفو کو مقدم کیا۔ ذنب کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عفو سے ابتداء کی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کو اس گناہ پر کوئی اطلاع نہیں ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے توبہ کو معرفت ذنب پر مقدم کیا۔ گویا کہ آپؐ کو یہ پتہ نہیں تھا، کہ آپؐ کی ناگواری ان تصاویر کی وجہ سے ہے۔ بلکہ انہوں نے خیال کیا ہوگا، کہ شاید کراہت اس کو بچھانے اور گھر کو سجانے کی وجہ سے ہے' اسلئے انہوں نے یہ کچھ کیا۔ قولہ: **ان أصحاب هذه الصور يعذبون**: اس کا عموم تصویر ساز اور تصویر استعمال کرنے والے دونوں کو شامل ہے البتہ پہلی بات کی تائید اگلے جملہ سے ہو رہی ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم ان میں روح پھونک دو۔ ان کی مزید توہین مقصود ہے۔ کیونکہ خالق کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہے اور ان کو ''احیوا'' کا حکم دراصل ان کا عجز بتلانے کے لئے ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [البقرة: ٢٣] تو اس سے معلوم ہوا، کہ تصویر حرام ہے، اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ استعمال تصویر بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ اس کا سبب وباعث ہے۔ مزید یہ کہ یہ دنیا کی زینت ہے۔ اگلا جملہ ''ان البيت الذى فيه......'' بھی اس کے امتناع اور سبب منع پر مشتمل ہے اور بظاہر اس حکم میں تمام گھروں کی تمام جگہوں کی تمام تصویریں شامل ہے۔ قولہ: **لاتدخله الملائكة**: یعنی جس طرح ملائکہ داخل نہیں ہوتے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع بھی داخل نہیں ہوتے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا دخول فی البیت سے ممتنع ہونا تصویر کی وجہ سے ہے' چاہے صورۃ مباح ہو یا حرام ہو۔ جیسا کہ حدیث سابق میں امام نوویؒ نے فرمایا تھا: و اللّٰه الموفق.

اسی طرح امام مالکؒ نے حدیث کے آخری حصہ کو روایت کیا ہے۔

تصویر والے پردے کو پھاڑ دیا

۴۴۹۳: وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُ قَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهَا۔ (متفق عليه)

أخرجه البخارى فى صحيحه ١٢٣/٥ الحديث رقم ٢٤٧٩' ومسلم فى ١٦٦٨/٣ الحديث رقم (٢١٠٧-٩٤)' والنسائى فى السنن ٢١٤/٨' الحديث رقم ٥٣٥٥' وأحمد فى المسند ١٠٣/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خاص بیٹھنے کی جگہ پر پردہ لٹکایا جس پر تصاویر تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا پھر حضرت عائشہؓ نے اس کے دو تکیے بنا لئے وہ دونوں گھر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بیٹھتے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: **سهوة**: سین مہملہ کے فتحہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ دو گھروں کے درمیان کی کھڑکی کو کہتے ہیں۔ (ذکرہ فی شرح السنہ) اور الفائق میں ہے کہ گھر کے سامنے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رف یا طاق کے مشابہ ہوتا ہے جس میں چیزیں رکھی جاتی ہیں اور شاید اسی وجہ سے اس کو ''سهوة'' کہا ہے کیونکہ یہ اپنے صغر وخفا کی وجہ سے نظروں سے غافل

رہتا ہے۔ یہ لها: (اس کا متعلق محذوف ہے۔) ای کائنة لعائشة مختصة بها فيه تما ثيل : یہ "تمثال" کی جمع ہے۔ تمثال "شیئ مصور" کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حیوان کی تصویر ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں یعنی اس کو کاٹ دیا اور اس میں موجود تصویر کو تلف کر دیا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ پھر اس حدیث اور سابق حدیث کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟ میں کہتا ہوں، کہ اگر تماثیل کو غیر محرم تصویروں پر محمول کیا جائے تو اس ہتک کی علت وہ ہوگی جو اگلی حدیث میں آ رہی ہے: "ان الله لم يأمرنا ان نكسو الحجارة و الطين" اور اگر اس کو تصاویر پر محمول کیا جائے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان تصویروں کے سر کاٹ کاٹ کر ان کو نمارق میں استعمال کر لیا۔

پتھر ومٹی کو کپڑے نہ پہناؤ

۴۴۹۴: وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِیْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهٗ عَلَی الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَی النَّمَطَ فَجَذَبَهٗ حَتّٰی هَتَكَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُو الْحِجَارَةَ وَالطِّیْنَ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۳۸٦/۱۰ الحدیث رقم ۵۹۵٤، ومسلم فی ۱٦٦٦/۳ الحدیث رقم (۹۲-۲۱۰۷)، وأبو داؤد فی السنن ۳۸٤/٤ الحدیث رقم ٤۱۵۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کیلئے تشریف لے گئے۔ میں نے آپ کے بعد ایک کپڑا خریدا اور اس کو بطور پردہ دروازہ پر لگا دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے اس پردے کو ملاحظہ فرمایا۔ تو آپ نے اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑے پہنانے کا حکم نہیں فرمایا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: "نمط": نون اور میم کے ساتھ، اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔ ایک قسم کا بچھونا ہوتا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ اون کا کپڑا جو "هودج" پر ڈالا جاتا ہے اور شاید یہ "نمد" سے معرّب ہے۔ "نمد" نون اور میم کے فتحہ اور دال مہملہ کے سکون کے ساتھ۔ لسان عجم میں "لباد کے معنی میں مستعمل ہے۔

گویا کہ اس پردہ کو زینت کے لئے لٹکایا تھا حجاب کی غرض سے نہیں لٹکایا تھا اس وجہ سے عتاب واقع ہوا۔ جب وہ پاس آئے، تو اس پردہ کو دیکھا۔

فرأ النمط: یہ عطف کلام محذوف پر ہے جو "لما" کا جواب ہے۔ ای دخل فرأی۔ (ذکرہ الطیبی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ دروازہ کے اندر کی طرف تھا۔ الا یہ کہ کلام میں مقدر مانا جائے أراد دخول: الباب فرأی النمط ۔ھ اور بعض نے کہا ہے کہ "فاء" زائدہ ہے۔ یا محذوف پر عطف ہے: أی غضب "ان نکسو": سین کے ضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ بمعنی أن نلبس۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں پروں والے گھوڑوں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

اس حدیث سے تکیہ بنانے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے اور اس پر کہ دیواروں پر پردہ اور کپڑا لگانا ممنوع ہے، یہ کراہت

تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا یہ فرمان: "لم یامرنا ان نکسو الحجارة والطین" نهی پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی واجب اور ندب پر دلالت کرتا ہے اور اس حدیث سے ازالہ منکر بالید کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ منکر کو دیکھنے پر غصہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

الجامع الصغیر میں ہے: "ان اللّٰه لم يأمرنا فيما رزقنا ان نکسو الحجارة والطين".

تخلیق الٰہی سے مشابہت کرنے والوں پر عذاب

۴۴۹۵: وَعَنْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۸۶/۱۰ الحديث رقم ۴۹۵۴، ومسلم في ۱۶۶۸/۳ الحديث رقم (۹۲-۲۱۰۷)، والنسائي في السنن ۲۱۴/۸ الحديث رقم ۵۳۵۶، وأحمد في المسند ۳۶/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ان پر سخت عذاب ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: "اشد الناس عذابًا يوم القيٰمة الذين يضاهون:

"یضاهون": یاء کے ضمہ اور واؤ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ہاء کے کسرہ اور واؤ سے پہلے ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں. اور اس آیت میں یہ لفظ دونوں طرح پڑھا گیا ہے: [يضاهون قول الذين كفروا] [التوبة۔۳۰] لیکن پہلی لغت زیادہ مشہور اور اکثر ہے۔ بمعنی "یشابهون۔ یعنی تصویر بنانے کے عمل کے ذریعہ یہ اللہ کے فعل خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں یعنی وہ ایسے کام کرتے ہیں اللہ کے خلق یعنی اس کی مخلوق کے مشابہ ہیں یا یہ کہ وہ اپنے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے فعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یعنی تصویر تخلیق میں۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اس کے جواز کا اعتقاد رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا اور قباحت کفر کی زیادتی کی وجہ سے اس کے عذاب میں بھی اضافہ ہوگا۔ ورنہ یہ حدیث تہدید پر محمول ہے۔

الجامع الصغیر میں ہے کہ اس حدیث کو احمدؒ شیخین اور نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ: روایت کیا ہے "اشد الناس عذابًا يوم القيامة".

تصویر بنانے والا بڑا ظالم ہے

۴۴۹۶: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْلِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْشَعِيْرَةً۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۳۸۵/۱۰ الحديث رقم ۵۹۵۳، ومسلم في ۱۶۷۱/۳ الحديث رقم

(۱۰۱-۲۱۱۱)، وأحمد فی المسند ۲/ ۲۳۲۔

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرتا ہے یعنی میں نے جس طرح صورت بنائی اسی طرح کی صورت بنائے۔ یہ درحقیقت پیدا کرنا تو نہیں جس مواد سے اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ یہ صورت بنا کر یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے بنایا ہے۔ اگر یہاں دعویٰ پیدا کرنے کا رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ ایک چیونٹی یا دانہ یا جو پیدا کرے۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح:قوله: من اظلم: ای لا أحد أظلم "ذهب": (فعل شروع کے معنی میں ہے۔) أی اراد و طفق وشرع۔

"فليخلقوا": (اس سے پہلے شرط محذوف ہے۔ ای فان زعموا ذلك فليخلقوا یہ امر برائے تعجیز ہے۔

ذرة: چھوٹی چیونٹی یا ہواء میں غبار بنادے یا ان جیسی ایسی جس کو میں نے بغیر اسباب کے پیدا کیا ہے کوئی اور چیز۔

او يخلقوا: یہاں پر "او" تنویع کیلئے ہے اور اس میں تردید کا بھی احتمال ہے۔

حبة او شعيرة: "حبه" سے اشارہ عام دانہ کی طرف اور "شعیرہ" سے خاص دانہ کی طرف اشارہ ہے۔ تو اس صورت میں "او" تقسیم کیلئے ہوگا۔

الجامع الصغیر میں ہے: "قال الله تعالى: ومن اظلم ممن ذهب يخلق خلقا كخلقي فليخلقوا حبة او يخلقوا ذرة او ليخلقوا شعيرة" رواه احمد، والشيخان عن ابی هريره.

سب سے بڑھ کر عذاب کے حقدار

۴۴۹۷: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۰/ ۳۸۲ الحديث رقم ۵۹۵۰، ومسلم فی ۳/ ۱۶۷۰ الحديث رقم (۹۸-۲۱۰۹)، والنسائی فی السنن ۸/ ۲۱۶ الحديث رقم ۵۳۶۴، وأحمد فی المسند ۱/ ۴۲۶۔

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں جن کو سب سے سخت عذاب دیا جائے گا وہ تصویر بنانے والے ہیں۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: اشد الناس عذاباً عند الله المصورون: بعض نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ اس کو تہدید پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ "عند الله" سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ اس طرح ہونے کے مستحق ہیں، اگرچہ یہ محل عفو ہے۔

علامہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جو عبادت کے لئے بنائی گئی ہو کہ اس کے لئے سخت ترین عذاب ہوگا۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو اس کو اللہ تعالیٰ کی خلقت کی مشابہت کے ارادہ سے کرے اور اس کا اعتقاد رکھے' تو وہ بھی کافر ہے، اور اس کا عذاب سخت ہوگا۔ البتہ جو اس ارادے سے اس کو نہ بنائے، تو وہ فاسق ہے۔ وہ کافر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے گناہ ہوتے ہیں۔

البتہ جن چیزوں میں روح نہیں ہے مثلاً درخت وغیرہ، تو اس کی تصویر بنانا کوئی حرام فعل نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسب حرام ہے۔ یہ علماء کا مذہب مختار ہے سوائے مجاہدؒ کے' کہ انہوں نے پھل دار درخت کی تصویر کو بھی مکروہ قرار دیا ہے اور (مجاہد نے) اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "**ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقي**". کہ اس میں آپؐ نے "**ذرة**" کا ذکر کیا ہے جو کہ ذی روح ہے اور **حنطه و شعير** کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں جمادات میں سے ہیں اور اس پر سخت وعید سنائی ہے۔ اس طور پر کہ جملہ استفہام انکاری کے طور پر ہے اور ظلم کو تفصیل کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ ان کا استدلال بالکل ظاہر وجلی ہے۔

اور (ملا علی قاری) فرمایا کہ جمہور علماء کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "**احيوا خلقتم**"

میں کہتا ہوں ان کی دلیل یہ قول بھی ہے: "**ليخلقوا حبة**"

اور فرمایا خلق اللہ کے ساتھ مشابہت ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ علت مشترک ہے۔ (امام نوویؒ نے) فرمایا کہ اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہوتی ہے "**ان كنت لا بد فاعلاً فا صنع الشجر وما لا نفس له**". میں کہتا ہوں کہ اس کے باوجود کہ یہ مذہب صحابیؓ ہے۔ اس لئے کہ اس میں ان کی رائے ہونے کا احتمال بھی ہے۔ لہٰذا اس کو ضرورۃً جواز فعل پر محمول کیا جائے گا اور اس کا ارتکاب "**كراهة دون كراهة**" پر محمول ہوگا۔ کیونکہ ضروریات محظورات کو مباح کر دیتی ہیں۔ (**والله سبحانه وتعالىٰ اعلم بالنيات**)

اور اس کی نظیر حدیث مرفوع میں یہ وارد ہے: "**ان كنت لا بد سائلاً فسل الصالحين**". جیسا کہ اس کو ابو داؤد ونسائیؒ نے الفراسی سے روایت کیا ہے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ "مصوّر" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو حیوانات کی شکلیں بناتا ہے۔ اور وہ شخص جو درختوں کی شکلوں کا نقش لیتا ہو اور اس پر تد اور یہ وخواتیم اور ان جیسے عمل کرتا ہو تو میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ اگر چہ من جملہ مکروہ ہے اور یہ لغو کام میں داخل ہے، اور اشتغال بما لایعنی ہے اور یہ جو تصویر میں اس قدر سخت عقوبت ہے سو اس لئے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ جمہور نے ذی روح کی جو تخصیص کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس (یعنی ذی روح) کی خلقت کی نسبت مخلوق کی طرف، جائز نہیں ہے نہ ہی حقیقۃً اور نہ ہی مجازاً۔ برخلاف باقی نباتات اور جمادات کے۔ کہ بسا اوقات اس کے فعل کو مجازاً لوگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: "**انبت فلان هذا الشجر ' وصنع فلان هذه السفينة**" اور ہر وہ چیز کہ جس کی عبادت کی جاتی ہو، اگر چہ وہ جمادات میں سے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ سورج اور چاند وغیرہ تو اس کی تصویر حرام ہونی چاہیئے۔ واللہ اعلم

اشرفؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مشہور روایت رفع کے ساتھ ہے ای "ان من اشد الناس عذاباً المصورون"۔ اسی طرح ابن الملکؒ نے اپنی شرح میں ذکر کی ہے اور رفع سے اعتذار کیا ہے۔ چنانچہ امام کسائیؒ نے کہا ہے کہ "من" زائدہ ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے۔ أی انه من أشدالناس عذابا المصورون۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ امام نوویؒ نے "شرح مسلم" میں بہت ساری روایات ذکر کی ہیں ان میں لفظ "ان" نہیں ہے۔ البتہ بخاریؒ کی روایت میں "اشد الناس عذاباً" بغیر "من" کے ہے اور جامع صغیر میں ہے: "ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة المصورون"۔ امام احمد اور مسلمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے "ان" کے ساتھ بغیر "من" کے روایت کیا ہے۔۔ شاید اشرفؒ کی مراد شھرة سے علماء عربیت کے ہاں شہرت ہے اور شاید بعض نسخوں میں ان حضرات نے اس طرح پایا ہو۔

بعض محدثین کرام نے اس حدیث کی تاویل میں یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ "ان من اشد الناس" ترکیب لفظی کی رعایت کے بغیر انہوں نے اس طرح نقل کیا ہے اور حدیث میں ادراج کر دیا ہے۔

حاصل یہ کہ غیر اہل کے ہاں اس کی شہرت اور عدم شہرت کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کیسے سید سند اور سعد اسعد کے درمیان اس حدیث کے معنیٰ میں تنازع ہوا: "حب الھرة من الایمان"۔ یہ حدیث باتفاق حفاظ حدیث موضوع ہے اور اسی لئے ہمارے شیخ المشائخ السخاویؒ نے "المقاصد الحسنه فی الا حادیث المشتھرة علی الا لسنة" تصنیف فرمائی اور اس کا خلاصہ ان کے شاگرد ابن الدیبع نے کیا ہے اور میں نے بھی ایک مختصر رسالہ میں موضوعات کو جمع کیا ہے، اس رسالہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

تصویر کش دوزخ میں

۴۴۹۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ فَيُعَذِّبُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلاً فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَالَا رُوْحَ فِيْهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤/٤١٦ الحدیث رقم ٢٢٢٥، ومسلم فی ٣/١٦٧٠ الحدیث رقم (٩٩۔٢١١٠)، وأحمد فی المسند ١/٣٠٨)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر تصویر کش دوزخ میں جائے گا۔ اس کی ہر صورت کے بدلے ایک شخص بنایا جائے گا جس کو اس نے بنایا اور وہ شخص اس مصور کو دوزخ میں عذاب دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے۔ اگر تم نے تصویر بنانا ہو تو درختوں اور غیر ذی روح کی بناؤ۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: کل مصور: ہر تصویر بنانے والا۔

یجعل: مجہول کا صیغہ ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس کو فعل معلوم کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ ای یجعل اللّٰه۔ معلوم صیغہ کی بناء پر "نفس" کو نصب دینا تو ظاہر ہے۔

البتہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ المصابیح کے بعض نسخوں میں ہے جو کہ جامع صغیر کی روایت کے مطابق ہے اور "نفس" بالرفع تو ظاہر ہے۔

اکثر میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ "نفسًا" منصوب بھی ہے جو کہ جامع الاصول کی روایت کے مطابق ہے اور اکثر مصابیح کے نسخوں کے مطابق ہے' لیکن مشکل ہے۔ مگر اس کی توجیہہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کی اسناد جار مجرور کی طرف ہے۔

فتعذبه: یہ صیغہ تانیث کے ساتھ ہے۔ **ای تعذب تلك النفس** اور فعل کی اسناد اس کی طرف مجازاً ہے۔ کیونکہ یہی اس کا سبب اور اس کی تعذیب کا باعث ہے اور بعض نسخوں میں بصیغہ تذکیر ہے۔

ای فيعذبه الله: اور ایک نسخہ میں "**فيعذب به**" مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ **ای بسبب تصوير تلك النفس.**

في جهنم: علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہاں تک روایت کو احمد و مسلم نے ذکر کیا ہے۔ قولہ: قال ابن عباس: **فان كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر وما لاروح فيه**: خطاب اس کو ہے جس کا ذکر باب کی فصل ثالث کے آغاز میں آئے گا۔

قوله: متفق عليه: اور ممکن ہے کہ بخاریؒ کے الفاظ بھی اس طرح ہوں، تو معنیٰ میں یہ حدیث "متفق علیہ" کے قبیل سے ہو گی۔ لہٰذا یہ امام سیوطیؒ کے اس اقتصار کے منافی نہیں جو انہوں نے اختیار کیا ہے کہ اس کو صرف بحوالہ مسلم ذکر کیا ہے۔ فتأمل۔

جھوٹے خواب بیان کرنے کی سزا

۴۴۹۹: وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٢/٤٢٧ الحديث رقم ٣٩١٦ وأبو داوٗد فی السنن ٤/٢٨٥ الحديث رقم ٥٠٢٤' والترمذی فی السنن ٤/٢٠٣ الحديث رقم ١٧٥١' وابن ماجه ٢/١٢٨٩ الحديث رقم ٣٩١٦' وأحمد فی المسند ١/٣٥٩۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ جو آدمی ایسے خواب کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا یعنی جھوٹا خواب بنا لے۔ اس کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے۔ وہ اس طرح ہرگز نہ کر سکے گا۔ اور جو دوسرے لوگوں کی بات پر کان لگائے جو اس کے بات سننے کو ناپسند کرتے اور اس سے دور ہوتے ہوں۔ اس کے کان میں قیامت کے دن سیسہ ڈالا جائے گا۔ اور جو کوئی تصویر بنائے تو وہ عذاب دیا جائے گا اور اسے اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے۔ وہ ڈال نہ سکے گا۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: من تحلم بحلم**:

"**الحلم**": حائے مہملہ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ اور لام کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ "حلم" اس کو کہتے ہیں جو سویا ہوا شخص دیکھتا ہے۔ مظہر نے اس کو ضمتین کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ اور نوویؒ نے حروف اول کے ضمہ اور ثانی کے سکون

کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ قاضی فرماتے ہیں کہ "**الحلم**" (بضمتین) خواب کو کہتے ہیں اور "**حلم بحلم**" **بالضم حلماً**، خواب دیکھنے کو کہتے ہیں "**تحلم**" جب کوئی دعویٰ کرے کہ اس نے خواب دیکھا ہے اور القاموس میں ہے کہ **الحلم بالضم** وبالضمتین' خواب اس کی جمع "**احلام**" آتی ہے **حلم فی نومه واحتلم وتحلم وانحلم وتحلم الحلم استعمله** اور ابن حجر فرماتے ہیں:

علم ای تکلف الحلم:

سارے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جو نیند میں خواب دیکھنے کا دعویٰ کرے۔

ولن یفعله: یعنی وہ کبھی اس کی استطاعت نہ رکھے گا اور یہ تکلیف عدم قدرت کے ساتھ مزید تعذیب ہے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس کو عذاب ہوگا یہاں تک کہ وہ ایسا کرلے اور جمع کرلے اس جہنم کے درمیان جس کا عقد ممکن نہ تھا اور اس نے کو پیدا کیا، حالانکہ اس کو قدرت نہیں تھی کہ ان دونوں کے درمیان عقد کرے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ یہ اس کا عذاب اور اس کی جزاء ہے۔ بلکہ اس کو اس کا شعار بنایا جائے گا' تا کہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ وہ جھوٹا خواب دکھاتا ہے اور لفظ "**کلف**" بمعنیٰ اول کے بارے میں بتلا رہا ہے۔

اور النہایہ میں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اگر کوئی جھوٹا خواب کے بارے میں جھوٹ بولے تو حالت بیداری کے جھوٹ سے بڑھ تو نہیں سکتا۔ تو اس کی سزا اور وعید میں زیادتی کیوں کردی گئی؟ بعض نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے کہ سچے خواب نبوّت کا جزء ہوتے ہیں اور نبوّت نہیں ہوتی مگر وحی کے ساتھ اور خواب میں جھوٹ بولنے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے وہ کچھ دکھایا، جو اس نے نہیں دیکھا تھا' اور اس کو جزء نبوّت عطاء کیا ہے، جو اس کو نہیں دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا شخص مخلوق یا اپنی ذات پر جھوٹ بولنے والے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں یہ خواب مخصوص ہیں ان خبروں کے ساتھ کہ جن کا تعلق غیب اور امور دین سے ہو۔

میں کہتا ہوں: **لم یخرج شیئی من الرؤیا عن أمور الغیب 'فلیس فیه مایتوهم من الغیب**

مظہرؒ کہتے ہیں کہ یہ تغلیظ اس شخص کے بارے میں ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے یہ خبر دی ہے کہ فلاں آدمی مغفور یا ملعون ہے۔ یا نبی علیہ السلام نے مجھے اس طرح اس طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ کچھ اس نے نہیں دیکھا ہوتا۔

البتہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور گناہوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، یا یہ کہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ وہ اس خواب میں جھوٹا ہو۔ مگر یہ کہ اس کا عذاب اس شخص اوّل جیسا نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں، کیونکہ اس نے دو جھوٹوں کو جمع کیا ہے، اگرچہ حالت بیداری کے جھوٹ اور اس جھوٹ میں تفاوت ہے۔ لہٰذا احسن یہ ہے کہ حدیث کے عموم پر عمل کیا جائے، جیسا کہ لفظ کا ظاہر ہے اور عذاب جھوٹ کے مراتب کے تفاوت کے اعتبار سے ہوگا۔ ہاں رؤیا کی تخصیص اس لئے کی کہ یا تو اس لئے کہ یہ جھوٹ سے مرکب ہے، یا اس لئے کہ یہ جھوٹ کی سخت ترین نوع ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور غیب کے علم کا دعویٰ ہے۔ واللہ اعلم اور اس کی تائید امام احمدؒ کی اس

روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "ان من اعظم الفری ان یری الرجل عنه مالم تره".
"او یفرون منه" یہ "او" شک کے لئے ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا، کہ وہ لوگ اس سے اور اس کے استماع کلام سے دور بھاگتے ہیں۔

الآ نك: مد اور نون کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ فارسی میں اس کو "اُسرب" کہتے ہیں اور النہایہ میں ہے کہ سفید سیسہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کالا اور بعض نے خالص سیہ مراد لیا ہے۔ قوله: صب فی أذنیه الانك: یہ جملہ دعا ہے (کذا قیل) اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اخبار ہے۔ جیسا کہ اس پر سابق ولاحق دلالت کر رہا ہے اور یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے، کہ جو اس کو چغلی کی نیت سے کان لگا کر سنتا ہے اور اس پر مترتب ہونے والے فتنہ کی وجہ سے برخلاف اس شخص کے جو اس لئے سنتا ہے کہ ان کو فساد سے روکے۔ یا اس لئے کہ وہ ان کے شرور سے بچ سکے۔

قوله: ومن صور صورةً: یعنی ذی روح کی تصویر بنائی' یا مطلق کوئی صورت بنائی۔ اور ذی روح کی تصویر کے بارے میں اس کو تغلیظاً حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے۔ ان ینفخ: ایک روایت میں الروح کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس کی نظیر "من تحلم" ہے۔

حدیث کا اوّل جملہ ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے یوں روایت کیا ہے "من تحلم کاذباً کاف یوم القیامة ان یعقد بین شعیرتین ولن یعقد بینهما"۔ اور طبرانیؒ نے دونوں جملوں کو یوں روایت کیا ہے: "من استمع الی حدیث قوم وهم له کارهون صب فی اذنیه الانك" اور حدیث کا آخری جملہ احمد، شیخینؒ اور نسائیؒ نے اس طرح روایت کیا ہے: "من صور صورةً فی الدنیا کلف ان ینفخ فیها الروح یوم القیامة ولیس بنافخ".

چوسر باز سوٗر کے خون میں ہاتھ ڈبونے والا ہے

۴۵۰۰: وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِيْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهٖ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱۷۷۰/۴ الحدیث رقم (۱۰۔۲۲۶۰)، وأبو داوٗد فی السنن ۲۳۰/۵ الحدیث رقم ۲۹۳۹، وأحمد فی المسند ۳۶۱/۵۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چوسر سے کھیلے۔ اس نے اپنا ہاتھ سور کے گوشت ولہو میں ڈبویا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: النرد شیر: نون کے فتحہ، راء کے سکون، دال مہملہ کے فتحہ اور کسرہ، شین معجمہ، یائے تحتیہ کے سکون اور راء کے ساتھ ہے۔ نرد کو کہتے ہیں۔ "نرد" معروف کھیل ہے۔ یہ لفظ عجمی ومعرّب ہے۔ "شیر" کا معنیٰ میٹھا ہے۔

(کذا فی النهایة۔ نقلة طیبیؒ نوویؒ)

فکانما صبغ یده فی لحم خنزیر ودمه: یعنی دونوں ہاتھوں کو ان دونوں میں داخل کر دیا ہے اور ان دونوں کے ساتھ

"صبغ" کی تخصیص کی وجہ اس کا نجس ہونا ہے۔ یہ اس سے اعراض کے لئے مزید مبالغہ ہوگا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ حدیث امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک اس کھیل کی حرمت کی دلیل ہے اور "صبغ یده فی لحم الخنزیر و دمه" کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اس کھیل میں یوں ہے گویا کہ اس نے اپنے ہاتھ کو خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لیا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ اس میں اس فعل کی قباحت کی تصویر ہے اس سے نفرت دلانا مقصود ہے۔ ہمارے علماء میں سے بعض شراح کہتے ہیں، کہ "نردشیر" سے مراد "نرد" ہے، جس کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ اس کھیل کا بانی "شابور بن اردشیر بن تابک" تھا۔ اس کا باپ "اردشیر" ساسانیوں کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اس کے "رقعہ" کو "وجہ الارض" کے مشابہ کر دیا اور تقسیم رباعی کو فصول اربعہ کے، تیس رقوم کو تیس دن کے کالے اور سفید کو دن رات کے، بارہ گھروں کو بارہ مہینوں کے مشابہ کیا کعاب کو اقضیہ سماویہ کے مشابہ کیا اور اس کے ساتھ کھیل کو کسب کے ساتھ مشابہت دی۔ لہٰذا اس کے ساتھ کھیلنے والا اس وعید کا حقدار ہوتا ہے۔ جو وعید نردشیر کے ساتھ کھیلنے کو مذکور حرمت کے ساتھ تشبیہ دینے سے مفہوم ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ کھیل کھیلنا مجوس کی سنت کے احیاء کی کوشش ہے اور ان کے گھر جو حقائق سے غافل کرتی ہے۔

منذری فرماتے ہیں، جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نرد کھیلنا حرام ہے۔ ہمارے بعض مشائخ سے اس کی تحریم پر اجماع منقول ہے، (ذکرہ میرکؒ)۔ البتہ "شطرنج" کی حرمت کے بارے میں ہمارا اور جمہور علماء کرام کا مذہب بھی مطلقاً ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ ان کے نزدیک شروط معتبرہ کے ساتھ جائز ہے اور اس کا مزید بیان اپنے موقع محل میں آئے گا۔

الفصل الثانی:

تصاویر کے سر کاٹ ڈالو

۴۵۰۱: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِی الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰى بَابِ الْبَيْتِ فَيُقْطَعُ فَيَصِيْرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ فَلْيَجْعَلْ وِسَادَتَيْنِ مَنْبُوْذَتَيْنِ تُوْطَآنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه الترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داؤد السنن ٤/٣٨٨ الحديث رقم ٤١٥٨، والترمذی فی السنن ٢٨٠٦، وأحمد فی المسند ٢/٣٠٥۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے گزشتہ رات بھی تمہارے ہاں آیا تھا۔ مجھے گھر میں داخلہ سے دروازہ کی تصاویر نے منع کر دیا اور گھر میں تصویر والا رنگین منقش پردہ تھا جس کو لٹکایا گیا تھا اور گھر میں کتا تھا۔ پس آپ ان تصاویر کے سر کاٹنے کا حکم فرمائیں جو دروازے پر لگی ہوں یعنی پردے کی تصاویر کے سر کاٹ دیئے جائیں جس سے وہ درخت کی شکل بن جائیں ان کی ہیئت تصاویر والی باقی نہ

رہے اور آپ یہ حکم دیں کہ پردے کو کاٹ کر دو تکیے بنا لیے جائیں۔ تا کہ وہ روندنے میں آئیں اور گھر سے کتا نکالنے کا حکم دیں آپ ﷺ نے وہی کیا جو جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا۔ یہ ترمذی ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قال: یہ استئناف ہے، سوال مقدر کے جواب کے لئے بیان ہے اُن اُکون: (اس سے پہلے حرف جر مقدر ہے۔ ''تاءٗ'' کے فتح کے ساتھ ''تمثال'' بکسر الاول کی جمع ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں، کہ اس سے مراد حیوانات کی تصاویر ہیں۔

و کان: ماقبل ''کان'' حرفِ عطف ہے۔ لہٰذا یہ بھی کلام جبرائیل کا حصہ ہے۔

القرام: قاف کے کسرہ کے ساتھ منقش پردے کو کہتے ہیں۔ (قالہ بعض الشراح) اور القاموس میں ہے کہ ''القرام'' (از روئے وزن) ''کتاب'' کی طرح ہے۔ سرخ پردہ کو کہتے ہیں یا وہ رنگدار کپڑا جو اون سے بنا ہو جس میں نقش ونگار اور پھول بوٹے ہوں یا باریک پردے کو کہتے ہیں۔

علامہ طیبیؒ نے النہایہ سے نقل کیا ہے کہ قرام باریک پردہ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد رنگ برنگی اون سے بنا ہوا کپڑا ہے اور اس میں اضافت ایسی ہے۔ کہ جیسی ''ثوب قمیص'' میں ہے اور بعض کے ہاں ''قرام'' سے مراد وہ باریک پردہ ہے جو موٹے پردے کے پیچھے لٹکایا جاتا ہے اور اسی لئے اس کی اضافت کی ہے۔

یقطع: یہ مجہول کا صیغہ ہے تخفیف کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں تشدید کے ساتھ ہے اور مرفوع ہے اور ایک نسخہ صحیح میں نصب کے ساتھ ہے اور ضمیر ''رأس التمثال'' کی طرف راجع ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ جامع الاصول اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں رفع کے ساتھ ہے اس طور پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور بعض میں نصب کے ساتھ ہے جواب امر ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ شارع کا امر امتثال کا سبب ہوتا ہے اور پہلا (ضبط) معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ لطیف ہے۔

فیصیر: اس میں بھی دونوں صورتیں ہیں۔ ای یرجع التمثال المقطع رأسه۔ اگر یہ کہا جائے کھیئة الشجرة: کہ اس کے ذکر کا کیا فائدہ ہے؟ میں کہونگا کہ یہ بتلانا تھا کہ قطع سے مراد اس کے سر کی جگہ کا مٹانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو جدا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت تک شجرہ کی طرح نہیں ہوسکتا، جب تک اس سے سر جدا نہ ہو۔ جب تک اس پر سر باقی رہے گا یا مٹا ہوا ہوگا تو وہ هیئة شجرة نہیں ہوسکتا۔ (ابن الملک) اور یہ معقول ومنقول کے خلاف ہے۔ پہلی صورت میں جب سر مٹا دیا جائے گا اور چہرہ کی وہ صورت کہ جس سے امتیاز ہوتا ہے وہ بھی مٹا دی جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ھیئة شجرہ کی طرح ہو جاتا ہے اور یہ امر مشاہد ہے اور دوسری صورت میں یہ خلاف مذہب ہے۔ چنانچہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ مکروہ ہے کہ آدمی نماز پڑھے، اور اس کے سامنے یا اس کے اوپر یا دائیں طرف یا بائیں طرف یا اس کے کپڑوں پر تصاویر ہوں اور ''بساط'' کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ بچھونے پر مکروہ نہیں ہے، جب تک کہ تصاویر پر سجدہ نہ کرے فرمایا اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب تصویر ناظرین کو بغیر تکلف کے نظر آتی ہو۔ اگر وہ تصویر چھوٹی ہو یا اس کا سر مٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ جب تصویر کی حقیقت متغیر ہو جائے۔ اس طور پر کہ اس کے سر کو کاٹ دیا جائے یا

اس کے جوڑ جدا کر دیئے جائیں کہ صرف صورت کا اثر باقی رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ کہ جب تصویر کی جگہ کو توڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کے اوصال کٹ جائیں تو پھر اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اشارہ لطیفہ ہے کہ اس چیز کی تصویر جائز ہے جس میں حیات نہ ہو۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔

توطآن: یہ صیغۂ مجہول کے ساتھ ہیں۔ یعنی ان کو روندنے، ان پر بیٹھنے یا اس سے ٹیک لگانے سے اس کی اہانت کی جاتی ہو اور "وطأ" اصل میں پاؤں کے ساتھ مارنے کو کہتے ہیں اور پردہ کو کاٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے دو تکیے بنائے جائیں۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔ اس سے تصویر دار چیز کے استعمال کا جواز نکلتا ہے جیسا کہ تکیہ بستر اور بساط۔

اور بعض نے کہا ہے کہ "قطع" سے مراد یہ ہے کہ تصویر کی کوئی جگہ باقی نہ رہے، یہ احتمال بعید ہے اور ممکن ہے کہ "ستر" سے مراد جنس ستر ہو جو دروازہ وغیرہ پر لٹکے ہوئے پردے اور گھر میں موجود پردہ کو بھی شامل ہے اور "قطع" سے مراد برابر کر کے کاٹنا ہے۔ پھر اس کو سی کر دو تکیے بنا لئے جائیں۔

فیخرج: یہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں "فلیخرج" ہے۔

ففعل رسول اللہ: یعنی جو کچھ مذکور ہوا، وہ سب کچھ کر دیا۔ یا فعل کو بمنزلہ لازم کے کیا ہے۔ ای امتثل۔ واللہ اعلم۔

آگ کی گردن تین آدمیوں کیلئے

۴۵۰۲: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّیْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٦٠٤ الحديث رقم ٢٥٧٤ وأحمد فی المسند ٢/٣٣٦۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ سے ایک گردن قیامت کے دن نکلے گی۔ یعنی آگ کا ایک ٹکڑا گردن کی صورت میں نمایاں ہوگا جس کی دو آنکھیں اور دو کان اور زبان ہوگی۔ وہ آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے اور زبان سے بولے گی اور کہے گی۔ مجھے تین آدمیوں کیلئے متعین کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے مجھ پر پابندی لگائی ہے۔ کہ ان کو میں دوزخ میں داخل کروں۔ اور ان کو رسوائی کا عذاب لوگوں کے سامنے دوں۔ یہ عذاب ان لوگوں کیلئے ہے جو حق سے تکبر اور عناد کرنے والے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے اور دوسرا ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرے اور تیسرا تصویر کھینچنے والوں کیلئے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قولہ: یخرج عنق: اس سے مراد شخص قوی ہے اور بعض نے اس سے مراد ایک طائفہ لیا ہے۔ (ذکرہ بعض شراح) اور القاموس میں ہے کہ "العنق" ضمہ کے ساتھ اور دو ضموں کے ساتھ جیسا کہ صرد بمعنی "جید" مؤنث ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں۔ اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یعنی طائفہ۔

من النار: ''من'' بیانیہ ہے اور زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ "یخرج" کے متعلق ہے۔ جیسا کہ "یوم القیامۃ" اس کے لئے ظرف ہے اور "لھا" کی ضمیر عنق کے معنی کی طرف راجع ہے (قالہ طیبیؒ) اور ظاہر یہ ہے کہ ''عنق'' سے مراد لغت کا معروف معنیٰ ''جید'' ہے۔ جب کہ اس کے ظاہر سے عدول کے لئے کوئی صارف نہ ہو۔ پس یہ مؤنث ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ آگ سے ایک ٹکڑا ہوگا۔ جو ایک طویل گردن کی مانند ہوگا۔

عینان تبصران: اسی قسم کے اوصاف حجر اسود کے بارے میں وارد ہیں کہ جس نے اس کے ساتھ عہد و میثاق کو پورا کیا یہ قیامت کے روز اس کے لئے گواہی دے گا۔

یقول: تذکیر کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ "ینطق" سے بدل یا حال ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کی زبان قالاً یا حالاً کہے گی۔

قولہ: انی وکلت بثلاثۃ بکل جبار عنید:

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ذمہ داری سونپی ہے کہ ان تینوں قسموں کے لوگوں کو آگ میں داخل کر دوں اور ان کو سر عام رسوائی کا عذاب دوں۔

''جبار'' سے مراد ظالم ہے، اور ''عنید'' سے مراد ضدی اور متکبر ہے جو حق سے اعراض کئے ہوئے ہو اور باطل سے چمٹا ہوا ہے اور النہایہ میں ہے، کہ ''جبار'' ہٹ دھرم وسرکش کو کہتے ہیں اور عنید سے مراد وہ جائر عن القصد ہے جو علم کے باوجود حق کو ٹھکراتا ہے۔ اس میں سخت تہدید اور بہت ہی وعید ہے۔

ڈھول' شراب اور جوا حرام ہیں

۴۵۰۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٩٦/٤ الحديث رقم ٣٦٩٦' وأحمد فی ٢٨٩/١' والبيهقی فی الشعب ٢٨٢/٥ الحديث رقم ٥١١٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبانی شراب' جوا اور کوبہ یعنی اس کا بجانا حرام کیا۔ اور فرمایا کہ جو نشہ کی چیز ہے وہ حرام ہے۔ کوبہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ ڈھول ہے۔ یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔

تشریح: قولہ: ان اللہ تعالیٰ حرم الخمر والمیسر ولکوبۃ: ان دونوں (یعنی شراب اور جوئے) کی تحریم قرآن میں مذکور ہے اور "الکوبۃ" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرام کر دیا گیا، یعنی رسول اللہ نے اس کی تحریم کو بیان کیا۔ ''کوبہ'' چھوٹے طبل کو کہتے ہیں اور بعض کے ہاں اس سے مراد ''نرد'' ہے جیسا کہ بعض شراح نے کہا ہے اور علامہ میرکؒ کہتے ہیں، کہ اس سے مراد طبل لہو ہے، نہ کہ نمازیوں اور حجاج کا طبل۔

قولہ: قال: مسکر حرام: یہ بالرفع ہے، اس طور پر کہ مبتدا ہے، اور ''حرام'' اس کی خبر ہے اور ایک نسخہ میں ہے: '' وکل

مسکرٍ حرامٌ" یہ اختلاف پہلے گزر چکا ہے کہ جس کی مقدار کثیر نشہ دے اس کا قلیل حرام ہے یا نہیں؟

قوله: قيل: الكوبة الطبل: یہ بعض رواۃ کی طرف سے تفسیر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کے معنیٰ میں "النرد" مشہور ہے اور القاموس میں ہے کہ "کوبۃ" کاف کے ضمہ کے ساتھ "نرد" "شطرنج" چھوٹا طبل اور بربط کو کہتے ہیں۔ "بربط" لکڑی کا معنی ہے، جعفر کی طرح ہے۔ یہ معرّب ہے۔

غبیراء شراب حرام ہے

۴۵۰۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَالْغُبَيْرَاءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَةِ وَيُقَالُ لَهَا السُّكُرْكَةُ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٨٩ الحديث رقم ٣٦٨٥ وأحمد فى المسند ٢/١٥٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، جوا، کوبہ، غبیراء۔ (غبیراء یہ شراب کی قسم ہے) سے منع فرمایا ہے۔ حبشی اس کو مکئی سے بناتے ہیں اسے سکرکہ کہا جاتا ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: ان النبى نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء:

الغبيراء: غین معجمہ کے ضمہ، بائے موحدہ کے فتحہ اور یائے تحتیہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

الذرة: ذال معجمہ کہ ضمہ اور رائے مخففہ کے ساتھ ہے۔ القاموس کے مطابق ایک معروف دانہ ہے۔ اس کا اصل "ذر" ہے اور "الصحاح" میں اتنی بات مزید ذکر کی گئی ہے کہ "تاء" عوض کا ہے۔

"الفائق" میں ہے کہ اس کو "غبیراء" اس لئے کہتے ہیں، کیونکہ اس میں "غبرۃ" ہوتی ہے۔

السكركة: "النہایۃ" کے مطابق یہ سین اور پہلے والے کاف کے ضمہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ ایک قسم کی شراب ہے، جو "ذرۃ" سے تیار کی جاتی ہے۔ بظاہر یہ تفسیر حضرت ابن عمر کی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان کے بعد کے کسی اور راوی نے بیان کی ہو۔

۴۵۰۵: وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (رواہ احمد وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٥/٢٣٠ الحديث رقم ٤٩٣٨ وابن ماجه فى ٢/١٢٣٧ الحديث رقم ف٣٧٦٢ ومالك فى الموطأ ٢/٩٥٨ الحديث رقم ٦ من كتاب الرؤيا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو نرد سے کھیلے اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ یہ احمد، ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: کیونکہ یہ حقیقۃً یا صورۃً قمار اور جواء ہے، اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ یہ مطلقاً حرام ہے۔

تخریج: وكذا ابن ماجة والحاكم

کبوتر باز شیطان ہے

۴۵۰۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَتَّبِعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَيْطَانٌ يَتْبَعُ شَيْطَانَةً۔ (رواہ احمد وابوداود وابن ماجة والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲۳۱/۵ الحدیث رقم ۴۹۴۰، وابن ماجه فی ۱۲۳۸/۲ الحدیث رقم ۳۷۶۵، وأحمد فی المسند ۳۴۵/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کبوتروں کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ان کے کھیل اور ان کو اڑانے میں مشغول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شیطان شیطان کے پیچھے ہے۔ یہ روایت احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔

تشریح: تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو "شیطان" اس لیے کہا کیونکہ وہ حق سے دور تھا اور لایعنی چیز میں مشغول تھا اور اس (کبوتر) کو "شیطانة" کہا کیونکہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر رہی تھی اور اس دینی یا دنیاوی کام سے غافل کر رہی تھی جس کے در پہ وہ شخص تھا۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ کبوتر کو بچوں یا انڈوں کیلئے یا انس کے لئے یا حمل کتب (خطوط ارسانی) کے لئے رکھنا بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اس کے ساتھ بطور فال کے کھیلنا صحیح قول کے مطابق مکروہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ جواء یا اس جیسی کوئی چیز بھی ملائے گا تو پھر تو اس کی شہادت بھی رد ہو جائے گی۔

الجامع الصغیر میں ہے: رواہ ابو داود وابن ماجة عن ابی هریرہ، وابن ماجه عن انس وعن عثمان وعن عائشة.

الفصل الثالث:

جاندار کی تصویر کا کاروبار حرام ہے

۴۵۰۷: عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِیْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِیْ وَاِنِّیْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعتهٗ يقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَیْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ۔ (رواہ البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۴۱۶/۴ الحدیث رقم ۲۲۲۵ وأحمد فی المسند ۳۶۰/۱۔

ترجمہ: حضرت ابوالحسن تابعیؒ سے روایت ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ کی خدمت میں بیٹھا تھا ان کے پاس اچانک ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔اے ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اپنا گزر اوقات اپنی دستکاری سے کرتا ہوں۔ میں یہ تصاویر بناتا ہوں' میں کیا کروں؟ کیا مجھے یہ پیشہ ضرورت کے طور پر جائز ہے یا نہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ اس کا تعلق اس کام سے سخت ہے اور شاید ممانعت سے باز نہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا۔اور فرمانے لگے میں تم سے وہ بات بیان کروں گا جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔آپ نے فرمایا۔جو شخص تصویر بنائے پس بیشک اللہ تعالیٰ اسے عذاب کرنے والا ہے۔یہاں تک کہ اس میں روح پھونکے۔اور وہ اس میں ہرگز روح نہ پھونک سکے گا۔اس آدمی نے لمبا سانس لیا اور اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔یعنی وعید سن کر اس کا یہ حال ہوا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے۔تم پر بڑا افسوس ہے کہ (غالبًا) تو تمام پیشوں سے انکار کرنے اور صرف مصوری کا پیشہ اختیار کرنے والا ہے۔تمہارے لئے لازم ہے کہ تم درختوں اور ان چیزوں کی تصویر بناؤ جن میں روح نہیں۔یہ بخاری کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

سعید بن ابی الحسن۔ یہ سعید بن ابی الحسن ہیں۔''ابوالحسن'' کا نام ''یسار'' ہے۔یہ (سعید) حسن بصری کے بھائی ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے تابعی ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ان سے قتادہ وعون روایت کرتے ہیں۔۱۰۹ھ میں اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ان کا انتقال ہوا۔مرتب عرض کرتا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جلد اول' حدیث:۲۴۹ کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

تشریح: یعنی میری معاش کا ذریعہ تو صرف یہ تصاویر ہی ہے۔

لا احدثك: ''لا'' نافیہ ہے۔ای **لا اخبرك فی جوابك.** اور میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ نبی کی بات نفس میں زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔جس نے تصویر بنائی اور اس کو اپنا مشغلہ بنایا۔

قوله: فان الله معذبه: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ایک نسخہ صحیحہ میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ ''**یعذبه**'' ہے۔

حتی ینفخ فیه: اور ایک نسخہ میں ''**فیها**'' ہے ای **فی الصورة** اور اس کی تائید اگلے جملہ سے ہوتی ہے: ''**ولیس بنافخ فیها ابدا**''.اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کا عذاب ہمیشہ ہوگا۔یہ وعید شدید پر محمول ہے۔یا مستحل پر محمول ہے۔

قوله: فربا الرجل ربوةً شدیدةً: یہ مصدریت (یعنی مفعول مطلق ہونے) کی بناء پر منصوب ہے۔علامہ جوہریؒ کہتے ہیں کہ ''**الربو**'' نفس عالی (چڑھی ہوئی سانس کو کہتے ہیں۔''**ربا یربو ربوًا**'' اور القاموس میں ہے کہ ''**ربا الفرس ربوا**'' اس وقت کہا جاتا ہے، جب دوڑنے سے اس کو سانس چڑھ جائے، یا خوف کی وجہ سے' حاصل معنی یہ ہے کہ وہ خوف زدہ ہوگیا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث نقل کی اور لمبی سانس لینے لگا۔

ویحك: یہ کلمہ اس شخص کے لئے کہا جاتا ہے جو ایسی ہلاکت میں گر جائے، جس کا مستحق نہ ہو۔تاکہ اس پر رحم کیا جائے اور اسی سے یہ خبر مرفوع بھی ہے: ''**ویح عمار تقتله الفئة الباغیة**''.اس کو ابو داؤد نے ''**الحلیة**'' میں حضرت ابو قتادہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاریؒ اور احمدؒ نے حضرت ابوسعید سے یہ زیادتی نقل کی ہے: ''**یدعوهم الی الجنة ویدعوهم الی**

النار"۔ برخلاف کلمۂ "ویل" کے۔ چونکہ یہ مستحق ہلاکت شخص کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَیْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ [الاحقاف:۱۷] اور القاموس میں ہے: "ویح لذید و ویحا له" کلمہ رحمت ہے اور اس کا رفع ابتداء کی وجہ سے ہے اور اضمار فعل کی وجہ سے منصوب ہے اور "ویح زید و ویحه" یہ دونوں (بھی اسی وجہ سے) منصوب ہیں۔

ان ابیت: یعنی اگر تم باقی صنعتوں سے انکاری ہو، اور صرف تصاویر ہی بنانا چاہتے ہو، تو پھر تم درختوں کی تصاویر بناؤ اور ان جیسی ان اشیاء کی تصویریں بناؤ۔ جو غیر ذی روح ہیں۔ جیسا کہ اس بات کو اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے: "و کل شیء لیس فیه روح"۔

"کل" جر کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں، کہ اس میں جر اس وجہ سے جائز ہے کہ یہ شجر کا بیان ہوگا کیونکہ جب ان کو تصویر سے منع کر دیا اور ان کی راہنمائی "جنس شجر" کی طرف کر دی، تو انہوں نے اس کو "قصد" کے لئے وافی نہیں دیکھا تو اس کی وضاحت فرما دی یہ "بدل" کے قریب ہے اور "نصب" تفسیر کی بناء پر ہے۔ یعنی "اعنی" مقدر ہے اور اظہر یہ ہے کہ "جر" کے ساتھ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کا نصب "نزع الخافض" کی بناء پر ہو اور اس پر دال عاطف کا وجود ہے۔

نیکوں کی تصاویر لگانے والے بدترین خلق

۴۵۰۸: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَاُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتْ اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۸۷/۷ الحدیث رقم ۳۸۷۳' ومسلم فی ۳۷۵/۱ الحدیث رقم (۱۶۔۵۲۸) وأحمد فی المسند ۵۱/۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج رضی اللہ عنہن نے گرجے کا ذکر کیا اس گرجا کا عربی نام "ماریہ" تھا۔ آپ کی ازواج بیماری کے ایام میں مشغول خاطر کیلئے باتیں کرتی تھیں۔ بعض ازواج مطہرات یعنی ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے کنیسہ کا ذکر کیا جس کو سرزمین حبشہ میں انہوں نے ملاحظہ کیا تھا۔ اور یہ دونوں سرزمین حبشہ میں گئی تھیں یعنی وہاں کے لوگ نصرانیت پر قائم تھے۔ ان دونوں نے گرجے کے حالات ذکر کیے کہ اس میں تصاویر تھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا نصاریٰ یا اہل حبشہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک صالح آدمی مر جاتا ہے۔ اس کی قبر پر مسجد بناتے ہیں۔ یعنی اس کی قبر کے پاس عبادت خانہ بناتے ہیں جس کو گرجا اور کنیسہ کہتے ہیں پھر اس مسجد میں تصاویر بناتے ہیں۔ یہ تصاویر صلحاء کی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بدترین ہیں۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ "کنیشت" سے معرب ہے اور اس کنیسۃ کو "مارية" کیا جاتا تھا اور شاید ماریہ بھی معرب ہے "مارني مثلها" سے۔

مطلب......دونوں نے اس کو حبشہ میں دیکھا تھا اور اس پر تعجب کیا تھا دونوں نے آپ علیہ السلام کے سامنے "مارية" کی خوبصورت تصاویر حُسن کو بیان اور ذکر کیا۔ تو نبی نے کمال غیرت الٰہیہ کی وجہ سے سر اٹھایا "اولئك" کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے مخاطب کوئی خاتون تھیں اور ان دونوں میں سے کسی کو خطاب فرمایا یا اپنی ازواج میں سے کسی عورت کو خطاب فرمایا۔ یا حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اور ایک نسخہ میں "اولئك" بفتح الكاف ہے۔ اسی صورت میں یہ خطاب عام ہے یا ان خواتین کو مردوں کے قائم مقام قرار دیا۔ مطلب یہ کہ ان اہل کتاب یا یہود ونصاریٰ کی جماعت میں سے کوئی نیک آدمی نبی یا ولی مرجاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر سجدہ گاہ یعنی عبادت گاہ لیتے جس کو "کنیسة" کہتے ہیں۔ پھر انہوں نے اس میں ان صلحاء کی تصویریں بنا ئیں۔ ان کی یادگار کے طور پر یا اس لئے کہ ان کی وجہ سے عبادت میں ترغیب ہوگی۔ پھر ان کے بعد اور لوگ آئے پس شیطان نے ان کو یہ اشکال مزین کر دکھائیں اور ان سے کہا، کہ تمہارے اسلاف اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ تو وہ بتوں کی پوجا میں جا پڑے۔

شدید عذاب کے مستحق پانچ افراد

۴۵۰۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ اَوْقَتَلَ اَحَدَوَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ۔

أخرجه البيهقى فى شعب الايمان ٦/١٩٧ الحديث رقم ٧٨٨٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے: ❶ جس نے کسی پیغمبر کو قتل کیا۔ ❷: پیغمبر کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ❸ اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل۔ ❹ مصور۔ ❺ وہ عالم جو اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھائے یعنی اس کے مطابق عمل نہ کرے۔

تشریح: قوله: "ان اشد الناس عذابًا يوم القيامة": قوله: أوقتله نبي: یہ "في سبيل الله" کی قید کے ساتھ مقید ہے اس تقیید کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے: "بشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله"۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "في سبيل الله" کی قید اصل میں احتراز ہے اس سے جس کو کوئی نبی حد یا قصاص میں قتل کرے۔ کیونکہ جس کو اللہ کے واسطے نبی قتل کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص نبی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔ اھ۔

البتہ اس پر "غلام خضر" کی وجہ سے اشکال پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ صحیح قول کے مطابق نبیؑ تھے۔ لیکن یہ اشکال بھی "في سبيل الله" کی قید سے رفع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو ایک حکمت کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ جس کا ذکر اپنے موقع محل میں ہو چکا ہے۔ أوقتل أحد والديه: یہاں "او" تنویع کے لئے ہے۔

والمصورون: اس کا عطف "من قتل" کے محل پر ہے اور اسی طرح "و عالم لم ينتفع بعلمه" بے عمل عالم کو عذاب

اس کی اپنی بے عملی کی وجہ سے ہوگا۔

شطرنج جوا ہے

۴۵۱۰: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ الشَّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِمِ۔

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٥/ ٢٤١، الحديث رقم ٦٥١٨۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یقیناً شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۔

تشریح: "الشطرنج": شین کے کسرہ کے ساتھ یہ "شش رنج" سے معرب ہے۔ اس کا مطلب ہے چھ مشقیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شین کے فتح کے ساتھ ہے۔ "سط رنج" سے معرب ہے۔ جس کا معنی ہے ساحل التعب۔ اور قاموس میں ہے کہ "الشطرنج" کے حرف اول کو فتحہ نہیں دیا جاتا، یہ ایک معروف کھیل ہے۔ اس میں "سین" بھی ایک لغت ہے۔

قوله: هو ميسر الا عاجم: یعنی حقیقۃً یا صورۃً ان کا قمار اور جوا ہے اور ان کے ساتھ تشبہ منھی عنہ ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بھی منھی عنہ میسر کے عموم میں داخل ہے۔ اور اس کے ساتھ شرط ہو تو پھر بالاتفاق حرام ہے۔

شطرنج کھیلنے والا خطا کار

۴۵۱۱: وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ لَا يَلْعَبُ بِالشَّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ۔

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٥/ ٢٤١ الحديث رقم ٦٥١٨۔

ترجمه: حضرت ابن شہاب سے روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شطرنج سے خطا کار کھیلتا ہے۔

تشریح: قوله: "لا يلعب بالشطرنج الا خاطیء": "خاطی سے مراد گنہگار ہے اور یہ اطلاق شطرنج کو شامل ہے خواہ شرط کے ساتھ ہو یا بغیر شرط کے ہو۔

حدیث اگرچہ موقوف ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے۔ کیونکہ اس جیسی بات اپنی طرف سے نہیں کہی جا سکتی اور عنقریب یہ بھی آئے گا کہ یہ مرفوع حقیقۃً کے برابر ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ "شطرنج" کے کھیلنے کی اباحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس میں رخصت دی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ جنگ کے معاملے یا دشمن کے داؤ پیچ اور منصوبے سے خبردار کرتا ہے (یعنی اس کی چال کے خلاف چال چلنے کا گر سکھاتا ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کتنی ضعیف تعلیل اور کتنی کمزور تاویل ہے۔ حالانکہ اس فعل کی مذمت میں اور صحابہؓ سے اس کے عدم ثبوت میں کتنی ساری روایات وارد ہیں۔

فرمایا: یہ تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اوّل یہ کہ اس میں جواء نہ ہو۔ دوم یہ کہ نماز کو وقت سے مؤخر نہ کرا دے۔ سوم یہ کہ اپنی زبان کو فحش بُری باتوں سے محفوظ رکھے۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط ساقط ہوگئی تو یہ شخص ساقط مروت اور مردود الشہادت

ہو جائے گا امام شافعیؒ نے شطرنج اور کبوتر کے ساتھ کھیلنے کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے اس کو نرد کی طرح حرام قرار دیا ہے۔ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قمار سب حرام ہے۔ یہاں تک کہ اخروٹوں کے ساتھ کھیلنا بھی حرام ہے۔ اھ۔ (بشرطیکہ اس میں قمار ہو۔)

منذریؒ کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر اور امام شعبی اس کی اباحت کے قائل ہیں اور اصحاب حنفیہ کی ایک جماعت نرد کی طرح اس کی تحریم کی قائل ہے۔

جامع صغیر میں ہے: **ملعون من لعب بالشطرنج والنا ظر الیها کالآ کل لحم الخنزیر۔** ''جس نے شطرنج کھیلا وہ ملعون ہے اس کو دیکھنے والا شخص خنزیر کا گوشت کھانے والے کی طرح ہے''۔ اس کو عبدان نے ابو موسیٰ اور ابن حزم نے حبہ بن مسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے اور مرسل روایت جمہور کے ہاں حجت ہے اور اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے جو کئی طرق سے مروی ہیں۔ (واللہ اعلم)

شطرنج باطل کھیل

۴۵۱۲: وَعَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشَّطْرَنْجِ فَقَالَ هِیَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْبَاطِلَ۔

(رواه البیهقی الاحادیث الاربعة فی شعب الایمان)

أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ٥/٢٤١ الحدیث رقم ٦٥١٨۔

ترجمہ: حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ شطرنج کے کھیل کا کیا حکم ہے۔ تو انہوں نے فرمایا یہ باطل کھیل ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں فرماتے۔ یہ چاروں روایات بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

تشریح: سئل: اس میں احتمال ہے کہ ضمیر ابن شہاب کی طرف راجع ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے اور اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ ابو موسیٰ کی طرف راجع ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث سابق کے مطابق ہو جائے گی اور حاصل یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے پوچھا گیا۔

لعب الشطرنج: ''لعب'': لام کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ' اور ایک نسخہ میں فتح اور کسرہ ہے' اور سکون کے ساتھ فتحہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے: **لعب کسمع لعبا ولعبا ولعبا ضدجد۔ فقال هی:** یہ ضمیر ''ملاعبۃ'' یا ''ھذہ اللعبۃ'' کی طرف عائد ہے اور امام طیبیؒ نے عجیب بات کہی کہ ضمیر مؤنث شطرنج کی طرف راجع ہے ''شطرنج'' تماثل کی تاویل میں ہے۔ **قوله: هی من الباطل ولا یحب الله الباطل:** اور اس کی تائید الدر المنثور کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ ابن ابی حاتم نے اشہب سے روایت کیا ہے فرمایا امام مالکؒ سے شطرنج اور نرد کھیلنے والے شخص کی شہادت کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: **أما من أدمنها فما أری شها دتهم** کہ جس نے اس کو مداومت کے ساتھ کھیلا، تو میں ان کی شہادت کو (ٹھیک) خیال نہیں کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**فما بعد الحق الا الضلال**﴾ [یونس: ۳۲] پس یہ سب ضلالت گمراہی ہے۔

اور ابوالشیخ نے ہمام بن مسلم سے روایت کیا ہے کہ امام مالک سے شطرنج کے (کھیل) کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ کیا یہ حق کھیل ہے؟ تو کہا گیا کہ نہیں۔ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فماذا بعد الحق الاالضلال﴾[یونس۔۳۲] اس استدلال اور ماقبل کے استدلال سے یہ بات کھلتی ہے کہ "الکوبة هي الشطرنج" سے مراد یہ ہے کہ یہ جوے میں حقیقۃً یا صورۃً داخل ہیں اور حدیث کے متعدد طریق سے یہ ثابت ہے جن میں سے کئی ایک ماقبل میں بھی گذر چکے ہیں اور ان میں سے بعض "الدر" میں بھی منقول ہیں۔ عبد بن حمید نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے: فرمایا "المیسر کعاب فارس وقداح العرب" اور یہ سارا جوا ہے، یعنی حقیقۃً یا حکماً۔

بیہقی نے مجاہدؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے: فرمایا: قال: المیسر القمار کله حتی الحوز الذی یلعب به الصبیان میسر سارا کا سارا جوا ہے یہاں تک کہ جن اخروٹوں کے ساتھ بچے کھیلتے ہیں، وہ بھی۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے: "اجتنبوا هذه الکعاب الموسومة التی یزجر بها زجرًا 'فانها من المیسر".

ابن مردویہ نے اور بیہقیؒ نے "الایمان شعب" میں حضرت سمرہ بن جندب سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"ایاکم وهذه الکعاب الموسومة التی تزجر زجرًا فانها من المیسر".

احمد وابن ابی الدنیا نے لہو ولعب کی مذمت میں اور ابن مردویہ نے "شعب الایمان" میں حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "ایاکم وهاتین البتین الموسومتین اللتین تزجران زجرًا' فانها میسر العجم".

ابن ابی شیبہ، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ سے یہ نقل کیا ہے: "النرد والشطرنج من المیسر"

عبد بن حمید نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے: "الشطرنج میسر الا عاجم"

عبد بن حمید اور ابن ابی الدنیا نے لہو ولعب کی مذمت میں' اور بیہقیؒ نے "الشعب" میں قاسم سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: "هذه النرد تکرهونها فما بال الشرنج"؟ تو انہوں نے فرمایا: کل ماألهی عن ذکر الله وعن الصلاة فهو من المیسر۔ ہر وہ چیز جو ذکر اللہ تعالیٰ اور نماز سے غافل کر دے وہ جوا ہے۔

صحیح قول یہ ہے کہ شطرنج کا کھیل مکروہ تحریمی ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو علامہ منذری نے نقل کیا ہے، کہ کئی احادیث میں شطرنج کا ذکر آیا ہے۔ میں ان میں سے کسی کے متعلق کوئی صحیح سند اور نہ ہی سند حسن جانتا ہوں۔ (میرک) کیونکہ تعدد طرق سے حدیث "حسن" بن جاتی ہے۔ اگرچہ "حسن" "لغیرہ" ہو۔ اگرچہ سلف نے "نرد" اور "شطرنج" میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا ہے کہ ان سب کو منہی عنہ میسر میں شمار کیا جائے۔ لہٰذا "نرد" سے ہٹ کر شطرنج میں قمار کی شرط کہاں سے معلوم ہوتی ہے۔؟ واللہ اعلم

بلّی درندہ ہے

۴۵۱۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ دَارَ قَوْمٍ مِنَ الْاَنْصَارِ

وَدُوْنَهُمْ دَارٌفَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْتِيْ دَارَفُلَانٍ وَلَا تَاْتِيْ دَارَنَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِيْ دَارِكُمْ كَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِيْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّنَّوْرُ سَبُعٌ۔ (رواه الدارقطني)

أخرجه الدارقطني في السنن ١/٦٣ الحديث رقم ٥ من كتاب الطهارة۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے نزدیک تر دیگر انصار کے مکانات تھے مگر وہاں نہ جاتے۔ پس ان لوگوں پر یہ بات گراں گزری کہ ان کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر میں نہیں آتے۔ پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فلاں گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر نہیں آتے یعنی ہماری کیا کوتاہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں تمہارے گھر اس وجہ سے نہیں آتا کہ تمہارے گھر میں کتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا ان کے گھر میں بلی ہے اور وہ بھی کتے کی طرح درندہ ہے۔ ان میں کیا فرق ہے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی درندہ ہے۔ یہ دارقطنی نے نقل کی۔

تشریح: **دونهم**: (یہاں ''دون'' بمعنی ''قریب'' ہے۔) **اى قريبهم**: یعنی اس میں کیا حکمت ہے۔ یا ہماری کیا کوتاہی ہے؟ اور ممکن ہے کہ استفہام تعجبی مقدر مانا جائے۔

قوله: لان فى داركم كلباً:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتا شکار یا حفاظت کے لئے رکھا ہوا تھا۔ سنور: سین کے کسرہ اور نون مشددہ کے فتحہ کے ساتھ۔ ''سبع'': پہلے فتحہ اور پھر ضمہ ہے اور قاموس میں باء کے ضمہ، فتحہ اور سکون، تینوں کے ساتھ ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، اس کو استفہام انکاری پر محمول کرنا بھی جائز ہے اور اخبار پر بھی۔ یعنی ''سنور'' (بلی) درندہ ہے، شیطان نہیں ہے جیسا کہ ناپاک کتا ہوتا ہے اور آغاز کتاب میں یہ بات گزری ہے کہ ملائکہ کتے والے گھر میں اس لئے نہیں آتے، کیونکہ یہ نجاست کھاتا ہے اور اس لئے بھی کہ بعض کو شیطان کہا جاتا ہے اور ملائکہ شیاطین کی ضد ہیں۔ اھ اور انبیاء کرام علیہم السلام طبائع میں ملائکہ کی طرح ہوتے ہیں۔

اور جامع صغیر میں یہ الفاظ ہیں: ''**السنور سبع**''۔ اس کو دارقطنی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

امام احمد نے ابو قتادہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''**السنور من اهل البيت وانه من الطوافين او الطوافات عليكم**''۔

میں کہتا ہوں کہ اس جیسی حدیث کو ماقبل کے ساتھ ملانے سے جواب مکمل ہو جاتا ہے، ورنہ تو وہ مشکل ہے کیونکہ اس کا ظاہر تو باب تحصیل حاصل سے ہے اور اظہر یہ ہے کہ ''**لا**'' استفہام انکاری ہے۔ کیونکہ ''**السبع**'' القاموس کے مطابق حیوان مفترس کو کہتے ہیں۔ سنور پر صادق نہیں آتا۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

كِتَابُ الطِّبِّ وَالرُّقٰى

طب اور منتروں کا بیان

''الطب'' بکسر الطاء ہی مشہور لغت ہے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ طاء پر تینوں حرکات درست ہیں' اس کا معنی ہے ''امراض کا علاج کرنا'' اس کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

① حفظ صحت۔ ② موذی چیزوں سے پرہیز واجتناب ③ بدن کو فاسد مادوں سے خالی کرنا۔

''اساس البلاغۃ'' میں ہے: ''جآء فلان يستطب بوجعه اى يستوصف الطبيب'' (طبیب سے دوا دریافت کرنا' طبیب سے مشورہ لینا' طبیب سے نسخہ تجویز کرانا) ایک شخص کہتا ہے:

لكل داءٍ دواءٌ يستطب به۔

الا الحماقة أعيت من يداويها. ہر مرض کی دواء ہے، جس سے اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ سوائے حماقت کے' کہ اس کی دواء کروانے والا کوئی نہیں ہے۔

''الرقٰی'' رُقیة کی جمع ہے۔ دم کو کہتے ہیں جو کسی صاحب تکلیف پر کیا جاتا ہے. بخار اور سردرد وغیرہ میں بزار نے حضرت عروۃ سے نقل کیا ہے قال: قلت لعائشة انى أجدك عالمة بالطب فمن أين؟ فقالت: ان رسول الله ﷺ كثرت أسقامه: وكانت أطباء العرب والعجم ينعتون له فتعلمت ذلك انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا، کہ میں آپ کو طب کی عالم سمجھتا ہوں آپ نے طب کہاں سے سیکھی تو انہوں نے فرمایا، کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بیماریاں زیادہ ہوگئیں تو عرب وعجم کے اطباء آپؐ کے لئے مختلف نسخے تجویز کرتے تھے۔ پس اس سے میں نے یہ سیکھ لیا۔ علم طب کی ابتداء:

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے علم طب کے بارے میں احادیث اتنی زیادہ ہیں، کہ ان کی گنتی نہیں کی جاسکتی' اس کو کئی دیوانوں میں مرتب کیا گیا ہے.

علم طبّ کی ابتداء:

اس بارے میں اختلاف ہے کہ علم طب کی ابتداء کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس میں علماء کے کئی اقوال ہیں، البتہ قول مختار یہ ہے

کہ اس کا بعض حصہ تو انبیاء کی طرف بھیجے جانے والی وحی کے ذریعے معلوم ہوا ہے اور باقی پھر تجربوں کے ذریعے دریافت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بزارؒ اور طبرانیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی علیہ السلام سے روایت کیا ہے اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے، تو وہ اپنے سامنے ایک درخت کو دیکھتے، تو اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تو وہ بتاتا کہ فلاں نام ہے، پھر پوچھتے کہ تم کس لیئے ہو؟ تو وہ بتاتا کہ فلاں مرض کے لئے۔ تو اگر وہ درخت دواء کے لئے ہوتا، تو اس کو لکھ لیتے تھے اور اگر غرس کے لئے ہوتا تو اس کو زمین میں لگا لیتے۔

جان لیجئے کہ ہر صحت مند اور بیمار شخص اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ سے ایسا ہوتا ہے۔ اس میں اہل سنت کے ہاں اختلاف ہے۔ امام غزالیؒ اور سبکیؒ نے قول ثانی کو ترجیح دی ہے ترمذی وابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے سُئل رسول الله ﷺ أرأيت أدوية نتراوى بها ورقى نسترقيها هل تردمن قدر الله شيئا؟ قال: هى من قدر الله۔ کہ رسول اللہؐ سے پوچھا گیا، کہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے ان ادویہ کے بارے میں جس سے ہم علاج کرتے ہیں اور اس دم کے متعلق جس سے ہم دَم کرتے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو رد کر سکتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی ہے۔

الفصل الاول:

ہر مرض کا علاج ہے

۴۵۱۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳۴/۱۰ الحدیث رقم ۵۶۷۸' وابن ماجه فی السنن ۱۱۳۸/۲ الحدیث رقم ۳۴۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اُتاری ہے اس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے۔ (اس کو بخاری نے روایت کیا ہے)

تشریح: قوله: ماأنزل الله داء الا أنزل له شفاء: یعنی اللہ تعالیٰ نے درد یا وباء کو وجود نہیں بخشا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے علاج اور دوائی مقرر کی ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی مرض میں مبتلا نہیں کیا ہے، مگر اس کے لئے دوا مقرر فرمائی ہے۔

رواه البخاری وكذا النسائی وابن ماجة

اور بخاری کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: "الا انزل له الدواء"

امام احمدؒ نے طارق بن شہابؓ سے یوں روایت کیا ہے: ان الله تعالٰى لم يضع داء الا وضع له شفاء فعليكم بألبان البقرة 'فانها ترم من كل الشجر۔ اھ "بیشک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی ہے مگر اس کے لئے علاج اور شفاء بھی وضع کیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے اوپر گائے کے دودھ کو لازم کرو۔ کیونکہ وہ ہر درخت سے کھاتی ہے"۔

حاکمؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے "ان اللّٰہ لم ینزل داء الا أنزل له شفاء الا الھرم فعلیکم بالبان البقر' فانھا ترم من کل الشجر".اس میں معجون کی تراکیب کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ مختلف اشیاء کی جمعیت سے اعتدال حاصل ہوتا ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:﴿ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۚ......﴾ [النحل:٦٩] "اور ہر قسم کے میوے کھا۔ اور اپنے پروردگار کے صاف راستوں پر چلی جا اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بیشک سوچنے والوں کے لئے اس میں بھی نشانی ہے۔"

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے:"ان اللّٰہ تعالٰی حیث خلق الداء خلق الدواء فتداووا"

حاکم اور بزارؒ نے حضرت ابوسعید سے نقل کیا ہے:"ان الله تعالیٰ لم ینزل داء الا انزل له دواء علم ذالك من علم وجھل ذالك من جھل الاالسأم".صحابہ نے پوچھا،کہ اے اللہ کے رسول! "سام" کیا ہے۔تو آپ نے فرمایا: "الموت".

جاننا چاہیئے کہ ان احادیث سے نفس مریض اور طبیب کے لئے تقویت ہے اور اس کو طلب دواء اور تخفیف للمرض پر اُبھارا ہے۔کیونکہ جب نفس کو معلوم ہوجائے کہ اس کے مرض کی دواء اور اس کا علاج ہے تو اس کی اُمیدیں مزید قوی ہوجاتی ہیں اور اس کی حرارت غریزی بھڑک جاتا ہے۔روح نفسانیہ طبیعیہ اور حیوانی کو تقویت ملتی ہے'اور ان ارواح کی تقویت سے قوت برداشت بڑھتی ہے۔جن سے مرض رفع ہوجاتا ہے۔

یہاں پر "انزال" سے مراد تقدیر ہے، یا اس مرض کے علم کا انبیاء کی زبانی نزول ہے۔یا اس سے مراد الہام ہے۔

ادویہ معنوی مثلاً اللہ کی ذات پر صدق اعتماد اس پر توکل اس کے سامنے خضوع اپنے معاملے کو صدقہ واحسان کے ساتھ اس کے حوالے کردینا کرب ومصیبت ادویہ حسیہ سے زیادہ نفع بخش ہے لیکن تصحیح نیت کی شرط کے ساتھ۔

طب نبوی کے مطابق علاج کے بعد بھی بسا اوقات شفاء میں تخلف ہوجاتا ہے۔اس میں موجود کسی مانع کی وجہ سے تلقی بالقول کے ضعف کی وجہ سے اور قرآن سے عدم نفع کا سبب اکثری بھی یہی بھی ہے۔اگرچہ یہ دلوں کی بیماریوں کے لیئے شفاء ہے اور حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی امراض کا علاج کیا ہے۔اس موضوع پر تفضیلی مباحت کا محل طب نبوی'سیر علامہ قسطلانیؒ کی کتاب "المواھب" اور ابن قیم الجوزیہ کی زاد المعاد ہے۔

ہر بیماری کا علاج ہے

۴۵۱۵:وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ١٧٢٩/٤ الحدیث رقم (٦٩۔٢٢٠٤)' وأحمد فی المسند ٣٣٥/٣۔

ترجمہ:حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کا کوئی نہ کوئی علاج ہے جب علاج

بیماری کے موافق بیٹھتا ہے تو مریض اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتا ہے۔ (یہ مسلم کی روایت ہے)

تشریح: قوله: "لكل داءٍ دواءٌ": "دواء" رفع کے ساتھ ہے اور منوّن ہے۔
تنوین کے ساتھ ہے "الداء" نصب کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں اضافت کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے: "فاذا أصاب دواء داء".

بروء: تینوں حروف مفتوح ہیں اور ایک نسخہ میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور اس پر ضمہ بھی جائز ہے اور النہایہ میں ہے: کہا جاتا ہے "برأت من المرض برء بالفتح وأبرأني الله من المرض ابراء". اور غیر اہل حجاز یوں کہتے ہیں: "برئت" بالكسر برأ بالضم۔

باذن الله: یعنی اللہ تعالیٰ آسان فرما دیتا ہے اور اس کا ارادہ فرماتا ہے اور یہاں پر یہ قید اس لئے لائی گئی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ دواء بذاتِ خود شفاء میں مستقل ہے اور اس کی تفسیر کی روایت سے ہوتی ہے "ما من داءٍ الا وله دواء" فاذا كان كذلك بعث الله عزوجل ملكا معه شراب ومعه ستر فجعله بين الداء والدواء ' فكلما شرب المريض من الدواء لم يقع على الداء' فاذ أراد الله برأه أمر الملك 'فرفع الستر' ثم يشرب المريض فينفعه الله تعالىٰ به۔

اسی طرح اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "لكل داءٍ دواءٌ ودواء الذنوب الا ستغفار".

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں علاج کے استحباب کی طرف اشارہ ہے اور یہ سلف اور اکثر خلف کا مذہب ہے اور ردّ ہے ان لوگوں پر جنہوں نے علاج کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: کہ ہر چیز قضاء اور تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے۔ لہٰذا علاج اور تداوی کی ضرورت نہیں ہے۔ جمہور کی دلیل احادیث ہیں اور (جمہور) یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے اور یہ کہ تداوی بھی اللہ کی تقدیر میں سے ہے اور یہ امر بالدعاء اور امر بقتال الكفار و مجانبة الالقاء باليد الى التهلكة کی طرح ہے۔ حالانکہ اجل مؤخر نہیں ہوتی اور مقادیر تبدیل نہیں ہوا کرتیں۔ اھ۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اسباب تداوی کی رعایت "توکل" کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ کھانے کے ذریعہ بھوک اور پانی کے ذریعہ پیاس بجھانا تقدیر کے منافی نہیں ہے اور اسی لئے محاسبی فرماتے ہیں کہ متوکل (توکل کرنے والا) آدمی علاج کرے سید المتوکلین کی اقتداء کرتے ہوئے اور اس حدیث: "من استرقٰى او اكتوٰى برأى من التوكل". جیسا کہ یہ حدیث آگے آئے گی کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے: "من توكل المتوكلين من السبعين الفاً الذين يدخلون الجنة بغير حساب". کہ توکل کی بعض قسموں کو بعض سے افضل قرار دیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ اس بات کے منافی ہے۔ کہ "توحید کی حقیقت مکمل نہیں ہوتی۔ مگر ان اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ کہ جن کو اللہ تعالیٰ قدراً و شرعاً ان مسببات کے مقتضیات بنایا ہے۔ لہٰذا ان کو معطل کرنا توحید میں قادح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جمع کا مرتبہ صرف توحید خالص کے مرتبہ سے اولیٰ ہے۔

احسن تاویل اس کی علامہ ابن عبد البرؒ نے کی ہے کہ وہ شخص توکل سے بریٔ ہے اگر اس نے مکروہ چیز سے دَم کرایا۔ یا اس

نے شفاء کو صرف داغنے وغیرہ کے علاج میں سمجھ لیا اور اس سے غافل ہو گیا کہ حقیقی شفاء تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ جس نے شریعت کے مطابق ایسا کیا اور ''رب الادواء'' کی طرف نظر کرتے ہوئے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے شفاء کی توقع رکھتے ہوئے اور اس نیت کے ساتھ کہ اپنے بدن کی صحت کا خیال اس لئے کرتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا قیام کروں۔ تو اس شخص کا توکل اپنے حال پر باقی ہوگا سید المتوکلین کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے۔ اگر آپ اس بحث کو کامل اور کماحقہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ''الاحیاء'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

تین اسباب شفاء

۴۵۱۶: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشِّفَاءُ فِيْ ثَلٰثٍ فِيْ شَرْطَةِ مِحْجَمٍ اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ وَاَنَا اَنْهٰى اُمَّتِيْ عَنِ الْكَيِّ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/١٣٦ الحديث رقم ٥٦٨٠، وابن ماجه فی السنن ١/١١٥٥ الحديث رقم، وأحمد فی المسند ١/٢٤٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں باعث شفاء ہیں: ① پچھنے والی سینگی لگانے میں۔ ② شہد کے استعمال میں (خواہ شہد پانی میں ملا کر پیا جائے یا پانی کے بغیر استعمال کیا جائے)۔ ③ آگ سے داغ دینے میں۔ مگر میں اپنی امت کو داغ سے منع کرتا ہوں۔ (اس کو بخاری سے روایت کیا ہے)

تشریح: ''الشفاء فی ثلاث: (جار مجرور کے درمیان مضاف محذوف ہے۔) ای فی احدی ثلاث

محجم: میم کے زیر اور جیم کے زبر کے ساتھ ہے۔ سینگی کو کہتے ہیں۔ وہ آلہ جس میں پچھنے لگانے کا وہ خون جمع ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ لوہے کا آلہ ہے جس سے پچھنے لگائے جاتے ہیں۔ ''الشرطة'': شین کے زبر کے ساتھ ''فعلة'' کا وزن ہے۔ ''شرط الحاجم يشرط اذا نزع'' (نشتر سے لگانا ماخوذ ہے) اور یہ حجامت کی جگہ پر لگایا اور مارا جاتا ہے۔ تاکہ اس میں خون نکل آئے۔ (کذا ذکرہ طیبیؒ)

حاصل اس کا یہ ہوا کہ ''الشرطة'' موضع حجامت پر نشتر لگانے کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے: ''الشرطة ما يشرط به'' اور ''محجم'' میم کے کسرہ کے ساتھ، حجام کی شیشی کو کہتے ہیں، جس سے خون کھینچتا ہے اور المحجم: میم کے فتحہ کے ساتھ موضع حجامت کو کہتے ہیں۔ پچھنے لگانے کی فضیلت کے بارے میں احادیث آگے آئیں گی اور من جملہ ان کے ملائکہ کا وصیت کرنا بھی ہے۔

قوله: او شربة عسلٍ: خالص شہد ہو یا پانی ملایا ہوا شہد ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فيه شفاء للناس﴾ [النحل: ٦٩] اور ماقبل میں گزر گیا ہے کہ گویا کہ یہ معجون مرکب ہے۔ پس یہ ہر مرض کے لئے نافع ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف ''اطلاق الشفاء لعموم الناس'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔

او کية بنارٍ: یہاں پر ان تین کی وجۂ حصر یہ ہے کہ پہلی چیز استفراغ خلط دم ہے' جب جوش مارتا ہوا اور اخراجِ دَم کی وجہ

تخصیص شاید یہ ہے، کہ اس کا وجود باقی اخلاط سے زیادہ مضر ہے اور گرم علاقوں میں یہ زیادہ پایا جاتا ہے۔
''تقدیم الاستفراغ'' کی وجہ یہ ہے کہ یہ ''مسہل'' اسہل ہے اور اقرب دفعا ہے۔ معدہ میں اس کے استقرار سے قبل ہے۔
اور دوسری چیز سے اسہال کے ساتھ اخلاط اور مواد فاسدہ کا دفعیہ ہے۔
اور تیسری چیز ہے باقی اخلاط کا مادہ جو صرف داغنے سے ختم ہو سکتا ہے اور اس لئے کہا گیا ہے کہ ''**آخر الطب الكي**''.اس لئے کہ اہل عرب شفاء میں اس کو اصل سمجھتے تھے۔ اس میں اس عقیدے کی تردید و بطلان ہے۔ یہاں پر ''نہی'' تنزیہ پر محمول ہے۔ کیونکہ یہ تعاطی اسباب میں مبالغہ ہے' اور بظاہر توکل اور اعتماد کے منافی نہیں ہے اور اسی وجہ سے حدیث میں اس کی تخصیص کردی گئی ''**من اكتوى واسترقى فقد برى من التوكل**''.اور ''**تداوی**'' نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا: ''**تداووا يا عباد الله فان الله لم يضع داء الا وضع له دواء الاداء واحد الهرم**''.اس کو احمد، اصحاب کتب اربعہ ابن حبان اور حاکم نے اسامۃ بن شریک سے روایت کیا ہے اور ''الکی'' سے ممانعت بھی حدیث میں ہے جس کو ترمذی و حاکم نے عمران سے اور طبرانی نے سعد الظفری سے رایت کیا ہے'' الظفری'' ضمہ کے ساتھ ہے۔ البتہ جب کسی مرض کا علاج داغنا متعین ہو، تو پھر یہ مکروہ نہیں ہوگا اور اس صورت پر محمول کیا جائے گا جو بعض صحابہؓ نے ایسا کیا تھا۔ پھر میں نے بعض شراح کے کلام میں صریحاً یہ بات دیکھی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے، جب کسی اور دوائی پر قدرت نہ رکھتا ہو اور نہی اس صورت میں ہے، جب یہ قبل از ضرورت ہو' ایسی جگہ میں ہو' کہ جس کا خطرہ بڑھ کر ہو یا اس سے مراد'' **الكي الفاحش** '' ہے اور اس کی طرف اس قول سے اشارہ کیا ہے:
''**او كية واحدة غير فاحشة** بعض کا کہنا ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔''.
امام خطابیؒ فرماتے ہیں، کہ داغنا فی الجملہ جائز علاج وتداوی میں شامل ہے۔ لیکن داغنے سے منع فرمانا شاید اس احتمال کی وجہ سے ہو، کہ اہل عرب اس کو عظیم تر سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے، کہ یہ بیماری کو ختم کر کے مریض کو صحت یاب بنا دیتا ہے اور جب وہ یہ نہیں کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور وہ یہ کہتے تھے کہ آخری دواء اور علاج داغنا ہی ہے۔ تو نبی کریم علیہ السلام نے اس وجہ سے ان کو اس سے منع فرمایا۔ البتہ اس کے استعمال کو مباح قرار دیا اس کے لئے جو طلب شفاء اور برأت کی اُمید پر ایسا کرے' اس عقیدہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کو صحت دے گا۔ تو اس صورت میں داغنا اور دوا سبب شفاء ہوگا نہ کہ علت امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس توجیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ آپ علیہ السلام نے اُمت کو خاص کر کے ذکر فرمایا ہے: أنا أنها أمتي۔ تا کہ وہ داغنے کو مستقل علت خیال نہ کریں۔

داغنے سے معالجہ

۴۵۱۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِیَ اُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَکْحَلِہٖ فَکَوَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/ ١٧٣٠ الحديث رقم (٧٤-٢٢٠٧)' وأحمد في المسند ٣/ ٣٠٣۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت ابیؓ کی اکحل نامی رگ میں تیر جالگا جس سے خون

بہنے لگا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس تیر کے زخم کو داغ دیا یعنی آپ ﷺ نے خود داغا ہو یا کسی کو حکم فرمادیا ہو اس داغ دینے کا مقصد یہ تھا کہ رگ سے جاری خون بند ہو جائے (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح: رمی: یہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

"رمی سهم ابی:

"ابی": امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ ہمزہ کے ضمہ باء کے فتحہ اور یائے مشددہ کے ساتھ ہے یہی ضبط درست ہے اور مراد ابی بن کعب ہیں بعض نے اس میں تصحیف کی ہے اور کہا ہے کہ ہمزہ پر ضمہ یاء کسرہ اور یائے مخففہ ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ کے والد غزوہ احزاب سے قبل جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔

اکحله: اس سے مراد عرق الحیاۃ ہے جس کو رگ جان کہتے ہیں اور بعض "**نهر الحياة**" کہتے ہیں اور بعض "نهر البدن" کہتے یہ رگ آدمی کے ہر عضو میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن ہر عضو کے اعتبار سے اس رگ کا جدا نام ہے۔ ہاتھ والی رگ کو "عرق الحیاۃ" کہتے ہیں اور ران والی رگ کو "النساء" کہتے ہیں اور جو پیٹھ اور کمر میں ہوتی ہے، اس کو "ابهر" کہتے ہیں۔ جب ہاتھ کی یہ رگ کاٹ دی جاتی ہے، تو خون رکتا نہیں ہے، اور جب اس کو داغ دیا جاتا ہے۔ تو خون رک جاتا ہے۔

رگ ہفت اندام کو داغ دینا

۴۵۱۸: وَعَنْهُ قَالَ رُمِیَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فِیْ اَكْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ بِمَشْقَصٍ ثُمَّ وَرِمَتْ فَحَسَّمَهُ الثَّانِيَةَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧٣١ الحديث رقم (٧٥-٢٢٠٨)' والترمذی فی السنن ٤/٢؟؟ الحديث رقم ١٥٨٢' والدارمی فی ٢/٣١١ الحديث رقم ٢٥٠٩' وأحمد فی المسند ٣/٣٨٦۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کو غزوہ احزاب کے دن اکحل نامی رگ میں تیر آلگا جس کی وجہ سے رگ کا خون جاری ہو گیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے تیر کے پیکان کو گرم کر کے اپنے دست اقدس سے داغ دیا پھر جب اس کے ہاتھ میں ورم پیدا ہو گیا تو آپ ﷺ نے دوبارہ اس کو داغ دیا۔

تشریح: مشقص: (بکسر المیم وفتح القاف) تیر کا پھل اگر طویل ہو، تو اس کو "مشقص" کہتے ہیں اور۔ اگر چوڑا ہو، تو اس کو "**معبلة**" کہتے ہیں۔

زخم کو داغنا

۴۵۱۹: وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیح ٤/١٧٣٠ الحديث رقم (٧٣-٧-٢٢)' وأبو داؤد فی السنن ٤/١٩٧ الحديث رقم

۳۸۶۴' وابن ماجه فی ۲/۱۹۵۶ الحدیث رقم ۳۴۹۳' وأحمد فی المسند ۳/۳۱۵۔

ترجمه: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب کی طرف طبیب بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی پھر زخم کو داغ دیا۔(اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)

تشریح: قوله: فقطع منه عرقاثم کواه علیه: جائز ہے کہ دونوں فعلوں کی اسناد حقیقۃً ومجازاً ''طبیب'' کی طرف کی جائے۔ یعنی طبیب کو ان دونوں کا حکم دیا۔ یا ان دونوں میں سے کسی ایک فعل کا حکم دیا اور دوسرا کام خود سرانجام دیا ہو۔

کلونجی باعثِ شفا ہے

۴۵۲۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ کُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ السَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ الشُّوْنِیْزُ ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۱۴۳ الحدیث رقم (۵۶۸۸)' ومسلم فی ۴/۱۷۳۵' الحدیث رقم ۳۴۴۷' وأحمد فی المسند ۲/۲۴۱۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سیاہ دانہ یعنی کلونجی میں سام کے علاوہ تمام بیماریوں کی شفاء ہے۔ ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ سام سے مراد موت اور سیاہ دانے سے مراد کلونجی ہے۔ (یہ بخاری مسلم کی روایت ہے)

تشریح: قوله: فی الحبة السوداء شفاء من کل داءٍ:

بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر اس مرض سے جو رطوبت اور بلغم سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ یہ گرم اور خشک ہے۔ یہ اپنے مقابل امراض میں فائدہ دیتی ہے۔ (یعنی رطوبت اور سرد) لہٰذا یہ عام مخصوص کے قبیل سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اپنے عموم پر قائم ہے اور یہ کہ یہ ہر بیماری میں خاص ترکیب سے داخل ہے۔ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے عموم پر دلالت اس استثناء سے رہی ہے: **الا السام السام**: سین مہملہ' الف اور میم مخففہ کے ساتھ' صاحب قاموس نے یہ لفظ ذکر نہیں کیا ہے۔

والحبة السو داء الشونیز: شونیز: شین معجمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس پر ضمہ بھی منقول ہے۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور اس کی شہرت کی وجہ سے اس کی تفسیر اس کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کی تفسیر اکثر اسی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سے مراد ''الکمون الاسد (کالا زیرہ)'' یا ''الخردل'' (رائی) یا ثمر ''البطم'' (بن کا پھل) ہے ''البطم'' بائے موحدہ کے ضمہ اور طائے مہملہ کے سکون کے ساتھ' پیلے رنگ کا دانہ کیونکہ اہل عرب اکثر ''پیلے'' کو ''کالا'' کہہ دیتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''الشونیز'' ہی صحیح ومشہور ہے اور جمہور نے بھی اسی کو ذکر کیا ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ حسنؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد رائی کا دانہ ہے اور بعض کے ہاں اس سے مراد وہ سبز دانہ ہے جس کو ''بطم'' (بن) کہتے ہیں اور اہل عرب ''اخضر'' کو بھی ''اسود'' کہتے ہیں۔

امام خطابیؒ ''اعلام السنن'' میں فرماتے ہیں کہ یہ اس عموم لفظ کے قبیل سے ہے جس سے خصوص مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ

کسی بھی نبات وشجر کی طبعیت میں وہ تمام چیزیں جمع نہیں ہوتی ہیں جو بیماریوں کے معالجہ میں تمام طبائع کا مقابلہ کر سکے اختلاف امراض اور طبائع کے تباین کے ہوتے ہوئے، میں کہتا ہوں ۔

لیس من اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحدٍ

''اللہ سے یہ بات بعید اور انوکھی نہیں ہے کہ وہ عالم کو ایک چیز میں جمع کر دے۔''

وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر اس بیماری سے شفاء ہے جو رطوبت، برودت اور بلغم سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ گرم اور خشک ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ اس بیماری کے لئے شفاء ہے۔ جو رطوبت اور برودت میں اس کے مقابل ہو اور یہ قانون ہے کہ دواء ہمیشہ متضاد (مخالف) جب کہ غذاء ہم شکل ہوا کرتی ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر بلقیس کے حق میں نازل ہونے والی یہ آیت ہے: ﴿وأوتیت من کل شیء﴾[النحل:۲۳] اور یہ آیت ﴿تدمر کل شیء﴾ [الاحقاف:۲۵] اگرچہ صیغہ عموم کا ہے۔ لیکن مراد اس سے تخصیص ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس جیسے کے جواز میں تو نزاع ہی نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں آیتوں میں عموم پر محمول کرنا ممنوع ہے جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے اور جس مسئلہ میں ہم ہیں، تو یہ پہلے گزرا ہے کہ اس میں معیار عموم استثناء ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿ان الا نسان لفی خسرٍ الا الذین امنوا﴾[العصر۔۲] الآیۃ

تخریج. اس کو امام احمد وابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کتب اربعہ نے یہ زیادتی بھی نقل کی ہے:''من کل داءٍ الا داء واحد الھرم'' اور نسائی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے:''علمه من علمه وجهله من جهله والله اعلم''.

شہد شفاء ہے

۴۵۲۱: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِیْ اسْتَطْلَقَ بَطْنُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْقِہٖ عَسَلاً فَسَقَاہُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَہٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَآءَ الرَّابِعَۃَ فَقَالَ اسْقِہٖ عَسَلاً فَقَالَ لَقَدْ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰہُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ فَسَقَاہُ فَبَرَاَ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۱۳۹ الحدیث رقم ٦٧٨٤، ومسلم فی ٤/١٧٣٦ الحدیث رقم (۹۱۔۲۲۱۷)، والترمذی فی السنن ٤/٣٥٦ الحدیث رقم ۲۰۵۲، وأحمد فی المسند ۳/۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میرے بھائی کو استطلاق بطن یعنی دست واسہال کی بیماری ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جاؤ اس کو شہد پلاؤ (تھوڑی دیر کے بعد) وہ شخص دوبارہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا میں نے اس کو شہد تو پلا دیا مگر اس شہد نے اس کے دستوں

میں (کمی کی بجائے) اضافہ کر دیا یعنی شہد پلانے کے بعد اسہال میں تیزی آ گئی آپ ﷺ نے اس کو یہی حکم تین مرتبہ دیا یعنی شہد پلانے کا حکم دیا یعنی آپ ﷺ فرماتے رہے اس کو شہد پلاؤ وہ پلا کر بار بار لوٹتا اور شکایت کرتا رہا پھر جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو شہد پلاؤ تو اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا ہے مگر اس کے اسہال میں اضافہ ہوا ہے۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے بالآخر اس نے اپنے بھائی کو شہد پلایا تو وہ شفایاب ہو گیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **ان اخی استطلق بطنه**: تاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ' اور ایک نسخہ میں دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ''بطنہ'' مرفوع ہی ہے۔ استطلاق بطن کا مطلب ہوتا ہے اسہال کا تواتر سے جاری ہو جانا۔ **اسقه**: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے' اور فتحہ بھی جائز ہے۔ بظاہر امر سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد خالص شہد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ممزوج ہو۔

حدیث ابن مسعود میں ہے: **علیکم بالشفائین العسل والقرآن** کہ تم اپنے اوپر دوشفاؤں کو لازم کرو: شہد اور قرآن کریم۔

حضرت علی سے مروی ہے: **اذا شتکی أحد کم فلیستو هب من أمرأته من صداقها فلیشتر به عسلاثم یاخذماء السماء فیجتمع هینئا مرینا شفا ء مبار کًا** کہ جب تم میں سے کسی کو بیماری کی شکایت ہو، تو وہ اپنی بیوی کے مہر میں سے کچھ ہبۃً لے لے اور اس سے شہد خریدے۔ پھر آسمان کے پانی کو اس میں ملا دے۔ یہ مبارک شفاء ہے۔

قوله: فقال له: ثلاث مراتٍ ای اسقه عسلا: علامہ ابن الملک ؒ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو تین بار حکم اس لئے دیا' کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اس بیماری کا سبب دراصل فضلات بلغمیہ کا اجتماع ہے۔ جب یہ تین بار شہد پیئے گا تو وہ اس کے باقی کو بھی اسہال کے ساتھ نکال دے گا۔

سید جمال الدین ''**روضة الاحباب**'' میں فرماتے ہیں۔ کہ تکرار امر میں حکمت یہ ہے کہ ''سقی عسل'' کی مخصوص کیفیت اور کمیت ہے احوال مریض کے اختلاف کی بناء پر۔ پس اگر یہ زیادہ ہوگا تو اس کی قوت گر جائیگی اور اگر یہ کم ہوگا تو نہ مرض زائل ہوگا اور نہ ہی مریض کو فائدہ ہوگا اور جب اس کو وہ مطلوبہ مقدار نہیں پلائی گئی، جو اس مرض کا مقابلہ کرتی، تو آپ نے اس میں زیادتی کا حکم فرمایا یہاں تک کہ اس کو شفاء مل جائے۔

تکرار علاج میں تین مرتبہ ہی مقدار متعارف ہے۔ جب اس نے کہا کہ اس سے تو صرف اسہال ہی بڑھتا ہے، تو آپؐ نے فرمایا: کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے ﴿**فیه شفاء للناس**﴾ اسی طرح بعض شراح نے کہا ہے اور علامہ ابن الملک ؒ کہتے ہیں، کہ اس شہد کے پینے میں پیٹ کے شفاء کا ہونا در اصل میری طرف وحی کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ اس میں سچے ہیں اور یہ توجیہہ ان بعض شراح کے اس قول سے اولیٰ ہے، جو اس آیت ﴿**فیه شفاء للناس**﴾ سے مراد لیتے ہیں۔ کہ یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا ظاہر تو مطلق ہے۔ لہٰذا اطلاق پر چھوڑ دیا جائے اور اثبات وحی کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔

وکذب بطن اخیك: یہاں ''کذب'' بمعنی أخطأ'' ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: ''**کذب سمعی**'' **اذا اخطا**. اور اس کی خطا سے مراد ہے شہد کے ذریعے ~~شفاء~~ چونکہ اس کے پینے میں اس کی نیت خالص نہیں تھی۔ یا اس لئے کہ دوا نے

ابھی تک اپنا کام نہیں دکھایا تھا۔(ذکرہ ابن الملکؒ)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں سچ کہا ہے کہ شہد لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ تیرے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔ اس طور پر کہ اس کو اس شہد کے ساتھ شفاء حاصل نہیں ہوئی۔ اھ اور مجازی معنیٰ یہ ہوگا کہ اس پیٹ میں قبول شفاء کی صلاحیت نہیں تھی۔ کہ اس کی خطا کے بعد اس کو دوا نہیں پہنچی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تصریح ہے اس بارے میں کہ اس آیت:[**فیه شفاء للناس**] [النحل:٦٩] میں ضمیر "**عسل**" کی طرف راجع ہے۔ یہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور حسنؒ وغیرہ کا قول ہے اور مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ ضمیر "قرآن" کی طرف راجع ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے' قرآن کے ظاہر کے مخالف ہے' اور اس حدیث کی تصریح کے بھی مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ تو یہ حدیث صریح ہے:"**علیکم بالشفاء ین: العسل و القرآن**". اور آیت تو خصوص پر دال ہے۔ یعنی بعض بیماری سے شفاء ہے۔ یا بعض لوگوں کے لئے شفاء ہے اور اس کی تنکیر میں اس پر دلالت ہے۔ میں کہتا ہوں، بظاہر شفاء کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے' نہ کہ تقلیل کے لئے اور عموم "**من الناس**" سے مستفاد ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے، کہ شہد مطلقاً مسہل ہے، تو پھر آپ علیہ السلام نے "دفع اسہال" کے لئے اس کا حکم کیسے دیا؟

تو ہم کہیں گے کہ شاید آپ کو معلوم ہو گیا تھا، کہ یہ بیماری فضلات بلغمیہ کے اجتماع کی وجہ سے ہوئی ہے جس کو طبعیت یکے بعد دیگرے دفع کرتی ہے اور اس کے بعد باقی ماندہ مادہ قلع قمع میں کسی "ملین" کا محتاج تھا۔ تو آپ نے اسے دوبارہ شہد پینے کا حکم فرمایا۔ جب اس نے شہد پیا، تو وہ کلی طور پر منقطع ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ کلام "شاید آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بیماری فضلات بلغمیہ" الخ. سے اس جزم کی نفی ہوتی ہے کہ یہ حکم آپ نے اس لئے دیا، کہ آپ کو وحی ہوئی تھی۔

اس کلام کی توضیح خطابی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے کہ جن کے بارے میں اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ یہ مذہب طب وعلاج کے مخالف ہے۔ چونکہ وہ آدمی استطلاق بطن کی شکایت کرتے ہوئے آیا۔ تو آپ نے اس کے لئے شہد کیسے تجویز کیا، حالانکہ اس کا پیٹ خراب تھا اور جو بھی شخص اصول طب اور معانی میں سے کچھ بھی جانتا ہو تو وہ ضرور اس تدبیر کی صحت کو جانتا ہوگا اور یہ اس طرح کہ اس آدمی کا استطلاق بطن "ہیضہ" جو شکم سیری اور سوء ہضم کی وجہ سے ہوا تھا اور تمام اطباء "صاحب ہیضہ" کو یہ حکم دیتے ہیں۔ کہ وہ طبعیت کو ترک کر دے اور ان چیزوں کو جو اس کی پیٹ میں امساک پیدا کر دے اور بسا اوقات یہ قوت کے ساتھ کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان فضلوں کو خارج کر دیتا ہے۔ پس جب یہ ادویہ ان فضلوں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو بسا اوقات امساک آ جاتا ہے اور بعض دفعہ اشیائے قابضہ ومقویہ کے ساتھ اس کا علاج کیا جاتا ہے جب سقوط قوت کا خطرہ ہو۔ جب نبیؐ نے حکم دیا، کہ وہ شہد پلائے تا کہ استفراغ زیادہ سے زیادہ ہو جائے، یہاں تک کہ جب فضلے نکل جاتے ہیں اور وہ پاک ہو جاتا ہے، تو پیٹ ٹھہر جاتا ہے اور اس میں امساک آ جاتا ہے اور بعض دفعہ یہ شفاء از راہ تبرک بھی ہوتی ہے، اس آیت کی تصدیق:**فیه شفاء للناس**...... آپؐ نے جو متعینہ شخص کے لئے دواء تجویز کی تھی تو یہ آپ کی دعاء، برکت اور حسن آثر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حکم تمام اعیان میں نہیں ہوگا۔ پس جو طب نبوی' طب قیاسی کے قواعد پر منطبق نہ ہوتی اس کو اسی مذہب پر حمل کرنا

واجب ہے اور اس کی توجیہ اسی طرح کرنا ضروری ہے۔ (کذا فی اعلام السنن)

بہترین ادویہ سینگی وقسط

۴۵۲۲:وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٠/١٥٠ الحدیث رقم ٥٦٩٦ ومسلم فی ٣/١٢٠٤ الحدیث رقم (٦٣-١٥٧٧)، وأحمد فی المسند ٣/١٠٧۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کو تم بطور دوا کے استعمال کرتے ہو ان میں بہترین سینگی لگوانا اور قسط بحری کا استعمال ہے۔ (یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے)

تشریح: یعنی سب سے افضل، انفع اور اولی دوا یہ ہے اور النہایہ میں ہے کہ کہا جاتا ہے: **"هذا امثل من هذا" ای أفضل الی الخیر**. یعنی یہ اس سے افضل ہے اور خیر کے قریب ترین ہے اور اسی طرح کہا جاتا ہے: **أماثل الناس خیارهم**۔

الحجامة: حائے مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مصدری معنی میں ہو یعنی بمعنی "احتجام" ہو تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں، بصورت دیگر یہاں مضاف محذوف ماننا ہوگا۔ ای استعمال الحجامة

القسط: یہ عقاقیر (گھاس، جڑی بوٹی) میں سے ہے، اچھی خوشبو والی ہے نفاس والی عورتوں اور بچوں کو دھونی دی جاتی ہے۔

البحری: یہ "بحر" کی طرف منسوب ہے۔ "قسط" کی دو قسمیں ہیں: ① قسم بحری: یہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ ② قسط ہندی جو کہ کالے رنگ کی ہوتی ہے اور یہ خوشبودار ہوتی ہے۔ جس کو "عنبر خام" کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد عود ہندی ہے جس کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے اور بقول بعض "خیار شنبر" مراد ہے۔ صاحب قاموس نے کہا ہے کہ "القسط" (بالکسر) عدل، حصہ، نصیب اور مکیال کو کہتے ہیں۔ "مکیال" اس پیمانے کو کہتے ہیں جس میں نصف صاع آتا ہے اور اس کے ساتھ بسا اوقات وضوء بھی کیا جاتا ہے اور اس سے ایک حدیث بھی ہے **ان النساء من اسفه السفهاء الا صاحبة القسط والسرج**۔ گویا کہ آپ کی مراد اس سے وہ عورت ہے جو شوہر کی خدمت کرتی ہو، وضوء کراتی ہو اس لے لوٹے کی حفاظت کرتی ہو اور اس کے پاس چراغ لے کر کھڑی ہوتی ہو اور (ضمہ کے ساتھ) تو پھر اس سے مراد عود ہندی وعربی ہے، جو کہ جگر کے لئے بہت زیادہ مفید ہے اور بعض، کیڑے اور بخار کے لئے بطور پینا مفید ہے۔ زکام، نزلہ اور وباء کے لئے اس کی دھونی مفید ہے۔ "بھق" (بلا، بیماری، مرض، جسم پر سفید داغ، چھیپ) اور کلف (سیاھی زردی مائل جھائیاں) کے لئے بطور طلاء مفید ہے۔

تخریج: رواہ مالك واحمد والترمذی والنسائی۔

گلے کا آ جانا

۴۵۲۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْطِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیح ۱۰/۱۵۰ الحدیث رقم ۵۶۹۶، ومسلم فی ۳/۱۲۰۴ الحدیث رقم ۶۳-۱۵۷۷، وأحمد فی المسند ۳/۱۰۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے بچوں کی عذرہ کی بیماری کی صورت میں حلق کو ہاتھ یا کپڑے سے دبا کر مت ایذاء دو بلکہ قسط کا استعمال کرو۔ (یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے)

تشریح: الغمز: غین معجمہ کے فتحہ، میم کے سکون اور زاء کے ساتھ، بمعنی ''العصر'' یعنی نچوڑنا۔ ''نچوڑنا''۔ بعض نے کہا ہے کہ معذور شخص کے حلق میں انگلی داخل کرنا اس دانے کو نچوڑنے کے لئے۔

العذرة: ''من'' تعلیلیہ ہے۔ ای من اَجلها عین مہملہ کے ضمہ اور ذال معجمہ کے سکون کے ساتھ۔ وہ درد حلق جو خون کے جوش مارنے کی وجہ سے ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ دانہ ہوتا ہے جو ''خرم'' یعنی ناک اور حلق کے درمیان میں نکلتا ہے۔ یہ دانہ عذرہ ستارہ کے طلوع کے وقت نکلتا ہے۔ جس سے کالے رنگ کا خون نکلتا ہے اور کبھی وہاں آبلہ پڑ جاتا ہے۔ اس ''طعن'' کو ''دغر'' کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ''دغرت المرأة الصبی، اذا غمزت حلقه من العذرة او فعلت به ذالك۔ (انگلی سے دبانا)'' اور اس کے بعد وہ اس بچے کے گلے میں ایک تعویذ نما چیز ڈال دیتے تھے اور ''عند طلوع العذرة'' اس سے مراد پانچ ستارے ہیں۔ ''الشعری'' ستارہ کے تحت ہوتے ہیں۔ عورتیں اس دانہ کا علاج یوں کرتی ہیں کہ وہ کوئی دھجی لے کر دانے پر رکھ کر بہت سخت بھینچتی ہیں اور پھر کپڑا لے کر اس کے ناک میں داخل کرتی ہیں اور اس دانہ پر رکھ کر دباتی ہیں ''العبور'' اور اس کو ''العذاری'' کہتے ہیں۔ یہ ستارہ موسم گرما کے وسط گرمی میں طلوع ہوتا ہے۔ (کذا فی النهاية)

قوله: وعليكم بالقسط:

یعنی اس کا پانی نکال کر ٹپکایا جائے، وہ ''عذرة'' تک پہنچ کر اس کو قبض کر لیتا ہے کیونکہ یہ گرم اور خشک ہوتا ہے۔

(کذا ذکره بعض الشراح)

اگلی احادیث میں اس کی تفصیل آئے گی۔

جامع صغیر میں ہے: کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

ذات الجنب کا نبوی علاج

۴۵۲۴: وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا تَدْغَرْنَ اَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعِلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَاِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ اَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ

وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١٦٦/١٠ الحدیث رقم ٥٧١٣' ومسلم فی ١٧٣٤/٤ الحدیث رقم (٨٦-٢٢١٤)' وأحمد فی المسند ٣٥٥/٦۔

ترجمه: حضرت ام قیسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا تم اپنی انگلی کے ساتھ اپنی اولاد کے گلے کیوں دباتی ہو تمہیں عود ہندی کو استعمال میں لانا چاہیے کیونکہ اس میں سات بیماریوں کی شفاء ہے۔ اس میں سے ایک نمونیا ہے۔ گلے کی تکلیف ہو جانے کی صورت میں اسے ناک میں ٹپکایا جائے اور ذات الجنب کی تکلیف میں منہ میں ٹپکائی جائے۔

تشریح: **علی ما تدغون:** غین کے فتحہ کے ساتھ ہے "دغر" سے ماخوذ دال کے فتحہ' غین معجمہ کے سکون اور راء کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے الدفع والغمز۔

علام: ما استر ہامیہ ہے' انکار کے معنی میں ہے' اس کا اکثری استعمال حذف الف کے ساتھ ہوتا ہے تخفیف کی خاطر' اور اصل بہت کم استعمال ہوتا ہے' (ذکرہ الطیبی) الجامع الصغیر میں "علام" حذف الف کے ساتھ ہے۔ معنی کے اعتبار سے عبارت یوں ہو گی: **علی ای شئی تعالجن اولادکن وتغمزن حلوقهم** حلق کو دباتی ہو؟

العلاق: عین کے ضمہ کے ساتھ ہے' اور بعض نسخوں میں عین کے فتح کے ساتھ اور بعض میں کسرہ کے ساتھ ہے' اور سب کا معنیٰ "العصر" (نچوڑنا) ہے اور بعض شراح کہتے ہیں کہ کسرہ کے ساتھ بمعنی "الداهیة" ہے۔ ای **لاتعصرن عذرة اولادکن بالشدة۔** مطلب یہ کہ تم اپنی اولاد کے اس دانے کو سختی کے ساتھ مت بھینچو اور ضمہ کے ساتھ معنیٰ ہے' وہ چیز جس کے ذریعے "عذرة" کو بھینچا جاتا ہے مثلاً انگلی وغیرہ۔ **ای لا تعصرن أولادکن بأصبع ونحوها۔**

مسلمؒ کی ایک دوسری روایت میں ہے: **بهذا الاعلاق** "اس کا معنی ہے "**الدغر**" تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "**بهذا العلاق**" اسی طرح بخاری و مسلمؒ نے روایت کیا ہے اور مسلمؒ کی کتاب میں بھی "**بهٰذا الا علاق**" ہے' یہ دونوں روایتوں میں سے اولیٰ اور زیادہ صحیح ہے۔ اس روایت کی صحت کی دلیل اس حدیث کے بعض طرق میں اُم قیس کا یہ قول ہے: "**وقد اعلقت علیه**" اور اس کی تفسیر یونس بن یزید نے کی ہے انہوں نے یہ تفسیر ابن شہاب سے روایت کی ہے: "**اعلقت غمزت**" یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

امام نوویؒ شرح مسلمؒ میں فرماتے ہیں کہ "**العلاق**" عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک دوسری روایت میں "**الاعلاق**" ہے۔ اہل لغت کے ہاں یہی زیادہ مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ان حضرات کا زعم ہے کہ یہی صحیح ہے اور "**علاق**" جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "**الاعلاق**" **اعلقت** کا مصدر ہے اور اس کا معنیٰ ہے: **ازلت العلوق و هی الآفة والداهیة** ابن الاثیر فرماتے ہیں ممکن ہے کہ علاق اس کا اسم ہو۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ "کلام" میں انکار کا معنیٰ ہے۔ "**ای علی ای شیء تعالجن بهٰذا الداء الداهیة والمداواة الشنیعة**"۔ اھ اور "**اعلاق**" کی صورت میں معنیٰ ہے: **لم تعالجن بهذه المعالجة الخشنة؟**

قوله: علیکن بهٰذا العود الهندی یعنی اس سلسلہ میں تم پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کے دانوں کی بیماری میں عود ہندی

استعمال کرو اور "هٰذا" سے اشارہ ذہن میں متحضر جنس کی طرف ہے اور اس میں تصریح ہے کہ "القسط البحری" سے مراد "عود هندی" ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نافع ہے۔ کیونکہ اس عود میں سات چیزوں سے شفاء ہے۔ **قوله: فان فيه سبعة أشفية:** ضمیر مجرور "عود" کی طرف عائد ہے اور "اشفیۃ" جمع ہے "شفاء" کی **منها ذات الجنب: ای من تلك الأ شفئة شفاء ذات الجنب ان اشفیه** میں سے ایک "ذات الجنب" سے شفاء ہے۔ یا تقدیری عبارت یوں ہے: "**فيه سبعة اشفية ادواء منها ذات الجنب**" (**ذكره الطيبى**). اور جامع صغیر میں ہے: **سبعة اشفية من سبعة ادواءٍ منها ذات الجنب۔**

"**ذات الجنب**" کو خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ یہ مشکل ترین اور سخت ترین بیماری ہے۔ اس بیماری میں مبتلا شخص بہت کم ہی بچتا ہے۔ (ذکرہ طیبیؒ) اور اس سے مراد یہاں وہ ریاح غلیظہ ہیں جو نواحی جنب میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ عود ہندی کے ساتھ ریاح کا علاج کیا جاتا ہے۔

يسعط: یہ مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے مخففاً اور یہ تشدید کے ساتھ بھی مروی ہے اور الجامع میں "**بسط به**" ہے۔ یہ "**السعوط**" سے ماخوذ ہے۔ "سعوط" وہ ہے جس کو ناک میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ علاج یوں کیا جاتا ہے کہ عود کو خوب کوٹ کر نرم ملائم کر کے ناک میں ڈالا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کو گیلا کیا جاتا ہے اور اس کے قطرے ناک میں ٹپکائے جاتے ہیں۔

من العذرة: ای من اجلها يلد: صیغۂ مجہول ہے دال مہملہ مشددہ ہے یہ "**لد الرجل**" سے ماخوذ ہے۔ جب منہ کے کسی ایک کنارے سے دواء ڈالی جائے اور اس سی "**اللدود**" ہے اور الجامع میں "**ويلد به**" ہے **من ذات الجنب: ای من أجل ذات الجنب۔**

اور آپ علیہ السلام پانچویں کے ذکر سے خاموش ہو رہے۔ کیونکہ اس وقت اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔ آپؐ نے اہم اور مقام کے مناسب پر اکتفاء فرمایا۔ جیسا کہ "**بلغاء**" کا طریقہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے بقیہ ان کے ہاں معروف ہوں۔ "القاموس" میں اس کے بعض خواص (تحریر کئے گئے جو ما قبل میں) گذر چکے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ دل کے کچھ روگیوں نے اس پر اعتراض کیا۔ پس اطباء نے کہا، کہ "**ذات الجنب**" کا علاج "قسط" کے ساتھ کرنا حالانکہ اس کی حرارت شدیدہ پائی جاتی ہے، بہت خطرناک کام ہے۔ مازریؒ کا کہنا ہے کہ اس قول میں واضح جہالت ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ......﴾ [یونس:۳۹] "حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔ اُسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا؟" حالانکہ جالینوس وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قسط وجع الصدر میں مفید ہے اور بعض قدیم اطباء کہتے ہیں کہ اس کو استعمال کیا جاتا ہے جب خلط کو باطن بدن سے ظاہر بدن کی طرف جذب کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اعتراض باطل ہے جو ملحد نے کیا ہے۔

"ففيه سبعة اشفية": اطباء اپنی کُتب میں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ مدر حیض وبول ہے۔ سموم میں فائدہ مند ہے۔ شہوت جماع کو تحریک دیتا ہے۔ کیڑے ختم کردیتا ہے۔ جب اس کو شہد کے ساتھ پیا جائے، تو اس سے آنتوں کے سانپ ختم ہو جاتے ہیں۔ "کلف" کو ختم کردیتا ہے جب اس پر "طلاء" کیا جائے۔ معدہ اور جگر کی برودت میں فائدہ دیتا ہے۔ ورد اور ربع وغیرہ کے بخار میں فائدہ دیتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ① بحری ② ہندی۔ بحری سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ بحری ہندی سے افضل ہے۔ اس سے کم گرم ہے۔ یہ منافع ہم نے اطباء کی کُتب میں سے گنوائے ہیں۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس کے بعض منافع کو مجملاً ذکر کیا ہے۔ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "سبعة" بول کر اس سے کثرت مراد لی جاتی ہے۔

ورواه احمد، وابو داود وابن ماجة عن أم قيس بنت محصن كذا في الجامع.

صفراوی بخار کا علاج

۴۵۲۵: وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْهَا بِالْمَآءِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/ ٣٣٠ الحديث رقم ٣٢٦٣، ومسلم في ٤/ ١٧٣٢ الحديث رقم (٨١۔ ٢٢١٠)، والترمذي في السنن ٤/ ٣٥٣ الحديث رقم ٢٠٧٤، وابن ماجه في ٢/ ١١٤٩ الحديث رقم ٣٤٧١، والدارمي في ٢/ ٤٠٧ الحديث رقم ٢٧٦٩، وأحمد في المسند ٦/ ٥٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ اور رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار جہنم کی بھڑاس ہے پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

تشریح: قوله: الحمى من فيح جهنم:

"فيح": فاء کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ بخار زدہ جسم میں جو گرمی ہوتی ہے یہ اس کا ایک ٹکڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے اسباب مقتضہ کی وجہ سے ظاہر کردیا۔ تاکہ بندے اس سے عبرت حاصل کریں۔ بزارؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے: "الحمى حظ لمؤمن من النار"۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ تشبیہ کی بناء پر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے۔ پہلی توجیہہ اولیٰ ہے۔ (ذکرہ سیوطیؒ)۔ یہ تشبیہ بلیغ ہے۔

بعض شراح کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بخار اس کی شدت حرارت سے ہے یا طبعہ کی شدت حرارت کی وجہ سے ہے اور نار جہنم کے مشابہ اس طور پر ہے کہ یہ بھی جسم کو عذاب اور کرب میں مبتلا کردیتا ہے۔ اھ۔ اس صورت میں یہ "استعارہ تبعیہ" ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ "الفيح" گرمی کے چڑھنے اور جوش مارنے کو کہتے ہیں اور اس میں دو توجیہات ہیں۔ ایک یہ کہ یہ تشبیہ ہے۔ مظہرؒ کہتے ہیں کہ حرارت طبعیہ کے اشتعال ~~کو تقویہ دی~~ ہے اس میں کہ یہ بروت کو ختم کردیتی ہے اور دوسری توجیہہ جیسا

کہ بعض نے کہا ہے کہ بخار حقیقۃً حرارت جہنم سے مأخوذ ہے۔اس کو دنیا میں منکرین کے ڈرانے اور معتبرین کی خوشخبری کے لیئے بھیج دیا گیا ہے۔کیونکہ یہ ان کے گناہوں کے لئے "کفارہ" ہے اور ان کی تقصیرات کے لئے "جائزہ" ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ "مِن" بیانیہ نہیں ہے یہاں تک کہ یہ تشبیہ بن جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:﴿**حتی یتبین لکم الخیط الا بیض من الخیط الا سود من الفجر**﴾[البقرۃ۔۱۸۷] پس یہ ابتدائیہ ہے۔**ای الحمی نشأت وحصلت من فیح جھنم**۔یا تبعیضیہ ہے **ای بعض منھا**.اور اس تأویل پر دلالت یہ حدیث صحیح بھی کرتی ہے:**اشتکت النار الی ربھا 'فقالت: رب اکل بعض بعضاً فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف**".تو جیسا کہ گرمی کی حرارت اس کے فیح کا اثر ہے۔اسی طرح بخار بھی ہے۔

"**فأبر دوھما بالماء**": ہمزہ وصل کے ساتھ ہے، اور بعض نسخوں میں ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔یعنی بخار کی شدت حرارت کو پانی کے استعمال کے ذریعہ ٹھنڈا کرو۔اس میں پینے اور غسل دونوں کا احتمال ہے اور بعض بدن پر پانی ڈالنے کا بھی احتمال ہے جیسا کہ ماتھے اور پاؤں ہاتھ کی ہتھیلیوں پر (واللہ اعلم)۔ابن ماجہ کی ایک روایت میں "**بالماء البارد**" آیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ شدت حرارت کے وقت یہ بعض بخاروں کے ساتھ خاص ہے اور بعض اشخاص کے ساتھ جیسا کہ اہل حجاز ہیں۔کیونکہ ان کو اکثر بخار کثرت حرارت اور شدت حرارت کی وجہ سے ہوتا ہیں۔چنانچہ ان کو ٹھنڈا پانی پینا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا فائدہ دیتا ہے۔اس لئے کہ جب آپ علیہ السلام کو بخار آتا تو آپ پانی منگواتے اور اس کو اپنے بدن پر بہالیتے تھے۔(ذکرہ سیوطیؒ) اور ایک روایت میں "**بماء زمزم**" آیا ہے اور زمزم تو ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔(واللہ اعلم)

اور بعض شراح کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بخار زدہ آدمی کو پانی پلاؤ، تا کہ اس سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہو اور بعض متقدمین اطباء کے کلام میں یہ بات ملتی ہے کہ ٹھنڈا پانی گرم بخاروں کے لئے ادویات میں سے زیادہ نفع بخش اور بہت جلد ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔کیونکہ پانی سہولت کے ساتھ اتر جاتا ہے اور مواضع علت تک پہنچ جاتا ہے اور معاونت طبعیہ کے بغیر اس کی حرارت دفع کر دیتا ہے۔پس اس میں لگ کر مقاومنہ علت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔سیوطیؒ فرماتے ہیں یعنی اس کی حرارت کو پانی سے ساکن کردو اور اس سے مراد غسل نہیں ہے۔بلکہ کپڑے اور بدن کے درمیان چھینٹے مارنا ہے۔جیسا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اور وہ اوروں سے زیادہ جانتی ہیں۔

امام نوویؒ کا کہنا ہے کہ یہ ہمزہ وصل اور راء کے ضم کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے فاطفوھا بالماء کہ اس کو پانی کے ساتھ بجھادو اور یہی روایات میں مشہور اور صحیح ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ اس کو ہمزہ قطعی اور لاء کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ایک لغت میں۔جوہریؒ کہتے ہیں۔کہ یہ ایک ردیٔ لغت ہے اور القاموس میں ہے:"**بردہ برداً جعلہ بارداً أو خلطہ بالثلج وابردہ جآء بہ بارداً. ولہ سقاہ بارداً**"۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ علم کی طرف منسوب بعض لوگوں نے اس حدیث میں غلطی کی ہے، جب اس کو بخار آیا تو اس نے پانی میں غوطہ لگایا۔تو حرارت اس کے باطن بدن میں سرایت کرگئی۔تو اس کو سخت بیماری لگ گئی اور قریب تھا، کہ وہ ہلاک ہوجاتا۔

جب وہ اس بیماری سے صحت یاب ہوا تو اس نے ایک ایسی فحش بات کی کہ جس کا ذکر کرنا اچھا نہیں ہے اور اس کو یہ واقعہ اس حدیث کے معنی سے جہالت کے باعث پیش آیا اور صفراوی بخار کے مریض کو ماء صادق البرد کے پینے کے ساتھ ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے اور بخار زدہ آدمی کے اطراف کو پانی میں رکھنا زیادہ نفع بخش علاج ہے اور اس کی گرمی اور شعلوں کو بجھانے میں بہت زیادہ سریع ہے۔ آپ نے اطفاء حمی اور تبرید بالماء کا حکم اس شکل میں دیا تھا نہ کہ اس میں انغماس کا اور اس میں سرڈبونے کا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کر دو۔ کہ اس میں وہ چیز نہ ہو جو اس کی صفت اور حالت کو ظاہر کرے اور اطباء اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حمیٰ صفراویہ کو سخت ٹھنڈا پانی پلائیں اور اس کو برف پلائیں اور اس کے اطراف بدن کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ دھوئیں اور یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ آپؐ نے اس قسم کے بخار میں اس قسم کا غسل مراد لیا ہو۔

امام مسلمؒ نے یہاں پر صحیح میں حضرت اسماء سے روایت کی ہے کہ ایک ''موعوکہ'' عورت کو لایا گیا۔ اس کے گریبان میں پانی ڈال دیا گیا اور فرمایا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: ''**ابردوھا بالماء**'' تو یہی اسما حدیث کی راویہ بھی ہیں اور آپ کے ساتھ ان کا قریبی تعلق تو ہر ایک کو معلوم ہے اور حدیث کی تاویل اسی طرح جیسا کہ ہم نے کی ہے۔ لہٰذا اب ایک ملحد معترض کے لئے سوائے جھوٹ گڑھنے کے کچھ نہیں رہا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے بحوالہ ترمذیؒ حضرت ثوبان سے جو روایت نقل کی ہے، کہ رسول اللہ نے فرمایا: **اذا أصاب أحد کم الحمی، فان الحمی قطعة من النار، فلیطفھا عنه بالماء فلیستنقع فی نھر جار، ویستقبل فی نھر جار، ویستقبل جریته فیقول: بسم الله اللھم اشف عبدك وصدق رسولك۔۔۔۔فانھا لاتکاد تجاوز تسعا باذن الله عزوجل**۔ کہ جب تم میں سے کسی کو بخار آ جائے۔ بخار آگ کا ٹکڑا ہے۔ تو اس کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ بجھا دو اور اس کو ایک نہر جاری میں نہانا چاہیئے، اور پانی کے بہنے کی طرف رخ کر کے یہ دعاء پڑھے: ''**بسم الله اشف عبدك وصدق رسولك**'' اور یہ حدیث مکمل طور پر ''باب صلاۃ الجنائز'' میں مذکور ہے۔ تو یہ قواعد طبعیہ سے خارج ہے، اور خرق عادت معجزات میں داخل ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے، کہ آپ نے آغاز حدیث میں یہ کیسے فرمایا: ''**صدق رسولك**'' اور اس کے آخر میں ''**باذن الله**'' اور اس کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کیا گیا ہے اور اس کو اسی طرح پایا گیا ہے جیسا کہ صادق مصدوق نے فرمایا ان پر اور ان کے متبعین پر لاکھوں کروڑوں درود وسلام۔

میں کہتا ہوں، کہ اس حدیث کی تشریح اپنے محل میں بسط کے ساتھ گذر چکی ہے۔ لیکن علامہ طیبیؒ نے یہاں پر آپ علیہ السلام کے اس قول ''**باذن الله**'' کو خارق عادت کی دلیل بنایا ہے۔ لیکن یہ بھی عجیب وغریب ہے اور خارق عادت ہے۔ اس لئے کہ تمام امور چاہے معجزات وکرامات ہوں خواہ موافق عادات ہوں، سارے اللہ کے اذن، مشیت اور قدرت کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے ارادہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ بالاجماع ہے اس میں کسی کا نزاع نہیں ہے اور یہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ''**واحیی الموتی باذن الله**'' تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہاں ''اذن'' بمعنی امر ہے۔ یا یہ بتلانا ہے کہ حکم سارا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بندہ اس فعل میں مستقل نہیں ہے اور یہ اس پر ردّ کرنے کے لئے فرمایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا دعویٰ کرے۔ (واللہ سبحانہ اعلم)

تخریج: الجامع الصغیر کے مطابق اس کو حسب ذیل حضرات نے روایت کیا ہے:

① احمد اور بخاریؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
② امام احمدؒ و شیخین نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔
③ شیخین ترمذی وابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔
④ نسائیؒ نے حضرت رافع بن خدیجؓ سے۔
⑤ شیخان، ترمذیؒ اور نسائیؒ نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے۔
⑥ ابن ماجہ کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "**الحمی کیر من جهنم فنحوها عنکم بالماء البارد**"۔
⑦ طبرانیؒ نے "الاوسط" میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے "**الحمی حظ امتی من جهنم**"
⑧ الکبیر میں ابوریحانہ سے منقول ہے: "**الحمی کیر من جهنم، وهی نصیب المؤمن من النار**"
⑨ اور اس کو بزارؒ نے حضرت عائشہؓ سے اس طرح روایت کیا ہے: "**الحمی حظ کل مؤمن من النار**"
⑩ مسند الفردوس الدیلمی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے: "**الحمی شهادة**"
⑪ القضاعی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے: "**الحمی حظ کل مؤمنٍ من النار، وحمی لیلة تکفر الخطایا تحت الشجرة ورقها**"
⑫ ابن سنّی اور ابونعیم نے "الطب" میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: "**الحمی رائدة الموت وسبحن الله فی مرضٍ**"۔

بیہقی نے حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت کیا ہے: "**الحمی رائدة الموت وهی سبحن الله فی الارض للمؤمن بجس بها عبده اذا شآء، ثم یرسله اذا شآء فغیروها بالماء، وکذا ذکره هنا فی الذهد**"۔ اور ابن ابی الدنیا نے "**المرض والکفارات**" میں اس کو نقل کیا ہے۔

تین چیزوں کا دم سے علاج

۴۵۲۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧٢٥ الحدیث رقم (٥٨-٢١٩٦)، والترمذی فی ٣/٣٢٤ الحدیث رقم ٢٠٥٦،
وابن ماجه فی ٢/١١٦٢ الحدیث رقم ٣٥١٦، وأحمد فی المسند ٣/١١٨۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کے ذریعہ نظر بد اور ڈسنے اور پھوڑے پھنسیوں کے علاج کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: **رخص رسول الله ﷺ فی الرقیة**: تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رخصت نہی کے بعد کی ہے

اور آپ علیہ السلام نے "رقٰی" سے اس لئے منع کیا، کہ اس میں بعض جاہلیت کے الفاظ استعمال ہوتے تھے، پس جب لوگ "رقٰی" سے رُک گئے تو ان رقی میں رخصت دیدی۔ جو الفاظ جاہلیت سے خالی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ تقریباً یہی بات حدیث جابر اور عوف بن مالک میں بھی آئے گی۔

من العین: (یہاں کچھ عبارت مقدر ہے۔) ای من أجل اصابة عین الجن أو الانس۔ یعنی جن یا انسان کی نظر لگنے کی وجہ سے۔

یہاں پر "رقیة" سے مراد وہ دعاء اور آیات قرآنیہ ہیں، تو طلب شفاء کے لئے پڑھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے: "بسم الله ارقيك من كل شيء يؤذيك ‘ومن شر كل نفسٍ أوعين حاسدٍ الله يشفيك ‘بسم الله ارقيك".

احمد کی روایت ہے جو حضرت عائشہؓ سے ہے: "بسم الله ارقيك من كل داءٍ يشفيك من شر كل حاسدٍ اذا حسد من شر كل عينٍ" نسائی وابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرۃ سے روایت کیا ہے کہ میرے پاس نبی علیہ السلام آئے، اور فرمایا کہ میں تم کو ان چیزوں کے ساتھ دَم نہ کروں، جن کے ساتھ جبرئیل امین نے مجھے دَم کیا ہے، تو میں نے کہا، کیوں نہیں! تو انہوں نے فرمایا: "بسم الله ارقيك ‘والله يشفيك من كل داءٍ فيك من شر النفاثات في العقد ومن شر حاسدٍ اذا حسد". اور ابن ماجہ وحاکم کی روایت میں "ثلاث مرات" ہے

اور ممکن ہے کہ (حدیث باب میں) "من العين سے مراد من اجل وجعها ورمدها" ہو جیسا کہ ابن ماجہ، نسائیؒ، حاکم اور طبرانیؒ نے حضرت عامر بن ربیعہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "من اصيب بعين رقي بقوله بسم الله اللهم أذهب حرها وبردها ووصبها ثم قال: "ثم باذن الله".

الحمة: ای عن الحمة النہایہ کے مطابق یہ بضم الحاء المہملہ اور تخفیف میم کے ساتھ ہے اور اصمعی نے اس کا انکار کیا ہے، اور "مجاورت" کی وجہ سے اس کا اطلاق بچھو کے ڈنک پر بھی کیا جاتا ہے کیونکہ زہر اس میں سے نکلتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ "حمی" یا "حمو" ہے۔ بوزن صرد اور "ھاء" اس میں "واؤ" یا "یائے محذوفہ" کے عوض ہے۔

اور طبرانیؒ کی "الاوسط" میں حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے: کہ ہم نے رسول اللہ پر حمة کے دم کو پیش کیا۔ تو ہمیں اجازت دے کر فرمایا: یہ جن کے مواثیق میں سے ہے "بسم الله سجة قرنية ملحة بحر قفطا" البتہ جہاں تک اس کے معانی کی بات ہے، تو وہ معلوم نہیں۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے لیکن چونکہ یہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے اس لئے اس کے ساتھ دَم کرنا جائز ہے۔

النملة: ای وعن النملة: نون کے فتح اور میم کے سکون کے ساتھ ہے، جیسا کہ شرح مسلمؒ میں ہے اور یہ کچھ دانے ہوتے ہیں جو پہلو وغیرہ میں نکلتے ہیں، اس کو "النہایہ" میں ذکر کیا گیا ہے۔

الفائق میں ہے کہ اس کو "النملة" اس وجہ سے کہہ دیا گیا کہ یہ چیونٹی کی طرح ڈھانپتے اور پھسلتے ہیں۔

بعض شراح کہتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں، معمولی ورم کے ساتھ' پھر یہ بڑے دانے بن جاتے ہیں' پھر

جاتے ہیں، اور پھسلتے چلے جاتے ہیں۔ اطباء اس کو ''الذباب'' کہتے ہیں اور ''فارسی'' میں اس کو ''نار فارسی'' کہتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ دانے والوں اور زخمی شخص کا علاج کیا کرتے تھے کہ اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھتے اور فرماتے: ''بسم الله تربة ارضنا بريقة بعضنا يشفىٰ سقيمنا باذن ربنا''. اور تقدیری عبارت یوں ہے: اتبرك باسم الله 'هذه تربة أرضا معجونة بر يقة بعضنا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے، اور ہمارے بعض کے تھوک کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

اور یہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ علیہ السلام دَم کیوقت تھکارتے تھے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے ہر قسم کے درد پر دَم کے جواز پر دلالت ہے اور یہ کہ یہ ایک کھلم کھلا سلسلہ تھا اور ان کے درمیان مشہور و معروف تھا۔ آپ علیہ السلام کا زمین پر انگلی رکھنا' دَم کے وقت زمین پر انگلی رکھنے کے استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

''ارضنا'': سے مراد ساری زمین ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مدینہ کی خاص سرزمین ہے۔ اس کے تبرک کی وجہ سے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ''ارضنا'' سے مراد ''ارض اسلام'' ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اپنا تھوڑا سا تھوک اپنی انگلی پر لگائے، پھر اس کو مٹی پر رکھدے، تاکہ اس کے ساتھ کچھ مٹی لگ جائے اور پھر اس کو اس زخمی یا بیمار جگہ پر مل لے اور ملتے وقت یہ کلمات کہتا جائے۔ میں کہتا ہوں، کہ شاید اس میں اشارہ ہے کہ ہماری پیدائش کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ہماری برابر سرابر تخلیق پر قادر ہے، اسی طرح انتہاءً ہمارے بدن کی صحت یعنی جروح وقروح کو درست کرنے پر بھی قادر ہے۔

نظرِ بد کا دم

۴۵۲۷: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٩٩/١٠ الحديث رقم ٥٧٣٨' ومسلم فی ١٧١٥/٤ الحديث رقم (٥٩-٢١٩٥)' وابن ماجه فی ١١٦١/٢ الحديث رقم ٣٥١٢' وأحمد فی المسند ٦٣/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد کے لئے ہمیں دم کرنے کا حکم فرمایا۔

(بخاری، مسلم)

تشریح: ''امر النبی ان نسترقی: یہ نون کے ساتھ ہے، معروف کا صیغہ ہے، اور ایک صیغہ میں یاء کے ساتھ ہے' اس صورت میں یہ مجہول کا صیغہ ہوگا۔

من العین: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک مطلب تو ترجمہ سے واضح ہے' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں آنکھ کی دکھن دور کرنے کے لئے جھاڑ پھونک کا حکم دیا۔ تو اس سے یہ بات رفع ہوگئی جو کہی جاتی ہے کہ یہ تصریح ہے اس بات کی کہ جس کو انسان یا جن کی نظر لگ جائے اس کے لئے دَم کرنا مستحب ہے۔ (انتھی) اور شاید کہ ''رقی العین'' سے مراد وہ ہو جو شیخین، ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ اپنے اوپر معوذات پڑھ کر پھونکتے تھے۔

معوّذات: واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ''سورۃ الفلق'' اور ''سورۃ الناس'' ہے اور جمع اس اعتبار سے لایا ہے کہ اقل جمع دو افراد ہوتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمع لانا باعتبار ان کلمات کے ہو جن کلمات پر یہ سورتیں مشتمل ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ معوّذات سے مراد یہ دونوں سورتیں مع سورۃ الاخلاص ہو اور ان دونوں پر اس کا اطلاق تغلیباً کیا گیا ہو اور یہی معتمد بات ہے۔ (ذکرہ عسقلانیؒ)

اور ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ''قل یا ایھا الکفرون'' بھی مراد ہو۔ جیسا کہ بعض بلاد میں یہ پڑھنے' لکھنے' گلے میں ڈالنے اور پانی میں گھول کر پینے کا رواج ہے۔ بخاری میں ہے کہ معمر نے کہا کہ میں نے زہریؒ سے پوچھا، کہ کیسے نفث کیا جائے؟ تو فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکے پھر ان دونوں کو اپنے چہرہ اور جسم پر پھیرے اور بعض علماء کرامؒ نے نظر بد کے لگنے کی صورت میں اس آیت کی تلاوت کو بھی ذکر کیا ہے [''وان یکاد الذین کفروا''][القلم۔۵۱] الی آخر سورۃ.

اثرات نظر کا علاج

۴۵۲۸: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی فِیْ بَیْتِهَا جَارِیَةً فِیْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِیْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۱۹۹ الحدیث رقم ۵۷۳۹، ومسلم فی ٤/۱۷۲۵ الحدیث رقم (۵۹۔۲۱۹۷)۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں ایک لونڈی دیکھی جس کے چہرے پر زردی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دم کراؤ اس لئے کہ اسے نظر لگی ہوئی ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: سعفة: سین کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (ذکرہ سیوطیؒ) اور النہایہ میں: ای علامة من الشیطان اور بعض نے کہا ہے کہ شیطان کی ایک ضرب ہے۔ ''سفع'' سے اسم مرّۃ ہے جس کا معنی ہے پکڑ اور بعض کہتے ہیں: ''السفعة العین''. علامہ طیبیؒ کا کہنا ہے کہ اوّل کی تائید راوی کی بیان کردہ تفسیر ''یعنی صفرۃ'' سے ہوتی ہے۔

تعنی صفرۃ: یعنی ''سعفة'' سے امّ سلمہ کی مراد ''صفرۃ'' تھی۔

فقال: استرقوا: یعنی دَم کرو۔ یا دَم کرنے والے کو بلاؤ۔ النہایہ میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ یہ پیلاہٹ نظر کی وجہ سے ہے۔ اس لئے تم اس کے لئے کوئی دم کرنے والا تلاش کرو اور (انتھی) بعض شراح کا کہنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو جن کی نظر لگ گئی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ''عیون الجن أحد من أسنة الرماح۔ ''جنّوں'' کی نظریں نیزوں کی دھاروں سے زیادہ سرایت اور اثر کرنے والی ہوتی ہیں اور امام سیوطیؒ کا کہنا ہے کہ بے شک نظر انسان اور جن دونوں کی لگتی ہے۔

النہایہ میں ہے کہ اس حدیث میں دَم کرنے کا حکم آیا ہے اور دوسری حدیث میں نہی آئی ہے: ''لا یسترقون ولا یکتوون'' اور دونوں کے بارے میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ وہ دم مکروہ ہے جو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتب منزلہ کے علاوہ کے ذریعہ ہو اور وہ دم

مکروہ نہیں ہے جو اس کے برعکس ہو مثلاً جس میں تعوذ قرآن، اسمائے حسنیٰ یا رقیہ مرویہ کے ذریعہ ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ بالقرآن پر اجرت لینے والے صحابی کی اجرت کے بارے میں فرمایا تھا: قد أخذت برقيه حق۔

جائز دم کی اجازت

۴۵۲۹: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَآءَ اٰلُ عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَرٰى بِهَا بَاسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤/١٧٢٦ الحديث رقم ٦٣-٢١٩٩، وأحمد فى المسند ٣/٣٠٢۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذات سے ممانعت فرمائی تو آلِ عمرو بن حزم جو دم وغیرہ کرتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس ایک دم ہے۔ جس کو بچھو کے ڈسے ہوئے پر ہم پڑھتے ہیں اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم جھاڑنے سے منع فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دم پڑھ کر سناؤ۔ تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ ضرور نفع پہنچائے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: نهى رسول الله عن الرقى:

"الرقى" یہ "رقية" کی جمع ہے۔ "ترقى": نون کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ "من العقرب" ("من" تعلیلیہ ہے) أى أجل سمها أو ولد غها فعرضوا عليه: اس سے پہلے کچھ کلام مقدر ہے جو یہ ہے: فقال: أعرضوا رقيتكم على واتلوها لدى۔

"وكذا احمد وابن ماجة"۔

درست کلمات سے دَم کی اجازت

۴۵۳۰: وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَاْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤/١٧٢٧ الحديث رقم (٦٤-٢٢٠٠)، وأبو داوٗد فى السنن ٤/٢١٤ الحديث رقم ٣٨٨٦۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ایک دم کیا کرتے تھے۔ پس ہم نے جناب

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ دم، جھاڑ کے متعلق آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس دم کو میرے سامنے پڑھوا یسے دم کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو۔

تشریح: رقاکم: راء کے ضمہ کے ساتھ یہ "رقیة" کی جمع ہے۔

منظور کا علاج وضو کے پانی سے

۴۵۳۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدْرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ١٧١٦/٤ الحديث رقم (٤٢-٢١٨٨)، والترمذی فی السنن ٣٤٧/٤ الحديث رقم ٢٠٦٢۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی۔ جب تم سے اعضاء کے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو دیا کرو۔ (مسلم)

تشریح: "العین حق": (یہاں مضاف محذوف ہے۔) ای اثر العین یعنی اس کا اثر حق ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی چیز کی اعانت اس کے کمال کے بعد ہی کیجاتی ہے اور ہر کامل کے پیچھے نقص آتا ہے اور جب ظہور قضاء عین کے بعد تھا۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کر دی گئی۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس حدیث میں قدر کا اثبات ہوتا ہے اور یہ کہ تمام اشیاء اللہ جل شانہ کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہیں۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شئے کیلئے عظیم الشان قوت وتاثیر فرض کی جائے جو تقدیر پر سبقت لے جا سکے تو وہ نظر لگنا ہے اور نظر پر کوئی چیز سبقت نہیں کر سکتی، تو نظر کے علاوہ اشیاء کا عالم کیا ہوگا۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "العین حق" کا مطلب ہے کہ نظر لگنا فی الجملہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا وجود متحقق وثابت ہے، اور "لو کان شیء سابق القدر" قول اوّل کیلئے بمنزلہ تاکید ہے۔ اس جملہ میں تاثیر نظر کی شدت، سرعت نفوذ اور زوات میں ان کی تاثیر کا بیان فرمایا گیا ہے۔

واذا استغسلتم فاغسلوا: عربوں کی یہ عادت تھی کہ جس شخص کی نظر لگتی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناف کے زیریں حصے کو دھوتے اور وہ پانی اس پر ڈالتے تھے اور اس کو سبب شفا خیال کرتے تھے۔ پس نبی کریم ﷺ نے اس کی رخصت دے دی اور اس کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ انسان کا وہم دور ہو جاتا ہے۔

کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس قسم کی اشیاء واعمال میں ودیعت کئے گئے خواص کا انکار کرے اور نہ اس کو اللہ جل شانہ کی قدرت وحکمت سے مستبعد سمجھے، خصوصاً جب کہ خود نبی کریم ﷺ اس امر کی گواہی دے رہے ہیں، اور حکم فرما رہے ہیں۔ اس باب کی احادیث حسان میں اس کا ذکر موجود ہے، اس کی مزید تحقیق حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گی۔ (ذکرہ

التورپشتی) اس کی مزید تحقیق حدیث مذکور کے تحت آئے گی۔
شرح مسلم للنوویؒ میں مازری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر کی بنیاد پر نظر لگنا برحق ہے، ایک بدعتی فرقہ اس کا منکر ہے۔

الفصل الثانی:

بڑھاپے کے علاوہ ہر بیماری کا علاج

۴۵۳۲: عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَنَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمِ ۔

(رواه احمد والترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١٩٢/٤ الحدیث رقم ٣٨٥٥' والترمذی فی السنن ٣٣٥/٤ الحدیث رقم ٢٠٣٨' وابن ماجه فی ١١٣٧/٢ الحدیث رقم ٣٤٣٦' وأحمد فی المسند ٢٧٨/٤۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریکؓ سے روایت ہے کہ بعض اصحابؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم علاج کے لئے ادویہ استعمال میں لائیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ کے بندو! علاج معالجہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں فرمائی کہ جس کا علاج نہ بنایا گیا ہو مگر بڑھاپا (کہ اس کا کوئی علاج نہیں)۔

افنتداوی: ای أنترك ترك المعالجة فنطلب الدواء اذا عرض الداء ونتوكل علی خالق الارض والسماء یہ استفہام تقریری ہے، روایت کے سیاق کے مناسب بھی یہی معنیٰ ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے جواباً نعم فرمایا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں، فاعل کے مابعد جملہ کا عطف اس کلام مقدر پر ہے کہ جس کا تقاضا ہمزہ کر رہا ہے۔ یعنی أنعتبر الطب فنتداوی أو نتوكل علی الله ونترك التداوی۔ لیکن (امام طیبیؒ کا) یہ کلام جواباً ارشاد فرمایا گیا " نعم " کے مناسب حال نہیں اور اس وجہ سے بھی توکل کو ترکِ تداوی کی ایک قسم قرار دینا معنوی طور پر درست نہیں۔

یا عباد الله: "اے اللہ کے بندو" سے آپ نے خطاب فرما کر یہ اشارہ کیا کہ علاج معالجہ کرنا عبودیت اور توکل کے منافی نہیں۔ لیکن اعتماد دوا پر نہ ہو بلکہ صاحب ربوبیت پر ہی ہو۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے: اعقل وتوكل.

تداوا: "نعم" کے معنیٰ کی تاکید ہے۔ چنانچہ مطلب یہ ہوگا: تداووا ولا تعتمدوا فی الشفاء علی التداوی. با کونوا عباد الله متوکلین علیه۔ نیز اگلے کلام کیلئے بمنزلہ "توطئہ" ہے۔

غیر داء واحد الهرم: ھاء کے فتحہ اور راء کے ساتھ، اس کی ترکیب میں تین احتمال ہیں: ① مجرور ہے "داء" سے بدل ہے۔ ② خبر ہے "هو" مبتدا محذوف کی۔ ③ "أعنی" فعل مقدر کے لئے مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "هرم" سے مراد "کبر" (بوڑھاپا) ہے، بیماری کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کو "داء" قرار دیا، چونکہ بوڑھاپے کے بعد موت کا آنا بمنزلہ ادویہ کے ہے (ذکرہ الطیبی) زیادہ واضح بات یہ ہے کہ بڑھاپا "منبع الأدواء" (بیماریوں کا سرچشمہ) ہے۔

ایک انتہائی بوڑھے شخص نے طبیب سے کہا، میری سماعت ضعیف ہے۔طبیب نے کہا، بوڑھاپے کی وجہ سے ہے، وہ کہنے لگا، میری بصارت کمزور پڑ گئی ہے۔طبیب نے کہا، بوڑھاپے کی وجہ سے ہے، اس نے پھر کہا، مجھ میں چلنے اور کسی چیز کو پکڑنے کی قوت وطاقت نہیں ہے، طبیب نے کہا، یہ بھی بوڑھاپے کی وجہ سے ہے، وہ صاحب کہنے لگے، کمر جھک گئی ہے، پہلو میں درد ہے وغیرہ وغیرہ۔طبیب نے کہا یہ سب کچھ بوڑھاپے کی وجہ سے ہے۔یہ سن کران صاحب کا مزاج بگڑ گیا، اور سیخ پا ہو کر بولے، تم بھی کس قدر جاہل ہو! کہ سب بوڑھاپے کی وجہ سے ہے۔طبیب نے یہ سن کر کہا، ہاں! یہ بھی بوڑھاپے کی وجہ سے ہے۔اہل علم دانش فرماتے ہیں: ''من ابتلی الکبر فقد ابتلی بألف داء''.

موفق بغدادیؒ فرماتے ہیں، بیماری کی حقیقت یہ ہے کہ سارا جسم، یا جسم کا کوئی خاص عضو ابتدائی درجہ میں اعتدال سے نکل جاتا ہے، اوران میں سے ہر درجہ کا ایک متضاد ہے، اور ایک متضاد کی شفاء اس کی ضد میں ہے۔اس ضد تک رسائی متعذر ہو جاتی ہے، کبھی اس سے لاعلم ہونے کی وجہ سے کبھی اس کے مفقود ہونے کی وجہ سے، اور کبھی دیگر موانع آڑے آ جاتے ہیں۔''ھرم'' ایک اضمحلال طبعی ہے، فنا کے اس راستہ پر بہرحال چلنا ہی پڑتا ہے، اس کے لئے کوئی شفاء نہیں لکھی گئی اور موت کا ایک وقت مقررہ لکھا ہوا ہے، نہ وہ بڑھتا ہے، نہ وہ گھٹتا ہے۔

تخریج وتوضیح: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں ''تداووا یا عباد اللّٰه......'' اس حدیث کو امام احمدؒ، ائمہ اربعہ، ابن حبان اور حاکمؒ نے روایت کیا ہے۔امام سیوطیؒ ''شرح النقایۃ میں'' لکھتے ہیں، امام حاکمؒ وغیرہ نے اسامہ بن شریک سے یوں روایت کیا ہے ''قال: قالوا: یا رسول اللّٰه! هل علینا جناح أن لا نتداوی؟ قال: تداووا عباد اللّٰه! فان اللّٰه لم یضع داء الا وضع له شفاء''. اور ایک روایت میں یوں ہے: ''الا وضع له دواء غیر داء واحد الهرم''.

مریض کو اللہ تعالیٰ کھلاتے ہیں

۴۵۳۳: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْرِهُوْا مَرْضٰكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَإِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۳۶/۴ الحدیث رقم ۲۰۴۰، وابن ماجه فی ۱۱۴۰/۲ الحدیث رقم ۳۴۴۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے مریضوں کو کھانا کھلانے میں زبردستی مت کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کھلاتا پلاتا ہے۔

تشریح: لا تکرھوا: ''اکراہ'' مصدر سے نہی کا صیغہ ہے۔

مرضاکم): ''مریض'' کی جمع ہے۔

قوله: فان اللّٰه تعالٰی یطعمهم ویسقیهم: ''یسقیهم'': یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ۔مراد یہ ہے کہ کھلانے پلانے پر مریض کے ساتھ زبردستی نہ کی جائے اس کے حکم میں دوا بھی ہے۔کہ حقیقتاً تو اللہ ہی کی ذات ہے جو انسانی جسم کو ایسی قوت بخشتی ہے جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ مریض کو بھوک پیاس کی تکلیف پر صبر کی توفیق دیتا ہے۔چونکہ قوت و

طاقت حاصل ہونا قدرتِ الٰہی کے باعث ہے محض کھانے پینے سے نہیں اور نہ ازروئے صحت ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ بیماروں کے قویٰ کی حفاظت فرماتا ہے اور اپنی چیز کے ذریعہ اس کی مدد فرماتا ہے جو چیز حفظ روح اور تقویم بدن میں طعام وشراب والا فائدہ دیتی ہے اس کی نظیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام کا یہ فرمان ہے "أبیت عند ربی یطعمنی ویسقینی"۔ اگرچہ ان دونوں میں یعنی اطعام وطعام میں بون بعید ہے۔

عرض مرتب:

صاحب مظاہر لکھتے ہیں: بعض اوقات انسانی نفس ایسی چیزوں میں مشغول ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی احتیاط نہیں رکھتا تو اس معاملے میں زبردستی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ طبیعت کی آمادگی کے بغیر کھانا پینا بجائے فائدہ کے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ جسم وجان کی بقا کے لئے نظامِ قدرت وعادت انسان کے تحت کوئی نہ کوئی ظاہری سبب ہونا چاہئے تو اس مقصد کے حصول کے لئے وہ رطوبات کافی ہوتی ہیں جو کہ غذا کی کمی کی صورت میں حرارت عزیزی تحلیل کر کے جسم وتحفظ جان کا سبب بنتی ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

سرخ بادہ میں داغنا

۴۵۳۴: وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَوٰی اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَۃَ مِنَ الشَّوْکَۃِ۔

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/ ٣٤١ الحدیث رقم ٢٠٥٠۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسعد بن زرارہؓ کو سرخ بادہ کی بیماری میں داغ دیا۔ ترمذی سے اسے غریب کہا ہے۔

تشریح: یہاں دونوں احتمال ہیں ممکن ہے کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے داغا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو داغنے کا حکم دیا ہو۔ (یہ معلوم نہیں کہ مذکورہ بیماری میں حضرت سعد کے جسم کے کس حصہ کو داغا گیا تھا۔)

شوکہ: صاحب النہایہ لکھتے ہیں: الشوکة حمرة تعلوا الوجه والجسد.

عرض مرتب:

صاحب "القاموس الوحید" یوں لکھتے ہیں: "الشوکة": منہ اور بدن پر نکلنے والی تکلیف دہ سرخ پھنسی۔

زیت وقسط نمونیا کا علاج

۴۵۳۵: وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰی مِنْ ذَاتِ

الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٥٥ الحديث رقم ٢٠٧٩' وأحمد فی المسند ٤/٣٦٩۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ذات الجنب میں قسط اور روغن زیتون سے علاج کریں۔ (ترمذی)

تشریح: القسط البحری: اس کے بارے میں تفصیلی کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

والزیت: زیتون کے بارے میں کچھ کلام "کتاب الأطعمة" میں گزرا ہے: زیتون کئی طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے' کھایا بھی جاسکتا ہے' تیل بھی استعمال کیا جاسکتا ہے' اور دونوں طرح سے بیک وقت بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے: کلوا الزیت وادھنوا به' فانه من شجرة مبارکة۔ اس روایت کو ترمذی وغیرہ نے ابواسید سے نقل کیا ہے۔ ابونعیم "الطب" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: کلوا الزیت وادھنوا به فان فیه شفاء من سبعین داء منها الجذام۔ طبرانی کی ایک روایت میں' اور ابونعیم کی روایت میں جو عقبہ بن عامر سے مروی ہے یوں آتا ہے: علیکم بهذه الشجره المبارکة زیت الزیتون فتداوا به فانه مصحة من الباسور۔

یہاں دو احتمال ہیں:

① ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ علاج کرنا مراد ہے۔ ② ان دونوں کو اکٹھا بطریق "لدود" استعمال کرایا جائے۔

زیتون و ورس سے نمونیا کا علاج

٤٥٣٦: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٥٥ الحديث رقم ٢٠٧٨' وابن ماجه فی ٢/١١٤٨ الحديث رقم ٣٤٦٧' وأحمد فی المسند ٤/٣٧٢۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب کے علاج میں روغن زیتون اور ورس کی تعریف فرماتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح: ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نسخہ میں "أن النبی صلی اللہ علیه وسلم" الخ ہے۔

من ذات الجنب: ای من أجل مداواتها. "من" ابتدائیہ ہے۔ "ینعت" کے متعلق ہے۔

ورس: صاحب النہایہ لکھتے ہیں: الورس نبت اصفر یصبغ به. بعض شراح لکھتے ہیں: الورس شیء یشبه الزعفران یحسن فی مداواة ذات الجنب. قاموس میں لکھا ہے: الورس نبات کالسمسم لیس الا بالیمن یزرع، فیبقی عشرین سنة نافع الکلی طلاء، وللبهق شربا. ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ورس ایک گھاس کا نام ہے۔ جس کا رنگ زردی مائل سرخ ہوتا ہے۔ اس کے ریشے زعفران کی مانند ہوتے ہیں۔ یہ گھاس رنگنے کے کام بھی آتی ہے۔ اس کی

کاشت صرف یمن میں ہوتی ہے۔ یہ گھاس بیس سال تک اپنا اثر برقرار رکھتی ہے۔ مرض "کل" (گردہ کا درد) میں بطور طلاء کے اس کا استعمال بہت مفید ہے اور مرض "بھق" (برص) میں اس کا دوا کا پینا نافع ہے۔ مرض مرتب: کہ ذات الجنب کے علاج کے لئے ان دونوں چیزوں کا استعمال بطریق لدود (یعنی منہ میں ٹپکانے کے) ذریعے ہوگا۔

سناء کا مسہل مفید ہے

۴۵۳۷: وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِیْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَیْتُ بِالسَّنَاءِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ شَیْئًا كَانَ فِیْهِ الشِّفَآءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِی السَّنَاءِ۔

(رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٥٦ الحديث رقم ٢٠٨١، وابن ماجه فی ٢/١١٤٥ الحديث رقم ٣٤٦١، وأحمد فی المسند ٦/٣٦٩۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس چیز سے مسہل (جلاب) لیتی ہو۔ تو انہوں نے عرض کیا شبرم سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو گرم ہے اور خوب کھینچنے والا ہے۔ اسماء کہتی ہیں کہ پھر میں نے سناء سے جلاب لیا تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی چیز موت سے شفاء دے سکتی تو وہ سناء ہوتی۔ یہ ترمذی وابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: تستمشین: النہایہ میں لکھتے ہیں: أی بما تسهلين بطنك؟

استمشاء کا معنی ہے: سہل (دست آور) دوا پینا، جلاّب لینا۔ شبرم: شین معجمہ کے ضمہ، بائے موحدہ کے سکون اور راء کے ضمہ کے ساتھ، بروزن ہدہد۔ کہا گیا ہے کہ شبرم "شیخ" کی ایک قسم ہے۔ جس کو عجمی میں "درمنہ" کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شبرم دست آور "عقاقیر" میں سے ہے۔

حار حار: اس لفظ کے ضبط میں نسخوں کا اختلاف ہے، چنانچہ اوّلاً مرقات کی عبارت ذکر کی جا رہی ہے:

① حار بحاء مهملة وتشديد راء بينها ألف 'اس کو مکرر ارشاد فرمانا تاکید کے لئے ہے۔

السنا: سین کے فتحہ کے ساتھ مقصوراً اس کو "سنا مکی" کہتے ہیں۔ (كذا ذكره بعض الشراح)۔ النہایہ میں لکھا ہے "سنا" اسم مقصور ہے، ادویہ میں سے مشہور بوٹی ہے، خشک ہو جانے کے بعد وزنی ہو جاتی ہے، ہوا کے چلنے سے اس میں سرسراہٹ ہوتی ہے، یعنی اس میں ہوا گونجتی ہے، اور "سناۃ" واحد ہے۔ الفائق میں لکھا ہے کہ "سنا" کبھی "مد" کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، اور قاموس میں لکھا ہے کہ مد کے ساتھ ہے۔ مشہور نباتات میں سے ہے۔

شبرم ایک دست آور گھاس کا نام ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس گھاس کے دانے مراد ہیں جنہیں پانی میں جوش دے کر پیا جاتا ہے۔

دونوں جگہ لفظ ''حار'' حاء کے زبر اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے' چنانچہ صحیح نسخوں میں اور اصل کتب میں اسی طرح منقول ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس جملے کے ذریعے یہ واضح فرمایا کہ شبرم نہایت گرم ہے اور دست لانے کے لئے اس کو استعمال کرنا مناسب نہیں۔ ''الکاشف'' میں ہے کہ یہ لفظ ''حار حار'' یعنی پہلا حاء کے ساتھ اور دوسرا جیم کے ساتھ مروی ہے' ثانی اول کی اتباع میں لایا گیا ہے اور ''حاریار'' بھی مروی ہے یعنی اول حاء کے ساتھ' اور ثانی دو لفظوں والی یا تحتیہ اور رائے مشدد کے ساتھ۔ مصابیح کے بعض شراح فرماتے ہیں ''حر'' سے ماخوذ ہے اور دوسرا لفظ جیم کے ساتھ ہے ''جر'' سے ماخوذ ہے اور ایک نسخہ میں دونوں حاء مہملہ کے ساتھ ہیں' اس صورت میں ثانی تاکید کے لئے ہے اور ایک نسخہ میں ''حاریار'' ہے' کہ ''یار'' تابع ہے ''حار'' کا کلام عرب میں ایسا بکثرت ہوتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں اور ''یار'' یا تحتیہ دو نقطوں والے اور رائے مشددہ کے ساتھ' بھی اسی طرح ہے۔ جامع الترمذی' سنن ابن ماجہ' جامع الاصول میں اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ''حاریار'' اول ثانی دونوں حائے مہملہ کے ساتھ ہیں۔ اھ۔ تعجب ہے ان حضرات پر کہ انہوں نے مصابیح میں واقع پہلی روایت کو مشکاۃ کی اصل روایت قرار دیا ہے اور مصنفؒ نے اس سے عدل کر کے اس کو اختیار کیا ہے جو اصول کے مطابق ہے۔ چنانچہ اطباء کہتے ہیں کہ شبرم چوتھے درجے میں گرم خشک ہے اور چونکہ اس کا استعمال بہت زیادہ دست لاتا ہے اس لئے اس میں احتیاط لازم ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کے ذریعے سناء کی فضیلت وتعریف کو بطور مبالغہ بیان فرمایا گیا ہے اور یہ واقعہ سناء اور خاص طور پر سناء مکی (جو زیادہ بہتر اور مفید ہے) بڑی عجیب وغریب دوا ہے جس کے فوائد مشہور ہیں۔ اطباء اس کو اکثر امراض میں شفاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی ضرر ونقصان کا خوف نہیں ہوتا۔ یہ معتدل اور اوّل درجہ میں گرم ہے۔ صفراء' سودا اور بلغم کے اسہال وتنقیہ کے لئے بہترین چیز ہے۔ قلب کو بہت زیادہ طاقت وقوت بخشتی ہے' ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ وساوس سوداوی کے لئے فائدہ مند ہے۔

قولہ: **فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو أن الخ.** اس کلام میں تین احتمال ہیں۔

① نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام نے دوسری بار پوچھا، تو پھر یہ نسخہ تجویز فرمایا ② انہوں نے از خود نبی کریم علیہ السلام کو بتایا ہو کہ اب میں ''سنا'' استعمال کرتی ہوں۔ تو حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی بات سن کر یہ ارشاد فرمایا ہو۔ ③ یہ کلام ''استکشافا'' فرمایا ہو۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ اور امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

وفی الباب: ابن ماجہ نے ایک روایت میں اور امام حاکمؒ نے سند صحیح کے ساتھ عبد اللہ ابن ام حرام سے نقل کیا ہے: ''**علیکم بالسناء والسنوت، فان فیھما شفاء من کل داء الا السأم**''. سام موت کو کہتے ہیں اور ''سنوت'' کے بارے میں صاحب قاموس لکھتے ہیں: **السنوت کتنور وسنور' الزبد الجبن والعسل وضرب من التمر والرُبّ والشبت والرازیانج والکمون.**

① **الزبد:** بروزن قمر، جھاگ، میل کچیل، بروزن شمس، عطیہ ہدیہ۔ ② **الجبن:** پنیر، ③ **العسل:** شہد۔ ④ **ضرب من التمر:** یعنی کی ایک قسم۔ ⑤ **الوبّ:** شیرہ (کھجور وغیرہ پکا کر تیار کیا ہوا شیرہ)۔ ⑥ **الشبت:** بروزن قمر، خوشبودار ہے، جو کھانے میں ڈالے جاتے ہیں (تیج بات) ⑦ **کمّون:** زیرہ۔ (**الکمون البری:** کالا زیرہ۔ **الکمون الحلو:** سونف)

حرام سے علاج مت کرو

۴۵۳۸: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ الدَّآءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/ ٢٠٦ الحديث رقم ٣٨٧٤۔

ترجمہ: حضرت ابوالدارداءؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مرض وشفاء اتارے ہیں اور ہر مرض کے لئے دواء مقرر فرمائی ہے۔ پس تم دوائی کرو مگر حرام سے علاج نہ کرو۔

تشریح: أنزل الداء: اتارنے سے مراد ''احداث وایجاد'' ہے۔

ولا تداووا): ایک تاء محذوف ہے۔

امام طیبیؒ لکھتے ہیں: دواء مطلق له شيوع، فلذلك قال: ولا تداووا بحرام، يعني ان الله تعالىٰ خلق لكل داء دواء حراما كان أو حلالا، فلا تداووا بالحرام۔ اھ. یہ کلام محل نظر ہے، چونکہ ''ان لكل داء دواء حلالا'' سے کوئی ایسا مفہوم مترشح نہیں ہوتا کہ اس پر ''فتدووا ولا تداووا بحرام'' کو متفرع کیا جا سکے۔ ہاں اگر ارشاد گرامی یوں ہوتا: خلق لكل داء دواء من حلال وحرام'' تو اس کی توجیہہ ہو سکتی تھی، لیکن یہ ایک دوسری حدیث کے معارض ہے۔ امام طبرانیؒ سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: ''ان الله تعالىٰ لم يجعل شفاء فيما حرم عليكم''. علاوہ ازیں صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے:

''ان طارق بن سويد سأل النبی ﷺ عن الخمر فنهاه، فقال: انما أصنعها للدواء، فقال: انها ليست دواء، ولكنها داء''.

اور ایک روایت میں یوں ہے: ''ان اللّٰه لم يجعل شفاء أمتی فيما حرم عليها''.

اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے شراب کے بنانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے منع فرمایا اور جب انہوں نے فرمایا کہ میں دوا کے طور پر شراب استعمال کرنے کے لئے بناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ دوا نہیں ہے بلکہ دکھ درد ہے۔

سبکیؒ اس آیت کریمہ: ﴿قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ [البقرہ: ٢١٩] کے بارے میں فرماتے ہیں: ایسا تحریم سے پہلے تھا۔ جب حرام قرار دی، تو منافع کو بھی سلب فرما لیا۔

خبیث دواء کی ممانعت

۴۵۳۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَآءِ الْخَبِيْثِ ۔

(رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٦ الحديث رقم ٣٨٧٠، والترمذی فی السنن ٤/٣٣٩ الحديث رقم ٢٠٤٥، وابن ماجه فی ٢/١١٤٥ الحديث رقم ٣٤٥٩، وأحمد فی المسند ٢/٣٠٥۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خبیث دواء سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی، احمد)

تشریح: ''خبیث'' سے مراد نجس ہے، یا حرام ہے، اگر ثانی مراد ہو تو یہ اعم ہے شرح السنہ میں لکھتے ہیں: اس حدیث کے مطلب میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ خبیث سے مراد خبثِ نجاست ہے، یعنی ایسی دواء کہ جس میں کوئی حرام چیز مثلاً شراب یا کسی غیر مأکول اللحم جانور کا گوشت شامل ہو۔ اس سے علاج معالجہ کرنا درست نہیں سوائے اونٹوں کے پیشاب کے۔ چونکہ احادیث سے اس کی تخصیص ثابت ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ اونٹوں کا پیشاب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام، امام محمدؒ کے نزدیک حلال، اور امام ابو یوسف کے نزدیک تداوی کے لئے جائز ہے۔

مزید لکھتے ہیں: بعض کا کہنا ہے کہ خبیث سے مراد بدمزہ اور بدبودوا ہے جس کو طبیعت استعمال کرنے سے نفرت کرتی ہے اور اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی کراہت اس وجہ سے ہو کہ طبائع کو ایسی دوا سے مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور دواؤں کا ذائقہ عام طور پر یہی ہوتا ہے، لیکن بعض دواؤں کا عمل آسان ہوتا ہے اور ان میں کراہت بھی کم ہوتی ہے۔ اھ۔

یہ دوا بھی اچھی نہیں ہے کیونکہ جب طبیعت اس کو قبول نہیں کرے گی تو اس کی افادیت بھی کم ہو جائے گی۔ اس لئے اس حدیث میں مذکورہ نفرت کا تعلق نہی تنزیہی سے ہوگا۔

کراہت: بعض مرتبہ اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں، حاصل یہ ہوا کہ جس دوا میں کراہت جس قدر کم ہوگی وہ دوا قبول طبیعت کے اتنے ہی قریب ہوگی، اور طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

دموی سر درد کا علاج

۴۵۴۰: وَعَنْ سَلْمٰی خَادِمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا كَانَ اَحَدٌ يَشْتَكِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْعًا فِيْ رَاْسِهٖ اِلَّا قَالَ احْتَجِمْ وَلَا وَجْعًا فِيْ رِجْلَيْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا۔

(رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٤ الحديث رقم ٣٨٥٨، وأحمد فی المسند ٦/٤٦٢۔

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ کی خادمہ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بھی آپ ﷺ سے کوئی سر درد کی شکایت کرتا تو آپ ﷺ اسے سینگی لگوانے کا حکم فرماتے اور جو شخص پاؤں کے درد کی شکایت کرتا تو آپ ﷺ اسے مہندی لگانے کا حکم فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: یہ حدیث مطلق ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔لیکن مناسب یہ ہے کہ مرد تلوؤں پر مہندی لگا لینے پر اکتفاء کریں اور ناخنوں پر لگانے سے پرہیز کریں تا کہ حتی الامکان عورتوں کی مشابہت سے احتراز ممکن ہو سکے۔

زخم پر مہندی لگاؤ

۴۵۴۱:وَعَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِیْ اَنْ اَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٤٣ الحديث رقم ٢٠٥٤' وابن ماجه فی ٢/١١٥٨ الحديث رقم ٣٥٠٢۔

ترجمہ: حضرت سلمٰی سے ہی روایت ہے کہ جب کبھی جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو کوئی زخم یا خراش پہنچتی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حکم فرماتے کہ میں اس پر مہندی رکھ دوں۔(ترمذی)

تشریح: قوله:ما كان برسول الله صلى الله عليه وسلم قرحة"كان" کی ضمیر شان ہے'اور تامہ ہے۔أی ما كان الشان يوجد ويوقع:

"يكون": بصیغۂ مذکر ہے اور ایک نسخہ میں بصیغہ مؤنث ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ دوسرا (فعل ناقص) زائد ہو،اس کا قرینہ پہلی حدیث ہے: ما كان أحد يشتكى. دوسرا احتمال یہ ہے کہ غیر زائدہ ہو،لیکن مؤول ہو،أی ما كان قرحة تكون برسول الله ﷺ۔اھ۔

القرحة: قاف کے فتحہ نیز ضمہ کے ساتھ،تلوار یا چھری وغیرہ کا زخم۔یہ آیت بھی اسی معنٰی میں ہے:﴿ان يمسسكم قرح﴾[آل عمران: ١٤٠]اس آیت میں اس لفظ کو دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور اکثر (قراء) نے اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ "مقدمہ" میں لکھا ہے:"قرح"، زخم کے درد کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق زخم، چوٹ اور جسم پر نکلنے والے پھوڑے پھنسیوں پر بھی ہوتا ہے۔یہ آیت مبارکہ :ان يمسسكم قرح بھی اسی معنٰی میں ہے اور اسی معنٰی میں قرحت أشداقنا ہے' أی أصابتها القروح۔

صاحب "المصباح" لکھتے ہیں:قرح الرجل ألم [كقرح] قرحا خرجت به قروح، والا سم القرح بالضم. اور کہا گیا ہے کہ مضموم ومفتوح دولغات ہیں۔جیسا کہ جهد اور جُهد۔حجاز والے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

لا نكبة: نون کے فتحہ کے ساتھ' پتھر اور کانٹے وغیرہ کے زخم کو کہتے ہیں۔"لا" زائدہ برائے تاکید ہے۔صاحب النہایہ فرماتے ہیں: حدیث میں آتا ہے:"انه نكبت أصبعه أى نالتها الحجارة".

قوله:الأ أمرنى أن أضع عليها الحناء :یہ طریقہ علاج اس لئے تجویز فرماتے تھے کہ مہندی کی برودت سے زخم کی حرارت اور خون کا درد کم ہو جاتا ہے۔واللہ اعلم

کندھوں کے درمیان سینگی لگوانا

۴۵۴۲: وَعَنْ اَبِیْ کَبْشَةَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَحْتَجِمُ عَلٰی هَامَتِهٖ وَبَیْنَ کَتِفَیْهِ وَهُوَ یَقُوْلُ مَنْ اَهْرَقَ مِنْ هٰذِهِ الدِّمَآءِ فَلَا یَضُرُّهٗ اَنْ لَّا یَتَدَاوٰی بِشَیْءٍ۔

(رواه ابوداود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٥ الحدیث رقم ٣٨٥٩' وابن ماجه فی ٢/١١٥٢ الحدیث رقم ٣٤٨٤۔

ترجمہ: حضرت ابوکبشہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنے سر کی مانگ پر اور کندھوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ان خونوں میں سے کچھ نکلوا لے تو اگر وہ کسی بیماری کا علاج نہ کروائے تو اسے دوسری بیماری سے نقصان نہیں پہنچے گا۔

تشریح: **وهو یقول:** جملہ حالیہ ہے، جملہ فعلیہ کے لئے مؤید ہے۔

قوله: ان رسول الله ﷺ کان یحتجم علی متہ هامته......:

"هامه" سے مراد مطلق سر بھی ہوسکتا ہے اور وسط رأس بھی مراد ہوسکتا ہے اس میں دو احتمال ہیں' پہلا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی سر پر سینگی کھنچواتے ہوں اور کبھی دونوں مونڈھوں کے درمیان اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں جگہوں پر ایک ساتھ کھنچواتے ہوں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام یہ سینگی زہر کی وجہ سے کھچواتے تھے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا (ملاحظہ فرمایئے حدیث: ۴۵۷۲) معمر نے بغیر زہر کے سینگی کھچوائی تو انہیں اس سے نقصان ہوا۔ جسم میں فاسد خون جمع ہونے کے نتیجہ میں جلد پر مخصوص آثار ظاہر ہوجاتے ہیں' جس کو اہل فن علامات کے ذریعہ پہچان لیتے ہیں' اور مقدار فاسد کو سینگی کے ساتھ کھینچ لیتے ہیں۔

لا یتداوٰی بشیء: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ابوداؤد، ابن ماجہ اور جامع الاصول کی روایت میں "بشیء" کے بعد "لشیء" کا اضافہ ہے۔ (انتھی) اور ممکن ہے کہ یہ زیادتی مصابیح کے بعض نسخوں میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ صاحب مصابیح پر اعتراض وارد ہوتا ہے، صاحب مشکوٰۃ نے اس اعتراض کو بالفعل، اور شارح نے بالتصریح بیان کردیا ہے۔

موچ کا علاج سینگی سے

۴۵۴۳: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰی وَرِکِهٖ مِنْ وَثْءٍ کَانَ بِهٖ۔

(رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٧ الحدیث رقم ٣٨٦٣' والنسائی فی ٥/١٩٣ الحدیث رقم ٢٨٤٨' وابن ماجه فی ٢/١١٥٣ الحدیث رقم ٣٤٨٥۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی ران کے بالائی حصہ پر سینگی لگوائی۔ اس موچ کی

وجہ سے جو آپ ﷺ کو پہنچی تھی۔ (ابوداؤد)

تشریح: "ورکه": تمام نسخوں میں واؤ کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: الورك بالفتح والكسر ككتف مافوق الفخذ

"وثء": (بروزن شمس)۔ بفتح الواو وسكون المثلثة فهمز۔

"من وث" کی مختلف توضیحات کی گئی ہیں۔ قيل: هو ما يمرض للعضو من حدر۔ قيل: هو أن يصيب العظم وهن (ہڈی کو کمزوری لاحق ہونا) في القاموس: الوثء وجع يصيب اللحم لا يبلغ العظم (گوشت تک پہنچنے والا وہ درد جو ہڈی تک نہ پہنچے) أو وجع في العظم بلا كسر۔ (اس درد اور ضرب کو کہا جاتا ہے جو عضو کے ٹوٹے بغیر پہنچے) أو هو الفكوبه ثء ولا يقال وثى ۔

عرض مرتب:

اس لفظ کے طریقہ استعمال میں دیگر اہل لغت کی رائے برعکس ہے۔ (انتھی)

توضیح: بعض راویوں نے اس لفظ کو "یاء" کے ساتھ (وثی) لکھا ہے، اور ہمزہ نہیں لکھا۔ مصابیح میں بھی اسی طرح ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ (کذا قالہ بعض الشراح) اس کا حاصل یہ ہے کہ مناسب یہ تھا کہ یاء اور ہمزہ دونوں کو لکھا جاتا، مگر پڑھا صرف ہمزہ جاتا اور اگر صرف ہمزہ کے ساتھ لکھا جاتا، اور "یاء" نہ لکھا جاتا تو یہ زیادہ بہتر تھا بعید عن الاشتباہ ہونے کی وجہ سے۔ تورپشتیؒ فرماتے ہیں سنن ابی داؤد جامع الاصول میں اسی طرح ہے۔

قوله: كان به: یہ جملہ "وثء" کی صفت ہے اور باء برائے "الصاق" ہے اور ضمیر مرفوع "وثء" کی طرف راجع ہے۔

فرشتوں کا قول سینگی لگواؤ

۴۵۴۴: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةٍ اُسْرِيَ بِهٖ اَنَّهٗ لَمْ يَمُرَّ عَلٰى مَلَأٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ مُرْاُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ۔

(رواه الترمذى وابن ماجه وقال الترمذى هذا حديث حسن غريب)

أخرجه الترمذى فى السنن ٤/٣٤٢ الحديث رقم ٢٠٥٢۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ المعراج کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گزر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے ہوا انہوں نے یہی کہا کہ آپ ﷺ اپنی امت کو سینگی لگوانے کا حکم فرمائیں۔ یہ روایت ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کی اور اس کو حسن غریب کہا جاتا ہے۔

تشریح: عن ليلة أسرى به: "لیلۃ" ایک نسخہ میں تنوین کے ساتھ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بغیر تنوین کے ہے۔ مبنی علی الفتح ہے اور اپنے مابعد کی طرف مضاف ہے۔ أسرى به): صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

ملأ: اى جماعة عظمية تملأ العين (اتنی بڑی جماعت جو آنکھوں کو بھر دے۔)

الا امروہ: یہ نقل بالمعنی ہے۔جیسا کہ بالکل عیاں ہے۔

مر أمتك: یہ ملائکہ کے ''امر'' کا بیان ہے۔ یہ ''امر'' برائے ندب ہے۔ان سب کا حضور ﷺ کو یہ حکم دینا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام کا اس کا پرتقریر فرمانا، اور ملائکہ کے حکم کا نقل کرنا، اس کے مؤکد ہونے پر دلالت کرر ہا ہے۔ بظاہر ان کو یہ حکم اللہ جل شانہ نے دیا ہوگا۔ بعض مواضع پر پچھنے لگوانا ضروری ہوتا ہے۔

عرض مرتب: پچھنے کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ پچھنے خون کو نواحی جلد سے خارج کرتے ہیں اور سب اطباء اس بات کے قائل ہیں۔ گرم آب وہوا میں رہنے والوں کے لئے پچھنے فصد سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان کا خون رقیق اور پختہ ہوتا ہے اور بدن کی سطح پر آجاتا ہے جس کو پچھنے سے ہی باہر نکالا جاسکتا ہے نہ کہ فصد سے۔

امت سے مراد اس وقت کے عرب ہیں یا حضرت محمد ﷺ کی قوم ہے یا حضرت محمد ﷺ کی عام امت ہے کہ جس کو بھی پچھنے نکلوانے کی ضرورت پڑے۔

مینڈک کے علاج میں استعمال کی ممانعت

۴۵۴۵:وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ طَبِيْبًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضِفْدَعٍ يَجْعَلُهَا فِيْ دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهٖ۔ (رواہ ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٠٣‘ الحديث رقم ٣٨٧١‘ والسنائی فی ٧/٢١٠ الحديث رقم ٤٣٥٥‘ وأحمد فی المسند ٣/٤٥٣۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا مینڈک کو دواء میں استعمال کرلیا جائے تو آپ ﷺ نے اس کے مارنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''ضفدع'': اس لفظ کو کئی طرح ضبط کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بكسر فسكون فكسر. وروى بفتح الدال ايضا۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: هو بكسر الدال على مثال الخنصر، والعامة بفتحها. اور ایک شارح لکھتے ہیں: فتح الدال ليس بسديد. اور قاموس میں لکھتے ہیں: الضفدع كز برج وجعفر وجندب ودرهم، وهذا أقل أو مردود‘ دابة نهرية، ولحمها مطبوخا بزيت وملح ترياق للهوام، وبرية، وشحمها عجيب لقلع الأسنان، الواحدة بهاء، ح:ضفادع وضفادى.

خلاصہ: ① اس لفظ کے حروف اصلیہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ② اس کو چار وزنوں پر پڑھا گیا ہے۔ (الف) بروزن زبرج‘ (ب) بروزن جعفر (ج) بروزن جندب (د) درھم۔ ③ آخری ضبط کے مطابق بہت کم ہی پڑھا جاتا ہے‘ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صبط مردود ہو۔ ④ اس کی جمع ''ضفادع'' اور ''ضفادیع'' آتی ہے‘ ⑤ مینڈک کی دو قسمیں ہیں خشکی کا مینڈک۔ (ثانی) پانی کا مینڈک ⑥ پانی کے مینڈک کے گوشت کو نمک اور زیتون کے ساتھ پکا کر دوا تیار کی جاتی ہے جو ''ھوام'' کے لئے تریاق ہے۔ ⑦ خشکی کے مینڈک کی چربی دانت اکھاڑنے کے سلسلہ میں عجیب تاثیر رکھتی ہے۔

مینڈک کو قتل کرنے اور اس کو دوا میں شامل کرنے سے منع فرمانے سے سوال و جواب میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔
جامع کی یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے: نھی عن القتل الضَفد ع للدواء آپ نے مینڈک کو دوا کے لئے قتل کرنے سے منع فرمایا۔

قاضیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے حضور اکرم ﷺ نے مینڈک مارنے سے اس لئے منع فرمایا ہو کہ آپ نے اس کی دوا کو مناسب نہ سمجھا ہو یا اس کی نجاست و حرمت کی وجہ سے کیونکہ حرام چیزوں کے ساتھ دوا جائز نہیں یا اس کی کراہت طبع اور نفرت کی وجہ سے ہو یا اس لئے آپؐ نے اس میں جو نقصان دیکھا وہ اس نفع سے زیادہ تھا جو طبیب نے اس میں دیکھا تھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: امام نسائی نے ابن عمرو سے مرفوعاً نقل کیا ہے: "لا تقتلوا الضفادع، فان نعیقھن تسبیح"۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ سوال تو تداوی کے بارے میں تھا، اور جواب میں مینڈک کے قتل کرنے کو منع فرمایا۔ سوال و جواب میں مطابقت کیسے ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ مینڈک کے بارے میں قتل کا حکم، یا تو اس وجہ سے ہو سکتا تھا کہ یہ "فواسق" کے قبیل سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یا اباحت اُکل کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور ایسا بھی نہیں۔ بوجہ اس کی نجاست کے، اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ طبیعت کو اس سے گھن آتی ہے۔ لہٰذا جب قتل درست نہیں تو انتفاع بھی درست نہیں۔

سینگی کی خاص تاریخیں

۴۵۴۶: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ۔ (رواہ ابوداود وزاد الترمذی وابن ماجه)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٥ الحديث رقم ٣٨٦٠، والترمذی فی ٤/٣٤١ الحديث رقم ٢٠٥١، وابن ماجه فی ٢/١١٥٢ الحديث رقم ٣٤٨٣، وأحمد فی المسند ٣/١١٩۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دونوں رگوں اور دونوں کندھوں کے مابین سینگی لگواتے۔ یہ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ نقل کیا ہے۔ کہ آپ ﷺ ان تواریخ، سترہ، انیس اور اکیس میں (عموماً) سینگی لگواتے تھے۔

تشریح: الخدعين: هما عرقان فی جانبی العنق. (علی ما فی النهاية۔) قال شارح: عرقان فی موضع الحجامة من العنق۔ وفی القاموس: الأخدع عرق فی المحجتمين وهو شعبة من الوريد. گردن کی ہر دو جانب پوشیدہ دو رگیں۔

الكاهل: ما بين الكتفين، كذا فی النهاية وغيره، وهو بكسر الهاء، ففی القاموس والكاهل كصاحب: الحارك وهو بالفارسية بأل، وبالعربية الغارب علی ما ذكره فی محله. أو مقدم اعلی الظهر مما يلی العنق وهو الثلث الاعلی وفيه ست فقر، أو ما بين الكتفين، أو موحول العنق فی الصلب۔

① ان آراء کا حاصل یہ ہے کہ "کاهل" بروزن "صاحب" هاء مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کے کئی معانی آتے

ہیں کندھے اور گردن کے درمیان کا حصہ ② گردن کے قریب پیٹھ کا بالائی حصہ، ③ کندھا، مونڈھا، گردن

قوله: يحتجم لسبع عشرة: لام توقیت کے لئے ہے۔ "سبع" مبنی علی الفتح ہے، چونکہ مرکب بنائی ہے۔

عشرة: کو دو طرح پڑھا جاتا ہے، ① شین کے سکون کے ساتھ ② شین کے کسرہ کے ساتھ

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ نیز طبرانیؒ وحاکمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی نقل کیا ہے۔

تین میں سے ایک تاریخ کو لگواؤ

۴۵۴۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ١٢/١٥٠ الحديث رقم ٣٢٢٥۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سترہ، انیس اور اکیس تواریخ میں سینگی لگوانا پسند تھا۔ یہ شرح السنہ کی روایت ہے۔

تشریح: "يستحب": بصیغۂ معروف ہے۔ بمعنیٰ "یحب"۔

ہر مرض سے حفاظت کا نسخہ

۴۵۴۸: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ كَانَ شِفَآءً مِنْ كُلِّ دَآءٍ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٦ الحديث رقم ٣٨٦١۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی سترہویں، انیسویں اور اکیسویں تاریخ کو بھری ہوئی سینگی کھچوائے اس کو ہر بیماری سے شفاء حاصل ہوتی ہے"۔

تشریح: قوله: من احتجم سبع عشرة ....: ای من هذه الایام

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "كان له شفاء من كل داء"۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

منگل کے دن سینگی کی ممانعت

۴۵۴۹: وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ اَبَاهَا كَانَ يَنْهٰى اَهْلَهٗ عَنِ الْحِجَامَةِ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَيَزْعَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ يَوْمُ الدَّمِ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَرْقَأُ۔ (رواه ابو داود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/١٩٦الحديث رقم ٣٨٦٢۔

ترجمہ: حضرت کبشہ بنت ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ میرے والد اپنے گھر والوں کو منگل کے روز سینگی لگوانے سے منع فرماتے اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق گمان کرتے آپ ﷺ نے منگل کو (گردش) خون کا دن قرار دیا اور فرمایا اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس میں خون نہیں رکتا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **يزعم:اى يدعى ويقول ويروى:** صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **و انما يقال:زعم فى حديث لا سند له ولا ثبت فيه، و انما يحك على الألسن على سبيل الابلاغ، والزعم بالضم والفتح قريب من الظن.** امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ لفظ ''زعم'' اس حدیث میں ظن واعتقاد کے معنیٰ میں ہو، اور ''عن'' کے ذریعہ متعدی کیا، چونکہ ''روایۃ'' کے معنیٰ کو متضمن ہے۔

كان ينهى: سے وہم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ''موقوف'' ہے، چنانچہ انہوں نے یزعم کا اضافہ کر دیا، تا کہ پتہ چلے کہ یہ حدیث ''مرفوع'' ہے۔

الثلثاء:بفتح المثلثة ممدودا، وبضم أوله.(القاموس)۔

''أن یوم'': لفظ ''یزعم'' کا لحاظ رکھیں تو ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حکایت ہونے کی بناء پر کسرہ پڑھا جائے۔ چنانچہ اس صورت میں یہ بھی حدیث کا حصہ ہوگا۔ جیسا کہ الجامع میں ہے۔ ابوداؤدؒ نے اس کو ماقبل سے علیحدہ یوں ذکر کیا ہے: **ان یوم الثلاثاء۔**

یوم الدم: کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ① خون کے غلبہ کا دن مراد ہے۔

② کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ دن ہے کہ جس دن ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا سبب ہوں۔ ممکن ہے کہ سترہویں تاریخ مستثنیٰ ہو، جیسا کہ امام طبرانی اور بیہقی نے معقل بن یسار سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

''من احتجم يوم الثلاثاء لسبع عشرة من الشهر كان دواء لداء سنة''.

''**لا یرقا**'' یاء کے فتحہ قاف اور ہمزہ کے ساتھ۔ ای لایسکن الدم

بدھ اور ہفتہ کے دن سینگی کی ممانعت

۴۵۵۰: وَعَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ يَوْمَ السَّبْتِ فَاَصَابَهٗ وَضَحٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔ (رواه احمد وابوداود وقال وقداسند ولايصح)

ألبغوی فی شرح السنة تعليق ١٢/١٥١۔

ترجمہ: امام زہری سے مرسل روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بدھ یا ہفتہ کو سینگی لگوائی پھر وہ برص کا شکار ہو جائے تو اسے اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے۔ یہ احمد، ابوداؤد کی روایت ہے اس کی سند درست نہیں۔

تشریح: الاربعاء: بائے موحدہ کے کسرہ اور الف ممدودہ کے ساتھ اور قاموس میں ہے کہ ''اَربعا کی باء پر تینوں حرکتیں درست ہیں' یہ مد کے ساتھ ہے۔

أو یوم): ''أو'' برائے تنویع ہے۔

وضح: واؤ مفتوحہ' ضاد معجمہ اور حائے مہملہ کے ساتھ برص، ہر شئے کی سفیدی۔

وقد أسند: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

ہمارے اور تمام نقاد کے نزدیک مرسل حجت ہے۔

قوله وقال: لایصح: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لیکن اس حدیث سے قوت تو بہر حال حاصل ہوتی ہے' نیز

ہر مرض کا عادی سبب

۴۵۵۱: وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ اَوِاطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ اَوِالْاَرْبِعَاءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّانَفْسَهٗ فِي الْوَضَحِ۔ (رواه في شرح السنة)

أخرجه البغوي في شرح السنة ١٥١/١٢ الحديث رقم ٣٢٣٥۔

ترجمہ: امام زہری سے مرسلاً نقل کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ہفتہ یا بدھ کے روز سینگی لگوائی یا بدن کے کسی عضو پر لیپ کیا اور وہ برص کا شکار ہو جائے تو اسے اپنے نفس ہی کو ملامت کرنی چاہیے۔ یہ شرح السنہ کی روایت ہے۔

تشریح: اطلى: طاء مشددہ کے ساتھ۔ اصل میں ''اطتلى'' تھا۔ تاء کو طاء سے بدل کر طاء کا طاء میں ادغام کر دیا۔ کہا جاتا ہے: طليته بالنورة أو غيرها لطخته، واطليت على افتعلت بترك المفعول اذا فعلت ذلك بنفسك، (كذا ذكره بعض الشراح) وفي المغرب: وعلى هذا طليت شقاق رجله خطأ والصواب طلى. والله أعلم۔

من احتجم أواطلي يوم السبت أوالأربعاء: مفعول فیہ ہے۔ اس میں ''تنازع فعلین'' ہے اور ''او'' دونوں جگہ تنویع کے لئے ہے۔ ''في الوضح'': (جار مجرور کے درمیان مضاف محذوف ہے اور ''في'' کے معنی میں دو احتمال ہیں) اى في حصول الوضح أولأجل وصوله.

یہ حدیث بمنزلہ دو سندوں کے ہے اس سے ''مرسل'' کو تقویت حاصل ہو رہی ہے، نیز ایک دوسری سند سے مسنداً بھی مروی ہے اور الجامع میں بروایت بیہقی وحاکم بسند صحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: ''من احتجم يوم الأربعاء أو يوم السبت فرأى في جسده وضحا، فلا يلومن الا نفسه''. چنانچہ اتنی اسانید سے زہری کی مرسل روایت کی صحت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اللہ جل شانہٗ خاص مہینوں اور خاص ہفتوں میں خاص اسباب تاثیر رکھتے ہیں اور وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

بہتی آنکھ کا دم

۴۵۵۲: وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَاهٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِ اللّٰهِ لَاَغْنِيَآءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذٰلِكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَآءً لَايُغَادِرُ سَقَمًا۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٢١٢ الحديث رقم ٣٨٨٣' وابن ماجه في ٢/١١٦٦ الحديث رقم ١/٣٨١۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ نے میری گردن میں ایک دھاگہ دیکھا تو انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ دم کیا ہوا دھاگہ ہے۔تو عبداللہ نے اسے لے کر ٹکڑے کر دیا پھر فرمایا تم آل عبداللہ! شرک سے بے نیاز ہو۔میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ بلاشبہ دم، تعویذات اور جادو کے ٹوٹکے شرک ہیں۔میں نے کہا آپ یہ بات کس طرح کہہ رہے ہیں؟ میری آنکھ بہتی تھی اور میں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی پس جب اس نے دم کیا تو آنکھ کو آرام حاصل ہوا۔تو اس پر عبداللہ کہنے لگے یہ شیطان کی شرارت تھی شیطان اسے اپنے ہاتھ سے چوک لگاتا تھا (تو وہ دکھتی تھی) جب دم کیا گیا تو وہ اس سے باز آیا۔کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا جو جناب رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے لوگوں کے رب تو اس تکلیف کا ازالہ فرما' تو شفاء دے کیونکہ شفاء تو ہی ہے۔تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء عنایت ہو جو بیماری کو ملیا میٹ کر دے'' (ابوداؤد)

تشریح: **قوله: انتم آل عبد الله**: ''آل'' منصوب ہے۔حرف نداء محذوف ہے: **أي يا آل عبد الله. انتم**: مبتدا اور ''لأغنياء'' خبر ہے۔لام ابتدائیہ کا تاکید کی غرض سے ''خبر'' پر داخل کرنا جائز ہے۔جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: **أغبط أوليائي عندي لمؤمن خفيف الحاذ**۔اھ. جملہ ندائیہ معترضہ ہے اور امام طیبی کا کہنا ہے کہ منصوب علی الاختصاص ہے اور زجاج فرماتے ہیں: نحاۃ کا کہنا ہے کہ اس لام کے بارے میں اصل یہ ہے کہ ابتداء میں آئے اور خبر پر داخل ہونا بھی جائز ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مبتدا کو مقدر ماننا بھی ممکن ہے، یعنی دوسرا مبتدا مقدر مان لیا جائے: **أي لأنتم اغنياء.** جیسا کہ زجاج نے اس آیت: ﴿ان هذان لساحران﴾ [طٰہ: ٦٣] میں کہا ہے: **أي لهما ساحران**۔اھ۔چنانچہ ''آل'' کی ترکیب کے بارے میں یہاں تین احتمال ہیں: ① ''أعني'' فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔② منصوب علی الاختصاص ہے۔③ منادی ہے اور مبتدا ثانی، پہلے مبتداء کی تاکید ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کی خبر ''آل عبداللہ'' ہے، جیسا کہ ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ آیا ہے اور ''والأغنياء'' جواب ہے قسم محذوف کا۔

شرک سے مراد یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ "یہ قوی سبب ہے اور اس میں تاثیر کی طاقت بھی ہے" تو یہ شرک خفی ہوگا اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیز مؤثر ہے تو یہ شرک جلی ہوگا۔

منتر سے مراد وہ منتر ہے جس میں کسی بت یا شیطان کا نام یا کلمہ کفر کہا گیا ہو یا اس کے علاوہ وہ چیزیں جنہیں شریعت نے ناجائز قرار دیا ہو اس میں وہ منتر بھی داخل ہے جس کے معنی معلوم نہ ہوں۔

"تمائم": تمیمہ کی جمع ہے' اس کے معنی تعویذ کے ہیں جو بچہ کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ امام طیبیؒ نے اس کو مطلق رکھا ہے' لیکن اس کو مقید رکھنا مناسب ہے یعنی یہاں وہ تعویذ مراد ہے جس میں اسمائے الٰہی' آیات اور ماثورہ دعائیں شامل نہ ہوں۔ بعضوں نے تمیمہ سے مراد منکہ لیا ہے جو عورتیں اولاد کے گلے میں' اس گمان کے ساتھ کہ اس سے نظر نہیں لگتی' ڈالتی ہیں۔ یہ باطل ہے۔

پھر اس لفظ "تمیمه" کے استعمال میں توسع اختیار کیا گیا' حتیٰ کہ "عوذة" کو "تمیمه" کہا جانے لگا۔ وھو کلام حسن و تحقیق مستحسن.

تولی: تاء کے کسرہ وضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ' جادو کی ایک قسم ہے۔ اصمعیؒ فرماتے ہیں: **هی ما یجب به المرأة الی زوجها.** (یعنی ایک قسم کا جادو ہے جو مرد وزن میں باہم محبت ڈالنے کے لئے کیا جاتا ہے۔) (ذکرہ الطیبی) یا دھاگہ پر کچھ پڑھ کر جادو کیا جاتا ہے' یا کاغذ پر جادو کے کچھ کلمات لکھ دیئے جاتے ہیں جو محبت وغیرہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے: "**التوله**" تاء کے ضمہ اور واء کے فتحہ کے ساتھ' یہ "داهية" ہے' یہ تمام چیزیں غلط ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ان تمام چیزوں کو باطل قرار دیا ہے۔

قاضیؒ لکھتے ہیں: **وأطلق الشرك علیها اما لأن المتعارف منها فی عهده ما کان معهودا فی الجاهلیة و کان مشتملا علی ما یتضمن الشرك أو لأن اتخاذها یدل علی اعتقاد تأثیرها وهو یفضی الی الشرك.**

امام طیبیؒ لکھتے ہیں: **ویحتمل أن یراد بالشرك اعتقاد أن ذلك سبب قوی وله تأثیر، وکان ینافی التوکل والانخراط فی الذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربهم یتوکلون. ومن ثم حسن منه قوله: أنتم آل عبد اللّٰه لأغنیاء أی أعنی وأخص آل عبد اللّٰه من بین سائر الأنام. ومنها قولها: فقلت لم تقول هکذا؟** یعنی آپ مجھے توکل اور عدم استرقاء کا حکم کیوں دے رہے ہیں چونکہ میں تو استرقاء میں فائدہ محسوس کر رہی ہوں

کانت عینی تقذف: بصیغہ مضارع مجہول ہے: **أی ترمی بها یهیج الوجع.** (ذکرہ التور بشتی.) اور اس پر ان کا اگلا کلام دلالت کر رہا ہے: "**فاذا رقاها سکنت**" اور بعض نسخوں میں "تقذف" بصیغہ معروف ہے: **أی ترمی بالرمص أو الدمع وهو ماء العین من الوجع۔**

المرص: بالصاد المهملة، ما جمد من الوسخ فی مؤخر العین.

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بصیغۂ فاعل کا احتمال ہے' اور دونوں لفظوں میں سے کسی کی بطریق روایت میں تصدیق نہیں کرتا ہاں مگر اول زیادہ مستعمل ہے میرے گمان کے مطابق۔

ینخس: خاء معجمہ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی **یطعنھا**

رقی: بصیغہ مجہول ہے اور مراد یہ ہے کہ جب وہ یہودی دم کرتا۔

کف عنھا: بصیغہ مجہول ہے: **أی کف الشیطان عن نخسھا وترک طعنھا.**

اختلف: آنا جانا۔

انما ذلك: کاف کے کسرہ کے ساتھ' أذھب: باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ ''البأس'': ہمزہ ساکن ہے' کبھی ہمزہ کو الف سے بدل بھی دیا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے شدت مواہب میں اپنے شیخ عشارنی کی موافقت میں بغیر ہمزہ کے نقل کیا ہے تا کہ ''رب الناس'' سے مطابقت ہو جائے

قولہ: ''اذھب البأس ......'': عرض مرتب: اس دعا سے متعلقہ تفصیلی کلام مرقات ۱۲/۴، حدیث: ۱۵۳۰ کے تحت گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ (انتھی)

قولہ: رواہ ابوداود: امام ابوداودؒ کی ذکر کردہ روایت دو مرفوع حدیثوں پر مشتمل ہے۔ پہلی حدیث کو امام احمدؒ، ابوداودؒ، ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث کو امام جزریؒ ''الحصن'' میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام بخاریؒ، مسلم، اور امام نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کیا ہے: **''انه ﷺ كان يعوذ بعض أهله' ويمسح بيده اليمنى ويقول: اللهم أذهب الباس، رب الناس اشفه، وأنت الشافى لا شفاء الا شفاء ك شفاء لا يغادر سقما''** شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر روات نے **''انت الشافی''** کو واؤ کے ساتھ **''وانت الشافی''** نقل کیا ہے' اور بعض راویوں نے واؤ کے حذف کے ساتھ روایت کیا ہے. اور اشفہ کی ضمیر تعلیل کے لئے ہے یا یہ ھائے سکتہ ہے اور اس سے اس بات کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تسمیہ جائز ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو مگر دو شرطوں کے ساتھ' ایک یہ کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو موہم نقص ہو' اور دوسری یہ کہ قرآن کریم میں اس کی کوئی اصل ہو اور یہ دعا اسی قبیل سے ہے کہ اس میں **واذا مرضت فھو یشفین** ہے اور **''لاشفاء''** مد کے ساتھ ہے' مبنی علی الفتح ہے' اور **''الاشفاؤك''** رفع کے ساتھ ہے' کہ ''لاشفاء'' کے محل سے بدل ہے اور بخاری کی روایت میں ''لا شافی الا انت'' آیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ خواہ کوئی بھی داء و دواء وہ اللہ کی تقدیر ہی کے تابع ہے اور ''شفاء'' مصدر ہے' اشفہ کی وجہ سے منصوب ہے' اور اس کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا کی خبر ہو۔

أی ھذا اوھو شفاء۔ ''لایغادر'': غین معجمہ کے ساتھ ہے بمعنی **لایترك**' اور اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی مرض سے شفاء تو حاصل ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد اسی مرض سے کوئی اور مرض جنم لیتا ہے۔ پس وہ شفاء مطلق مانگتے تھے تا کہ مطلق شفاء۔ واللہ اعلم۔

امام جزریؒ ''حصن'' میں بروایت احمد ونسائی' محمد بن حاطب سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سوختہ شخص پر یہ دم درود کرتے تھے: **''أذھب البأس رب الناس !اشف أنت الشافی لا شافی الا أنت''**

امام نسائیؒ اور امام ابوداودؒ نے ابوالدرداء سے' اور امام حاکم نے فضیلہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام "احتباس بول حصاۃ (مثانہ میں پتھری کی بیماری)" کے مریض پر یہ دم کیا کرتے تھے: **ربنا الله الذي في السماء، تقدس اسمك أمرك في السماء والأرض، كما رحمتك في السماء فاجعل رحمتك في الأرض، واغفرلنا حوبنا وخطايانا، أنت رب الطيبين، فأنزل شفاء من شفائك، ورحمة من رحمتك".** چنانچہ وہ شخص بھلا چنگا ہو جاتا۔

نشرہ بیماری شیطانی حرکت کا نتیجہ ہے

۴۵۵۳: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في المسند ٤/ ٢٠١ الحديث رقم ٣٨٦٨، وأحمد في المسند ٣/ ٢٩٤۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے "نشرہ" کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ شیطانی حرکت ہے۔

تشریح: نشرة: نون کے ضمہ، شین معجمہ کے سکون اور رائے مہملہ کے ساتھ.

نشریہ ایک قسم کا افسون ہے۔

امام احمد، حاکم، اور ابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے:

"**المغرب**" میں لکھتے ہیں: "**معتوہ**" کا مطلب ہے "ناقص العقل" اور کہا گیا ہے کہ "**معتوہ**" اس شخص کو کہتے ہیں جو جنون کے علاوہ کسی اور سبب سے مدہوش ہو۔

حرام و مشتبہ سے بچا جائے

۴۵۵۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً اَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/ ٢٠١ الحديث رقم ٣٨٦٩، وأحمد في المسند ٢/ ١٦٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے جناب نبی اکرم ﷺ کے فرماتے سنا کہ اگر میں تریاق کا استعمال کروں یا تعویذ لٹکاؤں یا شعر کہوں تو ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا (جو حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر وہ کام کر گزرتے ہیں) یعنی میں ہرگز یہ کام نہ کروں گا۔

تشریح: وعن ابن عمر: شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر بن العاص سے مروی ہے۔

ما ابالي ما أتيت: پہلا "ما" نافیہ ہے، دوسرا "ما" موصولہ ہے، اور عائد محذوف ہے اور موصول اپنے صلہ کے ساتھ أبالي

کا مفعول ہے۔

عرض مرتب: یہ نحوی قاعدہ مسلمہ ہے کہ "صلہ" کا کوئی محل اعراب نہیں، لہٰذا صلہ کو موصول کے ساتھ ملا کر اس پر کوئی اعرابی حکم جاری کرنا محل نظر ہے. دیکھئے: مغنی لبیب، جلد دوم۔ اھ۔

قوله: ان أنا شربت تریاقا: یہ سارا کلام جزاء ہے اور شرط محذوف ہے۔ جس پر ماقبل کلام دلالت کر رہا ہے۔

اگر میں ان چیزوں میں سے ایک چیز پر بھی پروانہیں کرتا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو کچھ بھی کرنے سے پروانہیں کرتے اور

اشرفؒ فرماتے ہیں حضرت نے ان چیزوں کا استعمال اس لئے برا جانا کیونکہ تریاق میں سانپ کا گوشت اور شراب پڑتی ہے اور یہ حرام ونجس ہے۔ تریاق کی کئی اقسام وانواع ہیں۔ اگر ایسا تریاق جس میں حرام چیزیں نہ ہوں اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث مطلق ہے' لہٰذا اس کی تمام انواع سے اجتناب کیا جائے اور اس کے لئے بھی کہ یہ خلاف توکل ہے۔

ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے: **ان فعلت هذا فما أبالي كل شيء أتيت به لكن أبالي من اتيان بعض الأشياء.** یعنی اگر میں یہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، میں کچھ بھی کروں، لیکن میں ان بعض چیزوں کی پرواہ (بہر حال) کرتا ہوں۔

تریاق: تاء کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ، ہر طرح درست ہے۔ لیکن کسرہ زیادہ مشہور ہے۔ ابن الملکؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔ اشرفؒ فرماتے ہیں: تریاق وہ چیز ہے جو دواؤں اور معجونوں کے زہر کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ لفظ "معرّب" ہے۔ تریاق کو دال کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، نیز اس حدیث میں "دال" کے سات بھی مروی ہے۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں: **الدریاق بالكسرة وبفتح، التریاق وهو بالكسر دواء مركب اخترعه ماغنيس وتممه أندروماغس القديم بزيادة لحوم الأفاعي، وبه كمل الغرض وهو سماه بهذا، لأنه نافع من لداغ الهوام السبعية، وهو باليونانية ترياد نافع من الأدوية المشروبة السمية، وهي باليونانية فاء ممددة ثم خفف، وعرب، وهو طفل الى ستة اشهر، ثم متر عرع الى عشر سنين في البلاد الحارة وعشرين في غيرها، ثم يقف عشرا فيها وعشرين في غيرها ثم يموت ويصير كبعض المعاجين.**

تمیمہ سے مراد تمیمہ جاہلیت یعنی ان کے منتر اور منکے ہیں۔ جو تمائم ورقی قرآن اور اسمائے الٰہی کے ساتھ ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں بلکہ مستحب ہیں' امید ہے کہ ان میں برکت ہوگی۔

یعنی میں شعر کہنے کا قصد کروں اور اپنے دل سے شعر کہوں۔ یہ بات اللہ جل شانہ کے اس فرمان: [**وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ**] [یٰسٓ:٦٩] کی وجہ سے فرمائی اور جہاں تک تعلق ہے نبی کریم [کے اس کلام کا: **أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب**' کا' تو یہ کلام آنحضرت ﷺ سے بلاقصد کے صادر ہوا تھا' نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بےقصد و بےاختیار کلام موزوں صادر ہوا یہ بلا تکلف وتصنع تھا' اور وہ کلام موزون جو بلاقصد وزن صادر ہوا ہو اس کو شعر نہیں کہا جاتا' مزید یہ کہ امام خلیل

کے نزدیک ''رجز'' شعر کی قسم نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ عام لوگوں کے لئے شعر دوسرے کلاموں کی طرح ہے۔ اچھے مضمون کے لئے شعر گوئی کرنا اچھا ہے اور برے مضمون کے لئے برا ہے۔ البتہ اپنے باطن کو شعر گوئی کی طرف متوجہ کرنا اور اس میں اپنی عمر ضائع کرنا اور شعر گوئی میں تفکر کثیر کرنا جس سے دینی امور میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو یقیناً مذموم ہے۔ شعر کی مذمت کے بارے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی امام احمد، اصحاب صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ''**لأن يمتلي جوف رجل قيحاً حتى بريه، أى يفسره خير له من أن يمتلي شعرا**''.

ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شعر کہنا مجھ پر حرام ہے' اور اسی طرح' تریاق پینا اور تمائم لٹکانا مجھ پر حرام ہے اور امت کے لئے تمائم اور شعر کہنا حرام نہیں ہیں بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور مسلمانوں کی ہجو یا کوئی گناہ کی چیز نہ ہو' اور اسی طرح وہ تریاق جس میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جو شرعاً حرام ہو' مثلاً سانپ کا گوشت اور شراب کی طرح کی حرام چیز تو وہ امت پر حرام نہیں ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ''تمیمہ'' کی ممانعت اس صورت کے ساتھ ہے جب وہ توکل میں قارح ہو۔ اس کی تائید ابن مسعودؓ کے صنیع سے ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج وتوضیح: اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے ابن عمر سے نقل کیا ہے اور الجامع کے بیان کے مطابق ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔

دَم کمال توکل کے خلاف ہے

۴۵۵۵: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِاسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجة)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۴۴/۴' الحديث رقم ۲۰۵۵' وابن ماجه فی ۱۱۵٤/۲ الحديث رقم ۳٤۸۹' وأحمد فی المسند ۲٤۹/٤۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے داغ لگایا یا دم کروایا اس نے توکل سے بیزاری اختیار کی۔ (احمد' ترمذی وابن ماجہ)

تشریح: قوله: من اكتوى:

یعنی جس نے اسباب صحت میں مبالغہ کیا' یہاں تک بلا ضرورت شدید داغ لیا۔

أو استرقى: یعنی دفع امراض میں مبالغہ کرتے ہوئے ایسے کلمات استعمال کئے جو نہ اسماء باری تعالیٰ میں سے تھے' ورنہ قرآن کریم میں سے تھے' اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعاؤں میں سے تھے۔

فقد برئ من التوكل: یعنی توکل کے اس اعلیٰ درجہ سے گر گیا جو کمال کا سب سے اعلیٰ درجہ تھا۔ حلانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [آل عمران:۱۲۲] مباشرت اسباب میں مبالغہ سے کام لینا رب الارباب سے غافل ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے امام غزالی نے کہا ہے جو کوئی اپنا دروازہ دو قفلوں یا ایک قفل سے بند کرے پھر اپنے ہمسائے

کو بھی اس کی حفاظت کے لئے کہے تو وہ شخص توکل سے نکل گیا۔

ابن الملک فرماتے ہیں: اس کا مصداق وہ شخص ہے جو داغنے اور دم درود میں شفاء کا اعتقاد رکھتا ہو، اھ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ کہنا محل نظر ہے، چونکہ ایسا شخص صرف توکل سے ہی خارج نہیں بلکہ دین سے بھی خارج ہے۔ الّا یہ کہ یوں کہا جائے کہ ان کی مراد وہ شخص ہے جو شفاء کو ان اسباب میں منحصر مانتا ہو، وگرنہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بغیر کسی سبب کے بھی صحت عطاء کرنے پر قادر ہے۔ اس سلسلہ میں محاسبی اور ابن عبدالبر کا کلام پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم بالمرام۔

النہایہ میں لکھتے ہیں: ''کیّ'' سے ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ منع اس وجہ سے فرمایا کہ لوگ اس کو بڑی توقیر و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ''کی سے بیماری کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور جب عضو کو داغا نہ جائے تو وہ بے کار و معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو اس سبب کے پیش نظر فرمادیا اور اس صورت کے لئے مباح قرار دیا، کہ جب اس کو شفاء کے لئے سبب مانا جائے، نا کہ علت۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے، جو بھلا چنگا کرتا ہے، اور شفاء عطاء کرتا ہے۔ دواء دارو یا داغنا شفاء نہیں دیتا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں بہت سے لوگ کہتے ہیں: اگر دواء پی لیتا تو مرتا نہ' اور اگر اپنے شہر ہی میں رہائش پذیر رہتا تو قتل کی موت نہ مرتا۔

کہا گیا ہے کہ ''کی'' سے ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب مرض سے حفظ ما تقدم کے طور پر ہو، اور قبل از ضرورت ہو۔ اگر ایسی صورت میں داغا گیا تو مکروہ ہے۔ تداوی و علاج ضرورت کے وقت مباح ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہی از قبیل توکل ہو، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: هم الذين لا يستوقون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون۔ توکل، جواز کے علاوہ ایک دوسرا درجہ ہے اور اس پر اشکال یہ ہے کہ ''لا يتداوون ''نہیں فرمایا گیا، لہٰذا ''کیّ'' اور ''رقیہ'' کا ذکر خصوصی طور پر کرنے میں یقیناً کوئی فائدہ ہوگا' اور فائدہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا واللہ اعلم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمائم سے پرہیز کرتے تھے

۴۵۵۶: وَعَنْ عِيْسَى ابْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ اِلَيْهِ۔

(رواہ ابوداود)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/ ٣٥٢ الحديث رقم ٢٠٧٢، وأحمد فی المسند ٤/ ٣١٠۔

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن حمزہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عکیمؓ کی خدمت میں گیا تو انہیں سرخی کی مرض میں مبتلا پایا۔ میں نے اس سے پوچھا آپ تعویذ کیوں نہیں لٹکاتے تو انہوں نے کہا میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے (بطور تعویذ) کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: عن عيسى ابن حمزه: کہا گیا ہے کہ درست یوں ہے: عن عيسى بن عبد الرحمٰن بن أبى

لیلی۔ چونکہ کتب صحاح ستہ میں عیسی بن حمزہ نام کا کوئی بھی راوی نہیں ہے۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے، کہ درست نام عیسی بن یونس بن اسحاق، چونکہ یہ صاحب رجال مشکوٰۃ میں سے ہیں، لیکن مقدم الذکر صاحب رجال مشکوٰۃ میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ مؤلفؒ نے ''فصل تابعین'' میں ذکر کیا ہے۔

وبه حمرة: باء برائے الصاق ہے اور ضمیر ''عبداللہ'' کی طرف راجع ہے۔

قوله: نعوذ الله من ذلك : اور اس کا سنن یہ تھا کہ یہ ایک قسم کا شرک ہے' جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

امام طیبیؒ نے کہا کہ شاید عبداللہ نے تعویذ لٹکانے سے اس لئے اللہ کی پناہ مانگی کہ وہ توکل کرنے والوں میں سے تھے۔

قوله: من تعلق شيئاً : ای من جعل شيئاً معلقا على نفسه اگر چہ تعویذ لٹکانا دوسروں کے لئے جائز ہے۔ ''النہایۃ'' میں لکھتے ہیں کہ جس کسی نے کسی چیز کو یعنی تعویذ' تمیمہ اور ان کے مانند کسی چیز کو اس اعتقاد سے لٹکایا کہ یہ چیزیں نفع دیتی ہیں اور نقصان دور کرتی ہیں۔ تو اس کو اسی کی طرف سپرد کیا جاتا ہے مظہرؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی طرح کا علاج معالجہ کرے اور یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ شفاء اس چیز سے ہی حاصل ہوتی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء نہیں عطا فرماتا' بلکہ اس کی شفاء کو اسی چیز کے سپرد کر دیا جاتا ہے' اور اس وقت اس کو شفاء حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے کے حکم بغیر کوئی چیز نہ نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع دے سکتی ہے۔ (انتھی) امام طیبیؒ نے اس کلام کو ثابت مانا ہے' اور ابن الملک نے ان کی تباع کی ہے حالانکہ یہ اعتقاد سراسر کفر یہ ہے کہ شفاء اس چیز سے حاصل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ سے شفاء حاصل نہیں ہوتی؟ لہٰذا حدیث کو اس معنیٰ پر محمول نہیں کرنا چاہئے' چونکہ اس طرح کی بات کے ہوتے ہوئے ''وكل اليه'' نہیں کہا جائے گا' بلکہ یہ کنایہ ہے کہ اس کو اس کا مقصد یعنی شفاء حاصل نہیں ہوگی' اور بیماری کے دور کرنے کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے ہونے والی مدد ونصرت ترک کر دی جاتی ہے۔ اس ارشاد گرامی ﷺ کا مقصد تفویض و توکل پر رغبت دلانا ہے۔

وكل: واؤ کے ضمہ' کاف مکسور و مخفف کے ساتھ بصیغہ ماضی مجہول. **أى خلى الى ذلك الشىء وترك بينه وبينه.** اس کی نظیر ترمذی کی یہ روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ''**عن أنس رضى الله عنه انه صلى الله عليه وسلم قال: من ابتغى القضاء وسأل فيه شفعاء وكل الى نفسه، ومن أكره عليه أنزل الله عليه ملكا يسدده.**

من تعلق شيئا: '' **شيئا** '' **منصوب بنزع الخافض** ہے۔ **أى من تعلق بشىء الخ** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے تعلق قائم کرتا ہے تو اس کو اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اس کا معاملہ بھی اسی کو سونپا دیا جاتا ہے' اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے دین و دنیا کے امور میں کافی ہو جاتا ہے' اور اس کو اپنے علاوہ سب سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ مگر مرسل ہونا کوئی حرج کی بات نہیں چونکہ مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے۔' برخلاف امام شافعی کے' اور اس حدیث کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ امام احمد و حاکم نے بھی ان سے روایت کیا ہے'

دَم تو دو چیزوں کا

۴۵۵۷: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَارُقْيَةَ اِلَّامِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ۔

(رواه احمد والترمذی وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢١٣ الحديث رقم ٣٨٨٤، والترمذی فی ٤/٣٤٥ الحديث رقم ٢٠٥٧، وأحمد فی المسند ٤/٤٣٦۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دم تو نظر بد یا ڈنگ کا ہے۔ یہ احمد، ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: "من عین": (جار مجرور کے درمیان میں مضاف محذوف ہے۔) **ای من اصابتها أووجعها حمة: بضم مهملة وتخفيف ميم.** بچھو وغیرہ کا زہریلا ڈنگ مراد ہے۔

شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی بنیاد پر یہ کہنا کہ "جھاڑ پھونک کا جواز محض تین چیزوں میں منحصر ہے"، صحیح نہیں، بلکہ ہر طرح کے دکھ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذریعہ دَم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے: **لا رقية أولى وأنفع من رقيتهما.** اس کی نظیر یہ کلام ہے: **لا فتی الاعلی، لا سيف الا ذو الفقار۔**

ایک شارح نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے، چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کے درد وامراض میں کلمات تامہ اور آیات سے دم درود کیا کرتے تھے۔ اھ۔ حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔: **لا رقية ضرورة ملجئة من جهة شيء من الأوجاع الأمراض الا من جهة اصابة العين والحمة، فانهما مهلكتان بسرعة أو موقعتان في مشقة عظيمة.**

۴۵۵۸: وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةِ عَنْ بُرَيْدَةَ ۔

أخرجه ابن ماجه فی السنن ٢/١١٦١ الحديث رقم ٣٥١٣۔

اور ابن ماجہؒ نے اس کو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔"

تخریج: اس حدیث کو امام مسلمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

نظر بد، زہر، خون کے لئے دم

۴۵۵۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حَمَةٍ اَوْدَمٍ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢١٦ الحديث رقم ٣٨٨٩۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دم تو نظر بد یا زہریلے ڈنگ یا خون کا ہوتا ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: "رقیة" سے مراد وہ دعائیں اور قرآنی آیات ہیں جو طلبِ شفا کے لئے پڑھی جاتی ہیں' جو دعاؤں کی کتاب میں ذکر کردی گئی ہیں

حمة: "زہر" سے مراد ہے بچھو کا ڈنگ اور سانپ کا زہر بھی اس کے حکم میں ہے

نملہ: چیونٹی کو کہتے ہیں یہاں مراد ایک خاص بیماری ہے جس میں پھنسیاں وغیرہ نکلتی ہیں اس بیماری کو نملہ سے مشابہت اس لئے دی گئی ہے کہ اس کی تکلیف یوں محسوس ہوتی ہے جیسے چیونٹیاں رینگ رہی ہوں۔ جھاڑ پھونک تمام بیماریوں میں جائز ہے اور یہاں جن تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بہ نسبت دوسرے امراض کے جھاڑ پھونک اولیٰ اور انفع ہے

اور بعض روایات میں بطور حصر یہ آیا ہے کہ جھاڑ پھونک انہی تین چیزوں میں خاص ہے۔ اس میں بھی تاویل یہی ہوگی' یا یہ کہ ابتدا میں نبی کریم ﷺ نے شرکیہ الفاظ کے باعث ممانعت فرمائی ہو' بعد ازاں ان تین چیزوں کی اہمیت کے پیش نظر اور لوگوں کے لئے فائدہ مندی دیکھ کر اجازت دے دی ہو۔ واللہ اعلم۔

توضیح: مصنفؒ پر لازم تھا کہ اس حدیث کو پہلی حدیث کے ساتھ ملحق کر دیتے اور یوں فرماتے: **وزاد أبو داود: أو دم في روايته عن أنس.**

اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی تو وہ نظر ہوتی

۴۵۶۰: وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ وُلْدَ جَعْفَرٍ يَسْرَعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدْرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ۔

(رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

أخرجه الترمذي في السنن ٣٤٦/٤ الحديث رقم ٢٠٥٩' وابن ماجه في ١١٦٠/٢ الحديث رقم ٣٥١٠' وأحمد في المسند ٤٣٨/٦۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جعفر کی اولاد کو جلد نظر لگ جاتی ہے کیا میں اس کو دم کروالوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو وہ نظر ہوتی یعنی نظر کے لئے دم درست ہے۔

تشریح: **ولد:** واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ' اور رائج نسخہ میں دونوں پر فتحہ ہے۔ حضرت جعفر کی اولاد سے مراد وہ بچے ہیں جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اہلیہ کے بطن والے بچے مراد ہوں۔

تسرع: تاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ' اور راء کو فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ بمعنی تعجل

قال: نعم فانه: یہ جملہ جواب کی تعلیل ہے، اور مطلب یہ ہے، **نعم استرقي عن العين فانها أولى وأحرى ان تسترقي لانه ......** صحیح مسلم کی مرفوع حدیث میں گذر چکی ہے۔ امام مسلم اور ترمذی نے ابن عباس سے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: **واذا ستغسلتم فاغسلوا۔** غسل کا بیان عنقریب آرہا ہے۔

اور کتے کو انسان بنا دیتی ہے اور یہ سب اس وجہ سے کہ "وہ" نظر جمال کے منظور نظر ہیں اور "اغیار" نظر جلال کے پردوں تلے منظور نظر ہیں۔ ارباب حال نے کیا خوب کہا: **لو کان لابلیس سعادة أزلية دون الشقاوة الأبدية لما قال: أنظرنی، بل قال: انظر الی، أو أرنی أنظر اليك، لكن كله بقضاء وقدر تحير فيه عقول أرباب الفحول، وتطمئن قلوبهم بقوله سبحانه: ﴿لا يسأل عما يفعل وهم يسألون﴾**[الانبیاء: ۲۳]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میری عقل، میری ذکر کردہ نقل کی طرف اڑ کر پہنچی، چونکہ یہ جعفر طیار کی اولاد تھی، جو (جعفر) ان علی کبرار کے بھائی تھے جن کا تعلق اہل بیت اسرار سے تھا۔

تخریج وتوضیح: صحیح مسلم کی حدیث برحق ماقبل میں گزر چکی ہے۔ امام مسلم وترمذی نے ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت میں: "**واذا استغستلم فاغسلوا**" کا اضافہ بھی نقل کیا ہے۔ غسل کا بیان عنقریب آئے گا۔

غلہ کا دم حفصہ رضی اللہ عنہا کو سکھاؤ

۴۵۶۱: وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ اَلَا تُعَلِّمِيْنَ هٰذِهٖ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٤/٢١٥ الحديث رقم ٣٨٨٧، وأحمد فى المسند ٦/٣٧٢۔

ترجمہ: حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جبکہ میں حضرت ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ہاں تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تم اسے غلہ یعنی پھنسی کا دم کیوں نہیں سکھا دیتیں جیسا کہ تم نے اس کو لکھنا سکھایا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

الشفاء بنت عبداللہ۔ یہ شفاء بنت عبداللہ "قریشیہ عدویہ" ہیں۔ احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا نام "لیلیٰ" ہے اور "شفا" لقب ہے جو نام پر غالب آ گیا ہے۔ ہجرت سے پہلے اسلام لائیں۔ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لاتے تھے اور دوپہر کو وہیں آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بستر اور لنگی کا انتظام کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بستر پر آرام فرماتے تھے۔ "شفا" شین کے کسرہ، فاء اور مد کے ساتھ آتا ہے۔

تشریح: قوله: ألا تعلمين هذه ...... : اس میں تقریر تعلم کا احتمال بھی ہے، اور انکار تعلیم کا احتمال بھی ہے۔ اگلے کلام سے پہلے احتمال زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے۔

علمتيها: اکثر اصول مصححہ، اور معتمد نسخوں میں یاء کے ساتھ ہے، یہ "یاء" کسرہ کے اشباع سے پیدا ہوئی ہے۔

الکتابة: یہ مفعول ثانی ہے۔ مظہرؒ فرماتے ہیں "ھذہ" سے اشارہ حضرت حفصہ کی طرف ہے اور "نملہ" یہ ہے کہ چند پھنسیاں ہوتی ہیں، جن پر منتر پڑھا جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے یہ ختم ہو جاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام حقیقت میں تعریض کے طور پر تھا اس واقعہ کا ایک خاص پس منظر ہے۔ جس کا ذکر سورۂ تحریم میں ہے کہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا راز فاش کر دیا تھا۔

امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ''النملۃ'' سے مراد یہاں وہ ہے جس کو اطباء ''رناب'' کہتے ہیں۔ مگر ذکی مغربی نجوی ان سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس بارے میں لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد ''رقیہ نملہ'' ہے۔ رقیہ نملہ سے مراد وہ چند کلمات ہیں جن کے بارے میں عرب کی عورتوں کا زعم تھا کہ یہ کلمات ''رقیہ نملہ'' ہیں۔ حالانکہ۔ رقیہ نملہ ان اخرافات میں سے ہے جن سے منع فرمایا گیا تھا۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کلمات کو سکھانے کا حکم دے دیا ہو۔ ''رقیہ نملہ'' سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ کلام تھا جس کو عورتیں ''رقیہ نملہ'' کہتی ہیں۔ رقیہ نملہ کے کلمات یہ ہیں: **العروس تنتعل وتختضب وتكتحل، وكل شي تفتعل غير انها لا تعيي الرجل۔** ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ دلہن جوتہ پہنتی ہے' مہندی لگاتی ہے اور سرمہ لگاتی ہے اور ہر چیز کرتی ہے مگر مرد کی نافرمانی نہیں کرتی۔

پس آپ کا ارادہ ان کلمات کے ذریعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تانیب تھی اور حضور ﷺ کی نافرمانی کرنے اور راز کو فاش کرنے پر تعریض وتادیب مقصود تھی۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس افشاء راز کا اظہار اپنے کلام میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ......﴾ [التحریم:۳] ''اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بھید کی بات کہی تو (اس نے دوسری کو بتا دی) جب اس نے اسکو افشا کیا اور خدا نے اس (حال) سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے (ان بی بی کو وہ بات) کچھ تو بتائی اور کچھ نہ بتائی تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبردار ہے'' اسی بنیاد پر حافظ ابوابوسیٰ نے اپنی کتاب میں ان سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: **فان یکن الرجل متحققا بهذا عارفابه من طریق النقل 'فالتا ویل ما ذهب الیه** اشرفؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ آپ] کی مراد رقیہ نملہ سے' اس رقیہ کے یہ آخری کلمات ہوں: **غير أن لا لقى الرجل۔** اطلاق للکل ہو اور مراد جزء ہو۔ کہ کیا تم حفصہ کو یہ نہیں سکھاتیں کہ دلہن شوہر کی نافرمانی نہیں کرتی۔ چونکہ اس نے افشاء راز کر کے میری نافرمانی کی ہے۔ اگر تم نے اس کو ''رقیہ نملہ'' سکھایا ہوتا تو وہ میری نافرمانی نہ کرتی۔ میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے' پس اولیٰ یہ ہے کہ رقیہ سے مراد پورا رقیہ ہو' کیونکہ اس کے ضمن میں مقصود تو حاصل ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں دو اور صورتوں کا احتمال بھی ہے' ان میں سے ایک تعلیم رقیہ پر ابھارنا' اور انکار کتابت ہے۔ **ای هلا علتمها ما ینقعا من الاجتناب عن عصیان الزوج کما علمیتها مایضر ها من الكتابة۔**

میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں یہ انتہائی بعید ہے' چونکہ جب تخصیص مراد ہو گی' اور استفہام تقریر پر محمول ہو گا تو انکار تعلیم کتابت کہاں سے مفہوم متعارف ہو گا۔ باوجودیکہ اس کو تعلیم رقیہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

فرمایا: دوسری صورت یہ ہے کہ انکار کا تعلق دونوں جملوں سے ہو اور اس سے مراد وہ رقیہ ہو جو ان کے درمیان متعارف تھا۔ چونکہ وہ رقیہ متوکلین کے حال کے منافی تھا۔ میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں اگر یہ معنی مراد ہوتا تو یوں کہا جاتا: أتعلمین الخ واللہ أعلم۔

قوله: کما علمتیها الکتابة: امام خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دال (دلالت) ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا

مکروہ نہیں ہے میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ کتابت سکھانا اس وقت کی عورتوں کو جائز تھا مگر زمانہ کے فساد کی وجہ سے آج کی عورتوں کو سکھانا جائز نہیں اور پھر میں نے دیکھا کہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت حفصہ کے ساتھ خاص تھا باقی عورتوں کے لئے نہ تھا۔

چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے چند احکام خاص تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ......﴾ [الاحزاب:۳۲] "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کرو تا کہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو" اور "لاتعلون الکتابة" والی حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جب عورتوں کو لکھنا سکھانے کے نتیجہ میں فتنہ کا اندیشہ ہو۔

سہل کو نظر بد کا لگنا

۴۵۶۲: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَاٰى عَامِرُبْنِ رَبِيْعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَارَاَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَاجِلْدَ مُخَبَّاَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَّكَ فِيْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اِلَّا بَرَّكْتَ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَاَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ بَاْسٌ.

(رواه فی شرح السنة)

أخرجه مالك فی الموطأ ۹۳۹/۲ الحدیث رقم ۲ من کتاب العین۔ وابن ماجه ۱۱۶۰/۲ الحدیث رقم ۳۵۱۱، وأحمد فی المسند ۴۸۶/۳۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سہل کو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے غسل کرتے دیکھا تو کہنے لگے میں نے آج تک اس جیسی بلا کسی پردہ نشین کی بھی نہیں دیکھی (اس کے کہنے کے فوراً بعد سہل زمین پر گر پڑے اور اس کو (اٹھا کر) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہل کے صحت یاب ہونے کی خواہش ہے وہ تو (بے ہوشی کی وجہ سے) سر اوپر نہیں اٹھاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کے متعلق کسی پر بدگمانی ہے انہوں نے کہا ہم عمر بن ربیعہ پر الزام دھرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو بلایا اور اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو تم نے اس کے لئے برکت کی دعا کیوں نہ کی۔ جاؤ اس کی خاطر تم غسل کرو عامر نے اپنے چہرہ اور دونوں گھٹنے اور اپنے پاؤں اور زیر ازار حصہ ایک بڑے پیالے میں دھویا پھر وہ پانی اس پر ڈال دیا گیا تو وہ لوگوں کے ساتھ اسی وقت چل دیے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ یہ شرح السنہ کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:رأى عامر بن ربيعة ۔هل بن حنيف يسل:
يغتسل: یہ جملہ حالیہ ہے:أي حال كون سهل يغتسل وبعض بدنه مكشوف۔
قوله:فقال واللّٰه ما رأيت كاليوم ولا جلد مخبأة:مخبأة: بائے موحدہ مشددہ کے بعد ہمزہ ہے. تخبية سے ماخوذ ہے۔

ولا جلد مخبأة:اس کلام کا عطف ''رأيت'' کے مفعول مقدر پر ہو رہا ہے:أي ما رأيت جلدا غير مخبأ كجلد رأيت اليوم ولا جلد مخبأة.اس توجہ کی بنیاد پر ''اليوم'' صفت ہے' اور اگر معطوف علیہ مؤخر مانا جائے تو حال ہوگا۔(ذکرہ الطیبی) ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اس سے زیادہ واضح ہے۔کہ کاف مفعول مطلق ہے:أي ما رأيت في وقت ما جلد غير مخبأة، أو ما رأيت جلد رجل في اللطافة، ولا جلد مخبأة في البياض والنعومة مثل رؤيتي اليوم أي مثل الجلد الذي رأيته اليوم اور مراد سہل کی جلد ہے' چونکہ ان کی جلد بہت نرم نازک تھی ۔اھ۔

اور ایک احتمال یہ ہے کہ معنی یوں ہو:مارأيت يوما كهذا اليوم ولا جلد مخبأة كهذا الجلد.یہ مفہوم مأخذ کے اعتبار سے قریب ترین اور تکلف سے بعید ترین ہے۔

لبط: لام کے ضمہ اور بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ:أي صرع وسقط(کسی مرض یا کسی اچانک معاملہ کے پیش آجانے کی وجہ سے گر پڑنا)

قوله:هل لك في سهل بن حنيفة۔ معنوی اعتبار سے اصل کلام یوں ہے:هل لك رغبة في مداواة سهل بن حنيفه اؤهل لك دواء في شأنه اُودائه تتهمون له:دوسری تاء مشدد ہے،أي تظنون لاصابة عينه۔

علام:اصل میں''على ما'' تھا۔على ما'اور'' ما''بمعنی اى شىء ہے الا:لام کی تشدید کے ساتھ، یہ ''ألا''برائے تندیم ہے۔

الاّبركت: راء کی تشدید کے ساتھ۔مطلب یہ ہے:هلا قلت: بارك اللّٰه عليك. حتى لا تؤثر فيه العين ۔یہ آیت مبارکہ اسی معنیٰ میں ہے:فلو لا اذ دخلت جنتك قلت ما شاء اللّٰه لا قوة الا باللّٰه۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:ألا بركت تخصیص کے لئے ہے:أي هلا دعوت له بالبركة.اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے۔چونکہ اصل کے اعتبار سے یوں کہنا چاہئے تھا:علام تقتل۔گویا کہ انہوں نے اس طرف توجہ نہیں دی' اور اولاً خطاب میں عموم فرمایا،اور پھر تانیب وتوبیخ کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک نظر زدہ کے لئے نظر لگانے والے کے وضو کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ اس نے نظر لگائی ہے اس کے سامنے کسی خالی برتن میں پانی لایا جائے ۔اس برتن کو زمین پر نہ رکھا جائے پھر نظر لگانے والا اس برتن میں سے ایک چلو پانی لے کر کلی کرے اور اس کلی کو اسی برتن میں ڈالے' پھر اسی میں سے پانی لے کر اپنا منہ دھوئے' بائیں ہاتھ میں پانی لے کر دائیں ہتھیلی اور دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہتھیلی دھوئے' اور بائیں ہاتھ میں پانی لے کر دائیں کہنی دھوئے' اور پھر دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں کہنی دھوئے اور کہنی کے درمیان جو جگہ ہے اس کو نہ دھوئے' پھر

داہنا پاؤں اور اس کے بعد بایاں پاؤں دھوئے۔ پھر اسی طرح پہلے داہنا گھٹنا دھوئے پھر بایاں گھٹنا دھوئے' اور ان سب اعضاء کو اسی برتن میں دھویا جائے زیر ناف جسم کو دھوئے۔ جب یہ عمل مکمل ہو جائے تو پانی کو نظر زدہ کے اوپر اس کی پشت کی طرف سے سر پر بہا دے۔ واضح رہے کہ اس طرح سے علاج اسرار وحکم سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عقل وسمجھ کی رسائی سے باہر کی چیز ہے۔ لہٰذا اس بارے میں عقلی بحث کرنا لا حاصل ہے۔

مارزیؒ نے کہا ہے کہ (یہ حکم یعنی مذکورہ اعضاء جسم کے دھونے کا) حکم وجوبی ہے۔ لہٰذا نظر لگانے والے کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ نظر زدہ کے لئے مذکورہ وضو کرے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا انسانیت سے بعید ہے' خصوصاً جبکہ نظر زدہ کے ہلاک ہونے کا خوف ہو۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ بعض علماءؒ فرماتے ہیں جو شخص نظر لگانے میں مشہور ومعروف ہو جائے تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (یعنی اس کے سامنے آنے میں احتیاط کرنا لازم ہے) اور امام (سربراہ حکومت) کے لئے مناسب ہے کہ ایسے شخص کو لوگوں میں آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے میں پابندی عائد کر دے' اور اس پر یہ پابندی عائد کر دے کہ وہ گھر ہی میں رہا کرے (گھر سے باہر نہ نکلا کرے' اور اگر وہ محتاج وفقیر ہو (کہ اپنی گزر بسر کے لئے لوگوں کے پاس آنے جانے پر مجبور ہو) تو بیت المال (سرکاری خزانہ) سے اس کے لئے بقدر کفایت وظیفہ مقرر کر دے (تاکہ وہ گزر اوقات کر سکے اور اس کی تکلیف سے لوگوں کو بچائے' چونکہ اس شخص کا ضرر اس پیاز اور لہسن سے بڑھ کر ہے کہ جس کو نبی کریم ﷺ نے مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے' تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دے' اور ایسے شخص کا ضرر جزامی کے ضرر سے بھی بڑھ کر ہے کہ جس کو حضرت عمرؓ اور ان کے بعد خلفاء نے روک دیا تھا' لوگوں کے لئے احتیاط کے پیش نظر اور اس کا ضرر ان موذی مویشوں سے بڑھ کر ہے کہ جن کے بارے میں علاقہ بدر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو ایسی جگہ چھوڑا جائے جہاں ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ لہٰذا اس کے بارے میں احتیاط لازم ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس قائل نے بیان کیا' بالکل صحیح متعین ہے۔ اس کے برعکس کی تصریح سے معروف نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۴۵۶۳ : وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَفِي رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ تَوَضَّالَهٗ فَتَوَضَّاَلَهٗ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/٣٤٥ الحدیث رقم ٢٠٥٨، والنسائی فی ٨/٢٧١ الحدیث رقم ٥٤٩٤، وابن ماجه فی ٢/١١٦١ الحدیث رقم ٣٥١١۔

اور امام مالک سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ بلاشبہ نظر حق ہے تم اس کے لئے وضو کرو، وضو کرو۔

اور امام مالکؒ کی ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ٹوکنے والے سے فرمایا کہ "نظر برحق" ہے تم نظر زدہ کے لئے وضو کرو چنانچہ اس نے نظر زدہ کے لئے وضو کیا"۔

تو ضالہ: ایک نسخہ میں "فتوضالہ" ہے۔

معوذتین کی فضیلت

۴۵۶۴ :وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ إِلْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَآنِّ وَعَیْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰی نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَبِهِمَاوَتَرَكَ مَاسِوَاهُمَا۔

(رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث حسن غريب)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٣٣٣ الحديث رقم ٥١٠٧۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تو جنات اور انس کی نظر بد سے پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ معوذات یعنی سورۃ الناس والعلق نازل ہوئیں جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو اس کے ذریعہ پناہ مانگنے لگے اور اس کے علاوہ کو ترک کر دیا۔ یہ ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی اور ترمذی نے اسے حسن غریب کہا۔

تشریح: یتعوذ من الجان: یعنی دعاؤں اور از کار کے ذریعہ جنات سے اور انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے اور جب معوذات نازل ہوئیں تو اکثر و بیشتر انہی کے ذریعہ پناہ مانگتے۔ مثلاً یوں دعا مانگے تھے: **أعوذ بالله من الجان۔** المغرب میں لکھا ہے کہ "**الجان ابو الجن**" اور چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں

المعوذتان: واؤ کے کسرہ نیز فتحہ کے ساتھ۔

تخریج و توضیح: اس حدیث کو ضیاءؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

قوله: وقال الترمذی هذا حديث غريب: ملا علی قاریؒ کے نسخہ میں "حسن" موجود نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اور ایک صحیح نسخہ میں حدیث حسن غریب ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عقبہ بن عامر سے مرفوعاً مروی ہے: **ما سأل سائل ولا استعاذ مستعيذ بمثلهما.** مطلب یہ ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں، بلکہ یہ سب تعویذوں سے افضل تعویذ ہے اور انہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا:

"**اقرأ بهما كلما نمت وكلما قمت**".

مغربون یا شیاطین کے چیلے

۴۵۶۵ :وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رُؤِیَ فِیْكُمُ الْمُغَرِّبُوْنَ قُلْتُ وَمَا الْمُغَرِّبُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ یَشْتَرِکُوْنَ فِیْهِمُ الْجِنَّ۔

(رواه ابوداود وذكر حديث بن عباس خير ماتداويتم فی باب الترجل)

أخرجه الترمذی فی ٤/٣٤٢ الحديث رقم ٢٠٥٣۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کیا تم کو (انسانوں) میں

مغربون دکھائی دیتے ہیں؟ میں نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مغربون وہ لوگ ہیں جس کے ساتھ جنات یعنی شیاطین شریک ہوتے ہیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے اور ابن عباسؓ کی روایت باب الترجل میں گذری ہے۔

تشریح: **هل روئ فيكم:** سے مراد جنس انسانی ہے، کلام میں تغلیب ہے، کہ مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے اور خطاب علی الغیبۃ ہے، جیسے اس آیت میں: ﴿**يذرؤكم فيه**﴾[الشورى: ١١]

ذوی العقول مخاطبین کو غائب "أنعام" پر غلبہ دیتے ہوئے (یذرؤکم) ذکر فرمایا، سوال برائے توقیف وتنبیہ ہے اور "هل"، بمعنٰی "قد" ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**هل أتى على الانسان**﴾[الانسان: ١]

المغربون: راء کی تشدید کے ساتھ بمعنٰی " **المبعدون**".

"**قلت وما المغربون**": چونکہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے مجمل تھا اس لئے سوال کرنے کی نوبت آئی۔ یہ سوال اس صفت "تعریب" کے بارے میں تھا' اسی وجہ سے "**ومن المغربون**" نہیں کہا۔

فقال: الذين يشترك فيهم الجن: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت خدا کا ذکر نہ کرے یعنی یہ دعا نہ پڑھے: **بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا** تو اس پر شیطان اثر انداز ہوتا ہے۔ شیطان اپنا آلہ تناسل مرد کے آلہ تناسل پر لپیٹ لیتا ہے اور اس کے ساتھ عورت سے جماع کرتا ہے۔ اس طرح شیطان اس شخص کے نطفہ اور اس کی ہونے والی اولاد میں شریک ہوجاتا ہے جیسا کہ قرآن میں بھی فرمایا گیا ہے۔

﴿**وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ**﴾ اس سے معلوم ہوا کہ مغربون کے معنی ہیں وہ لوگ جو جماع کے وقت ذکر خداوندی سے روگردانی کرتے ہیں اور اپنے نفس کو ذکر حق سے روکتے ہیں۔ یا وہ جماع کے وقت ذکر خداوندی سے غفلت اختیار کر کے اور گویا وظیفہ زوجیت میں شیطان کو اپنا شریک بنا کر اپنی پیدا ہونے والی اولاد کو اپنی جنس سے دور کر دیتے ہیں اور اپنی نسل اور اپنے نسب میں اجنبی خون شامل کر دیتے ہیں۔ لہٰذا جماع کا وقت چونکہ سرشاری اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لئے اس موقع پر احتیاط وہوشیاری اختیار کر کے مذکورہ دعا پڑھنے سے چوکنا ہونا چاہئے تا کہ اس بلا وفتنہ سے محفوظ رہے۔

صاحب "مظاہر حق" لکھتے ہیں: آج کل ابنائے روزگار (افراد انسانی) جو عام بے راہ روی فتنہ وفساد اور مختلف قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں ان کا سبب اس حدیث کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ لوگوں نے عام طور پر مذکورہ ہدایت کو فراموش کر کے ذکر خداوندی کو ترک کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ پیدا ہونے والی نسل پوری طرح شیطانی اثرات لئے ہوئے دنیا میں آتی ہے۔ (انتھی)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ان دونوں کو زنا (گناہ) کی طرف راغب کرتا ہے اور ان کی نظر میں بدکاری کو اچھے سے اچھے روپ میں پیش کرتا ہے۔ جس کی بناء پر وہ اس برائی میں مبتلا ہو کر نالائق اور غیر صالح اولاد کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں

یا شیطان ان لوگوں کی عورتوں اور بیویوں کو زنا کی طرف مائل کرتا ہے اور ان کو غیر مردوں کے ساتھ ملوث کراتا ہے۔ اس کے نتیجے میں نالائق اولاد پیدا ہوتی ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جس شخص کا قرین (ساتھی) جن ہوگا وہ اس کی

طرح طرح کی خبریں اور مختلف قسم کی کہانتوں کا القاء کرتا ہے۔

الفصل الثالث:

بدن کا حوض

۴۵۶۶ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِعْدَةُ حَوْضُ الْبُدْنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَیْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَّتِ وَاِذَافَسَدَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسَّقِمِ۔

أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ٥/٦٦ الحدیث رقم ٥٧٩٦۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور اس کی طرف آنے والی رگیں اس گھاٹ پر آنے والے کی طرح ہیں جب معدہ درست ہوتا ہے تو یہ رگیں صحت (بخش مواد) کے ساتھ وہاں سے لوٹتی ہیں (جس سے بدن کو صحت حاصل ہوتی ہے) اور جب معدہ بگڑا ہوا ہوتو یہ رگیں بیماری کے ساتھ لوٹتی ہیں۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: المعدة حوض البدن: میم کے فتحہ اور عین کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ' اور نسخہ میں میم کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ' وهی مقر الطعام و الشرب۔ (طعام وشراب کی جائے قرار' آنتوں میں پہنچنے سے پہلے کھانا ہضم ہونے کی جگہ)

المعدة: قاموس میں لکھتے ہیں: **المعدة ككلمة، وبالكسر موضع الطعام قبل نحداره الى الأمعاء۔ وهو لنا بمنزلة الكرش لأظلاف و الأخفاف.**

السقم: سین اور قاف دونوں کے فتحہ' سین کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ **أى المرض و الألم.** امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ نبی کریم صلوات اللہ وسلام علیہ نے معدہ کو حوض سے، جسم کو درخت سے، معدہ کی رگوں کو' درختوں کی ان جڑوں سے تشبیہ دی جو حوض میں اتری ہوئی ہوں' اور حوض کا پانی اپنے اندر جذب کر کے درخت کی ٹہنیوں' شاخوں اور پتوں کو پہنچا رہی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ بدن انسانی اور اس کے معدہ کے درمیان وہی نسبت ہے جو پانی کے تالاب اور درخت کے درمیان ہے جس طرح کسی تالاب کے کنارے یا پانی میں کھڑا ہوا درخت اپنے رگ وریشہ کے ذریعے پانی سے رطوبات حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ اگر پانی صاف وشیریں ہوتا ہے تو درخت کی تازگی اور نشوونما کا سبب بنتا ہے اور اگر پانی گدلا اور کھاری ہوتا ہے تو وہ درخت کی پژمردگی اور خشکی کا باعث بن جاتا ہے اور یہی حکم وتعلق بدن کا معدہ کے ساتھ ہے۔

امام طیبیؒ نے اس کو قواعد طب پر منطبق کیا ہے۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ حدیث کو طب نبوی پر محمول کیا جائے اس صورت میں مذکورہ بالا ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوگا کہ ~~کہ اصحاب کے~~ اقوال وافعال کردار' آداب اخلاق واطوار اس کے غذا وخوراک کے

مطابق ہوتے ہیں اگر کسی شخص کے پیٹ میں حرام غذا داخل ہوتی ہے تو اس کے اعضاء جسم سے حرام افعال واقوال صادر ہوتے ہیں۔اسی طرح اگر کسی شخص کے پیٹ میں کھانے پینے کی فضول وغیر مناسب چیزیں جاتی ہیں تو اس کے جسم کے ہر چھوٹے بڑے عضو سے فضول ولغو افعال صادر ہوتے ہیں۔ (اس کے برخلاف جس شخص کے پیٹ میں حلال و پاک غذائیں جاتی ہیں اس کے اعضائے جسم سے صالح افعال صادر ہوتے ہیں۔) گویا انسان کی غذا اس کے افعال کا تخم ہے اور افعال بمنزلہ رودگی کے ہے۔ اس کے پیٹ میں جس طرح کی غذا جائے گی ویسے ہی افعال ظاہر ہوں گے۔جیسا کہ کہا گیا ہے: **کل اناء یترشح بما فیه** "یعنی برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے" اللہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المؤمنون: ۵۱] اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **من نبت لحمه من سحت فالنار اولی به**۔اس حدیث (یعنی حدیث باب) کو امام غزالیؒ نے "الاحیاء" میں ذکر کیا ہے۔

بعض محدثینؒ نے اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔عراقی اس کی تخریج میں لکھتے ہیں کہ طبرانی نے اوسط میں اور عقیلی نے الضعفاء میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ **باطل لا اصل له** یعنی یہ حدیث باطل ہے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔اھ۔(حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں محل نظر ہے۔) اور شاید کہ اس کی طرف بطلان کی نسبت مسند عقیلی کے اعتبار سے کی ہے ورنہ تو تعدد طرق کے سبب اور طبرانی اور بیہقی کی روایت کی بناء پر اس کو تقویت حاصل ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اور ابن جوزی نے بھی روایت کیا ہے اور اس بناء پر اس حدیث کو حسن یا ضعیف کہا جا سکتا ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بچھو پہ خدا کی مار ہو

۴۵۶۷: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهٗ اَوْنَبِيًّا وَغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رواهما البيهقي في شعب الايمان)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ۲/۵۱۸ الحديث رقم ۲۵۷۵۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات جناب رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے جب آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو بچھو نے (ہاتھ پر) ڈس لیا۔آپ ﷺ نے جوتے سے اسے مار ڈالا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا بچھو پر خدا کی لعنت ہو یہ نمازی اور غیر نمازی کسی کو بھی نہیں چھوڑتا یا اس طرح فرمایا کہ یہ نبی اور غیر نبی کسی کو بھی نہیں چھوڑتا۔پھر آپ ﷺ نے نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور اسے انگلی کے اس متاثرہ حصہ پر ڈالتے جاتے تھے جہاں بچھو نے ڈنگ مارا تھا اور ساتھ ساتھ انگلی کو ملتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ معوذتین بھی پڑھتے جاتے تھے۔اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

تشریح: بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....:

"فوضع یدہ علی الارض": امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ "بینا" کا جواب ہے۔ یہ جملہ ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں "بینا" اور "بینما" دونوں ظرف ہیں' شرط کے معنیٰ کو متضمن ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے جواب کا تقاضا کرتے ہیں' اس پر تفصیلی کلام "کتاب الایمان" کے شروع میں گذر چکا ہے۔

قولہ: فنا ولھا ﷺ بنعلہ فقتلھا: ایک حدیث میں آتا ہے: اذا وجد أحد کم عقربا وھو یصلی فلیقتلھا بنعلہ الیسری ۔قولہ: ماتدع مصلیا ولاغیرہ: یعنی بچھو کسی بھی شخص کو نہیں چھوڑتا' خواہ کوئی نماز میں ہو' یا غیر نماز میں ہو' خواہ وہ شخص نبی وولی ہو یا غیر نبی ہو' اس کو ڈس کر تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہ جملہ اس کے مستحق لعنت ہونے کی علت کا بیان ہے۔

أو نبیا وغیرہ: راوی کو شک ہے۔ لیکن الجامع میں بروایت ابن ماجہ حضرت عائشہ سے منقول ہے: "لعن اللہ العقرب ما تدع المصلی وغیر المصلی، اقتلوھا فی الحل والحرم"۔

روایات باب: امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں نقل کی ہے: "لعن اللہ العقرب ما تدع نبیا ولا غیرہ الا لدغتھم"۔ امام طبرانیؒ الصغیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: "قال: لدغت النبی ﷺ عقرب وھو یصلی، فلما فرغ قال: لعن اللہ العقرب لا تدع مصلیا ولا غیرہ. ثم دعا بماء وملح فجعل یمسح علیھا ویقرأ: ﴿قل یا أیھا الکافرون﴾ و ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾ و ﴿قل أعوذ برب الناس﴾ اس روایت کو امام جزریؒ "حصن" میں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: أنہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرقی اللدیغ بالفاتحۃ. اس حدیث کو اصحاب صحاح نے ابوسعید سے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے "سبع مرات" کا اضافہ نقل کیا ہے۔

مُوئے مبارک کی برکات

۴۵۶۸ :وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَوْھَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِیْ اَھْلِیْ اِلٰی اُمِّ سَلَمَۃَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَکَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَیْنٌ اَوْشَیْءٌ بَعَثَ اِلَیْھَا مِخْضَبَۃً فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ کَانَتْ تُمْسِکُہٗ فِیْ جُلْجُلٍ مِنْ فِضَّۃٍ فَخَضْخَضَتْہُ لَہٗ فَشَرِبَ مِنْہُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِی الْجُلْجُلِ فَرَاَیْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرَآءَ ۔

أخرجہ البخاری فی ۱۰/۳۵۲ الحدیث رقم ۵۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عبداللہ موھب روایت کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے پانی کا ایک پیالہ دیکر مجھے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجا۔ معمول یہ چلا آرہا تھا کہ جب کسی کو نظر لگ جاتی یا وہ اور کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا تو ام سلمہؓ کے ہاں پانی کا ایک پیالہ بھیجا جاتا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک نکالتیں جو اس کے چاندی کی ایک نلکی میں رکھا ہوتا تھا۔ وہ اس موئے مبارک کو پانی میں ڈال کر ہلا دیتیں پھر مریض وہ پانی استعمال کر لیتا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو شفایاب کر دیتا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے جب چاندی کے اس نلکی کو جھانکا تو اس میں مجھے کئی سرخ بال نظر

آئے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: ''وكان ذا أصاب'' ....: کان کی ضمیر، ضمیر شان ہے اور یہ جملہ معترضہ حالیہ ہے۔

مخضبه: بکسر میم وفتح ضاد معجمة۔ مابعد کی طرف مضاف ہے۔ کہا گیا ہے، کہ کپڑے دھونے کے ''ٹب'' کو کہتے ہیں اور صحاح کے بیان کے مطابق ''مرکن'' (ٹب، لگن) کو کہتے ہیں۔

من شعر رسول الله ﷺ: یہ ''من'' تبعیضیہ ہے: **أی بعض شعره. تمسكه:** یہ جملہ بھی معترضہ حالیہ ہے۔

جلجل: دونوں جیم مضموم ہیں۔ **ای فی حقة** (چھوٹا سا برتن)۔ مقدمہ میں لکھا ہے کہ لفظ ''جلجل'' کی تفسیر نہ صاحب مشارق ومطالع نے کی ہے اور نہ صاحب نہایہ نے۔

نخضخضت: اس کی تمام حروف نکتہ دار ہیں۔: بروزن **دحرجته، خضخضة** سے ماخوذ ہے۔ اس جملہ کا عطف ''**فأخرجت**'' پر ہے۔

قال: **فاطلعت:** طاء مشدد ہے۔ اس کا عطف ''**أرسلنی**'' پر ہے اور ''**قال**'' کا اعادہ اس لئے کیا کہ درمیان میں کئی جملہ معترضہ آگئے ہیں۔ اس جملہ کو لانے کی غرض یہ بتلانا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے موئے اقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ امام طیبیؒ نے عجیب سی بات لکھی ہے کہ ''**فاطلعت**'' کا عطف کلام مقدر پر ہے، جس پر ''**وكان اذا أصاب الانسان**'' الخ دلالت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

قوله: وكانت تمسكه فی جلجل طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر چاندی کا استعمال موئے مبارک کی تعظیم وتوقیر کے طور پر تھا۔ جیسا کہ کعبہ پر ریشمی کپڑا کا غلاف ڈالا جاتا ہے۔

قوله: فرايت شعرات حمراء: ہوسکتا ہے کہ موئے مبارک خلقی طور پر سرخ ہی تھے۔ یا تھے تو بھورے مگر دیکھنے میں سرخ معلوم ہوتے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر مہندی کا خضاب ہوگا جس کی وجہ سے وہ سرخ تھے یا چونکہ ان کو خوشبوؤں میں رکھا جاتا تھا اس لئے خوشبوؤں کی وجہ سے ان کا رنگ تبدیل ہوگیا تھا اور سرخ نظر آنے لگے۔

کھنبی من کی قسم ہے

۴۵۶۹ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ نَاساً مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ جُدَرِيُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَآءُ هَاشِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِیَ شِفَآءٌ مِنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاَخَذْتُ ثَلٰثَةَ اَكْمُوْءٍ اَوْخَمْساً اَوْ سَبْعاً فَعَصَرْ تُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَاءَ هُنَّ فِیْ قَارُوْرَةٍ وَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِیْ عَمْشَاءَ فَبَرَاَتْ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن)

أخرجه الترمذی فی السنن ۳۵۱/٤ الحديث رقم ۱۲۰٦۸ وابن ماجه فی السنن ۱۱٤۳/۲ الحديث رقم ۳٤۵۵، وأحمد فی المسند ۵۱۱/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے بعض حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کھنبی زمین کی چیچک ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ من کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے باعث شفاء ہے اور عجوہ (عمدہ قسم کی کھجور) زہر کے لئے شفاء ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر میں نے تین، پانچ یا سات کھنبیاں لے کر ان کو نچوڑا اور ان کے پانی کو شیشے کی ایک بوتل میں ڈال لیا۔ پھر میں یہ پانی اپنی ایک چندھیا آنکھوں والی لونڈی کی آنکھوں میں ڈالنے لگا تو وہ صحت یاب ہوگئی۔ ترمذی نے نقل کر کے اسے حسن قرار دیا ہے۔

تشریح: **الکمأۃ**: کاف کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ

جدری: بضم جیم و فتح دال و کسر راء و تشدید یاء۔ القاموس میں لکھا ہے: **الجدری بضم الجیم وفتحها القروح فی البدن تنفط وتقیح۔**

صاحب نہایہ لکھتے ہیں: کھنبی کو چیچک کے ساتھ تشبیہ دی، چیچک اصل میں ایک دانہ ہے جو بچہ کے جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور کھنبی زمین کے پیٹ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وجہ مشترک ''ظہور'' ہے، اس تشبیہ سے سائل کی مراد کھنبی کی مذمت کرنا تھی۔

قولہ: الکمأۃ من المن:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں جس طرح چیچک کے دانے دراصل جسم میں پیدا ہو جانے والے ناقص فضلات ہوتے ہیں جو جلد میں سے باہر نکل آتے ہیں اسی طرح یہ کھنبی بھی زمین کا فضلہ ہے۔ جو زمین سے باہر نکل آئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات گویا کھنبی کی مذمت کے طور پر کہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خیالات کو رد کرنے کے لئے کھنبی کی فضیلت و تعریف اور اس کی منفعت بیان فرمائی۔

کھنبی 'من' کی قسم سے ہے یعنی یہ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو بطور احسان عطا فرمائی ہے۔ (اس کو حاصل کرنے کے لئے نہ زمین کو کھودنے بونے کی مشقت کرنا پڑتی ہے بلکہ یہ خود بخود زمین کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں کے کھانے اور پیٹ بھرنے کی ضرورت پوری کرتی ہے۔)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کے ذریعے اس من کے ساتھ مشابہت دی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر اتری تھی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر ان کی محنت کے بغیر من اترتی تھی اسی طرح یہ کھنبی بھی محنت و مشقت تخم ریزی کے بغیر اترتی تھی۔ اھ۔ یہ قول زیادہ واضح ہے کیونکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے: **الکمأۃ من المن والمن من الجنۃ۔ الکمأۃ** من کی قسم سے ہے اور من جنت کی نعمتوں میں سے ہے۔ **قولہ: ماؤ ھا شفاء للعین:** اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے اس کے بارے میں امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک محض کھنبی کا پانی آنکھ کو شفاء بخشتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا پانی اس صورت میں شفاء دیتا ہے جبکہ اس میں آنکھ کے امراض کے مطابق دوسری دوا بھی ملائی جائے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر آنکھ کو گرمی سے ٹھنڈک پہنچانا مقصود ہو تو صرف اس کا پانی بھی مفید ہے ورنہ دوسری صورتوں میں اس کے پانی کو دوسری دواؤں میں ملا کر آنکھ میں ڈالا جاتا ہے۔ صحیح بات بلکہ صواب ہے کہ ہر صورت میں (آنکھ خواہ گرمی کی وجہ سے دکھتی ہو یا کسی اور وجہ سے محض) اس کا پانی شفا بخش ہے۔ آن کی

بینائی بالکل جاتی رہی تھی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی پر مکمل اعتقاد رکھتے ہوئے متبرک جانتے ہوئے اپنی آنکھوں میں محض کھنبی کا پانی ڈالنا شروع کیا۔ چنانچہ اللہ نے ان کے حسن اعتقاد اور آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی کی برکت کی بناء پر ان کی آنکھوں کو شفاء کامل عطا فرمائی۔

قوله: العجوة من الجنة:

العجوة: کھجور کی ایک قسم ہے۔ قاموس میں لکھتے ہیں: **العجوه بالحجاز التمر المحشي وتمر بالمدينة.**

"**العجوة من الجنة**": اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

① **عجوه** کھجور جنت کے موجودہ پھلوں میں سے ہے۔

② **عجوه** کھجور اپنے اصل مادہ کے اعتبار سے جنت سے مأخوذ ہے سین پر تینوں حرکات درست ہیں' فتحہ زیادہ مشہور ہے' اور ضمہ زیادہ مستعمل ہے امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **العجوة من الجنة، على سبيل الاستطراد** واقع ہوا ہے۔ یعنی اصحاب کے سوال کا جواب ہونے کی نسبت سے ارشاد فرمایا' وگرنہ دونوں کے درمیان مناسبت بالکل واضح ہے۔ ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی بالکل واضح ہے۔ یہ مناسبت اولوالالباب پر مخفی نہیں۔

قوله: وهي شفاء من السم: السم):

اكمأ: ہمزہ کے فتحہ کاف کے سکون' میم کے ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ۔

أو خمسا او سبعا: راوی کو شک ہے۔

عمشاء: أعمش کی تانیث ہے۔ "**عَمَش**" سے ماخوذ ہے۔ آنکھوں کی کمزوری کے ساتھ ساتھ' اکثر اوقات پانی کا بہنا۔ (کذا فی القاموس)

فبرأت: راء کے فتحہ نیز کسرہ کے ساتھ، بمعنیٰ **شفيت.**

قوله: رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن:

واضح رہے کہ اس مکمل حدیث کو تو امام ترمذیؒ ہی نے نقل کیا ہے۔ البتہ اس حدیث کے کچھ مختلف جملے دیگر محدثین نے نقل کئے ہیں۔ چنانچہ: **الكمأة من المن، وماؤها شفاء للعين.** یہ حدیث صحیح ہے، اس کو احمد، شیخین، اور امام ترمذیؒ نے سعید بن زید سے روایت کی ہے۔

اور اسی طرح احمد' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید اور جابر سے' اور ابونعیم نے "الطب" میں ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے۔

ابونعیم کی ایک روایت میں ابوسعید سے مروی ہے: "**الكمأة من المن' والمن من الجنة، وماء ها شفاء للعين**"

اور ابونعیم کی ایک اور روایت میں جو حضرت بریدہؓ سے مروی ہے، یہ الفاظ آئے ہیں: "**العجوة من فاكهة الجنة**".

امام احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے رافع بن عمرو المدینی سے ان الفاظ میں نقل کی ہے: "**العجوة' والصخرة' والشجرة من الجنة**". "**صخره**" سے مراد صخرہ بیت المقدس اور "**شجرة**" سے انگور کی بیل مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ شجرہ سے مراد وہ

درخت ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے، احمد نسائی اور ابن ماجہ نے ابو سعید اور حضرت جابر سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں: "العجوة من الجنة، وفيها شفاء من السم، والكمأة من المن، وماء ها شفاء للعين".

نہار منہ شہد کی تاثیر

۴۵۷۰: وَعَنْهُ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلٰثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِنَ الْبَلَاءِ .

أخرجه ابن ماجه فى السنن ١١٤٢/٢ الحديث رقم ٣٤٥٠' والبيهقى فى شعب الايمان ٩٧/٥ الحديث رقم ٥٩٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہر ماہ تین روز صبح شہد چاٹ لیا تو وہ بڑی مصیبت سے بچا رہے گا۔ یہ بیہقی وابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: لعق: بروزن سمع، بمعنی لحس (چاٹنا)

غدوات: پہلے تینوں حرف فتحہ کے ساتھ ہے۔

فی کل شہر: ابن ماجہ کی روایت میں کل شہر منصوب علی الظرف فیہ وارد ہوا ہے۔

دو شفائیں لازم پکڑو

۴۵۷۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلَ وَالْقُرْاٰنَ۔ (رواهما ابن ماجة والبيهقى فى شعب الايمان وقال الصحيح ان الاخير موقوف على ابن مسعود)

أخرجه ابن ماجه فى السنن ١١٤٢/٢ الحديث رقم ٣٤٥٢' والبيهقى فى شعب الايمان ٥١٩/٢ الحديث رقم ٢٥٨١۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو شفاؤں کو اپنے لئے لازم کرلو: ① شہد۔ ② قرآن۔ ابن ماجہ نے بیہقی سے یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں اور بیہقی نے اسے قول ابن مسعود قرار دیا۔

تشریح: علیکم بالشفائین: ان کا شفاء ہونا حسی ہے یا معنوی ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: ① ان میں سے ایک حسّی شفاء ہے، دوسرا معنوی شفاء ہے۔ ② ان میں سے ایک امراض حسّیہ کیلئے شفاء ہے، دوسرا اعوارض معنویہ کیلئے یا تمام دنیوی و دینی مصائب و بلایا کیلئے شفاء ہے۔

العسل والقرآن: اس میں تین ترکیبی احتمالات ہیں۔

① "بدل" ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ ② دونوں کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ③ منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔

شہد میں شفاء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل:٦٩] اور قرآن کریم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿هُدًى وَّشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ [یونس:٥٧] هُدًى وَّ شِفَاء۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''والعسل والقرآن'' یہ ''شفائین'' کی تقسیم ہے۔ جنس شفاء کی دو قسمیں قرار دیں: ① شفاء حقیقی ② شفاء غیر حقیقی۔ پھر اس کو آگے مزید تقسیم فرمادیا۔ اس کی مثل یہ محاورہ ہے: القلم أحد اللسانين، والخال أحد الأبوين. ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اسی طرح ''المرق أحد اللحمين'' بھی ہے لیکن حقیقی شفاء قرآن ہے' جو شفاء ظاہری و باطنی دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ آیت میں مطلق ذکر فرمایا ہے اور دوسری آیت میں مقید ذکر کرنا اشارہ ہے کہ شفاء باطنی ہی اصل اور اہم ہے۔ چنانچہ اس پر بھرپور توجہ دینی چاہئے، اور اس سے نفع اٹھانا زیادہ اہم ہے۔ امام طیبیؒ کے کلام کا ظاہری سیاق اس کے برعکس کا وہم پیدا کر رہا ہے، ان کا کلام اربابِ عربیت کے تو موافق ہے، اصطلاحات صوفیہ کے موافق نہیں ہے۔ چنانچہ صوفیاء فرماتے ہیں: ﴿الله يتوفى الأنفس﴾ حقیقت ہے اور ﴿يتوفاكم ملك الموت﴾ مجاز ہے۔ واللہ اعلم۔

قوله: قال: الصحيح أن الأخير موقوف على ابن مسعود: الجامع الصغیر میں لکھا ہے کہ آخری حدیث کو ابن ماجہ اور حاکم نے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ بیہقی کی روایت کی دو سندیں ہوں، اور صحیح سند وہ ہو جو موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

ازالۂ زہر کے لئے سر پر سینگی

۴۵۷۲: وَعَنْ اَبِيْ كَبْشَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰى هَامَتِهٖ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَيْرِ سَمٍّ كَذٰلِكَ فِيْ يَاْفُوْخِيْ فَذَهَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّيْ حَتّٰى كُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ فِي الصَّلٰوةِ۔

رواه رزين۔

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے زہر آلود بکری کے گوشت کی وجہ سے سر پر سینگی لگوائی۔ معمر راوی کہتے ہیں کہ بلا زہر میں نے سر پر سینگی لگوائی تو میرے حافظہ کی تیزی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ نماز میں مجھے الحمد شریف میں لقمہ دیا جاتا۔ یہ رزین کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

معمر بن راشد۔ یہ ''معمر'' ہیں۔ ''راشد'' کے بیٹے ہیں۔ کنیت ''ابوعروہ'' اور ازدی ہیں۔ ان کے آزاد کردہ ہیں۔ یمن کے بہت بڑے عالم تھے۔ زہری اور ہمام سے روایت کی اور ان سے ثوری اور ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی۔ عبدالرزاق نے فرمایا کہ میں نے ان سے دس ہزار حدیثیں سنیں۔ ۱۵۳ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی۔

تشریح: هامته: میم مفتوحہ مخففہ کے ساتھ۔ وسط رأس کو کہتے ہیں۔

من الشاة: (''من'' تعلیلیہ ہے) أي من أجل أكلها.

واضح رہے کہ اس زہر کا کچھ اثر اس حجامت کے بعد بھی رہا، چنانچہ ہر سال اس زہر کا اثر اپنا رنگ دکھاتا، حتی کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا: ''الآن انقطع أبهری''.

ہمارے شیخ المشائخ جزریؒ نے حصن میں ذکر کیا ہے کہ یہودیہ کی طرف سے ہدیہ کی جانے والی زہریلی بکرے کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''أن اذکرو اسم الله کلوا فأکلوا، فلم یصب أحدا منهم شیء''. اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ''صحیح الاسناد'' ہے۔ صاحب ''السراج'' نے بھی یوں ہی نقل کیا ہے۔

میرکؒ فرماتے ہیں: مجھے اس میں تأمل ہے چونکہ اصحاب حدیث اور ارباب سیر وتواریخ کے مابین یہی مشہور ہے کہ سوائے بشر بن براء بن معرورؓ کے کسی بھی صحابی نے وہ گوشت نہیں کھایا تھا، حضرت بشرؓ نے صرف ایک لقمہ کھایا تھا، اور اسی کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بکری کو جلا ڈالنے یا مٹی میں دبانے کا حکم صادر فرمایا تھا اور اس میں اختلاف ہے، کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس یہودیہ کو قتل کرڈالا تھا، یا اس کو معاف کردیا تھا اور اصح یہ ہے کہ اپنی ذات کی طرف سے تو درگزر فرمایا تھا۔ البتہ بشر بن براء کے قصاص کی وجہ سے قتل کا حکم فرمایا تھا اور میرا گمان ہے کہ اس روایت میں شدید وہم ہے، یا نکارت ظاہرہ ہے۔ واللہ أعلم۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اگر حاکمؒ کی روایت صحیح ہو تو ممکن ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا ہو۔

قوله: قال معمر: فاحتجمت أنا: ضمیر مرفوع منفصل زیادت تاکید کیلئے لائی گئی ہے۔ حضرت معمر نے کمال اتباع نبی کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ یا ان کا گمان یہ ہوگا کہ بغیر سم کے بھی حجامت نافع ہے۔

ألقن): از باب تفعیل مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

ظاہر سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ کیفیت چندروز کیلئے طاری ہوئی تھی، پھر درست ہوگئی تھی اور اس عارضی کیفیت کا سبب شاید یہ ہوا ہو کہ خون کثیر مقدار میں خارج ہوا ہوگا، یا ''حجامت'' صحیح جگہ نہیں ہوئی ہوگی، یا وقت وزمانہ کا کچھ معاملہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ وگرنہ اس بابت کئی احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ امام طبرانی اور ابونعیم ''الطب'' میں ابن عباس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

''الحجامة فی الرأس شفاء من سبع اذا ما نوی صاحبها: من الجنون، والصداع، والجذام، والبرص، والنعاس، ووجع الضرس، و ظلمة یجدها فی عیینیه''.

دیلمی ''مسند فردوس'' میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: **''الحجامة تنفع من کل داء الا فاحتجموا''**

ابن سعد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: **''الحجامة فی الرأس هی المغنیة، أمرنی بها جبریل حین أکلت طعام الیهودیة''.**

مرتب عرض کرتا ہے کہ اگلی حدیث سے بھی حجامت کا مقید ہونا ثابت ہے۔

نہار مُنہ سینگی زیادہ مفید ہے

۴۵۷۳: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا نَافِعُ يَنْبَغُ بِيَ الدَّمُ فَأْتِنِيْ بِحَجَّامٍ وَاجْعَلْهُ شَابًّا وَلَا تَجْعَلْهُ شَيْخًا وَلَا صَبِيًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجَامَةُ عَلَى الرِّيْقِ اَمْثَلُ وَهِيَ تَزِيْدُ فِي الْعَقْلِ وَتَزِيْدُ فِي الْحِفْظِ وَتَزِيْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ كَانَ مُحْتَجِماً فَيَوْمَ الْخَمِيْسِ عَلٰى اِسْمِ اللّٰهِ وَاجْتَنِبُوْا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ فَاحْتَجِمُوْا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثُّلَثَاءِ وَاجْتَنِبُوْا الْحَجَامَةَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ فَإِنَّهُ يَوْمُ الَّذِيْ اُصِيْبَ بِهٖ اَيُّوْبُ فِي الْبَلَاءِ وَمَا يَبْدُوْا اَجْذَامٌ وَّلَا بَرَصٌ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَآءِ اَوْلَيْلَةِ الْاَرْبِعَآءِ ـ (رواه ابن ماجة)

أخرجه ابن في السنن ۲/ ۱۱۵۳ الحديث رقم ۳۴۸۷ـ

ترجمہ: حضرت نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اے نافع میرے جسم میں خون جوش مار رہا ہے۔ پس تم سینگی لگانے والے کو بلا لاؤ۔ مگر جوان کو لانا۔ کسی بوڑھے یا بچے کو نہ لانا ابن عمرؓ کہنے لگے میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ نہار منہ سینگی لگوانا زیادہ بہتر ہے۔ اس سے عقل میں اضافہ اور حافظے میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پس جو سینگی لگوانا چاہے وہ جمعرات کو سینگی لگوائے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار کو سینگی سے پرہیز کرے پھر سوموار اور منگل کو سینگی لگوائے اور بدھ کے روز سینگی سے پرہیز کرے۔ کیونکہ بدھ کے روز حضرت ایوب علیہ السلام مرض مبتلا ہوئے اور جذام اور برص بدھ کے دن یا بدھ کی رات کو ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

تشریح: ينبع: از باب نصر بمعنی بثور ويغلي۔ قاموس میں لکھا ہے: لنبع الماء ينبع، مثلثة خرج من العين.
امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس میں تشبیہ ہے. أي يغلي الدم في جسدي ينبوع الماء من العين۔ یعنی میرے جسم میں خون اس طرح جوش مار رہا ہے جس طرح چشمہ سے پانی مارتا ہے۔
میرکؒ فرماتے ہیں: درست ضبط "تبيغ" ہے یعنی تائے فوقیہ کے فتحہ' بائے موحدہ یائے تحتیہ مشددہ اور غین معجمہ کے ساتھ اس کی تائید نہایہ کی عبارت سے بھی ہوتی ہے: تبيغ به الدم اذا تردد فيه، ومنه تبيغ الماء، اذا تردد في مجراه ويقال فيه تبوغ بالواو، وقيل انه من المقلوب أي يبغى عليه الدم فيقتله من البغي ومجاوزة الحد، والأول أوجه، ومنه حديث ابن عمر، تبيغ في الدم۔ اھ۔
اس کی تائید قاموس کی عبارت سے بھی ہوتی ہے: البيغ ثوران الدم، وتبيغ عليه الدم هاج وغلب. لیکن اس تمام تحقیق کے باوجود بالجزم یہ کہنا کہ: هذا صواب و هذا خطأ درست نہیں۔ چونکہ عین ممکن ہے کہ اختلاف روایات ہو، مزید یہ کہ معنیٰ بھی بالکل واضح اور ظاہر ہیں۔ کما تقدم: واللّٰه اعلم
قوله: واجعله شابا: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: واختره "شابا" حال ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر برائے مصدر ہو۔ جیسا کہ یہاں واجعله الوارث منا، "ولا تجعله شيخا" یہ جملہ مفید تاکید ہے، یا یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر جوان نہ ملے تو

درمیانہ آدمی ڈھونڈ کر لاؤ۔ جو نہ بچہ ہو، نہ بوڑھا ہو اور ''ولاصبیا'' کی قید اس وہم کو دور کرنے کے لئے جو ''شابا'' کے اطلاق سے مفہوم ہو رہا ہے۔

فیوم الخمیس: فعل محذوف ہے: **أی فلیختر أو فلیحتجم.**

قوله: واجتنبوا الحجامة یوم الجمعة ویوم السبت ویوم الأحد. یہ حدیث بظاہر مسند فردوس کی اس روایت کے منافی ہے، جو حضرت جابر سے مروی ہے: ''**الحجامة یوم الأحد شفاء**''، لیکن یہ حدیث معضل ہے۔

فاحتجموا: اس فاء کے بارے میں دو احتمال ہیں: ① یہ فاء بمعنی واؤ ہے۔ ② یا تقدیری عبارت یوں ہے: **اذا کان الأمر کذلك فاحتجموا.**

یوم الاثنین ویوم الثلاثاء: ضمنی طور پر معلوم ہونے والے مفہوم کو صراحتاً بیان فرمایا اور شاید کہ جمعرات کا ذکر راوی سے چھوٹ گیا ہے یہ جملہ اگلے کلام کے لئے بطور توطئہ وتمہید ہے۔

واجتنبو الحجامة یوم الأربعاء: اس جملہ میں تنبیہ ہے کہ: **لا عبرة بالمفهوم لا سیمامع المنطوق.** (مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً منطوق کے ہوتے ہوئے)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایوب علیہ السلام کے مرض میں مبتلا ہونے کا سبب بدھ کے دن سینگی لگوانا تھا۔ مفسرین نے دوسرے اسباب بھی ذکر فرمائے ہیں، تو ممکن ہے کہ ان مختلف اسباب میں سے مرض میں ابتلاء کا ایک سبب یہ بھی ہوا ہو اور ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشعار ہو کہ یہ دن اپنے بعض احباء کے لئے وقت عتاب ہے، جیسا کہ بعض اعداء کے لئے وقت عقاب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿**فی یوم نحس مستمر**﴾ اس کی تائید اگلے جملے: **وما یبدوا جذام ولا برص......** سے بھی ہو رہی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث، حدیث کبشہ **ان یوم الثلاثاء یوم الدم وفیه ساعة لایرقأ** کے مخالف معلوم ہوتی ہے بظاہر یعنی حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ کی جو روایات گزری ہیں اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ منگل کے دن بھی سینگی لگوانا نہیں چاہئے لیکن (یہاں پر اس سے برعکس بات معلوم ہوتی ہے کہ بدھ کے دن بھی سینگی لگوا سکتے ہیں۔) ممکن ہے کہ تو اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ منگل جس دن چاند کی سترہ تاریخ ہو اس دن سینگی نہ لگوانا چاہئے جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔ (انتھی) اس جیسی روایات میں تطبیق کی صورت ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ کوڑھ اور جزام کی بیماری بدھ کے دن یا رات میں پیدا ہوتی ہیں تو یہ خاصیت زمانی کی وجہ سے ہے، اس کو خالق ہی جانتا ہے اور ''أو'' برائے تنویع ہے۔ عرض مرتب: اور مظاہر حق میں یوں لکھا ہے: ''یہ قید اکثر کے اعتبار سے ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں''۔

تخریج وتوضیح: الجامع الصغیر میں بروایت ابن ماجہ، حاکم، ابن السنی اور ابو نعیم عن ابن عمر مرفوعاً مروی ہے:

''الحجامة علی الریق أمثل، وفیها شفاء وبرکة، وتزید فی الحفظ وفی العقل، فاحتجموا علی برکة الله یوم الخمیس، واجتنبوا الحجامة یوم الجمعة والسبت ویوم الأحد، واحتجموا یوم الاثنین والثلاثاء، فانه الیوم الذی عافی الله فیه أیوب من البلایا، واجتنبوا الحجامة یوم

الأربعاء، فانه اليوم الذى ابتلى فيه أيوب، وما يبدوا جذام ولا برص الا فى يوم الأربعاء أو ليلة الأربعاء".

سترہ تاریخ منگل کو سینگی کا اثر

۴۵۷۴: **وَعَنْ مَعْقَلِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِجَامَةُ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ لِسَبْعٍ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَاءٌ لِدَآءِ السَّنَةِ۔**

(رواه حرب ابن اسماعيل الكرمانى صاحب احمد وليس اسناده بذالك هكذا فى المنتقٰى)

ترجمه: حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منگل کے روز سے سترہ تاریخ کو سینگی لگوانا تمام سال کی بیماریوں کا علاج ہے۔اس کو منتقٰی میں ابن جارود سے نقل کیا۔روایت کی سند کمزور ہے۔

تشریح: من الشهر: یہ لام جنسیہ ہے۔بظاہر یہاں مناسب مدت کے فاصلہ کی قید ملحوظ ہوگی۔

۴۵۷۵: **وَرَوٰى رَزِيْنٌ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ۔**

راوه رزين۔

رزین سے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

میرکؒ فرماتے ہیں: اس کے الفاظ یوں ہیں: **اذا وافق سبع عشرة يوم الثلاثاء كان دواء للسنة لمن احتجم.** منذریؒ فرماتے ہیں: **هكذا ذكره رزين، ولا أراه فى الأصول التى جمعها والله اعلم.** ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: الجامع الصغیر میں بھی مشکوۃ کی روایت والے الفاظ ہیں البتہ اس میں **داء سنة** تنکیر کے ساتھ ہے اور لکھا ہے کہ اس کو ابن سعد، طبرانی اور ابن عدی نے معقل سے روایت کیا ہے۔منگل کے دن سینگی لگوانے کے بارے میں چونکہ مختلف روایتیں موجود ہیں اس لئے بہتر ہے کہ اس دن سینگی لگوانے سے بچا جائے تاوقتیکہ انتہائی مجبوری نہ ہو۔(واللہ اعلم)

بَابُ الْفَالِ وَالطِّیَرَۃِ

فال نکالنے اور شگون (وغیرہ) کا بیان

''فال''، ہمزہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اکثر استعمال ابدال کے ساتھ ہے۔ نہایہ میں ہے کہ ''الفال'' ہمزہ کے ساتھ' نیک شگون اور بدشگون دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

''الطیرۃ'' طاء کے کسرہ اور یاء کے فتح کے ساتھ اور کبھی یاء کو ساکن کر دیا جاتا ہے، بدشگون میں استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی کھبار نیک شگون کیلئے بھی آتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ 'فال'''طیرۃ'' کی ضد ہے۔ مثلاً جب کوئی آدمی بیمار ہو، اور وہ کسی کو ''یا سالم'' کہتا ہوا سنے یا کوئی تلاش کرنے والا کسی کو ''یا واجد'' کہتے ہوئے سنے، خواہ فال اچھی ہو یا بُری ہو، دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور ''طیرہ'' بدشگون لینے کو کہتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں' کہ قاموس سے معلوم ہوا کہ ''فال'' خیر کے ساتھ مختص ہے' اور کبھی کھبار اس کا استعمال شر میں بھی ہوتا ہے، اور ''طیرہ'' کا استعمال صرف شر میں ہوتا ہے۔ تو اصل وضع میں یہ دونوں ضد ہیں اور نہایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''فال'' اصل وضع میں ''طیرہ'' سے عام ہے، اور بعض استعمالات میں مترادف ہیں، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''طیرہ'' فال سے زیادہ عام ہے۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث ہے: **''لا طیرۃ و خیرھا الفأل''** اور اس کے عموم پر اس کا ماٰخذ اشتقاق بھی دلالت کرر ہا ہے، کہ **''الطیرۃ''** **تطیر** کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: **''تطیر طیرۃ'' ''تخیر خیرۃ''** کی طرح اور ان دونوں کے علاوہ مصادر اس طرز پر نہیں آتے۔

اس کی اصل وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عرب کام کے ارادہ کرنے کے وقت پرندے یا ہرن کو برانگیختہ کرتے اور پھر ان کے بائیں یا دائیں جانب جانے سے اچھا، یا بُرا شگون لیتے۔ یہ کام ان کو ان کے مقاصد سے روک دیتا تھا۔ تو شریعت نے اس کی نفی کر دی، اور اس کو باطل قرار دیا، اور اس سے منع فرمایا اور بتایا کہ جلب منفعت اور دفع مضرت میں اس کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

شارح کہتے ہیں کہ '' طیرہ'' پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اور '' طیرہ'' کا مطلب ہے پرندوں سے فال لینا اور بدشگون لینا اور اس بارے میں وہ کبھی اسماء کا اعتبار کرتے' کبھی آوازوں کا اور کبھی بائیں اور دائیں طرف جانے کا۔ وہ پرندوں کو ان جگہوں سے اسی کیلئے برانگیختہ کرتے تھے۔ ''البارح'' اس شکار کو کہتے ہیں جو آپ کے دائیں طرف سے بائیں طرف چلا جائے اور ''السانح'' اس کا برعکس ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''فال'' اور ''طیرہ'' میں فرق حضرت انسؓ کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے: قال: **''لا عدوٰی ولا طیرۃ ویعجبنی الفأل'' قالوا: وما الفأل؟ قال: ''کلمۃ طیبۃ''**۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: کہ بہترین بات ارشاد فرمائی' کہ پہلے ''طیرہ'' کی عام نفی کی ہے، اور پھر اس کی انواع میں سے ایک خاص فرد یعنی کلمہ طیبہ کو اختیار و پسند کیا ہے۔

الفصل الاول:

بدشگونی سے بچو

۴۵۷۶: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طِيَرَةَ خَيْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۱۲/۱۰ الحدیث رقم ۵۷۵٤، ومسلم فی ۱۷٤٥/٤ الحدیث رقم (۱۱۰-۲۲۲۳)، وأحمد فی المسند ۲٦٦/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ میں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بدشگونی کوئی چیز نہیں اس سے بہتر تو اچھی فال ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا فال کیا چیز ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد وہ اچھا کلمہ ہے جو آدمی سنے (اور مقصود پانے کی تمنا کرے)۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: **لا طيرة 'خيرها الفال:** أی خير انواع الطيرة' اور یہاں طیرہ کے وہ لغوی معنی مراد ہیں جو ماخوذ اصلی سے بھی اعم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شگون کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ''طیرہ'' کی بہترین قسم نیک شگون لینا ہے یعنی اچھے کلمے سے فال لینا۔ یہ ''طیر'' سے ماخوذ نہیں ہے اور شاید کہ شارح نے اسی اشکال کو رفع کے لئے یوں کہا ہے: ''ای الفال خير من الطيرة'' (انتهی) جس کا مطلب ہے کہ فال محض خیر ہے، جیسا کہ طیرہ محض شر ہے۔ پس یہ ترکیب ''العسل احلی من الخل'' اور ''الشتاء ابرد من الصيف'' کے قبیل سے ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''خيرها'' کی ضمیر ''الطيرة'' کی طرف راجع ہے اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ ''طیرہ'' میں کوئی خیر نہیں ہے۔ تو یہ اس آیت: ﴿اصحاب الجنة يومئذ خير مستقرًا﴾[الفرقان:٦٤] کی طرح ہے۔ یا یہ عرب کے گمان پر مبنی ہے۔ یا یہ ''الصيف احر من الشتاء'' کے قبیل سے ہے۔ یعنی فال اپنے باب میں زیادہ بلیغ ہے، طیرہ کے اپنے باب میں ہونے سے۔

قوله: **وما الفال؟ الكلمة الصالحة:** یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ ان کے دلوں میں طیرہ کا مفہوم عام تھا، جو کہ بدشگون اور فال دونوں کو شامل تھا۔ جو ان میں متعارف تھا۔ تو آپ نے بتایا کہ یہ ایک خاص قسم ہے جو عرف عام سے خارج ہے اور خواص الانام کے ہاں معتبر ہے اور وہ اچھا کلمہ ہے کہ اس سے اچھی فال لی جائے۔ جیسے گمشدہ چیز کو تلاش کرنے والا ''يا واجد'' تاجر ''یا رازق'' سفر کرنے والا ''يا سالم'' اپنی ضرورت سے نکلنے والا شخص ''يا نجيح'' مجاہد ''یا منصور'' حج کرنے والا ''يا مبرور'' اور زیارت کرنے والا ''يا مقبول'' سنے اور اسی طرح کے دیگر الفاظ۔ یہ جملہ مستانفہ مبینہ ہے یا حالیہ ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ فال کی اجازت اور ''طیرہ'' سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے وہ چیز اس کو اس کی حاجت کی طلب پر ابھارے تو وہ شخص وہ کام کرے اور جب وہ اس کے بعد بدشگون دیکھے اور وہ اس کو اس کے کام سے روکے، تو اس کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے کام کو جاری رکھے۔ پس جب اس نے اس کو قبول کرلیا اور کام سے منع ہو گیا،

تو یہ "طیرہ" ہے۔ کیونکہ "طیرہ" کا استعمال بدشگونی کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿انا تطیرنا بکم﴾ أی تشاء منا فرمایا: ﴿طائر کم معکم﴾ [یٰس:۔١٩] ای بسبب شؤمکم۔

بدفالی وہامہ بے حقیقت ہے

۴۵۷۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَّةَ وَلَا صَفَرَ وَفَرِّ مِنَ الْمَجْزُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/١٥٨ الحديث رقم ٥٧٠٧، وأحمد فی المسند ٢/٤٤٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیماری میں تعدیہ بدشگونی، ہامہ اور صفر اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ البتہ کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

تشریح: قوله: عدوٰی: عین کے فتحہ، دال کے سکون اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ قاموس میں اس کا معنیٰ "فساد" لکھا ہے۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عدوٰی" سے مراد یہاں بیماری کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: "اعدی فلان من فلان من خلقه او من غرته"۔

قوله: ولا طیرة: نفی بمعنیٰ نہی کے ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی: ﴿لا ریب فيه﴾ [البقرة:٢] میں ایک توجیہ یہی ہے۔

قوله: ولا هامة): اصول معتمدہ اور تصحیح شدہ نسخوں میں تخفیف میم کے ساتھ ہے

فر): فاء کے کسرہ اور راء مشددہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور راء پر کسرہ بھی جائز ہے، یعنی مبالغہ کی حد تک اجتناب واحتراز کرو مجزوم سے

المجذوم: جلد پھٹنے اور گوشت گرنے کو کہتے ہیں۔ "جذام": جیم کے ضمہ کے ساتھ گرنے کو کہتے ہیں، اور فعل اس سے "جذم" مبنی للمفعول آتا ہے۔

(لا عدوٰی): علماء نے لکھا ہے کہ یہ سرایت سات بیماریوں میں ہوتی ہے:

① جذام۔ ② جرب (خارش)۔ ③ جدری (چیچک۔ ④ حصبہ (آبلے)۔ ⑤ کور (گندہ دھنی)۔ ⑥ رمد۔ ⑦ وبائی امراض۔

حدیث کے مطلب میں علماء کا اختلاف ہے۔

① بعض کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب بیماریوں کے منتقل ہونے کی نفی اور ابطال ہے، جیسا کہ حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کررہا ہے۔ علماء کی اکثریت کی یہی رائے ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے ابطال مراد نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: فر من المجذوم فرارك من الأسد

وقال لا یوردن ذو عاھة علی مصح تم جذامی سے اس طرح بھاگو، جس طرح شیر سے بھاگتے ہو' اور فرمایا کہ بیمار اونٹوں کو تندرست اونٹوں کے پاس نہ لیکر جاؤ۔ اس حدیث سے آپ کی مراد اصحاب طبیعہ کے اعتقاد کی نفی ہے، کہ وہ سرایت کرنے والی بیماریوں کو لامحالہ مؤثر مانتے تھے تو آپ نے اس خیال کو باطل قرار دیا اور ان کو بتا دیا کہ حقیقت یہ نہیں ہے، جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اس کا تعلق اللہ کی مشیت پر منحصر ہے، اگر وہ چاہے تو ہوتا ہے، نہیں چاہتا تو نہیں ہوتا۔ اسی معنیٰ کی طرف آپ کے اس قول میں اشارہ ہے: "**فمن اعدی الاول**" پہلے کو کس نے بیمار کیا؟ یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ بیماری کا سبب صرف بیماری کا منتقل ہونا ہی ہے تو پھر پہلے والے کو کس نے بیمار کیا؟ اور "**فر من المجذوم**" اور "**لا یوردن ذو عاھة علی مصح**" سے بیان کر دیا کہ ان بیماریوں میں مبتلا کے قریب رہنا بھی کبھی بیماری کا سبب بن جاتا ہے۔ پس اس سے بچا جائے جیسا کہ وہ دیوار جو گرنے کے قریب ہو یا وہ کشتی جو خراب ہو اس سے بچا جاتا ہے۔

فریق اول نے فریق ثانی پر مذکورہ دونوں حدیثوں سے استدلال کرنے پر ردّ کیا ہے۔ کہ ان دونوں حدیثوں میں جو ممانعت ہے، وہ اس ڈر سے ہے کہ کہیں اس آدمی کو خود بیماری لاحق ہو جائے یا اس کے اونٹوں کو بیماری لگ جائے، تو یہ سمجھے گا کہ عدویٰ یعنی بیماریوں کا سرایت کرنا حق ہے۔ (حالانکہ یہ عقیدہ غلط ہے۔)

یہ تاویل حافظ عسقلانیؒ نے شرح نخبہ میں اختیار کی ہے اور میں نے شرح نخبہ کی شرح میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تاویل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے، کہ حضور نے بیعت کے وقت جذام والے آدمی سے اجتناب کیا، اور یہ بھی کہ منصب نبوت سے یہ بات بعید ہے، کہ وہ جو بیماریوں کے سرایت کرنے کے گمان کو ختم کرنے کیلئے ایسا کلام کرے کہ جس میں سرایت کرنے کا گمان پیدا ہو۔ کیونکہ اجتناب کرنے کا حکم زیادہ واضح ہے' بہ نسبت اس بات کا دروازہ کھولنے کے کہ سرایت کرنے کو بالطبع تاثیر حاصل ہے۔

پس بہر تقدیر حدیث بیماریوں کے سرایت کرنے کی بالکل نفی نہیں کرتی واللہ اعلم۔

شیخ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں تاویلات میں سے دوسری تاویل میرے نزدیک زیادہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس سے احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے بھی اولیٰ ہے، کہ فریق اول کا قول اصول طبیہ کو معطل کر دیتا ہے، اور شریعت میں اصول طبیہ کا معطل ہونا منقول نہیں ہے بلکہ ان کا اثبات منقول ہے، اور اس کا معتبر ہونا اس طریقے پر جو ہم نے ذکر کیا، منقول ہے۔

باقی انہوں نے جو قرائن منسوقہ سے استدلال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پایا کہ شارع نے ممانعت میں ان چیزوں کو جمع کر دیا ہے' جو حرام ہیں، اور وہ جو مکروہ ہیں، اور وہ جو ایک وجہ سے ممنوع ہے، اور وہ جو کئی وجوہ سے ممنوع ہے اور اس پر کی صحت پر وہ روایت دلالت کر رہی ہے، جو ہم نے ذکر کی کہ آپ نے بیعت کے وقت مجذوم سے فرمایا تھا: "**قد بایعناك فارجع**" ہم آپ سے بیعت لے چکے ہیں لہٰذا آپ واپس چلے جائیں۔ یہ شرید بن سوید الثقفی کی حدیث میں مذکور ہے اور اس طرح آپ کا ارشاد اس جذامی کو جس کا ہاتھ آپ نے پکڑ کر اپنے ساتھ رکابی میں رکھا یہ فرماتے ہوئے: "**کل ثقة باللہ وتوکلا علیہ**" کھائیے اللہ پر بھروسہ اور توکل کے ساتھ۔ ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس

کے جو ہم نے ذکر کیا، کہ اول میں اسباب ہلاکت سے اجتناب کا حکم ہے، ثانی میں توکل علی اللہ کا حکم ہے۔ (انتھی) یہ بہترین تطبیق ہے جو غایت تحقیق پر مشتمل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

"ھامة": ایک پرندے کا نام ہے جس سے لوگ بدشگون لیتے ہیں۔ اس کو عربی میں "صدی" کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑا پرندہ ہے، دن کے وقت اس کو صحیح نظر نہیں آتا، اور رات کے وقت اڑتا رہتا ہے اور آوازیں نکالتا ہے اور ویران جگہوں میں رہتا ہے۔ اس کو "بوم" یعنی اُلو کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا اس کو "کوف" کہتے ہیں۔ عرب کے خیال میں میت کی ہڈیاں جب بوسیدہ اور معدوم ہو جاتی ہیں، تو اس سے ایک جانور "رھامہ" بنتا ہے، وہ قبر سے نکلتا ہے، اور اِدھر اُدھر گھومتا ہے، اور میت کے گھر والوں کی خبریں لاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ مقتول جس کا بدلہ نہ لیا گیا ہو، اس کی روح جانور کا روپ دھار لیتی ہے، اور کہتی ہے مجھے پانی دو، مجھے پانی دو۔ اگر اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے، تو یہ اڑ جاتا ہے۔ تو آپ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا۔

ابوداؤدؒ نے سنن میں روایت کیا ہے، کہ بقیہ کہتے ہیں، میں نے محمد بن راشد سے "لا ھامة" کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہتے تھے، جو بھی شخص مر کر دفن ہو جاتا ہے، تو اس کی قبر سے "ھامہ" پرندہ نکلتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "ھامہ" میم کی تخفیف کے ساتھ مشہور ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ میم مشدد ہے۔ "لا ھامة" کی دو تفسیریں ہیں:

ایک یہ ہے کہ عرب اس سے بدشگون لیتے تھے، یہ رات کے پرندوں میں سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد "اُلو" ہے، جب کسی کے گھر پر بیٹھ کر بولتا، تو اس آدمی کی یا گھر والوں میں کسی کی موت کی خبر سمجھی جاتی تھی. یہ مالک ابن انسؒ کی تفسیر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ عرب کا خیال تھا کہ میت کی ہڈیاں یا اس کی روح "ھامہ" پرندہ بن کر اڑ جاتی ہے۔ یہ اکثر علماء کی تفسیر ہے، اور یہی مشہور ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ دونوں تفسیریں ہوں کیونکہ یہ دونوں خیال باطل ہیں۔

قوله: ولا صفر: شارح کہتے ہیں کہ عرب کا خیال تھا کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے، جسے "صفر" کہتے ہیں۔ بھوک کے وقت خالی پیٹ کاٹتا ہے، یعنی بھوک کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے، اس کا سبب یہی ہے۔

ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں لکھا ہے، کہ بقیہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن راشد سے "صفر" کے بارے میں پوچھا؟ تو انہوں نے کہا کہ عرب ماہ صفر کے آنے سے بدشگون لیتے تھے۔ تو نبی نے فرمایا: "لا صفر". (یعنی یہ خیال باطل ہے)۔

(محمد بن راشد) کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ "صفر" پیٹ کا درد ہے، جس کے بارے میں عرب کا خیال تھا کہ یہ متعدی بیماری ہے۔

ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ عرب ایک سال ماہ صفر کو حلال کرتے اور ایک سال حرام ٹھہراتے ہے، تو اس لئے آپ نے فرمایا: "لا صفر".

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ عرب کا یہ عقیدہ تھا، کہ پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے، جو بھوک کے وقت

بھڑک اٹھتا ہے اور کبھی وہ آدمی کو مار دیتا ہے، اور یہ خارش سے زیادہ متعدی بیماری ہے، اور یہی تفسیر صحیح ہے، مطرف ابن عبید وغیرہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے اور مسلم نے جابر بن عبداللہ سے بھی یہی روایت کیا ہے، پس اس تفسیر کا معتمد ہونا متعین ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ تمام تفسیریں درست ہیں، کیونکہ یہ سب باطل خیالات ہیں، جیسا کہ سابق میں اس کی نظیر گزری۔

قاضیؒ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ اس اعتقاد کی نفی ہو کہ ماہ صفر میں حوادت اور فتن زیادہ واقع ہوتے ہیں۔

قوله: وفر من المجذوم كما تفر من الاسد: پہلے گزرا کہ یہ اجازت ضعفاء کیلئے ہے (یعنی جن کا اعتقاد کمزور ہو) اور اقویاء (یعنی جن کا اعتقاد قوی ہو) کیلئے ترک رخصت پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس بنیاد پر کہ جذام منتقل ہونے والی بیماریوں میں سے ہے۔ اللہ کے حکم سے یہ متعدی ہوتا ہے، تو اس سے نقصان ہوجاتا ہے اور ''**لا عدوٰی**'' میں زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی نفی ہے، کہ مرض اپنی طبع کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے، نہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فعل سے اور شاید ''مجذوم'' کی تخصیص اس لئے کی کہ سرایت کرنے والی بیماریوں میں سب سے زیادہ تاثیر والی بیماری ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عدی نے ابن عمرؓ سے مرفوع نقل کی ہے: ''**ان كان شيء من الداء يعدى فهو هذا يعنى الجذام**'' یعنی اگر کوئی بیماری سرایت کرتی ہے، تو وہ یہ یعنی جذام ہے۔

توضیح: ''**رواہ البخاری**''، یعنی یہ حدیث کامل طور پر بخاری نے روایت کی ہے۔ ورنہ تو ''**لا عدوٰی ولا صفر ولا هامة**'' کے الفاظ امام احمد، شیخین اور ابوداؤدؒ نے ابوہریرہ سے اور احمد اور مسلم نے سائب بن یزید سے روایت کئے ہیں۔

پہلے اُونٹ کو خارشی کس نے بنایا؟

۴۵۷۸: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَّةَ وَلَاصَفَرَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَابَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِيْ الرَّمْلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَآءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَى الْاَوَّلَ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۲۴۱/۱۰ الحديث رقم ۵۷۷۰، ومسلم فی ۱۲۴۲/۴ الحديث رقم (۱۰۱-۲۲۲۰، وأبو داوٗد فی السنن ۲۳۱/۴ الحديث رقم ۳۹۱۱، وأحمد فی المسند ۲۳۲/۴ الحديث رقم ۳۹۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بیماری کا خود بخود دوسرے کو لگنا اور ھامہ اور صفر اس کی کچھ حقیقت نہیں ایک دیہاتی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ پھر اس اونٹوں سے متعلق کیا کہا جائے گا جو ریگستان میں ہرن کی مانند دوڑتے پھرتے ہیں پھر جب کوئی خارشی اونٹ اس میں مل جاتا ہے تو اوروں کو بھی خارشی کر دیتا ہے۔ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلے اونٹ کو کسی سے خارشی بنایا۔ وہ بھی اسی کے حکم سے ہوا (اور دوسرے اونٹوں کا خارشی ہوجانا بھی تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے۔) یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: الظبا‏ء: ظاء کے کسرہ کے ساتھ" ظبی" کی جمع ہے۔

تکون فی الرمل: "فی الرمل" تکون کی خبر ہے۔

لکانھا الظباء: خبر کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ معنیٔ "تفاوت" کی تتمیم کے لئے ہے' چونکہ وہ جب مٹی میں ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ اس میں سے کوئی چیز ان (کے جسم) کو لگ جاتی ہے' الأ جرب: خارش زدہ اونٹ فیجر بھا: "اجراب" مصدر سے ہے' فمن أعدی الأ ول: (یہاں شرط مقدر ہے۔) ای ان کان جربھا حصل بالاء عداء فمن أعدی البعیر الاول

مطلب یہ ہے کہ پہلے اونٹوں تک یہ بیماری کس نے پہنچائی، وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوا تھا، اور دوسرے اونٹوں کا خارش ہو جانا بھی تقدیر الٰہی سے ہے پس ہر چیز اللہ کے قضا وقدر کے تابع ہے اول امر میں بھی اور آخر میں بھی۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں "من" استعمال فرمایا' جب کہ بظاہر "ما" استعمال کرتے ہوئے "فیما أعدی الأ ول' ارشاد فرمانا چاہیئے تھا مگر یہ عدول جواب کی رعایت کے پیش نظر اختیار فرمایا۔ ای اللہ تعالیٰ أعدی لا غیرہ۔ "اعدیٰ" کو مشاکلت اور ازدواج کیلئے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ "کما تدین تدان" میں ہے۔ یعنی گویا ظاہر میں" فمن اعطی تلك العلة؟" کہنا چاہیئے تھا۔

تخریج: جامع میں ہے کہ "فمن اعدیٰ الاول" کو شیخین اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

انواء کا بارش میں کچھ دخل نہیں

٤٥٧٩: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰی وَلَاھَامَّةَ وَلَا نَوْءَ وَلَاصَفَرَ۔

(رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧٤٤ الحدیث رقم (١٠٦-٢٢٢٠)' وأبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٢ الحدیث رقم ٣٩١٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس چیزوں میں کچھ حقیقت نہیں۔ ① بیماری کا متعدی ہونا۔ ② مردہ کی کھوپڑی سے الو کا نکلنا۔ ③ چاند کی منازل کا بارش میں علت ہونا۔ ④ صفر کا نحوست والا ہونا۔

تشریح: نوء: نون کے فتحہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ ہے۔

"نوء" کہتے ہیں ایک ستارے کا غروب ہونا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کا طلوع ہونا، جن میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو، اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ ستارہ کے طلوع یا غروب کے وقت بارش یا ہوا کا ہونا ضروری ہے۔ تو نبی نے اس کے صحیح ہونے کی نفی فرما دی۔

ایک شارح کہتے ہیں کہ" نوء " کا مطلب ہے منازل چاند میں سے ایک ستارے کا طلوع فجر کے ساتھ غائب ہونا اور یہ کل اٹھائیس (٢٨) ستارے ہیں، ہر تیرہ (١٣) راتوں میں ایک ستارہ مغرب میں غائب ہوتا ہے، اور اسی وقت اس کے مقابل میں دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع ہوتا ہے۔

نہایہ میں ہے کہ ''نوء'' کی جمع ''انواء'' ہے۔''انواء'' چاند کی منازل کو کہتے ہیں عرب بارش برسنے کی نسبت کرتے تھے کہ چاند کی ہر منزل میں بارش برسے گی۔ پس وہ کہا کرتے تھے ''مطرنا بنوء کذا'' ''نوء'' کو ''نوء'' اسی وجہ سے کہتے ہیں جب ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے، تو دوسرا مشرق میں اور طلوع ہوتا ہے۔ یہ ناء ینوء نوء ابمعنی نھض میطلع سے ماخوذ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ''نوء'' سے مراد غروب ہے اور یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ لفظ ''نوء'' غروب کے معنیٰ میں صرف یہیں مسموع ہے۔

اور نبی نے ''انواء'' کے معاملے کو سختی سے ردّ اس لئے کیا کہ عرب بارش کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے۔ پس جو بارش برسنے کو اللہ کا فعل سمجھے، اور ''مطر بنوء کذا'' سے اس کی مراد فی وقت کذا ''یعنی بارش برسنے کا وقت فلاں ستارہ ہے، تو یہ جائز ہے۔ یعنی اللہ نے یہ عادت جاری کی ہے کہ بارش ان اوقات میں برسے۔ (ذکرہ الطیبی)

زیادہ واضح یہ ہے کہ یہ نہی مطلقاً فساد اعتقاد کے مادے کو ختم کرنے کیلئے ہے، اور اس کے جواز پر کوئی دلیل منقول نہیں ہے، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ''مطرنا بنوء کذا'' نہ کہو، بلکہ کہو ''مطرنا بفضل اللّٰه'' کہ ہم پر اللہ کے فضل سے بارش برسی۔

بھوت پریت کی کچھ حقیقت نہیں

۴۵۸۰: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاعَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ٤/١٧٤٤ الحديث رقم (١٠٧ ٢٢٢٢)، وأبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٣ الحديث رقم ٣٩١٣ وأحمد فی المسند ٣/٣١٢۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین باتوں کی کچھ حقیقت نہیں: (۱) مرض کا متعدی ہونا۔ (۲) صفر کا نحوست والا ہونا۔ (۳) بھوت پریت کا ہونا۔ (مسلم)

تشریح: قوله: لاعدوی ولا صفر: اس کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

الغول: ضمہ کے ساتھ ہے۔ ایک شارح کہتے ہیں کہ ''الغول'' فتح کے ساتھ مصدر ہے، اور اس کا معنیٰ ''البعد والاهلاك'' (دوری اور ہلاک کرنے) کے ہیں کہ ''غول'' غیلان کا واحد ہے۔ یہ شیطان اور جنوں کی ایک قسم ہے اور غین کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے، یہ بھوت کی قسم ہے۔ نہایہ میں ہے: **ان الغول أحد الغيان 'وهي جنس من الجن والشياطين كانت العرب تزعم أن الغول فی الفلاة تراء ی للناس أی فتتغول تغولا أی تتلون فی صوشتی وتغولهم أی تضلهم عن الطريق ونهلكهم 'فنغاه النبی ﷺ۔**

عرب گمان کرتے تھے کہ ''غول'' جنگل میں ہوتے ہیں اور طرح طرح کی شکلوں میں انسانوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں، لوگوں کو راہ بھلا دیتے ہیں، اور ان کو ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔ پس آپ نے ان کے اس خیال کی تردید فرما دی۔

بعض علماء کے نزدیک آپ کی نفی کا تعلق غول کے وجود سے نہیں ہے۔ بلکہ اس میں عرب کے خیال کا ابطال ہے، کہ وہ طرح طرح کی شکلیں اختیار کرتے ہیں، اور لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں، چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہوگا، کہ وہ کسی کو راہ بھلا دینے کی طاقت وقدرت نہیں رکھتے، اور اس کی مؤید دوسری حدیث ہے، جس میں ہے: **"لا غول ولكن السعالى"**. اور "سعالیٰ" جادوگر جنات ہیں، مطلب یہ ہے کہ جنات میں بعض جادوگر ہیں، جو تلبس اور تخیل پیدا کرتے ہیں اور حدیث میں ہے: **"اذا تغولت الغيلان فبادرو ابالأه ذان"** یعنی ان کے شر کو اللہ کے ذکر کے ساتھ دفع کرو، تو یہ احادیث غول کے وجود پر دلالت کر رہی ہیں، نہ کہ ان کے عدم پر اور ابوایوب کی یہ حدیث بھی اسی سلسلہ کی ہے: **"كان لى ثمرة فى سهوة، فكانت الغول تجىء فتأخذ"**.

شرح تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے، کہ "غول" کسی زمانے میں ہوتے ہوں، پھر اللہ نے ان کو اٹھالیا ہو اور بعض علماء سے منقول ہے، کہ یہ احتمال کوئی بعید نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ آپ کی بعثت کی خصوصیات میں سے ہو اور اس کی نظیر شیاطین کو شہاب ثاقب کے ذریعے فرشتوں کا کلام سننے سے منع کرنا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ (یہ) معاملہ ایسا نہیں جو قیاس سے ثابت ہو سکے یا احتمال سے ثابت ہو سکے۔ واللہ اعلم بالحال

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "لا" جو نفی جنس کیلئے آتا ہے، ان مذکورہ چیزوں پر داخل ہوتا ہے، اور ان کی ذات کی نفی کی ہے، حالانکہ ان کی ذات کی نفی نہیں ہے۔ پس یہ نفی ان کے اوصاف اور احوال کی ہے، جو شرع کے مخالف ہیں، کیونکہ عدویٰ، صفر، نوء، ھامۃ، موجود ہے، نفی زمانہ جاہلیت کے خیالات اور گمان کی ہے۔ کیونکہ نفی صفات کے ارادے سے ذات کی نفی ابلغ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ کنایہ کے باب سے ہے اور اسی کے قریب اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿**فلا تموتن الا وانتم مسلمون**﴾ [البقرة :١٣٢] اس میں لوگوں کو مرنے سے منع کیا ہے، جو کہ ان کی قدرت میں نہیں ہے۔ پس "منہی" وہ حالت ہے کہ جب موت ان کو آئے اور وہ اس حالت پر نہ ہوں، اور وہ ان کا ملت اسلام کے علاوہ پر ہونا ہے۔ پس اس حدیث کا صحیح مطلب وہی ہے جو صاحب نہایہ اور تورپشتی نے اختیار کیا ہے۔

کوڑھی کو لوٹنے کا حکم

۴۵۸۱: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفَ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١٧٥٢/٤ الحديث رقم (١٢٦-٢٢٣١)، والنسائى ف١٥٠/٧ الحديث رقم ٤١٨٢، وابن ماجه فى ١١٧٢/٢، الحديث رقم ٣٥٤٤، وأحمد فى المسند ٣٨٩/٤۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھ (کے مرض میں مبتلا) شخص تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیغام بھیجا ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے پس تم لوٹ جاؤ۔ (مسلم)

تشریح: ثقیف: ثاء کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ایک مشہور قبیلہ ہے۔

قوله: فأرسل اليه النبى ﷺ أنا: (تقدیری عبارت یوں ہے:) **أى بأنا أو قائلا أنا**

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ آپ کی طرف سے رخصت کی طرف راہنمائی ہے، جو لوگ درجہ توکل تک نہیں پہنچے وہ اسباب کی رعایت کریں۔ کیونکہ موجودات میں سے ہر چیز کی ایک خاصیت اور اثر ہے، جو اللہ جل شانہ نے اس میں رکھی ہے۔

الفصل الثانی:

اچھے نام سے اچھا گمان

۴۵۸۲: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَ لُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ۔ (رواه فى شرح السنة)

أخرجه أحمد فى المسند ١/٢٥٧۔

ترجمہ: حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ اچھی فال لیا کرتے تھے اور شگون نہ لیتے اور اچھا نام پسند فرماتے۔ یہ شرح السنہ کی روایت ہے۔

تشریح: **يتفاء ل:** باب تفاعل سے ہے، اور ایک نسخہ میں باب تفعّل سے ہے۔ اِی **يطلب الفأل الحسن ويتبعه**

قوله: وكان يحب الاسم الحسن: اس کا مفہوم مخالف تو یہ ہے کہ آپ برے نام کو ناپسند کرتے تھے، اور اس سے بدشگونی لیتے تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے چونکہ ''**ولا يتطير**'' میں عموم ہے۔ ہاں آپ برے نام کو اچھے نام سے تبدیل کرتے، جیسا کہ بہت سارے ناموں کو آپ نے تبدیل کیا ہے۔ اس سے امام طیبیؒ کے اس قول کا ضعف بھی واضح ہو جاتا ہے: یہ نبی کریم ﷺ کے تفاؤل کا بیان ہے' چونکہ نبی کریم ﷺ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے' اور اس پر حضرت انس اور حضرت بریدہ کی حدیث دلالت کرتی ہے' جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں اس پر بھی کلام عنقریب آئے گا۔

تخریج: گویا مؤلف کو یہ علم نہ ہوسکا، کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں سند حسن کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

تین مشرکانہ رسوم

۴۵۸۳: وَعَنْ قَطَنِ بْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ٤/٢٢٨ الحديث رقم ٣٩٠٧ وأحمد فى المسند ٣/٤٧٧۔

ترجمہ: حضرت قطن بن قبیصہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

① بلاشبہ پرندے اُڑانا۔ ② کنکر کو پھینکنا۔ ۳: شگونِ بد لینا مشرکانہ کام ہیں۔

راویانِ حدیث:

قبیصہ بن مخارق ۔ یہ قبیصہ ہیں۔مخارق کے بیٹے ہیں۔خاندان کے اعتبار سے بنو ہلال میں سے ہیں۔آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے۔ان سے ان کے بیٹے قطن کے علاوہ ابو عثمان نہدی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔''قبیصہ'' قاف کے فتحہ اور یائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔''مخارق'' میں میم پر ضمہ'خاء معجمہ'راء اور قاف ہیں۔

قطن بن قبیصۃ ۔ ان کا نام ''قطن'' ہے۔یہ قبیصہ کے بیٹے ہیں۔بنو ہلال میں سے ہیں۔ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے اپنے والد سے حدیث کی روایت کی۔ان سے حیان بن علاء روایت کرتے ہیں۔قطن معزز آدمی تھے۔''سجستان'' کے حاکم مقرر ہوئے۔

تشریح: ''قطن'' میں قاف اور طاء دونوں پر فتحہ اور آخر میں نون ہے۔''قبیصہ'' میں قاف پر فتحہ اور بائے معجمہ پر کسرہ ہے۔

''**العیافة**'': عین کے کسرے کے ساتھ۔

''**الطرق**'': طاء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔

پرندے اڑانا، اور فال لینا، اس میں جانوروں کے ناموں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔جیسے ''عقاب'' کے ذریعے ''عقوبت'' اور ''غراب'' کے ذریعے ''غربت'' اور ''ہدہد'' کے ذریعے ''ہدایت'' کی فال لی جاتی ہے۔

عیافہ اور طیرہ میں فرق یہ ہے کہ طیرہ پرندوں سے فال لینے کو کہتے ہیں اور کبھی جانداروں میں سے پرندے وغیرہ سے فال لی جاتی ہے۔نہایہ میں ہے ''عیافہ'' کا مطلب پرندے کو ڈانٹنا ہے، اور اس کے نام اس کے اڑنے اور اس کے گزرنے سے فال لینا ہے۔یہ عرب کی عادت ہے اور اس کا ذکر ان کے اشعار میں بہت زیادہ ملتا ہے اور بنو اسد قبیلہ ''عیافہ'' میں مشہور ہے' یہ اس قبیلہ کا مشہور وصف تھا۔

''طرق'' کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں۔یہ عورتوں کی عادت تھی۔بعض کے نزدیک ''طرق'' کا مطلب ہے ریت پر خط کھینچنا ہے۔(کذا فی النھایۃ) اور صاحب ''فائق'' نے اول تعریف پر اکتفاء کیا ہے اور اس کی تائید میں ''لبید'' کا یہ شعر پیش کیا ہے:

لعمرك ما تدری الطوارق بالحصی
ولا زاجرات الطیر ما الله صانع

تیری عمر کی قسم کہ آپ کنکریاں مارنے والی اور پرندوں کو ڈانٹنے والیوں کو نہیں جانتے کہ اللہ کیا کرنے والا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ کہانت کی ایک قسم ہے۔

''جبت'' کے معنیٰ سحر اور کہانت کے ہیں، (الفائق) بعض نے کہا ہے کہ ہر وہ غیر اللہ جس کی عبادت کی جائے۔پس مطلب یہ ہے کہ یہ شرک سے پیدا ہوا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ ''جبت'' جادوگر کو کہتے ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ''جبت'' شیطان

کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ شیطان کے کاموں میں سے ہے۔

بدفالی مشرک کی ایک عادت ہے

۴۵۸۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهٗ ثَلٰثًا وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهٗ بِالتَّوَكُّلِ (رواه ابوداود والترمذی وقال سمعت محمد بن اسمعیل یقول کان سلیمان بن حرب یقول فی هذا الحدیث) وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهٗ بِالتَّوَكُّلِ هٰذَا عِنْدِیْ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ۔ (ابوداود والترمذی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٠ الحدیث رقم ٣٩١٠' والترمذی فی ٤/١٣٧ الحدیث رقم ١٦١٤' وابن ماجه فی ٢/١١٧٠ الحدیث رقم ٣٥٣٨' وأحمد فی المسند ١/١٢٨۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بدفالی شرک ہے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی اور ہم میں سے ہر ایک کے دل میں (وسوسے کی حد تک) یہ بات آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ پر توکل اس کا ازالہ کر دیتا ہے۔ یہ ابوداؤد، ترمذی کی روایت ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ سلیمان بن حرب اس کے متعلق فرماتے کہ یہ ابن مسعودؓ کا کلام ہے۔

تشریح: **قوله: الطيرة شرك:** طیرہ کو شرک قرار دیا چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ طیرہ میں جلب منفعت اور ان سے دفع ضرر ہے۔ چنانچہ جب وہ اس کے موجب پر عمل کریں گے تو گویا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کی اسی معاملہ میں' اور اس کو شرک خفی کہا جاتا ہے اور ایک شارح یوں فرماتے ہیں یعنی جس کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی چیز مستقل طور پر نفع نقصان دیتی ہے تو اس نے شرک یعنی شرک جلی کا ارتکاب کیا۔ قاضیؒ فرماتے ہیں اس کو شرک کا نام اس لئے دیا کہ وہ جس چیز سے بدفالی لیتے تھے اس کو حصول مکروہ میں سب مؤثر سمجھتے تھے' اور ملاحظہ اسباب فی الجملہ شرک خفی ہے' اور جب اس کے ساتھ جہالت وسوء اعتقاد بھی شامل ہو تو پھر کیا عالم ہوگا۔

قوله: ومامنا الا: **ای ماأحد منا الا من يخطرله من جهة الطيرة شئ مالتعود النفوس بها۔** مستثنیٰ کے تکلم کو ناپسند سمجھتے ہوئے محذوف کر دیا' تورپشتیؒ فرماتے ہیں فرمایا' چونکہ وہ اس مکروہ حالت کو متضمن تھا اور یہ نوع ادب کلام ہے کہ اشارہ پر اکتفاء فرمایا اور مکروہ چیز کو ذکر نہیں فرمایا۔

''**لكن الله**'': **لکن** ''نون کی تشدید اور لفظ جلالہ کے نصب کے ساتھ ہے، اور نون کی تخفیف اور لفظ جلالہ کے رفع کے ساتھ بھی ہے۔

يذهبه: باء کے ضمہ کے ساتھ ''**اذهاب**'' سے ماخوذ ہے۔ اصول معتمدہ اور نسخ مصححہ کے مطابق ضبط اسی طرح ہے۔ یعنی توکل واعتماد کے سبب سے اس مکروہ اور ناپسندیدہ وہم کو ختم کر دیتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ''خطرہ'' کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس اگر غفلت ہو جائے تو ضروری ہے کہ گناہ سے فوراً رجوع کرے اور توبہ کرے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے بروایت احمد و طبرانی مروی ہے: **من ردته الطيرة من حاجة اشرك 'وكفارة ذلك ان يقول: اللهم لاخير الاخيرك ' ولا طيرا**

لا طيرك‘ولا اله غيرك اور عنقریب فصل ثالث میں روایت آ رہی ہے جس سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔علامہ طیبیؒ نے بنی پر تو غور کیا لیکن معنیٰ سے بے توجہی برتی ‘ چنانچہ انہوں نے اس کے بارے میں عجیب وغریب قول اپنایا ہے، وہ ”یذهبه بالتوکل“ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ یاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے،اور ثانی کے مطابق اس میں دوحرف تعدیہ جمع ہیں تاکید کیلئے اور ”اذھاب“ سے مراد فرشتے کی طرف مؤمن کے دل میں ڈالی ہوئی وہ بات ہے جو وسوسۂ شیطان کو دور کرتی ہے۔(انتھیٰ)

علامہ طیبیؒ کے اس قول کے بارے میں تین مباحث ہیں: پہلی بحث یہ ہے کہ ” یذهبه“ یاء کے فتحہ کے ساتھ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ فعل لازم بن جائے گا، حالانکہ تمام نسخوں میں ضمیر بارز کے ساتھ ہے،اور ضمیر کے نہ ہونے کی صورت میں معنیٰ میں خلل واقع ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں عبارت ”ولکن الله یذھب“ ہوگی، جس کا فساد ظاہر ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ یہ بات تو درست ہے کہ یہ یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے لیکن یہ بات صراحۃً غلط ہے، کہ اس میں دوحرف تعدیہ برائے تاکید جمع ہیں، کیونکہ یاء سببیت کیلئے ہے نہ کہ تعدیہ کیلئے، ورنہ تو معنیٰ غلط ہو جائے گا۔ کیونکہ مآل کلام یہ ہوگا لکن الله یزیل التوکل ۔ کہ اللہ توکل کو ختم کرنے والے ہیں۔جس کا فساد بالکل ظاہر ہے، خاص کر کے استدراک کے ساتھ جو کہ ایک واضح وہم ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ اذھاب سے مراد فرشتے کی القاء کی ہوئی بات جو شیطان کا وسوسہ ختم کر دے۔ تو یہ حمل درست نہیں ہے۔علاوہ ازیں کلام سابق کے مناقض ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لے جانے والا توکل ہی ہے، ہمزہ اور باء کے سبب سے یہاں مقلوب المعنیٰ ہے، کیونکہ درست بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ضمیر بارز یا ” مذھب “ سے مراد شیطان کا وسوسہ ہے، جو فرشتے کی القاء کی ہوئی بات کو ختم کر دے، کیونکہ یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، جیسا کہ اس بحث کی تحقیق شروع کتاب میں گزر چکی ہے۔

قوله:يقول في هذا الحديث ....:

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی نے مرفوعاً روایت کی ہے۔لیکن اس پر محدثین نے بحث کی ہے۔مصنفؒ فرماتے ہیں: کہ میرے نزدیک وما منا الا ولكن الله يذهبه بالتوكل ابن مسعود کا قول ہے اور مرفوع صرف ”الطيرة شرك“ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جامع صغیر میں بھی صرف اس قدر مروی ہے۔ بہت سارے محدثین نے ابن مسعود سے زیادت کے بغیر مرفوع روایت کی ہے، جیسا کہ امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے اپنی تاریخ میں‘ اصحاب سنن اربعہ نے‘ اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

کوڑھی کو ساتھ کھلانا

۴۵۸۵ :وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَهَا مَعَهٗ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلاً عَلَيْهِ۔ (رواه ابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٩ الحديث رقم ٣٩٢٥' والترمذی فی ٤./٢٣٤ الحديث رقم ١٨١٧' وابن ماجه فی ٢/١٧٧٢ الحديث رقم ٣٥٤٢۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اسے پیالے میں رکھا اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ پر یقین وتوکل کرتے ہوئے کھاؤ۔ (ابن ماجہ)

تشریح: **القصعة**: قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

ثقة: ثاء کے مصدر کے ساتھ مصدر' بمعنیٰ ''وثوق'' کے ہے۔ جیسے **العدة والوعد**.

''**ثقة بالله**'': یہ مفعول مطلق ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: ''**کل معی اثق ثقة بالله**'' اور'' **توکلاً**'' بھی مفعول مطلق ہے ای **اتوکل توکلاً**. یہ دونوں جملے حالیہ ہیں دوسرا پہلے کیلئے حال مؤکدہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ اولیٰ (یعنی ''**ثقة بالله**'') تقدیر سابق کے اعتبار سے ہو اور جملہ ثانیہ (یعنی ''**وتوکلا علیه**'') انسان پر آئندہ آنے والے حالات کے اعتبار سے ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تاسیس بالتقیید' مجرد تاکید سے اولیٰ ہے۔

اور بعض کے نزدیک '' **ثقة بالله** ''منصوب بنا بر حالیت کے ہے اور ذوالحال محذوف ہے، اور تقدیری عبارت یوں ہے: ''**کل معی واثقًا بالله تعالیٰ، ای حال کونی واثقا بالله ومتوکلا علیه**''.

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو، اور'' قال'' کے فاعل سے حال ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مطلق ہو، یعنی اولا آپ نے فرمایا'' کل''، پھر'' **اثق ثقة بالله**'' سے جملہ مستانفہ ذکر کیا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ طیبیؒ کا قول اول درایۃً درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے اس بات کا وہم ہے کہ آپ کا حال اس کے خلاف تھا اور اس کے درست نہ ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ پس اس قول کی طرف محتاج ہوں گے کہ یہ حال مؤکدہ ہے۔ پس اگر علامہ طیبی یہ کہتے کہ یہ دونوں منصوب بنا بر علت ہیں تو زیادہ بہتر ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود یہ روایۃً درست نہیں ہے، کیونکہ عنقریب آرہا ہے کہ یہ آپ ہی کا کلام ہے اور ثانی اس لئے درست نہیں کہ اس میں انفکاک کلام ہے جو کہ اس مقام میں مناسب نہیں ہے۔

قوله: اخذ بيد مجزوم فوضعها معه فی القصعة: اس میں غایت درجے کا توکل ہے کہ ایک تو ان کا ہاتھ پکڑا، اور دوسرا ان کے ساتھ کھانا بھی کھایا اور حدیث میں منقول ہے: **کل مع صاحب البلاء تواضعا لربك وايمانا** کہ ہر مصیبت زدہ کے ساتھ کھا اپنے ربّ کے سامنے تواضع اور اس پر ایمان کیلئے۔ اس کو امام طحاویؒ نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔

کل ثقة ....: حاصل یہ ہے کہ اسباب سے قطع نظر کر کے رب الارباب کے افعال پر نظر مشاہدہ رکھیں، کیونکہ متعدی امراض کا اثر ردی نفوس پر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نفرت والے امراض سے معصوم ہوتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اسباب چھوڑنے والے توکل کا درجہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل اسی درجہ کا تھا اور مجذوم سے احتراز رخصت ہے۔

تخریج: الحصن میں ہے: اگر مجذوم یا کسی اور بیماری میں مبتلا شخص کے ساتھ کھاتے تو یہ کہتے۔ ''**بسم الله ثقة بالله**

وتو کلا علیه"۔اس کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور ابن سنی نے روایت کیا ہے۔
الجامع الصغیر میں ہے:"کل بسم الله ثقة بالله وتوکلا علی الله"اس کو اصحاب سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ یہ تمام احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ یہ سارا کلام مرفوع ہے۔ باقی مؤلف نے بسم اللہ کو ذکر نہیں کیا، حالانکہ"اصول"میں موجود ہے، یا تو یہ ابن ماجہ کی غریب ومنفرد روایت پر محمول ہے۔ یا صاحب مشکوٰۃ یا صاحب مصابیح کی غفلت ہے۔

اِن میں نحوست نہیں

۴۵۸۶:وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَّةَ وَلَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٤/٢٣٦ الحديث رقم ٣٩٢١، وأحمد في المسند ١/١٨١

ترجمہ:حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس میں کچھ نحوست نہیں: (۱) الو بولنا۔ (۲) بیماری کا متعدی ہونا۔ (۳) شگون لینا اگر نحوست ہوتی تو گھر، گھوڑے اور عورت میں ہوتی (جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہنے والی ہیں)۔

راویٔ حدیث:

سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤلف نے ان کا اسم گرامی ذکر نہیں فرمایا۔

تشریح: قوله:وان تكن الطيرة فی شيی ففی الدار...... یہ"وکان" تامہ بھی ہوسکتا ہے اور ناقصہ بھی، بہر حال عبارت یوں ہے:ای قران تکن الطيرة صحية أوأن تقع وتوجد فی شیئی من الاشیاء۔ (فهی من الدار کا مبتدا محذوف ہے۔) ای فهن فی الدار......

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ بالفرض اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یوں آیا ہے:"ان کان شؤم فی شیء ففی الدار والمرأة والفرس"۔یعنی اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر، گھوڑے، اور عورت میں ہوتی۔

مقصود مبالغہ کی حد تک صحت طیرہ کی نفی ہے۔ چنانچہ آنحضرت کے اس ارشاد کے قبیل سے ہے:"لو کان شیء سابق القدر لسبقته العین"۔یعنی اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرنے والی ہوتی، تو وہ نظر بد ہوتی۔ تو یہ اس حدیث میں اور اس کے علاوہ حدیث میں طیرہ کی عام نفی کے منافی نہیں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ"ان تکن" بمنزلہ استثناء کے ہے ای لا تکون الطيرة الافی هذه الثلاثة یعنی طیرہ۔نحوست کسی چیز میں نہیں، سوائے ان تین کے۔ تو اس صورت میں یہ غالب وقوع کی خبر ہے۔ تو یہ نہی کے منافی نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بات معلوم ہوئی ہو، کہ ان اشیاء میں ایسی صفات واقع ہو جاتی ہیں،

جواس کو برکت سے محروم کر دیتی ہیں اور انسان کیلئے ان میں خیر و برکت نہیں ہوتی، اور اس پر آپ کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے: **"ذروھا ذمیمة"** لیکن چونکہ یہ ایک امر مخفی تھا، جس پر کوئی سوائے تخمینہ و اندازے کے مطلع نہیں ہو سکتا، تو اس کو صیغہ تردد کے ساتھ ذکر فرمایا، تاکہ اس کے بارے میں کوئی تخمینہ اور گمان کی بنیاد پر بات کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں "طیرۃ" سے مراد طبعی کراہت ہے نہ کہ نحوست، گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: **ان کرھتم ھذہ الاشیاء فابد لوھا بالأ خری**۔ اگر تم ان چیزوں کو طبعاً ناپسند کرو، تو دوسری چیزوں سے تبدیل کر لو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ مطلب اچھا ہے اگر روایت میں یہ الفاظ نہ آئے ہوتے: **"فان یکن الشؤم فی شیء الخ"**۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ "طیرۃ" سے استثناء کے معنیٰ میں ہے، **ای الطیرۃ منھی عنھا الافی ھذہ الاشیاء** یعنی نحوست لینا منع ہے، سوائے ان تین چیزوں میں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں حقیقی استثناء ہو، اور یہ چیزیں مستثنیٰ منہ کے حکم سے خارج ہوں، **ای الشوم لیس فی شیئی من الاشیاء الا فی ھذہ الاشیاء** یعنی اشیاء میں سے کسی بھی چیز میں نحوست نہیں، سوائے ان تین کے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں منقول ہے: **"ان الشؤم فی الثلاثة: المرأة والفرس والدار"** اور ایک روایت میں ہے: **"الشؤم فی الدار والمرأة والفرس"**۔ اور انس کی حدیث میں ہے: **"ذروھا ذمیمه"**

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یہ مآل کے اعتبار سے عین جمہور کا کلام ہے لیکن جمہور نے معنی استثناء اس لئے کہا ہے کہ حدیث میں ادوات استثناء میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ بلکہ "طیرۃ" کی نفی اور نہی کے بعد جملہ شرطیہ واقع ہے، جس سے کبھی استثناء کا معنیٰ مستفاد ہوتا ہے۔ (امام طیبیؒ) فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث اس آیت کے قبیل سے ہو: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ [النساء: ۲۲] "اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (خدا کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔"

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہو کہ یہ حدیث اس آیت کے قبیل سے ہے، تو آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ استثناء معنیٰ لازم للنفی سے ہے۔ گویا کہ اس آیت میں یوں کہا گیا ہے: **تستحقون العقاب بنکاح ما نکح آباکم الاما قد سلف** کہ تم سزا کے مستحق ہو گے اپنے آباء کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنے کی وجہ سے، مگر وہ جو پہلے ہو چکا ہے اس پر سزا نہ ہو گی۔ یا استثناء "**ما نکح**" سے ہے، تحریم میں مبالغہ کیلئے اور عموم پیدا کرنے کیلئے۔ جیسے شاعر کا یہ قول ہے:

ولا عیب فیھم غیران سیوفھم

اور اباحت کے راستے کو بند کرنے کیلئے ہے، جیسا کہ تابید کیلئے تعلیق بالمحال ہوتی ہے، جیسے اللہ کا یہ ارشاد ہے: [**حتی یلج الجمل**] [الاعراف: ۴۰] اور آیت کا مطلب یہ ہے: **ولا تنکحوا حلائل آبا ئکم الاما قد سلف ان امکنکم أن تنکحوه**۔ کہ "تم اپنے آباء کی بیویوں کے ساتھ نکاح نہ کرو، مگر وہ جو پہلے گزرا، اگر ممکن ہو تمہارے لیے ان کے ساتھ نکاح کرنا" اور یہ نکاح کرنا ممکن نہیں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، ای لکن ماقد سلف مطلب یہ ہے کہ جو ہو چکا سواس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ وہ ثابت اور برقرار ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ان مطالب میں سے کوئی بھی یہاں مناسب نہیں کہ حدیث کیلئے بنیاد ہو سکے۔ ہاں باعتبار معنیٰ درمیان والے مطلب پر اس کو حمل کیا جا سکتا ہے اور اس کی تائید طیبیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے علیٰ باب قولہ تعالیٰ پر عطف کرتے ہوئے کہا ہے:

''وقوله:لو كان شيء سابق القدر سبقته العين''۔

اس حدیث پر بات پہلے گزر چکی ہے اور یہی مطلب قاضیؒ کے کلام کا ہے: ''ولا طيره'' کے بعد جملہ شرطیہ کا لانا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے نحوست کی بھی نفی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کا وجود کسی چیز میں ہوتا تو ان چیزوں میں ہوتا چونکہ یہ اس کے زیادہ لائق ہیں لیکن نحوست کا وجود ان چیزوں میں نہیں ہے، تو گویا کہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ (انتھیٰ)

پس اس قول کے مطابق جن احادیث میں شؤم کا ذکر ہے، تو ان سے مراد کراہت ہے جس کا سبب یہ ہے کہ ان اشیاء میں شریعت کی یا طبیعت کی مخالفت ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: شوم الدار ضيقها وسوء جير انها کہ گھر کی نحوست اس کا تنگ ہونا ہے، اور اس کے پڑوسیوں کا بُرا ہونا ہے اور اس قدر دور ہونا ہے کہ امام کے ساتھ جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور عورت کی نحوست اس کا بانجھ پن، زبان درازی اور مہر کی زیادتی وغیرہ ہے۔ ایسے کاموں پر ابھارنا جوار باب تقوی کے شایان شان نہیں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے، یا اس پر فخر اور تکبر کیلئے سواری کی جائے اور بعض کا کہنا ہے کہ گھوڑے کی نحوست اس کی سرکشی اور قیمت کا زیادہ ہونا ہے، اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو شرح السنہ میں ذکر ہے۔ گویا کہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے: کہ اگر تم میں سے کسی کا گھر ہو اور اس کو اس کی رہائش پسند نہ ہو، یا عورت ہو جس کی صحبت اس کو ناپسند ہو، یا گھوڑا ہو جو اس کو پسند نہ ہو، تو اس سے جدائی اختیار کرے، اس طور پر کہ گھر سے منتقل ہو جائے' عورت کو طلاق دیدے، اور گھوڑے کو فروخت کر دے۔ تا کہ اس کے دل میں جو نفرت اور کراہت ہے وہ ختم ہو جائے۔ جیسا کہ آپ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا تھا کہ جس نے کہا تھا: اللہ کے رسول! انا كنا في دار كثر فيه عددنا ...... کہ ہم ایک گھر میں تھے جس میں ہماری تعداد زیادہ تھی ......۔ تو آپ نے فرمایا: ''ذروها ذميمة'' کہ اس کو چھوڑ دو۔ تو آپ نے ان کو گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ اس گھر میں تنگی اور وحشت محسوس کرر ہے تھے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ وہاں سے منتقل ہو جائیں۔ تا کہ دل میں جو طبعی کراہت ہے وہ ختم ہو جائے' اس لئے نہیں کہ اس کا سبب یہ گھر تھا۔ (انتھیٰ)

حاصل یہ ہے کہ ان تین چیزوں کی تبدیلی ناجائز ''طیرہ'' نہیں ہے، بلکہ یہ جائز ہے، اگر چہ بظاہر ''تطیر'' سے مشابہ ہے اور شاید کہ اکثر حضراتؒ کے قول کی وجہ یہی ہو۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے: ''ان كان الشؤم في شيء ففي الدار والمرأة والفرس'' رواه مالك واحمد والبخاري، وابن ماجه عن سهل بن ساعد، والشيخان عن ابن عمر، ومسلم والنسائي عن جابر رضي الله عنه.

اچھے فال کی حقیقت

۴۵۸۷: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُعْجِبُهٗ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ اَنْ یَّسْمَعَ یَارَاشِدُ یَانَجِیْحُ ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٤/١٣٨ الحديث رقم ١٦١٦۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یاراشد یانجیح'' جیسے نام سننا پسند ہوتے (تاکہ اس سے اچھا معنی لیں)

تشریح: اوراس کی وجہ وہی ہے جو منقول ہے کہ آپ اچھی فال پسند کرتے تھے اور طیرہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ جیسا کہ ''الجامع'' میں ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حاکم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے۔

اچھے نام کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت

۴۵۸۸: وَعَنْ بُرَیْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَطَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلاً سَاَلَ عَنْ اِسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهٗ اِسْمُهٗ فَرِحَ بِهٖ وَرُوِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِذَا دَخَلَ قَرْیَةً سَاَلَ عَنْ اِسْمِهَا فَاِذَا اَعْجَبَهٗ اِسْمُهَا فَرِحَ بِهٖ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِنْ کَرِهَ اسْمُهَا رُئِیَ کَرَاهِیَةُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ۔ (رواه ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٦ الحديث رقم ٣٩٢٠، وأحمد فی المسند ٥/٣٤٧۔

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے تھے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عامل کو روانہ فرماتے تو پہلے اس کا نام دریافت فرماتے پس اگر اس کا نام پسند آتا تو اس قدر خوش ہوتے کہ خوشی کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر نظر آتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام دریافت فرماتے اگر اس کا نام پسند آتا تو اس قدر خوش ہوتے کہ آثار خوشی چہرہ انور پر نمایاں ہوتے اور اگر اس کا نام پسند نہ آتا تو اس کی ناپسندیدگی چہرہ مبارک پر دکھائی دیتی۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله: ان النبی ﷺ کان لایتطیر من شیئی: اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ① ای کان لایتطیر من جهة شیئی من الاشیاء اذا أرادفعله۔ ② ممکن ہے کہ ''من'' باء کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا: ماکان یتطیر بشئی مما یتطیر به الناس۔

''بشر'' باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ای اثر بشاشته وانبساطه۔

قوله: فان أعجبه اسمه فرح به صحیح ترین اصل نسخہ میں ''بہ'' کے ساتھ ہے۔ ای فرح باسمها۔ اور ایک نسخہ میں ''فرح بها'' ہے۔ أی بتلك القریة یا باسمها ہے۔ تقدیر مضاف کے ساتھ ہے، یا اس کی تانیث مضاف الیہ سے مکتسب ہے۔

وان کرہ اسمہ رؤی کراھیۃ ذلك: اور آپ اس نام کو اچھے نام سے تبدل کر لیتے۔ بزارؒ کی روایت میں اور طبرانی نے الاوسط میں ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اذا بعثتم الی رجلا فابعثوہ حسن الوجہ حسن الاسم۔'' جب تم میری طرف کوئی آدمی روانہ کرو، تو خوبصورت چہرے والا اور خوبصورت نام والا شخص بھیجا کرو۔ ابن الملک کہتے ہیں پس اپنی اولاد یا اپنے خادم کیلئے اچھے نام کو اختیار کرنا سنت ہے، کیونکہ بعض اوقات بُرے نام تقدیر کے موافق ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام ''خسار'' رکھے، تو ہو سکتا ہے کہ کسی موقع پر وہ شخص یا اس کا بیٹا تقدیر الٰہی سے خسارہ میں مبتلا ہو جائے، اور اس کے نتیجہ میں لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ اس کا خسارہ میں مبتلا ہونا نام کی وجہ سے ہے، اور نوبت یہاں تک آ جائے کہ لوگ اس کو منحوس جاننے لگیں، اور اس کی صحبت و ہم نشینی سے بھی احتراز کرنے لگیں۔ تقریباً یہی بات صاحب شرح السنہ نے بھی لکھی ہے' وہ فرماتے ہیں: ینبغی للا نسان أن یختار لولدہ وخدمہ الاسماء الحسنۃ فان الأسماء المکروھۃ قد توافق القدر۔

سعید ابن مسیّبؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب نے ایک آدمی سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ تو اس نے کہا ''جمرہ''۔ عمر نے پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ تو اس نے کہا ''شہاب'' کا بیٹا ہوں۔ عمر نے پوچھا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ کہا ''حراقہ'' سے۔ عمرؓ نے پوچھا: رہائش کہاں ہے؟ اس نے کہا، ''حرۃ النار'' میں۔ عمر نے کہا، وہاں کس جگہ؟ اس نے کہا ''ذات لظی'' میں۔ عمرؓ نے کہا: اپنے گھر والوں کی خبر لو وہ تو جل چکے ہیں۔ پس اسی طرح تھا جس طرح عمر نے فرمایا تھا۔ (انتھٰی)

اور شاید یہی مطلب ہو اس قول کا: ''ان الاسماء تنزل من السمآء'' کہ نام آسمان سے آتے ہیں۔ پس فی الجملہ یہ حدیث زمانہ جاہلیت کی اس عادت پر ردّ ہے، کہ لوگ اپنی اولاد کے بُرے نام رکھتے تھے۔ جیسے کلب، اسد، ذئب، اور غلاموں کے نام راشد، نجیح وغیرہ اور اس کی علت یہ بیان کرتے کہ ہماری اولاد ہمارے دشمن کیلئے ہے اور ہمارے خادم ہمارے لئے ہیں۔

باقی اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ آپ برے ناموں سے شگون بد لیتے تھے، جیسا کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث کا محل ''باب الاسماء'' ہے۔ مصنف نے حدیث کے ابتدائی الفاظ کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اس باب میں ذکر کیا اس بات پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ یہ مطلقاً ''تطیر'' کی نفی پر دال ہے۔

توضیح: ابوداؤدؒ نے یہ حدیث مکمل روایت کی ہے اور شاید کہ یہ دو حدیثوں سے مرکب ہے، جیسا کہ جامع کی یہ عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے، کہ حکیم ترمذی اور بغوی نے ابو بردہ سے روایت کیا ہے: ''انہ کان لا یتطیر، ولکن یتفاء ل اور ما قبل میں یہ روایت گذر چکی ہے: انہ کان یتفاء ل ولا یتطیر، وکان یحب الاسم الحسن''۔

[ملاحظہ فرمایئے حدیث: ۴۵۸۲]

ترکِ مقام کا حکم

۴۵۸۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا کُنَّا فِیْ دَارٍ کَثُرَ فِیْھَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰی دَارٍ قَلَّ فِیْھَا عَدَدُنَا وَاَمْوَلُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَرُوْھَا ذَمِیْمَۃً۔ (رواہ ابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٨ الحديث رقم ٣٩٢٤۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک حویلی میں رہا کرتے تھے جس میں ہماری تعداد بھی زیادہ اور مال بھی کثرت سے تھا پھر ہم ایک دوسری حویلی میں مستقل ہو گئے جہاں ہماری تعداد و اموال میں کمی آ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قابل مذمت ہے اسے چھوڑ دو۔

تشریح: کثر: ثاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

ذمیمة: ''فعیلة'' بمعنیٰ '' مفعوله '' ہے یعنی ''مذمومہ'' (کذا فی النھایۃ) معنیٰ ہے: **اتر کوھا بالتحول عنھا حال کونھا مذمومة.**

آپ نے اس مکان کو چھوڑنے کا حکم اس لئے دیا کہ اس مکان کی آب و ہوا اور سکونت چونکہ مکینوں کو راس نہیں آئی اس لئے آپ نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کو مکان چھوڑ دینے کا حکم اس مصلحت کے پیش نظر دیا، کہ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ سارا نقصان مکان کی وجہ سے ہوا۔ پس جب یہ مکان چھوڑ جائیں گے' انکے اس شبہ اور وہم کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔

ازالۂ وساوس کے لئے وبائی علاقہ چھوڑ دو

۴۵۹۰: وَعَنْ يَحْيىَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنِ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَنَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا اَبْيَنُ وَهِيَ اَرْضُ رِيْفِنَا وَمِيْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَآءَ هَا شَدِيْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٨ الحديث رقم ٣٩٢٣' وأحمد فی المسند ٣/٤٥٣۔

ترجمہ: یحییٰ بن عبداللہ بن جبیر کہتے ہیں مجھے اس شخص نے بتلایا جس نے اروہ بن مئیکؓ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہماری ایک زمین ہے وہ وبائی علاقہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس لئے کہ قرف سے ہلاکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویانِ حدیث:

فروۃ بن مسیک ۔ یہ فروہ مسیک کے بیٹے ہیں۔ مرادی غطیفی اور اہل یمن میں سے ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ۹ھ میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور کوفہ کی جانب منتقل ہو گئے اور پھر وہیں اقامت اختیار فرمائی۔ اپنی قوم کے اشراف اور نمایاں لوگوں میں سے ہیں۔ ان سے شعبی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ بہترین شاعر تھے۔ ''فروہ'' میں فاء پر فتحہ اور راء مہملہ پر سکون ہے۔ ''مسیک'' میں میم پر ضمہ' سین مہملہ پر فتحہ اور یاء ساکن نیچے دو نقطے اور آخر میں کاف ہے۔ ''مسک'' کی تصغیر ہے۔

یحییٰ بن عبداللہ۔ یہ ''یحییٰ'' ہیں۔ ''عبداللہ بن بجیر'' کے بیٹے ہیں اور صنعانی ہیں۔ انہوں نے ان لوگوں سے روایت کی جن سے فروہ بن مسیک نے سنا اور ان سے معمر نے روایت کی ہے۔ ''بجیر'' میں باء (ایک نقطہ والی) مفتوح اور حاء مہملہ مکسور اور

راء ہے

تشریح: أبین: ہمزہ مفتوحہ، باء کے سکون' یاء کے فتحہ اور نون کے ساتھ ہے۔ اصل میں یہ ایک آدمی کا نام تھا جس کی طرف ''عدن'' کی نسبت ہے۔ کہا جاتا ہے: ''عدن أبین''. نہایہ میں ہے کہ یہ ''حمر'' کے وزن پر ہے' یمن کی طرف سمندر کی جانب ایک بستی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عدن شہر کا نام ہے۔

ریفنا: راء کے کسرہ' یاء کے سکون اور فاء کے ساتھ ہے۔ سرسبز و شاداب اور کھیتی والی زمین کو کہتے ہیں۔ (نہایہ) مصابیح کے بعض شراح نے اس لفظ کو ''ریعنا'' نقل کیا ہے۔ اس صورت معنیٰ ہوگا: یحصل لنا فیها الثمار والنبات۔ کہ اس میں ہمیں پھل اور نباتات حاصل ہوتے ہیں۔ ''ریع'' زیادہ کو کہتے ہیں۔

و میرتنا: میم کے کسرہ کے ساتھ ''ریفنا'' پر عطف ہے۔ ای طعام مجلوب أو المنقول من بلد الیٰ بلد.

القرف التلف: یہ دونوں فتحہ کے ساتھ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وبا والی زمین میں داخل ہونا بیماری کے قریب ہونے کی طرح ہے۔ نہایہ میں ہے ''القرف'' بیماری کے ساتھ ملابست اور قرب کو کہتے ہیں۔ ''تلف'' ہلاک کے معنیٰ میں ہے۔

قوله: ان وباء ها شدید:

اس کی ہوا کی کثافت کے باعث یہاں وبائیں بہت زیادہ اور بہت سخت ہوتی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وباء سے مراد اس زمین کی نحوست مراد ہے اور شاید اس حدیث کو اس بات میں لانے کا سبب بھی یہی ہو۔

قوله: دَعْهَا عَنْكَ من الفرف التلف :

دعها عنك: یعنی اس زمین میں داخل ہونا اور گھومنا پھیرنا چھوڑ دے کیونکہ یہ طاعون والی زمین کی طرح ہے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس زمین کو چھوڑنے کا حکم عدویٰ کے نقطہ نظر سے نہیں، بلکہ اصول طب کے پیش نظر تھا کیونکہ آب و ہوا کا اچھا ہونا صحت بدن کیلئے بہت ہی معاون ہے، اور آب و ہوا کا خراب ہونا بیماریوں کی طرف لپکنے والی اشیاء میں سے تیز ترین ہے۔

الفصل الثالث:

ناپسند چیز کو دیکھ کر یہ دُعا کرے

۴۵۹۱: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رواه ابوداود مرسلا)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٣٥ الحديث رقم ٣٩١٩۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بدشگونی کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سب سے بہتر اچھا فال ہے اور فال سے کسی مسلمان کو اس کام سے واپس نہ لوٹنا چاہیے جس کا

وہ ارادہ کر چکا ہے۔ پس تم کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھو تو یہ دعا کرو' اے اللہ! تو نیکیوں کو لانے والا اور برائیوں کو دفع کرنے والا ہے۔ برائی سے بچنا اور نیکی کی توفیق تیری طرف سے ہی میسر ہوتی ہے۔ یہ ابوداؤد کی مرسل روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عروۃ بن عامر۔ عروہ ''عامر'' کے بیٹے ہیں۔ قریشی اور تابعی ہیں۔ ابن عباس اور دوسرے حضرات سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے عمرو بن دینار اور حبیب بن ابی ثابت نے روایت کی۔ ابوداؤد نے ان کی حدیث ''باب الطیر ۃ'' میں ذکر کی ہے۔ یہ روایت ''مرسل'' ہے۔

تشریح: **قولہ: أحسنها الفال**: اس کی نظیر آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: **خیر ھا الفال**۔ اس کی تاویل میں علماء کے اقوال ماقبل میں گذر چکے ہیں۔

الا باللہ: الحصن کے اصل میں ''الا بك'' ہے اور یہی مقتضی کلام کے مطابق ہے اور حاشیہ میں ''الا باللّٰہ'' ہے اور اس پر ''مص'' کی علامت لگائی ہے، جس سے اشارہ مصنف ابن ابی شیبہ کی طرف ہے کیونکہ وہ اس حدیث کی روایت میں ابوداؤد کے ساتھ شریک ہیں۔ پس اس میں التفات ہے۔

ذکرت: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

قولہ: ولا ترد مسلما یہ جملہ عاطفہ ہے یا حالیہ ہے۔

مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ اچھی فال وہ ہے جو مندوب فال کے مشابہ ہو اور اس کے باوجود فال مسلمان کو اس کی حاجت پورا کرنے سے نہ روکے۔ کیونکہ یہ کامل مسلمان کے شایان شان نہیں ہے بلکہ تمام امور میں اللہ پر توکل کرے اور اپنے راستے پر اللہ کے سمجھائے ہوئے نور اور حضور اور سرور کے ساتھ سفر جاری رکھے۔

قولہ: فاذارأی أحد کم مایکرہ: امام جزریؒ نے اس کی معنوی تقدیر یوں ذکر کی ہے: **ای اذا ارأی من الطیرۃ شیئا یکرھۃ**۔

قولہ: اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت: ''حسنات'' سے مراد امور حسنہ ہیں جو نعمت وطاعت کو بھی شامل ہیں۔

قولہ: ولا یدفع السیئات: سیئات سے مراد امور مکروہہ ہیں جو اللہ جل شانہ کی قسمت ومعصیت کا باعث بنتے ہیں۔

تخریج: میرکؒ نے ذکر کیا ہے کہ عروہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، لیکن ابن حبان نے ان کو ثقہ تابعین میں ذکر کیا ہے، اور اسی طرح ''التقریب'' میں ہے۔ پس اس کے مطابق یہ حدیث مرسل ہے۔

بَابُ الْكَهَانَةِ

کہانت کا بیان

کهانة، کاف کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے جیسا کہ نسخوں میں ہے اور قاموس میں ہے کهن له كمنع ونصر وكرم. " كهانة" فتح کے ساتھ کا معنیٰ ہے اس کیلئے غیب سے فیصلہ کیا' اور "الكهانة" کسرہ کے ساتھ "حرفت" کہانت" کو کہتے ہیں۔ (انتھیٰ) اور یہاں "کہانت" سے مراد آئندہ زمانے کی وہ خبریں ہیں جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ عرب میں ایسے کاہن تھے جن میں سے بعض اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ جنات ہمارے تابع ہیں وہ ہم کو خبریں دے جاتے ہیں۔

مروی ہے کہ شیطان احکامِ الٰہی آسمان پر چوری چھپے سن آتے اور کاہنوں کو اس میں جو کچھ چاہتے زیادہ کر کے بتاتے۔ تو کفار اس کو قبول کر لیتے تھے۔ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو آسمانوں کو پہرہ میں لے لیا گیا اور کہانت باطل ہو کر رہ گئی۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ وہ مقدمات اسباب کے ذریعہ امور کو پہچان لیتے تھے سائل کے سوال' اس کے فعل وحال کے ذریعہ استدلال کرتے ہوئے اور ان کو "عراف" کہتے تھے۔ جیسا کہ وہ شخص جو چوری شدہ چیز کی جگہ معلوم کرنے یا گمشدہ چیز کی جگہ کا پتہ بتا دینے کا دعویٰ کرتا ہے (اس کو بھی عراف کہتے ہیں۔

الفصل الاول:

شگون تمہیں کام سے مانع نہ بنے

۴۵۹۲: عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِيْ نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٧٤٨ الحديث رقم (١٢١-٥٣٧)، وأبو داوٗد في السنن ٤/٢٢٩ الحديث رقم ٣٩٠٩، والنسائي في ٣/١٤ الحديث رقم ١٢١٨، وأحمد في المسند ٥/٤٤٧۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بہت سے کام ہیں جس کو ہم زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے ہم کاہنوں کے ہاں جا کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب) تم کاہنوں کے ہاں مت جاؤ۔ میں نے عرض کیا ہم بدشگونی کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا براشگون ایسی چیز ہے جو (وسوسہ کی حد تک) اب بھی دل میں آسکتی ہے مگر یاد رکھو یہ تمہیں کسی کام سے نہ روکے۔ پھر میں

نے عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ لکیریں کھینچتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاءؑ میں سے ایک نبی لکیریں کھینچا کرتے تھے تو جس آدمی کا خط اور لکیر اس کے موافق ہو جائے وہ جائز ہے۔ (مسلم)

تشریح: "الکھان": کاف کے ضمہ اور ھاء کی تشدید کے ساتھ "کاھن" کی جمع ہے۔

فلا یصدنکم: دال مفتوحہ کے تشدید کے ساتھ ہے۔

یخطون: خاء کے ضمہ اور طاء مشددہ کے ساتھ ہے۔

امورا: "منصوب علی شریطۃ التفسیر" ہے اور اس کا فائدہ "تفخیم" ہے اس لئے کہ ابہام کے بعد بیان "اوقع فی النفس" ہوتا ہے۔ (ذکرہ طیبی)

فمن وافق خطه: منصوب ہے اس لئے کہ مفعول ہے، اور ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے بنا بر فاعلیت، اور اس صورت میں مفعول مقدر ہوگا۔

فذاك: جواب شرط ہے۔ ("ذاک" مبتدا ہے، اور اس کی خبر محذوف ہے۔) **ای مصیب وا فلا۔**

قوله: ومنا رجال یخطون: طیبیؒ کہتے ہیں کہ تفصیل میں طرز بیان کو تبدیل کیا تا کہ یہ دلالت کرے ان لوگوں کے امتیاز پر جو امور عامہ میں خط کھینچتے ہیں۔ حدیث کے باقی الفاظ سے متعلقہ کلام و بحث: "**فیما لایجوز من العمل فی الصلاۃ**" کے تحت گذر چکی ہے۔

قوله: ذلك شیئی یجده احدکم فی نفسه: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شگون بد کی نفی دلیل کے ساتھ ہے، یہ "**لا تطیروا**" سے زیادہ بلیغ ہے۔ جیسا کہ فرمایا" **فلا تأتو الکھان**"۔ مطلب یہ ہے کہ بدشگون نہ لینا کیونکہ شگون بد کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک وہم و خیال ہے جو انسانی نفوس میں پایا جاتا ہے اور انسان کو پیش آنے والے گمان محض ہے۔ جس میں اس کیلئے کوئی نقصان نہیں ہے۔

کان نبی من الانبیاء یخط: اس حدیث میں اس نبی سے مراد حضرت دانیال علیہ السلام ہیں، اور بعض کے مطابق ادریس ہیں۔ آپ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ کرنا حرام ہے کیونکہ اس زمانے میں ان کی موافقت معدوم یا موہوم ہے۔

اُچکا ہوا کلمہ حق

۴۵۹۳: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سَاَلَ اُنَاسٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَيْسُوْا بِشَيْءٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ اَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ اُذُنِ وَلِيِّهٖ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۵۹۵ الحدیث رقم ۶۲۱۳' ومسلم فی ۱۷۵۰/٤ الحدیث رقم (۱۳۳-۲۲۸)' وأحمد فی المسند ۸۷/٦۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کاہن کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کی کچھ حقیقت نہیں لوگوں نے عرض کیا وہ بعض اوقات ایسی چیز بیان کرتے ہیں جو سچ مچ واقع ہو جاتی ہے تو اس کے جواب میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تو جنات کا اچکا ہوا کلمہ حق ہے اور وہ اسے اپنے دوست (کاہن) کے کان میں اسی طرح ڈال دیتا ہے جیسا کہ مرغ دوسرے مرغ کو دانہ لینے کے لئے بلاتا ہے۔ پھر وہ اس کے ساتھ سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: **لیسوا**: اور ایک نسخہ میں "انهم لیسوا" ہے۔

الجنی: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں مسلم کے تمام نسخوں میں جیم اور نون کے ساتھ ہے اور اسکو حاء مہملہ اور قاف کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔

من الحق: اور ایک صحیح نسخہ میں **من الجن** ہے۔ ای مسموعۃ من الجن یعنی یہ بات ان سے سنی ہوئی ہوتی ہے۔ درحقیقت دونوں معنوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ کاہن جنات سے اور جنات ملائکہ سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ "یخطفها الجنی" کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں۔

فیقرها: یاء کے فتحہ' قاف کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

قر الدجاجة: قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور "**الدجاجة**" دال کے ساتھ ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں "**قر**" کا مطلب ہے مخاطب کے کان میں کلام گھومانا یہاں تک کہ وہ سمجھ لے۔ تو کہتا ہے: **قررته أقره قرا' وقر الدجاجة صوتها**. جب مرغی اپنی آواز بند کر دے۔ کہا جاتا ہے: قرت تقر قرا وقریرا فان رددته قلت: **قررت قر قرة**، اور اس کو "**قر الزجاجة**" زاء کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اور اس پر بخاری کی روایت دلالت کر رہی ہے۔ جس میں ہے: **فیقرها فی اذنه كما تقر القارورة**. (انتھیٰ)

شیخ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور پہلی روایت کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کو "**قر الزجاجة**" زاء کے ساتھ روایت کیا ہے' اور میرا خیال ہے کہ یہ دونوں روایتوں سے زیادہ محفوظ ہے۔ کیونکہ اس روایت کے علاوہ ایک روایت میں "**قر القارورة**" ہے۔ کہا جاتا ہے: **قررت علی راسه دلوا من ماء ای صببت' وقر الحدیث فی اذنه یقره** اس کا معنیٰ ہے اس کے کان میں ڈالنا اور "**قر الحدیث فی الاذن**" کا استعمال کلام عرب میں عام ہے اور اس کا استعمال اس طریقے پر جس طریقے پر حدیث کی تفسیر کی گئی ہے تو یہ غیر مشہور ہے۔ ہم نے کلام عرب میں اس کا کوئی شاہد نہیں پایا۔ یہ تمام باتیں دلالت کر رہی ہیں کہ "**الدجاجة**" دال کے ساتھ تصحیف یا راوی کی غلطی ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ "**قر الدجاجة**" مفعول مطلق ہے اور اس میں تشبیہ کا معنیٰ ہے۔ تو جب جن کے فرشتوں کے کلام سے بعض باتیں اچک لینے اور ان باتوں کو کاہن کے کان میں ڈالنے کو بوتل میں پانی ڈالنے کے ساتھ تشبیہ دینا درست ہے تو اسی طرح اس

کی تشبیہ مرغ کے اپنی آواز دوسرے مرغیوں کے کان میں ڈالنے کے ساتھ بھی درست ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ مرغا جب دانہ یا کوئی چیز اٹھاتا ہے تو آواز نکالتا ہے اور دیگر مرغیوں کو سناتا ہے تو وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور تشبیہ کے باب میں اتنی وسعت ہے کہ ''علاقہ'' کی احتیاج نہیں ہے مزید یہ کہ یہاں ''اختطاف کلام'' کو ''خطف الطیر'' کے لئے مستعار لیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿فتخطفه الطير﴾ تو ''الدجاجة''، ''القارورة'' سے زیادہ مناسب ہے چوں کہ استعارہ میں ترشیح حاصل ہے اور جو میں نے ذکر کیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جو ابن صلاح نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ اصل ''قر الدجاجة'' دال کے ساتھ ہے' اس میں تصحیف کر کے قر الزجاجة کر دیا ہے۔ (انتھٰی)

اور جان لیجئے کہ اصل مشکوٰۃ میں ''الدجاجة'' دال مہملہ کے ساتھ ہے فقط اور یہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے اور قاموس میں ہے کہ ''دجاجة'' مذکر اور مؤنث دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور ''الزجاجة'' زاء کے ضمہ کے ساتھ ہے جو کہ مخفی نہیں ہے۔

پس جب آپ یہ جان چکے تو ''فیقرھا'' کا معنی یہ ہوا: ''یلقیھا او بصوت بھافی اذن ولیه 'ای من الکھان۔ ''قر الدجاجة'' بمعنی مثل صوتھا سے ماخوذ ہے' اور بعض کا کہنا ہے کہ ''تقرھا'' کا معنی ہے ''یصبھا''۔

قوله: کقر الدجاجة: بعض کے مطابق اس کا مطلب ہے جس طرح مرغ مرغی میں منی ڈالتا ہے جفتی کرتے وقت کہ کسی آدمی کو معلوم نہیں ہوتا، اسی طرح جن وہ بات کاہن کے کان میں ڈالتا ہے، تو اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا اور ''الزجاجة'' زاء معجمہ کے ساتھ کا مطلب ہے کہ وہ اپنے پیروکار کے کان میں بات اس طرح ڈالتا ہے جیسا کہ ایک بوتل سے دوسری بوتل میں پانی ڈالا جاتا ہے۔

فیخلطون: لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

کذبة: کاف کے فتحہ اور ذال کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور شرح مسلم میں ہے کہ ''الکِذبة'' کاف کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اور ذال ان دونوں میں ساکن ہے۔ قاضیؒ کہتے ہیں کہ بعض حضرات نے کسرہ کا انکار کیا ہے، الا یہ کہ اس سے حالت یا ہیئت مراد ہو، اور یہاں وہ مراد نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہی مراد ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ سو قسم کے جھوٹ لاتے تھے جیسا کہ ''فیخلطون'' اور آنے والی حدیث میں ''فیکذبون معھا مائة کذبة'' کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں کیونکہ یہ یکذبون مائة مرة سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ ایک جھوٹ کے سو بار تکرار پر صادق آتا ہے، نیز اگر یہ معنی مراد ہوتا، تو صرف مائة پر اکتفاء کرتے، یا مائة کذب کہتے۔ پس تاء لانے کی طرف عدول کرنے کا کوئی فائدہ ضروری ہے۔ قاموس میں ہے کذب یکذب: کِذبًا و کَذبًا و کذبةً و کذبةً، کاف کے فتحہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ اور دو کاف کے کسرہ اور سکون ذال کے ساتھ پہلے دو میں' اور کاف کے فتحہ اور کسرہ اور دونوں ذال کے سکون کے ساتھ اور جو بعض نسخوں میں کاف کے فتحہ' ذال کے سکون اور تاء کے ساتھ ضبط کیا ہے، تو وہ روایۃً اور درایۃً دونوں طرح درست نہیں ہے بلکہ اس صاحب ضبط پر آپ پر جھوٹ باندھنے کی وعید کا خدشہ ہے۔

کاہنوں کی کسی بات کے سچّے ہونے کی وجہ

۴۵۹۴: وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَآءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ فَتُوْحِيْهِ اِلَى الْكُهَّانِ فَيَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كَذِبَةٍ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/ ٣٠٤ الحديث رقم ٣٢١٠۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سنا کہ فرشتوں کی کوئی جماعت بادلوں میں اترتی ہے اور وہ آپس میں آسمان میں فیصلہ شدہ اُمور کا تذکرہ کرتی ہے۔ شیاطین جب چوری چھپے اس میں سے کوئی بات سن پاتے ہیں تو وہ اسے کاہنوں تک منتقل کر دیتے ہیں پھر وہ کاہن اس میں اپنے ہاں سے سو جھوٹی باتیں ملا لیتے ہیں (اور پھر لوگوں کو بیان کر دیتے ہیں)۔

تشریح: العنان: عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قوله: فتذكر الامر قضى: فعل ثانی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

قضى: حال ہے، یا صفت ہے، الامر کا الف لام عہد ذہنی کیلئے ہو، یا موصول محذوف کیلئے صلہ ہے، ای الامر الذی قضى الله فی كل يوم من الحوادث فی الدنيا.

فی السماء: ظرف ہے قضی کیلئے نہ کہ تذکر کیلئے اور یہ صریح دلیل ہے کہ "عنان" سے مراد "سحاب" ہے، کیونکہ اس جملے کا کوئی مطلب نہیں بنتا: "ان الملائكة ينزلون من السماء" کہ فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور اس امر کا ذکر کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمان میں ہوا ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ آسمان سے بادلوں میں نازل ہوتے ہیں پھر وہ بعض امور میں بات چیت کرتے ہیں جن کا فیصلہ آسمان میں ہوا ہوتا ہے۔ پس وہ (جنات) ان کی باتیں سن لیتے ہیں درانحالیکہ وہ وہاں موجود ہوتے ہیں۔

قوله: فسترق الشلطين السمع:

یہاں "السمع" سے مراد "مسموع" ہے۔

قوله: فتسمعه فتوحيه الى الكهان:

"توحیہ" ایحاء سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چپکے سے خبر دینا اور زجاج سے مروی ہے کہ "ایماء" کو وحی کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کاہنوں کی بعض باتیں سچے ہونے کا سبب یہ ہے' لیکن چونکہ کاہن عام طور جھوٹ ہی بولتے ہیں اس لئے شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفادہ کرنے کا باب ہی بند کر دیا اور فرمایا: انهم ليسوا بشئی۔ اسی وجہ سے کاذب کی شہادت غیر معتبر ہے باوجودیکہ: كذوب قد يصدق۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قوله: وهو السحاب: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں احتمال ہے کہ یہ راوی کا قول ہو، جو اس نے "العنان" کی تفسیر کے

طور پر ذکر کیا ہے۔ پس "السحاب" السماء سے مجاز ہے، جیسا کہ "سماء" سحاب سے مجاز ہے اللہ کے اس ارشاد میں: ﴿وانزلنا من السمآء ماء﴾ [المؤمنون:١٨] لیکن ایک تفسیر کے مطابق ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں ارتکاب مجاز کی وجہ بنتی ہے، لیکن حدیث میں اس کے ارتکاب کی کوئی ظاہری وجہ نہیں ہے کیونکہ حقیقت سے مجاز کی طرف عدول ضرورت کیوقت سے کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہاں پر یہ تاویل کی جاتی ہے: ان الملائکه تنزل فی السماء 'الا یہ کہ سماءٔ دنیا مراد ہو' کہ جنات کا ملائکہ سے سماع سحاب میں اقرب ہے' پس یہ اعتبار کے زیادہ لائق ہے۔ فصل ثالث کی ابتداء میں حضرت ابو ہریرہ حدیث اس کے لئے شاید ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے: قال : اذاتکلم الله عزوجل بالوحی سمع أهل السماء صلصلة کجر السلسلة علی الصفا فیصعقون 'فلا یزالون کذلك حتی یأتیهم جبریل فاذا جاء جبریل فزع عن قلوبهم فقولون: یا جبریل ماذا قال ربکم ؟فیقول الحق۔

عراف کے پاس جانے والے کی چالیس روز نماز نامقبول

۴۵۹۵: وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى عَرَّافاً فَسَاَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/١٧٥١ الحدیث رقم (١٥-٢٢٣)' وأحمد فی المسند ٤/٦٧۔

ترجمه: حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص عراف کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ (مسلم)

تشریح: عرافاً: راء کی تشدید کے ساتھ "عارف" کا مبالغہ ہے۔ جوہریؒ کہتے ہیں کہ کاہن اور طبیب کو کہتے ہیں، اور مغرب میں ہے کہ "عراف" منجم کو کہتے ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے۔ (ذکرہ بعض الشراح) نوویؒ فرماتے ہیں کہ "عراف" کاہنوں کی ایک قسم ہے۔ خطابیؒ وغیرہ کہتے ہیں "عراف" اس شخص کو کہتے ہیں جو شیئی مسروقہ اور گمشدہ چیز وغیرہ کی جگہ بتائے۔

تقبل: صیغہ تانیث کے ساتھ ہے اور مذکر بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔

صلاۃ: تنوین کے ساتھ ہے اور "اربعین لیلة" ظرف ہے، اور ایک نسخہ میں "اربعین لیلة" کی طرف اضافت کے ساتھ ہے۔

تشریح: مطلب جو عراف کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے اس کو سچ سمجھتے ہوئے نہ کہ بطور استہزاء سوال کرے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی طبرانی نے حضرت واثلہ سے روایت کیا ہے: من أتی کاهنا فسأله عن شیئی حجبت عنه التوبة أربعین لیلة'فان صدقه بما قال کفر 'پس حدیث میں اشارہ ہے کہ تائب کے اعمال کو بھی درجہ قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان اسی طرح اشارہ ہے: [انما یتقبل الله من المتقین] [المائدة:٢٧]

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ثواب حاصل نہیں ہوتا، اگر چہ فرض اداء ہو گیا، اور اس پر

اعادہ واجب نہ ہوگا اور اس کی نظیر ارض مغصوبہ میں نماز پڑھنا ہے، کہ فرض اداء ہو جاتے ہیں، لیکن اس میں ثواب نہیں ہوتا، ہمارے جمہور ائمہ کی یہی رائے ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب آدمی فرض اور واجب نماز کامل طریقے سے پڑھتا ہے تو اس پر دو چیزیں مرتب ہوتی ہے: ① ادائیگی فرض ② حصول ثواب، جب ارض مغصوبہ میں ادا کرے گا تو اول حاصل ہوگی شئی ثانی حاصل نہ ہوگی اور اس حدیث میں یہ تاویل ضروری ہے' کیونکہ علماء کا اتفاق ہے کہ عراف کے پاس جانے والے شخص پر چالیس دن کی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہے، لہٰذا تاویل لازمی ہوگی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تاویل کا لازم ہونا تو مسلم ہے لیکن مذکورہ تاویل متعین نہیں' کیونکہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ حسنات سیئات سے باطل نہیں ہوتیں سوائے مرتد ہونے کے کہ اس سے حسنات باطل ہو جاتی ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے اور پھر اسلام قبول کر لے اس پر حج کی قضا نہیں ہے حالانکہ حج فرض عمری ہے۔

پھر سابقہ تاویل کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ شخص نفل نماز پڑھے گا تو اس کو ثواب ملے گا اسی طرح فرض پڑھنے پر بھی ثواب ملے گا اس لئے کہ [لايضيع أجر أحسن عملا] اللہ اچھے عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا یہاں ثواب کا دگنا ہونا اللہ کا فضل ہے، جب بندہ ایسا کام کرے، جو اللہ کے غضب کا سبب بنے تو اللہ زائد ثواب کو ساقط کر دیتا ہے جو کہ عدل کا تقاضا ہے پھر نماز کی تخصیص یا تو اس وجہ سے کی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس کو شارع کے حوالہ کیا جائے اور عدد کے ذکر میں تحدید و تکثیر دونوں کا احتمال ہے۔

تخریج: الجامع میں ہے رواہ احمد و مسلم عن بعض امهات المؤمنينؓ.

کفر کی حالت میں صبح کرنے والے

۴۵۹۶: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٣٣٣/٢ الحديث رقم ٨٤٦، ومسلم في ٨٣/١ الحديث رقم (١٢٥-٧١)، وأبو داوٗد في السنن ٢٢٧/٤ الحديث رقم ٣٩٠٦، والنسائي في ١٦٤/٣ الحديث رقم ١٥٢٥، ومالك في الموطأ ١٩٢/١ الحديث رقم ٤ من كتاب الاستسقاء وأحمد في المسند ١١٧/٤۔

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر ہمیں نماز فجر پڑھائی۔ جب کہ رات کو بارش ہو چکی تھی نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے صحابہ نے جواب دیا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بندوں میں بعض تو ایمان کی حالت میں صبح کرتے ہیں جب کہ دوسرے کفر کی حالت میں صبح کرتے ہیں پس جس نے اس طرح کہا کہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل ورحم سے برسی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں (کے اثرات) کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے اس طرح کہا کہ ستاروں کی تاثیر سے ہمیں بارش ملی ہے تو وہ شخص میرا انکار کرنے اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے۔

تشریح: زید بن خالد جہنی: قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہیں' "جہینہ" جیم کے ضمہ اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ۔ اسمائے مؤلف میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے۔ حدیبیہ: تخفیف' تشدید ہر دو کے ساتھ ہے۔

اثر: ہمزہ اور ثاء مثلثہ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مشہور لغت ہیں اور "سماء" سے مراد مطر یعنی بارش ہے (انتھی)۔ قاموس میں ہے: **خرج فی اثرہ، واثرہ بعدہ**. اور کہا ہے کہ سماء تو معلوم ہی ہے اور سحاب عمدہ بارش کو کہتے ہیں۔

کانت: تانیث باعتبار معنیٰ رحمت یا لفظ سماء کی وجہ سے ہے، اور یہ جملہ "سماء" کی صفت ہے، اور "**اللیل**" اس کے لئے ظرف ہے۔ **أی فی بعض اجزائہ واوقاتہ۔ فقال ھل تدرون ماذا قال ربکم**: یہ "**ما**" بمعنیٰ "**ای شئی**" ہے۔

اصبح من عبادی: **اصبح** میں نستر ضمیر ضمیر شان ہے "**من**" تبعیض کیلئے ہے، اور یہ مبتداء ہے اور **ما بعد** اس کی خبر ہے۔

کافر: تقدیر "**کافر بی**" ہے، جیسا کہ ایک نسخہ میں یہی ہے ای **بعضھم کافر بی**۔ یا تقدیر یہ ہے: **بعضھم مؤمن بی وکافر بغیری. وبعضھم کافر بی ومؤمن بغیری** .

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "**فاما من قال**" سے "**مؤمن بی وکافر**" کے اجمال کی تفصیل ہے، اور اس میں تقدیر عبارت کا ہونا ضروری ہے' تاکہ تفصیل اجمال کے مطابق ہوجائے۔ پس تقدیری عبارت یہ ہے: **مؤمن بی کافر بالکوکب، وکافر بی ومؤمن بالکوکب**. کہ بعض مجھ پر ایمان رکھتے ہیں ستاروں کے کافر ہوتے ہیں اور بعض میرے کافر اور ستاروں کے مؤمن ہوتے ہیں۔ تو یہ جمع مع التقسیم کے باب سے ہے۔

اور کشاف میں ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿**وتجعلون رزقکم انکم تکذبون**﴾[الواقعۃ: ۸۲] مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو تمہیں بارش کی روزی دی ہے اس کا شکر تم نے یہ اداء کیا کہ تم اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کو جھٹلاتے ہو بایں طور اس کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں، اس شخص کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے جو شخص کہے **مطرنا بنوء کذا**، ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے، اور اصل ایمان کو سلب کرنے والا ہے پھر اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص یہ بات اس اعتقاد کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ ستارہ فاعل، مدبر اور بارش برسانے والا ہے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا زعم تھا۔ تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے، یہی امام شافعیؒ اور جمہور کا قول ہے۔ دوسری یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ بارش اللہ کے فضل سے ہوتی ہے، اور ستارہ اس کیلئے علامت ہے اور مظنہ نزول غیث ہے، تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس طرح ہے جیسا کہ وہ کہے کہ

فلاں وقت بارش ہوئی۔لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کہنا مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ یہ کلمہ وہم پیدا کرتا ہے، کفر اور ایمان کے درمیان متردد ہے، تو کہنے والے کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ اہل جاہلیت کا شعار ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ کفر سے مراد کفران نعمت ہے، کہ اس نے بارش کی نسبت کرنے میں صرف ستارے کی طرف نسبت کرنے پر اکتفاء کیا۔اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے: **اصبح من الناس شاكرا و كافرا**، اور ایک اور روایت میں ہے: **ما انعمت على عبادی من نعمة الا اصبح فريق بها كافرين.**

بارش کے سبب کفرانِ نعمت

۴۵۹۷: **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يَنْزِلُ الْغَيْثُ فَيَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَاوَكَذَا۔** (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه ۸۴/۱ الحديث رقم (۱۲۶-۷۲)، والنسائی فی السنن ۱۱۴/۳ الحديث رقم ۱۵۴۲، وأحمد فی المسند ۳۶۲/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب بھی آسمان سے کوئی برکت اتارتے ہیں تو انسانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت اس کے سبب کفر اختیار کر لیتی ہے۔اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتے ہیں۔تو لوگ کہتے ہیں ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔(تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے)۔(مسلم)

تشریح: **بركة:** برکت سے مراد بارش ہے۔ایک روایت میں "**من نعمة**" ہے۔

ينزل الله الغيث: یہ جملہ استینافیہ برائے بیان ہے۔یا تمثال برہان ہے.

الفصل الثانی:

نجوم جادو کا حصہ ہے

۴۵۹۸: **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَازَادَ۔** (رواه احمد وابو داود وابن ماجة)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲۲۶/٤ الحديث رقم ۳۹۰۵، وابن ماجه فی ۱۲۲۸/۲ الحديث رقم ۳۷۲۶، وأحمد فی المسند ۳۱۱/۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم نجوم کا ایک حصہ حاصل کرنے والا جادو کا ایک حصہ حاصل کرنے والا ہے۔اس نے جس قدر نجوم کا علم حاصل کیا اس نے اسی قدر جادو کا علم حاصل کیا۔یہ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

تشریح: **ما زاد: ای مدة زيادته من النجوم**۔پس 'ما' بمعنی "**ما دام**" ہے اور اس کی تائید شارح کے قول "ای

زاد النبی ﷺ سے ہوتی ہے۔جیسا کہ ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے علم نجوم کے بارے میں روایت کیا ہے۔(کذا فی الشراح) بظاہر اس کا مطلب یہ ہے: زاد اقتباس شعبة السحر مازاد اقتباس علم النجوم۔طیبیؒ فرماتے ہیں کہ علماً کو نکرہ لایا ہے تقلیل پر دلالت کرنے کیلئے اور اسی وجہ سے اقتباس کا لفظ ذکر کیا ہے، کہ اس میں قلت کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور "من النجوم" علمًا کی صفت ہے اور زاد کا فاعل "الشعبة" ہے اور "زاد" کو مذکر لانا "سحر" کا اعتبار کرتے ہوئے ہے اور "زاد ما زاد" جملہ مستانفہ ہے برائے تقدیر لایا گیا ہے۔تقدیری عبارت یوں ہے: یزید السحر ما یزید الاقتباس. مضارع کی جگہ ماضی کو لانا تحقیق اور ثبوت کیلئے ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ ممنوع علم نجوم وہ ہے، جس میں ان واقعات کے جاننے کا دعویٰ ہو جو ابھی تک رونما نہیں ہوئے اور ان میں سے کچھ مستقبل میں رونما ہو جاتے ہیں۔جیسے ہوا چلنے کے وقت کی خبر دینا، بارش برسنے کے وقت کی خبر دینا برف پڑنے کے وقت کی خبر، سردی اور گرمی پڑنے کی خبر دینا، قیمتوں کے بڑھنے کی خبر دینا وغیرہ اور نجوم والوں کا خیال یہ ہے کہ وہ ان اوقات کو ستاروں کے چلنے اور رفتار سے معلوم کرتے ہیں اور ستاروں کے جمع ہونے اور الگ ہونے سے معلوم کرتے ہیں۔حالانکہ یہ ایسا علم ہے کہ اللہ نے اس کو پوشیدہ رکھا ہے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ج وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ج وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ط وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [لقمن:٣٤] "خدا ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نر ہے یا مادہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی بیشک خدا ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے"۔

باقی وہ علم نجوم جو بطریق مشاہدہ حاصل کئے جاتے جس کے ذریعے زوال اور قبلے کا رُخ معلوم کیا جاتا ہے تو وہ ممنوع میں داخل نہیں ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط......﴾ [الانعام:٩٧] اور اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وبالنجم هم يهتدون﴾ [النحل:١٦] اللہ نے ان آیات میں خبر دی ہے کہ ستارے اوقات اور راستوں کے معلوم کرنے کے ذرائع ہیں۔اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ قبلے کا رُخ معلوم نہ کر پاتے۔حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: تعلموا من النجوم ماتعرفون به القبلة والطريق ثم أمسكوا۔کہ اتنا علم نجوم سیکھو جس کے ذریعے تم قبلہ اور راستہ معلوم کر سکو، پھر مزید سیکھنے سے رک جاؤ۔

وحی کے تین منکر

۴۵۹۹: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا وَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ اَوْ اَتٰى امْرَاَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰى امْرَاَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔

(رواه احمد وابوداود)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٤/٢٢٥ ٢٠ الحديث رقم ٣٩٠٤، والترمذی فی ١/٢٤٣ الحديث رقم ١٣٥، وأحمد

فی المسند ٢/٤٠٨۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس آیا اور بات میں اس کی تصدیق کی یا بیوی کے پاس حالت حیض میں گیا یا اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کی تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی وحی کا انکار کیا۔ یہ احمد، ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: أتى امرأته: یہ "اتیان" کنایہ از وطی ہے (حائضہ کے ساتھ)۔ "تفخیذ" کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

حائضًا: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حال منتقلہ ہے اسی لئے تاء کا حذف جائز ہے، اگر صفت ہوتی تو تاء کا ہونا لازمی تھا۔ (انتہیٰ)۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے مراد وصف قائم ہے، تاکہ آنے والی وعید اس پر مرتب ہو، اور تاء کو اس لئے ترک کیا کہ یہ صرف عورتوں کا وصف ہے طالق کی طرح۔

کاہن اور عراف میں فرق یہ ہے کہ کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والے اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں اور عراف شئی مسروقہ اور گمشدہ اشیاء کی جگہ بتانے والے کو کہتے ہیں۔

فقد برئ: یعنی کافر ہوا کیا یہ محمول ہے حلال جاننے والے پر یا یہ تہدید اور وعید کیلئے ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے: رواہ احمد والاربعة، اور احمد اور حاکم کی ایک روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں منقول ہے: "من أتى عرافا او كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد"۔

الفصل الثالث:

ساحر کی سچی بات کی حقیقت

٤٦٠٠: عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ الْاَمْرَ فِى السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خِضْعَانًا لِقَوْلِهٖ كَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا لِلَّذِىْ قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ فَسَمِعَهَا مُسْتَرِقُوْا السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُوْا السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ يُلْقِيْهَا الْاٰخَرُ اِلٰى مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰى يُلْقِيْهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِالْكَاهِنِ فَرُبَّمَا اَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُلْقِيَهَا وَرُبَّمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ يُّدْرِكَهٗ فَيُكَذِّبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذِبَةٍ فَيُقَالُ اَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا وَكَذَا وَكَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِىْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ۔

أخرجه البخاري في صحيحه ٨/٥٣٧ الحديث رقم ٤٨٠٠، والترمذي في السنن ٥/٣٣٧ الحديث رقم ٣٢٢٣، وابن ماجه في ١/٦٩ الحديث رقم ١٩٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ آسمان میں اپنا کوئی حکم بھیجتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہوتا ہے کہ جیسے صاف پتھر پر زنجیر ماری جاتی ہے جب فرشتوں کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟ تو دوسرا عرض کرتا ہے کہ جو کچھ فرمایا حق فرمایا اس وقت شیاطین بھی زمین سے تلے اوپر آسمان کی طرف جاتے ہیں اور اس حکم الٰہی کو سن کر اوپر والا نیچے والے کو بتاتا ہے اور اس طرح یہ ایک دوسرے سے باتیں اڑا لیتے ہیں سفیان نے اس موقعہ پر اپنی ہتھیلی کو موڑ کر اور پھر انگلیوں کو ملا کر بتایا کہ شیاطین اس طرح ایک تو ایک ملے ہوئے ہوتے ہیں اور اوپر والا نیچے کو اور وہ اپنے نیچے والے کو اور پھر اسی طرح یہ اطلاع زمین پر ساحروں اور کاہنوں تک پہنچائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتے شیاطین کو آگ کا کوڑا مارتے ہیں بات پہنچانے سے قبل اور ان کے بات پہنچانے کے بعد انہیں لگ جاتی ہے اور وہ اپنے نیچے والے کو خبر کر دیتا ہے پھر یہ کاہن ایک بات میں سو باتیں جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے ہیں اور ایک سچی بات کی بدولت سب باتوں میں ان کی تصدیق کی جاتی ہے۔

تشریح: قضی اللہ الامر: ای قدرہ أو حکم بہ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب قضاء کو آسمان میں ظاہر فرماتا ہے۔

خضعانا: خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور کبھی خاء کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے بمعنیٰ تواضعاً وتخاشعاً۔ نہایہ میں ہے کہ ''خضعان'' مصدر ہے۔ خضع یخضع خضوعًا و خضعانًا، کا۔ بمعنیٰ انقیاد ومطاوعت جیسے غفران اور کفران مصدر ہیں، اور کسرہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے وجدان کی طرح اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''خاضع'' کی جمع ہو۔

سلسلۃ: ہر دو سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

سلسلۃ: دونوں سین مہملہ ومکسور ہیں۔

فیصدق: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

صفوان: صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ نرم چکنے پتھر کو کہتے ہیں۔

فحرفھا: راء کی تشدید کے ساتھ ہے اور ''بدد'' دال کے تشدید کے ساتھ ہے۔ بدّد: دال اولیٰ کی تشدید کے ساتھ بمعنی فرق۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں ملائکہ کی کیفیت رکوب کا بیان ہے کہ وہ ہاتھ کی انگلیوں کی طرح سے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں، جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: [تصف السنتکم الکذب] اور آپ کے اس قول میں ہے: وجہ یصف الجمال

فزع: فاء کے ضمہ اور زاء کے شد کے ساتھ ازیل الفزع کے معنیٰ میں ہے۔

خضعانًا: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جمع ہو تو حال ہے اور مصدر ہو تو اس کا مفعول مطلق واقع ہونا جائز ہے۔ کیونکہ ''ضرب الاجنحہ'' میں خضوع کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ یا مفعول لہ ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مفعول لہ ہونا زیادہ ظاہر ہے۔ طیبیؒ فرماتے ہیں مفعول لہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پرندہ جب کوئی خوف محسوس کرتا ہے، تو وہ کانپتے ہوئے اپنے پر جھکا لیتا ہے۔(

تو ممکن ہے فرشتوں کے پر جھکانے کا سبب بھی یہی ہو)۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے "ضرب اجنحه" کی کیفیت کا علم صرف اللہ سبحانہ کے پاس ہے کہ وہ خوف کی وجہ سے ہے، یا کسی اور وجہ سے۔

كانه سلسلة ......: جملہ حالیہ ہے۔

فزع عن قلوبهم: ابن عامر نے ﴿**حتى اذا فزع عن قلوبهم**﴾ [سبا:۲۳] میں "فزع" کو صیغہ معروف کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کا فاعل "اللہ" ہے۔

الحق: منصوب ہے، فعل محذوف قالوا ہے یعنی فرشتوں نے اللہ کی فرمائی ہوئی بات کی تعبیر "الحق" سے کی۔ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای القول الحق. ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں تقدیر "قوله الحق" ہوگی۔

مسترقو السمع: مبتدا ہے اور خبر اس کی "هكذا" ہے۔

بعضه فوق بعض: ماقبل کیلئے توضیح یا بدل ہے۔

بعضه: کی خبر واحد اور مرجع جمع ہے، یہ مذکور کی طرف راجع ہے اور اسی قبیل سے یہ آیت ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــــًٔا مَّرِيْٓــــــًٔا﴾ [النساء: ٤] "اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھالو۔" منه کی ضمیر جاری مجری اشارہ ہے، گویا کہ اصل میں ہے "عن شيء من ذلك"۔ (طیبیؒ)

فيسمع الكلمة: اى أحدهم أو المسترق: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا عطف "مسترقوا السمع" پر ہے اور راوی کا کلام درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ میرے نزدیک زیادہ ظاہر ہے یہ "فسمعها مسترقوا لسمع" کا اعادہ ہے، طول فصل کی وجہ سے جو صحابی کے قول "ومسترقوا لسمع......" اور تابعی کی تفسیر "و وصف......" کی وجہ سے آیا ہے اور صیغہ ماضی سے مضارع کی طرف عدول حال مشار الیہ کے استحضار کیلئے ہے۔

على لسان الساحر: "الٰی سے" علٰی " کی طرف عدول انتهاء امر کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اور مقصود ظہور کے استقلال کیلئے ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ساحر منجم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: المنجم ساحر" کیونکہ ساحر غیب کی خبریں نہیں دیتا ۔اھ

او الكاهن: او تنویع کیلئے ہے، اور ابن عباس کی آنے والی حدیث میں صراحت ہے کہ کاہن ساحر ہی ہے۔ اس تقدیر پر" او" شک کیلئے ہے۔

أدرك الشهاب: رفع کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ طیبیؒ فرماتے ہیں منصوب اور مرفوع دونوں کا احتمال ہے، یعنی الجنی قد يشرف السمع قبل أن يلقبه الى وليه أدرك الشهاب أو أدركه الشهاب.۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں احتمال ثانی ظاہر ہے کیونکہ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ [الصافات: ۱۰] "ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو جلتا ہوا انگارہ ان کے پیچھے لگتا ہے"۔

ای لحقه و أدر کہ شہاب اس کو کہتے ہیں جو یوں لگتا ہے گویا کہ وہ ستارا ہے ہوٹو ٹتا ہے۔(ذکرا کبر ضاوی)

کانه سلسلة علی صفوان: معنیٰ میں اس کی نظیر صفت وحی کی یہ حدیث ہے جس میں بعض اوقات کی وحی کی کیفیت کا بیان ہے:"یأتینی فی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علی فیفصم عنی وقد وعیت ما قال"۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گھبراہٹ کا ختم ہونا قول کے سننے کے بعد ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کے سننے کے بعد" فصم "ہوتا تھا۔(انتھی)

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ اس کی نظیر ہو ورنہ تو دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے، کیونکہ نبی سے جیسے وحی منقطع کی جاتی، تو وہ فرشتے کی کہی ہوئی بات یاد کر چکے ہوتے تھے اور یہاں فزع ختم ہونے کے بعد بھی فرشتوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا کہا ہے اس کا قرینہ سوال ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ان میں سے بعض ارباب کمال کو اس کا علم ہو جاتا ہے' پس" قالو ماذا قال ربکم " کے قائلین وہ ملائکہ ہوں گے کہ جن کو غلبہ فزع کی وجہ سے علم نہ ہو سکا ہو گا کہ ان کے رب نے کیا کہا ہے۔ اگلے" قالوا" سے مراد مقرب ملائکہ ہیں اور الحق سے مراد کلمہ" کن" ہے یا باطل کا مقابل ہے۔ پس" کن" سے مراد وہ چیز ہے، جو اس کے حوادثات کا سبب ہو، بایں طور کہ اللہ کا کسی کے گناہ کو معاف کرنا، کسی کی پریشانی دور کرنا کسی قوم کو بلند کرنا' کسی کو ذلیل کرنا، دن کو رات میں داخل کرنا، رات کو دن میں داخل کرنا، مردے سے زندہ پیدا کرنا زندے سے مردہ پیدا کرنا۔ بیمار کو شفاء دینا، تندرست کو بیمار کرنا، آزمائش میں نہ مبتلا کو مبتلا کرنا۔ مبتلا کو آزمائش سے نجات دینا، ذلیل کو عزت دینا، عزت والے کو ذلیل کرنا۔ مالدار کو فقیر بنانا، فقیر کو مالدار بنانا۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرلے تو کہتا ہے" ہوجا" پس وہ ہو جاتا ہے اور یہ کلمہ حق ہوتا ہے، نہ کہ باطل کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾[آل عمران۔۱۹۱] کہ آپ نے ان چیزوں کو عبث پیدا نہیں کیا، بلکہ صواب وحکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ میں موجود قول مسطور ہو اور" حق" بمعنیٰ" ثابت" ہو، اور مراد اس سے یہ ہو کہ اللہ نے کائنات میں اس چیز کا فیصلہ کرلیا، جو ازل سے لوح محفوظ میں ثابت ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اول مراد کی تائید "فسمعها" کی ضمیر مؤنث سے ہوتی ہے، یعنی سمع الکلمة الحقة اور مقرب فرشتوں نے جواب میں تصریح سے مجمل ومؤجز کلام کی طرف عدول اس لئے کیا کہ ان کا مقصود فرشتوں کے دلوں سے بالکلیہ گھبراہٹ ختم کرنا ہے یعنی تم مت ڈرو' اپنے دلوں کو سنبھالو' کیونکہ یہ وہی بات ہے جو ہر دن معاملات کے فیصلے تمہیں دیئے جاتے ہیں، نہ کہ وہ ہے جو تم نے خیال کیا قیامت کے قائم ہونے کا۔

اور اس بات کی دلیل کہ جواب دینے والے مقرب فرشتے ہوتے ہیں جیسے جبرائیل، مکائیل وغیرہ۔ ابوداؤد میں مروی ابن مسعودؓ کی حدیث ہے: قال: اذا اتکلم الله عزوجل بالوحی تسمع أهل السماء صلصلة کجر السلسلة علی الصفا' فیصعقون' فلا یز الون کذلك حتی یأتیهم جبریل 'فاذاجاء جبریل فزع عن قلوبهم فیقولون :یا جبریل ماذا قال ربکم؟فیقول الحق فیقولون الحق۔ کہ جب اللہ وحی پر تکلم فرماتے ہیں تو آسمان والے صاف پتھر پر زنجیر کھینچنے کی آواز کی طرح آواز سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پس وہ اسی طرح بے ہوشی میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ جبرائیل ان کے پاس آجاتے ہیں۔ پس جب جبرائیل ﷺ آجاتے ہیں تو ان کے دلوں سے خوف ختم ہو جاتا ہے، یہ آسمان

والے کہتے ہیں، اے جبرائیل ﷺ! کیا کہا تمہارے ربّ نے؟ تو جبرائیل ﷺ فرماتے ہیں، **الحق**۔ پس وہ کہتے ہیں حق کہا۔

قوله: وهو العلى الكبير: یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ رفیع الشان ہے‘ عظیم البرہان ہے۔

مسترقوا السمع هكذا: یعنی بعض بعض کے اوپر سوار ہوتے ہیں پے در پے جیسا کہ انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر ہوتی ہیں۔

على لسان الساحر: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''**ساحر**'' سے مراد ''نجومی'' ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے ''**المنجم ساحر**'' کیونکہ ساحر غیب کی باتیں نہیں بتاتا۔

قبل ان يدركه: ظاہر یہ ہے کہ یہ ادراک لامحالہ ہوتا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں اس بارے میں اختلاف ہے، کہ جن شیاطین کو مارا جاتا ہے، کیا اس سے ان کو صرف تکلیف ہوتی ہے اور وہ لوٹ جاتے ہیں یا جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی اس چڑھنے والے کو یہ لگ جاتا ہے اور کبھی نہیں لگتا جس طرح کہ موج کا معاملہ کشتی پر سوار شخص کے ساتھ ہوتا ہے اس وجہ سے یہ بالکلیہ منع نہیں ہوتے، اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ شیطان تو آگ سے پیدا ہوا ہے، تو وہ کیسے جل سکتا ہے؟ کیونکہ شیطان خالص آگ سے نہیں بنا، جیسا کہ انسان خالص مٹی سے نہیں بنا۔ علاوہ ازیں یہ کہ قوی آگ جب کمزور آگ پر غالب آ جاتی ہے تو اس کو ختم کر دیتی ہے۔

قوله: فيكذب معها: یعنی کاہن اس ایک سچے واقع کے مطابق کلمہ کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے‘ اور اپنی جھوٹی باتوں میں وہ اس ایک سچی بات کو بھی شامل کر دیتا ہے‘ پس جب کوئی شخص کاہن کے کذبات کی وجہ سے کاہن کو جھٹلاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں……۔

قوله: فيقال: أليس قد قال لنا يوم كذا و كذا: كذاو كذا: ''**فيقال**'' کا مطلب ہے: **فيقول الناس** اور نسخہ میں ''**فقال**'' ہے ای **من يصدق الكاهن** پہلا ''**كذا و كذا**'' کنایہ ہے سال اور مہینہ سے‘ اور دوسرا ''**كذا و كذا**'' کنایہ ہے اس خبر سے جو واقع کے مطابق تھی۔

فيصدق بتلك الكلمة: **فيصدق**: بصیغہ مجہول ہے‘ دال مشدد ہے یعنی تمام کلماتِ کذبات کی تصدیق کی جاتی ہے کاہن کی‘ اس کے یہ بہت ہی زیادہ عجیب بات ہے اور غرائب میں سے ہے کہ ایک جھوٹے کے سو جھوٹ میں ایک بات سچ ہونے کی وجہ سے اس کی تصدیق کرتے تھے اور اس شخص کی تصدیق نہیں کی جس سے زندگی بھر میں سچ کے سوا کچھ بھی نہیں سنا۔ پس تحقیقی بات یہ ہے کہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہے۔

ستارا کسی کی موت وحیات سے نہیں ٹوٹتا

۴۶۰۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهُمْ بَيْنَاهُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوْا اَللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ للَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَايُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَآءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَآءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاقَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ بَعْضاً حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآءِ هِمْ وَيَرْمُوْنَ فَمَاجَآءُوْ بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ۔

أخرجه مسلم فی صحيحه ٤/ ١٧٥٠ الحديث رقم (١٢٤ـ٢٢٢٩)' والترمذی فی السنن ٥/٣٣٧ الحديث رقم ٣٢٢٤' وأحمد فی المسند ١/٢١٨۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے ایک انصاری صحابی نے اطلاع دی کہ ہم ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ستارا ٹوٹا اور اس کی روشنی پھیل گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا تم زمانہ جاہلیت میں اسے کیا کہا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ہم تو یہ کہا کرتے تھے کہ آج کی رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا یا مر گیا ہے۔تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی موت وحیات سے ستارا نہیں ٹوٹتا لیکن ہمارا رب جس کا نام برکتوں والا ہے۔جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے تو حملۃ العرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں پھر ان کی تسبیح کی آواز سن کر قریبی آسمان والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ تسبیح اس فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے جو آسمان دنیا میں مقرر ہیں۔پھر حملۃ العرش کے قریب والے فرشتے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا۔پس وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بات کی خبر دیتے ہیں پھر کچھ آسمان والے ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے۔پھر سننے والے جنات اس بات کو اچک لیتے ہیں اور اپنے دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں اور ان جنات پر پتھر تو پھینکے جاتے ہیں پھر اگر وہ کاہن اس بات کو اسی طریق پر بیان کریں تو وہ حق ہوتی ہے۔مگر وہ اس میں اضافہ کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔(مسلم)

تشریح: رمی: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

یلون: لام کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

قوله: ولد الليل رجل عظيم: ولد: صیغہ مجہول ہے اور اس کو ''بوقت پیدائش سے ہی ''عظیم الشان'' کہنا ''مایؤ ول'' کے اعتبار سے تھا' **ومات رجل عظيم:** بظاہر یہ واؤ بمعنی ''او'' ہے' اور مطلب یہ ہے: **كنانقول تارة كذاو أخرى كذا۔**

فانهالايرسى: ضمیر منصوب ''النجوم'' کی طرف راجع ہے' اس پر دلالت ''النجم'' کر رہا ہے جس سے مراد جنس ہے۔

ربنا تبارك اسمه: جس کے نام میں اتنی خیر کثیر ہو تو وہ ذات کیسی ہوگی۔

فيخطف الجن السمع: اس فعل کو بصیغۂ مذکر طاء کے فتحہ کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے اور ایک نسخہ میں بصیغۂ تانیث اور طاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔قاموس میں ہے: **خطف كسمع وضرب** ،اور یہ لغت کم یا ردی ہے اور ''السمع'' سے مراد ''سموع''

ہے۔

یرمون: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے

یقرفون: راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یکذبون کے معنیٰ میں ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں "یقرفون" کو "فی" کے ساتھ متعدی کیا' چونکہ یہ معنی کذب کو متضمن ہے. قاموس میں ہے: "قرف علیهم بغی ولعیاله کسب وخلط و کذب"۔ پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ سنی ہوئی سچی بات میں جھوٹ ملاتے ہیں، اور اس کو خلط ملط کرتے ہیں، اور عام طور پر اس کو اس کی اصلی حالت پر نہیں چھوڑتے۔

هم جلوس: حذف مضاف کے ساتھ ہے "ذوو جلوس" یا جالسون کے معنی میں ہے۔

رمی بنجم واستنار: طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ "بینا هم" کا جواب ہے، اور اس میں "اذ" کو ذکر نہیں کیا، جیسا کہ اصمعی کا یہ شعر اس کو واضح کر رہا ہے۔

"وبینا نحن نرقبه اتانا"۔

"هم جلوس" مبتداء خبر ہیں کیونکہ بینا اور بینما کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ جملہ اسمیہ ہو، اور "بینا" اپنے جواب کے ساتھ مل کر "ان" کی خبر ہے قوله فقال لهم رسول الله ﷺ: ماكنتم تقولون فی الجاهلية ....: نبی کریم ﷺ کو ان تمام امور کا علم سے تھا' اس لئے آپ ﷺ کا سوال فرمانا برائے استعلام (جاننے کے لئے) نہیں تھا' بلکہ اس لئے تھا کہ وہ زمانہ جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق جواب دیں تاکہ آپ ﷺ ان کے غلط عقائد کا ازالہ فرمائیں اور ان کا قلع قمع فرمائیں۔

"ومات رجل عظیم": اس میں بظاہر واؤ بمعنیٰ "او" ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کنا نقول تارة كذا وتارة كذا.

اهل هذه السمآء الدنیا: طیبیؒ کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ "الدنیا، السمآء" کی صفت ہے اور السمآء اسم اشارہ کی صفت ہے، تو وصف کا وصف کیسے درست ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت درست نہیں ہوتا جب صفت مفہوم ہو، نہ کہ ذات ہو، اور اسم اشارہ کے اوصاف ذوات ہوتے ہیں لہٰذا ان کا وصف لانا درست ہے۔

یلون: لام کے ضمہ کے ساتھ ہے بمعنی یقربون۔

حملة العرش لحملة العرش: ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لائے تاکہ ضمیر کا "الذین یلون" کی طرف لوٹنے کا وہم پیدا نہ ہو۔

قوله: فیبخر ونهم ماقال: (مفعول سے پہلے حرف جر باء مقدر ہے۔) ای بما قال تعالیٰ

ویرمون: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں اس کا عطف "یقذفون" پر ہے۔

ویرمون ....: اور جنات کو شہاب ثاقب کیساتھ یہ مارنا ان کا اس بات کو اپنے ساتھیوں کی طرف پھینکنے کے بعد ہوتا ہے، اور یہ ان دو حالتوں میں سے ایک حالت ہے جو ہم نے سابقہ حدیث میں ذکر کی ہے اور وہ "ربما القاها قبل ان یدرکه" ہے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں زیادہ واضح یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے۔ چنانچہ رمی دونوں حالتوں کو شامل ہو جائے گی۔

ستاروں کے تین مقاصد

۴۶۰۲: وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلٰثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰی بِهَا فَمَنْ تَاَوَّلَ فِيْهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَأَ وَاَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَتَكَلَّفَ مَالَمْ يَعْلَمْ (رواه البخاری تعليقا وفی رواية رزين) وَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْهِ وَمَالَا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ وَمَا عِجَزَ عَنْ عِلْمِهِ الْاَنْبِيَاءَ وَالْمَلٰئِكَةُ۔

أخرجه البخاری تعليقاً ۲۹۵/۶ باب من کتاب بدء الخلق۔

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لئے پیدا فرمایا۔ ① آسمان کی زیب وزینت کے لئے۔ ② شیاطین کو مارنے کے لئے ③ ان کو علامات بنایا تاکہ اس کے ذریعے راستے تلاش کئے جائیں جس نے ان ستاروں سے متعلق اس کے علاوہ اور کوئی بات بیان کی اس نے غلطی کھائی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور ایسی چیز جس کو وہ نہیں جانتا اس میں تکلف کیا۔ یہ بخاری سے تعلیقاً نقل کی اور رزین کی روایت میں ان الفاظ کا تو فرق ہے۔ اس نے بے فائدہ چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہیں اور ایسی چیز میں تکلف کیا جس کے معلوم کرنے سے فرشتے اور انبیاء (بھی) عاجز رہے ہیں۔

تشریح: **یهتدٰی:** صیغہ مجہول ہے۔

و رجومًا للشیاطین: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ [الملك: ٥] ''اور ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

یهتدٰی بها: بصیغۂ مجہول ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وبالنجم هم يهتدون﴾۔

اضاع نصیبه: اور وہ حصہ مقصودی کاموں میں اشتغال ہے جو کہ اس کو دنیا و آخرت میں فائدہ دے۔

تکلف ما لا یعلم: مطلب یہ ہے کہ آسمان کی خبروں کا علم کتاب وسنت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور کتاب وسنت میں گزری ہوئی باتوں سے زیادہ موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم عقلمندوں کی حکایات میں ہے کہ ایک نجومی کی کوئی چیز چوری ہوگئی، تو کسی عارف نے اس سے کہا کہ تو زمین پر جو چیز ہے وہ نہیں جانتا، تو آسمانی باتوں کے جاننے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے؟

وتکلف مالا یعنیه: کیونکہ حدیث میں ہے: **من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه۔**

قوله: وما لا علم به: امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ليس نفيا لما يتعاناه المنجم من الأحكام واثباتا لغيره، بل نفيه بلكية،** اگلے جملہ: ''**وما عجز عن علمه الانبياء والملائكه**'' سے اس کی تائید ہوتی ہے بایں طور کہ ان میں سے کسی سے بھی کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی، وگرنہ تو اللہ تو اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ یہ نجوم سے متعلقہ بعض احکام کو جانتے ہیں کہ نہیں جانتے۔

۴۶۰۳ : وَعَنِ الرُّبَیِّعِ مِثْلُهٗ وَزَادَ وَاللّٰهِ مَاجَعَلَ اللّٰهُ فِیْ نَجْمٍ حَیٰوةَ اَحَدٍ وَّلَارِزْقَهٗ وَلَا مَوْتَهٗ وَاِنَّمَا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَیَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ۔

رواہ رزین۔

ترجمہ: ان الفاظ کو ربیع سے بھی نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بیان کیا اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی اور موت نہیں رکھی اور نہ رزق رکھا ہے بلاشبہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا فاتراء کرتے ہیں اور ستاروں کا بہانہ کرتے ہیں۔

راویٔ حدیث:

ربیع بن زیاد: حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے قتادہ اور ابونضرہ روایت کرتے ہیں۔ مؤلف نے ''الاکمال'' میں ان کا اسم گرامی ذکر نہیں فرمایا۔ اھ

کاہن جادوگر ساحر کا حکم رکھتا ہے

۴۶۰۴ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ اَلْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَالْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَالسَّاحِرُ كَافِرٌ۔

رواہ رزین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی علم نجوم میں سے کوئی قسم سیکھے جو اس مقصد کے علاوہ ہو جس کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ (وہ تین مقاصد ہیں) تو اس نے جادو کا ایک حصہ سیکھا اور نجومی بھی کاہن کی طرح ہے اور کاہن جادوگر اور ساحر کا حکم رکھتا ہے اور جادوگر کافر ہے۔

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں جان لیجئے کہ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مفاتیح الحجج فی ابطال مذهب المنجمین'' میں اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں ان کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ ان اقوال میں قول اقرب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ حوادث ابتداءً اللہ اپنی قدرت اور اختیار سے پیدا فرماتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ عادت جاری کی ہے، کہ وہ ان ستاروں کے مخصوص برجوں میں ہونے کیوقت یہ حوادث پیدا کرتے ہیں اور ان ستاروں کے چلنے کے اختلاف سے اور ان کے اتصال اور شعاعیں پھینکنے کے وقت حوادثات میں اختلاف آتا ہے۔ جیسا کہ وطی کے بعد بچہ پیدا ہونے کی عادت اور کھانا کھانے کے بعد سیر ہو جانا اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں یہ عادات رکھی ہیں۔

پھر فرمایا ہے کہ یہ از روئے قدرت میں تو جائز ہے لیکن اس پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ جو چیز بطور عادت کے ہو، تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ طریق اس میں مستمر ہو، اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں تکرار تو ہو اور ان میں نہ تکرار ہوتا ہے، اور نہ ہی عالم میں ایسا وقت آتا ہے، جو ایک ہی طرز مکرر ہو۔ کیونکہ سال میں اگر ایک سال ستارہ برج کے ایک درجہ میں ہے، جب

دوسرے سال اس برج میں لوٹے گا تو ایسا نہیں ہوگا کہ ستارے اسی برج میں ہوں میں جس میں گذشتہ سال تھے۔قرائن' مقابلات اور کواکب کے ایک دوسرے کی طرف نظر سے احکام مختلف ہوتے ہیں' ان میں سے کوئی چیز مکرر نہیں ہوتی اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ احکام پر وقوف کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور اس پر قطعی فیصلہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ تفصیل سے اس کا احاطہ متعذر ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ ان کا قول کوئی حجۃ نہیں وہ یہ ہے کہ ان کا آپس میں جنتری کے حکم میں اختلاف ہے۔ اہل ہند اور اہل سند کا طریقہ اس میں عام ارباب جنتری کے خلاف ہے، اور شیخ نے ان کے درمیان اختلاف کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پھر شیخ فرماتے ہیں ان کے قول کے فساد پر یہ بات بھی دلالت کر رہی ہے، کہ جب ان سے کہا جائے کہ ہمیں بتلاؤ کہ وہ بچے جو ایک وقت میں پیدا ہوئے ہوں ان کے درمیان یہی ہے صورت، قد وقامت، نظر کے اعتبار سے کوئی تمیز نہ ہو یہاں تک کہ اگر ان میں سے ایک کو کوئی مصیبت پہنچی ہو، تو دوسرے کو بھی پہنچی ہو اور جو کام ایک کرتا ہو، تو وہی کام دوسرا بھی کرتا ہو (حالانکہ عالم میں دو ایسے شخص نہیں پائے جاتے جن کی یہ صفات ہوں) وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محال ہے کہ عالم میں دو بچے ایک ہی وقت میں پیدا ہوں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے سے مقدم ہو۔ پس ان سے کہا جائے گا کہ یہ از روئے عقل وتقدیر محال ہے یا وجود کے اعتبار سے محال ہے اور اگر وہ کہیں کہ اول کے اعتبار سے' تو ان کے قول کا فساد ظاہر ہے، اور اگر کہیں ثانی کے اعتبار سے ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے پاس اس کی کیا مثال ہے؟ اگر وہ کہیں کہ دو کسوفوں کا معاملہ سچا نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے کہ کا امر کسوفین احکام میں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ حساب کا ایک طریقہ ہے اور وہ منکر نہیں اور یہ بھی جائز ہے، کہ یہ سیاروں کے چلنے کا معاملہ ہو، جیسا کہ وہ کہتے ہیں اور شریعت میں کسوفین (یعنی آفتاب ومہتاب کو گرہن لگنے) کے معاملہ کے بارے میں ہے، کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اگر وہ کہیں کہ نجومیوں کے بارے میں تمہارا قول یہ ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں اس میں خطا کرتے ہیں، اور عقل کے خلاف کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے اصول میں ایک شبہ کی وجہ سے جس میں وہ پڑے ہیں خطا کرنے والے ہیں۔ پس وہ ان کے قول کا بطلان بھی نہیں جانتے، بلکہ وہ یقین کرتے ہیں ان قواعد کے مقتضیٰ پر جن کی بنیاد انہوں نے اصول فاسدہ پر رکھی ہے۔ ان کے قواعد کے اصول میں ان کے سلف کو شبہ واقع ہوا تھا۔ تو کبھی ان اصول پر فروع کی ترکیب میں صواب تک پہنچ جاتے ہیں، تو ان کا درجہ احکام میں اصحاب حدیث اور اصحاب تخمین اور اصحاب زوج وفرد کی طرح ہے، کہ کبھی تو وہ اتفاقاً مصیب ہوتے ہیں نہ کہ ضرورتاً اور کبھی خطا کر جاتے ہیں، اور ہم نے بہت سارے کاشت کار اور ملاح دیکھے ہیں کہ بارش برسنے کی توقع، ہوا چلنے کی توقع کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان اوقات میں جن کی ان نے رعایت رکھا ہو، علامات کے ساتھ وہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ انہوں نے کئی بار آسمان اور ہوا کے بارے میں میں اس کا تجربہ کیا ہے، تو ان کے بعض احکام حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اتفاقاً نہ کہ تحقیقاً۔

المجدح کی طرف بارش کی نسبت حرام ہے

۴۶۰۵: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَمْسَكَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ

عِبَادِهِ خَمْسَ سِنِيْنَ ثُمَّ اَرْسَلَهُ الْاَصْبَحَتْ طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ كَافِرِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَقِيْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ۔

(رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۳/۱۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ پانچ سال کے لئے بارش کو بند کر دے پھر بارش برسائے تو لوگوں کی ایک جماعت کافر ہو جائے گی (جو نجوم کو مانتی ہے) وہ یہ کہیں گے کہ چاند کی منازل کے سبب بارش برسی ہے جس منزل کا نام المجدح ہے۔ (نسائی)

تشریح: القطر: قاف کے فتحہ اور طاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ بمعنی مطر۔

سقینا: مجہول کا صیغہ ہے بمعنیٰ مطرنا۔

المجدح: میم کے کسرہ جیم کے سکون اور دال کے فتحہ کے ساتھ، اہل عرب کے ہاں منازل قمر میں سے ایک منزل ہے' یہ تین ستارے ہیں چولہے کے پتھروں کی طرح اور مجدح دراصل اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سر میں دو چوڑی لکڑیاں ہو، جس کے ذریعے پانی میں ستو کو ملایا جائے۔

یقولون: جملہ مستانفہ ہے، برائے بیان یا حال ہے۔

نوء المجدح: میم کے کسرہ' جیم کے سکون' دال مہملہ کے فتحہ اور حائے مہملہ کے ساتھ۔ یہ وہ ستارے ہیں جو کبھی چوکتے نہیں۔ یہ تین ستارے ہیں جو دیگ رکھنے کے ہاں یوں ہوتے ہیں گویا کہ ''مجدح'' ہیں' اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں: وهو خشبة فی رأسها خشبتان معترضتان يجدح بها السويق ای يضرب۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں یہ ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ تین ستارے ہیں جو دیگ رکھنے کے پایوں جیسے ہوتے ہیں' اس کو ''مجدح'' سے تشبیہ دی ہے جس میں تین ''شعب'' (دندانے) ہوتے ہیں اہل عرب کے نزدیک یہ ان ستاروں میں سے ہے جو ستارے بارش کی علامت ہوتے ہیں۔ (انتھی)

خمس سنین: مراد اتنا زمانہ ہے جس میں بارش برسنے سے نا اُمیدی پیدا ہو جائے۔ باقی طیبیؒ کا یہ کہنا کہ ''اس سے مراد تحدید نہیں ہے، بلکہ طول زمان مراد ہے'' تو یہ قول بعید از فہم ہے۔ کیونکہ ''خمس'' کا عدد تکثیر میں متعارف نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ پانچ سال کے عرصہ میں یہ ستارہ کہاں تھا، یہ ہر سال طلوع ہوتا ہے، یا نہیں؟ اور کیا اس کی تاثیر دائمی ہے، یا بعض سالوں میں ہوتی ہے؟ تو اس سے ان کے قول کا بطلان یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا۔

كِتَابُ الرُّؤْيَا

خوابوں کا بیان

امام نووی فرماتے ہیں کہ ''رؤیا'' مقصور ومہموز ہے، تخفیف کی غرض سے ہمزہ کا ترک بھی درست ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، درست بات یہ ہے، کہ ابدال وتخفیف تو صحیح ہے البتہ ترک کرنا روایت ودرایت ہر اعتبار سے غیر صحیح ہے۔

واحدی فرماتے ہیں، ''رؤیا'' مصدر ہے، جیسے بشریٰ، سقیا اور شوریٰ مگر پھر یہ اسم ہو گیا اس متخیل کا جو خفتگی کی حالت میں دکھائی دے۔ یہ اسماء کے قائم مقام ہے۔

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ ''رؤیا'' رؤیت کے معنیٰ میں ہے، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ ''رؤیا'' حالت نیند میں ہونے والی رؤیت کے ساتھ مخصوص ہے، حالت بیداری کی رؤیت کو ''رؤیا'' نہیں کہتے۔ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کیلئے ''تاء'' تانیث کو لایا جاتا ہے، جیسا کہ ''قربی'' اور ''قربة'' کے بارے میں کہا گیا ہے۔

صاحب قاموس فرماتے ہیں: رؤیت آنکھ اور دل سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: رأيته رؤية ورؤيا۔ ''رؤیا'' اس کو کہتے ہیں جو نیند میں دکھائی دے۔

مازری فرماتے ہیں، خواب کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں اعتقادات پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جاگنے والے کے دل میں جو چاہتا ہے کرتا ہے' اس کو اس شخص کی نیند روکتی ہے اور نہ اس کی بیداری۔ نائم کے دل میں ان اعتقادات کا پیدا کرنا ان امور کی علامت ہے جو اس کو کسی دوسرے وقت پیش آتے ہیں' جیسا کہ بادل بارش کی علامت ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے چونکہ مطلق خواب کا سچا ہونا اور اس کی توصیف وفضیلت واضح ہوتی تھی تو اس لئے خواب کی قسمیں بیان کرنے کے لئے حضرت محمد بن سیرین کا ایک قول نقل کیا گیا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خواب کی ہر قسم نہ تو سچی ہوتی ہے اور نہ قابل تعبیر ولائق تعبیر۔ بلکہ خواب کی صرف وہی قسم قابل تعبیر ولائق اعتبار ہوتی ہے جس کو حق تعالیٰ کی طرف بشارت اور آئندہ پیش آنے والے واقعات وحادثات کی خبر وعلامت قرار دیا جاتا ہے۔

خوابوں کی اقسام:

ابن سیرین نے خواب کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

پہلی قسم نفس کا خیال ہے یعنی انسان دن بھر جن امور میں مشغول رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہی رات میں بصورت خواب مشکل ہو کر نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے پیشہ و روزگار میں مصروف رہتا ہے اور اس کا ذہن و خیال انہیں باتوں کی فکر اور ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے جو اس کے پیشے و روزگار سے متعلق ہیں تو خواب میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں یا ایک شخص اپنے محبوب کے خیال میں مگن رہتا ہے اور اس کے ذہن پر وہی محبوب چھایا رہتا ہے۔ غرضیکہ عالم بیداری میں آدمی کے ذہن پر جو چیز چھائی رہتی ہے اس کو خواب میں بھی وہی چیز نظر آتی ہے۔

دوسری قسم ڈراؤنا خواب ہے' یہ خواب اصل میں شیطانی اثرات کا پرتو ہوتا ہے' شیطان چونکہ ازل سے بنی آدم کا دشمن ہے اور جس طرح وہ عالم بیداری میں انسان کو گمراہی میں ڈالنے کی سعی کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کو خواب میں پریشان کرنے اور ڈرانے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے کبھی تو وہ کسی ڈراؤنی شکل وصورت میں نظر آتا ہے جیسے وہ دیکھتا ہے کہ میرا سر قلم ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح خواب میں احتلام کا ہونا موجب غسل ہوتا ہے اور بسا اوقات اس کی وجہ سے نماز فوت یا قضا ہو جاتی ہے یہ شیطانی اثرات کا کرشمہ ہوتا ہے پہلی قسم کی طرح یہ قسم بھی بے اعتبار ہے۔

تیسری قسم بشارت ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے خواب میں بشارت دیتا ہے اور اس کے قلب کے آئینہ میں بطور اشارات وعلامات ان چیزوں کو متشکل کر کے دکھاتا ہے' جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہیں یا جن کا تعلق مؤمن کی روحانی وقلبی بالیدگی وطمانیت سے ہوتا ہے تاکہ وہ بندہ خوش ہو اور طلب حق میں تروتازگی محسوس کرے' نیز حق تعالیٰ سے حسن اعتقاد اور امید رکھے۔ خواب کی یہی وہ قسم ہے جو لائق اعتبار اور قابل تعبیر ہے اور جس کی فضیلت وتعریف احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

الفصل الاوّل:

مبشراتِ مؤمن

۴۶۰۶: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/۳۷۵ الحدیث رقم ۶۹۹۰' وأبو داؤد فی السنن ۵/۲۸۰ الحدیث رقم ۵۰۱۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آثارِ نبوت سے کوئی چیز سوائے مبشرات کے باقی نہیں رہی۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ نیک وصالح خواب ہیں جن کو مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: مبشرات: شین مکسورہ کی تشدید کے ساتھ۔

امام سیوطیؒ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں: کہ وحی میری موت کے ساتھ منقطع ہو چکی ہے' خواب کے علاوہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس سے آئندہ امور کا علم ہو سکے، اور ''مبشرات'' کی قید اغلب احوال کے اعتبار سے ہے۔ چونکہ بعض خواب (خوشخبری نہیں ہوتے بلکہ) ڈرانے والے ہوتے ہیں، یہ وہ سچے خواب ہوتے ہیں، جو اللہ جل شانہ اپنے عبد مؤمن پر شفقت فرماتے ہوئے دکھاتے ہیں، تاکہ بندہ ان کے وقوع سے پہلے مستعد ہو جائے۔

قولہ: قال: الرؤیا الصالحة: اس سے مراد رؤیا صالحہ یا رؤیا حسنہ ہیں۔ رؤیا صادقہ وہ ہے کہ جس میں کوئی بشارت ہو، یا کسی غفلت پر تنبیہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں، رؤیا صالحہ سے مراد رؤیا حسنہ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو صادقہ پر محمول کیا جائے اور اس سے مراد خوابوں کی صحت ہو۔ (یعنی صحیح خواب)

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مبشرات کی جو تفسیر فرمائی ہے، پہلے معنیٰ کے اعتبار سے بالکل ظاہر ہے، چونکہ بشارت ہر اس سچی خبر کو کہتے ہیں، کہ جس سے '' بشرة الوجه'' متغیر ہو جائے۔ ''بشارت'' کا استعمال عام طور پر خیر کے سیاق میں ہوتا ہے۔ دوسرے معنیٰ پر اس کا اطلاق از راہ تغلیب ہے۔ یا مبشرات اپنے اصل لغوی معنیٰ (یعنی مطلق خبر) پر محمول ہے۔

۴۶۰۷: وَ زَادَ مَالِكٌ بِرِوَايَةِ عَطَاءِ بْنِ يَسَّارٍ يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْتُرٰى لَهٗ.

ترجمه: اور یہ اضافہ امام مالک سے نقل کیا ہے۔

تشریح: تریٰ له: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ اور لام تعلیلیہ ہے۔ أی جله أو لأجل مسلم آخر۔

امام طبرانی اور ضیاء رحمۃ اللہ علیہما حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: ''رؤيا المؤمن كلام يكلم العبد ربه فی المنام'' اور ظاہر یہ ہے کہ ربه (یکلم کا) فاعل ہے۔ واللہ اعلم۔

اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

۴۶۰۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ. (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/۳۶۱ الحدیث رقم ۶۹۸۳' ومسلم فی ٤/۱۷۷٤ الحدیث رقم (۷/۲۲٦٤' وابن ماجه فی السنن ۲/۱۲۸۳ الحدیث رقم ۳۸۹۳' ومالك فی الموطأ ۲/۹۵٦ الحدیث رقم ۱من كتاب الرؤیا وأحمد فی المسند ۳/۱۲٦۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں سے ایک حصہ ہے۔

تشریح: اس حدیث کی تفصیلی مباحث میں جانے سے پہلے جان لیجئے کہ اس سلسلہ میں وارد روایات میں مختلف عدد مذکور ہیں:

❶ اکثر احادیث میں ۴۶ کا عدد آیا ہے۔ ❷ مسلم کی ایک روایت میں ۴۵ کا عدد آیا ہے۔
❸ مسلم کی ایک دوسری روایت میں ۷۰ کا عدد آیا ہے۔ ❹ طبرانی کی روایت میں ۷۶ کا عدد آیا ہے۔ یہ ضعیف ہے۔
❺ ابن عبدالبر کے ہاں ۲۶ کا عدد آیا ہے۔
❻ نووی کے ہاں ۲۴ کا عدد آیا ہے، روایات میں وارد سب سے چھوٹا عدد یہی ہے۔ اور سب سے بڑا عدد ۷۶ ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایات بھی ہیں۔ (کذا ذکرہ ابن حجر)

الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: "رؤیا المؤمن الصالح بشری من اللّٰہ ھی جزء ومن خمسین جزءًا من النبوۃ"۔ اس حدیث کو حاکم اور طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ میں مروی ابوسعید کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: "رؤیا المؤمن من الصالح جزءً امن سبعین جزءًا من النبوۃ"۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض کا کہنا ہے، اس ارشاد گرامی کا معنیٰ یہ ہے کہ رؤیا صالحہ علم نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ علم نبوت باقی ہے اگرچہ نبوت باقی نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث ذیل کے یہی معنیٰ ہیں: ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات الرؤیا الصالحۃ" اس حدیث کو ابن ماجہ نے ام کرز سے نقل کیا ہے۔ فرمایا اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے: "السمت الحسن والتؤدۃ والا قتصاد جزءًا من أربعۃ وعشرین جزءًا من النبوۃ أی: من أخلاق اھل النبوۃ"۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے عبداللہ بن سرجس سے نقل کیا ہے۔ اور ضیاء کی روایت میں جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ الفاظ آئے ہیں: "السمت الحسن جزء من خمسۃ وسبعین جزء ا من النبوۃ"۔

بعض کا کہنا ہے اس ارشاد گرامی کے معنیٰ یہ ہیں: انھا تجیء علی موافقۃ النبوۃ لا أنھا جزء باق من النبوۃ۔

بعض کا کہنا ہے کہ ۴۶ کے عدد پر اکتفاء فرمایا چونکہ وحی کا زمانہ تیئیس سال تھا۔ اور وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تھی یہ سلسلہ وحی کے سالوں میں سے چھ ماہ جاری رہا۔ اس عرصہ کی نسبت مکمل عرصہ سے ۴۶ ویں حصہ کی ہے۔ سلسلہ وحی کے "۲۳" سالوں میں محصور ہونے کے بارے میں معتد بہ روایات موجود ہیں۔ باوجود یہ کہ اس میں اختلاف بھی ہے، اور خوابوں کے زمانہ کا چھ ماہ ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو اس قائل نے اپنی طرف سے بتایا ہے اس سلسلہ میں منقول مواد سے اس کی کوئی تائید نہیں ملتی۔ مذکورہ بالا تاویلات اختیار کرنے والوں کے بارے میں میرا گمان ہے، کہ انہیں اس بات نے گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے کہ خواب جز و نبوت ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "ذھب النبوۃ" اس قول کے ظاہر کو اختیار کرنے والے پر کوئی حرج کی بات نہیں۔ چونکہ اجزاء نبوت کا کوئی بھی جز نبوت نہیں، جیسا کہ اجزاء نماز میں سے کوئی جز علی الانفراد صلاۃ نہیں اور اسی طرح اعمال حج میں سے کوئی عمل حج نہیں، اور ایمان کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ایمان نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اجزاء نبوت کی چھیالیس کے عدد کے ساتھ تحدید کی بات کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور مذہب تسلیم کو اختیار کیا جائے، چونکہ یہ علوم نبوت کا وہ جزء ہے جس کا تقابل نہ استنباط کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ قیاس اس کا معارضہ کر سکتا ہے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سرجس کی روایت میں آیا ہے: "السمت الحسن والتؤدۃ والاقتصاد جزء من أربعۃ وعشرین جزئامن النبوۃ"۔ کم ہی ایسا ہوتا ہے، کہ مؤول ان اجزاء کے حصر میں کامیاب ہو، اور اگر بعض

اجزاء میں اس کی کامیابی مان لی جائے تو باقی میں وہ سالم ومحفوظ نہیں رہ پاتا۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ردّ وقدح کی ہے خوابوں کا عرصہ چھ ماہ ہونے کے مسئلہ میں۔ اور لکھا ہے: کہ یہ بات ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو قبل از نبوت دکھائی دینے والے خوابوں کا عرصہ چھ ماہ تھا۔ (انتھی)

اور بعض کا کہنا ہے کہ اس عدد مخصوص سے مراد "خصال حمیدہ" ہیں۔ أی: **کان للنبی ﷺ ستة وأربعون خصلة، والرؤيا الصالحة جزء منها**۔ اس کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت پیچھے گزری ہے، اور عطاء کا قول جو عنقریب آئے گا۔ علاوہ ازیں یہ حدیث: "**السمت الحسن والتؤدة والاقتصاد جزء من أربعة وعشرين جز ئامن النبوة**"۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ ان احادیث میں مذکور اعداد سے کوئی عدد خاص مراد نہ لیا جائے بلکہ محض تکثیر مراد لی جائے۔ اس کا قرینہ یہ حدیث ہے: "**السمت الحسن من خمسة وسبعين جزء امن النبوة**"۔

تخریج: الجامع الصغیر کے مطابق اس حدیث کو مندرجہ ذیل محدثین عظامؒ نے روایت کیا ہے:

❶ امام بخاری نے ابو سعیدؓ سے نقل کیا ہے۔ ❷ امام مسلمؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

❸ امام مسلمؒ نے اس روایت کو ابو ہریرہؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ ❹ ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو ابی رزینؓ سے ذکر کیا ہے۔

❺ طبرانیؒ نے یہ حدیث ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔

❻ احمدؒ کی ایک روایت میں، ابن ماجہؒ کی ابن عمرؓ سے مروی روایت میں اور امام احمد کی ایک اور روایت میں جو ابن عباس سے مروی ہے، یہ الفاظ منقول ہیں **الرؤيا الصالحة جزء من سبعين جزءًا من النبوة**۔ ابن النجاری نے ابن عمرؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

"**الرؤيا الصالحة جزء من خمسة وعشرين جزءًا من النبوة**"۔

شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا

۴۶۰۹: **وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ۔** (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٢٠٢/١ الحديث رقم ١١٠، ومسلم في صحيحه ١٧٧٤/٤ الحديث رقم (١٠-٢٢٦٦)، وأبو داوٗد في السنن ٨٥/٥ الحديث رقم ٥١٢٣، وابن ماجه في ١٢٨٤/٢ الحديث رقم ٣٩٠١، وأحمد في المسند ٤١١/٢۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے درحقیقت مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔

تشریح: **قوله: من رأني في المنام فقد رأني:**

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے مجھ کو خواب میں دیکھا گویا اس نے عالم بیداری میں میرا دیدار کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب

نہیں ہوگا کہ اس آدمی پر وہی احکام عائد ہوں جو واقعتاً آنحضرت ﷺ کے دیدار وصحبت کی صورت میں ہوتے ہیں یعنی ایسے آدمی کو نہ تو صحابی کہا جائے گا اور نہ اس چیز پر عمل کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا جس کو اس نے خواب میں آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا۔

اول: یہ حدیث آپ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے فرمائی کہ میرے زمانہ میں جو آدمی مجھ کو خواب میں دیکھے گا اگر اس نے ہجرت کی ہوگی تو وہ ہجرت کرے گا اور آنحضرت ﷺ کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ دوم: وہ شخص اس خواب کی تصدیق دار آخرت میں کالت بیداری کرے گا چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آخرت میں اپنے سر پر امت کو دیکھیں گے۔ سوم: اس شخص کو آخرت میں رؤیت خاصہ حاصل ہوگی کہ آپ ﷺ کا قرب ملے گا' اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت پائے گا وغیرہ۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۲۶۱۱)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں آپ ؐ کا یہ ارشاد اخبار کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس کو خبر دے دو کہ اس کا خواب حقیقی اور سچا ہے۔ اضغاث اور احلام میں سے نہیں ہے

بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد آپ کے اہل زمانہ ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اگلی حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے: "**فيسراني في اليقظة**"۔ اور صیغہ ماضی کی تعبیر ممکن ہے، کہ **تنزيل للمستقبل منزلة المحقق الواقع في الحال** کے پیش نظر اختیار کی ہو۔ اگر چہ اس کا وقوع زمانہ آئندہ ہی میں ہوگا۔

بعض نے اس کی توجیہ کی ہے **يراه في الآخره على وفق منامه، بحسب مقامه**۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ معنیٰ اخبار ہے، أی: **من رأني في المنام فأخبروه فأن رؤيته حقيقة وحقة ليست أضغاث أحلام**۔

بعض نے مطلب یوں بیان کیا ہے: **من رأني على اى صورة كانت فقد رأني حقيقة، لأن اللشيطان لا يتمثل في صورتي ولا يتراء ى بي**، جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: شرط وجزاء متحد ہیں، لہٰذا "**تناهي في المبالغه**" پر دلالت ہو رہی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: **من أدرك الضمان فقد أدرك المرعى**. أی: **أدرك مرعى متناهيا في بابه**۔ چنانچہ حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہوگا: **من رأني فقد رأى حقيقتي على كماله لا شبهة ولا ارتياب فيما رأى**۔ اور اس کی دلیل اگلی حدیث میں آنے والا یہ جملہ ہے: "**فقد رآني الحق**" (الحق) یہاں مصدر مؤکد ہے۔ أی: "**من رآني فقد رآني رؤية الحق**"۔ بخاری، مسلم، حمیدی اور جامع الأصول میں یہ الفاظ ہیں: "**فقد رأى الحق**" یہاں "الحق" مفعول بہ ہے اور "**فان الشيطان**" معنی کے لئے تتمیم حکم کیلئے تعلیل ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن الباقلانیؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خواب صحیح ہے، اضغاث احلام میں سے نہیں ہے۔ اور نہ تشبیہات شیطانی میں سے ہے، اور نہ تسویلات شیطانی میں سے ہے۔ فرماتے ہیں: کبھی خواب دیکھنے والا آنحضرت ﷺ کو ان کی صورت معروفہ سے ہٹ کر دیکھتا ہے، مثلاً دیکھتا ہے کہ آپ کی داڑھی

مبارک سفید ہو چکی ہے۔ اور کبھی یوں ہوتا ہے، کہ ایک ہی وقت میں دو اشخاص، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ دیکھتے ہیں (حکاہ المازری عنہ) پھر فرماتے ہیں اور دوسروں کا کہنا ہے کہ حدیث اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے، اور مراد یہ ہے: من یراہ فقد أدرکہ اور کوئی ایسا مانع نہیں کہ اس کو ممنوع قرار دیا جائے، اور نہ عقل اس کو محال جانتی ہے، کہ اس میں تأویل ضرور کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص حلیہ سے ہٹ کر دیکھنے یا دو مقامات پر بیک وقت دیکھنے میں تغیر صفات تو ہے، لیکن ذات میں کوئی تغیر نہیں۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ السلام کی ذات ''مرئی'' ہوگئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ''متخیلہ غیر مرئیہ'' ہوں گی۔ اور ادراک کیلئے ان شرائط کا پایا جانا بھی ضروری نہیں کہ تحدیق الابصار ہو۔ قرب مسافت ہو، مرئی مدفون فی الارض ہو، اور نہ اس کا روئے زمین پر ظاہر ہونا ضروری ہے۔ البتہ اس کا موجود ہونا شرط ہے۔ اگر دیکھتا ہے کہ معصوم عن الدم کو قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، تو یہ صفات متخیلہ میں سے ہوگا، نہ کہ صفات مرئیہ میں سے۔

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ فقد رأنی سے مراد وہ صورت ہو، جب کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی حیات طیبہ والی صورت معروفہ پر دیکھے۔ اگر اس حالت وصورت سے برعکس حلیہ میں دیکھتا ہے، تو یہ ''رؤیا تاویل''ہے، رؤیا حقیقت نہیں۔ یہ ضعیف ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس نے حقیقۃً دیکھا ہے، خواہ صفت معروفہ کے ساتھ دیکھے، یا غیر معروفہ کے ساتھ۔ (کما ذکرہ المازری) اھ کلام النووی۔

بظاہر ان دونوں کے کلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چونکہ ان دونوں کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت معروفہ مذکورہ پر دیکھا ہے، تو اس صورت میں اس خواب کی تاویل بیان کرنے کی حاجت نہیں، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر غیر صفاتِ معروفہ کے ساتھ متصف دیکھا، مثلاً کسی مسجد کی زمین میں حالت ممات میں دیکھا، جیسا کہ بعض مشائخ کا بیان ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھا ہے تو اس صورت میں تاویل وتعبیر کی ضرورت ہے۔

اس خواب کی ایک تعبیر یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد کی زمین کا یہ ٹکڑا مغصوب ہے، یا قواعد شریعت کی روشنی میں اس کی مملوکیت درست نہیں ہے، تو گویا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمین پر مار ڈالا گیا ہے، **ومن أحیاها فکأنما أحیا الناس جمیعا**۔ اسی طرح کا ایک خواب ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متفرق عظام مبارکہ کو جمع فرما رہے ہیں، تو ابن سیرین نے اس کی تعبیر یہ دی کہ آپ (یعنی ابوحنیفہ) ''امام المسلمین'' ہوں گے۔ صحابہ وتابعین میں پھیلی ہوئی منتشر احادیث کے معانی کو جمع فرمائیں گے۔ علماء، اولیاء وصالحین کے طبقات میں اس طرح کے خوابوں کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔

شیخ ابوحامد غزالیؒ فرماتے ہیں: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے میرا جسم اور میرا بدن دیکھا، بلکہ اس نے ایک مثال دیکھی کہ جو آلہ بن گئی ان معانی کیلئے جو میری ذات میں ہیں۔ بلکہ بدن جسمانی حالت بیداری میں بھی صرف آلۂ نفس ہے، اور آلہ کبھی حقیقت ہوتا ہے، اور کبھی خیالیہ، اور نفس مثالات متخیلہ سے علیحدہ ایک چیز ہے، اس لئے کہ تخیل اسی چیز کا ہوسکتا ہے جو رنگ دار ہو یا متخیل سے ذو قدر قریب ہو، یا بعید ہو، اور حق بات یہ ہے کہ رائی نے جو دیکھا ہے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روح

مقدسہ کی مثال دیکھی ہے، جو محل نبوت ہے۔ پس جس شخص نے آپ کی صورت دیکھی وہ نہ روح النبی ﷺ ہے، اور نہ آپ کا وجود۔ بلکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی مثال ہے۔ **فقد رأنی** کا مطلب ہے، **ما رأہ صار واسطة بینی وبینه فی تعریف الحق ایاہ**۔ اور اسی طرح اللہ جل شانہ کی ذات اقدس بھی شکل وصورت سے منزّہ ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ کے معارف بندہ تک مثال محسوس کے ذریعے پہنچتے ہیں، یا یہ مثال نور بھی ہوتی ہے اور غیر نورانی صورتیں بھی جو اس جمال حقیقی معنوی کی مثال بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ جن کی نہ کوئی صورت ہے، اور نہ رنگ۔ اور یہ مثال سچی اور برحق ہوتی ہے اور معرفت کیلئے واسطہ ہوتی ہے۔ چنانچہ رائی پکار اٹھتا ہے: **رأیت اللہ تعالیٰ فی المنام**، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا: **انی رأیت ذاته**۔

شیخ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں: بعض لوگ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی ''شیخ'' کی صورت میں دیکھتے ہیں اور بعض لوگ ''امرد'' کی صورت میں دیکھتے ہیں، ایک آدمی دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ مریض ہیں، اور دوسرا دیکھتا ہے، کہ آپ میت ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے خواب ان تمام تاویلات کا احتمال رکھتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام صفات سے متصف ہیں۔ یہی معاملہ اللہ جل شانہ کو خواب میں دیکھنے کا ہے، کہ اللہ جل شانہ کو کسی ایسی صفت سے متصف دیکھتا ہے کہ اس صفت کی بابت اس رائی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اس قسم کی صفات سے منزہ ہے، تو اس طرح کے خواب سے رائی کو کسی قسم کا نقصان نہیں۔ بلکہ اس کی بھی ایک تاویل ہوگی۔

واسطیؒ فرماتے ہیں: جس شخص نے اللہ جل شانہ کو خواب میں ''شیخ'' کی صورت میں دیکھا، تو اس کی تاویل رائی کے حال کے موافق ہوگی۔ یہ اس رائی کے وقار اور قدر و منزلت کی طرف اشارہ ہے، اور اسی طرح جب دیکھا کہ وہ (یعنی اللہ جل شانہ) ایک ایسے شخص کی مانند ہے جو اس کے امور کی کفالت ونگرانی کررہا ہے۔ (اھ کلام القشیری) ساری تحقیق کا مغز یہی کلام ہے۔ یہ بھی اللہ کی عطا کردہ توفیق ہی سے ہے۔

بہت سے لوگ اللہ جل شانہ کو خواب میں دیکھتے ہیں، تو کسی شخص کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس شخص کی اتنی بات ''میں نے خواب میں اللہ کو دیکھا ہے'' سن کر ہی اس پر کفر کا فتویٰ لگا دے، جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے کیا۔ چونکہ خواب کوئی امر اختیاری نہیں، اور نہ کسی نص میں اس قسم کی کوئی ممانعت آئی ہے، بندہ تو اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کی بابت کوئی ایسا عقیدہ نہ رکھے جو اللہ جل شانہ کی شان کے شایان شان نہ ہو۔ چنانچہ اس قسم کا خواب دیکھنے والے شخص کا اگر عقیدہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق درست ہے، تو اس شخص کیلئے نقصان کی بات نہیں، خواہ اس خواب کی تعبیر اسے معلوم ہو یا نہ ہو۔

قاضی خان میں لکھا ہے اگر کسی شخص نے کہا کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے (تو) شیخ ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں: **ھذا الرجل شر من عابد الوثن**۔ ''یہ شخص بتوں کے پجاری سے زیادہ بدتر ہے''۔ میں کہتا ہوں، یہ شخص اس جملہ کا مصداق اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ جل شانہ کی بابت غیر شایان شان عقیدہ کا حامل ہے۔ کہ اللہ جل شانہ کو کم وکیف، صدور زمان ومکان سے متصف قرار دیتا ہے حالانکہ بھی بتوں کا پجاری ان عقائد سے خالی ہوتا ہے۔ پس اس کا کفر فقط شرک کی وجہ سے ہوگا۔

خواب میں مجھے دیکھنے والے نے مجھے ہی دیکھا

۴۶۱۰: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/۳۸۳ الحدیث رقم ۶۹۹۶' ومسلم فی ۴/۱۷۷۶ الحدیث رقم ۲۵۷' والدارمی فی ۲/۱۶۶ الحدیث رقم ۲۱۴۰' وأحمد فی المسند ۵/۳۰۶۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے خواب میں مجھے دیکھا اس نے سچ دیکھا یعنی اس نے مجھے ہی دیکھا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: من رآنی فقد رأى الحق: اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں: ❶ حق سے مراد باطل کی ضد ہے۔

❷ حق سے مراد وہ صدق ہے، کہ جس کی ضد کذب ہے. أی فقد صدقت رؤیاه فانه قد رأنی للاغیری۔ اس مفہوم پر ایک اور حدیث بھی دلالت کرتی ہے. فقد رأنی الحق أی: رؤیة الحق۔

❸ اس کا معنیٰ ہے: ''فقد رأى رؤیا الحق''.

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے اور شیخین نے حضرت ابوقتادہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''من رأنی فقد رأى الحق، فان الشیطان لا یترا آنی''۔

خواب میں دیکھنے والا عالم برزخ میں بیداری میں دیکھ لے گا

۴۶۱۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطٰنُ بِیْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/۳۸۳ الحدیث رقم ۶۹۹۳' ومسلم فی ۴/۱۷۷۵ الحدیث رقم (۱۱/۲۲۶۶)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ جلد ہی مجھے بیداری کے عالم میں دیکھے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس حدیث کا تعلق آپ کے زمانہ سے ہے کہ جو شخص خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرما دیتا ہے کہ وہ عالم بیداری میں جلد ہی آپ کو خواب میں دیکھے گا۔ یا اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ مجھ کو خواب میں دیکھنے والا آدمی آخرت میں عالم بیداری میں مجھ کو دیکھے گا۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

اچھے خواب خیر خواہ کو بتلائے

٤٦١٢: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِذَا رَاٰی اَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهٖ اِلَّا مَنْ يُحِبُّ وَاِذَا رَاٰی مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَلْيَتْفُلْ ثَلَاثًا وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ٦/٣٣٨ الحديث رقم ٣٢٩٢' ومسلم في ٤/١٧٧٢ الحديث رقم (٤/٢٢٦١) وأبو داوٗد في السنن ٥/٢٨٤ الحديث رقم ٥٠٢١' والترمذي في ٤/٤٦٤ الحديث رقم ٢٢٧٧' وابن ماجه في ٢/١٢٨٦ الحديث رقم ٣٩٠٩' والدارمي في ٢/١٦٧ الحديث رقم ٢١٤١' ومالك في ٢/٩٥٧ الحديث رقم ٤ من كتاب الرؤيا وأحمد في المسند ٤/٣٠٩۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ پس جب تم سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اسے صرف انہی لوگوں سے کہے جن کو وہ دوست و خیر خواہ خیال کرتا ہو۔ اور جب برا خواب نظر آئے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور شیطان کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور (اپنے بائیں طرف) تین دفعہ تھوک دے اور وہ خواب کسی سے بھی بیان نہ کرے (خواہ وہ موافق ہو یا نہ) تو اس خواب سے اسے کوئی تو نقصان نہ پہنچے گا یعنی خواب کے مضر اثرات سے تو محفوظ کر دیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''برا خواب شیطان کی طرف سے ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اچھے اور برے خواب دونوں کو پیدا کرنے والا اللہ ہے لیکن رؤیا اور اعتقادات علامات ہیں' جن خوش کن خوابوں میں شیطان نہ ہو ان کو محبوب قرار دیا ہے' اور جن خوابوں میں شیطان ہوتا ہے' ان خوابوں میں اس کا ہونا ضرر کی علامت ہے' اس لئے ان کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن برا خواب شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے اسی وجہ سے برے خواب شیطان کی طرف مجازاً منسوب کیا جاتا ہے چونکہ وہ اس برے خواب کے وقت موجود ہوتا ہے' اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ شیطان جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اچھے خواب کے نسبت حق جل شانہ کی طرف ''اضافت تشریفی'' ہے' اور برے خواب کی نسبت شیطان کی طرف ہے چونکہ وہ اس پر اظہار رضا مندی کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

اذا رأى في منامه ما يحب فليحمد الله عليها وليحدث لها، ولا يحدث بها الا من يحب. اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جب اس کے بندہ کے پاس نعمت ہو، تو اس کا اثر بندہ پر دکھائی دے۔ اس وجہ سے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ﴿**واما بنعمة ربك فحدث**﴾ [الضحى:١١] اور مصیبت کے وقت بندہ کو چاہیئے کہ اپنے مولا حقیقی کی طرف رجوع کرے اور مخلوق سے اپنے آپ کو جدا کر لے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**واصبرو ما صبرك الا بالله**﴾ [النحل:١٢٧] اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿**وانما أشكوا بثي وحزني الا الله**﴾ [یوسف:٨٦] اور

بعض ماثور دعاؤں میں یوں آتا ہے:

اللهم لك الحمد واليك المشتكى، وأنت المستعان، ولا حول ولا قوة الا بك.

(فانها لن تضره): اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح صدقہ مال کی حفاظت اور دفع بلیات کا سبب بنایا ہے اس طرح خواب مضر سے سلامتی کا دارومدار ان تین باتوں پر ہے:

(۱) اللہ سے پناہ مانگنا (۲) تین دفعہ تھتکارنا۔ (۳) کسی کے سامنے بیان نہ کرنا۔

تخریج: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام مسلم نے ابوقتادہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"الرؤيا الصالحة من الله والرؤيا السوء من الشيطان. فمن رأى رؤيا يكره منها شيئا فلينفث عن يساره، وليتعوذ بالله من الشيطان، فانها لا تضره ولا يخبربها أحدا، فان رأى رؤية حسنة فليبشرو لا يخبر بها الا من يحب".

ناپسندیدہ خواب کا حل

۴۶۱۳: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَارَاى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلٰثاً وَيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ ثَلٰثاً وَلْيَتَحَوَّلَ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ۔

(رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ١٧٧٢/٤ الحديث رقم (٥-٢٢٦٢)، وأبو داؤد فى السنن ٢٨٤/٥ الحديث رقم ٥٠٢٢، وابن ماجه فى ٢٦٦/٢ الحديث رقم ٣٩٠٨۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بائیں جانب تھوکے اور تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شیطان سے پناہ مانگے اور اپنی کروٹ و پہلو کو بدل لے جس پر اسے وہ خواب دکھائی دیا۔ (مسلم)

تشریح: قوله: اذا رأى أحدكم الرؤيا يكرهها: اس کے اعراب میں تین احتمال ہیں:

(۱) یہ جملہ صفت ہے۔ (۲) حال ہے۔ (۳) مستانفہ بیانیہ ہے۔

فليبصق: صاد کے ضمہ کے ساتھ ہے صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں:

یہاں تھتکارنے کے لئے لفظ "بصق" کا استعمال کیا گیا ہے جبکہ دوسری روایت میں "تفل" کا لفظ آیا ہے۔ مفہوم و مطلب کے اعتبار سے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے "تفل" کے معنی منہ سے تھوک نکالنا ہے جبکہ "بصق" کے معنی منہ کے اندر سے (تھوک) اس طرح نکالنا کہ کچھ حلق سے بھی نکلے۔

منہ سے تھوک نکالنے کو "بصاق" کہتے ہیں اور "بزاق" بھی کہا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ تھتکارنے میں پہلا درجہ "بصق" کا ہے پھر "تفل" کا ہے۔ "تفل" کے بعد "نفث" ہے جس کے معنی ہیں

لبوں کے تھوک کے ساتھ تھونکنا اور اس کے بعد نفخ ہے جو محض پھونک مارنے کو کہتے ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں فلیبصق کے بجائے فلینفث کا لفظ منقول ہے۔ نیز اس حدیث میں بائیں طرف تھتکارنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں محض تھتکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں کروٹ تبدیل کرنے کا حکم ''قضا'' سے ''قدر'' کی طرف فرار کے لئے ہے۔

تخریج: اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں

۴۶۱۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ فَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَاِنَّهٗ لَايَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ وَاَنَا اَقُوْلُ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ حَدِيْثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيْفُ الشَّيْطٰنِ وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلَا يَقُصَّهٗ عَلٰى اَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِی النَّوْمِ وَيُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثُبَاتٌ فِی الدِّيْنِ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/ ٤٠٤ الحدیث رقم ٧٠١٧، ومسلم فی ٤/ ١٧٧٣ الحدیث رقم (٢-٢٦٩)، وأبو داؤد فی السنن ٥/ ٢٨٢ الحدیث رقم ٥٠١٩، والترمذی فی ٤/ ٤٦٥ الحدیث رقم ٢٢٨٠، وابن ماجه فی ٢/ ١٢٨٥ الحدیث رقم ٣٩٠٦ والدارمی فی ٢/ ١٦٧ الحدیث رقم ٢١٤٣، وأحمد فی المسند ٢/ ٢٦٩۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا تو اس وقت مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک ہے اور جو جزء نبوت کے اجزاء سے ہو وہ کذب ہو ہی نہیں سکتا۔ محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ خواب تین قسم کے ہیں: ① حدیث نفس ② تخویف شیطان ③ خدائی بشارت۔ سو تم میں سے جب کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو وہ ناپسند کرے تو چاہئے کہ اس کو چاہیے کو لوگوں کو بتاتا نہ پھرے۔ سو چاہئے کہ کھڑا ہو اور نماز ادا کرے ابن سیرین کہتے ہیں کہ طوق دیکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں پسند نہیں کرتے تھے البتہ بیڑیاں دیکھنا اچھا گمان کرتے تھے اسی لئے کہا گیا کہ بیڑیوں (قید) سے دین پہ ثابت قدمی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یکذب: مذکر کا صیغہ ہے، اور بعض نسخوں میں مؤنث کا صیغہ ہے۔

اذا اقترب الزمان لم یکد یکذب رؤیا المؤمن:

صاحب فائق لکھتے ہیں: اس میں تین قول ہیں:

پہلا قول: زمانہ قریب ہوگا سے مراد آخر زمان قیامت کے قریب کا زمانہ ہے کہ ایک اور حدیث میں صراحتاً مذکور ہے:

فی آخر الزمان لا تکاد رؤیا المؤمن تکذب......

قیامت کے قریب زمانہ میں مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں دن ورات برابر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن ایام میں دن رات برابر ہوتے ہیں ان میں انسانی مزاج اعتدال پر ہوتے ہیں ذہن وجسم کی صلاحیتیں سلامت روی سے کام کرتی ہیں۔ ایسے دنوں میں دیکھا جانے والا خواب ذہن وفکر کی سلامت روی کی وجہ سے سچا ہوتا ہے۔

تیسرا قول: یہ حدیث آنحضرت کے اس ارشاد گرامی پر مبنی ہے: **یتقارب الزمان حتی تکون السنة کا لشهر، والشهر کا لجمعة والجمعة کا لیوم والیوم کا لساعة**۔ ایسا زمانہ امام مہدی کے دور میں آئے گا۔ لہٰذا امام مہدی کے زمانہ میں بھی خواب سچے ہوں گے درست ہوں گے۔ کیونکہ وہ راست بازی کا زمانہ ہوگا۔

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ راست باز ہوگا۔ اس کا خواب اتنا زیادہ سچا ہوگا۔

علماء فرماتے ہیں: اس سے مراد خروج مہدی کا زمانہ ہے کہ عدل وانصاف عام ہوگا، یہ زمانہ اپنی لذتوں سے بھرپور ہونے کے باعث انتہائی مختصر ہوگا۔ چنانچہ اطراف زمانہ قریب قریب ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس س مراد دجال اور یاجوج وماجوج کا زمانہ ہو۔ مصائب وآلام کی کثرت کے سبب دن رات کے آنے جانے کے پتہ ہی نہیں چلے گا، یہ وہ زمانہ ہوگا کہ جب لوگ اپنے مطلوب کے حصول کیلئے کوشاں ہوں گے، چنانچہ اجزاء نبوت سے مدد حاصل کریں گے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "**کاد منفی**" کی خبر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اظہر یہ ہے کہ وہ بھی منفی ہوتی ہے، چونکہ "کاد" پر داخل ہونے والا حرف نفی، اس کے قریب حصول کی نفی کرتا ہے اور قرب حصول شیء کی نفی کرنے والا اپنی ذات کی نفی پر "اوّل" ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**اذا أخرج یده لم یکد یراها**﴾[النور۔۴۰]

فلا یکذب: یاء کے فتحہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ۔ **أی لا یکون کاذبا بل یقع صادقا**. ایک نسخہ میں "اکذاب" مصدر سے صیغہ مجہول کیساتھ ہے۔ **ای لاینسب الی الکذب**۔

حدیث النفس: جیسا کہ عاشق ومعشوق کے درمیان نسبت، یہ جملہ بھی اسی قبیل سے ہے: **ما تری الهرة فی نومها الا الفارة**. اور اسی قبیل سے یہ کلام بھی ہے: **کما تعیشون تموتون وکما تموتون تحشرون** اور یہ بھی اسی قبیل سے ہے: **کل اناء یترشح بما فیه**.

ابن سیرین نے خواب کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا۔

شیخین اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی:

"**اذا قرب الزمان لم تکد رؤیا الرجل المسلم تکذب، وأصدقهم رؤیا أصدقهم حدیثا**". (کذا فی الجامع)

الرؤیا ثلاث: یہ الفاظ بخاری اور خطابی کی شرح بخاری کے ہیں، مسلم شریف کی ایک روایت، جامع الاصول اور مصابیح کے نسخوں میں ثلاثة ہے. (ذکرہ الطیبی) اور شاید کہ اس اختلاف کا منشا مصدر کا مذکر مؤنث ہونا ہے۔

فمن رأى شيئا يكرهه: بظاہر یہ ابن سیرین کا باقی ماندہ کلام ہے۔ اور فاء برائے تفریع وتفصیل ہے۔ مختصر الطیبیؒ میں لکھا ہے: **قوله: فمن تفصيل لما تقدم من أول الحديث وتقسيم ابن سيرين واقع بينهما اھ**۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امام طیبیؒ کے کلام میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بے موقع ومحل کے واقع ہے۔ تیسری بات یہ کہ وہاں اس بات پر بھی کوئی دلالت موجود نہیں ہے کہ یہ ان کا مقولہ ہے۔

الجامع الصغیر میں بروایت ابن ماجہ مروی ہے:

ثلاثة منهاتهاويل من الشيطان ليحزن ابن آدم، ومنها ما يهم به الرجل في يقظة فيراه في منامه، ومنها جزء من ستة وأربعين جزء امن النبوة أي فهي بشرى من الله.

فلا يقصه على أحد: صاد مشدد ہے، ص پر فتح ہے، البتہ ایک نسخہ میں ضمہ ہے۔ پہلی تقدیر پر یہ کلام نہی پر محمول ہے اور دوسری صورت میں نہی ونفی دونوں کو محتمل ہے۔ لیکن نفی بمعنیٰ نہی ہے۔ اور "**على أحد**" کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب کسی بھی شخص کے سامنے بیان نہ کرے، خواہ وہ محبّ ہو یا کوئی اور ہو۔ ترمذی میں مروی حضرت ابو ہریرہ کی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: "**اذا رأى أحدكم الرؤيا الحسنة فليفسرها أو ليخبر بها واذا رأى الرؤيا القبيحة فلا يفسرها ولا يخبر بها**

وليقم فليصل: امام جزریؒ نے حصن میں "**وليقم فليصل**" کے الفاظ پر بخاری کی علامت لگائی ہے، اس سے وہم ہوتا ہے، کہ یہ مرفوع ہے۔ حالانکہ بعض محققین نے تصریح کی ہے، کہ نماز کا حکم بخاری کی مرفوع روایت میں موجود نہیں ہے، بلکہ یہ حصہ محمد بن سیرین پر موقوف ہے۔ البتہ ترمذی کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً ثابت ہے۔ **كما قاله الامام النووي في الأذكار**۔

قال و **كان** کی ضمیروں کے بارے میں مفسرین نے بہت سے احتمال لکھے ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ قال کی ضمیر محمد بن سیرین کی طرف راجع ہو جیسا کہ ماقبل کی عبارت قال محمد بن سیرین سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو مابعد کلام حدیث ہوگا۔ اور اس بناء پر **كان** اور **يكره** کی ضمیریں آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہوں گی۔ اس صورت میں جملہ کے معنی وہی ہوں گے جو ترجمہ میں بیان کیے یعنی حضرت محمد بن سیرین نے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ اس بات کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی خواب میں دیکھے کہ اس کے گلے میں طوق ہے۔ کیونکہ گلے میں طوق ڈالنا دوزخی کی علامت ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "قال" کی ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہو اور **كان يكره** کی ضمیریں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ قال ضمیر اس راوی کی طرف راجع ہو جس نے اس حدیث کو ابن سیرین سے نقل کیا ہے اور **كان يكره** کا ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے کہا کہ محمد بن سیرین اس چیز کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ خواب میں طوق دیکھا جائے۔

ضمیروں کے جو سلسلے اوپر نقل کیے گئے ہیں احتمالات میں سے پہلے احتمال کی بنا پر **يعجبهم** کی ضمیر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی طرف راجع ہوگی۔

دوسرے احتمال کی بناء پر ضمیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اوران کے تابعین کی طرف راجع ہوگی
تیسرے احتمال کی بناپر ضمیر ابن سیرین اوران کے زمانہ تعبیر دینے علماء کی طرف راجع ہوگی۔
الجامع الصغیر میں بروایت ترمذی وابن ماجہ از ابو ہریرہ مرفوعاً منقول ہے:

"الرؤيا ثلاث فبشرى من الله، وحديث النفس، وتخويف من الشيطان' فاذ ارأى أحدكم رؤيا تعجبه فليقصها ان شاء، وانِ رأى شيئا يكرهه فلا يقصه على أحد وليقم يصلى' وأكرهُ الغل واحب القيد والقيد ثبات فى الدين۔

۴۶۱۵: قَالَ الْبُخَارِيُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَيُوْنَسُ وَهَشِيْمٌ وَاَبُوْ هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنِ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ يُوْنَسُ لَا اَحْسِبُهُ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ وَقَالَ مُسْلِمٌ لَا اَدْرِىْ هُوَ فِىْ الْحَدِيْثِ اَمْ قَالَهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَفِىْ رِوَايَةٍ نَحْوُهُ وَاَدْرَجَ فِي الْحَدِيْثِ قَوْلَهٗ وَاَكْرَهُ الْغُلَّ اِلٰى تَمَامِ الْكَلَامِ۔

ألبخاری فی صحیحه ۱۲/٤۰٤ الحديث رقم ۷۰۱۷' ومسلم فی ٤/۱۷۷۳ الحديث رقم (٤/٢٢٦١)

ترجمه: اختتامی جزو میں دونوں کو تردد ہے۔ امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ اس پوری حدیث کو یا صرف اس جز کو جس میں قید کا ذکر ہے' قتادہ' یونس' ہشیم اور ابو ہلال نے محمد بن سیرین سے اور محمد بن سیرین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا اور یونس نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ حدیث کے وہ اجزاء جن میں ابن سیرین نے قید کا ذکر کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ بخاری کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ابن سیرین سے نقل کرنے والے ایک راوی یونس کے مطابق روایت کا وہ جز جس میں طوق کا ذکر ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔ البتہ وہ جزو جس میں قید کا ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابن سیرین کا اپنا قول نہیں بلکہ حدیث مرفوع یعنی آپؐ کا ارشاد ہے۔ جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے اور ابن سیرین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے) اور امام مسلم نے جو (ابن سیرین کا اپنا قول ہے) یہ کہا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ (اجزاء جن میں قید کا ذکر ہے آپؐ کے اپنے الفاظ ہیں' ابن سیرین کا اپنا قول ہے) اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح کے الفاظ ہیں۔

تشریح: **قوله: قال البخاری: رواه قتاده ويونس وهشيم وأبو هلال۔۔۔۔ فی القيد:** روایت کے آخری جز: "**يقال: القيد ثبات فی الدين**" کے بارے میں شیخین کو تردد ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: اس پوری حدیث کو یا صرف اس جز کو کہ جس میں "قید" کا ذکر ہے' قتادہ، یونس، ہشیم اور ابو ھلال نے عن ابن سیرین عن أبی ہریرہ نقل کیا ہے' پہلے حصہ کو مرفوعاً اور آخری حصہ کو موقوفاً روایت کیا ہے۔ ابن سیرین سے روایت کرنے والوں میں سے یونس کا کہنا ہے، کہ میرا گمان ہے، کہ حدیث کے وہ اجزاء کہ جن میں ابن سیرین نے قید کا ذکر کیا ہے وہ کسی اور کا نہیں بلکہ نبی کریم علیہ السلام ہی کا ارشاد گرامی ہے۔

میں کہتا ہوں "یقال" کی تعبیر تو اس روایت کے موقوف ہونے کا بھی انکار کرتی ہے چہ جائیکہ مرفوع ہو۔
امام مسلم فرماتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ حدیث کا وہ جز کہ جس میں "قید" کا ذکر ہے مرفوع ہے یا موقوف ہے یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں یا ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔قصہ مختصر یہ کہ "قید" والا حصہ مرفوع ہے، کہ موقوف۔

میں کہتا ہوں یہی ظاہر ہے، اس میں شک کرنا مناسب نہیں، جیسا کہ ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ نہ کہا جائے کہ شیخین کا کلام "یقال: القید" الخ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ "ویعجبهم القید" کے بارے میں ہے۔ چونکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہی مراد ہوتا تو "قید" کی تخصیص کرتے، چونکہ "غل" کا بھی یہی حکم ہے۔اور شیخین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ "قال" کا "فاعل" ابن سیرین ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "وكان يكره" میں احتمال ہے، کہ ابن سیرین سے روایت کرنے والے راوی کا مقولہ ہو، اور "کان" کا اسم ضمیر ہو جو ابن سیرین کی طرف راجع ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "وكان يكره" ابن سیرین کا مقولہ ہو، اور "کان" کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف یا ابو ہریرہ کی طرف راجع ہو۔لہٰذا امام مسلمؒ کے اس جملہ: "**لا أدرى هو في الحديث أو قاله ابن سيرين**" کا مطلب یہ ہوگا: "**لا أدرى ان قال مقول الراوى ابن سيرين، فيكون قوله لابن سيرين، أو يكون مقوله لابن سيرين، فيكون من الحديث اما عن الرسول ﷺ أو عن أبى هريرة** ۔اور یونس نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ یہ ابن سیرین کا مقولہ ہے، اور "کان" کی ضمیر کا مرجع مراد نبی کریم علیہ السلام ہیں۔ **أى قال يونس فى شأن القيد لا أحسبه الاعن النبى ﷺ**۔اور "**أنا أقول**" اس جملہ سے اختصاص کا پتہ چلتا ہے اور یہ اس وہم کو رفع کرتا ہے کہ یہ تینوں خلال اس حدیث کے متن کا حصہ ہیں کہ جس میں ان خلال کا ذکر بغیر کسی تفصیل کے مدرج ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **فيه بحث ظاهر.**

خواب میں شیطان کا کھیلنا

٤٦١٦: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ رَأْسِيْ قُطِعَ فَقَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِاَحَدِكُمْ فِيْ مَنَامِهِ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤/١٧٧٧ الحديث رقم (١٦-٢٢٦٨) وابن ماجه فى السنن ٢/١٢٨٧ الحديث رقم ٣٩١٢، وأحمد فى المسند ٣/٣٥٠۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر بیان کرنے لگا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ ڈالا گیا ہے۔اس کی بات سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جب تم میں نے کسی کے ساتھ خواب میں شیطان کھیلے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتا پھرے۔ (مسلم)

تشریح: **كان رأسى قطع قال:** ای قال جابر۔ایک نسخہ میں عبارت اسی طرح (یعنی "قال" کے ساتھ) ہے اور اکثر نسخوں میں "قال" کے بغیر ہے۔

امام نووی نے اس کے کئی مطالب ذکر فرمائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

❶ ممکن ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا ہو، کہ یہ خواب "اضغاث أحلام" کے قبیل سے ہے۔ یا کسی اور ذریعہ سے اس پر دلالت ہو رہی ہو۔ یا اس پر کہ یہ وہ مکروہ خواب ہے جو تحریش شیطان میں سے ہے۔

❷ اہل تعبیر کے نزدیک اس خواب (قطع رأس) کی تعبیر یہ کی جاتی ہے کہ یہ شخص جن دنیاوی یا اخروی نعمتوں میں ہے وہ نعمتیں اس سے زائل ہو جائیں گی۔

❸ یا یہ شخص اپنی قوم سے جدا ہو جائے گا، اور اگر یہ سلطان ہے، تو اس کی سلطنت کو زوال آ جائے گا۔ اور اس کے تمام امور کی حالت دگرگوں ہو جائے گی۔

❹ اگر یہ خواب دیکھنے والا شخص کوئی غلام ہے، تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ غلامی کے طوق سے نجات پا جائے گا، اور اگر یہ خواب کسی مریض نے دیکھا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ وہ مریض جلد شفایاب ہو جائے گا، اور اگر خواب دیکھنے والا شخص مدیون تھا، تو تعبیر یہ ہے کہ وہ قرض سے بری ہو جائے گا۔

❺ اگر یہ خواب کسی ایسے شخص نے دیکھا تھا، جو تا حال حج کی سعادت سے محروم تھا، تو تعبیر یہ ہوگی کہ وہ حج کر لے گا۔ اگر یہ خواب دیکھنے والا شخص مغموم تھا، تو مسرور ہو جائے گا، اور اگر خائف تھا، تو مامون ہو جائے گا۔ اھ۔

ملا علی قاریؒ، امام نوویؒ کی مذکورہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پہلی بات کی دوسری شق ظاہر ہے، چونکہ یہ حدیث اسی پر دلالت کر رہی ہے۔ دوسری بات کا ہولناک امور میں سے ہونا واضح ہے۔ تیسری بات تو یہ اور بھی زیادہ ہولناک ہے، خصوصاً جب کہ یہ خواب دیکھنے والے صاحب صحابیؓ تھے، کہ جن کے رأس و رئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور چوتھی بات کا بعید از دلالت ہونا مخفی نہیں، اور آخری بات تو اس سے بھی زیادہ بعید الدلالۃ ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

تر کھجور کی تعبیر

۴۶۱۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِيْنَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ دِيْنَنَا قَدْ طَابَ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٧٧٩ الحديث رقم (١٨۔٢٢٧٠)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے خواب دیکھا گویا ہم عقبہ بن رافعؓ کے گھر میں ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لائی گئیں ہیں تو میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ ہمارے لئے دنیا میں سربلندی اور عظمت ہوگی اور آخرت میں اچھا انجام ملے گا اور ہمارا دین بہت خوب ہے۔

تشریح: کانا: نون مشدد ہے۔

طاب: تنوین کے ساتھ ہے۔ صاحب قاموس کے بیان کے مطابق "طاب"، بمعنٰی " طیب " ہے۔ اور ایک نسخہ میں "

طاب'' باء کے فتحہ کے ساتھ ہے، غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل کی رعایت رکھی گئی ہو، بایں طور کہ یہ فعل ماضی ہے، مبنی علی الفتح ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ کوئی بدوی تھا کہ جس کی طرف کھجوروں کی یہ قسم منسوب ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: وہ اہل مدینہ میں سے تھا۔ اور صاحب قاموس لکھتے ہیں: **طيبة المدينة النبوية كطابة، عذق بن طاب نخل بها، أو ابن طاب ضرب من الرطب۔**

قوله: ان الرفعة لنا في ديننا ......:

مذکورہ تعبیر میں گویا آپ نے ناموں کے الفاظ کو بنیاد بنایا اس طور پر کہ ''رفعت'' کی تعبیر ''رافع'' سے لی ''عافیت'' کی تعبیر ''عقبیٰ'' سے لی۔

اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**يرفع الله الذين آمنوا منكم**﴾[المجادلة: ۱۱] دوسرے جملہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿**والعاقبة للتقوى**﴾[طه: ۱۳۲] اور ہمارا ذوق معنوی یعنی حلاوۃ ایمان رطب کے مشابہ ہے، کہ یہ دین مکمل طور پر مستحکم ومضبوط ہے، اور اس کا زمانہ بہت اچھا ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں: **تأويله هكذا قانون قياس التعبير على ما يرى في المنام بالأسماء الحسنة، كما أخذ العاقبة من لفظ عقبة، والرفعة من رافع، وطيب الدين من طاب۔** (انتھی) اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نیک فالی کو پسند فرماتے تھے، اور بدشگونی کو ناپسند فرماتے تھے۔ وگرنہ تو کلمات ذو معانی مختلفہ ہیں۔ چنانچہ دشمن کی نسبت سے ''عقوبہ'' کو ''عقبہ'' سے، اور مسلمانوں کی ''رفعت'' وبلندی کو ''رافع'' سے، اور ان کی موت کے اچھا ہونے کو ''طاب'' سے مأخوذ مانا جا سکتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ تعبیر الرؤیا کا معاملہ انتہائی دقیق ہے، جو ہر لحہ توفیق کا محتاج ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''عقب'' اور ''عقبیٰ'' دونوں الفاظ ثواب کے معنیٰ کیلئے مخصوص ہیں۔ جیسے: [**هو خير ثوابا وخير عقباً**] [الكهف: ٤٤] اور عاقبہ کا اطلاق ثواب کے ساتھ مخصوص ہے جیسے: ﴿**والعاقبة للمتقين**﴾[الاعراف: ۱۲۸] اور اضافت کے ساتھ کبھی ''**عقوبة**'' کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: ﴿**ثم كان عاقبة الذين أساؤ والسوأى**﴾[الروم: ۱۰]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس آیت میں لفظ ''عاقبت'' **عقوبة** کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ انجام کے معنیٰ میں ہے۔ ای **عاقبة امرهم ونهاية قولهم وفعلهم أن كذبوا بآيات الله وكانوا بها يستهزؤن۔** البتہ اس آیت کریمہ: ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ لا اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [النمل: ۵۱] ''تو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے ان کو ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا'' میں ''**عاقبة**'' ایک تفسیر ''**عقوبة**'' کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

کھجوروں والا مقام اور تلوار کی دھار کے کند ہونے کی تعبیر

۴۶۱۸: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُهَاجِرُ مِنْ مَکَّةَ اِلٰی اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِیْ اِلٰی اَنَّهَا الْیَمَامَةُ اَوْ هَجَرٌ فَاِذَا هِیَ الْمَدِیْنَةُ یَثْرِبُ وَرَاَیْتُ فِیْ

رُؤْيَایَ هٰذِهٖ اَنِّیْ هَزَزْتُ سَيْفاً فَانْقَعَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَمَا اُصِيْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰی فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَاجَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٦/٦٢٧ الحدیث رقم ٣٦٢٢، ومسلم فی ٢/١٧٧٩ الحدیث رقم ١٧٧٩/٤٠، وابن ماجه فی السنن ٢/١٢٩٢ الحدیث رقم ٣٩٢١، والدارمی ٢/١٧٣ الحدیث رقم ٢١٥٨۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے مکہ مکرمہ میں ایک دن یہ خواب دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے ایسی سرزمین کی طرف جا رہا ہوں جہاں کھجوروں کے درخت ہیں میرا پہلی مرتبہ خیال اس طرف گیا کہ وہ تمامہ ہے یا مقام ہجر ہے مگر واقع میں وہ مدینہ منورہ نکلا۔اس کا قدیم نام یثرب ہے اور میں نے اپنے خواب میں یہ بات بھی دیکھی کہ میں نے اپنی تلوار کو ہلایا تو اس کا بالائی حصہ ٹوٹ گیا تو اس کی تعبیر احد کے دن مسلمانوں کو تکلیف پہنچنا تھی پھر میں نے دوبارہ اس کو حرکت دی تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ چنانچہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی اور مسلمانوں میں اجتماعیت کی صورت سامنے آئی۔یہ بخاری مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: **نخل**: اسم جنس ہے بمعنیٰ **نخیل**: یعنی کھجوریں۔

وهلی:

الیمامة: صاحب قاموس لکھتے ہیں: **یمامه** کے لغوی معنی ہیں ''قصد'' اور ''یمام'' بھی اسی معنیٰ میں ہے۔اس کا اسم منسوب ہے۔سارے حجاز میں سب سے زیادہ کھجوریں یہاں پیدا ہوتی تھیں۔مسیلمہ کذاب کا ظہور بھی یہیں ہوا،محل وقوع کے اعتبار سے یہ علاقہ جزیرہ نما عرب میں واقع ہے۔مکہ مکرمہ سے سولہ مراحل کے فاصلہ پر ہے،اور کوفہ سے بھی تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہے۔

هجر: **بفتح الهاء و الجیم**، بروزن قلم، غیر منصرف ہے۔اور ''**بقعة**'' کی تاویل اور علیت کے باعث غیر منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔صاحب قاموس لکھتے ہیں: **هجر** حرکت کے ساتھ ہے۔یمن کا ایک شہر ہے، مذکر و منصرف ہے۔اور کبھی مؤنث مانتے ہوئے غیر منصرف پڑھا جاتا ہے، ''بحرین'' کی ساری سرزمین کو بھی **هجر** کہا جاتا ہے۔اسی سے یہ مثال بھی مشہور ہے: **کبضع ثمر الی هجر**۔اور حضرت عمر کا قول ہے: **عجبت لتاجر هجر**، ان کا اظہار تعجب اس کی کثرت وباء کی وجہ سے تھا، یا رکوب بحر کی وجہ سے تھا۔فرماتے ہیں: مدینہ کے قریب ایک بستی تھی جس کی طرف ''قلال'' (مٹکے گھڑے) منسوب تھے۔

فاذا هی: سے مراد **تلك الارض** ہے۔

المدینة یثرب: ''یثرب'' مدینہ سے بدل ہے، یا اس کا عطف بیان ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں مدینہ کا نام یثرب تھا۔ اللہ جل شانہ نے اس کو ''مدینہ'' کا نام دیا۔اور آنحضرت ﷺ نے اس کا نام ''طاب'' اور طیبہ رکھا۔

آنحضرت ﷺ نے اس شہر کو یثرب کہنے سے منع فرمایا تھا لفظ یثرب کی کراہت کی وجہ سے۔(کیونکہ یثرب اصل میں ثرب بالتحریک سے مشتق ہے جس کا معنی فتنہ و فساد کے ہیں) خود آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں ''مدینہ'' کو ''یثرب'' کہا ہے۔اس میں تطبیق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حدیث مذکورہ ممانعت سے پہلے کی ہے تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ یہ نہی

تنزیہی ہے اور بیانِ جواز کی وجہ سے قدیم نام استعمال فرمایا۔ تیری صورت یہ ہے کہ اس کلام کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اس نام سے واقف تھے اور اس وجہ سے اس نام کو اور شرعی نام کو یکجا ذکر فرمایا۔ میں کہتا ہوں آخری احتمال ہی زیادہ ظاہر ہے' جیسا کہ اس کا عطف بیان ہونا اس کو ظاہر کر رہا ہے۔ (فتدبر)

الجامع الصغیر میں مسند احمد کی روایت حضرت براء سے مرفوعاً منقول ہے: "من سمی المدینة یثرب فلیستغفر اللّٰه، هی طابة هی طابة"۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس کی تکرار میں "ردعن النهی" کے لئے مبالغہ ہے' چونکہ یہ یہود و منافقین کا شعار تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر کہا تھا: [یاأهل یثرب لامقام لکم فارجعوا] یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی کبھی تاویل کے محتاج ہوتے ہیں:

هززت: میں دوزاء ہیں۔

فانقطع صدره: سے مراد تلوار کا درمیانی حصہ ہے۔

فاذا هو: ای تاویله امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "فاذا هو" اصل میں "فاذا تاویله" تھا۔ مضاف (یعنی لفظ "تاویل" کو حذف کر کے، مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا اور ضمیر مجرور کو ضمیر مرفوع سے بدل دیا۔

یوم أحد: أصیب کے لئے مفعول فیہ ہے۔

أحسن ماکان: یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ ای مما کان: "ما" موصولہ ہے، یا مصدریہ ہے۔ اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی: أحسن أکوانه۔

قوله: فاذا هو جاء الله به من الفتح: اس سے مراد فتح مکہ ہے، یا صلح حدیبیہ ہے، چونکہ صلح حدیبیہ اس فتح کی کُنجی تھی، اور معطوف (واجتماع المؤمنین) کے زیادہ مناسب بھی یہی ہے۔ چونکہ مؤمنین کا اجتماع فتح مکہ کے وقت ہی ہوا تھا۔ (انتھی)۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ [النصر: ۱، ۲] "جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں"۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے سیف کی جو تعبیر فرمائی یہ معبرین کی تفسیر کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ معبرین کہتے ہیں، کسی آدمی کی تلوار سے مراد اس شخص کے وہ انصار و مددگار ہوتے ہیں جن کے ذریعہ یہ شخص اپنے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنی تلوار کے ساتھ حملہ کرتا ہے، اور کبھی اس کے علاوہ دیگر مواقع ہیں دیگر تعبیریں بھی کی جاتی ہیں' مثلاً اولاد، چچا، بھائی اور زوج مراد لئے جاتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں ان میں سے ہر شخص "انصار" ہی کے حکم میں ہے۔

(امام نوویؒ) فرماتے ہیں اور کبھی ولدیت، ودیعت، مالداری اور صحت پر دلالت کرتی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ سارے امور بھی معنوی نصرت ہیں۔

فرمایا: کبھی اس سے مراد "سلطان جائر" ہوتا ہے۔ بہر حال جو معنیٰ بھی مراد ہوں گے وہ قرائن کے اعتبار سے ہوں گے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: کبھی اس کی تعبیر سلطانِ عادل ہوتی ہے، چونکہ تلوار ذو جہتیں (دورُخی) ہوتی ہے۔ اس لئے امام غزالیؒ فرماتے

ہیں: القلم كالسيف يمكن أن يستعان به على الدين وعلى الدنيا كما يقتل بالسيف المؤمن والكافر۔

سونے کے کنگن کی تعبیر

۴۶۱۹: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِىْ كَفِّىْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَىَّ فَاُوْحِىَ اِلَىَّ اَنْ نُفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابِيْنِ الَّذِيْنَ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْيَمَامَةَ (متفق عليه وفى رواية يقال اَحَدُهُمَا مُسَيْلَمَةُ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنَسِىُّ صَاحِبُ صَنُعَآءَ وَلَمْ اجد هذه الرواية فى الصحيحين وذكرها صاحب الجامع عن الترمذى)

أخرجه البخارى فى صحيحه ٨٩/٨ الحديث رقم ٤٣٧٥، ومسلم فى ١٧٨١/٤ الحديث رقم (٢٢-٢٢٧٤) والترمذى فى ٤٧٠/٤ الحديث رقم ٢٢٩٢، وابن ماجه فى ١٢٩٣/٢ الحديث رقم ٣٩٢٢ وأحمد فى المسند ٣١٩/٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے اور میرے ہاتھوں پر سونے کے دو کنگن رکھے گئے جن کا رکھا جانا مجھے گراں گزرا۔ خواب ہی میں مجھے اشارہ ہوا کہ میں اس کو پھونک ماروں تو میں نے اس کو پھونک ماردی تو وہ دونوں کڑے اڑ گئے تو میں نے اس دونوں کی تعبیر دو کذابوں سے کی جن کے درمیان میں ہوں یعنی ایک صنعاء کا رہنے والا ہے اور دوسرا یمامہ کا۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے اور ترمذی کی روایت اس طرح ہے کہ ایک اس میں مسیلمہ ہے جو یمامہ کا باشندہ ہے اور دوسرا اسود عنسی ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ روایت مجھے صحیحین میں نہیں ملی اور جامع الاصول میں اسے ترمذی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

تشریح: أتيت بخزائن الأرض کے مطلب بیان کئے گئے ہیں:

١- أى أتانى ملك بمفاتيح خزائن الارض۔ (ایک فرشتہ زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے پاس لایا۔)

٢- قال بعض الشراح: أى عرض على الكنوز وأنواع الاموال۔ (یعنی خزانے اور طرح طرح کے اموال مجھ پر پیش کئے گئے۔)

٣- قيل: أى أتى بالخزائن حقيقة اشارة الى تملكه عليها بفتح البلد عنوة ودعوة۔ (یعنی زمین کے خزانے حقیقی طور پر لائے گئے۔ یہ اشارہ تھا کہ شہر عنوت ودعوت کے ذریعہ فتح ہو جائیں گے، اور مسلمانوں کی ملکیت میں چلے جائیں گے۔)

٤- قال النووى: أى ملكها وفتح بلادها و أخذ خزائن أموالها، وقد وقع ذلك كله ولله الحمد۔

فى كفى: بتشديد الفاء والباء المفتوحين۔ اور ایک نسخہ میں "فاء" پر کسرہ ہے اور "با" ساکن ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے

ہیں: بظاہر یہ صیغہ تثنیہ ہے، اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ''في يدي'' کے الفاظ ہیں۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں: یاء کی تشدید کے ساتھ ہے' تثنیہ ہونے کی وجہ سے۔

سواران: بکسر السین ہے۔

فكبرا: بائے موصدۃ پر ضمہ ہے۔

فأوحي: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

أن نفحها): فاء کے ضمہ اور خائے معجمہ کے سکون کے ساتھ۔ ''أن'' مفسرہ ہے۔ اور ''وحی'' میں ''قول'' کے معنیٰ ہیں (وعليه كلام القاضي وغيره)۔ امام طیبیؒ نے اس ''أن'' کا ناصبہ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اور جار محذوف ہے اور ''نفخ' خائے معجمہ کے ساتھ' جیسا کہ امام نوویؒ نے صحیح کی ہے۔ کہا جاتا ہے نفخته و نفحت فيه۔

صاحب صنعاء و صاحب اليمامة: یہ دونوں اسم منصوب علی البدلیت ہیں۔ یا'' أعني ''فعل مقدر ہے (یہ اس کیلئے مفعول بہ ہیں)۔ اور اگر ھما مبتدا محذوف مان لیا جائے تو ان دونوں کو خبر ہونے کی بناء پر مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظ نفخ کے ساتھ مذکورہ بالا تعبیر ان کذابوں کی شان حقارت پر دلالت کرتی ہے، اور اس پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ من جانب اللہ تھوڑی سی سختی آئی تو یہ ختم ہو جائیں گے۔ گویا کہ ان دونوں کی حیثیت اس شئے کی مانند ہے کہ جس کو پھونک مار کر ہوا میں اڑا دیا جائے۔ کسی نے کہا ہے:

ألم يجر التفرق آل كسرى
ونفخوا في مدائنهم فطاروا

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھنا یہ علامت ہے کہ اس کے ہاتھوں میں تنگی آئے گی۔ اور اگر چاندی کے کنگن دیکھے، تو چاندی کے کنگن دیکھنا، سونے کے کنگن دیکھنے سے بہتر ہے، مردوں نے اگر خواب میں کسی بھی قسم کا زیور دیکھا، تو ان کے لئے اچھا نہیں، سوائے قلادہ، تاج، عقد، قرط اور خاتم کے۔ البتہ اگر عورتیں خواب میں زیورات دیکھیں، تو ہر طرح کا زیور ان کے لئے زینت ہے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں: دو کڑوں کو ان دو جھوٹوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ تأویل۔ علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ ہے کہ کڑے اصل میں ہتھکڑی کی مشابہت رکھتے ہیں جس کو ہاتھ میں ڈال کر قیدی بنایا جاتا ہے اور ہتھکڑی ہاتھوں کو اس طرح باندھ دیتی ہے کہ وہ ہاتھ نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں نہ کوئی کام کر سکتے ہیں مرضی کے مطابق تصرف کی طاقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مشابہ ہوا اس شخص کے کہ جو شخص کس سے معارضہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے مقابل کے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے اور اس کو اس کے کام سے روکتا ہے۔ عرض مرتب: صاحب مظاہر نے ایک نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے: ''سونے ہی کے کڑے کیوں دکھائے گئے۔ لوہے کے کڑے کیوں نہیں دکھائے گئے جو ان سے زیادہ مناسب حال تھے تو اس میں بھی دراصل ایک نکتہ ہے سونے کے کڑے دکھا کر اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ جھوٹے دنیاوی عزت وجاہ کے لالچ اور زیب وزینت میں اس طرح مبتلا ہوں گے کہ ان کا مجرم ومردود ہونا کس طرح واضح اور سنگین ہے۔

صنعاء: صاحب قاموس لکھتے ہیں: عنس، یمن کے ایک قبیلہ کے باپ زید بن مالک بن داود کا لقب تھا اھ۔ صنعاء یمن کے ایک مشہور شہر کا نام ہے جس کا سردار اسود عنسی تھا جس نے آپ کے زمانۂ حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب آپ مرض وفات میں صاحبِ فراش تھے تو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اسود عنسی کو قتل کیا جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ''فاز فیروز'' فیروز کامیاب ہوگیا۔ اسود عنسی کی طرح یمامہ کے رہنے والے مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ یہ وہی وحشی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے قبل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ (انتھی)

بعض کا کہنا ہے، کہ جب حضرت وحشیؓ نے مسیلمہ کو قتل کیا، تو یہ فرمایا: قتلت خير الناس في الجاهلية وشر الناس في الاسلام: ''میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہترین انسان کو قتل کیا، اور زمانۂ اسلام میں ایک شریرترین انسان کو قتل کیا''۔

چشمہ کی تعبیر نیک عمل کا جاری رہنا

۴۶۲۰: وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَاَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يُجْرٰى لَهٗ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ١٢/ ٤١٠ الحديث رقم ٧٠١٨۔

ترجمہ: حضرت ام العلاءؓ سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون کا ایک چشمہ جاری ہے تو میں نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس کا عمل ہے یعنی عمل کا ثواب ہے جو اس کے لئے جاری کیا گیا۔

تشریح: یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مکمل حدیث یوں ہے: أنها قالت: هاجر

عينا تجري: أي يجري ماؤها: جریان کی نسبت عین کی طرف مجازی ہے۔ مبالغہ مقصود ہے۔

يجري له: مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں بصیغۂ معروف ہے۔ أي يصل اليه ثواب عمله الخ۔

آپؐ نے مذکورہ خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ وہ چشمہ حضرت مظعونؓ کا عمل صالح ہے اور جس طرح وہ چشمہ جاری ہے اسی طرح ان کے عمل صالحہ کا ثواب برابر جاری ہے جو قیامت تک ان کی طرف بہتا رہے گا حضرت مظعونؓ چونکہ مرابط بھی تھے اور مہاجر بھی تھے۔

چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آتا ہے: ''كل ميت يختم على عمله 'الا الذى مات مرابطا في سبيل الله فانه ينموله عمله الى يوم القيامة''۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، اور حاکم نے فضالہ بن عبید سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

مختلف بُرے اعمال کی سزاؤں کا خواب میں دکھایا جانا

۴۶۲۱: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ

فَقَالَ مَنْ رَّاٰی مِنکُمُ اللَّیْلَةَ رُؤْیَا قَالَ فَاِنْ رَاٰی اَحَدٌ قَصَّهَا فَیَقُوْلُ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَسَاَلَنَا یَوْمًا فَقَالَ هَلْ رَاٰی مِنکُمْ اَحَدٌ رُؤْیاً قُلْنَا لَا قَالَ لٰکِنِّیْ رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ رَجُلَیْنِ اَتَیَانِیْ فَاَخَذَا بِیَدَیَّ فَاَخْرَجَانِیْ اِلٰی اَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَاِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَرَجُلٌ قَائِمٌ بِیَدِهٖ کَلُّوْبٌ مِنْ حَدِیْدٍ یُدْخِلُهٗ فِیْ شِدْقِهٖ فَیَشُقُّهٗ حَتّٰی یَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ یَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْاٰخِرِمِثْلَ ذٰلِكَ وَیَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذا فَیَعُوْدُ فَیَصْنَعُ مِثْلَهٗ قُلْتُ مَاهٰذَا قَالَ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰی قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰی رَاْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْ صَخْرَةٍ یَشْدَخُ بِهَا رَأْسَهٗ فَاِذَاضَرَبَهٗ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَیْهِ لِیَاخُذَهٗ فَلَا یَرْجِعُ اِلٰی هٰذَا حَتّٰی یَلْتَئِمَ رَأْسُهٗ وَعَادَرَأْسُهٗ کَمَا کَانَ فَعَادَ اِلَیْهِ فَضَرَبَهٗ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا اِلٰی ثَقْبٍ مِثْلَ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَیِّقٌ وَاَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ اِرْتَفَعُوْا حَتّٰی کَادَاَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِیْهَا وَفِیْهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی نَهْرٍ مِنْ دَمٍ فِیْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰی وَسْطِ النَّهْرِ وَعَلٰی شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَیْنَ یَدَیْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِیْ فِی النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ رَمٰی الرَّجُلُ بِحَجَرٍفِیْ فِیْهِ فَرَدَّهٗ حَیْثُ کَانَ فَجَعَلَ کُلَّمَا جَاءَ لِیَخْرُجَ رَمٰی فِیْ فِیْهِ بِحَجَرٍ فَیَرْجِعُ کَمَا کَانَ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی انْتَهَیْنَا اِلٰی رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فِیْهَا شَجَرَةٌ عَظِیْمَةٌ وَفِیْ اَصْلِهَا شَیْخٌ وَصِبْیَانٌ وَاِذَا رَجُلٌ قَرِیْبٌ مِّنَ الشَّجَرَةِ بَیْنَ یَدَیْهِ نَارٌ یُوْقِدُهَا فَصَعِدَابِیْ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِیْ دَارًا وَسَطَ الشَّجَرَةِ لَمْ اَرَقَطُّ اَحْسَنَ مِنْهَا فِیْهَا رِجَالٌ شُیُوْخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْیَانٌ ثُمَّ اَخْرَجَانِیْ مِنْهَا فَصَعِدَ ابِیَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِیْ دَارًاهِیَ اَحْسَنُ وَاَفْضَلُ مِنْهَا فِیْهَا شُیُوْخٌ وَشَبَابٌ فَقُلْتُ لَهُمَا اِنَّکُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَا نِیْ اللَّیْلَةَ فَاَخْبِرَانِیْ عَمَّارَاَیْتُ قَالَا نَعَمْ اَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ یُشَقُّ شِدْقُهٗ فَکَذَّابٌ یُحَدِّثُ بِالْکَذِبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰی تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَیُصْنَعُ بِهٖ مَاتَرٰی اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ یُشْدَخُ رَأْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّیْلِ وَلَمْ یَعْمَلْ بِمَا فِیْهِ بِالنَّهَارِ یُفْعَلُ بِهٖ مَارَاَیْتَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّهْرِ اٰکِلُ الرِّبَا وَالشَّیْخُ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِیْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِیْمُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَالَّذِیْ یُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰی الَّتِیْ دَخَلْتَ دَارُعَامَّةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ وَاَنَا جِبْرَئِیْلُ وَهٰذَا مِیْکَائِیْلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ فَاِذَا فَوْقِیْ مِثْلُ السَّحَابِ وَفِیْ رِوَایَةٍ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَیْضَاءِ قَالَ ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِیْ اَدْخُلْ مَنْزِلِیْ قَالَ اِنَّهٗ بَقِیَ لَكَ عُمُرٌلَمْ تَسْتَکْمِلْهٗ فَلَواسْتَکْمَلْتَهٗ اَتَیْتَ مَنْزِلَكَ۔

(رواہ البخاری وذکر حدیث عبد اللہ بن عمر فی رویا النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فی المدینۃ فی باب حرم المدینۃ)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۵۱/۳ الحديث رقم ۱۳۸٦ وأحمد في المسند ۱٤/٥۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب آپ ﷺ نماز صبح سے فارغ ہو جاتے تو اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کر کے دریافت فرماتے کہ کیا آج کی رات تم میں نے کسی نے خواب دیکھا ہے حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ اگر ہم میں نے کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اسے بیان کرتا اور آپ ﷺ اس کی تعبیر مشیئت الٰہی کے مطابق فرماتے چنانچہ آپ نے ایک دن ہم سے سوال فرمایا اور فرمایا کیا تم میں نے کسی سے کوئی خواب دیکھا ہے ہم نے عرض کیا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ میرے پاس دو شخص آئے اور وہ میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کو مجھے سرزمین شام کی طرف لے کر چل دیے ایک جگہ پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا شخص اپنے ہاتھ میں لوہے کا کانٹا لیے کھڑا ہے وہ اس کانٹے کو بیٹھنے والے شخص کے باچھ میں ڈال کر چیرتا ہوا گدی تک لیجاتا ہے پھر دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا ہے یعنی گدی تک چیر ڈالتا ہے اتنی دیر میں پہلا جبڑا اپنی صحیح حالت پر لوٹ آتا ہے تو وہ اس کے ساتھ پہلے والا عمل کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ دیکھ کر اس دونوں آدمیوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں سے کہا چلتے رہو (یعنی یہ نہ پوچھو کہ کیا ہو رہا ہے یعنی بہت عجائبات سامنے آنے والے ہیں) چنانچہ ہم آگے چل دیئے یہاں تک کہ ہم ایسی جگہ میں آئے جہاں ایک شخص چت لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر کے پاس ایک شخص اتنا بڑا پتھر لیے کھڑا تھا جس سے ہاتھ بھر جائے چنانچہ وہ اس لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچلتا تھا جب وہ پتھر کو سر کچلنے کے لئے سر پر مارتا تو وہ پتھر سر کچل کر لڑھکتا ہوا دُور جا گرتا چنانچہ وہ دوبارہ مارنے کے لئے اس پتھر کو اٹھانے کے لئے جاتا جب وہ لوٹ کر واپس آتا تو اس کے لوٹنے سے پہلے اس آدمی کا سر درست ہو جاتا اور پھر وہ پتھر مارتا اور سر کچلا جاتا یہ سلسلہ اسی طرح جاری تھا۔ یعنی سر کچلنا اور اس کا درست ہونا وہ پتھر مارتا جارہا تھا میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے اس دونوں سے جواب دیا چلئے آگے چلئے چنانچہ ہم آگے چل دیے یہاں تک کہ ہم ایک ایسے گڑھے پر پہنچے جو تندور کی طرح اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ تھا اور اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ جب آگ کی بھڑک اوپر کو اٹھتی تو جو لوگ اس آگ کے اندر تھے وہ شعلوں کے ساتھ اوپر آ جاتے یہاں تک کہ گڑھے سے نکلنے کے قریب ہو جاتے جب شعلے کی بھڑک کم ہوتی تو سب دوبارہ اندر چلے جاتے اس آگ میں میں نے کئی مرد اور کئی عورتیں دیکھیں جو کہ تمام ننگے تھے میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کیا ہے تو اس دونوں سے کہا چلئے آگے چلئے چنانچہ ہم آگے چل دیئے یہاں تک کہ خون کی نہر کے کنارے پہنچے جس کے درمیان میں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کنارے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ جس کے سامنے پتھروں کا ڈھیر تھا نہر کے اندر والا شخص اس سے نکلنے کے لئے جب کنارے کی طرف آتا تو کنارے پر کھڑا شخص اس کے منہ پر پتھر برساتا جس سے وہ اپنی جگہ دوبارہ لوٹ جاتا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ کہ اندر والا آدمی باہر نکلنے کی کوشش کرتا اور کنارہ پر کھڑا ہونے والا اس پر سنگباری کر کے اسے واپس کرتا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے تو اس نے دونوں سے کہا چلئے آگے چلئے یہاں تک کہ ہم چلتے ہوئے ایک نہایت سرسبز و شاداب باغ میں پہنچے اس باغ میں ایک بہت بڑا درخت تھا اور اس کی جڑ کے پاس ایک بوڑھا آدمی کچھ لڑکوں سمیت بیٹھا تھا پھر میں نے اس دوران اس درخت کے پاس ایک اور شخص کو دیکھا جس کے سامنے آگ جل رہی ہے اور وہ اسے خوب جلا اور بھڑکا رہا ہے پھر میرے ساتھ والے دونوں آدمی مجھے لے کر درخت پر

چڑھتے اور مجھے ایک ایسے مکان میں داخل کیا جو درخت کے درمیان میں تھا یہ مکان اتنا شاندار تھا کہ اس سے زیادہ اچھا گھر میں نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ اس گھر میں بہت سارے جوان بوڑھے، بچے اور عورتیں تھیں اس کے بعد وہ دونوں آدمی مجھے اس گھر سے نکال کر درخت کے اوپر لے گئے اور مجھے ایک ایسے مکان میں داخل کیا جو پہلے گھر سے بہت اعلیٰ اور افضل تھا اس میں بھی بوڑھے اور جوان مرد موجود تھے۔ میں نے ان دونوں آدمیوں سے کہا آج رات تم نے مجھے بہت سیر کرائی۔ لیکن میں نے جو کچھ دیکھا اس کی حقیقت بھی مجھے بتلا دو اس دونوں سے کہا ہم اس کی حقیقت بتلائے دیتے ہیں سنیے جس شخص کو آپ نے دیکھا تھا کہ اس کے جبڑے چیرے جارہے ہیں وہ جھوٹا آدمی ہے جو جھوٹ بولتا ہے تو لوگ اس کے نقل کرتے ہیں اور اس کا جھوٹ دنیا میں چاروں طرف پھیل جاتا ہے چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جارہا ہے جو تم نے دیکھا اور یہ معاملہ اس کیساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔ دوسرا وہ شخص جسے آپ سے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جارہا ہے جسے اللہ نے قرآن کی دولت سے نوازا مگر اس سے قرآن کے مطابق عمل نہ کیا چنانچہ اس کے ساتھ کیا جانے والا سلوک تم نے دیکھ لیا یہ سلسلہ اس کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا۔ تیسرے وہ لوگ جن کو آپ نے تندور میں دیکھا وہ زنا کار مرد عورت ہیں اور چوتھے جس شخص کو آپ نے خون کی نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے اس کا یہ سلسلہ سدا اسی طرح جاری رہے گا۔ پانچویں جس بوڑھے شخص کو آپ نے درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے دیکھا وہ حضرت ابراہیمؑ تھے اور اس کے پاس جو بچے ہیں وہ لوگوں کی اولاد ہیں چھٹے وہ شخص جس کو درخت سے کچھ فاصلے پر آگ جلاتے دیکھا وہ دوزخ کا داروغہ ہے اور ساتویں وہ پہلا گھر درخت کے اوپر آپ ﷺ جس میں داخل ہوئے وہ جنت ہے جو عام مؤمنوں کا ٹھکانا ہے اور وہ دوسرا گھر جس میں آپ ﷺ داخل ہوئے وہ شہداء کا گھر ہے میں جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہے پھر وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ اپنا سر اوپر اٹھایئے آپ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھا تو بلندی میں بادل کی طرح کوئی چیز ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تہہ بہ تہہ ابر کی طرح کوئی چیز دیکھی تو انہوں نے کہا ابر کی طرح نظر آنے والی یہ چیز جنت میں آپ کا مکان ہے تو میں نے کہا مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اپنے مکان میں چلا جاؤں انہوں نے کہا ابھی آپ کی عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا جب آپ اپنی عمر کو پورا کرلیں گے تو اپنے مکان میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ بخاری کی روایت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت جو آپ ﷺ کے مدینہ منورہ میں خواب دیکھنے سے متعلق ہے وہ باب حرم المدینہ میں ذکر کی جا چکی ہے۔

الفصل الثّانی:

جب تک تعبیر نہ ہو خواب پرندے کے پَر پر ہوتا ہے

۴۶۲۲: عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَّا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا فَاِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ لَا تُحَدِّثْ اِلَّا حَبِيْبًا اَوْ لَبِيْبًا۔ (رواه الترمذي وفي روايه ابی داود) قَالَ الرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلٍ

طَائِرٍ مَالَمْ تُعَبَّرُ فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقُصَّهَا اِلَّا عَلٰى وَادٍّاَوْذِيْ رَأْيٍ.

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/٢٨٣ الحديث رقم ٥٠٢٠ والترمذي في ٤/٤١٤ الحديث رقم ٢٢٧٨ وابن ماجه في ٢/١٢٨٨ الحديث رقم ٣٩١٤ وأحمد في المسند ٤/١٠۔

ترجمہ: ابو رزین عقیلی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور خواب پرندے کے پر پر ہوتا ہے جب تک کسی کو بیان نہ کیا جائے۔ جب کسی کے سامنے بیان کر دیا تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس خواب کو خالص دوست یا عقل مند کے علاوہ کسی کے سامنے مت بیان کردو۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور ابوداؤد کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا خواب کی جب تک تعبیر نہ کی جائے وہ پرندے کے پر پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر کر دی گئی تو وہ واقع ہو جاتا ہے اور راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس خواب کو دوست یا صاحب رائے کے علاوہ اور کسی سے مت بیان کرو۔

ورقہ کو سفید لباس میں دیکھنا

٤٦٢٣: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَرَقَةَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِيْجَةُ اِنَّهٗ كَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰكِنْ مَاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُهٗ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ وَلَوْكَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ۔ (رواه احمد والترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن ٤/٤٦٨ الحديث رقم ٢٢٨٨ وأحمد في المسند ٦/٦٥۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ورقہ کے بارے میں پوچھا یعنی اس کا انجام کیا ہوگا۔ حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اس نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کی نبوت کے معاملے کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھایا گیا کہ اس نے سفید کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اگر وہ جہنمی ہوتا تو اس کا لباس اور طرح کا ہوتا۔ یہ ترمذی اور احمد کی روایت ہے۔

تشریح: أريته: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

انه: کی ضمیر میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر شان ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ورقه" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں میرے پاس کوئی وحی دلیل جلی اور قطعی نہیں آئی۔ البتہ میں نے انہیں اس طرح خواب میں دیکھا ہے۔

وعليه ثياب بيض: گویا کہ نبی کریم نے "کپڑوں" کی تعبیر "دین" کے ساتھ فرمائی، نیز ظاہر، باطن کا عنوان ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں: من رق ثوبه رق دينه.

"لكن مات قبل أن تظهر":

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں استدراک کے کیا معنیٰ ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے سائل کے سوال اور مجیب آنحضرت ﷺ کے جواب کے درمیان میں اپنا کلام دو وجہ سے داخل کیا:

① ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسا جواب ارشاد فرمائیں، جو سائل کو اچھا نہ لگے، بلکہ مکروہ لگے۔

② ورقہ بن نوفل کا ماضی یاد دلانا مقصود تھا۔ چونکہ ورقہ آپ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ یعنی وان لم یدرك زمان دعوتك لیصدقك یأتی بالأعمال علی موجب شریعتك لکن صدقك قبل مبعثك. یعنی اگر چہ ورقہ نے آپ ﷺ کی دعوت کا زمانہ نہیں پایا، کہ وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرتے، اور آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق اعمال بجا لاتے، لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے (انتھی)۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: فانظر الی المحلین واختر الاحلی من الخلین۔

ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کا عجیب خواب

۴۶۲۴: وَعَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهِ اَبِيْ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ رَاٰى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاضْطَجَعَ لَهٗ وَقَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ۔

(رواہ فی شرح السنۃ وسنذکر حدیث ابی بکرۃ کان میزانا نزل فی السماء وفی باب منا قب ابی بکرؓ وعمرؓ)

أخرجه أحمد فی المسند ۵/۲۱۵۔

ترجمہ: حضرت ابن خزیمہ بن ثابت اپنے چچا حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں آپ ﷺ یہ سن کر ابوخزیمہ کی خاطر لیٹ گئے اور ارشاد فرمایا اپنے خواب کی تعبیر پوری کرلو چنانچہ انہوں نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کیا۔ اس کو شرح السنۃ نے نقل کیا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت: کَانَ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ فی باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے باب میں نقل کیا ہے۔

تشریح: قوله: صدق رؤیاك: ''صدق'' تصدیق سے امر کا صیغہ ہے۔ مظہرؒ فرماتے ہیں یہ تصریح ہے کہ جو شخص کوئی خواب دیکھے تو مستحب ہے کہ حالت بیداری میں اس پر عمل کرے' بشرطیکہ اس خواب میں طاعت کا پہلو ہو' مثلاً یہ خواب دیکھے کہ نماز پڑھ رہا ہے' یا روزہ سے ہے' یا مال صدقہ کر رہا ہے' یا کسی نیکوکار کی زیارت کر رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حدیث ابوبکرہ اس باب سے بھی مناسبت رکھتی ہے، چونکہ اس میں ایک خواب کا بیان ہے، جس کی تعبیر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی تھی' لیکن اس حدث میں چونکہ شیخین کی منقبت بھی تھی اس لئے ابوبکرہ کی حدیث کو ''باب المناقب'' میں ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ اس میں ایک قسم کا اعتذار ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا طویل خواب

۴۶۲۵: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ

لِاَصْحَابِهٖ هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُصَّ وَاِنَّهٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِيْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيْ اِنْطَلِقْ وَاِنِّيْ انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِيَ قَوْلُهٗ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُعْتَمَةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ نَوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ لَا اَكَادُ اَرٰى رَأْسَهٗ طُوْلًا فِي السَّمَاءِ فَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا مَاهٰذَا مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِيْ اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِيْ ارْقَ فِيْهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيْهَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى مَدِيْنَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنٰهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا اَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمْ اِذْهَبُوْا فَقَعُوْا فِيْ ذٰلِكَ النَّهْرِ قَالَ فَاِذَا نَهْرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِيْ كَاَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا فِيْهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْءُ عَنْهُمْ فَسَارُوْا فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَذَكَرَ فِيْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيْلُ الَّذِيْ فِي الرَّوْضَةِ فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ قَدْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٢/ ٤٣٨ الحديث رقم ٧٠٤٧' وأحمد فی المسند ٥/ ٩۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر اپنے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم نے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اپنا خواب آپ ﷺ کی خدمت میں بیان کر دیتا ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور کہا آپ ہمارے ساتھ چلیں چنانچہ میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کے بعد حضرت سمرہؓ نے فصل اول میں مذکور و طویل روایت جیسی روایت کی مگر اس روایت میں کچھ باتوں کا اضافہ ہے۔ اور وہ یہ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہم چلتے ہوئے ایک باغ میں پہنچے جہاں کثرت شادابی کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا معلوم ہوتا تھا باغ میں بہار کے ڈیرے تھے اور ہر قسم کے شگوفے کھلے ہوئے تھے پھر باغ کے اندر میری نگاہ ایک کھڑے شخص پر پڑی جس کا قد اس قدر لمبا تھا کہ اس کا سر بھی نظر نہیں آ رہا تھا گویا اس کی لمبائی آسمان تک بلند تھی۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ اس کے اردگرد بہت سے ایسے بچے ہیں۔ جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا میں نے اس دونوں سے پوچھا کہ یہ دراز قد آدمی کون ہے اور یہ بچے کون ہیں اس دونوں نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے کہا آگے چلئے ہم آگے چلتے رہے چنانچہ ایک بڑے باغ میں پہنچے جس سے بڑا اور زیادہ شاندار باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا پھر اس دونوں نے مجھے کہا کہ آپ باغ کے اندر چلئے یا اس طرح کہا کہ اس کے درختوں

پر چڑھیے چنانچہ ہم چڑھ کر ایک ایسے شہر میں پہنچے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا ہم اس شہر کے دروازے پر آئے اور اس کے دروازے کو کھلوایا جو ہمارے لئے کھول دیا گیا اس کے اندر داخل ہو کر ہم نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے جن میں ہر ایک کے بدن کا آدھا حصہ ہر ممکن خوبصورت تھا جو تم نے دیکھا ہو اور آدھا حصہ اس سے بہت بدتر تھا۔ آدھا حصہ بہت خوبصورت اور تندرست اور آدھا بے ڈھنگا اور خراب۔ ان دونوں نے کہا کہ جاؤ یہ سامنے والی نہر میں غوطہ لگاؤ۔ میں نے دیکھا کہ عرض (چوڑائی) میں وہاں ایک نہر چل رہی ہے جس کا پانی دودھ کی طرح نہایت سفید ہے چنانچہ وہ لوگ نہر کے کنارے پر گئے اور اس میں چھلانگ لگا دی۔ جب وہ ہمارے پاس واپس لوٹے تو ان کے جسم پر کوئی نشان نہ تھا ان کا جسم بہترین شکل وصورت میں بدل چکا تھا پھر اس روایت میں اس زائد کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی کہ اس باغ میں وہ دراز قد شخص ابراہیمؑ تھے۔ اور ان کے ارد گرد وہ بچے تھے' فطرت پر مر جانے والے۔ راوی کہتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مشرکوں کے لڑکے تو آپ نے فرمایا مشرکوں کے نابالغ لڑکے بھی ابراہیمؑ کے پاس رہتے ہیں اور رہے وہ لوگ جن کا آدھا جسم اچھا اور آدھا خراب ہے۔ وہ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال ملے جلے ہیں۔ انہوں نے اچھے اور برے دونوں قسم کے عمل کیے۔ پھر اللہ پاک نے انہیں معاف کر دیا۔ (بخاری)

تشریح: یکثر: یاء کے فتحہ اور ثائے مثلثہ کے ضمہ کے ساتھ۔ **أن یقول لأ صحابه**: یکثر کا فاعل ہے۔ اور ''ما'' موصولہ ہے۔ **ای کان من الفریق الذی یکثر قوله**۔ ایک صحیح نسخہ میں از باب افعال بصیغۂ معروف ہے۔ اس صورت میں اس کا فاعل ضمیر مستتر ہوگی جو ''ما'' کی طرف راجع ہوگی، اور **أن یقول** (بتاویل مصدر) مفعول بہ ہوگا۔ ''لأ صحابہ'' میں لام مشافہہ کے لئے ہے۔

هل رأی أحد منکم من رؤیا: یہ جملہ مقولہ ہے۔ (اور ''رأی کا معفول بہ محذوف ہے۔) **أی شیئًا من رؤیا**۔ امام طیبیؒ نے پہلی ترکیب پر اقتصار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: **مما یکثر**، ''**کان**'' کی خبر ہے۔ **مما** کا ''ما'' موصولہ ہے اور ''**یکثر**'' اس کا صلہ ہے۔ اور ''ما'' کی طرف ضمیر راجع ''**یقول**'' کا فاعل ہے اور ''**أن یقول**'' فاعل ہے ''**یکثر**'' کا۔ اور ''**هل رأی أحد منکم**'' مقولہ ہے۔ أی: **کان رسول الله ﷺ من زمرة الذین کثر منهم هذا القول**. ''**ما**'' من کے معنیٰ و محل میں ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تفخیم شان کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں: ﴿**والسماء وما بناها**﴾ [الشمس:۵] [**سبحان ما سخر کن لنا**] [الزخرف:۱۳]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ان دونوں آیات میں تعظیم وتفخیم کے معنیٰ بالکل واضح ہیں۔ علاوہ ازیں کبھی ''ما'' سے صفت کے معنیٰ بھی مراد ہوتے ہیں۔ بہرحال اس حدیث میں ''ما'' سے تفخیم کے معنیٰ مراد ہونا یہ ناقابل تسلیم ہے۔ **والله بکل شیء علیم**۔

عرض مرتب:

اگر مرقاۃ کے اس نسخہ کو درست مان لیا جائے، تو یہاں یہ کہنا پڑے گا، کہ دونوں شارحین کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ بایں طور کہ ''**سبحان ما سخر کن لنا**'' آیت نہیں ہے۔ امام طیبیؒ کے بیان اسلوب سے لگتا ہے، کہ انہوں نے اس کو بطور آیت ذکر

فرمایا ہے۔اور ملاعلی قاریؒ کی عبارت تو بالکل صریح ہے۔طیبیؒ کی عبارت یوں ہے: فوضع "ما" موضع "من" تفخیما لجنابه عليه السلام كقوله تعالى: ﴿والسماء وما بناها﴾ و ﴿سبحان ما سخر كن لنا﴾ اگلی عبارت ملاعلی قاری کی ہے: قلت: التعظيم والتفخيم ظاهر باهر في الآيتين اھ۔

فيقص: مرفوع ہے، (اور مبتدا محذوف ہے۔) فهو يقص عليه: اور ایک نسخہ میں منصوب ہے۔اس صورت میں اس کا عطف "یقول" پر ہوگا اور فاعل "من شاء الله" ہوگا اور ایک نسخہ میں من شاء الله کے بجائے "ما شاء" کے الفاظ ہیں. ای الذی أراده الله. انه قال ذات غدوة: "ان" بکسر الہمزہ ہے اور ضمیر متصل ضمیر شان ہے۔

انه أتاني: "ان" کے ساتھ متصل ضمیر بھی ضمیر شان ہے۔ابتعثاني اى آثار اني وأذهباني ۔بعض نے اس کا معنی "ايقظاني من المنام" کیا ہے لیکن یہ معنی اس مقام کے مناسب نہیں۔

واني انطلقت معهما: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس جملہ کا عطف "وانهما قال" پر ہو رہا ہے۔اى حصل منهما القول ومني الانطلاق۔ نبی کریم ﷺ نے "ان" مؤکدہ کو اپنے کلام میں یہاں مرتبہ ذکر فرمایا، جس کا مقصد اپنے آنکھوں دیکھے حال کی تحقیق ہے اور اپنے اس ارشاد گرامی: الرؤيا الصالحة جزء من أربعين جزءا من النبوة کی تقریر ہے۔

رأسه طولا: منصوب علی التمیز ہے۔

حول الرجل: منصوب علی الظرفیہ ہے۔

من اكثر ولدان رأيتهم: بظاہر یہ "من" زائدہ ہے، کوفیوں اور اخفش کے مذہب پر، ان کے نزدیک "من" زائدہ کلام مثبت میں بھی آسکتا ہے۔

قط: قاف کے فتحہ اور طاء مشددہ کے ضمہ کے ساتھ، صاحب قاموس لکھتے ہیں: "ما رأيته قط" ويضم وتحففان ماضی منفی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخاری شریف میں کئی جگہ کلام مثبت میں آیا ہے۔کسوف کی روایت میں ہے "أطول صلاة صليتها قط" سنن ابی داؤد کی روایت میں "توضأ ثلاثا قط" کے الفاظ ہیں۔ابن مالکؒ نے شواہد میں اس کو لغۃً ثابت مانا ہے اور لکھا ہے: وهي مما خفي على كثير من النحاة۔

آتيان: أتي، ياتي سے اسم فاعل کا تثنیہ کا صیغہ ہے۔اى شخصان أو ملكان خائيان۔

معتمة: میم کے ضمہ، عین مہملہ کے سکون، تائے مثناۃ کے کسرہ اور میم مخففہ کے ساتھ، "عتمة" بمعنیٰ "شدة الظلام" سے ماخوذ ہے۔ یہاں "شدت خضرة" بیان کرنا مقصود ہے۔اور بعض کے نسخوں میں مثناۃ کے فتحہ اور میم مشدد کے ساتھ ہے۔(كذا حققه العسقلانیؒ) امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اى طويلة النبات يقال: اعتم النبت اذا طال میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں، کہ پہلے مفہوم کی تائید صاحب النہایہ کے کلام سے ہو رہی ہے: أعتم يعتم دخل في عتمة الليلة وهي ظلمته. اور صاحب قاموس نے اس مادہ کے تحت جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی معنیٰ کے گرد گھومتا ہے۔

نور: نون کے فتحہ کے ساتھ بمعنیٰ "زهر" اور "ربيع" سے مراد وہ مشہور موسم ہے، جو موسم سرما اور گرما کے درمیان میں ہوتا ہے۔

بین ظهری: ای فی وسطها، لفظ "ظهر" یہاں "مقحم" ہے۔ گویا کہ تحقق وسط میں مبالغہ مقصود ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "اذا حول الرجل من أكثر ولدان رأيتهم قط". کی اصل ترکیب یوں ہے: واذا حول الرجل ولدان ما رأيت ولدانا قط أكثر منهم. اس کی تائید اگلے جملہ "لم أرروضة قط أعظم منها" سے ہوتی ہے۔ اور اصل ترکیب چونکہ نفی کے معنی کو متضمن ہے، لہٰذا "من" اور "قط" کی زیادتی کہ جو ماضی منفی کے ساتھ مخصوص ہے، درست ہے۔ اس کی نظیر حارثہ کی یہ مرفوع روایت ہے: "ونحن أكثر ما كنا قط". اس کا بیان "باب صلاة السفر" میں گزر چکا ہے۔ صاحب کشاف اس آیت کریمہ: ﴿فشربوا منه الا قليلا﴾[البقرة:۲۴۹] کے بارے میں لکھتے ہیں: على قراءة الرفع هذا من ميلهم مع المعنى والاعراض عن اللفظ جانبا. وهو باب جليل من علم العربية.

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: صوفیاء کا بھی یہی مشرب ہے، چنانچہ صوفیاء فرماتے ہیں: ان الكلام فى اعراب المبانى يشغل عن اعراب المعانى اور کافیجیؒ فرماتے ہیں: ان اصل النحو ثلاث قواعد، والباقى من القواعد والاصطلاحات زيادة عليها، وقد تقرر أن علل النحو اعتبارات بعد الوقوع لا موجبات.

صاحب کشاف آگے لکھتے ہیں: فلما كان معنى فشربوا منه فى معنى فلم يطيعوه حمل عليه كأنه قيل: فلم يطيعوه الا قليل منهم.

قلت لهما: ما هذا؟ ما هؤلاء؟: "هذا" کا مشار الیہ "الرجل الطويل" ہے۔ "هؤلاء" سے مراد "ولدان" ہیں، اور "ما" بمعنیٰ "من" ہے، یا اس سے صفت مراد ہے۔ أى ما صفة هذا وصفة هؤلاء

طیبیؒ نے بڑی عجیب وغریب بات لکھی ہے کہ بظاہر "من هذا"؟ کہنا چاہئے تھا، تو گویا کہ نبی کریم علیہ وسلم نے جب ان کا طول مفرط دیکھا، تو گویا کہ آپ علیہ السلام پر یہ بات مخفی ہوگئی کہ ان کی جنس کیا ہے؟ کیا یہ بشر ہے یا فرشتہ ہے، یا جن ہے، کیا ہے؟ اھ۔ امام طیبیؒ کے کلام کی غرابت مخفی نہیں، چونکہ لفظ "رجل" کے اطلاق کے ہوتے ہوئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا، کہ یہ جماد ہے، نبات ہے، یا کوئی بہیمہ ہے، اور اس کا فرشتہ ہونا یا جن ہونا، اس بات کا مقتضی نہیں ہے کہ یہاں "ما" استعمال ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ اس کا تقاضا بھی یہ تھا، کہ "مَن" استعمال کیا جاتا۔

انطلق انطلق: ولعل فى تكرار الامر اشعار بقرب المزار۔

قوله: فتلقانا فيها رجال شطر من خلقهم كا حسن ماأنت راء:

كأحسن: اى مثل احسن شيئى امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ کاف زائدہ ہے، (ملا علی قاری فرماتے ہیں) اور میرا گمان یہ ہے کہ زائدہ کہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

"شطر" بنصف اور بعض پر دو معنی میں ہو سکتا ہے۔

من خلقهم: یہاں خلق سے مراد خلقت ہے۔ "شطر" مبتدا ہے اور "کاحسن....." اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ "رجال" کی صفت ہے۔

قوله: وشطر منهم كا قبح ماأنت راء: امام طیبیؒ فرماتے ہیں احتمال ہے کہ ان میں سے بعض خلقت حسنہ کے ساتھ

'اور بعض خلقت قبیحہ کے ساتھ متصف ہوں' اور احتمال یہ بھی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا کچھ حصہ بصورت حسن ہو اور کچھ حصہ قبیح ہو۔ یہاں ثانی مراد ہے اور دلیل وہ اگلا جملہ ہے کہ جس میں تفصیل آ رہی ہے: **فانهم قوم خلطوا عملا صالحا و آخر سيئا اى خلط كل واحد عملا صالحا بسيئ يسئا بصالح۔**

فقعوا: وقع، يقع سے امر کا صیغہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**فاذ سويته ونفخت فيه من روحى فقعوا له ساجدين**﴾ [الحجر: ۱۲۹] اس کے معنیٰ ہیں: **أوقعوا أنفسكم۔**

قد ذهب ذلك السوء: "سین کے ضمہ کے ساتھ ہے' اور فتحہ بھی درست ہے' اس کا معنی ہے "**قبح**" ذکر: فعل کا فاعل نبی کریم علیہ السلام ہیں، اور ایک نسخہ میں بصیغہ مجہول ہے۔ **أى قيل.**

فانهم قوم قد خلطوا: تصحیح شدہ نسخوں کے مطابق یہ "**قد**" برائے تحقیق ہے۔

لبن: لام کے فتحہ، باء موحدہ کے کسرہ کے ساتھ۔

طويل): "**ذو طول**" کے معنیٰ میں ہے۔ اور تنوین برائے تعظیم ہے۔ **أى ذو طول عظيم.**

قوله: لا أكادأرى راسه طولافى السماء: (یہاں مضاف محذوف ہے)۔ **أى فى جهة السماء.** یہ ماقبل کی تاکید ہے، وگرنہ طول تو عرض کے مقابلہ میں آتا ہے۔

قوله: واذا نهر معترض يجرى كان ماؤه المحف فى البياض: "عریض کے معنیٰ میں ہے۔

المحض ":**اى اللبن الخالص غير مشوب بالشيئى** (ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک خالص دودھ)۔ "محض" ہر چیز کے خالص حصہ کو کہتے ہیں۔ گویا کہ صفت کو نام بنا دیا' پھر اس کا استعمال "صفاء" کے ہونے لگا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ "پانی" سے مراد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ عفو کا معاملہ فرمائے گا' یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا' جیسا کہ مروی ہے: **اللهم اغسل خطايا ى بالماء والثابح والبرد۔**

میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں اگر ان کی مراد یہ ہے کہ قولہ: **فقال بعض المسلمين** امام طیبیؒ فرماتے ہیں صحابہ کرام کی مراد: "**و أولاد المسلمين**" سے یہ تھی: مشرکین کی وہ اولاد جو فطرت پر مری ہے کیا وہ ان بچوں کے زمرہ میں داخل ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: **و أولاد المشركين:**

کہ مشرکین کی وہ اولاد کہ جن کی فطرت تہود و تمجس کی وجہ سے بدل چکی ہے، ان کا حکم اس کے برعکس ہے، چنانچہ وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں جائے گی، اس میں یہ تأویل کی جائے گی: **من غيرت فطرتهم،** تاکہ دونوں طرح کی روایات میں جمع ہو سکے، اور رفع تعارض بھی ہو جائے۔

میں (ملا علی قاریؒ) کہتا ہوں جمع کی یہ صورت قابل تحسین ہے۔ لیکن...... اللہ کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ ان کے کفر کے باعث ان کو حالت صغر میں عذاب میں مبتلا کر دے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ صغیر کے ایمان کو اپنے فضل کی بناء پر قبول فرماتا ہے: **لا يسئل عما يفعل۔** اس مسئلہ میں ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف اختیار کیا ہے۔ یہ بحث آغاز کتاب میں اطناب کے ساتھ گذر چکی ہے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں: قائل کے قول "یا رسول اللہ و أولاد المشرکین" کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریمؐ نے مشرکین کی اولاد کو "مسلمین اولاد" کے ساتھ ملحق قرار دیا، حالانکہ دنیاوی اعتبار سے ان کا حکم ان کے والدین والا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرکین کی ذریت کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: هم من آبائهم. مشرکین کے بچوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل سنت کا موقف ہے یہ کہ ان کا حکم ان کے والدین جیسا ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ آخرت میں وہ اہل جنت میں سے ہوں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آثارِ صحابہ مروی ہیں۔ اور اس کے لئے وہ حضرات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث مبارکہ سے دلیل پکڑتے ہیں: "کل مولود یولد علی الفطرۃ"۔ اور ان آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں: ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ [التکویر: ۹] ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ [الواقعة: ۱۷] "ولدان" ولادة سے مشتق ہے، اور جنت میں ولادت کا سلسلہ ہوگا نہیں۔ تو (معلوم ہوا کہ) یہ وہی دنیاوی بچے ہوں گے، جو دنیا میں ولادت کے عمل سے گزر کر آئے ہوں گے۔ اور بعض علماء کا مسلک یہ مروی ہے، کہ وہ بچے جو دنیا میں مسلمانوں کے قیدی اور خدام ہوں گے جنت میں وہ ان کے خدام ہوں گے۔

جھوٹے خواب کا انجام

۴۶۲۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُّرِيَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۲/ ۴۲۷ الحديث رقم ۷۰۴۳، وأحمد في المسند ۲/ ۹۶۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہتانوں میں بڑا بہتان یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو اس نے نہ دیکھی ہو۔ یعنی جھوٹا خواب بیان کرے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: فری: فاء کے کسرہ کے ساتھ۔ "فرية" بمعنیٰ "كذبة" کی جمع ہے۔ اور "أفرى" اسی کا اسم تفضیل ہے۔ أی أكذب الكذبات۔

أن يری: یاء کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ صاحب النہایہ حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اس اس طرح کا خواب دیکھا ہے۔

حالانکہ حقیقت میں اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ (اس کو بڑا بہتان اس لئے فرمایا گیا ہے) یہ حق تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ خواب دکھانے کے لئے خوابوں کے فرشتہ کو بھیجتا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں؛ مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی آنکھوں کی طرف ایسا خواب دیکھنے کی نسبت کرے جو اس کی آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں۔ یہ اسلوب بیان (یعنی أفرى الفری) برائے مبالغہ ہے۔ جیسا کہ عرب کے یہ اقوال ہیں:

❶: ايل أليل، ❷ جد جده.

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''الفرية'' کا مطلب ہے: الكذبة العظيمة. اور نیند کے جھوٹ کو بیداری کے جھوٹ سے اعظم قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ کام کرنا، اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ یہ شخص اجزاء نبوت میں سے ایک جزء کا جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے۔

تخریج: الجامع میں لکھتے ہیں: **ان من اعظم الفرى ان يدعى الرجل لغير أبيه، أو يرى عينيه ما لم تريا، او يقول على رسول الله ﷺ مالم يقل**". اس حدیث کو امام بخاریؒ نے حضرت واثلہؓ سے نقل کیا ہے اور امام احمدؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: "**ان من أفرى أن يرى الرجل عينيه فى المنام مالم تريا**۔

سچا خواب سحری کے وقت

۴۶۲۷: وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ۔

(رواه الترمذى والدارمى)

أخرجه الترمذى فى السنن ٤/٦٣ ٥ الحديث رقم ٢٢٧٤، والدارمى فى ٢/١٦٩ الحديث رقم ٢١٤٦، وأحمد فى المسند ٣/٢٩۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہایت سچے خواب وہ ہیں جو سحری کے وقت میں آئیں۔ یہ ترمذی اور دارمی کی روایت ہے۔

تشریح: اس کی تقدیری عبارت یوں ہے: **أصدق الرؤيا ما رؤى بالأسحار**. کہ زیادہ سچا خواب وہ ہے جو پچھلے پہر دیکھا جائے۔ یہ اس وجہ سے کہ عام طور پر اس وقت خواطر مجتمع اور دواعی ساکن ہوتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ معدہ خالی ہوتا ہے چنانچہ معدہ سے تشویش کن بخارات اوپر کی طرف نہیں چڑھتے اور اس لئے بھی کہ یہ وقت نزول ملائکہ کا ہوتا ہے کہ وہ نماز کے وقت حاضر ہونے کے لئے آتے ہیں۔ (ذکرہ الطیبی)

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، ابن حبان اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اسی راوی سے نقل کیا ہے۔

❀ ❀ ❀

كِتَابُ الْاٰدَابِ

آداب کا بیان

لُغوی تشریح: ادب کے لغوی معنیٰ ہیں قابل تعریف قول وفعل بجالانا۔ کہا جاتا ہے کہ ''ادب'' مأدبة سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کھانے کی طرف دعوت دینا۔ آداب کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ ہماری شریعت نے ادب اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔

ادب کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں:

1. مکارم اخلاق (عمدہ اخلاق) کو اختیار کرنا۔ (ذكره السيوطیؒ)
2. نیکی و بھلائی کو اختیار کرنا اور گناہ و برائی سے اجتناب کرنا۔
3. اپنے سے بڑے کی عزت وتوقیر کرنا اور اپنے سے چھوٹے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔

بَابُ السَّلَامِ

سلام کا بیان

یہ باب احکام سلام کے بیان میں ہے۔ ابتداءً سلام کرنا افضل بھی ہے اور سنت بھی۔ قواعد (یعنی قواعد اصولِ فقہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب کا ثواب اکمل ہوتا ہے اور شاید اس اکملیت کی وجہ یہ ہے کہ سلام میں پہل کرنے میں تواضع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ادائے فرض کا سبب ہے۔ اس مسئلہ کی نظیر ''النظرة عن المعسر الى الميسرة'' ہے کہ مہلت دینا واجب ہے اور ابراء امہلت دینے سے افضل ومسنون ہے۔

حدیث میں ہے:

''السلام اسم من أسماء الله وضعه الله فى الأرض، فافشوه بينكم فإن الرجل المسلم إذا مرّ بقوم فسلّم عليهم فردّوا عليه كان له عليهم فضل درجة بتذكرهٔ إيّاهم السلام، فإن لم يردّوا

علیه ردّ علیه من هو خیر منهم و أطیب"۔

اس حدیث کو بزار اور بیہقی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

احکام باب:

① سلام میں جھکنا نہیں چاہیے۔ (امداد الأحکام ج ۴، ص ۴۶۷)

② عورتوں کے لئے باہم سلام کا طریقہ وہی ہے جو مردوں کیلئے ہے۔ (امداد الأحکام ج ۴، ص ۴۶۷)

③ اگر دو شخص باہم سلام کریں اور دونوں ایک ہی ساتھ السلام علیکم کہیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر جواب دینا واجب ہوگا۔

④ جب کسی کو کسی کا سلام پہنچے تو چاہئے کہ وہ سلام کا جواب دے۔

⑤ جو شخص سواری پر ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

⑥ پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

⑦ تھوڑے آدمی زیادہ تعداد والے آدمیوں کو سلام کریں۔

⑧ شابہ کو مکروہ ہے کہ وہ نامحرم مرد کو سلام کرے۔ (امداد الأحکام ج ۴، ص ۴۶۷)

الفصل الاول:

آدم علیہ السلام کا سلام

۴۶۲۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتّٰى الْاٰنَ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۱/۳ الحديث رقم ۶۲۲۷، ومسلم في ۴/۲۱۸۳ الحديث رقم ۲۸۴۱، وأحمد في المسند ۲/۳۱۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر بنایا تو ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ جب اللہ نے ان کو بنایا تو فرمایا جاؤ اور اس فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو فرشتوں کی جماعت وہاں بیٹھی ہوئی تھی اور جو تمہیں جواب دیں اس کو غور سے سننا وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کی اس جماعت کے پاس گئے اور انہیں السلام علیکم کہا تو فرشتوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

آدم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں رحمۃ اللہ کے لفظ کا اضافہ فرشتوں نے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنت میں جائے گا تو وہ آدم کی صورت پر ہوگا۔ اس طرح کہ اس کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ پھر آدم علیہ السلام کے بعد لوگوں کے جسم کی ساخت برابر کم ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ موجوہ مقدار کو پہنچی۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: صورتہ یعنی اس صورت پر کہ جس پر وہ ابتداء آفرینش سے زمین پر اترنے اور وفات کے وقت تک رہے۔ یہ تاویل اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں تھے تو ان کے اوصاف کچھ اور تھے۔

بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ صورتہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور صورت سے مراد صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر بنایا اور ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جو صفاتِ کریمہ باری تعالیٰ کا پرتو ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات، علم، سمع وبصر وغیرہ سے متصف بنایا۔ اگرچہ اللہ جل شانہ کی صفات کے مشابہ کوئی بھی شئ نہیں۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ضمیر اس ''عبد'' محذوف کی طرف راجع ہے جو سیاق کلام سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک آدمی نے غلام کے منہ پر مارا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کو منع کرتے ہوئے فرمایا: **إن الله خلق آدم علی صورته** ۔ (كذا فی حاشية البخاری للسیوطی)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں: ضمیر کا مرجع حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو انہی کی صورت پر بنایا۔ دوسرے انسانوں کی تخلیق تو تدریجی طور پر ہوئی کہ پہلے وہ نطفہ تھے، پھر جنین ہوئے، یہاں تک کہ مدت حمل پوری ہوگئی اور وہ پیدا ہوکر طفل، پھر صبی اور پھر پورے مرد ہوئے۔ تب کہیں جاکر جسموں کی لمبائی پوری ہوئی لیکن آدم علیہ السلام ابتداء ہی میں (تمام اعضاء و جوارح، کامل شکل وصورت اور ساٹھ گز کے قد کے) پورے انسان بنائے گئے (طوله ستون ذراعا)۔

شیخ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کلام اپنی حد تک تو درست ہے۔ لیکن حدیث کی تاویل میں درست نہیں۔ چونکہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: **خلق آدم علی صورة الرحمٰن** ایک اور دوسری حدیث میں یہ آتا ہے:

أن النبی ﷺ رأی رجلا یضرب وجه غلام فقال: لا تضرب الوجه فإن الله خلق آدم علی صورته۔

پہلا طبقہ: پس اس مؤوّل کی یہ تاویل اس حدیث سے میل نہیں کھاتی۔ اہل حق کے اس حدیث کی تاویل میں دو طبقے ہیں۔

پہلی رائے: ان حضرات کا ہے جو اس میں تاویل کے قائل نہیں ہیں، البتہ نفی تشبیہ کے قائل ہیں، یہ حضرات مسمیات جنس کی طرف میلان نہیں رکھتے، اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کے اعتبار سے ہر چیز کا حاط کئے ہوئے ہے۔

عرض مرتب:

اس طبقہ کی رائے کو بالفاظ دیگر یوں پیش کیا جا سکتا ہے: یہ ارشاد گرامی احادیث صفات میں سے ہے جس کے حقیقی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں اس لئے اس بارے میں کوئی تاویل وتوجیہ کرنے کی بجائے سکوت ہی بہتر ہے جیسا کہ اس قسم کے ان اقوال وارشادات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے جو متشابہات کہلاتے ہیں۔ ان حضرات کا طریق اسلم ہے۔

دوسرا طبقہ: ''صورته'' کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف شرف وعظمت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں

گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایسی صورت پر پیدا کیا ہے کہ کوئی بھی صورت جمال و کمال اور فوائد کلیہ کثیرہ پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے اس صورت کے مشابہ نہیں۔لہٰذا ابن آدم کی صورت اس بات کی حقدار ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے تو ہین نہ کی جائے۔سنت الٰہیہ کی اتباع کا تقاضا یہی ہے علاوہ ازیں یہ کہ اللہ نے اس کو عزت بخشی ہے۔اھ۔

کہنے والے نے کیا ہی پیاری بات کہی ہے۔اس توجیہ کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے ﴿**لقد خلقنا الانسان في أحسن تقويم**﴾ [التين:٤] اس موقع پر امام طیبیؒ نے جو کچھ لکھا ہے ملا علی قاریؒ نے اس پر نقد کیا ہے اور ان کے کلام کو غیر نافع کہا ہے۔

''**جلوس**'': مفرد ذکر کیا گیا ہے چونکہ مصدر ہے' یا لفظ''**نفر**'' کی رعایت لفظی کے پیش نظر، یا''**جالس**'' کی جمع ہے، یا حذف مضاف کے ساتھ ہے تقدیری عبارت''**ذوو جلوس**'' ہے۔یا **رجل عدل** کے قبیل سے ہے برائے مبالغہ۔

''**وما يحيونك**'' یاء کی تشدید کے ساتھ، یعنی تمہیں جو جواب دیں گے۔اسی معنیٰ میں یہ آیت کریمہ بھی ہے

﴿**وإذا حييتم بتحية فحيّوا بأحسن منها أو ردّوها**﴾ [النساء:٨٦]

مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ لفظ جیم، یائے تحتیہ اور باء موحدہ کے ساتھ ہے۔یہ سراسر تصحیف و تحریف ہے۔اس کی مزید تردید اگلے جملے سے بھی ہو رہی ہے۔**قوله: فانها تحيتك**: ضمیر غائب کا مرجع''**تحيتهم اياك**'' ہے۔**قوله: قال: فزادوه ورحمة الله**: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ زیادتی جواب کے جواز پر دال ہے۔میں کہتا ہوں کہ جواب میں اضافہ کرنا افضل ہے۔آیت بالا سے بھی فضیلت ہی مستفاد ہو رہی ہے۔

ملائکہ کا یہ جواب اس بات کے جواز پر دلالت کر رہا ہے کہ جواب میں''السلام علیکم'' کہنا جائز ہے بلکہ ندب پر بھی دال ہے۔چونکہ یہ مقام مقامِ تعلیم تھا۔

لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ جواب میں''وعلیکم السلام'' کہنا افضل ہے خواہ (السلام علیکم کے بعد) کوئی اضافہ کرے یا نہ کرے۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سلام کے جواب میں''وعلیک السلام'' کے بجائے السلام علیک کہا۔ملائکہ نے یہ چاہا ہوگا کہ سلام کرنے میں وہ خود ابتداء کریں۔جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک سلام میں ابتداء کرنا چاہتا ہے تو دونوں ہی ایک دوسرے کو''السلام علیکم'' کہتے ہیں۔لیکن یہ بات واضح رہے کہ جواب کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جواب، سلام کے بعد واقع ہو نہ کہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوں۔جیسا کہ''**فاستمع ما يحيونك**'' سے واضح ہوتا ہے۔چنانچہ **فاستمع** میں فاء برائے تعقیب ہے جو مذکورہ مسئلہ کی دلیل ہے۔

اس مسئلہ سے اکثر لوگ غافل ہیں (اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ) اگر دو شخص ہوں اور دونوں ایک ہی ساتھ ایک دوسرے کو''السلام علیکم'' کہیں تو دونوں میں سے ہر ایک پر جواب دینا واجب ہوگا۔

فكل: بخاری وغیرہ اور اصول معتمدہ، اور مصابیح کے تمام نسخوں میں''فاء'' کے ساتھ ہے۔اس جملہ کا ترتب ماقبل جملہ''**خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعا**'' پر ہے۔

''**على صورة آدم**'' گویا عبارت یوں ہے: **يدخل على صورته يا فهو على صورته**۔اس میں نوعیت اور شخصیت دونوں کا احتمال ہے۔

''وطوله مستون ذراعا:'' یہ جملہ حالیہ ہے گویا یوں ارشاد فرمایا: والحال أن طول من يدخل الجنة من ذريته ايضاً ستون ذراعا ساٹھ گز اس وجہ سے ہوگا کہ كل شيئ يرجع إلى أصله اور ''الجامع'' میں (روایت کے) الفاظ یہ ہیں: ''على صورة آدم في طوله ستون ذراعا''۔

''فلم يزل:'' یہ فاء برائے ترتیب ہے۔ اس جملہ کا ترتب حدیث کے شروع کے ٹکڑے ''طوله ستون ذراعا'' کے ضمن میں موجود اس جواب پر ہے جو درحقیقت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ گویا عبارت یوں ہے: أنه إذا كان آدم طوله ستون ذراعا وذريته يدخلون الجنة ايضًا، وطولهم ستون ذراعا، فما بالهم نقص طولهم عن طول أبيهم علٰى ما نشاهد في الدنيا، أهو نقصان تدريجي أو غير ذلك؟ قال: فلم يزل۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یعنی ان کا جمال مسلسل کم ہوتا رہا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میرا گمان نہیں ہے کہ امام طیبیؒ کا بیان کردہ مفہوم صحیح ہے چونکہ اس مفہوم پر یہ حدیث اشارۃً دال ہے نا صراحۃً حضرت آدم علیہ السلام کے بعد کے قد کا کم ہونا بھی کسی حکمت کے پیش نظر ہے۔ وہ حکمت کیا ہے؟ واللہ اعلم بہا۔

''حتى الآن:'' ينقص کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای حتى وصل النقص إلى الوقت الذى ذكر النبى صلى الله عليه وسلم الحديث ۔

قد کا گھٹنا بظاہر اُسی دور میں ہو چکا تھا۔ وگرنہ تو صورتحال یہ ہے کہ سلف وخلف سے لے کر آج تک قد کی درازی کا اتنا فرق کہیں نہیں ملتا۔

تخریج: امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

مسلمانوں کے اچھے خصال

۴۶۲۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۱/۱۱ الحديث رقم ٦٢٣٦، ومسلم في ٦٥/١، وأبو داوٗد في السنن ٣٧٩/٥ الحديث رقم ٥١٩٤، والنسائي في ١٠٧/٨ الحديث رقم ٥٠٠٠ وابن ماجه في ١٠٨٣/٢ الحديث رقم ٣٢٥٣، وأحمد في المسند ١٦٩/٢۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا کہ مسلمانوں کی کونسی خصلت اچھی ہے۔ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور واقف وناواقف ہر شخص کو سلام کرنا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: اَىُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ:

(الاسلام سے پہلے مضاف محذوف ہے۔) ای آداب الاسلام أو اى خصال اهله اور ''خیر'' کا معنی یہاں ''أفضل ثوابا'' یا ''اكثر نفعا'' ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سوال کا تعلق بندوں کی عادات سے ہے نہ کہ کسی اور چیز کے ساتھ' اس لئے کہ جواب میں (تطعم

الطعام......)حضور ﷺ نے بندوں کی عادات بیان فرمائی ہیں نہ کہ کچھ اور فرمایا

تطعم الطعام:یہاں ''اِن''مقدر رہے۔پس جب ''اَنْ'' حذف ہوا تو فعل کو مرفوع پڑھا جیسا کہ قرآن میں:﴿**ومن آیاته یریکم البرق خوفا وطمعا**﴾ [الروم:٢٤] میں ''یریکم '' کو مرفوع پڑھا گیا۔اسی طرح کلام عرب میں یہ مقولہ مشہور ہے:''**تسمع بالهدی خیر من ان تراہ**'' **تسمع** مرفوع ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خبر امر کے معنی میں ہو۔اسی طرح ''تقرأ السلام'' ہے۔

وتقرأ السلام: صحیح نسخہ میں باب افعال سے ''تُقْرِی '' ہے کہ فلاں نے سلام کیا ہے۔''النھایۃ'' میں لکھتے ہیں کہا جاتا ہے: **اقرأفلانا السلام واقری علیه السلام** گویا کہ جب کسی کو کسی کا سلام پہنچتا ہے تو وہ اس کو ابھارتا ہے کہ اس سلام کا جواب دے۔ قاموس میں ہے:**قرأعلیه السلام کا قرأة ولایقال أقرأه الااذا کان السلام مکتوبا**۔

علی من عرفت ومن لم تعرف :بظاہر اس کا تعلق ''تقرأ'' سے ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق دونوں فعلوں کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں یہ تنازع فعلین کے قبیل سے ہوگا بایں طور کہ ''تطعم'' بذل کے معنی کو متضمن ہو۔یہ خطاب مخاطب اور غیر مخاطب دونوں کا شامل ہوگا۔

امام تورپشتی رحمہ اللہ (اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے)فرماتے ہیں **أی اهل الاسلام وآدابهم افضل**؟ کہ اہل اسلام کی کونسی عادات اور آداب افضل ہیں؟اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جواب میں ''کھانا کھلانا'' اور ''سلام پھیلانا'' فرمایا۔صرف دو کو ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ سائل کے احوال کے مناسب یہی وہ چیزیں ہیں اسی لئے مخاطب کا صیغہ استعمال کیا یا یہ کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ اس کا سوال مسلمانوں کے سلام کرنے کے معاملہ کے بارہ میں ہے۔پھر جواب میں ایک زائد چیز بیان کی تاکہ یہ عمل کے زیادہ داعی ہو۔اور جملہ خبریہ کبھی امر کی جگہ آتا ہے۔

تخریج:ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے: **افشوا السلام وأطعمو الطعام وکونوا اخوانا کما امرکم اللّٰہ تعالٰی**۔

طبرانیؒ نے مکارم الاخلاق میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے:**افضل الاعمال بعد الایمان التودد الی الناس**

مسلمان کے چھ حقوق

۴۶۳۰:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَی الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَ يُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَيُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ لَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِیْ كِتَابِ الْحُمَيْدِیِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِیْ ۔ (سنن النسائی)

أخرجه مسلم بلفظ "حق المسلم علی المسلم ست" فی صحیحه ١٧٠٥/٤ الحدیث رقم (٥۔٢١٦٢)۔ وأخرجه البخاری فی صحیحه بلفظ حق المسلم علی المسلم خمس' فی ١١٢/٣ الحدیث رقم ١٢٤٠' وأخرجه مسلم فی المصدر السابق الحدیث رقم (٤۔٢١٦٢)وأخرجه النسائی فی السنن واللفظ له ٥٣/٤

الحديث رقم ١٩٣٨، والدارمي في ٢/٣٥٧ الحديث رقم ٢٦٣٣، وأحمد في المسند ٢/٦٨۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: ❶ جب وہ بیمار ہو۔ تو اس کی عیادت کرے۔ ❷ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو ❸ جب وہ کھانے کی دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔ ❹ جب وہ اس کو ملے تو اس کو سلام کرے۔ ❺ جب اسے چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دے۔ ❻ جب وہ موجود نہ ہو یا ہو تو اس کی خیر خواہی کا طلبگار رہو۔ اس روایت کو بخاری و مسلم میں نہیں پایا گیا اور نہ ہی اسے حمیدی سے نقل کیا۔ البتہ نسائی کی روایت سے جامع الاصول میں نقل کیا گیا ہے۔

تشریح: قوله: **يشهده اذامات**: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ❶ موت کا وقت قریب آ جائے ❷ جس وقت نماز جنازہ پڑھی جانے لگے۔ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے۔

قوله: **ويشمته اذا اعطس: يشمت** : شین معجمہ اور میم مشددہ کے ساتھ۔ یعنی ''یرحمک اللہ'' کے الفاظ کے ذریعہ دعا دے۔ ''النھایۃ'' میں ہے: التشمیت' شین اور سین کے ساتھ' دعائے خیر و برکت کو کہتے ہیں۔ شین کے ساتھ پڑھنا اعلیٰ ہے۔ کہا جاتا ہے: **شمت فلانا وشمت عليه تشميتا**' یہ ''شوامت'' سے ماخوذ ہے' جس کے معنی ہیں قوائم (جانور کی ٹانگیں) گویا کہ عاطس کو اللہ کی طاعت پر ثابت قدم رہنے کی دعا ہے' اور بعض کا کہنا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تجھے شماتت سے دور رکھے اور باعث شماعت امور کو تجھ سے دور رکھے عطس: طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے' اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اور ایک روایت میں (اس کے بعد) ''**ونحمدالله**'' ہے۔

عرض مرتب: **تشمت العاطس** کے احکام مستقل باب کے تحت آ رہے ہیں۔

قوله: **وينصح له اذاغاب أوشهد**: اس میں ''أوْ'' برائے تنویع ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں پر یہ چیز واجب ہے کہ وہ ہر حال میں ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں' جو مسلمان سامنے ہے اس کے ساتھ بھی خیر خواہی کی جائے اور جو نظروں سے دور ہے اس کے ساتھ بھی خیر خواہی کی جائے' یہ طرز عمل نہ ہو کہ جب کسی مسلمان کے سامنے آئیں تو اس کے ساتھ خوشامد کا رویہ اپنائیں اور جب وہ سامنے نہ ہو تو غیبت کریں۔ چونکہ یہ منافقین کی علامت ہے۔

تخریج: ملا علی قاری فرماتے ہیں ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور کتب میں موجود نہیں ہے۔ البتہ امام بخاریؒ نے ''تاریخ'' میں اور مسلمؒ نے اپنی ''صحیح'' میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

''حق المسلم على المسلم ست: إذا لقيته فسلّم عليه، وإذا دعاك فأجبه، وإذا استنصحك فانصح له، وإذا عطس فحمد الله فشمته، وإذا مرض فعده، وإذامات فاتبعه۔''

لہٰذا امام بغوی کا اس حدیث کو مسلم بلکہ شیخین کی طرف اگرچہ بالمعنی منصوب کرنا درست ہے۔

سلام کو عام کرو تو محبت بڑھے گی

۴۶۳۱: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا وَلَا

اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۱/ ۷٤ الحدیث رقم (۹۳-٥٤)، وأبو داوٗد فی السنن ٥/ ۳۷۸ الحدیث رقم ۱٥۹۳، والترمذی فی ٥/ ٥۰ الحدیث رقم ۲۸٦٦، وابن ماجه فی ۲/ ۱۲۱۷ الحدیث رقم ۳٦۹۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جب تک تم ایمان نہ لاؤ گے۔تم جنت میں داخل نہ ہو گے اور تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔کہا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں۔کہ جب تم اس کو اختیار کرلو گے تو تمہاری باہمی دوستی قائم ہو جائے گی۔کہ اپنے مابین سلام کو عام کرو۔یعنی ہر واقف و ناواقف کو سلام کرو۔یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: قال رسول الله ﷺ: **لا تدخلون الجنة حتى تؤمنو ولا تؤمنون:** امام نوویؒ فرماتے ہیں: تمام اصول وروایات میں اسی طرح نون کے حذف کے ساتھ ہے اھ۔اور ممکن ہے کہ حذف نون " حتی تؤمنوا " کی مجانست وازدواج کی وجہ سے ہو۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ہم نے مسلم، حمیدی، جامع الاصول نسخوں اور مصابیح کے بعض نسخوں کا استقراء کیا تو یہ لفظ اثبات نون کے ساتھ (یعنی و لا تؤمنون) ملا اور یہ (نحوی قاعدہ) ظاہر کے مطابق ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: مشکوۃ کے ان صحیح ومعتبر نسخوں میں جو مشائخ کبار، مثلاً جزری، سید اصول الدین اور جمال محدث وغیرہ کے سامنے پڑھے گئے اور وجود نسخوں میں یہ لفظ حذف نون کے ساتھ ہے۔اور ہمیں کسی بھی نسخے میں نون موجود نہیں ملا۔البتہ مسلم کا تصحیح شدہ متن جو مشائخ کے سامنے پڑھا گیا وہ حذف نون کے ساتھ ہے۔ان مشائخ میں سے **سید نور الدین ایجی قدس الله سره الغرینز** بھی ہیں۔ہاں البتہ حاشیہ میں ہے کہ ایک نسخہ میں ثبوت نون کے ساتھ ہے۔اور " تیسرے الوصول إلی جامع الاصول " میں صرف حذف نون ہی ہے۔مزید یہ کہ " **لا تدخلون** " بھی حذف نون ہی کے ساتھ ہے۔اس میں یہ توجیہ ممکن ہے کہ نہی سے کبھی نفی مراد ہوتی ہے اگر اس کا عکس (کہ نفی سے نہی مراد ہونا) اہل علم کے ہاں زیادہ مشہور ہے۔واللہ سبحانہ اعلم۔

حتی تحابوا: ایک تاء کے حذف اور باء موحدہ مضمومہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: افشاء السلام کو محبت کا باعث قرار دیا ہے اور محبت کو کمال ایمان اور **اعلاء کلمة الاسلام** کا سبب قرار دیا ہے **تهاجر، تقاطع** اور **شحناء** میں " **تفرقه بين المسلين** " ہے۔اور تفرقہ دین میں رخنہ اندازی کا اور اسلام کی کمزوری کا سبب ہے اور کافروں کے کلمہ کو بلند کرنے والی چیز ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ......﴾ [آل عمران: ۱۰۳] " اور سب مل کر خدا (کی ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ "۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے

۴۶۳۲: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۱/۵۰ الحديث رقم ۶۲۳۲، ومسلم في ۴/۱۷۰۳ الحديث رقم (۱۔۲۱۶۰)، وأبو داوٗد في السنن ۵/۳۸۱ الحديث رقم ۵۱۹۹، والترمذي في ۵/۵۸ الحديث رقم ۲۷۰۳، والدارمي في ۲/۳۵۷ الحديث رقم ۲۶۳۴، ومالك في الموطأ ۲/۹۵۹ الحديث رقم ۱ من باب العمل في السلام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑی تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔

تشریح: یہ حکم اصل میں تواضع و انکساری کی طرف راغب کرنے کے لئے ہے کیونکہ جو شخص سواری پر ہے اس کو گویا اللہ تعالیٰ نے پیدل چلنے پر برتری و فوقیت عطا فرمائی ہے لہٰذا وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس ماشی سے بہتر ہے پس اس کو فروتنی ہی اختیار کرنی چاہئے اسی طرح جو لوگ کم تعداد میں ہوں وہ ایسے لوگوں سے ملیں جو تعداد میں ان سے زیادہ ہوں تو ان کو بھی چاہئے کہ تواضع و انکساری کی بنا پر اور اکثریت کے احترام کے پیش نظر سلام کرنے میں ابتداء کریں۔ جب کہ عام طور پر ان میں کوئی بڑا بھی ہوتا ہے۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ صغیر کبیر کو سلام کرے باوجودیکہ کبھی کثیر، کبیر کے حکم میں ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ سلام کی وضع کا مقصد باہمی محبت و مودّت ہے اور اس میں مناسب ہے اور اس کا ادب کیا جائے۔ مناسب یہ ہے کہ جو شرعاً و عرفاً معتبر ادب کا مقتضی ہے۔ ہاں اگر معاملہ اس کے برعکس ہو اور تواضع کے پیش نظر ہو تو یہ مقصد بھی مستحسن ہے ماوردیؒ فرماتے ہیں راکب کے لئے مستحب ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے چونکہ سلام کی مشروعیت کا مقصد و حکمت یہ ہے کہ باہم ملاقات کرنے والوں کے درمیان سے خوف کا ازالہ کرنا یا کسی ایک جانب سے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے یا تواضع کے پیش نظر چونکہ تواضع مؤمن کے شایان شان ہے یا تعظیم کے پیش نظر چونکہ سلام سے ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات مقصود ہوتی ہے۔ یا تو اکتساب مودت یا امر مکروہ کا دفعیہ و دفاع۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں پس راکب ماشی کو سلام کرے ماشی قاعد کو سلام کرے کہ اس میں اعلان سلامتی اور ازالہ خوف ہے اور قلیل کثیر کو سلام کرے تواضع کے پیش نظر اور صغیر توقیر و تعظیم کے باعث کبیر کو سلام کرے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں جہاں تک بات ہے تواضع کی سو وہ تمام صورتوں میں موجود ہے اگرچہ وجود برعکس ہو۔ اس لئے (اہل علم) فرماتے ہیں کہ سلام کرنے والے کا ثواب سلام کا جواب دینے والے سے زیادہ ہے باوجودیکہ سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ لہٰذا سابقہ ترتیب میں اس معنی کو ضرور ملحوظ رکھا جائے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ادب یعنی آخری قید مذکورہ بالا حکم سر راہِ ملاقات کے وقت ہے مثلاً ایک شخص اِدھر سے آ رہا ہے دوسرا اُدھر سے جا رہا ہو اور دونوں آپس میں ملیں تو اس صورت کے لئے یہ حکم ہے کہ ان دونوں میں جو شخص چھوٹا ہو وہ بڑے کو سلام کرے لیکن وارد ہونے یعنی کسی کے پاس یا مجلس میں جانے کی صورت میں سلام کی ابتداء وارد کو کرنی چاہئے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کم تعداد والے

لوگ ہوں یا زیادہ تعداد میں لوگ ہوں۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ آغاز حدیث سے یہ حکم فی الجملہ مفہوم ہو رہا ہے' کیونکہ ''الراکب'' اور الماشی'' میں الف جنس کا ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے' لیکن اس میں تشبیہ ہے۔

متولیؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کچھ لوگوں سے ملے اور یہ چاہے کہ ان سب کو سلام کرنے کی بجائے ان میں سے چند کو سلام کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ سلام کا اصل مقصد آپس میں موانست والفت کو فروغ دینا ہے جبکہ بعض دوسرے مخصوص لوگوں کو سلام کرنا گویا باقی لوگوں کو وحشت واجنبیت میں مبتلا کرنا ہے اور یہ چیز اکثر اوقات نفرت وعداوت کا بھی سبب بن جاتی ہے۔ جب بازار میں یا شارع عام پر بہت سے لوگ آ رہے ہوں تو وہاں بعض کو سلام کر لینا کافی ہوگا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بازار میں شارع عام پر ملنے والے ہر شخص کو سلام کرنے لگے گا تو وہ اسی کام کا کرنے والا ہو کر رہ جائے گا اور اپنے امور کی انجام دہی سے باز رہے گا۔ نیز یہ طریقہ عرف سے ہٹ کر ہے۔

چھوٹا بڑے کو سلام کرے

۴۶۳۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١١/١٤ الحديث رقم ٦٢٣١، وأبو داؤد فی السنن ٥/٣٨٠ الحديث رقم ٥١٩٨، والترمذی فی ٥/٥٩ الحديث رقم ٢٧٠٤، وأحمد فی المسند ٢/٣١٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چھوٹا بڑے کو' گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو' اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

تشریح: امام سیوطیؒ نے فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ صغیر، کبیر کی توقیر وتواضع کا مامور ہے۔ اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں' چونکہ دونوں معنوی اعتبار سے صغیر وکبیر میں (بایں طور کہ کم تعداد والے معنیً ''صغیر'' میں اور زیادہ تعداد والے معنیً ''کبیر'' ہیں۔)

۴۶۳۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔

(متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ١١/٣٢ الحديث رقم ٦٢٤٧، ومسلم فی ٤/١٧٠٨ الحديث رقم (١٥-٢١٦٨)، وأبو داؤد فی السنن ٥/٣٨٢ الحديث رقم ٥٢٠٢، والترمذی ٥/٥٥ الحديث رقم ٢٦٩٦، وابن ماجه فی ٢/١٢٢٠ الحديث رقم ٣٧٥٠، والدارمی ٢/٣٥٨ الحديث رقم ٢٦٣٦۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو سلام کیا۔ یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے۔

تشریح: غلمان: غین کے کسرہ کے ساتھ، غلام کی جمع ہے، بمعنی صبی یا مملوک۔

آنحضرت ﷺ کے اس فعل کے بارے میں کئی توجیہات ذکر کی گئی ہیں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا تواضع کے باعث تھا۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ (لہٰذا سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنی چاہئے تھی)

③ ان کی کثرت کے باعث سلام کیا۔

امام نوویؒ نے فرماتے ہیں' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

① سب لوگوں کو سلام کرنا مستحب ہے حتیٰ کہ صبی ممیّز کو بھی۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت متواضع تھے۔

③ جہاں والوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمال شفیق تھے۔

مسئلہ نمبر ❶: اگر مردوں اور بچوں کو سلام کیا اور کسی ایک بچے نے بھی جواب دے دیا تو اصح یہ ہے کہ فرض ساقط ہو گیا۔ جیسا کہ نماز جنازہ، کہ صبی کے ادا کرنے سے بھی ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر ❷: اگر ایک جماعت کو سلام کیا اور جواب اس جماعت کے علاوہ کسی شخص نے دیا تو جماعت کی طرف سے سلام کا جواب ساقط نہیں ہوگا، اگر اس جماعت نے اس شخص کے جواب دینے پر ہی اکتفا کیا (اور جواب نہیں دیا) تو یہ پوری جماعت گنہگار ٹھہرے گی۔

مسئلہ نمبر ❸: اگر کسی عورت کے ساتھ مرد ہے اور یہ عورت اس کی بیوی ہے یا باندی ہے یا محارم میں سے ہے تو اس کے احکامات مردوں والے ہوں گے (یعنی مرد ان کو سلام کر سکتا ہے) اور اگر چہ یہ اجنبیہ ہے۔ اور اگر مرد کے ساتھ والی عورت حسین و جمیل ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی ہو تو آدمی اس کو سلام نہ کرے۔ اور (ایسی صورت میں مرد نے) اگر سلام کر بھی دیا تو عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ سلام کا جواب دے۔ اور نہ یہ عورت سلام کر سکتی ہے۔ اگر سلام کر دیا تو جواب کی حقدار نہیں۔ اگر مرد نے جواب دیا تو یہ مرد کیلئے مکروہ ہے۔ اور اگر وہ ایسی بوڑھی تھی کہ جس پر فتنہ کا اندیشہ نہیں تو مردوں کو سلام کر سکتی ہے اور مردوں پر اس عورت کے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہوگا۔

(قالہ ابوسعید المتولی)

فرماتے ہیں: عورتوں کی ایک جماعت پر مرد کا سلام کرنا، اور مردوں کی جماعت پر عورت کا سلام کرنا جائز ہے جبکہ سلام کرنے والے اس مرد، عورتوں کی اس جماعت، یا مردوں کی اسی جماعت پر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اھ۔

اس مسئلہ میں ہمارے بعض علماء کا کلام، فصل ثانی میں حدیث جریر کے ذیل میں آوے گا۔

اہلِ کتاب کو سلام میں پہل نہ کرو

۴۶۳۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَ هُمْ فِی الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ۔ اَتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی ٤/١٧٠٧ الحديث رقم (٣١۔٢١٦٧)، وأبو داوٗد فی السنن ٥/٣٨٣ الحديث رقم ٥٢٠٥، والترمذی فی ٥/٥٧ الحديث رقم ~~٢٧٠٠~~، وأحمد فی المسند ٢/٢٦٦۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتداء مت کرو اور جب تمہارا راستے میں ان کے پاس سے گزر ہو۔ تو ان کو تنگ ترین راستے پر چلنے کے لئے مجبور کر دو۔ (مسلم)

تشریح: قوله: **لَا تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهِ۔**

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے اگرچہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہوں، چہ جائیکہ ان کے علاوہ دیگر کفار کو سلام کیا جائے۔ کیونکہ سلام میں ابتداء کرنے میں ''مُسلَّم علیہ'' کا اعزاز ہے، اوران لوگوں کا اعزاز جائز نہیں۔ نیز ان سے اظہار محبت و مؤدت بھی جائز نہیں خواہ یہ اظہار محبت سلام کے ذریعہ ہو یا کسی اور عمل کے ذریعہ ہو۔ چنانچہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[المجادلة: ۲۲] ''جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں جا داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہی گروہ خدا کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنیوالا ہے۔''

اور اس وجہ سے بھی کہ ہم ان کو ذلیل کرنے کے مأمور ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں اشارہ ہے: ﴿وهم صاغرون......﴾ اس کی تائید اس اگلے جملہ سے بھی ہوتی ہے: ''**وإذا لقيتم أحدهم فى طريق فاضطروه**'' ان پر راستہ تنگ کر دیا جائے حتی کہ اگر راستہ میں کوئی دیوار ہو تو راستہ اس قدر تنگ کر دیا جائے کہ وہ دیوار کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا نکلے۔ وگرنہ کم از کم یہ کیا جائے کہ ان کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ راستے سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر چلیں۔ کہ یہ اسی قابل ہیں، چونکہ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں، اور اس وجہ سے بھی کہ یہ واجب القتل ہیں البتہ جزیہ ان کے قتل میں ڈھال ہے۔ لہٰذا'' **مالا يدرك كله لا يترك كله**''۔ یہ بھی ایک قسم کا قتل معنوی ہے واللہ اعلم۔

شرح مسلم للنووی میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ یہود و نصاری پر سلام میں پہل کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ (انتہی) یہ ضعیف ہے، چونکہ یہ نہی برائے تحریم ہے۔ لہٰذا درست بات یہی ہے کہ ان کو ابتداء بالسلام کرنا حرام ہے۔

قاضی عیاض ؒ ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں، کسی ضرورت و مجبوری کی بناء پر یہود و نصاری کے ساتھ سلام میں پہل کرنا جائز ہے۔ علقمہ اور نخعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: **إن سلمت فقد سلم الصالحون، وإن تركت فقد ترك الصالحون**۔ میں کہتا ہوں اصح یہ ہے کہ ترک اصلح ہے۔

فرمایا: بدعتی کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اس کو سلام بالا بتداء نہ کی جائے، الا یہ کہ عذر ہو یا فساد کا خوف ہو۔ اگر کسی ناواقف آدمی کو سلام کیا اور پھر پتہ چلا کہ یہ ذمی تھا تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے سلام کو واپس کرنے کا مطالبہ کرے اور اس کی تحقیر کی خاطر

یوں کہے: استرجعت سلامی۔

میں کہتا ہوں: بدعتی، مباغض یا وہ متکبرین جو اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے ان کے ساتھ بھی ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فرمایا، اور ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ راستے کا درمیانی حصّہ ذمی کیلئے نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ اس کو تنگ راستے کی طرف مجبور کیا جائے، لیکن اتنا بھی تنگ نہ کرے کہ وہ گڑھے وغیرہ میں گر جائے اور اگر راستے میں بھیڑ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداؤد اور ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

یہود کے جواب میں صرف وعلیک کہو

۴۶۳۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَإِنَّمَا يَقُوْلُ اَحَدُ هُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۴۲ الحدیث رقم ٦٢٥٧، ومسلم فی ٤/١٧٠٦ الحديث رقم (٨-٢١٦٤)، وأبو داوٗد فی السنن ٥/٣٨٤ الحديث رقم ٥٢٠٦، والدارمی فی ٢/٣٥٨ الحديث رقم ٢٦٣٥، ومالك فی الموطأ ٢/٩٦٠ الحديث رقم ٣، وأحمد فی المسند ٢/٩۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا جب یہودی تمہیں سلام کرتے ہیں تو بلاشبہ اس میں سے ہر ایک یہی کہتا ہے السام علیک۔ یعنی تم مر جاؤ۔ تو تمہیں چاہیے کہ اس کے جواب میں وعلیک کہو۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: **إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَإِنَّمَا يَقُوْلُ اَحَدُ هُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ**

يقول احدهم السام عليك: ایک نسخہ میں جمع کی ضمیر کے ساتھ ''علیکم'' ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ تقدیری عبارت یوں ہے: **فانما يقول احدهم لأحدكم: السام عليك**۔ جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے: **اذا اسلم عليكم اهل الكتاب**۔ البتہ دونوں میں کچھ فرق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہود ''السام علیک'' کہتے ہیں، جیسا کہ ابن عمر کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، مگر نصاری یہ بات یعنی ''السلام علیک'' نہیں کہتے ہیں۔

''**فقل: وعليك**'': ایک نسخہ میں جمع کی ضمیر کے ساتھ ''**وعليكم**'' ہے۔

'**إذا سلم عليكم اليهود**: نصاری کا بھی یہی حکم ہے۔

''السام'': الف کے ساتھ ہے

السام عليك میں ضمیر مفرد لانے کی وجہ

① ہر مسلمان کا علیحدہ اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

② صیغۂ جمع کے مقتضی کے باجود صیغۂ مفرد لاتے ہیں مسلمانوں کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے۔

چنانچہ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں بایں طور کہ ہم باہمی طور پہ صیغۂ جمع استعمال کریں۔

فائدہ: موت تو ہر کسی کو آنی ہی آنے ہے' تو موت کی بددعا کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ''جلد مر جائے''۔
❶ زیادہ سے زیادہ تعظیم کے ارادے سے ❷ جنس کی رعایت کے پیش نظر جو مفید تعمیم ہے۔
قاضیؒ کے کلام کا مفہوم جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے اس حدیث میں اصل ''علیك'' بغیر واؤ کے ہے اور واؤ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

یہود کے جواب کا طریقہ

۴۶۳۷: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ٤٢/١١ الحدیث رقم ٦٢٥٨، ومسلم فی ١٧٠٥/٤ الحدیث رقم (٦-٢١٦٣)، وأبو داوٗد فی السنن ٣٨٥/٥ الحدیث رقم ٥٢٠٧، وابن ماجه فی ١٢١٩/٢ الحدیث رقم ٣٦٩٧، وأحمد فی المسند ٩٩/٣۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تمہیں اہل کتاب سلام کریں تو تم اس کے جواب میں صرف وعلیکم کہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ:

فقولوا وعلیکم: بعض روایات میں ''علیکم'' ہے، بغیر واؤ کے جمع کا صیغہ لایا گیا تا کہ جمع، جمع کے مقابلہ میں آ جائے۔ معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے: **اذاسلم علیکم احد منهم فقولو اوعلیك أوعلیك**۔ چنانچہ اسی وجہ سے جزریؒ نے یہ تعبیر اختیار کی ہے۔ کہ اہل کتاب کے سلام کے جواب میں ''علیک'' کہے' اس کو مسلم' ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے' یا ''علیک'' کہے' اس کو شیخین ابوداؤد' ترمذی' اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ان سب حضرات نے یہ حدیث ابن عمرو سے روایت کی ہے۔ پس واؤ والی روایت اکثر حضرات نے نقل کی ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب کے سلام کا جواب دیا جائے۔ لیکن جواب دینے والا ''وعلیکم السلام'' نہ کہے اور نہ ''وعلیک السلام'' کہے اس کا قرینہ یہ الفاظ ہیں: ''**بل یقال علیکم فقط**۔ ''**وعلیکم**'' بھی اسی صورت میں کہے جب وہ ایک سے زائد ہوں۔ اور اگر ایک ہی ہو تو ''علیکم'' نہ کہے یعنی صیغہ جمع نہ لائے۔ کیونکہ اس طرح اس کی تعظیم و توقیر کا وہم ہوتا ہے اگرچہ مسلم کی روایات میں ''**علیکم**'' اور'' **وعلیکم**'' یعنی بغیر واؤ اور ثبوت واؤ دونوں کے ساتھ ہے۔ اکثر روایات میں واؤ کا اثبات ہے۔ اس تقریر پر اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

① یہ ظاہر پر محمول ہو۔ یعنی سلام کرنے والے کی نیت میں یہ تھا کہ ''**علیکم الموت**'' تو اس کے جواب میں ''**وعلیکم ایضًا**'' کا مطلب یہ ہوگا کہ **نحن وأنتم فیه سواء کلنا نموت**۔
② واؤ مستانفہ ہو، عطف و تشریک کیلئے نہ ہو۔ اس صورت میں عبارت کی تقدیر یہ ہوگی: **وعلیکم ما تستحقونه من الذم**۔
ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں لفظ ''**فقل**'' اور ''**وعلیك**'' بصیغہ مفرد ہے' اور اس روایت میں **فقولوا** اور **وعلیکم** بصیغہ جمع ہے۔ اسی

طرح دیگر روایتوں میں "وعلیك" اور "وعلیکم" واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح منقول ہے مؤطا کی روایت میں "علیك" بغیر واؤ کے اور دارقطنی کی روایت میں "علیکم" بغیر واؤ کے منقول ہے قاضیؒ فرماتے ہیں ابن حبیب مالکی سمیت چند علماء کا مختار قول یہ ہے کہ مذکورہ لوگوں کے سلام کے جواب میں یہ لفظ بغیر واؤ کے یعنی "علیك" یا "علیکم" ہی کہا جائے تا کہ اس چیز میں مشارکت صوری لازم نہ آئے جو ان کی زبان سے ادا ہوتی ہے اور دیگر علماء نے واؤ کے ساتھ کہنے کو مختار قرار دیا ہے جیسا کہ اکثر روایات میں مروی ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ "وعلیکم السلام" کہے لیکن "السلام" کو سین کے کسرہ کے ساتھ کہے اس کا معنی ہے پتھر لیکن روایت ودرایت کے اعتبار سے یہ ضعیف ہے خطابیؒ فرماتے ہیں حذف واؤ ہی درست ہے یعنی زیادہ درست ہے اور شاید کہ ان کی مراد مبالغہ ہے فرمایا اس صورت میں ان کا کلام بعینہ ان پر خاص طور پر رد ہو جائے گا اور جب واؤ کو ذکر کریں تو یہ ان کے ساتھ ان کے کہے ہوئے کلام میں مشارکت کا مقتضی ہوگا۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ حرف واؤ یہاں مشارکت کے لئے نہیں ہے بلکہ استیناف کے لئے ہے اس صورت میں یہ لفظ مفہوم کے اعتبار سے اس جملہ کا قائم مقام ہوگا کہ **وعلیکم ما تستحقونه من الذم** (اور تجھ پر وہ برائی پڑے جس کا تو مستحق ہے)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ لفظ احادیث میں چونکہ دونوں طرح منقول ہے کہ بعض روایتوں میں واؤ کے ساتھ ہے اور بعض روایتوں میں بغیر واؤ کے اس لئے کہ دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ واؤ کا اثبات اجود ہے اس میں کوئی مفسدہ نہیں یعنی اس لفظ کو واؤ کے ساتھ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ جس چیز میں مشارکت لازم آئے گی وہ موت ہے اور موت سب کو آنے والی ہے اس صورت میں اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ (جس موت کو تم برا سمجھ کر گویا ہمیں اس کی بددعا دے رہے ہو) اس میں ہم اور تم برابر ہیں کہ ہم سب ہی کو موت یعنی مرنا ہے۔ اس میں ضرر ونقصان کی کوئی بات نہیں ہے۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے جواب میں کیے جانے والے "علیکم" کو ان کے حق میں اسلام کی دعا پر محمول ہی کیا جائے چونکہ دارین میں سلامتی کا دارومدار اسلام پر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب ان کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ تعریضاً ہمیں بددعا دے رہے ہیں۔ اور جب معلوم ہو جائے تو اس صورت میں تقدیر یوں ہوگی: **واقول علیکم ماتستحقونه**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صیغہ اس لئے ارشاد فرمایا کہ مخاطب کو وحشت نہ ہو اور کلام رفق کے قریب ترین رہے۔ پس اگر سلام کا جواب دینے کا ارادہ ہو تو وہ سلام سے بہتر ہوگا یا ہمارے قول "علیک السلام" کے ذریعہ ہوگا اور ان کے سلام سے بہتر جواب دینا ہمارے لئے جائز نہیں اور نہ اس اقل درجہ کو جو "وعلیک" میں ہے اور بغیر واؤ کے جواب دینا تو بالکل ظاہر ہے۔ ای **علیکم ما تستحقونه**۔ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ تعریضاً ہمیں بددعا دیتے ہیں تو اس صورت میں توجیہ یوں ہوگی: **واقول علیکم ماتریدون بنا أوما تستحقونه** اور ہمارے "وعلیکم" کا عطف ان کے کلام میں موجود "علیکم" پر نہیں ہوگا ورنہ تو یہ ان کی بددعا کی تقریر کو متضمن ہوگا اسی وجہ سے پچھلی حدیث میں "فقل: علیک" بغیر واؤ کے آیا ہے یہ واؤ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روی ہے:

"**إذا سلم علیکم أحد من أهل الکتاب فقولوا وعلیکم**۔"

اس حدیث کو امام احمد، شیخین، ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی والے کو اور نرمی کو پسند کرنے والے ہیں

۴۶۳۸:وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ اَنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُّ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا تَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱/۱۹۹ الحدیث رقم ۶۴۰۱ وفی ۱۰/۴۵۲ الحدیث رقم ۶۰۳۰، ومسلم فی صحیحه ۴/۱۷۰۶ الحدیث رقم (۱۰-۲۱۶۵)، والترمذی فی السنن ۵/۵۷ الحدیث رقم ۲۷۰۱، وابن ماجه فی ۲/۱۲۱۸ الحدیث رقم ۳۶۸۹ الشطر الثانی والأول فی ۲/۱۲۱۹ الحدیث رقم ۳۶۹۸، والدارمی فی ۲/۴۱۶ الحدیث رقم ۲۷۹۴، وأحمد فی المسند ۶/۳۷۔

ترجمہ:حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ یہود کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت لینے آیا تو انہوں نے السلام علیکم کہا تو میں نے ان کو جواب میں کہا: بل علیکم السام واللعنة۔ تو حضور ﷺ نے مجھے فرمایا اے عائشہؓ! اللہ نرمی برتنے والے ہیں اور تمام معاملات میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم کہا ہے اور ایک روایت میں یہ واوَ کے بغیر ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: السام علیکم تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیکم تو عائشہ صدیقہؓ کہنے لگیں: السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ تو اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹھہر و اے عائشہ ؓ نرمی اختیار کرو اور اپنے آپ کو درشتی اور فحش گوئی سے محفوظ رکھو۔ حضرت عائشہ کہنے لگیں کیا آپ نے اس کی بات نہیں سنی آپ نے فرمایا کیا تو نے میری بات نہیں سنی۔ جو میں نے اس کے جواب میں کہی۔ میری دعا تو اس کے حق میں قبول ہوگی اور اس کی بات میرے حق میں قبول نہ ہوگی اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم فحش باتیں کرنے والی مت بنو۔ بے شک اللہ تعالیٰ لچر باتوں اور باتکلف باتیں بنانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: قوله: فقالوا: السام علیکم: اگلی روایت میں آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس کلام کے جواب میں

''وعلیکم'' فرمایا تھا۔

قولہ: بل علیکم السلام و اللعنة: یعنی اس لفظ سے تمہاری جو مراد تھی' اور فساد معنی کی خاطر تم نے جو کلام میں تحریف کی وہ تم ہی پر پڑے' اور مزید کہ تم پر لعنت بھی ہو **فاحشة:** فحش گو' قبیح کلام کرنے والے **التفحش:** بتکلف فحش الفاظ بولنا۔ قصداً فحش کلام کرنا' آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام: ''**و اللعنة**'' یا **لعنکم الله** ...... کے باعث ارشاد فرمایا۔

''رفق'': ضد ہے عنف (سخت، درشتی) کی۔ رفق کا مطلب ہے:

لين الحانب في القول و الفعل و الأ خذ بألا سهل۔ (على ماذكره السيوطى)

''عنف'': عین مہملہ کے ضمہ کے ساتھ' یہ ''رفق'' کی ضد ہے'

قد قلت و علیکم: واؤ مستانفہ ہے۔ **مهلا:** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ ای ارفقی رفقا

إن الله رفيق يحب الرفق في الأمر كله: یعنی اللہ تعالیٰ رفیق ورحیم ہے' عمومی طور پر ممکنہ نرمی ہی پسند کرتا ہے وگرنہ تو بعض جگہوں پر سختی کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿**واغلظ عليهم**﴾ [التوبة:٧٣]

آنحضرت ﷺ کا جواب ''علیکم'' یا ''وعلیکم'' عدل کے مقتضی کے عین مطابق تھا۔ چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**وجزاء سيئة سيئة مثلها**﴾ [الشورى:٤٠] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے معنی میں زیادتی فرمائی اس معاملہ میں تجاوز سے کام لیا' نرمی کے راستہ کو چھوڑ کر سختی کی راہ لی۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی۔ کہ تمہیں نرمی سے کام لینا چاہئے' مدارات کی بناء اسی پر ہے' معارات ومعانات کی راہ کو چھوڑے رکھو' جیسا کہ کہا گیا ہے

ودارهم مادمت في دارهم ☆ وأرضهم مادمت في أرضهم

لیکن مدارات اور مداہنت میں فرق ہے' جو اکثر لوگوں پر مخفی ہے' ہم ان شاء اللہ کسی مناسب مقام پر اس کا ذکر کریں گے۔ اس حدیث مبارکہ میں یہودیوں کا فعل مذکور درحقیقت اس آیت کریمہ کا کھلم کھلا مظہر تھا:

﴿وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُولُونَ فِيٓ أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ [المجادلة:٨] ''اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے خدا نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمہیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں) جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اسکی سزا کیوں نہیں دیتا؟ (اے پیغمبر) ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے یہ اسی میں داخل ہونگے اور وہ بری جگہ ہے'' ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک ہی قصہ ہے' اور پچھلی حدیث میں صرف سام ولعنت کا ذکر ہے' سو یہ اقتصار راوی کی طرف سے ہے یہی بات زیادہ واضح ہے چونکہ حدیث میں دیگر زیادات بھی ہیں۔ (انتھی) یا یہ بات اکتفاء سے ہے' چونکہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ **قولہ: یا عائشة:** اس میں احتمال ہے کہ کلام سابق کے متمات میں سے ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ کلام لاحق کے مقدمات میں سے ہو' یعنی **علیك بالرفق** ...... کے

''علیك'': کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے'

الفحش: فاء کے ضمہ کے ساتھ' یہ اصل میں سخت قبیح گناہ کو کہتے ہیں' یہاں اس سے مراد قول وجواب میں زیادت قبح ہے۔

یہ حدیث اس مسئلہ کی صریح دلیل ہے کہ حدیث کو بالمعنی نقل کرنا جائز ہے۔ چونکہ یہ بات اتفاقی ہے کہ حدیث باب میں مذکور قصہ

ایک ہی ہے، یہ متعدد واقعات نہیں ہیں۔

مشترک مجلس میں مسلمان کی نیت سے سلام کرو

۴۶۳۹: وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبْدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۳۸ الحديث رقم ٦٢٥٤ ومسلم فی ۳/۱٤۲۲، والترمذی فی السنن ٥/٥٨ الحديث رقم ٢٧٠٢، وأحمد فی المسند ٥/٢٠٣۔

ترجمہ: حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جہاں مسلمان مشرک، بت پرست اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کیا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: والمشركين عبدة الأوثان: عطف بیان ہے یا ''مشرکین'' سے بدل ہے۔ امام طیبیؒ کا کہنا ہے کہ '' اليهود'' میں بھی ترکیبی احتمال ہیں۔

ان کو مشرک قرار دینا ان کے اس قول: [عزیر ابن اللہ] کے باعث ہے، یا تغلیباً ہے۔ یا کچھ کلام مقدر ہے جیسا کہ اس قول میں ہے: متقلد اسيفًا ورمحا اھ۔

''اليهود'' کا عطف '' المشركين'' پر اولیٰ ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسی جماعت کے پس سے گزرے جس میں کئی مسلمان ہوں یا مسلمان خواہ ایک ہی ہو اور کافر کئی ہوں تو سنت یہ ہے کہ مسلمانوں یا مسلمان کا قصد کر کے پوری جماعت کو سلام کرے اگر کسی مشرک و غیر مسلم کو خط لکھا جائے تو مسنون یہ ہے کہ مکتوب الیہ کو السلام علیکم کے بجائے وہی الفاظ لکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل روم کے بادشاہ کو لکھے تھے: سلام على من اتبع الهدى۔

راستے کے پانچ حقوق

۴۶۴۰: وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا قَالَ فَاِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۸ الحديث رقم ٦٢٢٩، ومسلم فی ۳/۱٦٧٥ الحديث رقم (۱۱٤-۲۱۲۱)، وأبو داوٗد فی السنن ٥/١٦٠ الحديث رقم ٤٨١٥، وأحمد فی المسند ۳/٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے آپ کو راستوں میں

بیٹھنے سے بچاؤ۔ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ ہمیں چارہ کار نہیں۔ وہاں ہم باتیں کرتیں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں بیٹھنے کے علاوہ چارہ کار نہیں تو راستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ نے عرض کی۔ اے رسول اللہ ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نگاہ کا جھکانا۔ یعنی اس کا حرام مقام پر ڈالنے سے بچانا اور گزرنے والوں کو ایذا سے بچانا۔ سلام کا جواب دینا اور لوگوں کو اچھی بات کہنا اور برائی سے روکنا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: طرقات: ''طُرُق'' طریق کی جمع ہے اور طرقات جمع کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ تمام راستوں کا حکم یہی ہے۔

إیاکم والجلوس بالطرقات: اور ایک روایات میں ''علی الطرقات'' ہے۔

بد: بائے موجدہ کے ضمہ اور دال مہملہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ''من مجالسنا'' بد کے متعلق ہے۔ **ای مالنا فراق منها**۔

فأعطوا الطریق حقه: سید جمال الدین کے نسخہ میں (مجلس) لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ اسم زمان ہے یا اسم مکان ہے۔ لہٰذا اس جگہ اس سے مصدر مراد لینا صحیح نہیں۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں: **جلس یجلس جلوسا ومجلسا، کمقعد، والمجلس أی بالکسر موضعه**۔ ابن الملک شرح المشارق میں فرماتے ہیں: **المجلس بفتح اللام مصدر میمی أی اذا متنعتم عن الأ فعال الاعن الجلوس فی الطریق أی اذا دعت حاجة لمصلحة الجیران وغیره فأعطو الطر یق حقه ،واقعد وافیه بقدر الحاجة**۔

فقالوا مالنا من مجالسنا ید: صحابۂ کرام کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ راستہ میں بیٹھے بغیر ہمارا کوئی چارہ کار نہیں، چونکہ ہمیں اس کی حاجت پیش آتی ہے، ہم باہمی طور پر کبھی دنیاوی امور میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں' کبھی اخروی امور پر بات چیت کرتے ہیں، کبھی مشاورت، کبھی مذاکرہ، کبھی معالجہ، کبھی معاملات اور کبھی مصالحت جیسے اہم امور درپیش ہوتے ہیں۔

وما حق الطریق: ضمیر کی جگہ اسم ظاہر (الطریق) کو ذکر فرمایا تا کہ'' حق'' کی طرف راجع ہونے کا وہم نہ ہو۔ چونکہ حق الحق تو یہی ہے کہ راستہ پر مطلقاً نہ بیٹھا جائے۔

قوله: والأمر بالمعروف والنهی عن المنکر: امر بالمعروف اس طریقہ سے ہو جو عارفین کے نزدیک معروف ہے' اور نہی عن المنکر میں یہ خیال رہے کہ وہ ہوتے ہوئے کہیں امر بالمنکر نہ بن جائے۔

تخریج: جامع میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤدؒ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے۔

راستے کا ایک اور حق

۴۶۴۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَاِرْشَادُ السَّبِیْلِ۔

(رواہ ابوداؤد عقیب حدیث الخدری هکذا)

أبو داوٗد فی السنن ٥/ ١٦٠ الحدیث رقم ٤٨١٦۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سلسلے میں نقل کرتے ہیں۔ یعنی راستے کے حقوق کے سلسلے میں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ راستہ بھول جانے والے کو راستہ دکھانا۔ ابوداؤد نے اس کو ابوسعید کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کیا ہے۔

تشریح: القصة: قاف کے کسرہ اور صاد مہملہ کے ساتھ۔

وإرشاد السبيل: مرفوع ہے اس کا عطف ''النهي عن المنكر'' پر ہے۔

مظلوم کی مدد بھی راستہ کا حق ہے

۴۶۴۲: **وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَتُغِيْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوْا الضَّالَّ۔** (رواه ابوداؤد وعقيب حديث ابی هريرة هكذا ولم اجد هما فی الصحيحين)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/ ١٦٠ الحديث رقم ٤٨١٧۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سلسلے میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مظلوم کی فریاد رسی کرو اور راستہ گم کردہ کو راہ بتلاؤ۔ مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی۔ البتہ ابوداؤد سے اس کو روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد نقل کیا ہے۔

تشریح: **تغيثوا**: تاء کے ضمہ کے ساتھ، إغاثه :(غین معجمہ اور ثائے مثلثہ کے ساتھ) بمعنی ''إعانة'' سے مشتق ہے۔

تهدوا: تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

صاحب کشاف کا کہنا ہے کہ ''وحيا'' اور ''يرسل'' دونوں مصدر ہیں موضع حال میں ہیں، چونکہ ''أويرسل'' إرسالا کے معنی میں ہے۔ **المطلق والمتعير فی أمره** ۔ وفی القاموس: **ای المظلوم المضطر يستغيث وينحسر الملهوف**: مظلوم، مضطر، تکلیف زدہ، مدد کا طالب، ستم رسیدہ، حسرت زدہ۔

امام طیبیؒ ''ارشاد السبيل'' اور ''هداية الضال'' کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ارشاد السبيل'' اُعم ہے ''هداية الضال'' سے۔ امام طیبی کا یہ کلام عطف کے معنی پر مبنی ہے جو انہوں نے ''تغيشوا'' کے عطف کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

فی هذه القصة: بظاہر یہ زیادتی حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت پر ہے، اور ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر ہو۔ بہر حال دونوں احتمالات میں سے کسی احتمال کو واضح قرار دینے کیلئے صریح معنی پر دلیل صحیح کی ضرورت ہے۔ لہٰذا امام طیبیؒ کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں: ''وتغيثوا'' کا عطف ''ارشاد السبيل'' پر ہے۔ ''تغيثوا'' کے نون کا حذف اسی آیت: ﴿أن يكلمه الله إلا وحيا أو من وراء حجاب اويرسل رسولا﴾ کے قبیل سے ہے۔ (انتھی) ممکن ہے کہ امام طیبیؒ کے اس کلام کا ماخذ یہ الفاظ ہوں: ''رواه أبو داود عقيب حديث أبی هريرة''، لیکن یہ الفاظ مطلوب پر نص نہیں ہیں۔

ولم اجدهما فی الصحيحين: چونکہ یہ فصل اوّل چل رہی ہے، جیسا کہ امام بغوی کے صنیع کا مقتضی یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایتیں بھی صحیحین ہی کی ہوں گی۔ چنانچہ صاحب کتاب نے ان دونوں کو صحیحین میں تلاش کیا، مگر کامیابی نہ ہوئی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اِصالۃً نہیں بلکہ تتمیم و تکمیل کیلئے ذکر کی ہیں، لہٰذا ان کا صحیحین میں ہونا ضروری نہیں۔ومثل هذا يغتفر فتدبر، والله أعلم بما تفعل وتذر۔

الفصل الثانی:

مسلمان کے چھ حقوق

۴۶۴۳: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ وَيَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ اِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (رواه الترمذی والدارمی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٧٥ الحديث رقم ٢٧٣٦، وابن ماجه فی ١/٤١١ الحديث رقم ١٤٣٣، والدارمی فی ٢.٣٥٧ الحديث رقم ٢٦٣٣، وأحمد فی المسند ٦٨/٢۔

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: ① جب اس سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرے۔ ② جب کوئی مسلمان دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔ ③ اور جب اس کو چھینک آئے تو یہ اس کی چھینک کا جواب دے۔ ④ اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ ⑤ اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ ادا کرے۔ ⑥ اور اس کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ ترمذی اور دارمی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: ويشمته اذا عطس: اس پر سیر حاصل بحث ماقبل میں گذر چکی ہے۔

يتبع، تاءِ فوقانیہ کے سکون اور باءِ موحدہ کے فتحہ کے ساتھ،

جنازة: ست بالمعروف: صفت اول ہے، ''بالمعروف'' صفت ثانی ہے اور موصوف محذوف ہے۔ أی: للمسلم على المسلم خصال ست ملتبسة بالمعروف۔ ''بالمعروف'' کی باء میں ایک احتمال ہے کہ یہ ''مِنْ'' کے معنی میں ہو۔

يسلم عليه: جملہ استینافیہ مبینہ ہے۔ یا تقدیری عبارت یوں ہے: أن يسلم عليه۔

''ويحب له ما يحب'': (ما يحب سے پہلے مثل مضاف محذوف ہے۔) أی: مثل ما يحب۔

معروف کی تعریف یہ کی ہے: وهو ما يرضاه الله من قول أو عمل۔ وہ قول عمل جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے یہ تعریف کی ہے: هو ما عرف فی الشرع والعقل حسنه۔ وہ چیز کہ جس کا پسندیدہ ہونا از روئے عقل وشرع معروف ہو۔

ويتبع جنازته: ارشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلا جائے۔ جیسا کہ ہمارا مذہب مختار ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک مرفوع حدیث میں یہی حکم صراحۃً مذکور ہے:

((الجنازة متبوعة وليست بتابعة ليس منا من تقدمها))

”جنازۃ متبوع ہوتا ہے، تابع نہیں ہوتا، جو شخص جنازہ سے آگے بڑھے وہ ہم میں نہیں۔“

قوله: ويحب مايحب لنفسه: یہ جملہ اس تمام کلام کا خلاصہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت انسؓ سے مروی حدیث میں کہ جس کو امام احمد اور اصحاب صحاح ستہ نے سوائے ابوداؤد سے نقل کیا ہے، صرف اسی پر اقتصار کیا ہے:

لا يؤمن احدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

تین آنے والے اور نیکیاں پانے والے

۴۶۴۴: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلاً جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۳۷۹/۵ الحديث رقم ۵۱۹۵، والترمذی فی ۵۱/۵ الحديث رقم ۲۶۸۹، والدارمی فی ۳۶۰/۲ الحديث رقم ۲۶۴۰، وأحمد فی المسند ۴۳۹/۴۔۴۴۰۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک شخص آیا اور اس نے السلام علیکم کہا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا اس شخص کو دس نیکیاں ملیں گی پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تو آپ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا اس شخص کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔ اس شخص کے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: فقال النبی ﷺ: عشر: لفظ ”عشر“ کی وجہ میں کئی احتمال ہیں:

1. ”عشر“ مبتدا مؤخر ہے۔ أی **له عشر حسنات۔**
2. نائب فاعل ہے فعل محذوف کا۔ أی **كتب له حسنات۔**
3. فعل محذوف کا فاعل ہے۔ أی **حصل له عشر، أو ثبت له عشر۔**
4. اسم مفعول محذوف کا نائب فاعل ہے۔ ای: **المكتوب له عشر۔**

قوله: فقال: السلام عليكم: اس نو وارد نے جمع کی ضمیر استعمال کی، اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں:

1. ضمیر جمع آنحضرت ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر استعمال کی۔
2. اس وجہ سے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس وقت صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ

استدلال کرنا درست نہیں کہ جمع کی ضمیر لانا افضل ہے اگر چہ مسلَّم علیہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔

قوله: فقال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ برکات عبارت ہے ''ثبات'' سے۔ اس لئے سلام میں یا جواب میں اس پر اضافہ نہیں کیا جائے بعض کا کہنا ہے کہ ''برکت'' اصل پر ہونے والی زیادت کو کہتے ہیں۔

قوله: فقال: ثلاثون:

عرضِ مرتب:

'' ثلاثون '' کی ترکیب میں وہ تمام احتمال جاری ہو سکتے ہیں جو ''عشر'' کے بارے میں گذرے۔ یعنی ہر لفظ پر دس نیکیاں ہیں۔ چنانچہ اس نے ۳ لفظ کہے لہٰذا اس کیلئے ۳۰ نیکیاں ہیں۔

معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سلام پر بعض الفاظ کا اضافہ

۴۶۴۵: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ ثُمَّ اَتٰى اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَقَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۵/ ۳۸۰ الحديث رقم ۵۱۹۶۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے گزشتہ روایت کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اس میں معاذ نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں۔ کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ومغفرتہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس کے لئے چالیس نیکیاں لکھی گئیں اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ کہ اسی طرح ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یعنی جس قدر الفاظ بڑھاتا جائے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں: سلام کرنے میں افضل یہ ہے کہ سلام کرنے والا یوں کہے: **السلام عليكم ورحمة الله وبركاته**، جمع کی ضمیر استعمال کی جائے اگر چہ مسلَّم علیہ ایک ہی کیوں نہ ہو اور مجیب یوں کہے: **وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته**، یعنی وہ بھی جمع کی ضمیر استعمال کرے اور واؤ لگائے۔

سلام کرنے کا ادنی درجہ ''**السلام عليكم**'' کہنا ہے۔ اور اگر ''**السلام عليك**'' یا'' **سلام عليك** '' کہا جائے تو بھی کافی ہوگا۔

اور جواب میں ادنی درجہ'' **وعليك السلام**'' اور'' **وعليكم السلام**'' ہے۔ اور اگر واؤ نہ لگایا جائے تو بھی کافی ہوگا۔

البتہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جواب میں صرف'' **عليكم**'' کہا جائے تو یہ جواب نہ ہوگا اور اگر جواب میں'' **وعليكم**'' کہا جائے یعنی واؤ کے ساتھ کہا جائے تو اس صورت میں دونوں قول ہیں۔

امام ابوالحسن واحدیؒ فرماتے ہیں: سلام کو نکرہ اور معرف باللام لانے میں اختیار ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: معرف باللام پڑھنا اولیٰ ہے

جب دو آدمیوں کی ملاقات ہو اور دونوں ایک دوسرے کو اکھٹے سلام کریں یا یکے بعد دیگرے کریں تو قاضی حسین اور ابوسعید متولی کا

کہنا ہے کہ ان میں سے ہر شخص سلام میں پہل کرنے والا ہے۔ لہٰذا ان دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا ضروری ہوگا۔

شاشی کا کہنا ہے کہ یہ محل نظر ہے۔ چونکہ یہ لفظ جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر یکے بعد دیگرے سلام کیا ہے تو یہ جواب شمار ہوگا اور اگر دونوں نے بیک وقت سلام کیا تھا تو اس صورت میں یہ کافی نہ ہوگا۔ فرمایا یہ درست ہے۔ اور اگر بغیر واؤ کے کہا تو امام واحدی کا کہنا ہے کہ یہ سلام ہے اور مخاطب پر اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ اگر چہ معتاد میں قلب واقع ہوگیا ہے۔ یہی بات ظاہر ہے' امام الحرمین نے اس پر جزم کیا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''سلام علیکم'' اور'' السلام علیکم'' میں فرق یہ ہے کہ معرف بالام کیلئے معہود ہونا ضروری ہے، خواہ خارجی ہو، خواہ ذہنی ہو۔ اگر معہود خارجی ہو تو اس صورت میں وہ سلام مراد ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو کیا تھا:

((قال لآدم: اذهب فسلم علی اولئك النفر فانها تحيتك وتحية ذريتك))۔

معہود ذہنی مراد ہونے کی صورت میں سلام کی جنس مراد ہوگی کہ جسے ہر مسلمان پہچانتا ہے۔ اس صورت میں تعریض ہوگی، بایں طور کہ اس کی ضد کفار کیلئے مستعمل ہے اس کی طرف اللہ جل شانہ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿والسلام علی من اتبع الهدی......﴾ [طٰہٰ:۴۷]

سلام میں پہلے قرب میں پہلے

۴۶۴۲: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔

(رواه احمد والترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۵/ ۳۸۰ الحدیث رقم ۵۱۹۷، والترمذی فی ۵/ ۵۴ الحدیث رقم ۲۶۹۴، وأحمد فی المسند ۵/ ۲۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے زیادہ نزدیک وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرنے والا ہو۔ یہ ترمذی، ابوداؤد، احمد کی روایت ہے۔

تشریح: الجامع کی روایت میں ''من بدأ'' کی بجائے ''بدأهم'' کے الفاظ ہیں۔

قوله: ان اولی الناس بالله من بدأ بالسلام:

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں سے اللہ کی رحمت اور مغفرت کے نزدیک ترین وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ امام طیبی: فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اللہ کی رحمت کے نزدیک ترین ہے۔ صاحب کشاف اس آیت:

﴿إن أولی الناس بإبراهيم﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں: ای: ان اخصهم به وأقربهم منه۔

شرح السنہ میں حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مما یصفی لك ودّ أخیك ثلاث: أن تبدأ بالسلام إذا لقیته، وأن تدعوه بأحب أسمائه الیه، وأن توسع له فی المجلس۔

تین خصلتوں کی وجہ سے تمہارا بھائی تم سے خالص محبت کرے گا: (ایک تو) ملاقات کے وقت سلام کرنے میں پہل کرنا، (دوسرے) کسی مسلمان کو اس کے اس نام کے ذریعے پکارنا جس کو وہ پسند کرتا ہے اور (تیسرے یہ کہ جب وہ) مجلس میں (آئے تو) اس کو (عزت واحترام کے ساتھ) جگہ دینا۔''

عورتوں کو سلام آپ ﷺ کی خصوصیت

۴۶۴۷: وَعَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ۔ (رواه احمد)

أخرجه أحمد فى المسند ٣٥٧/٤۔

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا گزر کچھ عورتوں کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ یہ امام احمد کی روایت ہے۔

تشریح: ابن الملک کا کہنا ہے آپ ﷺ کیلئے عورتوں کو بھی سلام کرنا جائز تھا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص تھی، چونکہ کسی فتنہ میں پڑنے سے آنحضرت ﷺ مامون تھے۔ البتہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے مؤمن کیلئے اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کوئی عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ اس کے بارے میں کسی فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف نہ ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بہت سے علماء اس مسئلہ میں سلام کو مکروہ نہیں سمجھتے اھ۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں صحیح بات یہی ہے کہ کراہت تو بہر حال ہے چنانچہ سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تخریج: اس روایت کے ہم معنی، اسماء بنت یزید کی حدیث، فصل ثالث میں آرہی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے بھی نقل کیا ہے۔

جماعت میں ایک کا سلام اور ایک کا جواب کافی ہے

۴۶۴۸: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ۔

(رواه البيهقى فى شعب الايمان مرفوعا وروى ابوداؤد وقال رفعه الحسن بن على وهو شيخ ابى داؤد)

أخرجه أبو داؤد فى ٣٨٧/٥ الحديث رقم ٥٢١٠' والبيهقى فى الشعب ٤٦٦/٦ الحديث رقم ٨٩٢٢۔

ترجمہ: حضرت علی ابن طالبؓ سے روایت ہے کہ جب کچھ لوگ گزر رہے ہوں۔ اس میں سے کسی ایک کا سلام کرنا اس سب کی طرف سے کافی ہوگا۔ اسی طرح وہ لوگ جو بیٹھے ہوں اس میں سے کسی ایک کا جواب دینا سب کی طرف سے کفایت کرنے والا ہے (بیہقی) نے اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤد سے اپنے شیخ حسن بن علی کے واسطے سے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

تشریح: ''یجزئ'' علامت مضارع کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''الجلوس'':اس میں دو احتمال ہیں: ❶ '' جالس'' کی جمع ہے۔ ❷ مصدر مضاف الیہ ہے،''ذوی ''مضاف محذوف ہے۔ای ذوی جلوس۔

إذا مروا:اس حکم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ جب کچھ لوگ کسی جگہ داخل ہوں یا کسی ایسی جگہ ٹھہریں جہاں پہلے سے کچھ لوگ موجود ہوں یا کوئی ایک فرد ہی موجود ہو۔

سلام کرنے میں پہل کرنا سنت مستحبہ ہے،سنت کفایہ ہے،واجب نہیں ہے۔

اگر متعدد افراد میں سے ایک فرد سلام کردے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہوگا۔اور اگر سارے لوگ سلام کریں تو یہ افضل ہے۔

علمائے شافعیہ میں سے قاضی حسینؒ فرماتے ہیں:ہمارے لئے سنت کفایہ بس یہی ہے۔میں کہتا ہوں یہ بات ہمارے مذہب کے موافق ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں، تشمیت العاطس بھی سنت کفایہ ہے،اس طرح اہل خانہ میں سے ہر فرد کا قربانی کرنا بھی سنت کفایہ ہے۔چنانچہ اہل خانہ میں سے اگر کوئی ایک فرد بھی قربانی کر دیتا ہے تو شعار حاصل ہو جائے گا اور سنت یہ ہے کہ سارے اہل خانہ قربانی کریں۔

میں کہتا ہوں:تشمیت العاطس ہمارے ہاں فرض کفایہ ہے اور قربانی واجب ہے۔البتہ اس مالدار پر واجب ہے کہ جس میں مخصوص شرائط پائی جاتی ہوں' یہ واجب علی الکفایہ نہیں ہے'اور ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں کھانا کھاتے وقت تسمیہ سنت کفایہ ہے۔واللہ اعلم۔

قوله:ويجزئ عن الجلوس:

مطلب یہ ہے کہ مسلَّم علیہ کسی بھی حالت میں ہو ایک کا جواب دینا کافی ہوگا،

''جلوس'' کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔جلوس کی تخصیص اس بناء پر کی گئی کہ عام طور پر جب افراد اکھٹے ہوتے ہیں تو وہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قائم،قاعد کو سلام کرے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔اگر تمام افراد سلام کا جواب دیں تو ہر ایک کا جواب دینا افضل ہوگا۔تمام فرض کفایہ کا معاملہ یہی ہے۔

اسنادی حیثیت:امام طیبیؒ فرماتے ہیں:''روى أبو داود، وقال:رفعه الحسن بن على''سے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ حدیث دوسری سند سے موقوفاً بھی مروی ہے۔امام ابوداؤد کے شیخ حسن بن علی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔حدثنا أبو داود 'حدثنا الحسن بن على 'حدثنا عبد الملك ابراهيم 'حدثنا سعيد بن خالد 'قال حدثنى عبد الله بن الفضل 'حدثنا عبد الله بن أبى رافع عن على رضى الله عنه 'قال ابو داؤد رفعه الحسن بن على قال :يجزئ 'عن الجماعة الحديث۔میں کہتا ہوں کہ بظاہر ابوداؤد کی مراد یہ ہے کہ ان کے شیخ حسن بن علی نے اس کو کسی دوسرے طریق سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔وگرنہ تو سند مذکور کے ظاہر سے لگتا ہے کہ یہ موقوف ہے'اگر چہ یہ احتمال بھی ہے کہ ''ورفعه'' جملہ حالیہ ہو'اسناد سابق کے بیان کے لئے لایا گیا ہو مثلاً جیسا کہ کہا جاتا ہے:روى عن على مرفوعا اور ابہام کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کو رفع کی کیفیت یاد نہ ہو' کہ وہ بصیغہ سماع تھی'بصیغہ قول تھی یا ''عن'' کے ساتھ تھی'اگر یہ بطور فرض تسلیم کر لی جائے کہ یہ حدیث موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے تو تب بھی بلاشبہ یہ حدیث مرفوع

ہوگی' اول تو اس لئے کہ ثقہ کی زیادت مقبول ہے' ثانی اس لئے کہ اس جیسی موقوف حکماً مرفوع ہوتی ہے' چونکہ یہ مشروع کی فروع میں سے ہے۔ آگے امام طیبی لکھتے ہیں مصابیح میں مروی حضرت علی کی مرفوع حدیث اس کے موافق ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ اس کا محل نظر ہونا ماقبل میں گذر چکا ہے' مزید یہ کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے بیہقی کے سند کی طرف اشارہ کیا ہو' کیونکہ اس کے مرفوع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اہلِ کتاب سے مشابہت اختیار نہ کرو

۴۶۴۹: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ۔ (رواه الترمذی وقال اسناده ضعيف)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٤ الحديث رقم ٢٦٩٥' وأحمد فی المسند ٢/٤٩٩۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم میں سے جو شخص غیروں کے ساتھ مشابہت کرنے والا ہو۔ اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ تم یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو یہود کا سلام انگلیوں کے اشارے سے ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے سے ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور اس کی سند کمزور ہے۔

تشریح: لا تشبهوا: ایک تاء حذف ہوئی ہے۔ اصل میں "لاتتشبهوا" تھا۔

ولا بالنصاری: یہ "لا" زیادت تاکید کے لئے ہے۔

الاكف: ہمزہ کے فتحہ اور کاف کے ضمہ کے ساتھ، "کفّ" کی جمع ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے کسی بھی فعل میں مشابہت اختیار نہ کرنا چاہیے، خصوصاً ان دو خصلتوں میں، ممکن ہے کہ وہ سلام کرنے یا جواب دینے میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوں۔ یا سلام اور جواب دونوں اشارہ کے ساتھ کرتے تھے، اور لفظ "السلام" کو زبان پر نہیں لاتے تھے، حالانکہ سلام نا صرف آدم علیہ السلام بلکہ ان کی تمام ذریت انبیاء و اولیاء کی سنت رہا ہے۔

گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ معاملہ منکشف کر دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امتی یوں کریں گے۔ یا جھکیں گے یا سر جھکائیں یا صرف سلام کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ: اس حدیث کے ضعیف ہونے کا سبب بظاہر سند کا یہ حصہ ہے: **عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده**۔ اس سند پر کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔ البتہ قول معتمد یہی ہے کہ یہ سند "حسن" ہے۔ مزید یہ کہ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو جامع صغیر میں ابن عمرو سے مسنداً ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس سے نزاع و اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ حکم کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حکم کی کوئی اور سند موجود نہ ہو۔ ہاں اس میں "ایہام" ہے' اس بات کی طرف "اشعار" نہیں ہے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ احادیث

صحیحہ متواتر المعنی سے یہ حکم ثابت ہے کہ لفظ سلام کے ذریعہ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب اسی طرح واجب ہے۔ پس محض اس حدیث کے ضعیف ہونے سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ حکم ہمیشہ تبدیل ہو جائے گا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماء بنت یزید کی یہ روایت پہنچی ہے: أن رسول الله ﷺ مرّ في المسجد يومًا وعصبة من النساء قعود فألوى بيده بالتسليم۔ امام ترمذیؒ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور زبان سے سلام فرمایا۔ اس توجیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد کی حدیث میں ''فسلّم علينا'' کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اگر سلام کا تلفظ نہ بھی کیا ہوتا تو تب بھی اس میں کوئی محذور نہیں ہے۔ چونکہ عورتوں کے پاس سے گزرنے والے مردوں کیلئے سلام کرنا مشروع نہیں ہے۔ اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کی بابت سلام کرنا صراحتاً مذکور ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کیلئے جائز تھا خواہ سلام کرتے یا نہ کرتے۔ اشارہ کرتے یا نہ کرتے، حالانکہ بعض مرتبہ فقط تواضع کے پیش نظر بھی اشارہ کر دیا جاتا ہے، سلام مقصود نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو عورتوں کے معاملہ میں بیان جواز پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ نہی تشبیہ کراہت پر محمول ہے نہ کہ تحریم پر۔ واللہ اعلم

ہر ملاقات میں سلام کیا جائے

۴۶۵۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِيَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْجِدَارٌ اَوْحَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۵/۳۸۱ الحديث رقم ۵۲۰۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے۔ تو چاہیے کہ پہلے اس کو سلام کرے اور اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا بڑا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات کریں تو پھر ایک دوسرے کو سلام کریں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: امام طیبیؒ نے اس حدیث سے مستنبط چند مسائل ذکر کئے ہیں جو یہ ہیں:

(ا) افشاء اسلام کی ترغیب معلوم ہوتی ہے

(ب) ہر حالت کی تبدیلی کے بعد سلام کیا جائے۔

(ج) ہر آنے اور جانے والا اسلام کرے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بعض مقامات و مواضع مستثنیٰ ہیں:

① جب کوئی شخص پیشاب یا پائخانہ کر رہا ہو۔

② جماع میں یا اس طرح کے کسی اور کام میں مشغول ہو۔

③ اگر کوئی شخص سو رہا ہو یا اونگھ رہا ہو۔

④ نماز پڑھ رہا ہو۔

⑤ جب مؤذن اذان دے رہا ہو۔

⑥ جب کوئی شخص حمام وغیرہ میں ہو۔

⑦ جب کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو اور لقمہ اس کے منہ میں ہو۔ان صورتوں میں سلام کرنے والا جواب کا مستحق نہیں۔

اگر خرید وفروخت وغیرہ میں مصروف ہو تو سلام کرے گا اور جواب بھی واجب ہوگا۔

خطبہ جمعہ کی حالت میں سلام کرنے کو ہمارے اصحاب نے مکروہ بتایا ہے۔چونکہ خطبہ کی حالت میں لوگوں پر انصات واجب ہے۔ پس اگر ڈر گیا اور سلام کر دیا تو کیا اس کا جواب دیا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔بعض کا کہنا ہے کہ جواب نہیں دیا جائے گا۔بعض کا کہنا ہے کہ اگر انصات واجب ہے تو جواب نہیں دیا جائے گا۔اور اگر ہم یہ کہیں کہ انصات سنت ہے تو جواب دیا جائے گا۔حاضرین میں کسی ایک کا جواب دے دینا باقی لوگوں کی طرف سے کافی ہوگا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں حنفیہ کا مذہب معتمد یہ ہے کہ انصات واجب ہے۔لہٰذا سلام کرنا جائز نہ ہوگا اور نہ جواب کا حقدار ہوگا۔اس مسئلہ میں کوئی کلام نہیں ہے۔

جو شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو واحدی کا کہنا ہے کہ ترک سلام اولیٰ ہے۔اگر سلام کر ہی دیا تو اشارہ کے ساتھ جواب دینا کافی ہوگا۔اور اگر زبان سے جواب دیا تو تلاوت کرنے والا تعوذ پڑھ کر از سر نو تلاوت شروع کرے۔واحدیؒ فرماتے ہیں بظاہر زبان سے جواب دینا واجب ہے۔

البتہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں مؤطا امام مالک کی یہ روایت کی گئی ہے:أن الطفيل أخبر أنه كان يأتي عبد الله بن عمر فيغدوا معه الى السوق۔قال: قلت له ذات يوم: ماتصنع بالسوق وأنت لاتقف على البيع ولا تسأل السلع ‘ولا تسوم بها ‘ولا تجلس في مجالس السوق ‘فقال لى:أنما نغدومن أجل السلام ـ ونسلم على من لقيناه۔میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ فصل ثالث میں عنقریب آئے گی۔اس کے مناسب حال سادات نقشبندیہ میں سے ایک معمول تھا کہ وہ بازار میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے اور کہا کرتے تھے:''هذا خلوة الرجال'' یہ مردوں کی خلوت ہے۔اور شاید کہ اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہو:ذاكر الله في الغافلين بمنزلة الصابر في الفارين۔اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے‘ان دونوں نے یہ حدیث ابن مسعود سے نقل کی ہے۔احمد‘ترمذی‘ابوداؤد اور حاکم کی ایک حدیث صحیح میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے: أنه ﷺ :من دخل السوق فقال:''لا اله الا الله وحده لا شريك له ‘له الملك ‘وله الحمد ‘يحيى و يميت وهو حى لايموت ‘بيده الخير وهو على كل شيئ قدير''۔ كتب الله لج ألف ألف حسنة‘ و محئ عنه الف الف سيئة ورفع له ألف ألف درجة.اور شاید کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر گھڑی اپنے بندوں کو نظر رحمت وعنایت سے دیکھتا ہے‘پس جو غافل ہوتا ہے اس سے یہ فوت ہو جاتا ہے اور جو شاید حاضر ہو وہ اس کو پالیتا ہے‘ بلکہ وہ دوسرے کا حصہ بھی لے جاتا ہے اور شاید کہ یہی وجہ ہو جمعہ‘ جماعت اور مجالس ذکر میں شرکت کی ترغیب میں‘چونکہ یہ بمنزلہ چنے ہوئے دستر خوان کے ہے جس پر بھانت بھانت کے مزے دار کھانے چنے ہوئے ہوں‘پس جو اس دستر خوان پر حاضر ہوگا اور مشتاق ہوگا وہ اس سے اپنا حصہ پالے گا‘اور جو اس دستر خوان سے غائب ہوگا‘یا غافل ہوگا‘یا مریض ہوگا کہ جس کو اشتہاء نہ ہو تو وہ محروم رہ جائے گا۔

تخریج: اس حدیث کو ابن ماجہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

گھر والوں کو سلام کرو

۴۶۵۱: وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان مرسلا)

أخرجه البيهقي في شعب الايمان ٦/٤٤٧ الحديث رقم ٨٨٤٥۔

ترجمہ: حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم گھر سے نکلو تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ذریعے رخصت کرو۔ یہ روایت بیہقی سے شعب الایمان میں مرسلاً نقل کی ہے۔

تشریح: قوله: عن قتادة : قاف کے فتحہ کے ساتھ' اکثر اہل مکہ اس کو قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ جلیل القدر تابعی تھے۔

قوله: اذا دخلتم بيتا فسلموا على أهله:

ہمارے علماء میں سے ایک شارح کا کہنا کہ اگر گھر میں کوئی فرد نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ "السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين" کہے۔ اس مسئلہ کا ماخذ اس آیت کریمہ کا ظاہر ہے:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [النور: ٦١] "جدا اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو (یہ) خدا کی طرف سے مبارک (اور) پاکیزہ (تحفہ) ہے اس طرح خدا اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو"۔

- **قوله: واذا خرجتم فأودعوا أهله بسلام:**

"اودعوا" ایداع سے ہے اور مشتق یہاں "ایداع" اصل میں " توديع "کے معنی میں ہے اور توديع "وداع" سے ماخوذ ہے۔ اس تفصیل کے بعد جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے: **فاتر كوهم مصحوبين بسلام۔** کہ گھر سے باہر جاتے وقت اپنے اہل وعیال کو سلام کے ذریع وداع کہو۔ ہمارے بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سلام کا جواب مستحب ہے۔ چونکہ یہ دعاء اور وداع ہے اھ۔ شاید کہ اس کا ماخذ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے: ﴿**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها**﴾ [النساء: ٨٦] یہ سلام، سلام تحیہ نہیں ہے۔ چانچہ یہ سلام آیت سے مستفاد وجوب کے تحت نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام طیبیؒ نے فرمایا: یہ" ایداع "سے مشتق ہے۔ **اى اجعلوا السلام وديعة عندهم**...... کہ اپنے اہل وعیال کے پاس سلام کو ودیعت وامانت رکھو، تاکہ تم لوٹ کر انکے پاس آؤ تو اپنی ودیعت کو واپس لو جیسا کہ امانتیں واپس لی جاتی ہیں۔ یہ بات گویا اس امر سے نیک شگون لینے کے مترادف ہے کہ گھر سے رخصت ہونے والا سلامتی کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اور اس کو بار بار سلام کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔

توضیح وتخریج: جمہور کے نزدیک مرسل کا حجت ہونا معروف ہے۔ حصن کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"من انتهى إلى مجلس فليسلم، فإن بدا له أن يجلس فليجلس، ثم إذا قام فليسلم۔"

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی ان سب نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ یہ حدیث آگے چل کر متن میں بہت تفصیل کے ساتھ آئے گی۔

گھر والوں کو سلام گھر کے لئے باعث برکت ہے

۴۶۵۲: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَھْلِكَ فَسَلِّمْ یَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَیْكَ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِكَ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٦ الحدیث رقم ٢٦٩٨۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بیٹے! جب تم گھر والوں سے ملو تو تم اس کو سلام کرو۔ یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے باعث برکت ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: بنی: تصغیر کے ساتھ ہے۔ یاء مشددہ مکسور ہے، اس کو اس کو مفتوح پڑھنا بھی درست ہے۔

یکون برکة: جملہ مستأنفہ ہے علت کے معنی کو متضمن ہے۔ أی فانه یکون ای السلام۔

ایک نسخہ میں "رواه الترمذی" کے بعد "هذا حدیث حسن غریب" کے الفاظ بھی ہیں۔

سلام کلام سے پہلے ہے

۴۶۵۳: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْكَرٌ۔

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٥٦ الحدیث رقم ٢٦٩٩۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام کلام سے پہلے ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے اس روایت کو منکر قرار دیا۔

تشریح: **قوله: السلام قبل الكلام**: سلام، تحیۃ المسجد کی طرح ہے کہ جیسے "تحیۃ المسجد" بیٹھنے سے پہلے ادا کی جاتی ہے اسی طرح سلام بھی کلام سے پہلے کیا جاتا ہے' اگر ابتداء بالکلام کی تو سنت فوت جائے گی۔ قضاعی حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

"السلام تحیة لملتنا وأمان لذمتنا۔"

قوله: هذا حدیث منكر:

یہ روایت صحت معنی کے اعتبار سے معروف ہے جیسا کہ ہم اس کی یقین دہانی کرا چکے ہیں۔

حدیث منکر کی تعریف یہ ہے: **المنكر من الحدیث ما یكون راوٍ من رواة سنده بعیدا عن الضبط جدا۔**

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ اس کا مدار عنبسہ بن عبدالرحمٰن پر ہے اور وہ بہت ہی ضعیف ہیں' مزید یہ کہ انہوں نے

اس حدیث کو محمد بن زاذان سے نقل کیا ہے اور وہ منکر الحدیث ہیں۔ یہی معاملہ ان کی اس دوسری حدیث کا ہے: إذا كتب أحدكم كتابا فليتربه۔ اس حدیث کی ساری خرابی کا مدار حمزہ بن عمرو مصینی پر ہے۔ چونکہ انہوں نے یہ حدیث عن أبي الزبير عن جابر نقل کی ہے۔ اس سے متصل یہ حدیث بھی اسی طرح ہے: ضع القلم على أذنك۔ اس حدیث کا مدار بھی عنبسہ بن عمران اور محمد بن زاذان پر ہے۔

میں کہتا ہوں پہلی حدیث امام سیوطیؒ نے الجامع میں ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے جابر سے نقل کیا ہے اور پھر فرمایا: ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

السلام قبل الكلام، ولا تدعوا أحدا إلى الطعام حتى يسلّم۔

ابن النجاری نے اس حدیث کو حضرت عمرؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

السلام قبل السؤال فمن بدأكم بالسؤال قبل السلام فلا تجيبوه۔

طبرانی نے "الاوسط" میں، اور ابونعیم نے "الحلية" میں ابن عمر سے مرفوعاً نقل کیا ہے: من بدأ بالكلام قبل السلام فلا تجيبوه۔

جاہلیت کے سلام کی ممانعت

۴۶۵۴: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد في السنن ۵/۳۹۷ الحديث رقم ۵۲۳۱۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں یہ سلام کیا کرتے تھے: اَنْعِمْ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَاَنْعَمَ صَبَاحًا۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس بات سے روک دیا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: أنعم الله بك عينا: ایک نسخہ میں "انعم" ہمزہ وصلی اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہے "أنعم" ہمزہ قطعی اور عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ "النعم" نون کے ضمہ کے ساتھ یہ "البؤس" کی ضد ہے۔ نعم الشيئی نعومة ازباب کرم بمعنی صارناعما لينا کہا جاتا ہے: أنعم الله عليك یہ "النعمة" سے ماخوذ ہے اور انعم صاحک یہ "النعومة" سے ماخوذ ہے اور کہا جاتا ہے: أنعم الله بك عينا أی اقرالله عينك بما تحيه من النعمة أوبمن تحيه اور اسی طرح "نعم الله ربك عينا" ہے۔ (مؤخرالذکر دونوں مثالوں میں) یاء زائدہ ہے تعدیہ کی تاکید کے لئے ہے۔ اور "عينا" مفعول کی تمیز ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ "انعم الرجل" بمعنی "دخل في النعيم" سے ماخوذ ہو اس صورت میں باء برائے تعدیہ ہوگا اور بعض کا کہنا ہے کہ باء برائے سببیت ہے۔ ای انعم الله بسببك عينا ای عين من يحبك۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: احتمال ہے کہ باء سببیہ ہو "عینا" مفعول ہو "انعم" کا اور تنوین برائے تفخیم ہو أی انعم الله بسببك عينا وأی عين 'عين من يحبك اس صورت میں یہ کنایہ ہے۔

صاحب النھایۃ حدیث مطرف میں لکھتے ہیں: لاتقل: نعم الله بك عينا فان الله لا ينعم بأحدعينا 'بل قل انعم الله بك عينا۔

زمخشری فرماتے ہیں کہ جس کلام سے مطرف نے منع فرمایا ہے وہ کلام صحیح وفصیح ہے کلام عرب کی رو سے' اور "عينا" کاف ضمیر کی تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے' اور باء برائے تعدیہ اس کا معنی ہے "نعمك الله عينا" ای "نعم الله عينك و أقر ها۔ کبھی حرف جر کو حذف کر کے فعل کو براہ راست متعدی کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: نعمك الله عينا ۔ "الله انعم بك" میں باء زائدہ ہے' چونکہ تعدیہ کے لئے ہمزہ کافی ہے۔ آپ کہتے ہیں: نعم زيد عينا و أنعمه الله عينا اور یہ بھی ممکن ہے کہ "انعم" بمعنی "دخل فی النعيم" سے ماخوذ ہو۔ اس صورت میں باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔ فرماتے ہیں مطرف کو شاید یہ خیال گذرا کہ اس کلام میں یہ تمیز فاعل کی ہے' چنانچہ انہوں نے اس بات کو بڑا جانا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو جو اس سے متصف مانا جائے۔ جیسا کہتے ہیں نعمت بهذالا حر عينا اور برائے تعدیہ ہے' اور بس" نعم الله بك عينا" میں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔

صباحا: ترکیبی اعتبار سے تمیز ہے یا ظرف ہے' ای طاب عيشك فی الصباح ہمارے علماء میں سے ایک شارح کا کہنا ہے کہ اس کا معنی "طاب عيشك فی الصباح" بیان کیا گیا ہے' (یہ درست نہیں' بلکہ صحیح معنی یہ ہیں) أطاب الله عيشك فی الصباح ۔ یا یہ فاعل کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: فلما كان الاسلام نهينا عن ذلك:

"کان" تامہ ہے' اور "ذلک" کا مشارالیہ وہ کلمات واقوال ہیں جو ابتداء میں سلام کی جگہ بولے جاتے تھے۔ ای فلما وجد ووقع احكام الاسلام على وجه الاحكام نهينا عماذكر من الاقول ابتداء بوضعها موضيع السلام۔ ہاں اگر پہلے سلام کیا جائے اور پھر اس قسم کے مذکورہ کلمات بولے جائے تو اس میں شرعاً کوئی محذور نہیں ہے۔

صبح کے وقت کی تخصیص:

لہٰذا سبب یہ ہے کہ (اُس زمانے میں) غارت گری اور ناپسندیدہ واقعات (کی ابتداء عام طور پر) صبح ہی کے وقت ہوتی تھی۔

دوسرا سبب یہ کہ سارا کلام ہی اسی بارے میں ہے۔ ہمارے زمانے میں عام لوگوں کی زبانوں پر اس قسم کا کلام ہوتا ہے، بالفاظ دیگر یہ کلام عرف کے مطابق ہے۔ مثلاً صبحكم بالخير ومساكم بالكرامة، وأسعد الله مقيلكم، وغيره۔

عنه بظاہر اس صورت میں یہ منصوب نزع الخافض ہے۔

دوسرے کے سلام کا جواب کیونکر......؟

۴۶۵۵: وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبُصْرِيِّ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِئْتِهٖ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَیْتُهٗ فَقُلْتُ اَبِیْ یُقْرِئُكَ السَّلَامَ فَقَالَ عَلَیْكَ وَعَلٰی اَبِیْكَ السَّلَامُ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٣٩٩ الحديث رقم ٥٢٢٧' وأحمد فی المسند ٥/٣٦٦۔

ترجمہ: حضرت غالب کہتے ہیں کہ ہم حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے تھے۔کہ ایک شخص اچانک آیا اور آ کر کہنے لگے مجھ سے میرے والد اور انہوں نے میرے دادا سے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور مجھے یہ کہا کہ تم حضور کی خدمت میں جاؤ اور آپ سے سلام عرض کرو۔میرے والد کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا میرے والد نے آپ کو سلام کہا ہے۔تو آپ نے فرمایا تم پر تمہارے والد پر سلام ہو۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: آته:أتی یأتی سے امر کا صیغہ ہے۔

لجلوس: لام تاکید کا ہے اور ''جلوس'' جالس کی جمع ہے۔

فأقرئه السلام: اور ایک نسخہ میں ''فاقرأه السلام'' ہے۔

فقلت:أبی یقریك: اور ایک نسخہ میں ''یقرؤك'' ہے۔

تخریج: حصن کی روایت میں یہ ہے:وإذا بلغ سلا ما فلیقل:وعلیه السلام ورحمة الله وبر کاته۔

اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے ایک جماعت نے مرفوعاً نقل کیا ہے۔حضرت انسؓ سے مروی نسائی کی ایک حدیث میں ''وعلیك وعلیه السلام'' کے الفاظ آئے ہیں۔

خط کی ابتدا کا طریقہ

۴۶۵۶:وَعَنْ اَبِی الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِیِّ کَانَ عَامِلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ اِذَا کَتَبَ اِلَیْهِ بَدَاءَ بِنَفْسِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٣٤٨ الحديث رقم ٥١٣٤۔

ترجمہ: حضرت ابوالعلاءؒ کہتے ہیں کہ حضرت علاء حضرمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل مقرر ہوئے۔جب وہ آپ کی خدمت میں خط لکھتے تو خط کی ابتداء اپنی ذات سے کرتے۔یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:عن أبی العلا:ایک نسخہ میں۔مصابیح کے بعض نسخوں کے مطابق ''وعن أبی العلاء'' ہے۔

قوله:ان العلاء الخضری: ایک نسخہ میں ''ان العلاء بن الخضرمی'' ہے ''حضرمی'':حضرت موت کی طرف منسوب ہے۔

قوله:کان اذا کتب الیه بدأ بنفسه: اپنی طرف سے شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء ان الفاظ سے کرتے تھے:من العلاء الحضرمی إلی رسول الله ﷺ، پھر سلام لکھتے تھے۔حضرت علاء حضرمی خط لکھنے کا یہ طریقہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اختیار کرتے ہیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی ابتداء اسی طرح ہوتی تھی۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو ان کے بیٹے کی تعزیت میں جو خط بھیجا تھا اس کے ابتدائی الفاظ یوں تھے:

بسم الله الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليك فإني أحمد اليك الله الذى لا اله الاهو، أما بعد......۔

اس حدیث کو حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔خط لکھنے کا یہ طریقہ بظاہر اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے: ﴿انه من سليمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحيم......﴾ [النمل:۳۰] اور یہ بات مخفی نہیں کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔''من سليمان ''عنوان کی جگہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مظہرؒ کہتے ہیں کہ علاء حضرمی کی جانب سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لکھے جانے والے خطوط اس طرز کے ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس انداز سے خط لکھنے کا حکم دیا کہ مثلاً

هذا من رسول الله إلى عظيم البحرين۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کو اس باب میں اس لئے نقل کیا گیا کہ یہ حدیث سلام کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔جیسا کہ خط لکھنے کے اس طریقے سے پتہ چلتا ہے جو خط آنحضرت ﷺ نے ہرقل کو لکھا تھا: من محمد عبد الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى۔(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خط کے ابتدائی حصہ میں سلام مذکور ہوتا تھا)۔

تخریج: اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ، نعمان بن بشیر سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے:

((إذا كتب أحدكم إلى أحد فليبدأ بنفسه))۔

خط پر مٹی ڈالنا

۴۶۵۷: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِذَا كَتَبَ اَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيُتَرِّبْهُ فَاِنَّهُ اَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ۔

(رواه الترمذی وقال حديث منكر)

أخرجه الترمذي في السنن ٥/٦٣ الحديث رقم ٢٧١٣، وابن ماجه في ٢/١٢٤٠ الحديث رقم ٣٧٧٤۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم کوئی خط لکھو۔تو چاہیے کہ خط لکھنے کے بعد اس پر مٹی ڈالدو۔کیونکہ یہ چیز حاجت براری کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔یہ ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے کہا۔یہ حدیث منکر ہے۔

تشریح: قوله: اذا كتب أحد كم كتابا: یہاں ''کتاب'' بمعنی ''مکتوب'' ہے۔أى مكتوبا للارسال

فليتربه: راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

''انجح'': اور پھر حاء ہے۔بمعنی أيسروأ قضى اور امام طیبیؒ لکھتے ہیں: أى يسقطه على التراب حتى يصير أقرب الى المقصود

خط کو خاک آلود کرنے کی حکمت:

اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ اپنی حاجت برآری کیلئے کاتب کا حقیقی اعتماد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ حقیقی معنی مراد ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے امام غزالیؒ نے منہاج العابدین میں نقل کیا ہے۔ ایک شخص کسی کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر تھا، اس نے ایک خط لکھا پھر جب اس نے یہ چاہا کہ مکان کی دیوار سے تھوڑی سی مٹی لے کر خط پر ڈال دے تو اس کو خیال آیا کہ یہ مکان تو کرایہ کا ہے (لہٰذا اس مکان کی دیوار سے مٹی لے کر خط پر چھڑکنا مناسب نہیں ہوگا) پھر معا دل میں یہ خیال گزرا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے؟ چنانچہ اس نے مٹی لے کر اس پرچہ پر ڈال دی۔ اس کے بعد اس نے غیب سے یہ آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے ''اس مٹی کو معمولی اور حلال جاننے والے جلد ہی اس چیز کے طویل حساب کے معاملہ کو جان لے گا۔''

مظہرؒ کا کہنا ہے کہ مجازی معنی مراد ہیں کہ مخاطب کو غایت تواضع کے ساتھ مخاطب کرے۔'' **فلیتربه**'' سے تواضع فی الخطاب میں مبالغہ مراد ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ بات ہمارے زمانے کے عرف کے عین مطابق ہے۔ خصوصاً ارباب دنیا و جاہ کے ہاں۔ اگرچہ اس معنی کے مأخذ میں اور مبنیٰ میں بہت ہی بعد ہے: علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے اس اسلوب کے خلاف ہے جو اسلوب آپ ﷺ بادشاہوں اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خط لکھنے میں اختیار فرماتے تھے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

اسنادی حیثیت: تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے منکر ہونے کی وجہ بتائی ہے' جیسا کہ ماقبل میں گذر چکی ہے

عرض مرتب: تفصیل جاننے کیلئے ملاحظہ فرمائیے: ۴۶۵۳۔ (انتھی)

بظاہر یہ حدیث صرف راویوں کے اعتبار سے منکر ہے۔ وگرنہ اس کے معنی میں کوئی کلام نہیں ہے۔ چنانچہ امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوالدرداء سے یہ روایت مرفوعاً نقل کی ہے:

''إذا كتب أحدكم إلى انسان فليبدأ بنفسه، وإذا كتب فليترب كتابه فهوأ نجح۔''

''جب تم میں سے کوئی شخص کسی آدمی کو خط لکھے تو چاہئے کہ اس کو اپنے نام سے شروع کرے اور جب خط لکھ لے تو اس پر مٹی چھڑک دے چونکہ یہ چیز حاجت برآری کے لئے بہت کارآمد ہے''۔

قلم کان پر

۴۶۵۸: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰى اُذُنِكَ فَاِنَّهٗ اَذْكَرُ لِلْمَالِ۔

(رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب وفی اسناده ضعف)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٣ الحديث رقم ٢٧١٤۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ کے

سامنے ایک لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اپنا قلم کان پر رکھو کیونکہ یہ مطلب کو زیادہ یاد دلانے والا ہے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے اور اس کی سند کمزور ہے۔

تشریح: **أذنك**: ذال کے ضمہ اور سکون کے ساتھ' دونوں طرح درست ہے۔

أذكر: اسم تفصیل کا صیغہ ہے۔

''**ضع القلم على أذنك**'': اور ایک نسخہ میں **على " أذنيك "** ہے۔ مصابیح کے نسخوں میں بھی یوں ہی ہے۔ تورپشتیؒ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطا ہے، اور مفرد کے صیغہ کے ساتھ صحیح ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں درایت کے اعتبار سے تو دونوں ٹھیک ہیں، البتہ روایت کے اعتبار سے بصیغہ مفرد ہی صحیح ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرب صوری مقصود معنوی میں تاثیر رکھتی ہے۔

اسنادی حیثیت: یہ حدیث اپنے بعض راویوں کے سبب سے ضعیف ہے۔ سبب ضعف امام تورپشتیؒ کے حوالہ سے ماقبل میں گزر چکا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے حدیث: ۴۶۵۳)

البتہ اس حدیث کے مضمون کی تائید ابن عساکر کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو انہوں نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

إذا كتبت فضع قلمك على أذنك، فإنه أذكر لك۔

''جب تم لکھو تو قلم کو اپنے کان پر رکھ لیا کرو، چونکہ قلم کو کان پر رکھنا زیادہ یاد کرانے والا ہے''۔

اسی طرح جامع صغیر میں حضرت زید بن ثابتؓ سے بطریق مرفوع، ترمذی شریف کی یہ روایت منقول ہے:

ضع القلم على أذنك، فإنه أذكر للمملى۔

میں کہتا ہوں حدیث کے یہی الفاظ صحیح ہیں۔ دوسری روایت میں موجود لفظ ''مآل'' تصحیف ہے جو اصل میں ''مقال'' تھا۔ اس کی تائید ''**أذكر لك**'' کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا پندرہ روز میں عبرانی پر عبور

۴۶۵۹: **وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَقَالَ اِنِّیْ مَا اٰمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ فَمَا مَرَّبِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُ فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَاْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ۔** (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٦٤ الحديث رقم ٢٧١٥۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مجھے حکم فرمایا کہ میں سریانی زبان سیکھ لوں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کا خط سیکھ لوں آپ ﷺ نے فرمایا کتابت کے سلسلے میں مجھے یہود پر اعتماد نہیں۔ زید کہتے ہیں کہ مجھے آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے وہ خط سیکھ لیا جب آپ نے یہود کی طرف خط لکھنا ہوتا تو وہ خط میں لکھتا اور جب اس خط کا جواب آتا تو میں آپ کو وہ پڑھ کر سناتا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: أمرني رسول الله ﷺ أن أتعلم السر يانيه وفي رواية۔۔ کتاب یھود:: یہاں ''کتاب'' بمعنی ''کتابۃ'' ہے اور دونوں روایات کا حاصل ایک ہی ہے

السريانية: سین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔سریانی یہودیوں کی زبان ہے۔

قوله: قال: إني ما آمن: ہمزہ کے مدّ اور میم کے فتحہ کے ساتھ، مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔

أمن، خوف کا متضاد ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: '' أمن'' سیاق نفی میں '' علیٰ '' کے صلہ کے ساتھ ''خوف'' کے معنی میں مستعمل ہے۔گویا'' ما آمن'' أخاف کے معنی میں ہے۔جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام سے کہا: ﴿مالك لا تأمنّا على يوسف﴾[یوسف:] ۔اھ۔اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ معنی اس وقت درست ہوں گے کہ جب حرفِ نفی کا دخول صیغہ پر ہوا ہو۔

زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ'' امن'' بغیر نفی کے بھی ''علیٰ'' کے ساتھ مستعمل ہے' جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کا یہ فرمان: ﴿هل آمنكم عليه إلا كما أمنتكم على أخيه من قبل......﴾[یوسف] نیز ابن ماجہ میں مروی فضالہ بن عبید کی حدیث میں بھی اس طرح آیا ہے: المؤمن من امنه الناس على أموالهم۔

وإذا كتبوا إليه قرأت له: ایک نسخہ میں ''له'' کے بجائے ''علیه '' ہے۔اس صورت میں یہ بمعنی ''عند '' ہوگا۔

إني ما آمن يهود على كتاب کا مطلب:

مظہرؒ فرماتے ہیں یعنی مجھے یہودیوں کے لکھنے پڑھنے پر اطمینان نہیں ہے، اندیشہ رہتا ہے کہ کمی زیادتی نہ کردیں۔مجھے اس بات کا خطرہ لگا رہتا ہے کہ اگر یہودیوں کے نام اپنا کوئی خط کسی یہودی سے لکھواؤں تو وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی نہ کردے، اسی طرح اگر یہودیوں کی طرف سے میرے پاس کوئی خط آئے اور میں اس کو کسی یہودی سے پڑھواؤں تو وہ اس میں اپنی طرف سے کم یا زیادہ کر کے نہ پڑھ دے۔

زبان سیکھنے کا حکم شرعی:

مظہر کے کلام کے ذیل میں امام طیبیؒ لکھتے ہیں:

یہاں معنوی اعتبار سے کچھ عبارت مقدر ہے: أي مامرّبي نصف من الشهر في التعلم حتى كمل تعلمي کہا گیا ہے کہ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بچاؤ کی خاطر اور شر سے حفاظت کی خاطر ایسی چیز کا سیکھنا بھی جائز ہے جو ہماری شریعت میں ناجائز ہے''۔حالانکہ یہ بات واضح نہیں ہے، چونکہ مختلف زبانوں سُریانی، عبرانی، ہندی، ترکی فارسی وغیرہ سیکھنے کی حرمت ہماری شریعت میں معروف نہیں۔جبکہ دوسری طرف ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ومن آياته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتكم﴾ [الروم:۔۲۲] '' السنة'' کی تفسیر'' لغات '' کے ساتھ کی گئی ہے۔بلکہ یہ بھی مباحات میں سے ہے۔کسی فائدہ کی غرض سے غیر مسلموں کی زبان سیکھنا نا صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ہاں کسی دوسری زبان کا بلاضرورت سیکھنا اگرچہ فی الجملہ مباح ہے مگر لایعنی اور لغو کام ہے اور ارباب کمال کے نزدیک فعل مذموم ہے۔الّا یہ کہ اس پر کوئی فائدہ مرتب ہوتا ہو' تو اس وقت یہ مستحب ہوگا' جیسا کہ حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے۔

قولہ: فکان اذا کتب الی یهود: یہاں ''کتب'' سے مراد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ یہودیوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرماتے' یا مطلب یہ ہے کہ جب یہودیوں کی طرف خط لکھنے کا حکم فرماتے۔**قولہ: واذا کتبوا الیه قرأت له:** ای لاَ جلہ اور ایک نسخہ میں (''لہ'' کے بجائے)''علیہ''۔ای عندہ ﷺ اور''کتاب''بمعنی''مکتوب'' ہے۔

مجلس میں آتے جاتے سلام

۴۶۶۰:وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَهٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ فَاِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/٣٨٦ الحديث رقم ٥٢٠٨' والترمذی فی ٥/٦٠ الحديث رقم ٢٧٠٦' وأحمد فی المسند ٢/٢٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں پہنچے تو پہلے وہ سلام کرے پھر مناسب سمجھے تو وہ بیٹھ جائے جب وہ کھڑا ہو یعنی لوٹنے لگے تو سلام کرے کیونکہ پہلا سلام کرنا دوسرے سلام کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: اس جملہ کی شرح دو طرح سے کی گئی ہے۔پہلا اسلام دوسرے سلام سے زیادہ حق دار نہیں ہے' دونوں سلام برحق ہیں اور ایسی سنت ہیں جو حسن معاشرت اور مکارم اخلاق کی نشانی ہے چونکہ جب کوئی شخص خاموشی کے ساتھ مجلس میں واپس لوٹتا ہے تو اہل مجلس بعض مرتبہ اس سے تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آخری سلام پہلے سلام سے اولیٰ ہے' چونکہ اس کے ترک میں بعض مرتبہ تسامح ہو جاتا ہے بخلاف دوسرے کے' کہ اس میں تسامح نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ اہل مجلس بھی مختصر ہوں۔اور پھر جب کہ سلام لقاء اہل مجلس کے حق میں دعائے سلامتی ہے اور خیر کی خبر ہے اسی طرح سلام مفارقت بھی ہے۔غرض یہ ہے کہ سلامتی کی ضرورت تو ہر وقت ہے لقاء کے وقت بھی ، مفارقت کے وقت بھی اور مفارقت کے بعد بھی۔اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو دوسرے سلام کے جواب پر دلالت کرتی ہو نافیاً یا اثباتاً۔(یعنی ایسی کوئی چیز اس حدیث میں نہیں ہے کہ جو اس کے وجوب کی نفی یا اثبات کرتی ہو۔)سلام ثانی کے جواب کے عدم وجوب کی تصریح ہم ماقبل میں اپنے بعض ائمہ کے حوالہ لے کر چکے ہیں۔اور ہم نے وہاں اس کی توجیہ بھی بیان کر دی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں اس حدیث کا ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مجلس سے واپس جانے کا ارادہ کرے تو اہل مجلس پر اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے۔قاضی حسین اور ابومتولی کا کہنا ہے کہ سلام مفارقت ایک دعا ہے،اس کا جواب،واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔چونکہ تحیہ لقاء کے وقت ہوتا ہے نہ کہ واپسی پر' شاشیؒ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سلام مفارقت بھی سلام لقاء کی

طرح مسنون ہے اور سلام مفارقت کا جواب سلام لقاء کی طرح واجب ہے۔اور یہی بات صحیح ہے اھ۔تحقیقی بات وہی ہے جوان حضرت (یعنی قاضی حسین اور ابومتولی) نے کہی ہے جو دقیق فرق کو واضح کررہی ہے۔

تخریج: وكذا أحمد وابن حباب والحاكم

کسی کا بوجھ اُٹھوانا بھی راستہ کا حق ہے

۴۶۶۱: وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاخَيْرَفِيْ جُلُوْسٍ فِي الطُّرُقَاتِ اِلاَّ لِمَنْ هَدَى السَّبِيْلَ وَرَدَّ التَّحِيَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَوَاَعَانَ عَلَى الْحُمُوْلَةِ۔

(رواه في شرح السنة وذكر حديث ابي جرى في باب فضل الصدقة شرح السنة)

أخرجه البغوي في شرح السنة ۱۲/ ۳۰۵ الحديث رقم ۳۳۳۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ سوائے اس شخص کے جوراستہ بتلائے۔سلام کا جواب دے نگاہ کو نیچا رکھے اور بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوائے۔اس روایت شرح السنۃ نے روایت کیا ہے اور ابی جیری کی روایت باب فضل الصدقہ میں نقل کردی گئی ہے۔

تشریح: حمولة: حاء کے ضمہ کے ساتھ ''حمل'' (حاء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی ''بوجھ'' کی) جمع ہے۔

مشکوۃ کے بعض نسخوں میں ''حمولة'' حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے،شارحین کا کہنا کہ ''حمولة''۔بفتح الحاء۔اس جانور کو کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا جائے۔اللہ جل شانہ کے اس فرمان: ﴿ومن الانعام حمولة وفرشا﴾[الانعام:۱٤۲] میں یہ اسی معنی میں ہے۔

عرض مرتب: اس حدیث کی مزید تشریح حدیث: ۴۶۴۰، ۴۶۴۱، ۴۶۴۲، ۴۶۴۳ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

قوله: وذكر حديث ابى جرى في باب فضل الصدقة:

أبی جری کی حدیث:

مصنف علیہ الرحمہ نے اُبی جری کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے یہ حدیث بہت طویل ہے،متعدد فوائد پر مشتمل ہے،لیکن اس میں صدقے کے بارے میں سرے سے کوئی بھی بات موجود نہیں ہے۔البتہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہمارے اس باب کے انتہائی مناسب ہے۔

حدیث ابی جری کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

أتيت المدينة فرأيت رجلا يصدر الناس عن رأيه، لا يقول شيئًا إلا صدروا عنه، قلت: من هذا؟ قالوا: هذا رسول الله ﷺ، فقلت: عليك السلام يا رسول الله مرتين، فقال: لا تقل عليك السلام، فإن ذلك تحية الموتى، قل السلام عليك۔ الخ

ہم اس حدیث پر تحقیقی کلام ماقبل میں کر چکے ہیں اگر وہ کلام دیکھنا چاہیں تو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

الفصل الثّالث:

آدم علیہ السلام کا فرشتوں کو سلام

۴۶۶۲:عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ يَاٰدَمُ اِذْهَبْ اِلٰى اُولٰئِكَ الْمَلَائِكَةِ اِلٰى مَلَاٍ مِّنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالُوْا عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيْكَ بَيْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللّٰهُ وَيَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اخْتَرْتُ يَمِيْنَ رَبِّيْ وَكِلْتَا يَدَيْ رَبِّيْ يَمِيْنٌ مُبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ وَذُرِّيَّتُهٗ فَقَالَ اَيْ رَبِّ مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ مَكْتُوْبٌ عُمْرُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَاِذَا فِيْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَءُ هُمْ اَوْمِنْ اَضْوَئِهِمْ قَالَ يَارَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُكَ دَاوٗدُ وَقَدْ كَتَبْتُ لَهٗ عُمْرَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ يَارَبِّ زِدْ فِيْ عُمْرِهٖ قَالَ ذٰلِكَ الَّذِيْ كَتَبْتُ لَهٗ قَالَ اَيْ رَبِّ فَاِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمْرِيْ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَذَاكَ قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا وَكَانَ اٰدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ قَالَ لَهٗ اٰدَمُ قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِيْ اَلْفُ سَنَةٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوٗدَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ قَالَ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ اُمِرَ بِالْكِتَابِ وَالشُّهُوْدِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٤٢٢ الحديث رقم ٣٣٦٨۔

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا اور ان میں روح ڈالی تو ان کو چھینک آئی ۔ جس پر انہوں نے الحمدللہ کہا۔ تو آدم علیہ السلام نے اللہ کی اجازت وتوفیق سے ان کی تعریف کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ (یرحمک اللہ) یعنی تم پر اللہ کی رحمتیں اتریں۔ پھر اللہ نے فرمایا: اے آدم فرشتوں کی اس جماعت کے پاس جاؤ جو وہاں بیٹھی ہے اور انہیں کہو۔ السلام علیکم ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام ان فرشتوں کے پاس گئے اور ان کو سلام کیا تو فرشتوں نے جواب میں کہا تم پر اللہ کا سلام اور اس کی رحمت ہو۔ پھر آدم علیہ السلام اپنی جگہ کی طرف لوٹ آئے۔ تو اللہ نے ان سے فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے۔ جو کہ آپس میں ایک دوسرے کو دو گے۔ پھر اللہ پاک نے فرمایا جب کہ آدم علیہ السلام کے دونوں ہاتھ بند تھے کہ ان دونوں ہاتھوں میں سے جس کو چاہو پسند کرلو۔ تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ میں نے اپنے پروردگار کے داہنے ہاتھ کو پسند کرلیا اور میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ سے اس ہاتھ کو کھولا تو آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ اس میں آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کی صورتیں ہیں ۔ انہوں نے پوچھا

اے پروردگار یہ کون ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ بھی دیکھا کہ ہر انسان کی عمر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی ہے۔ پھر ان کی نگاہ ایسے انسان پر پڑی جو سب سے زیادہ روشن تھا یا بہت روشنی والے لوگوں میں سے ایک تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے پروردگار! یہ کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے اور میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کیا اے پروردگار اس کی عمر میں اضافہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ چیز میں اس کے حق میں لکھ چکا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کیا یا اللہ اگر اس کی عمر لکھی جا چکی ہے تو میں اپنی عمر کے ساٹھ سال اس کو دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جانو اور تمہارا کام جناب رسول اللہ نے فرمایا آدم علیہ السلام جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جنت میں رہے پھر ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی عمر کے سالوں کو باقاعدہ گنتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی عمر ۹۴۰ سال کو پہنچی تو موت کا فرشتہ روح قبض کرنے کے لئے ان کے ہاں آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تم نے جلدی کی ہے میری عمر تو ایک ہزار سال مقرر کی گئی تھی۔ فرشتے نے کہا یہ درست ہے لیکن آپ سے اپنی عمر کے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام اس ممانعت کو بھول گئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درخت کے قریب جانے سے کی گئی تھی اور اس کی اولاد بھی بھول گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم دیا گیا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: عطس: طاء کے فتحہ وکسرہ کے ساتھ۔

فقال: الحمد الله: (یہاں ''أراد'' فعل مقدر ہے۔) **ای فأراد أن يقول الحمد الله**

إلى ملأ منهم: اس میں دو ترکیبی احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ بدل ہو، اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوگا اور ایک احتمال یہ ہے کہ حال ہو، تو ایسی صورت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے اس کا بدل کے مقابلہ میں حال واقع ہونا اقرب ہے۔ **أی: قال الله تعالیٰ أولئك مشيرا به إلى ملأ منهم۔**

جلوس: مجرور ہے، ''ملأ'' کی صفت ہے۔ نیز ''**جلوس**'' بمعنیٰ ''**جالسين**'' یا بمعنیٰ ''**ذوی جلوس**'' ہے۔

فقال: السلام عليكم: بعض نسخوں میں یہ جملہ بوجہ علم سابق کے، محذوف ہے۔

هذه: کا مشار الیہ کلمات مذکورہ یعنی ''السلام علیکم'' ہیں۔

تحيتك وتحية بنيك: اس میں تغلیب ہے۔ اور مراد ''**ذرية**'' ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ سلام سنت قدیمہ اور منت جیمہ ہے۔

قوله: فقال له الله ويداه مقبوضتان: جملہ حالیہ ہے، اور ضمیر لفظ جلالہ کی طرف عائد ہے۔

قوله: وكلتا يدى ربى يمين مباركة:

مباركة: صفت کاشفہ ہے۔ اس کلام میں دو احتمال ہیں، ممکن ہے کہ یہ کلام حضرت آدم علیہ السلام کا' اور امکان اس بات کا بھی ہے کہ یہ کلام سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ کا ہو۔ **قوله: فيها آدم وذريته:** تقدیری عبارت یوں ہے: **فاذا فيها موجود آدم وذريته** امام طیبیؒ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی کہ اس مٹھی میں حضرت آدم علیہ السلام کی اور ان کی اولاد کی شبیہ تھی جو عالم غیب میں تھی۔ **قوله: فقال ای**

رب ما هؤلاء: اس کے ظاہر سے لگتا ہے کہ یہ قضیہ میثاق سے پہلے کا ہے۔قوله: قال: هؤلاء دريتك: ان کا دائیں ہاتھ میں ہونا بظاہر یہ بتاتا ہے کہ اس ہاتھ میں صالحین اصحاب یمین ومقربین تھے‘اس پر اگلا جملہ: فاذا كل انسان مكتوب عمره بين عينه فاذا فيهم رجل أصو أهم'' دلالت کررہا ہے۔قوله: فاذا فيهم رجل أصواهم: یہ دلالت کررہا ہے کہ ان کے لئے نوروروشنی ہے‘لیکن ان کا نور‘ان کے نورایمان کے مطابق مختلف ہوگا۔

قوله: أو من أضوء هم: اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ باب استدراک سے ہو۔أي: بل من أضوأ هم، اورایک احتمال یہ ہے کہ راوی کو شک ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ راوی کا شک ہے۔اس تقریر پر'' من أضواء هم ''صفت ہے'' رجل '' کی، اور'' فيهم'' اس کی خبر ہے اور'' من هو '' کے اسقاط کی تقریر پر کلام مستانفہ ہے۔أي هو أضواء هم۔

عمر أربعين: ایک نسخہ میں عمره ہے، یعنی لفظ عمر کے بعد ضمیر بھی ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں: عمر أربعين: كتبت کا مفعول ہے اور أربعين منصوب على المصدريه (یعنی مفعول مطلق) ہے، أي: كتبت له أن يعمر أربعين سنة۔ذلك الذى كتبت له:

ذلك الذى، مبتدا خبر ہیں، اور دونوں چونکہ معرفہ ہیں لہٰذا مفید حصر ہیں۔أي: لا مزيد على ذلك ولا نقصان۔

أنت وذاك: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ جملہ اہل عرب کے قول: كل رجل وضيعته کے قبیل سے ہے۔أي: أنت مع مطلوبك مقرونان۔

وكان آدم: ایک صحیح نسخہ میں اس طرح ہے۔يومئذ أمر: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

بإذنه کے متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں: ① تيسيره وتوفيقه۔② بأمره وحكمه۔③ بقضائه وقدره۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: تخصیص بالحمد اللہ جل شانہ کی قدرت باہرہ اور نعمت ہائے ظاہرہ کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔چونکہ حمد کا مطلب ہے: ثناء على الجميل من الفضل والا فضال، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ جل شانہ نے انسان صحیح وتام پیدا کیا، چنانچہ ان کو چھینک آئی، یہ چھینک آنا صحت مزاج کی طرف اشعار ہے، لہٰذا اس پر حمد واجب ہے‘اور بلاشبہ وقوف علی قدرۃ اللہ اور اس کا فضل اللہ کی توفیق وتیسیر ہی کے ذریعہ ہے۔میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں: من جملہ توفیق وتیسیر کے اس کا حکم ہے، اور اس کا امر اس کی قضاء وقدر پر عمل ہے۔(امام طیبیؒ) فرماتے ہیں: فاء تعقيب میں اسی طرف اشارہ ہے۔ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کوئی بعید نہیں کہ تمام کی طرف اشارہ ہو جو وہاں مذکور ہے۔

قوله: فقال له ربه: يرحمك الله يا آدم:

یہ کلام تتمہ بھی ہوسکتا ہے اور مقدمہ بھی۔دوسرا زیادہ واضح ہے اور بظاہر یہ خطاب، سجود ملائکہ کے واقعہ کے بعد کا ہے۔جیسا کہ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے: ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ﴾ [الحجر: ۲۹] ''جب اسکو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔''

قوله: الى قوله: آدم اولئك الملائكة:

بظاہر ملائکہ مقربین کی جماعت مراد ہے، وہ فرشتے مراد ہیں جو ارباب یمین کی حسنات لکھنے پر مقرر ہیں۔

قوله: فقل السلام عليكم: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: جب اللہ جل شانہ نے اپنی نعم سابقہ پر قیام لشکر کی توفیق عطا فرمائی اور اپنی قدرت کاملہ سے آگاہی عنایت فرمائی تو ساتھ ہی ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ معاشرت کی کیفیت بھی بتادی تا کہ اللہ جل شانہ کی تعظیم کے بعد مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کر کے کامیابی حاصل کی جاسکے اور سلام کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ سلام مودتوں اور محبتوں کے دروازے کھولتا ہے اور مسلمان بھائیوں کی تالیف قلب کرتا ہے، اور یہی چیز استکمال ایمان تک لے جاتی ہے۔

قوله: ثم رجع إلى ربه: اور مطلب یہ ہے کہ اس جگہ واپس لوٹے کہ جہاں ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تھا، اور اسی جگہ واپس آنے میں دو باتیں پیش نظر تھیں:

①: تبرک و یمین کی تحصیل کیلئے۔ ②: عادۃً یوں ہی ہوتا ہے کہ ماٴ مور وہیں لوٹ کر جاتا ہے جس جگہ پر امر نے اپنا حکم صادر کیا ہوتا ہے، اور بیان حکمت کا منتظر ہوتا ہے۔

① **انه أراد باليدين صفتي الجلال والجمال، وان الجمال هو اليمين المطلق، وان كان ليمين المطلق وإن كان اليمين في الجلال أيضا قد تحقق۔** اس تاویل سے اللہ جل شانہ کے اس کلام: "**اختر شئت**" کے معنی بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔

② **قال الشيخ أبو بكر محمد بن الحسن بن فورك: واليدان إن حملنا على معنٰى القدرة والملك صح۔**

③ **وقال ايضا: وإن حملت على معنٰى النعمة والأثر الحسن صح، لأن ذلك مما حدث في ملكه بتقديره وعن ظهور نعمته على بعضهم** میں (ملا علی قاری کہتا ہوں فی نفسہٖ اس کلام کی صحت میں کوئی نہیں ہے' البتہ اس مقام پر اس منیٰ سے یہ معنی مراد لینا بسط کلام کا محتاج ہے تا کہ مقصود ظاہر ہو جائے اور مرام واضح ہو جائے۔

اس کے معنی کی حقیقت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب ہی عاجز ہیں۔ اس سلسلہ میں سلف کا مذہب یہی رہا ہے کہ وہ تشبیہ کی نفی کرتے رہے ہیں' تنزیہ کا اثبات کرتے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تفویض کو اختیار کیا ہے۔ اور یہی مذہب اسلم ہے۔ اور بعض متاخرین کا کلام بھی اس سلسلہ میں عنقریب آگے آرہا ہے ہمارے بعض مشائخ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ امور عارضیہ سے منزہ ہے' اس کے ساتھ ساتھ اللہ جل شانہ کی تجلیات صوریہ بھی ہیں۔ چنانچہ اس سے وہ بہت سے آشکالات زائل ہو جاتے ہیں جو اشکالات احادیث وآیات سے مفہوم ہونے والی صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس مقام کے قریب ترین تاویل وہ ہے جو سب سے پہلے ذکر کی گئی۔

کہا گیا ہے کہ ان الفاظ کا مقصد حق تعالیٰ کے جودوکرم اور احسان وانعام کی صفت کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کرنا ہے' چنانچہ اہل عرب جب کسی ایسے شخص کی توصیف کرنا چاہتے جو ایسا ہوتا تھا (یعنی بہت زیادہ نفع پہنچانے والا ہوتا) تو اس کے حق میں یہ کہتے کہ "**كلتا يديه يمين**"، یعنی اس شخص کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔

اور جس آدمی کا حصہ کم ہوتا اور گھٹیا ہوتا تو اس کے حق میں یہ کہتے: **جعل سهمه في الشمال۔** اور جب وہ آدمی ایسا ہوتا کہ نہ اس میں اجتلاب منفعت ہوتا اور نہ دفع مضرت تو کہتے: **ليس فلان باليمين ولا بالشمال۔**

جواب: جس طرح قوت وگرفت میں مخلوقات کا بایاں ہاتھ کمزور وناقص ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں کوئی کمزوری نہیں ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ یکساں زور وقوت رکھتے ہیں' اس اعتبار سے اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہوئے یہ بات اس طرح گویا سمجھانے کے

لئے بیان کی گئی ہے ورنہ اس عبارت کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی طرح کی کوئی کمزوری اور نقص نہیں ہے اور اس کی تمام صفات کامل ہیں۔

ویداہ مقبوضتان: اس جملہ کی مراد میں متعدد تاویلات کی گئی ہیں: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: "**و کلتا یدی ربی یمین**" بمنزلہ تتمیم کے ہے' اس وہم سے حفاظت کے لئے لایا گیا جو کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسمانی ہاتھ ہے میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں یہ غیر واضح ہے۔ بلکہ یہ کلام تذییل وتکمیل کے لئے ہے اور اس وہم سے بچانے کے لئے لایا گیا ہے جو حضرت آدم کے اس قول: اخترت یمین ربی' سے پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں میں سے ایک دایاں اور ایک بایاں پس ان میں سے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے زیادہ قوی یا زیادہ بابرکت ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کلام کے ذریعہ اللہ جل شانہ اس صفت کو ہمارے لئے کامل طور پر بیان فرمایا اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا: **اختر ابهما شئت** تو انہوں نے عرض کیا: **اخترت یمین ربی و کلتا یدی یمین** ۔اس سے مراد لسان شکر ونعمت تھی نا کہ لسان حکم اعتراف ملک' چنانچہ انہوں نے فضل ونعمت کا ذکر کیا چونکہ اللہ عزوجل جو بھی ظاہر فرماتا ہے وہ اس کا انعام وفضل ہے' پس ان کا قصد اس انعام واحسان پر شکر وتعظیم کا تھا۔

ابن فورکؒ فرماتے ہیں: ہمارے بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے "ید" ہاتھ کی صفت تو ثابت ہے لیکن جسمانی ہاتھ ثابت نہیں ہے' اور جسمانی ہاتھ ہوا کرتے ہیں دایاں اور بایاں اور دو ہاتھ ایسی ذات کے ہوتے ہیں جو متبعض ومتجزی وذی اعضاء ہو اور اللہ جل شانہ کا چونکہ ید جسمانی نہیں تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا دیا کہ اللہ کا ہاتھ تو ہے لیکن جسمانی ہاتھ نہیں ہے۔

ابن فورکؒ ایک اور حدیث کے تحت لکھتے ہیں: اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ساری زمین پر سے مٹی کے اجزاء جمع کر کے اپنے ہاتھ سے ان اجزاء کو مخلوط کرے۔ چنانچہ ہر طیب وجود اس کے داہنے ہاتھ سے نکلا، اور ہر خبیث اس فرشتہ کے بائیں ہاتھ سے نکلا، بس یہیں سے یمین وشمال کی تقسیم ہوگئی۔ چنانچہ اللہ جل شانہ کی طرف اس کی نسبت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ "آمر" تھا، یہ سب اسی کے حکم سے ہوا، فرشتہ کے دائیں ہاتھ سے ظہور پذیر ہونے کو اہل خیر کی علامت قرار دیا گیا اور فرشتہ کے بائیں ہاتھ سے ظہور پذیر ہونے کو اہل شر کی علامت قرار دیا گیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے قیامت کے دن ان کو "اصحاب یمین" اور "اصحاب شمال" کے نام سے پکارا جائے گا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں توفیق دینے والا اللہ ہی ہے' اصحاب بیان کے طریقہ پر اس مسئلہ کی تقریر یہ ہے کہ "ید" کا اطلاق کبھی "قدرت" پر ہوتا ہے، اور کبھی نعمت پر ہوتا ہے، یہ اطلاق السبب علی المسبّب کے قبیل سے ہے۔ چونکہ قدرت وطاقت "ید" سے صادر ہوتی ہیں، ان دونوں کا منشا یہی یعنی "ید" ہے۔ اور اسی طرح قدرت فعل کا منشأ ہے۔ اور فعل یا خیر ہے یا شر ہے یا ہدایت ہے یا ضلالت ہے۔ پس "یمین" عبارت ہے **خلقِ هدی و ایمان** سے۔ اس جملہ '**فإذا فیهم رجل أضوأهم**" میں صیغۂ افعل التفضیل کے ساتھ "کہ جو شرکت کا ہے" مقتضی اسی طرف اشارہ فرمایا اور "شمال" عبارت ہے اس کے برعکس (یعنی خلق ضلالت وکفر) سے۔

اور "**کلتا یدیه یمین**" کا مطلب یہ ہے کہ خلق خیر وشر اور ایمان وکفر' ان میں سے ہر ہر چیز اللہ کے عدل اور اس کی حکمت کے

پیش نظر ہے۔ چونکہ وہ عزیز ہے، وہ اپنی ملک میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اس تصرف میں اس کو کوئی مانع نہیں، کوئی منازع نہیں، وہ حکیم ہے اپنے لطف حکمت کے ذریعہ جانتا ہے جو اس کی مخلوق پر مخفی ہے، **يضل من يشاء ويهدى من يشاء وهو العزيز الحكم۔** جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت سے دیتا ہے وہ عزیز وحکیم ہے، لہٰذا ''یمین'' کے وہ معنی ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا:

إذا ما راية رفعت لمجد ☆ تلقاها عرابة باليمين

أى: بتدبيره الأحسن وتحريه الأصوب۔ اور جب ان دونوں (یعنی یمین وشمال) کو نعمت پر محمول کیا جائے تو ''یمین مبسوط'' عبارت ہوگا۔ **منح الالطاف' تيسير اليسرى على أهل السعادة من أصحاب اليمين** سے اور ''شمال مقبوض'' اس کے برعکس سے عبارت ہوگا اور ''**كلتا يديه يمين**'' کے معنی وہی ہیں جو ماقبل میں گزرا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [العنكبوت: ٦٢] ''خدا ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک خدا ہر چیز سے واقف ہے'' دونوں آیتوں کے فواصل یعنی عزیز وحکیم، اور ''**بكل شيء عليم**'' حدیث کے اس جملہ: ''**كلتا يديه يمين**'' کے معنی کی طرف مشیر ہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ [الأعراف: ٤٣] واللہ اعلم۔ (انتہی کلام الطیبی) ان کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ''یدین'' کنایہ ہیں صفات جمال وجلال کے آثار سے، یعنی ضیاء وظلمت، طاعت ومعصیت اور ان دونوں پر مرتب ہونے والی نار وجنت سے۔ پس مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا یہ صفت جلال کا اظہار تھا، اس میں کبریائی، اور اس جبروت کا اظہار تھا کہ جس کا منشأ صفت عدل ہے۔ پھر جس کیلئے چاہا اپنی صفت کمال جمال کا اظہار کیا، کہ جو صفت ''فضل'' سے ناشی تھی۔ اسی مفہوم کی طرف یہ حدیث مبارکہ اشارہ کر رہی ہے: **إن الله خلق الخلق فى ظلمة ثم رش عليهم من نوره، فمن أصاب من ذلك النور اهتدى، ومن أخطاه فقد ضل وغوىٰ۔**

اور یہ بات بالکل بے غبار ہے کہ مومنین، انبیاء ومرسلین کے نور میں مختلف مراتب ہیں۔

قوله: فيهم رجل أضوء هم أو من اضرأهم: حضرت داؤد کی وجہ تخصیص میں مختلف اقوال ہیں:

① وجہ تخصیص اللہ ہی جانتا ہے، ہم اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

② شاید اس وجہ سے ہو کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے انبیاء میں سے سب سے کم عمر پائی ہے۔

③ انبیاء میں سے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح حضرت داؤد علیہ السلام "**اكثر البكاء**"۔ ''زیادہ رونے والے'' تھے، چونکہ ان دونوں سے خطا صادر ہوئی۔

اشکال: ''جو سب سے زیادہ روشن تھا'' اس عبارت سے ذہن میں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس سے تمام انبیاء پر حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت لازم آتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک طرح کی امتیازی شکل وصورت میں ظاہر کیا تاکہ اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام ان کے بارے میں سوال کریں اور اس سوال پر وہ صورتِ حال مرتب ہو جو آگے پیش آئی، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دینا اور پھر ملک الموت کے آنے پر اس سے انکار کرنا۔

دوسرا جواب حضرت داؤد علیہ السلام کے روشن ترین ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تمام صفاتِ کمالیہ میں سب سے ترجیح رکھتے تھے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا مصلحت کے پیش نظر اس عالم میں حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شکل وصورت میں ایک طرح کی خاص نورانیت ودیعت فرمائی ہو اور بلکہ وہ اس عالم میں بھی اس نورانیت سے متصف رہے ہوں' چنانچہ پیغمبروں میں سے ہر ایک نبی ﷺ کسی نہ کسی خاص صفت سے موصوف رہا ہے اور اس صفت میں ان کو امتیازی شان وخصوصیت حاصل رہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محض اس خاص صفت کی بنا پر اس نبی علیہ السلام کو دیگر تمام انبیاء پر فضیلت وفوقیت کا درجہ حاصل ہو۔

تیسرا جواب: یہاں اہل زمانہ کی قید مقدر ہے۔ جیسا کہ ''**او من أضو الهم**'' اس پر دلالت کر رہا ہے۔

چوتھا جواب: امام طیبیؒ فرماتے ہیں **أضو أهم** کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے تمام انبیاء ضوء واشراق میں ان سے کم تھے، بلکہ اس جملہ سے ان کے فضل کا بیان ہے اور نبوت وملک کے جمع کی طرف اشارہ ہے' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نورِ عدل سے سرشار فرمایا، اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خلیفہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**إنا جعلناك خليفة في الأرض**﴾[ص:٢٦]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اگر یہی معنی مراد ہیں تو سلیمان علیہ السلام اس امر کے زیادہ لائق تھے، مزید یہ کہ ملک لذاتہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کیلئے وہاں خصوصی نور ہو، بلکہ اس کا ظلمانی حجاب ہوتا ہے جو صاحب حجاب کو (غالبًا) کمال نورانی سے مانع ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے انبیاء کے جنت میں چلے جانے کے پانچ سو سال بعد جنت میں داخل ہوں گے اور یہی معاملہ عبد الرحمٰن بن عوف کا ہے، کہ وہ اپنے مال کثیر کے سبب ''مَلکِ کبیر'' کے مشابہ ہیں وہ فقراء مہاجرین کے پانچ سو سال بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اولاً آدم علیہ السلام نے ''**ماهو لاء**'' فرمایا' چونکہ انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو پہچان نہیں پائے' پھر جب ان کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی ذریت ہے تو ان کو پہچان کر بولے کہ اے میرے رب یہ کون ہے؟۔ **قوله: قد كتبت له عمر أربعين سنة**: ایک نسخہ میں ''عمرہ'' اضافت کے ساتھ کہ ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''عمر اربعین'' مفعول ہے ''کتبت'' کا' مکتوب یہ تھا: **عمره أربعون سنة**' ''اربعین'' منصوب علی المصدر یہ ہے' تاویلی عبارت یوں ہوگی: **كتبت له أن يعمر أربعين سنة**۔

قال ذلك كتبت له: یعنی میری قدر وقضاء اس کے لئے یہی ہے' میری قضا کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں ''**ذلك**'' اور ''**الذى**''، متبدا خبر ہیں' دونوں معرفہ ہیں' پس مفید حصر ہیں۔ چنانچہ مطلب یہ ہوا: **لا مزيد على ذلك ولا نقصان**۔ اور اسی طرح ہوا کہ پہلے تو ساٹھ سال کی عمر دے دی اور پھر بعد میں رجوع کر لیا۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں لیکن مروی ہے کہ حضرت لاؤ کو وہ عمر دے گئی تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی عمر اللہ کے فضل سے پوری رہی اور یہ زیادہ واضح ہے' اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی استجابت دعا کا بھی پتہ چلتا ہے اور کبھی بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں اشارہ ہے: ﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ [فاطر:١١] اسی طرح بعض احادیث میں آتا ہے کہ صدقہ عمر میں اضافہ کرتا ہے۔

قوله: قال: اى ربى! فإنى قد جعلت له من عمرى ستين سنة بظاہر یہ دعا واستدعاء ہے کہ اے رب میری عمر میں سے ساٹھ سال ان کو دے دے' ورنہ تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ حدیثِ باب، باب الایمان بالقدر، میں موجود فصل ثالث کی حدیث: ۱۱۸ کے معارض ہے:

دونوں حدیثوں میں تطبیق یوں ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اولاً اپنی عمر میں سے ۴۰ سال حضرت داؤد علیہ

السلام کو دیئے اور پھر اس میں ۲۰ سال کا مزید اضافہ فرمادیا، یوں کل ساٹھ سال ہوگئے۔ اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہیں: ﴿وإذا واعدنا موسى أربعين ليلة﴾ [البقرة:٥١] ﴿وواعدنا موسى ثلاثين ليلة وأتممناها بعشرفتم ميقات ربه أربعين ليلة﴾ [الاعراف:١٤٢] اور کوئی بعید نہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام امتحان کے لئے کئی بار تشریف لائے ہوں مثلاً ان کے پاس اس وقت آئے ہوں کہ جب ان کی عمر ساٹھ سال باقی تھی، چنانچہ جب انکار کردیا تو واپس لوٹ آئے، اور پھر جب چالیس سال رہ گئے تو اس امید پر دوبارہ آئے کہ غور وفکر کے بعد ان کو اپنی کہی بات یاد آ گئی ہو، مگر انہیں وہ بات یاد نہ آئی چنانچہ دوبارہ انکار کردیا، وهذا أبلغ في باب النسيان والله المستعان۔

اور اظہر یہ ہے کہ راوی کو شک ہوا ہے، اور تردد ہوا ہے کہ چالیس کا عدد تھا یا ساٹھ کا تھا، چنانچہ کبھی ۴۰ کے عدد سے تعبیر کیا اور کبھی ساٹھ کے عدد سے، محدثین کے ہاں اس قسم کی صورتحال پیش آجاتی ہے، اور بعض محققین نے یہ جواب دیا ہے کہ جب تک امکان جمع ہو، حفاظ متقنین کی روایت کے بارے میں وہم یا غلط کی نسبت نہ کی جائے اور یہ بات: ''ساعات أيام عمر آدم كانت اطول من زمان واؤد''۔ صحت نقل پر موقوف ہے وگرنہ تو عقل اس کا انکار کرتی ہے۔

قوله: فجحد فجحدت ذريته: حضرت آدم علیہ السلام کا مذکورہ انکار بطریق نسیان تھا (یعنی انہیں یہ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ اپنی عمر میں سے ساٹھ سال داؤد علیہ السلام کو دے چکے ہیں اس لئے انہوں نے ملک الموت کے سامنے اس کا انکار کردیا۔) پس یہ اعتذار ہے چونکہ کسی بھی نبی سے یہ بات انتہائی مستبعد ہے کہ یاد ہونے کے باوجود کسی بات کا انکار کرے۔ پس امام طیبیؒ کا یہ کہنا کہ یہ آیت کریمہ: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ [طٰہٰ:١١٥] ''اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر وثبات نہ دیکھا'' اسی طرف اشارہ کر رہی ہے'' بے موقع محل ہے۔ چونکہ اس آیت کا تعلق اکل شجرہ کے واقعہ سے ہے۔

قوله: قال: انت وذاك: اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ اظہار براءت کے لئے ہو، اور اجابت کے لئے بھی ہوسکتا ہے امام طیبیؒ فرماتے ہیں۔ یہ جملہ عرب کے اس قول کی طرح ہے: كل رجل وضيعة أي انت مع مطلوبك مقرونان ''عجلت'': جیم کے کسرہ کے ساتھ۔

تخريج و توضح: امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں '' كتاب التفسير '' کے آخر میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث اس طریق سے ''حسن غریب'' ہے۔ ایک دوسرے طریق سے یہ روایت عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ مروی ہے۔ اھ۔

اور حدیث سابق کہ جن کو آغاز کتاب میں ذکر کیا ہے اس کو امام ترمذیؒ نے سورہ اعراف کے درمیان میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے: هذا حديث حسن صحيح، اور دوسرے طریق سے عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ۔ اھ۔ لہٰذا حدیث سابق ارجح ہے۔ نیز اس قصہ میں وارد تمام احادیث کے زیادہ موافق ہے۔ كما في الدر المنثور والجامع الكبير للسيوطيؒ والله سبحانه أعلم۔

اس شخص کی مدد کرے جو بوجھ لادے ہوئے ہے۔ اس کی مدد کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

① کسی شخص کا (سارا یا بعض) سامان اس کے بار برداری کے جانور کی پیٹھ پر لادنے میں مدد کرے یا خود لادے۔
② کسی شخص کا (سارا یا کچھ) سامان اپنے بار برداری کے جانور کی پیٹھ پر لادلے۔
③ کسی شخص کا (سارا یا کچھ) سامان اس کے سر پر، کاندھے پر، یا پیٹھ پر رکھنے میں مدد کردے یا خود لاددے۔
④ کسی شخص کا (سارا یا کچھ) سامان اپنے سر پر، کاندھے پر یا پیٹھ پر لادلے۔

عورتوں کو سلام آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خصوصیت

۴۶۶۳:وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا۔

(رواه ابو داؤد وابن ماجة والدارمی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۳۸۳ الحديث رقم ۵۲۰۴' وابن ماجه فی ۲/۱۲۲۰ الحديث رقم ۱۔۳۷' والدارمی فی ۲/۳۵۹ الحديث رقم ۲۶۳۷۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں کے پاس سے گزرے جب کہ ہمارے ساتھ اور عورتیں بھی بیٹھی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا۔ یہ ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:مر رسول الله ﷺ فی نسوة:

"فی نسوة" حال ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہے: حال كوننا مع جماعة كثيرة من النساء۔ امام طیبیؒ کا کہنا ہے کہ "فی نسوة" کا تعلق فاعل کے ساتھ نہیں ہے۔ وگرنہ تو لازم یہ آئے گا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔ بلکہ یہ جار مجرور کے متعلق ہے اور اس کا بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ عرب کے اس قول کے قبیل سے ہے: فی البيضة عشرون رطلا من حديد۔ یہ نفسِ مقدار ہے نا کہ ظرف۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح:

امام طیبیؒ نے فرمایا: اسماء بنت یزید کی روایت ماقبل میں گزر چکی ہے۔ جو فصل ثانی کی ساتویں حدیث تھی:

أن رسول الله ﷺ مر فی المسجد يوما وعصبة من النساء قعود الخ۔

امام طیبیؒ سے اس حوالہ میں ۳ تسامحات ہوئے ہیں:

اول: ماقبل کی مذکورہ روایت حضرت جریرؓ سے مروی ہے نہ کہ اسماء بنت یزید سے۔

ثانی: وہ روایت فصل ثانی کی ضرور تھی مگر پانچویں حدیث تھی نا کہ ساتویں۔

ثالث: اس روایت کے الفاظ یہ تھے: أن النبی ﷺ مرّ علی نسوة فسلم عليهن رواه احمد، نا کہ یہ تھے: أن رسول الله ﷺ مرّ فی المسجد يوما و عصبة من النساء قعود۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فقط سلام کے لئے بازار جاتے

۴۶۶۴: وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِىْ ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْ مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَّلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِىْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهٗ وَمَا تَصْنَعُ فِى السُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِىْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ قَالَ فَقَالَ لِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَا بَطْنٍ قَالَ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَابَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْ مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَا۔ (رواه مالك والبيهقى وفى شعب الايمان)

أخرجه مالك فى الموطأ ٢/ ٩٦١ الحديث رقم ٦ من باب السلام والبيهقى فى شعب الايمان ٦/ ٤٣٤ الحديث رقم ٨٧٩٠۔

ترجمہ: حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پھر صبح کے وقت اس کے ساتھ بازار جاتے۔ حضرت طفیل کہتے ہیں کہ ہم جب صبح کے وقت بازار جاتے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جس کسی سقاطی، بیع کرنے والے، مسکین اور جس کسی کے پاس سے گزرتے تو اسے سلام کرتے۔ حضرت طفیل کہتے ہیں کہ میں ایک دن ان کے پاس آیا اور وہ مجھے حسب معمول لے کر بازار جانے لگے تو میں نے کہا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے۔ آپ نہ تو کسی خرید وفروخت کی جگہ رکتے ہیں اور نہ فروخت ہونے والی چیز سے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ نہ مول تول کرتے اور نہ بازار کی کسی مجلس میں شرکت کرتے ہیں پس بازار جانے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر باتیں کریں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر مجھے کہا۔ اے بڑے پیٹ والے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم خرید وفروخت یا اور کسی غرض سے بازار جاتے ہیں بلکہ ہم سلام کی غرض سے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو سلام کرتے ہیں جو ہمیں ملتا ہے اور اس طرح ہم بازار جا کر ثواب حاصل کرتے ہیں۔ یہ مالک اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

راویٔ حدیث:

طفیل بن ابی۔ یہ طفیل ''ابی بن کعب انصاری'' کے بیٹے ہیں۔ تابعی ہیں۔ ''عزیز الحدیث'' ہیں۔ ان کی حدیث اہل حجاز میں شائع ہے۔ اپنے والد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوالطفیل نے روایت کی ہے۔

تشریح: لم یمر: راء مشدد ہے، اس پر ضمہ، فتحہ، کسرہ، ہر حرکت پڑھنا درست ہے۔

سقاط: سین کے فتحہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ۔ ردی سامان بیچنے والا' کباڑی۔

بیعة: باء موحدہ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔ باء کے فتحہ کے ساتھ بیان مرّۃ کیلئے ہے۔ باء کے کسرہ کے ساتھ بیان نوع وہیئت کیلئے ہے۔ امام طیبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ فتحہ کے ساتھ بمعنیٰ '' صفقه '' ہے اور کسرہ کے ساتھ بیان حالت کیلئے ہے جیسا کہ '' قعدة '' اور '' ركبة ''۔

''ولا مسكين'': (یہاں حرف جر محذوف ہے۔)ای ولا علی مسکین ''ولا علی أحد'': اس میں تعمیم بعد از تخصیص ہے۔الا سلم علیه: بظاہر ''سلم'' کی ضمیر کا مرجع ''ابن عمر'' ہیں اور اس کے برعکس کا احتمال بھی ہے۔(کہ ''سلم'' کی ضمیر سقاطی اور بائع وغیرہ کی طرف راجع ہو اور ''علیه'' کی ضمیر ابن عمر کی طرف راجع ہو۔) قوله: انما نغد و من أجل السلام: (یہاں مضاف مضاف الیہ کے درمیان ایک مضاف محذوف ہے۔) ای من أجل تحصیل السلام۔

قوله: ولاتسئل عن السلع: سین کے کسرہ، لام کے فتحہ کے ساتھ، سلعة کی جمع ہے۔(یہاں مضاف محذوف ہے۔)

ای ولا تسئل عن مکان السلعة۔

لقینا: قاف کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے اس کی تائید ایک نسخہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ''لقیناہ'' ہے۔اور ایک نسخہ میں یاء کے فتحہ کے ساتھ (لقینا) ہے۔اور ''ملاقات'' ظاہر ہے کہ طرفین سے ہوتی ہے۔

ما تصنع فی السوق: ''ما'' استفہامیہ ہے۔

قوله: وأنت لا تقف علی البیع ولا تسئل عن السلع ولا تسوم بها ولا تجلس فی مجلس السوق: یہ چاروں جملے حالیہ ہیں۔

قال: وکان الطفیل: ''قال'' کی ضمیر کا مرجع وہ راوی ہے جس نے حضرت طفیل سے یہ حدیث روایت کی ہے' اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا فاعل خود حضرت طفیلؓ ہوں۔اس جملہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ان کا لقب ''ذا بطن'' ان کے بڑے پیٹ کی وجہ سے پڑا تھا' کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ وہ بہت زیادہ کھاتے تھے اس لئے ان کا لقب یہ پڑا۔

نتحدثُ: رفع کے ساتھ ہے۔یعنی ہم آپ سے حدیث سنیں' یا ہم آپس میں امور دین یا دنیا کی اہم باتیں کریں ایک نسخہ میں مجزوم ہے، جواب امر ہونے کی وجہ سے۔

قوله: نسلم علی من لقینا: اس میں عموم ہے کہ خواہ ہم لوگوں کو سلام کریں' یا لوگوں کے سلام کا جواب دیں'۔

چونکہ سلام کرنے اور جواب دینے میں بہرحال فضیلت کاملہ ہے اس حدیث سے متعلقہ بعض امور باب کے شروع میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ جملہ مستانفہ مبینہ ہے۔

سلام میں بخل والا سب سے بڑا بخیل ہے

۴۶۶۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰى رَجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِيْ حَائِطِيْ عَذْقٌ وَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَانِيْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِيْ عَذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِيْ قَالَ لَا قَالَ فَبِعْنِيْهِ بِعَذْقٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ الَّذِيْ هُوَ اَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّا الَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ۔ (رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

أخرجه أحمد فی المسند ۳/۳۲۸ والبیهقی فی الشعب ۶/۴۳۰ الحدیث رقم ۸۷۷۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میرے باغ

میں فلاں شخص کا کھجور کا درخت ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اس شخص کے درخت کی وجہ سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی کو اس آدمی کے پاس بلانے کو بھیجا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا تم اپنا کھجور کا درخت میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس نے کہا میں فروخت نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اگر فروخت کرنے میں عار خیال کرتے ہو تو میرے نام ہبہ کر دو۔ اس نے کہا میں ہبہ بھی نہیں کرتا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اس کو تم میرے ہاتھ جنت کے درخت کے بدلے فروخت کر دو۔ اس نے کہا میں اس طرح بھی فروخت نہیں کرتا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ میں نے تم سے بڑا بخیل نہیں دیکھا سوائے اس شخص کے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے۔ یعنی سلام نہ کرنے والا تم سے بھی بڑا بخیل ہے۔ یہ بیہقی واحمد کی روایت ہے۔

سلام میں پہل والا تکبر سے بری ہے

۴۶۶۶: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبَرِ ۔

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه البيهقى فى الشعب ٦/٤٣٣ الحديث رقم ٨٧٨٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جناب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کی ہے۔ کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے۔ (بیہقی)

قوله: عن عبد الله: عبداللہ سے مراد ''عبداللہ بن مسعودؓ'' ہیں' چونکہ محدثین کے ہاں جب لفظ ''عبداللہ'' مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود ہوتے ہیں' اس لئے کہ وہ ''عبادلہ'' میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں' چونکہ آپؓ خلفائے اربعہ کے بعد ''**افقه الصحابة**'' میں سے ہیں۔

البادیء: ہمزہ کے ساتھ ہے بمعنی **مبتدی**،

بریء: بروزن فعیل، براءۃ سے مشتق ہے حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر کے علامت سے پاک ہے۔ پس سلام مؤمن کے سلامتی ہے۔ نیز اس پہل کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب سلام کرنے والا اور جس شخص کو سلام کیا جا رہا ہے ان دونوں کی حالت ایک ہو' مثلاً دونوں پیادہ ہوں یا دونوں سوار ہوں۔

تخریج: خطیب نے اس روایت کو جامع میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔ حلیہ کی روایت میں ''**بریء من الضرم**'' کے الفاظ ہیں۔ ''صرم' صاد کے ضمہ کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے: **الهجر و القطع** (قطع تعلقی کرنا)۔

امام احمد نے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ، ابوامامہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، ان کی ذکر کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں: **من بدأ بالسلام فهو أولىٰ بالله ورسوله**۔

بَابُ الْاِسْتِئْذَانِ

اجازت حاصل کرنے کا بیان

لفظ ''استئذان'' إذن سے ماخوذ ہے۔اس کے ہمزہ کو یاء سے بدل کر ''استیذان'' بھی پڑھا جاتا ہے۔''استئذان'' باب استفعال کا مصدر ہے۔سین برائے طلب ہے۔چنانچہ اس کا معنی ہیں: اجازت طلب کرنا۔

کسی دوسرے شخص کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کا حکم ہے۔اس حکم کی بنیاد قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النور: ۲۷] ''مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو''۔

عرضِ مرتب:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ......﴾ سے خطاب کیا گیا ہے جو مردوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں، جیسا کہ عام احکام قرآنیہ کے مخصوص مسائل اور عورتوں کے مخصوص مسائل کی شریعت مطہرہ نے نشاندہی بھی کی ہے۔

استیذان کے حکم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے شامل ہونے کے مسئلہ میں قرآن و حدیث کے متعدد دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ صحابیات کا معمول تھا کہ کسی کے گھر جانے سے قبل استیذان کرتی تھیں۔ واضح رہے کہ استیذان کا حکم عام ہے۔اس حکم میں مرد، عورت، محرم، غیر محرم کے پاس جائے، جانے سے پہلے استیذان کرنا واجب ہے۔

کوئی شخص اگر اپنی ماں، بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے، خواہ ایک گھر میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں، استیذان کرنا چاہیے۔

جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ یہ بات مستحب و مسنون ہے کہ وہاں بھی بغیر کسی اطلاع کے اندر اچانک نہ جائے، بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے کسی طرح پہلے باخبر کر کے پھر داخل ہو۔ (انتھی)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں استذان کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ اس مسئلہ میں قرآن وسنت کے بہت سے دلائل دلالت کرتے ہیں۔افضل یہ ہے کہ سلام اور طلب اجازت ساتھ ساتھ ہو، بایں طور کہ دروازہ پر دستک دے دی جائے اور ساتھ ہی نام بتلا دے کہ میں فلاں ہوں۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ پہلے سلام کرنا مستحب ہے یا اجازت طلب کرنا۔ صحیح بات یہی ہے کہ پہلے سلام کرے۔ ماوردیؒ سے منقول ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی فرد پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے اور پھر اجازت طلب کرے۔ ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے۔ مگر یہ طریقہ اس حدیث کے مخالف ہے: السلام قبل الکلام۔

الفصل الثالث:

تین مرتبہ سلام کا جواب نہ آئے تو واپس لوٹ آؤ

۴۶۶۷: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْمُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهُ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّی اَتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلٰثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُّ۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۲۶/۱۱ الحدیث رقم ۶۲۴۵، ومسلم فی ۱۶۹۴/۳ الحدیث رقم ۲۱۵۳، وأبو داوٗد فی السنن ۳۷۱/۵ الحدیث رقم ۵۱۸۱، والترمذی فی السنن ۵۱/۵ الحدیث رقم ۲۶۹۰، وابن ماجه فی ۱۲۲۱/۲ الحدیث رقم ۳۷۰۶، والدارمی فی ۳۵۵/۲ الحدیث رقم ۲۶۲۹، ومالك فی الموطأ ۹۶۴/۲ الحدیث رقم ۳، وأحمد فی المسند ۴۰۳/۴۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہمارے ہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت عمر نے کسی آدمی کے ذریعہ مجھے بلایا تو جب میں طلب کے مطابق ان کے دروازہ پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت کے لئے تین مرتبہ سلام کیا تو مجھے سلام کا جواب نہ ملا چنانچہ میں لوٹ آیا۔ پھر (بعد میں) ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا میرے ہاں آنے سے کون سی چیز تمہارے لیے رکاوٹ تھی۔ تو میں نے کہا میں آپ کی خدمت میں آیا تھا اور دروازے پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا مگر آپ کی طرف سے اس کا جواب نہ ملا اور نہ آپ کے کسی خادم کی طرف سے۔ اس لئے میں واپس لوٹ آیا کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ بات فرمائی تھی کہ جب تم سے کوئی شخص (کسی کے ہاں جائے تو دروازے پر کھڑے ہو کر) تین مرتبہ اجازت کا طلبگار ہو۔ اگر اسے اجازت نہ ملے تو مناسب ہے کہ واپس لوٹ جائے۔ تو انہوں نے میری بات سن کر فرمایا اس روایت کے گواہ لاؤ (کہ کیا واقعی یہ آپ کا ارشاد مبارک ہے) حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ہولیا اور حضرت عمرؓ کے ہاں گواہی دی۔

تشریح: قال إن عمر أرسل الیّ أن آتیه......: یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ آنے کی علت کا بیان ہے۔ ("أن آتیه" سے پہلے حرف جر مقدر ہے۔) ای بأن أجیئه۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا واپس لوٹ آنا بظاہر اس ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل میں تھا: ﴿وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ [النور:۲۸] ''اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے'' ایسے موقع پر مخاطب کا سکوت اعراض کی دلیل ہے اور اعراض گویا کہ واپس

لوٹ جانے کا حکم ہے۔

فقلت إني أتيت: ''ان'' میں ہمزہ کو مکسور و مفتوح دونوں پڑھا گیا ہے۔

کسرہ پڑھنا زیادہ واضح ہے دو وجوہ سے: ۱- یہ جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے۔ ۲- مقولہ جملہ ہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قول کے بعد ہمیشہ ''ان'' مکسورہ ہی آتا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فتحہ پڑھنا واضح ہے۔ تا کہ سوال کے ساتھ مطابقت رہے۔ چونکہ سوال میں مانع پوچھا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جواب میں مانع مذکور ہو اور یوں کہا جائے: **إن المانع إتياني و تسليمي**۔ کسرہ پڑھنے کی صورت میں مانع پر دلالت بطریق مفہوم کے ہوگی۔

''**فسلمت على بابك**'': جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔ ای **فسلمت عليك حال كوني واقفا على بابك**۔

وقد قال رسول الله ﷺ: یہ جملہ حالیہ ہے یا مستانفہ ہے۔ ایک نسخہ میں ''**وقد قال**'' کے بعد ''**لي**'' بھی ہے۔

تین بار سلام کرنے کی وجہ:

دروازے پر کھڑے ہو کر تین بار سلام اس لئے کرنا چاہیے:

پہلا سلام تعارف کیلئے ہوگا۔ یعنی اہل خانہ سلام سن کر اس شخص کو پہچانیں گے کہ کون شخص ہے۔

دوسرا سلام تأمل کیلئے ہوگا۔ یعنی وہ یہ سوچیں گے کہ اس شخص کو اندر آنے کی اجازت دی جائے یا نہیں۔

تیسرا سلام اجازت طلب کرنے کیلئے ہوگا۔ یعنی تیسرا سلام سننے کے بعد اندر آنے کی اجازت دینا چاہیں گے تو دے دیں گے ورنہ نہیں۔

دوبارہ، سہ بارہ استیذان کرنا سنت ہے۔ اگر تیسری بار جواب نہ آئے تو اس کا حکم وہی ہے جو ﴿**ارجعوا**﴾ کا ہے۔ یعنی لوٹ جانا چاہیے۔ کیونکہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہو جاتا ہے کہ آواز سن لی ہے مگر یا تو مخاطب ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً نماز پڑھ رہا ہے یا بیت الخلاء میں ہے یا غسل کر رہا ہے، یا وہ اس وقت ملنا نہیں چاہتا۔ اس موقع پر اس کا سکوت گویا کہ حکم ہے کہ واپس لوٹ جائیں۔ مزید دستک دینا وہیں جمے رہنا بھی موجب ایذاء ہے۔ اور ایذاء سے بچنا واجب ہے حالانکہ استیذان کی اصل غرض ایذاء سے بچانا ہے۔

اگر مخاطب کہہ دیتا ہے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو مخاطب کو معذور سمجھیں، خوش دلی کے ساتھ واپس لوٹ جائیں، بُرا مت مانیں۔ کیونکہ ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے باہر نہیں آ سکتا، نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے، تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہیے: ﴿**وان قيل لكم ارجعوا فارجعوا**﴾ [النور: ۲۸] مگر دوسری طرف ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إن لزورك عليك حقا**۔ یعنی جو شخص آپ سے ملاقات کیلئے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے۔ یعنی اس کا یہ حق ہے کہ اس کو اپنے پاس بلائیں۔ یا باہر آ کر ملیں، اس کا اکرام کریں، بات سنیں بغیر کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کریں۔

قوله: فقال عمر: أقم عليه البينة:

خبر واحد کے قبول کا مسئلہ:

یہاں ''البیّنة'' سے مراد ''تمام بینہ'' یعنی گواہ مراد ہے۔ اگر چہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو، اور یہ حکم اس بات کے پیش نظر دیا تا کہ وثوق بڑھ جائے، دو علم، ایک علم سے بہتر ہیں۔ پس حکم کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان صحابی کا صدق ان کے نزدیک مشکوک تھا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ خبر واحد حجت نہیں۔ اور اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ ان حضرات کا اس حدیث سے استدلال کرنا باطل ہے۔ چونکہ خبر واحد کے حجت ہونے پر اجماع ہے۔ اور حجیت کے دلائل اتنے زیادہ ہیں کہ شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ حضرت عمر کا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بینہ کا مطالبہ کرنا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ خبر واحد کو ''من حیث خبر واحد'' مردود سمجھتے تھے۔ وہ محض احتیاط کے طور پر تھا کہ لوگ کہیں جھوٹی حدیثیں سنانا نہ شروع کر دیں، جیسا کہ بدعتی اور کذاب لوگ کیا کرتے ہیں، خاص طور پر وہ لوگ جو من گھڑت احادیث حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا چاہیں، ان کو اتنی جرأت نہ ہو سکے۔ لہٰذا حضرت عمر کا ایسا کرنا سدّ ذرائع کے طور پر تھا۔ اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں کسی قسم کا شک تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی شان اس بات سے بدر جہا بلند و بالا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف من گھڑت بات منسوب کریں۔ مذکورہ بالا بات کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک اور آدمی سے بھی حدیث سننا چاہی تا کہ وہ حدیث پر عمل کر سکیں اور یہ بات معلوم ہے کہ دو آدمیوں کی خبر بھی خبر واحد ہی ہوتی ہے، حتی کہ تواتر کو پہنچ جائے، چونکہ جب تک خبر تواتر کی حد کو نہ پہنچے خبر واحد ہی رہتی ہے۔

تخریج: مندرجہ بالا حدیث کا مرفوع ٹکڑا، امام مالک، احمد، شیخین اور ابوداؤد نے ابوموسیٰ اور ابوسعید سے اکھٹے نقل کیا ہے۔ جبکہ طبرانی اور ضیاء نے جندب بجلی سے نقل کیا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خصوصی اجازت

۴۶۶۸: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَيَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْتَمِعَ سِوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاكَ. (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ۱۷۰۸/٤ الحديث رقم ۲۱۶۹، وابن ماجه في السنن ۱۲۲۱/۲ الحديث رقم ۳۷۰۹، وأحمد في المسند ۳۸۸/۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے اجازت ہے کہ تم پردہ ہٹاؤ اور میری باتیں اس وقت تک سنو جب تک کہ میں تمہیں منع نہ کر دوں۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: إذنك: ہمزہ کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ، مصابیح کے ایک شارح نے بصیغۂ مضارع ''اذنك'' ہمزہ کے مد اور ذال کے فتحہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی میں تمہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دیتا ہوں کہ تم پردہ اٹھاؤ۔ یعنی جب تم میرے پاس آنا چاہو تو تمہیں مجھ سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ میں تمہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دیتا ہوں اور تم پردہ اٹھا لینا۔

وأن تستمع: اور ایک صحیح نسخہ میں ''وأن تسمع'' ہے۔ سوادی: سین کے کسرہ کے ساتھ۔ اسی ''سراری'' کہا جاتا ہے:

ساود مساودة أى سارر ته،

''سوار'' کو ''سواد'' کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ دو سواد قریب قریب ہوتے ہیں، یعنی سرگوشی کرنے والے دونوں فرد۔اھ۔صاحب نہایہ کی عبارت سے مفہوم یہی ہوتا ہے۔

قوله: إذنك على أن ترفع الحجاب: (یہاں مضاف محذوف ہے) ای علامة اذنك" إذن": مبتدا ہے، ''أن ترفع الحجاب'': مصدر کی تأویل (رفعك الحجاب) میں ہو کر خبر ہے۔ معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے: علامة اذنك على بالدخول رفعك الحجاب۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: '' إذنك'' مبتدا، جار مجرور عليّ، إذنك (مصدر) کے متعلق ہے اور ''أن ترفع الحجاب'' خبر۔ اور بعد والے جملے ''أن تستمع'' کا عطف ''أن ترفع'' پر ہو رہا ہے۔ یعنی اذنك الجمع بين رفعك الحجاب وبين معرفتك اياى فى الدار لو كنت مساراً لغيرى' هذا شأنك متمر فى جميع الأحيان الا أن أنهاك۔ یہ حدیث حضرت حضرت عبداللہ بن مسعود کے شرف وفضل کی دلیل ہے' اور یہ کہ ان کی حیثیت بمنزلہ اہل بیت اور ہمراز تھی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو حضور ﷺ کے گھر میں ہر وقت داخل ہونے کی اجازت تھی' حتی کہ حضور ﷺ کی نساء محارم کے پاس جانے کی اجازت ہو۔

فائدہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استیذان کے مسئلہ میں علامت پر اعتماد کرنا درست ہے۔ لہٰذا قاضی، امیر یا کوئی اور شخص، اپنے دروازے پر پڑے ہوئے پردے کو یا کسی اور چیز کو عام لوگوں یا مخصوص افراد، یا کسی خاص فرد یا پڑوسی وغیرہ کیلئے استیذان کی علامت قرار دیتا ہے تو درست ہے۔ اس علامت پر اعتماد کرتے ہوئے ان لوگوں کے پاس جانا مزید کسی استیذان کے بغیر درست ہے (انتہا)۔

عرض مرتب: مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' حصہ ششم سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کیلئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں تو اس کی پابندی شرعاً واجب ہے۔ مثلاً ریلوے سٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ ایروڈرم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو، وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

اسی طرح مساجد، مدارس، خانقاہوں، ہسپتالوں میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کیلئے مخصوص ہوں، جیسے مساجد، مدارس وخانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے، ایروڈرم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ ''بیوت غیر مسکونہ'' کے حکم میں نہیں ہیں' بلکہ ''مسکونہ'' کے حکم میں ہیں وہاں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔اھ۔

① جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر دستک دیتے تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازے پر دستک دیتے تھے، تاکہ آنحضرت ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔

② دستک دے تو اتنی زور سے نہ دے کہ جس سے سننے والا گھبرا اُٹھے، بلکہ درمیانہ انداز سے دے جس سے اندر تک آواز تو چلی جائے لیکن کوئی سختی ظاہر نہ ہو۔

③ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی جائے تو اپنا نام ظاہر کیا جائے، اگر نام کے ساتھ مزید وضاحت کی ضرورت سمجھے تو وہ بھی

کردے۔

④ استیذان کا یہ طریقہ بہت ہی برا ہے جو آج کل کے بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی۔ جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ تو خاموش کھڑے ہیں۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذاء رسانی کا بدترین طریقہ ہے۔ اس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

⑤ صاحب خانہ کے پوچھنے پر کہ کون صاحب ہیں؟ یہ کہہ دینا کہ ''میں ہوں'' یہ مخاطب کی بات کا جواب نہیں ہے۔ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے گا نہیں تو اجازت کیسے دے گا۔ مزید یہ کہ صاحب خانہ کو تشویش بھی ہوگی، اور تشویش سے مخاطب کو بچانا چاہئے۔

⑥ صاحب خانہ کے پوچھنے پر کہ کون صاحب ہیں؟ یہ کہہ دینا کہ میں ہوں، صرف اسی صورت میں درست ہے کہ جب صاحب خانہ آپ کو پہلے سے جانتے ہوں، اور آپ کے ''میں ہوں'' کہنے پر آواز سے بھی یقیناً پہچان لیتے ہوں۔

کس کے سوال پر نام بتلایا جائے

۴۶۶۹: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا۔ (متفق علیه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۳۵ الحديث رقم ۶۲۵۰، ومسلم فی ۳/۱۶۹۷ الحديث رقم ۲۱۵۵، وأبو داؤد فی السنن ۵/۳۷٤ الحديث رقم ۵۱۸۷، والترمذی فی ۵/۶۲ الحديث رقم ۲۷۱۱، والدارمی فی ۲/۳۵۶ الحديث رقم ۲۶۳۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک قرض کے سلسلہ میں حاضر ہوا جو میرے والد کے ذمہ تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم انا، انا کہتے ہو۔ یہ اس انداز سے آپ ﷺ نے فرمایا گویا یہ آپ کو ناگوار گزرا۔

تشریح: فقال: من ذا؟ قلت أنا: اور ایک صحیح نسخہ میں ''فقلت أنا'' ہے۔ ''أنا'': کا الف حالت وقف میں پڑھا جائے گا اور حالت وصل میں حذف کیا جائے گا۔

فائدہ: حضرت جابرؓ کے والد کے قرضہ سے متعلقہ حدیث ''باب المعجزات'' کی فصل اول میں آئے گی۔

قوله: فقال أنا أنا: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: (تقدیری عبارت یوں ہے:) ای قولك أنا مكروه فلا تعد۔ دوسرا ''أنا تاکید کے لئے ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ناگواری کا سبب:

أنا کے تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کے جواب کو پسند نہیں کیا۔ لہٰذا حضرت جابرؓ کو اس

طرح جواب دینے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اگر وہ یہ کہہ دیتے ''أنا جابر'' تو آپ ﷺ کو ناگوار نہ گزرتا۔

قولہ: کانہ کرھھا:

یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابر بن عبداللہ کے ''أنا أنا'' کہنے کو پسند نہیں فرمایا، چونکہ حضرت جابر بن عبداللہ نے دستک تو دی مگر سلام استیذان نہیں کیا۔ (برماوی) علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا ''من ذا'' ارشاد فرمانا استکشاف ابہام کیلئے تھا، مگر حضرت جابر بن عبداللہ کا ''أنا أنا'' کہنا اس موقع پر رافع ابہام نہ تھا۔ چونکہ مشاہدہ کے وقت تو یہ بیان بن سکتا ہے' عدم مشاہدہ کے وقت بیان نہیں بن سکتا۔ انہیں جواب میں '' جابر'' یا ''أنا جابر'' کہنا چاہئے تھا۔ چونکہ ''أنا'' سے یہ پتہ چلتا کہ نو وارد کون ہے؟۔

مزید یہ کہ ''أنا أنا'' کہنے سے اگر اہل خانہ نو وارد کو پہچان سکتے ہوں تو ''أنا'' کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اگر حضرت جابر بن عبداللہ کو ان کے ''أنا أنا'' کہنے سے پہچان لیتے تو اظہار ناپسندیدگی نہ فرماتے۔ چونکہ مقصود تو حاصل تھا۔

اس موقع پر اپنا نام ظاہر کرنے میں ایک قسم کی تعظیم ہے۔ للہذا ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کے جواب میں ایسی بات مناسب نہیں سمجھی جو تواضع سے خالی ہو۔ اھ۔ بات یہ ہے کہ اگر وہ ''انا جابر'' کہہ دیتے تو نبیؐ اس کو ناپسند نہ فرماتے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اس کو ناپسند اس لئے فرمایا کہ ''انا'' سے ابہام زائل نہیں ہوتا بلکہ ضروری تھا کہ وہ اپنا نام بتاتے' اگر وہ ''انا جابر'' کہہ دیتے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ جیسا کہ ام ہانی نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تھی' کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: من هذه؟ تو انہوں نے جواباً عرض کیا تھا: أنا هانی اور اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنے نام کے ساتھ ایسا کوئی لفظ لگا دے جس سے اس کی پہچان ہو جائے' جب اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو' اگر اس لفظ سے تجلیل و تعظیم کی صورت ہی کیوں نہ ہو' مثلاً اپنی کنیت بتا دے' یا یوں کہہ دے کہ میں فلاں مفتی ہوں' یا قاضی یا شیخ ہوں۔ اھ۔ اور حاصل یہ ہے کہ مقصود و معرفت ہے' تاکہ پہچان کر آنے یا نہ آنے کی اجازت دی جا سکے۔

اصحابِ صفہ اور دودھ کا پیالہ

۴۶۷۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِیْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَاهِرٍّ اِلْحَقْ بِاَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَیَّ فَاَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاذَنُوْا فَاَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۳۱/۱۱ الحديث رقم ۶۲۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (آپ ﷺ کے گھر میں) داخل ہوا آپ ﷺ نے دودھ کا ایک پیالہ پایا تو فرمایا۔ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اہل صفہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ چنانچہ میں ان کو بلا لایا۔ انہوں نے اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دی گئی پس وہ داخل ہوئے (اور بیٹھ گئے)۔

تشریح: قولہ: فوجد لبنا فی قدح: ممکن ہے کہ تنوین تعظیم کے لئے ہو۔ فقال: أباهر: حرف نداء محذوف ہے۔ اور ''هر'' سے مراد جنس ہے' للہذا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ان کی کنیت ابو ہریرہ تھی۔

قوله:الحق بأهل الصفة:

''الحق'': کا ہمزہ وصلی ہے اور حاء پر فتحہ ہے ای ادھب مستعجلا۔

''بأهل الصفة'': کی ''با'' برائے تعدیہ ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں:'' اھل صفه'' ان فقراء محتاج کمزور مہاجرین وانصار کا ایک گروہ تھا جو ''صفہ'' پر جمع ہو گئے تھے۔ان کا ذکر ابونعیم اصفہانی نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں کیا ہے۔

قوله:فأقبلوا فاستأ ذنوا 'فأذن لهم:

دعوت والے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان:

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی دعوت (ولیمہ وغیرہ) پر اس کے گھر جائے تو اس کو بھی چاہئے کہ وہ دروازے پر آ کر پہلے اجازت طلب کرے، اجازت ملنے پر گھر میں داخل ہو۔اس حدیث کا حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث:'' إذا دعی أحدكم وجاء مع الرسول، فإن ذلك له أذن ''سے تعارض ہے۔اس تعارض کی وضاحت ان شاء اللہ، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے تحت آئے گی۔

الفصل الثالث:

سلام کے بغیر داخل ہونے والے کے سلام کا طریقہ

۴۶۷۱:وَعَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ ابْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْجِدَايَةٍ وَضُغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ۔ (رواه الترمذی وابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٣٦٩ الحديث رقم ٥١٧٦، والترمذی فی ٥/٦١ الحديث رقم ٢٧١٠، وأحمد فی المسند ٣/٤١٤۔

ترجمه:حضرت کلدہ بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن امیہ نے میرے ہاتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے کچھ دودھ' ایک ہرن کا بچہ اور کچھ ککڑیاں بھیجیں۔اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ مکہ کی بالائی جانب قیام پذیر تھے۔ کلدہ کہتے ہیں کہ میں بلا اجازت ہی آپ کی خدمت میں پہنچ گیا اور آپ ﷺ کی قیام گاہ میں داخلے کے وقت نہ سلام کیا نہ داخلے کی اجازت مانگی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا یہاں سے نکل کر دروازے کے باہر جاؤ اور وہاں کھڑے ہو کر السلام علیکم اور یہ کہو کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ یہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''جداية'':صاحب النہایہ اور دیگر شراح کا کہنا ہے کہ ''جداية''۔جیم کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔ ہرن کا چھ، سات ماہ کا بچہ جو توانا ہو گیا ہو، نر اور مادہ دونوں کیلئے یہی لفظ مستعمل ہے۔اس کی جمع ''جدايا'' آتی ہے۔بکری کے ایک سال کے بچہ کو ''جدی'' کہتے ہیں۔

''ضغا بیس'': جمع ہے 'ضغبوس'' کی۔ضاد کے فتحہ ،غین معجمہ کے سکون کے ساتھ۔چھوٹی ککڑیاں۔

أأدخل: کومندرجہ ذیل طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے:

① دونوں ہمزوں کو تحقیق کے ساتھ۔

② پہلے ہمزہ کو تحقیق اور دوسرے ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ۔

③ پہلے ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر۔

قوله: والنبی ﷺ بأعلی الوادی: '' ھو ''ضمیر کی جگہ اسم ظاہر'' النبی ''لانے میں وصف نبوت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔

قاصد کے ساتھ آنا خود اجازت ہے

۴۶۷۲: وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَجَاءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَہٗ اِذْنٌ (رواہ ابوداؤد وفی روایۃ لہ قال رسول اللّٰہ) اَلرَّسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُہٗ۔

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۳۷۶/۵ الحدیث رقم ۵۱۹۰، وأحمد فی المسند ۵۳۳/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو یہی اس کے لیے اجازت ہے۔ابوداؤد نے اس کو روایت کیا اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں آدمی کا کسی کے پاس قاصد بھیجنا اس آدمی کے لئے اجازت ہے۔

تشریح: دعی: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا آدمی بھیج کر کسی کو اپنے گھر بلائے اور وہ بلانے والے کے ساتھ ہی چلا آئے تو اس صورت میں اس کو استیذان کی ضرورت نہیں۔اور اگر اہل بیت سے اس سلسلہ میں کوئی تقصیر واقع ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔

تعارض:

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعو کو داعی کے ہمراہ دعوت والے گھر میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں۔

ماقبل کی حدیث ابو ہریرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعو اگر داعی کے ہمراہ دعوت والے گھر میں جائے تو استیذان کرے۔

دفع تعارض:

اس تعارض کے پانچ جواب ہیں:

① مدعوین (یعنی اصحاب صفہؓ) داعی (یعنی حضرت ابو ہریرہ) کے ہمراہ دعوت والے گھر میں نہیں گئے تھے بلکہ بعد میں گئے تھے،لہٰذا استیذان ضروری تھا۔

② مدعوین گئے تو داعی کے ہمراہ تھے،مگر غایت ادب وحیاء کے باعث استیذان کیا۔

③ مدعوین کو وہاں کوئی ایسی بات محسوس ہوئی ہوگی کہ جس کے باعث انہوں نے استیذان کو ضروری سمجھا۔
④ مدعوین کو حدیث بالا نہیں پہنچی ہوگی۔
⑤ اصحاب صفہ کا یہ واقعہ، مذکورہ بالا حکم شرعی سے پہلے کا ہے۔

تخریج: وکذ البخاری فی تاریخه والبیهقی فی شعبه۔

دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوں

۴۶۷۳: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوِالْاَيْسَرِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ اِنَّ الدُّوْرَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ۔

(رواه ابوداؤد وذكر حديث انس قال عليه الصلاة والسلام عليكم ورحمة الله في باب الضيافة)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/٣٧٤ الحديث رقم ٥١٨٧ وأحمد في المسند ٤/١٩٠ ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا طریق مبارک یہ تھا کہ جب کسی کے گھر جانے کے لئے اس گھر کے دروازہ پر پہنچتے تو دروازہ کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوتے تا کہ گھر والوں پر نگاہ نہ پڑے اور دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے اور پھر کہتے السلام علیکم۔ راوی کہتے ہیں دائیں بائیں کھڑے ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں گھروں کے دروازوں پر پردے نہ ہوتے تھے۔ یہ ابو داؤد کی روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت باب الضیافۃ میں گزری جس کی ابتداء اس طرح ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

تشریح: ''الدور'': دال کے ضمہ اور واؤ کے ساتھ۔ ''دار'' (گھر) کی جمع ہے۔

''ستورہ'' ستر سین کے کسرہ کے ساتھ بمعنی حجاب، کی جمع ہے۔

''إن الدور'' اور ایک نسخہ میں ''لأن الدور'' ہے۔

قولہ: فيقول السلام عليكم السلام عليكم: ایک سے زائد بار سلام کرنے کی حکمت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

واضح رہے کہ دوبار السلام علیکم کہنے کا ذکر ہے، اس سے تعداد مراد ہے، دوبار پر اکتفاء مراد نہیں۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام ایسے موقع پر تین بار سلام فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مَسْئَلَہ: اگر دروازے کے کواڑ ہوں، یا اس پر پردہ پڑا ہوا ہو تو دروازے کے سامنے کھڑا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اصل سنت:

اصل سنت کی رعایت کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں بھی دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہو، دائیں یا بائیں کھڑا ہو، چونکہ بعض اوقات کواڑ یا پردہ ہٹاتے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی نظر گھر کے اندر پڑ جاتی ہے۔

قوله:وذكر حديث أنس ۔۔۔ فى باب الضيافة: جار مجرور کے متعلق ہے۔

الفصل الثالث:

ماں کے ہاں بھی داخلہ کی اجازت

۴۶۷۴: عَنْ عطاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَاْذِنُ عَلٰى اُمِّىْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَجُلٌ اِنِّىْ مَعَهَا فِى الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَاقَالَ فَاسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا۔ (رواه مالك مرسلا)

أخرجه مالك فى الموطأ ٢/٩٦٣ الحديث رقم ١ من كتاب الاستذان۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی ماں کے ہاں جانے کے لئے بھی اجازت طلب کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اس کے جسم کے اعضاء کھلے ہوں جن پر نظر ڈالنا بیٹے کے لئے جائز نہ ہو۔ اس نے کہا میں اس کے ساتھ ہی رہتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے پاس جانا چاہو تو اجازت حاصل کر کے جاؤ اس نے کہا میں اپنی ماں کی خدمت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہر حال اس کے پاس اجازت لے کر جائے اور کیا تم چاہو گے کہ اپنی والدہ کو برہنہ دیکھو۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر اجازت لے کر جایا کرو۔ یہ امام مالک سے مرسل روایت ہے۔

تشریح: فقال الرجل إني خاد مها: اور ایک نسخہ میں "أنا خادمها" ہے۔

مسئلہ شرعیہ:

اس حدیث میں پردے کے حوالے سے جو مسئلہ ماں کے بارے میں ہے، اس حکم میں دیگر محارم بھی ہیں، خواہ ان سے نسبی تعلق ہو یا دودھ کا، خواہ سسرالی ہوں۔ البتہ بیوی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

عرضِ مرتب:

اس مسئلہ سے ملتے جلتے بعض مزید مسائل دیکھنے کیلئے باب الاستیذان کا بالکل ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

ایک اشتباہ کا ازالہ:

مسئلہ مذکورہ یہ تھا کہ صورت بالا میں ہر بار اطلاع ضروری ہے، اگرچہ آمدورفت بار بار ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف مسئلہ یہ ہے کہ اہل میقات میں سے خارج میقات سے کوئی شخص اگر بار بار حدود میقات سے گزرتا ہے تو اس کیلئے احرام ضروری نہیں۔ چنانچہ پہلے مسئلہ میں بار بار کی آمدورفت کے باوجود اطلاع ضروری ہے، اور اس دوسرے مسئلہ میں بار بار کی آمدورفت کے سبب سے ترک احرام درست

ہے۔ پہلی صورت میں ایک ایسا سبب قوی پایا جاتا ہے کہ اطلاع کے حکم شرعی میں تبدیلی سے مانع ہے۔ دوسری صورت میں ایسا کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا کہ احرام کو ضروری قرار دیا جائے۔

اجازت کا ایک انداز

۴۶۷۵: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ لِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَمَدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ اِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِيْ۔ (رواه النسائی)

أخرجه النسائی فی السنن ۱۲/۳ الحديث رقم ۱۲۱۱، وابن ماجه فی ۱۲۲۲/۲ الحديث رقم ۳۷۰۸۔

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات اور دن کے وقت جایا کرتا تھا۔ چنانچہ میں جب رات کے وقت حاضر ہوتا تو آپ اجازت کے لئے صرف کھنکھار دیتے۔ یہ نسائی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله: كا ن لی من رسول الله ﷺ مدخل بالليل و مدخل بالنهار:

''مدخل'': مصدر میمی ہے۔ بمعنی ''دخول'' ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''مدخل''، کان کا اسم، ''لی''، خبر کان، اور ''من رسول الله کان'' کے متعلق ہے۔ أی: حصل لی من رسول الله صلی الله عليه وسلم دخول بالليل ودخول بالنهار۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت حضرت علی کی آمد کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھنکارنا، اجازت کی علامت تھا۔ اگرچہ دن میں دوسرے افراد کی آمد کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھنکارنا، عدم اجازت کی علامت تھا۔

بعض حضرات کا کہنا کہ ایک دوسری روایت (حدیث: ۶۱۰۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت حضرت علی کی آمد کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھنکارنا، عدم اجازت کی علامت تھی۔

دن کے وقت اجازت کی علامت کیا تھی؟ تو ہوسکتا ہے کہ اس کے برعکس صورت ہو، جیسا کہ مفہوم مخالف کا تقاضا ہے۔ اور بھی احتمالات ہوسکتے ہیں۔ مثلاً دن کے وقت کھنکار کر آپؐ اجازت طلبی کرتے ہوں یا اطلاع کرتے ہوں۔

سلام کہنے والے کو داخلہ کی اجازت

۴۶۷۶: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ۔

(رواه البيهقی فی شعب الايمان)

أخرجه البيهقی فی الشعب ۴۴۱/۶ الحديث رقم ۸۸۱۶۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سلام سے پہل نہ کرے اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہ دو۔ یہ بیہقی کی روایت ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص آنا چاہتا ہے، مگر وہ سلام کے ذریعے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتا، یا آ کر سلام نہیں کرتا بلکہ

خاموشی سے آجاتا ہے، یا آتے ہی کلام شروع کردیتا ہے تو اس کو اپنے پاس آنے یا بیٹھنے کی اجازت مت دو۔ (بلکہ اس سے کہا جائے کہ دروازہ پر واپس جائے، سلام کرے اور پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرے۔ ملاحظہ فرمایئے، حدیث کلدہ بن حنبل)

تخریج: اس حدیث کو ضیاء نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے مفہوم کی مؤیدکئی روایات ماقبل میں گذر چکی ہیں۔

بَابُ الْمُصَافَحَةِ وَالْمُعَانَقَةِ

مصافحہ (ہاتھ ملانا) اور معانقہ (گلے ملنے) کا بیان

مناسب یہ تھا کہ مصنف علیہ الرحمۃ عنوان الباب میں ''تقبیل'' کا بھی ذکر کرتے، چونکہ باب کی کئی احادیث میں ''بوسہ'' کا ذکر بھی آیا ہے۔

''**مصافحة**'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ کی وضاحت میں لغویین کی عبارات مختلف ہیں:

① **هی الافضاء بصفحة اليد إلی صفحة اليد۔** (سیوطی)

② مختصر النہایہ میں علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں: **ان التصفح هو التصفيق ٬وهو ضرب صفحة الكف ضرب الأخری ومنه المصافحة هی إلصاق صفحة الكف بالكف۔**

③ **المصافحة الأخذ باليد، كالتصافح، ويمكن أن يكون مأخوذا من الصفح بمعنیٰ العفو، ويكون أخذ اليد دلالة عليه كما أن تركه مشعر بالا عراض عنه۔** (قاموس)

''اوران سب تعریفات کا حاصل ہے دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا''۔

مصافحہ کی ابتداء:

مصافحہ کا عمل، سب سے پہلے اہل یمن سے ظاہر ہوا۔ چنانچہ مروی ہے: **أول من أظهرها أهل اليمن،(أخرجه البخاری فی الأدب، وابن وهب فی جامعه عن أنس رفعه، ذكره السيوطی۔)**

مصافحہ کے آداب:

مصافحہ مؤدت و محبت میں اضافہ کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اکرام مسلم بھی ہے۔

(ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۶۷۷)

- ◇ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔ (التعلیق الصبیح، جلد/۵، ص ۱۱۷)
- ◇ مصافحہ محض ایک ہاتھ سے ہو تو غیر مسنون ہے۔
- ◇ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت و مستحب ہے۔
- ◇ کسی خاص موقع یا کسی خاص تقریب کے وقت مصافحہ کو ضروری سمجھنا غیر شرعی ہے۔
- ◇ فرض نمازوں کے بعد لوگوں نے مصافحہ کی جو عادت ڈالی ہے، یہ بے اصل ہے، بدعت مذمومہ ہے، مکروہ ہے۔
- ◇ مصافحہ مشروعہ کا محل ابتدائے ملاقات ہے۔
- ◇ اگر کوئی شخص ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ جماعت ہو رہی تھی، یا ہونے والی تھی، پھر نماز سے فارغ ہو کر اگر اوّلاً سلام اور ثانیاً

مصافحہ کرتا ہے تو یہ مصافحہ بلاشبہ مسنون ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی مسلمان نے بغیر سلام کیے' مصافحہ کیلئے ہاتھ آگے بڑھا دیا تو اس سے اعراض کرنا اور اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لینا مناسب نہیں، چونکہ تکلیف لازم آتی ہے' جس کی رعایت رکھنا آداب کی رعایت رکھنے سے بڑھ کر ہے۔ پس اس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں مصافحہ ابتداءً کرنا مکروہ ہے' اگرچہ ثانی کا مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانا مکروہ نہیں ہے۔ مگر ایک طرح سے بدعت میں تعاون ہے' جیسا کہ علماء کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

کس سے مصافحہ جائز ہے؟

واضح رہے کہ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے۔ بلکہ چھونے کی حرمت دیکھنے کی حرمت سے زیادہ شدید ہے۔ چنانچہ اس سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں:

(ا) جوان عورت سے مصافحہ کرنا حرام ہے۔

(ب) بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جس سے مصافحہ کرنے میں جذبات بھڑکنے کا خوف نہ ہو۔

(ج) بے ریش اور خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنے سے احتراز کرنا مناسب ہے۔ چونکہ اس کی طرف دیکھنا حرام ہے...... (نوویؒ)

سلام کے وقت جھکنا خلاف سنت ہے، مکروہ ہے، اس کی ممانعت صحیح حدیث میں منقول ہے۔ (از فوائد حدیث: ۴۶۸۰)

سفر سے آنے والے کو "مرحباً" کہنا مسنون ہے۔ (از فوائد حدیث: ۴۶۸۴، ۶۱۳۷)

فائدہ: از مرتب: اگر کسی عورت سے نکاح کا ارادہ ہو تو لڑکے کو اجازت ہے کہ اگر اس کو موقع مل جائے تو لڑکی کو ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر یہ دیکھنا تحقیق کی نظر سے ہوگا تلمذ ذ کی نیت سے نہیں جیسے طبیب کا مریضہ کی نبض دیکھنا' محض اس نیت سے دیکھنا کہ نبض سے مزاج کی حرارت و برودت وغیرہ معلوم ہو جائے' نہ کہ تلمذ ذ کی غرض سے۔ قصہ مختصر یہ پہلی نظر برائے استمتاع نہیں۔ علاوہ ازیں دوسری نظر غیر ضروری ہے۔ مس وغیرہ کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ کہ اس سے مصافحہ، معانقہ اور تقبیل وغیرہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ یہی حکم باندی کی بیع و شراء وغیرہ کے وقت بھی ہے۔

معانقہ کی لغوی تحقیق:

"معانقۃ" باب "مفاعلة" کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے ایک دوسرے کو سینے سے لگانا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں: معانقہ اور تعانق "محبت" میں ہوتا ہے اور "اعتناق" جنگ وغیرہ میں ہوتا ہے۔

"تعانقا" محبت سے باہم گلے ملنا، (قاموس الوحید)

اعتنق الرجلان، لڑائی میں ایک دوسرے کی گردن پر ہاتھ ڈالنا۔

اعتنق الامر: کسی کام پر لگنا، اعتنق دیناً: مذہب اختیار کرنا، اعتنق رأیا أو مبدأ: رائے یا اصول اپنانا۔

صاحب قاموس نے اعتناق کے جو معنی بیان کئے ہیں یہ اعتراض سے خالی نہیں، چونکہ متعدد احادیث میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جو باتفاق محدثین معانقہ کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

① وعن عائشة رضى الله عنها، قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة، ورسوله الله ﷺ في بيتي، فأتاه فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجرّ ثوبه، والله ما رأيتهُ عريانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبّله ......۔

② عن أبي هريره رضى الله عنه، قال: خرجت مع رسول الله ﷺ في طائفة من النهار حتى أتى خباء فاطمة فقال: أثم لكع؟ يعني حسنا فلم يلبث أن جاء يسعى حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه۔ رقم الحديث: ٦١٤٢

③ حضرت عکرمہ کی روایت ''مرحبا بالراکب للهاجر'' کے بعض طرق میں یہ ہے:

لما راه قام إليه فاعتنقه وقال: مرحبا بالراكب المهاجر۔

تقبیل ومعانقہ کے آداب:

تقبیل کے اردو معنیٰ ہیں: ''بوسہ دینا'' یہ لفظ دونوں معنی کو شامل ہے۔ چومنا، چموانا، پیار کروانا۔

❶ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے، لہٰذا جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو بوسہ دینا، اس سے معانقہ کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ شوہر بیوی کے علاوہ کسی اور کو جنسی جذبات کے ساتھ بوسہ دینا، یا اس سے معانقہ کرنا بھی بالاتفاق حرام ہے خواہ باپ ہو ماں ہو، کوئی بھی ہو۔

❷ سفر سے آنے والے کے ساتھ معانقہ وتقبیل بلا کراہت جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث: ۴۶۸۲، ۴۶۸۶)

❸ شدت محبت وعنایت کے پیش نظر بھی معانقہ جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث: ۴۶۸۳)

❹ امام نوویؒ فرماتے ہیں چھوٹے بچے کو بوسہ دینا واجب ہے۔

❺ ہاتھ، پیشانی کا چومنا جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ:

(ا) بوسہ دینا کسی دنیاوی غرض ومنفعت سے نہ ہو، بصورت دیگر مکروہ ہے۔

(ب) جس کو بوسہ دیا جارہا ہو وہ اہل فضل لوگوں میں سے ہو۔ مثلاً، عالم، حاکم، سلطان۔

(ج) بوسہ دینے کا سبب ان کا علم وعمل، دین کا اعزاز واکرام وغیرہ ہو۔

بوسہ کی صورتیں:

علماء نے لکھا ہے کہ جو بوسہ شرعی طور پر جائز ہے اس کی پانچ صورتیں ہیں:

❶ مودت ومحبت کا بوسہ۔ جیسے والدین کا اپنے بچے کے رخسار کا چومنا۔

❷ احترام واکرام اور رحمت کا بوسہ۔ جیسے اولاد کا اپنے والدین کے سر پر بوسہ دینا۔

❸ جنسی جذبات کے تحت بوسہ دینا۔ جیسے شوہر کا بیوی کے چہرہ کا بوسہ لینا۔

❹ تحیہ سلام کا بوسہ۔ جیسے مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا۔

❺ بہن کا اپنے بھائی کی پیشانی کا بوسہ لینا۔

ایک حدیث میں ماں کی پیشانی کو چومنے کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ ابن عدی اور بیہقی حضرت ابن عباس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: من قبل بين عيني أمه كان له سترا من النار۔

الفصل الاول:

ثبوتِ مصافحہ

۴۶۷۷: عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٤٩/١١ الحديث رقم ٦٢٦٣، والترمذی فی ٧١/٥ الحديث رقم ٢٧٢٩۔

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ملاقات کے لئے مصافحہ تھا انہوں نے کہا جی ہاں۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔

تشریح: ''حضرت قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ باہمی ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں''۔

قوله: أكانت المصافحة فی أصحاب رسول الله ﷺ: (جار مجرور کا متعلق محذوف ہے جو ''کان'' کی خبر بن رہا ہے۔) ای ثابتة وموجودة فيهم حال ملاقاتهم بعد السلام۔

اولاد کو چومنا

۴۶۷۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِیْ عَشْرَةً مِنَ الْوَلَدِمَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَايُرْحَمُ (متفق عليه وسنذكر حديث ابی هريرة) اَتَّمَ لُكَعُ فِیْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْمَعِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذُكِرَحَدِيْثُ اُمِّ هَانِئٍ فِیْ بَابِ الْاَمَانِ۔ (رواه البخاری ومسلم)

أخرجه البخاری فی صحيحه ٤٢٦/١٠ الحديث رقم ٥٩٩٧، ومسلم فی ١٨٠٨/٤ الحديث رقم ٢٣١٨، وأبو داوٗد فی السنن ٣٩١/٥ الحديث رقم ٥٢١٨، والترمذی فی ٢٨٠/٤ الحديث رقم ١٩١١، وأحمد فی المسند ٢٤١/٢۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن ابن علی کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے تو اقرع نے کہا میرے تو دس لڑکے ہیں، میں نے تو اس میں سے کسی ایک کو کبھی بوسہ نہیں دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ ہم عنقریب باب مناقب اہل بیت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کریں گے اور ام ھانی کی روایت باب الامان میں گزر چکی ہے۔

تشریح: ''الولد'': واؤ اور دال (دونوں) کے فتحہ کے ساتھ نیز واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ، بمعنی اولاد۔

''**لا یرحم لا یرحم**'': ایک نسخہ میں دونوں مرفوع ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فعل کو مرفوع و مجزوم دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔ ''من'' موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور شرطیہ بھی ہوسکتا ہے۔ پہلے (جملہ میں) ''**لا یرحم**'' (کے الفاظ لانا) برائے مشاکلت ہے۔ چونکہ معنوی اعتبار سے عبارت یوں ہے: **من لم یشفق** یعنی جو اپنی اولاد پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا، یا یہ الفاظ عموم کی خاطر ارشاد فرمائے تاکہ شفقت بھی اس میں داخل ہوسکے۔ اھ۔ دوسری صورت اتم ہے، اور فائدہ کے اعتبار سے اعم ہے، اسی لئے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے، تاکہ فہم کے اعتبار سے معنی میں وسعت ہو، عبرت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اپنے چھوٹے بچے کے گال پر بوسہ دینا واجب ہے اور اسی طرح گال کے علاوہ جسم کے اطراف جیسے حصوں پر بطور شفقت ورحمت اور لطف، محبت، قرابت سنت ہے۔ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو اور اسی طرح اپنے دوست وغیرہ کے اطفال کو اسی طور پر، شہوت کے ساتھ بوسہ دینا حرام ہے بلا جماع، اس سلسلہ میں بچہ بچی برابر ہے۔ اھ۔ ''اپنے چھوٹے بچہ کے گال پر بوسہ دینا واجب ہے۔ یہ حدیث صحیح یا قیاس صحیح کا محتاج ہے۔

فائدہ: تخریج کے ذیل میں آنے والی احادیث میں سے طبرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ''من'' شرطیہ جازمہ ہے۔

قوله: سنذكر حديث أبي هريرةؓ اثم لكع في مناقب:

''ثم'' ثائے مثلثہ کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ بمعنی أهناك۔ **لكع**: لام کے ضمہ اور کاف کے فتحہ کے ساتھ غیر منصرف ہے، اور کبھی منصرف پڑھا جاتا ہے۔ اسی کا معنی ''صبی'' اس سے مراد حضرت حسنؓ۔ اس حدیث میں ہے: **فلم يلبث أن جا' يسعى حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه**۔ جار مجرور ''سنذكر'' کے متعلق ہے

وذكر حديث ام هاني في باب الأمان:

اس حدیث میں یوں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام ان سے فرمایا: **مرحباً بأم هاني**۔ یہ دلیل ہے کہ نووارد کو ''مرحباً'' کہنا سنت ہے۔

عرضِ مرتب:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے ہم معنی روایت ''**باب الشفقة والرحمة على الخلق**''، فصل اول میں بھی آ رہی ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں لکھا ہے: **من لا يرحم لا يرحم**، اس حدیث کو احمد، شیخین اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے، اور ابن ماجہ نے حضرت جریر سے نقل کیا ہے۔

حضرت جریر سے مروی احمد، شیخین اور ترمذی کی ایک روایت میں، اور ابو سعید سے مروی ترمذی ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ

آئے ہیں: من لایرحم الناس لایرحمه الله۔ طبرانی نے ایک روایت میں حضرت جریر سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: من لا یرحم من فی الأرض لا یرحمه من فی السماء۔

حضرت جریر سے مروی احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: من لا یرحم لا یرحم ومن لا یغفر لا یغفر۔

اور طبرانی میں موجود حضرت جریرؓ کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: ومن لایتب لا یتب علیه۔ اھ

الفصل الثانی:

مصافحہ کا عظیم فائدہ

۴۶۷۹: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ وَفَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَلَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَتَفَرَّقَا (رواه احمد والترمذی وابن ماجة وفی روایة ابی داؤد قال) اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَيَتَصَافَحَا وَحَمِدَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۳۸۸ الحدیث رقم ۵۲۱۲، والترمذی ۵/۷۰ الحدیث رقم ۲۷۲۷، وابن ماجه فی ۲/۱۲۲۰ الحدیث رقم ۳۷۰۳، وأحمد فی المسند ۴/۲۸۹۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دو مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کریں تو اس کے جدا ہونے سے پہلے اس کو بخش دیا جاتا ہے۔ یہ احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے اور ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ جب مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے ہیں اور وہ اللہ کی حمد اور استغفار کرتے ہیں تو ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

تشریح: ما من مسلمین: "من" زائد برائے زیادتی استغراق ہے۔

غفر لهما: صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے، جب کہ ایک نسخہ میں صیغۂ معروف کے ساتھ ہے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ کی برکت سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے اور دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ اور حمد و استغفار کی وجہ سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث ثانی میں مغفرت سے مراد وہی مغفرت ہو جس کا ذکر پہلی حدیث میں آیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد کمال مغفرت ہو کہ اس کے تمام گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہو اور حمد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں۔

"قبل أن یتفرقا": کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

1. "تفرق ابدان" مراد ہے۔
2. "تفرق یدین" مراد ہے۔ دوسرے معنی میں مبالغہ زیادہ ہے۔

پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کے جدا ہونے سے پہلے اللہ ان کو بخش دیتا ہے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان

کے ہاتھ جدا ہونے سے پہلے الخ۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے کہ اس حدیث (یعنی پہلی حدیث) کو ضیاء اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

ابوالشیخ اور حکیم ترمذی حضرت عمرؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

''اذا التقی المسلمان فسلّم أحدهما علی صاحبه کان أحبها إلی الله أحسنهما بشرا بصاحبه، فإذا تصافحا أنزل الله علیها مائة رحمة للبادئ تسعون وللمصافح عشرة۔''

''جب دو مسلمان ملتے ہیں اور ان سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کو سلام کرتا ہے تو ان میں سے وہ مسلمان اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے جو کشادہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ اپنے دوسرے ساتھی سے ملتا ہے اور پھر جب دونوں مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو رحمتیں نازل کرتا ہے۔ نوے رحمتیں اس پر جس نے پہل کی اور دس رحمتیں اس پر جس سے مصافحہ کیا ہے۔''

جھکنے کی بجائے مصافحہ

۴۶۸۰: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ مِنَّا یَلْقٰی اَخَاہُ اَوْ صَدِیْقَہٗ اَیَنْحَنِیْ لَہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَیَلْتَزِمُہٗ وَیُقَبِّلُہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَیَاْخُذُ بِیَدِہٖ وَیُصَافِحُہٗ قَالَ نَعَمْ۔

(رواہ الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۷۰ الحدیث رقم ۲۷۲۸' وابن ماجه فی ۲/ ۱۲۲۰ الحدیث رقم ۳۷۰۲' وأحمد فی المسند ۳/ ۱۹۸۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کہ ہم میں سے کوئی جب اپنے بھائی یا دوست کو ملے تو کیا وہ اس کے لئے جھکے فرمایا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا اس سے گلے ملے یا اس کو بوسہ دے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله: یلقی أخاه أو صدقه**: ''بھائی'' سے مراد سگا بھائی بھی ہو سکتا ہے اور قوم کا کوئی فرد بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس کو ''اخو العرب'' کہا جاتا ہے۔ یہاں ''معطوف'' معطوف علیہ سے اُخص ہے۔ **''الرجل منا؟''** ''ہم میں سے'' سے مراد مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور عرب بھی:

قال: أفیأخذ بیده ویصافحه؟:

''**ویصافح**'': یہ عطف تفسیری ہے۔ یا ثانی (چونکہ) اُخص واتم ہے (لہٰذا یہ عطف الخاص علی الاعم ہے)۔

قوله: أینحنی له؟ قال: ''**انحناء**'' کا معنی ہے سر اور پشت کو جھکانا تواضع اور خدمت کی خاطر۔ ''انحناء'' سے منع فرمایا۔

قوله :قال لا:

چونکہ یہ جھکنا رکوع کے مشابہہ ہے، اور رکوع سجدہ کے مشابہہ ہے اور سجدہ اللہ کی عبادت ہے۔ لہٰذا رکوع بھی اللہ کی عبادت

ہے۔اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو معانقہ اور تقبیل کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔اور بعض کا کہنا ہے کہ تقبیل اگر اس شخص کے زہد، علم پاس رسیدہ ہونے کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں دوسرے کے ہاتھ کو بوسہ دینا اگر اس کے علم، صیانت اور زہد و دیانت وغیرہ جیسے امودینیہ کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے اور اگر اس کے دنیاوی مال و جاہ کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ حرام ہے۔(انتھی) کہا گیا ہے کہ حرام وہ ہے جو چاپلوسی اور تعظیم کے باعث ہو، جواز کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

❶ رخصت کرتے وقت۔ ❷ سفر سے واپسی پر ❸ عرصہ دراز کے بعد ملاقات ہونے پر ❹ حب فی اللہ کی شدت کے وقت بشرطیکہ نفس کے بارے میں کوئی خدشہ نہ ہو بعض علما کا کہنا ہے کہ ''منہ'' کا بوسہ نہ لیا جائے بلکہ ہاتھ اور پیشانی کا بوسہ لیا جائے۔مسلم کی شرح نووی میں ہے کہ پشت جھکانا مکروہ ہے۔حدیث صحیح میں اس کی ممانعت آئی ہے۔علم وصلاح کی طرف منسوب بہت سے لوگ مذکورہ بالا صورت کے علاوہ میں معانقہ کرتے ہیں اور چہرہ کا بوسہ لیتے ہیں مگر ان کا یہ فعل لائق اعتبار نہیں۔بلکہ مکروہ ہے، امام بغوی وغیرہ نے حدیث صحیح کی بنیاد پر ان دونوں کے مکروہ تنزیہی ہونے کی صراحت کی ہے۔

مصافحہ سلام کی تکمیل ہے

۴۶۸۱:وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِیَادَةِ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُكُمْ یَدَهٗ عَلٰی جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰی یَدِهٖ فَیَسْأَلَهٗ كَیْفَ هُوَ وَتَمَامُ تَحِیَّاتِكُمْ بَیْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ۔

(رواہ احمد والترمذی وضعفه)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/۷۱ الحدیث رقم ۲۷۳۱، وأحمد فی المسند ۵/۲۶۰۔

ترجمہ:حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ مریض کی کمال عیادت یہ ہے کہ اپنا ہاتھ اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پہ رکھے پھر اس کا حال دریافت کرے اور تمہارے سلام کی تکمیل مصافحہ میں ہے۔یہ احمد و ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: قوله:قال تحیاتکم بینکم المصافحة:''تحیة'' کی جمع ہے۔اس کے جمع لانے میں اس کی انواع وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔

على جبهته أوعلى يده:''أو'' برائے تنویع ہے، نا کہ برائے شک۔فیسأله منصوب ہے۔اس میں احتمال ہے کہ بیمار کا حال خود بیمار سے پوچھے:دوسرا احتمال یہ ہے کہ بیمار کے بارے میں اس کے اہل خانہ سے پوچھے۔''کیف ھو'' کے الفاظ سے اسی مفہوم کی تائید حاصل ہوتی ہے کہ اہل خانہ سے پوچھے کہ مریض کیسا ہے، اس کے مرض کا کیا حال ہے؟(اور تقدیری عبارت یوں ہے:)ای الواقعة فیما بینکم

عرض مرتب:حدیث سے متعلقہ احکام کے لئے ''احکام باب'' کا مطالعہ فرمائیے۔

وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة:یعنی ان دو کاموں کے علاوہ مزید کوئی کام نہیں۔اگر تم اس پر اضافہ کرو گے تو یہ تکلف میں داخل ہوگا۔قصہ مختصر یہ حدیث اعتدال امور کے بابت ہے، چونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے زیادت ونقصان سے منع فرمایا ہے۔

وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة:اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

① زیادتی ونقصان اور تکلف سے ہٹ کر معتدل طریقہ یہ ہے کہ ان دو چیزوں پر اکتفاء کرو، سلام اور مصافحہ پر۔ اس پر اضافہ مت کرو، اگر کرو گے تو تکلف میں شمار ہوگا۔

② یہ دونوں امور اپنی جگہ کمال کا ادنی درجہ رکھتے ہیں اور دونوں کو بجالاؤ گے تو کمال درجہ حاصل ہوگا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: بظاہر مراد یہ ہے کہ کمال امر اِن کاموں کی بجا آوری سے حاصل ہو جائے گا، باقی اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس میں مزید کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ کہ اس پر اضافے کی صورت میں وہ تکلف ہوگا وغیرہ۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ کمال کا ادنی درجہ ان کی بجا آوری میں ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر کی روایت میں: من تمام الخ کے الفاظ ہیں اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ترمذی کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: من تمام التحية الأخذ باليد۔

زید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا انداز

۴۶۸۲: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُهُ عُرْيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥.٧٢ الحديث رقم ٢٧٣٢۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ زید نے جب میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ بدن (یعنی آپ نے قمیص پہنی ہوئی نہیں تھی) اپنے کپڑے کو کھینچتے ہوئے زید کی ملاقات کے لئے نکلے۔ اللہ کی قسم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پہلے اور اس کے بعد برہنہ بدن نہیں دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر تہہ بند کے علاوہ کپڑا نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گلے لگالیا اور اس کو بوسہ دیا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح: فأتاه: یعنی حضرت زید نے معروف طریقہ سے دروازہ بجایا ہوگا' اور یہ بھی ممکن ہے کہ دستک کے ساتھ سلام بھی کیا ہو اور اندر آنے کی اجازت بھی چاہی ہو۔

''قبله'' اور ایک نسخہ میں ''لا قبله'' ہے۔ اى قبل ذلك اليوم

ورسول الله ﷺ فی بیتی: جملہ حالیہ معترضہ ہے۔

فقام إليه: جار مجرور'' متوجها ''محذوف کے متعلق ہو کر حال ہے۔

فقام إليه رسول الله ﷺ عریاناً: مطلب یہ ہے کہ ان کی آمد کی خوشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف لپکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک سے چادر ڈھلک گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا اوپری حصہ یعنی ناف سے اوپر کا حصہ کھل گیا، برہنہ ہو گیا۔

بعض حضرات نے اس مقام پر ایک اشکال کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل رفاقت رہی

اور آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہمراہ ایک لحاف میں استراحت فرما رہیں' اس کے باوجود "والله ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده" فرمانا سمجھ میں نہیں آتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ کسی بھی شخص سے ملاقات کے وقت میں نے حضورا کرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اس قدر برہنہ کبھی بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ دلالت حال کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے کلام میں اختصار فرمایا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سیاق کلام سے یہی توجیہ معتبر معلوم ہوتی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی آمد سے انتہائی خوش تھے اور ان سے ملنے کی اس قدر جلدی تھی کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ چادر سے اپنا مکمل جسم بھی نہ ڈھانپ پائے، بلکہ اس کو گھسیٹتے ہوئے ان کی ملاقات کو تشریف لائے۔ کئی مواقع پر ایسی صورت حال پیش آ جاتی ہے۔ واللہ اعلم

معانقہ مباح ہے

۴۶۸۳: وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِىْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِىْ وَبَعَثَ اِلَىَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِىْ اَهْلِىْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِىْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ۔ (رواه ابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/ ٣٩٠ الحديث رقم ٥٢١٤۔

ترجمہ: جناب ایوب بن بشیرؒ نے قبیلہ عنزہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے جس نے بیان کیا کہ میں نے ابوذر غفاری سے کہا کہ کیا جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے تھے جب آپ کی ملاقات ہوتی تو وہ کہنے لگے میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے جب بھی ملا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اور ایک دن آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے میری طرف پیغام بھیجا جب کہ میں اپنے گھر میں موجود نہ تھا جب میں واپس لوٹا تو مجھے اطلاع ملی تو میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں گیا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس وقت چارپائی پر تشریف فرما تھے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجھے گلے لگالیا اور یہ گلے لگا سا کیا ہی خوب تھا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

ایوب بن بشیر۔ کا اسم گرامی مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں فرمایا۔ "بشیر" بصیغۂ تصغیر ہے۔ بائے موحدہ کے ضمہ، شین معجمہ کے فتحہ، یائے تحتیہ کے سکون اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

تشریح: **فالتزمنی فکانت تلك:** چونکہ یہاں "التزام" بمعنی معانقہ ہے اس لئے "تلك" کا مشارالیہ "معانقہ" ہے۔

قوله: اجود واجود: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ واؤ برائے تعاقب ہے' یہ واؤ عرب کے قول: الاَ مثل فالاَ مثل' میں موجود بمنزلہ فاء کے ہے۔ (انتھی) اس کا محل بحث ہونا واضح ہے۔ چونکہ یہاں یہ واؤ عاطفہ ہے' نسبت اسناد کی تاکید کے لئے ہے' بخلاف "فالامثل" کی فاء کے' چونکہ وہ امر اضافی میں تعقیب رتبی کے لئے ہے' معنوی اعتبار سے عبارت کی تقدیر یوں ہے: **تلك اجود من المصافحة وأجود من كل شيئٍ۔**

عکرمہ کو مہاجر راکب کا خطاب

۴۶۸۴: وَعَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا جِئْتُهُ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٧٤ الحديث رقم ٢٧٣٥۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن ابی جہل سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ یعنی ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا ہو۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

راویٔ حدیث:

عکرمہ بن ابی جہل۔ یہ عکرمہ بن ابی جہل ہیں۔ ان کے والد ''ابو جہل'' کا نام عمرو بن ہشام ''مخزومی قریشی'' ہے۔ یہ اور ان کے باپ آنحضور ﷺ سے بڑی سخت عداوت رکھتے تھے۔ یہ مشہور سوار تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلے گئے تھے۔ اس کے بعد ان کی بیوی ''ام حکیم بنت الحارث'' ان کے پاس پہنچ گئیں اور ان کو لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جب آنحضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو ''مہاجر سوار'' کہہ کر خوش آمدید فرمایا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور صحیح معنی میں اسلام لائے۔ ان کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کے دل میں کلام اللہ کی عظمت اس قدر غالب تھی کہ جب قرآن کریم کھولتے تو یہ کہتے ہوئے ان پر غشی طاری ہو جاتی کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ جنگ یرموک میں ۱۳ھ میں جب کہ ان کی عمر باسٹھ (۶۲) سال تھی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں ابو جہل کے لئے جنت میں کھجور کے درخت دیکھے تھے۔ جب عکرمہ اسلام لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''تمہارے خواب کی یہ تعبیر ہے''۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے شکایت کی کہ جب میں مدینہ میں چلتا پھرتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا بیٹا ہے۔ اس پر آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا ''(لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں جو جاہلیت کے دور میں اچھے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ ان کو دین کی سمجھ آ جائے اچھے اور بہترین ہیں۔ (اس لیے کسی برے عنوان سے ان کا تذکرہ نہ کرو)''۔

انصاری کا محبت سے چمٹنا

۴۶۸۵: وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْنِيْ قَالَ اِصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَهٗ فَاحْتَضَنَهٗ وَجَعَلَ

یُقَبِّلُ کَشْحَهٗ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُّ هٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/ ٧٤ الحدیث رقم ٢٧٣٥۔

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیرؓ جو کہ انصار میں سے تھے وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے اور اس کی طبیعت میں مزاح تھا تو اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے بطور مزاح اس کی کوکھ میں لکڑی سے کچوکا (ٹھونکا) دیا۔ تو اسید کہنے لگے آپ مجھے اس کا بدلہ دیجیے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں بدلہ دوں گا۔ انہوں نے فرمایا آپ نے تو قمیص پہن رکھی ہے اور میرے جسم پر تو قمیص نہیں ہے۔ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اٹھا دی۔ وہ آپ ﷺ کے پہلو سے چمٹ گئے اور پہلو کو بوسہ دینے لگے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کہ میرا مقصود یہی تھا۔ ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے۔

راویٔ حدیث:

اسید بن حضیر۔ یہ اسید بن حضیر انصاری ہیں۔ قبیلہ اوس میں سے ہیں۔ یہ ان اصحاب میں سے ہیں جو عقبہ ثانیہ کے موقع پر حاضر تھے اور عقبہ والی رات میں یہ حضور انور ﷺ کے احکام لوگوں تک پہنچانے پر مامور و محافظ تھے (دونوں عقبہ کا درمیانی زمانہ ایک سال تھا)۔ بدر میں اور اس کے بعد دیگر غزوات میں بھی شریک رہے۔ ''اسید'' اور ''حضیر'' دونوں تصغیر کے ساتھ ہیں ان کی کرامت کا بیان جلد دہم' باب الکرامات کی فصل اول کے آغاز میں آئے گا ایک کرامت مشہور ہے ان سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ سرزمین مدینہ میں (۲۰ھ کو انتقال ہوا) اور بقیع میں دفن ہوئے' عرض مرتب۔

تشریح: مزاح: لفظ ''مزاح'' کی لغوی تحقیق کے لئے ''باب المزاح'' کا ابتدائیہ ملاحظہ فرمائیے۔

أصبرنی: ہمزہ کے فتحہ اور بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ۔ ای أقدرنی ومکننی من استیفاء القصاص۔

أصطبر: باب افتعال سے فعل مضارع، واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ ای أمکنك من القصاص واقتص من نفسی' اور ایک نسخہ صحیح میں (بصیغہ امر) ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اصطبر بصیغہ امر ہے۔ ای استوف القصاص ''اصطبار'' کے معنی میں ہیں: اقتصاص. (ذکرہ شارح) اور ''النہایۃ'' میں لکھتے ہیں:

قوله: أصبرنی ای أقدنی من نفسنك:

کہا جاتا ہے: ''اصبرہ الحاکم'' کا معنی ہے: أقصه من خصمه۔ صاحب ''الفائق'' فرماتے ہیں: اصله الحبس حتی یقتل واصبرہ القاضی صبار اقصه واصطبر أی اقتص۔

رجل من الانصار: رجل مرفوع ہے۔ اور ایک نسخہ میں مجرور ہے۔

قال...... : اس کا فاعل اس میں موجود ضمیر مستتر ہے' یہ جملہ محل رفع میں خبر ہے: ''رجل من الانصار'' مبتدا کی۔

بیننا: مفعول فیہ ہے قال کا بینما هو یحدث القوم: یہ جملہ مقولہ ہے ''قال'' کا۔

وکان فیه مزاح: اکثر نسخوں میں لفظ ''مزاح'' ضمہ کے ساتھ ہے' اور بعض نسخوں میں میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ یحدث کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ جملہ دو جملوں کے درمیان واقع ہوا ہے۔ یعنی ''یحدث القوم'' اور ''یضحکم'' کے

درمیان میں (ملا قاری) کہتا ہوں کہ متن میں "**بينا يضحكم**" ہے۔ اشرف فرماتے ہیں کہ "بینا" اپنے مابعد کے ساتھ مل کر مقولہ ہے قال کا۔ **بينا يضحكهم**: بینا مفعول فیہ ہے **فطعنه** کے لئے۔ یا فعل محذوف کے لئے، اس فعل پر **يضحكهم** فعل محذوف دلالت کر رہا ہے۔ اور تقدیر یوں ہوگی: **بينا يضحكهم أضحكهم**۔

"**فطعنه النبي** ﷺ:" کا عطف **يضحكهم** پر ہے۔ "**فيه**" کی ضمیر "**رجل**" کی طرف عائد ہے۔

اشرفؒ فرماتے ہیں مصابیح میں اس کے ضبط (اعراب) میں اضطراب ہے۔ (لفظ "رجل" مصابیح میں جس طرح مذکور ہے یعنی رفع کے ساتھ وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ جس شخص کے مزاح میں خوش طبعی وظرافت تھی اور جس نے آنحضرت ﷺ سے بدلہ کا مطالبہ کیا وہ خود اسید رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہوا۔) جامع الاصول میں یہ لفظ ("رجل" نہیں بلکہ) "رجلا" منقول ہے۔ چنانچہ روایت کے الفاظ یوں ہیں: **عن اسيد بن حضير قال: ان رجلا من الانصار كان فيه مزاح، فبينما هو يحدث القوم يضحكم اذ طعنه النبي ﷺ بعود كان في يده قال: يا رسول الله اصبرني، قال: اصطبر**...... (یعنی حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص تھے جن کے مزاح میں خوش طبعی وظرافت تھی چنانچہ ایک موقع پر جب لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے پہلو میں ایک لکڑی سے ٹھوکا دیا جو ان کے ہاتھ میں تھی، وہ شخص بولا مجھے اس ٹھوکا دینے کا بدلہ دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے بدلہ لے لو۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ "رجل الانصار" خوش طبعی وظرافت سے ہنسانے والے اور آنحضرت ﷺ سے بدلہ لینے کا مطالبہ کرنے والے صاحب حضرت اسید رضی اللہ عنہ نہیں تھے (حضرت اسید رضی اللہ عنہ تو ان کے واقعہ کے ناقل تھے)۔ لہٰذا "رجل" کو مجرور پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ مرفوع ہے مبتدا ہونے کی حیثیت سے، اور "من الانصار" اس کے لئے "مخصص" ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جس طرح متن اور مصابیح میں ہے اسی طرح سنن ابی داؤد میں بھی ہے اور اسی طرح ایک معتمد نسخہ میں ہے۔ پس باقی رہ جاتی ہے یہ بات کہ وہ صاحب کہ جن کو رسولؐ نے ٹھوکا دیا تھا وہ اسید بن حضیر تھے یا کوئی اور صاحب تھے؟ تو جامع الاصول کی روایت کے مطابق تو وہ کوئی اور صاحب تھے۔ اور شرح السنہ کے الفاظ کے مطابق وہ صاحب اسید بن حضیر ہی تھے، (شرح السنہ کی) روایت کے الفاظ یوں ہیں: **عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن أسيد بن حضير من نقباء الانصار**۔ حدیث کو اس روایت پر محمول کرنا، اس روایت کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور تکلف سے بعید تر ہے اور یہ کہنا: "قال" خبر ہے، اور "بینما" اس کا ظرف ہے، خارج از مراد ہے۔ پس "رجل" مجرور ہے، "اسید" سے بدل ہے، اور "قال" راوی کا قول ہے۔ ای **قال الراوي وهو عبد الرحمن بينما اسيد يحدث**...... اور اگر قائل "اسید" ہوتے تو "فبينما انا" کہتے، اور دوسرا "بینا" بدل ہے اس سے، اور "فطعنه" جواب ہے۔ (انتہی)

قوله: وليس على قميص: حال ماضی کی حکایت ہے، ورنہ بظاہر یوں کہنا چاہیے تھا: **ولم يكن على قميص**۔

قوله: فرفع النبي ﷺ **قميصه**: "رفع" کو "عن" کے ساتھ متعدی کیا، چونکہ "کشف" کے معنی کو متضمن ہے۔ ای **كشف عماستره قميصه فرفعه عنه** (ذکرہ الطیبی) یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی اسی طرح ہے: [**وكشف عن ساقيها**] [النحل: ٤٤]

فاحتبضمه: "حضن" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: **مادون الابط الى الكشخ**۔ "**كشحه**": ای جنبہ۔ شارح فرماتے

ہیں' اور ابن الملکؒ نے بھی ان کی اتباع کی ہے: **ھو ما بین الخاصرۃ الی الضلع الأقصر من أضلاع الجنب۔**

قولہ: قال انما أردت ھذا یا رسول اللہ: ای ماأردت بقولی: أصبرنی الا ھذا التقبیل وما قصدت حقیقۃ القصاص۔ میں کہتا ہوں یہ مماثلت نہیں ہے' چونکہ یہ اعلیٰ واغلی ہے' مزید یہ کہ آپ ﷺ کے اس ''طعن'' میں تو ایسے درجات عالیہ ہیں کہ جن کے پہلو میں دنیا دیتے ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش طبعی وظرافت کی باتیں کرنا اور سننا مباح ہے، بشرطیکہ کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ امام طیبیؒ مزید یہ فرماتے ہیں: **الانبساط مع الوضیع من شیم الشریف.**

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حدیث کے ظاہر سے اباحت نہیں بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ ظرافت کو آنحضرت ﷺ کے شمائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس موقع محل پر یہ بات ''**الانبساط مع الوضع من شیم الشریف**'' انتہائی غیر مناسب ہے، چونکہ خوش طبعی اور ظرافت کا سامان مہیا کرنے والے صاحب صحابی رسول اسید بن حضیر ہیں۔ جو جلیل القدر صحابی ہیں۔ جن کا شمار انصار کے نقباء میں ہوتا ہے۔ (لہٰذا اس موقع پر یہ جملہ کسی صحابی کے حوالے سے انتہائی نازیبا ہے۔)

عرض مرتب:

ہنسی مذاق سے متعلقہ چند احکام حدیث: ۴۸۳۵ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

جعفر رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر بوسہ

۴۶۸۶: وَعَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقّٰى جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهٗ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔

(رواہ ابوداؤد والبیھقی فی شعب الایمان مرسلاً وفی بعض نسخ المصابیح وفی شرح السنۃ عن البیاضی متصلا)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۳۹۲ الحدیث رقم ۵۲۲۰' وأخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۲/۲۹۰ الحدیث رقم ۳۲۲۷۔

ترجمہ: حضرت شعبی بیان کرتے ہیں کہ جناب نبی اکرم ﷺ حضرت جعفر بن ابی طالب سے ملے اور اس کو گلے ملے اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اس روایت کو ابوداؤد' بیہقی نے شعب الایمان میں مرسل روایت کیا ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں اور شرح السنۃ میں بیاضی سے اتصال کے ساتھ نقل کیا ہے۔

راویانِ حدیث:

جعفر بن ابی طالب۔ یہ جعفر بن ابی طالب ہاشمی حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی ہیں۔ ان کا خطاب ذوالجناحین ہے ۳۱ افراد کے بعد اسلام لے آئے تھے۔ یہ اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے ہیں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صورتً اور سیرتً میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ابوطالب کے اونٹوں

کے بارے میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک ابو طالب نے ہم کو اوپر سے جھانکا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا کہ اے محترم چچا نیچے تشریف لے آئیے اور ہمارے ساتھ نماز پڑھئے۔ابو طالب نے کہا اے میرے پیارے بھتیجے میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں۔لیکن میں یہ بات بری سمجھتا ہوں کہ میں سجدہ کروں اور میرے سرین اوپر کو بلند ہو جائیں لیکن اے جعفر تم اترو اور اپنے چچا کے بیٹے کے بازو میں نماز پڑھو۔حضرت جعفر اترے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب نماز پڑھنے لگے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کر لی تو حضرت جعفر کی طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے دو بازو ملا دیگا جن کے ذریعہ سے جنت میں اڑتے پھرو گے جیسے کہ تم ملے ہوا پنے چچا کے بیٹے کے بازوؤں سے۔ان سے ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت حدیث کی ہے۔۸ھ میں جنگ موتہ میں جام شہادت نوش کیا۔اور اکتالیس (۴۱) برس کی عمر پائی۔ان کے بدن کے سامنے کے حصہ میں تلوار اور نیزے کے نوّے (۹۰) زخم پائے گئے۔

شعبی۔ یہ عامر بن شراحیل کوفی ہیں۔مشہور ذی علم لوگوں میں سے ہیں۔جلیل القدر تابعی ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے۔بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔اوران سے ایک بڑا گروہ روایت کرتا ہے۔فرماتے تھے کہ میں نے پانچ سو (۵۰۰) صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔کبھی کوئی حرف کسی کاغذ پر نہیں لکھا اور مجھ سے جو حدیث بھی بیان کی گئی میں نے اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا۔''ابن عیینہ'' کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کے اور ''شعبی'' اپنے زمانہ کے ''ثوری'' اپنے دور کے امام تھے۔''زہری'' نے کہا کہ علماء تو چار ہی گزرے ہیں: ❶ ابن المسیّب مدینہ میں ❷ شعبی کوفہ میں' ❸ حسن رضی اللہ عنہ بصرہ میں ❹ مکحول شام میں۔۱۰۴ھ میں بعمر ۸۲ برس انتقال ہوا۔''شعبی'' میں شین معجمہ مفتوح' عین مہملہ' ساکن' باء موحدہ اور پھر یائے نسبت ہے۔قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔(جامع الاصول) قاموس میں ہے کہ شعب ''منع'' کی طرح ہے' ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حبشہ سے واپس آنے کے اسی واقعہ سے متعلق ہے جس کا ذکر آگلی حدیث میں آرہا ہے۔

لفظ ''بیاضی'' کی تحقیق:

''بیاض'' بائے موحدہ کے فتحہ، یاء تحتیہ کی تخفیف اور ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔بعض حضرات کا کہنا ہے، کہ ''بیاضی'' بیاضہ بن عامر بن زریق کی طرف منسوب ہے۔''بیاضی'' جہاں بغیر نام کے مطلقاً آئے، وہاں ''بیاضی'' سے مراد حضرت عبداللہ بن جابر انصاری (صحابی) مراد ہوتے ہیں۔

مجھے آمد جعفر کی زیادہ خوشی ہے یا فتح خیبر کی

۴۶۸۷: وَعَنْ جَعْفَرَ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِي قِصَّةِ رُجُوْعِهِ مِنْ اَرْضِ الْحَبَشَةِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَتَلَقَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِيْ ثُمَّ قَالَ مَا أَدْرِيْ اَنَا بِفَتْحِ خَيْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَوَافَقَ ذٰلِكَ فَتْحَ خَيْبَرَ۔ (رواه في شرح السنة)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ۱۲/ ۲۹۰ الحدیث رقم ۳۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت جعفر سرزمین حبشہ سے اپنی واپسی کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ہم حبشہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے گلے لگا لیا اور پھر فرمایا مجھے معلوم نہیں آیا مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی آمد کی اور مدینہ منورہ میں پہنچنا فتح خیبر ہی کے دن تھا۔ اس کو شرح السنۃ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: أفرح: افعل التفضیل ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے، کہ فعل مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہو۔

أنا أفرح: ''أنا'' مبتدا اور ''افرح'' خبر ہے۔ ''أنا'' کی ترکیب میں ایک اور احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ ''أدری'' کی ضمیر فاعل کیلئے تاکید ہو اور ''أفرح'' کو فعل مانا جائے۔

و وافق ذلك فتح خيبر: ''ذلك'' محل رفع میں ''وافق'' کا فاعل ہے۔ ''ذلك'' کا مشارالیہ **''قدوم جعفر''** ہے۔

طیبیؒ فرماتے ہیں: **هذا الأسلوب من باب الذهاب الى التشابه من التشبيه مبالغة في الحاق الناقص بالكامل.** امام طیبیؒ کی بات کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جعفر بن ابی طالب کے آنے سے زیادہ خوشی فتح خیبر کی تھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں طیبیؒ کی یہ بات محل نظر ہے۔ چونکہ تساوی کا امکان بہر حال موجود ہے۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں باتوں کی ایک دوسرے سے بڑھ کر خوشی ہو۔)

وفد عبد القیس کی آمد

۴۶۸۸: وَعَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۵/ ۳۹۵ الحدیث رقم ۵۲۲۵۔

ترجمہ: حضرت زارع جو وفد عبد القیس میں شامل تھے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم جلدی سے اپنی سواریوں سے اترنے لگے چنانچہ ہم نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

راوی حدیث:

زارع بن عامر۔ یہ زارع بن عامر بن عبداللہ القیس ہیں۔ وفد ''عبد القیس'' میں شامل ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ بصریوں میں شمار ہوئے ہیں ان کی حدیث اہل بصرہ کے یہاں رائج ہے۔

عرض مرتب:

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے تحت کوئی کلام نہیں فرمایا: البتہ صاحب مظاہر کا کلام بہت وقیع ہے ان کے کلام کا حاصل یہ ہے:

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے پیر کو چومنے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن فقہاء اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ

اس حدیث کی کئی تاویلات کرتے ہیں: ❶ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا کہ صرف آپ ﷺ کے پاؤں کو بوسہ دینا جائز تھا ❷ یہ ابتداً جائز تھا مگر پھر ممنوع قرار دے دیا گیا ❸ وہ لوگ اس مسئلہ سے ناواقف تھے' اسی لاعلمی کی بنا پر' انہوں نے آپ ﷺ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ ❹ شوق ملاقات میں اضطراری طور پر ان سے یہ فعل صادر ہو گیا تھا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا بیٹی سے طرزِ شفقت

۴۶۸۹: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَادَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ۳۹۱/۵ الحديث رقم ۵۲۱۷' والترمذى فى ۶۵۷/۵ الحديث رقم ۳۸۷۲' وابن ماجه فى ۱۶۲۱/۲ الحديث رقم ۳۷۰۵۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے طرز! عمل' عادت اور چال چلن میں اور ایک روایت میں کلام و گفتگو میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے مشابہت والا نہیں دیکھا۔ چنانچہ جب فاطمہ ؓ آپ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے اور ان کو بوسہ دیتے پھر اپنے بیٹھنے کی جگہ میں ان کو بٹھاتے اسی طرح جب آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتی اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں اور پھر آپ ﷺ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: قام اليها: (جار مجر برمحذوف کے متعلق ہے۔) اى مستقبلا و متوجها۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے لئے کھڑا ہونا بطور اکرام و تکریم ہوتا تھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: زیادہ واضح یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حضرت فاطمہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ حضرت فاطمہ کی انتہائی تعظیم فرماتے تھے، گویا کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کی تعظیم کرتا ہے۔ ابن عدی اور بیہقی، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: "من قبل بين عينى أمه كان له سترا من النار"۔ جس شخص نے اپنی ماں کے آنکھوں کے درمیان (یعنی پیشانی پر) بوسہ دیا، یہ بوسہ (دینا) اس کیلئے جہنم سے ڈھال ہوگا۔

ملاحظه: اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی شرح، "باب مناقب أهل البيت النبى ﷺ"، فصل اول چوتھی حدیث ۱۰/ ۶۱۳۸، عن عائشة قالت: كنا الازواج النبى ﷺ کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

صدیق اکبر ؓ کا بیٹی ؓ سے اندازِ شفقت

۴۶۹۰: وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا عَائِشَةُ ابْنَتُهٗ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ

اَصَابَهَا حُمّٰى فَاَتَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتِ يَابُنَيَّةُ وَقَبَّلَ خَدَّهَا۔ (رواه ابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٣٩٣ الحديث رقم ٥٢٢٢۔

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ جب مدینہ منورہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلی مرتبہ آئے تو میں ان کے ساتھ ان کے گھر داخل ہوا تو میں نے اچانک دیکھا کہ ان کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری کے سبب چت لیٹی ہوئی ہیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا بیٹی تمہارا کیا حال ہے؟ اور بطور شفقت ان کے رخسار کو بوسہ دیا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: ''حمی'': حائے مہملہ کے ضمہ میم کی تشدید اور قصر کے ساتھ

''بنية'': بنت کی تصغیر ہے۔ یہ تصغیر برائے اظہار شفقت ہے۔

ملاحظہ: ''بچوں کو بوسہ دینے کے احکامات'' احکام باب'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ کو بوسہ دینا رحمت و شفقت کے باعث تھا' یا سنت کی رعایت کے پیش نظر تھا۔

اولاد و بخل و بزدلی کا باعث ہے

۴۶۹۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِصَبِيٍّ فَقَبَّلَهُ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ وَاِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ۔ (رواه فی شرح السنة)

أخرجه البغوی فی شرح السنة ١٣/٣٥ الحديث رقم ٣٤٤٨۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا یہ اولاد بخل کا باعث اور بزدلی کا سبب ہے اور بلاشبہ اللہ کی دی ہوئی خوشبو ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح: أما: ہمزہ کے فتحہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ۔ برائے تنبیہ ہے۔

انهم: ضمیر کا مرجع ''اولاد'' ہے (اگرچہ ماقبل میں مذکور نہیں) مقام اس کا قرینہ ہے' اور ماقبل میں بچہ کا ذکر ہوا ہے۔

مبخلة: میم کے فتحہ اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ بمعنی بخل کا سبب۔ صاحب النہایہ لکھتے ہیں: ''مبخلة'' بروزن ''مفعلة'' ''بخل'' سے مشتق ہے۔ مظنة البخل' یعنی اپنے والدین کو بخل پر ابھارتا ہے' اور انہیں بخل کرنے کی طرف بلاتا ہے' چنانچہ وہ اس کی وجہ سے مال میں بخل کرتے ہیں۔

مجبنة: میم کے فتحہ، جیم کے سکون اور بائے موحدہ کے فتحہ کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے: بزدلی کا باعث وسبب۔ یہ (حدیث) دلالت کررہی ہے ان کی کمال محبت اور غایت مودت پر' یہاں تک کہ اکثر لوگ ان کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں محاسن رضیہ پر' اور ان مامور بہا امور پر کہ جن کا شریعت حنیفیہ میں حکم دیا گیا ہے' جو ان کے دینی اور دنیوی معاملات میں ان کے لئے نافع ہوتے ہیں۔

صاحب فائق لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد اپنے باپ کو بزدلی میں مبتلا کر دیتی ہے، بایں طور کہ باپ جنگ سے ہچکچاتا ہے کہ اگر میں جنگ میں قتل ہو گیا، تو میری اولاد تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور اولاد کی خاطر مال جمع کرتا ہے، چنانچہ بخل کا شکار ہو جاتا ہے۔

وانهم: واؤ حالیہ ہے، گویا کہ اصل کلام یوں ہے: مع أنهم الخ.

" لمن ريحان الله": اس کی لغوی تحقیق بسط کے ساتھ گزر چکی ہے۔ کہا جاتا ہے: ﴿ سبحانه الله و ريحانه ۔ ای اسبح له واسترزقه۔ یہ مخفف ہے' ريحان بروزن فيعلان سے ''روح'' سے ماخوذ ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ''مشموم'' ہو۔ کیونکہ عمدہ خوشبوؤں کو ''ریحان'' کہا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے حباه بطاقة نرجس وبطاقة ريحان چنانچہ اس صورت میں معنیٰ ہوگا' إنهم مما اكرم الله به الانا سی وحبا هم به۔ یا اس وجہ سے کہ ان کو سونگھا جاتا ہے' اور بوسہ دیا جاتا ہے' تو گویا کہ وہ فی الجملہ ان ریاحین میں سے ہیں جن کو اللہ نے اگایا ہے۔ ایک شارح کہتے ہیں: ای من رزق الله تعالیٰ ' أومن الطيب الذى طيب الله به قلوب الآباء اور ریحان کے معنیٰ ''رزق'' اور ''نبت طیب الریح'' بھی آتا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "أنهم......" یہ کلام سابق کے لئے تذییل'' ہے۔ اسی لئے ''صبی'' کی طرف ضمیر جمع کی لائی گئی ہے اور "وانهم لمن ريحان الله " از باب رجوع ہے کہ اولاً ان کی مذمت کی گئی پھر ان کی مذمت سے مدحت کی طرح رجوع فرمایا: امام طیبیؒ لکھتے ہیں:

مصافحہ، معانقہ کے بارے میں اقوال فقہاء:

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات معانقہ اور تقبیل یعنی ہاتھ کو منہ اور آنکھوں کے ذریعہ چومنے کی کراہت کے قائل ہیں ان کا یہ کہنا کہ معانقہ کے بارے میں نہی منقول ہے چنانچہ فصل اول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ نہی ثابت ہے۔

یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جن روایتوں سے معانقہ کی اجازت ثابت ہوتی ہے ان کا تعلق اس زمانہ سے جب کہ معانقہ کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا تھا۔

بہرحال اس سلسلے میں احادیث منقولہ کے درمیان بظاہر اختلاف نظر آتا ہے کہ بعض سے ممانعت اور بعض سے اجازت ثابت ہوتی ہے۔ معانقہ محبت و اکرام کے جذبہ سے ہو وہ بلا شک و شبہ جائز ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ معانقہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ جسم پر کپڑا نہ ہو بدن پر قمیص و جبہ وغیرہ ہونے کی صورت میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق جائز ہے۔

ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا بھی جائز ہے۔

بزرگانِ دین اور متبعین سنت علماء کے ہاتھ پر بوسہ دینے کو بعض حضرات نے مستحب کہا ہے۔

لیکن مصافحہ کے بعد خود اپنا ہاتھ چومنا کچھ اصل نہیں رکھتا بلکہ یہ جاہلوں کا طریقہ ہے۔ اور مکروہ ہے۔

کسی عالم یا سلطان وحاکم کے ہاتھ کو چومنا ان کے علم وانصاف کی بناپر اور دین کے اعزاز واکرام کے جذبہ سے ہوتو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ان کے ہاتھ چومنے کا تعلق کسی دنیاوی غرض ومنفعت سے ہوتو سخت مکروہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی عالم یا کسی بزرگ سے اس کا پیر چومنے کی درخواست کرے تو اس کو ہرگز نہیں ماننا چاہئے۔

بچوں کو بوسہ دینے کی اجازت ہے اگر چہ غیر کا بچہ ہو۔

آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ اور چہرہ کا بوسہ دینا مکروہ ہے۔

چھوٹے بچے کا بوسہ لینا واجب ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بلکہ اولاً ان امور مذمومہ کا ذکر فرمایا جوان کے وجود پر مترتب ہوتے ہیں تاکہ ان امور مذمومہ سے بچا جاسکے، پھر ان کی مدح فرمائی کہ باوجود ایں ہمہ روح کے لئے سامان راحت ہیں۔ (انسان کی) بقاء معنوی انہی سے ہے۔ اور دنیوی واخروی نظام بھی ان ہی کے دم سے ہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: **الولد ان عاش نفع، وان مات شفع.**

حکیم ترمذیؒ، حضرت حولہ بنت حکیم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: **"الولد من ریحان الجنة".**

ابویعلی حضرت ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: **"الولد ثمر القلب، و أنه مجبنة مبخلة محزنة".**

الفصل الثالث:

بچوں کو گلے لگانا

۴۶۹۲: **عَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ حَسَنًا وَحُسَيْنًا اِسْتَبَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُمَا اِلَيْهِ وَقَالَ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ۔** (رواه احمد)

أخرجه ابن ماجه فی السنن ۱۲۰۹/۲ الحدیث رقم ۳۶۶۶' وأحمد فی المسند ۱۷۲/٤۔

ترجمہ: حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ حسن وحسین دوڑتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو گلے سے چمٹالیا اور فرمایا بے شک اولاد بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔ یہ احمد کی روایت ہے۔

تشریح: **قوله :ان الولد مبخلة مجنة:**

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہاں یہ دونوں محبت سے کنایہ ہیں، جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ چنانچہ یہ مدح ہوگی، اگر چہ ماقبل حدیث میں ذم سے کنایہ تھا۔ اھ۔ یہ بات عجیب وغریب ہے۔ درست بات وہی ہے، جو ہم نے ماقبل میں ذکر کی۔ ان دونوں کو یہاں ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں کمال محبت طبعیہ اور اس مودت عادیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ جو اس شخص کے لئے مورث بخل وجبن ہیں، جو مرتبہ عبودیت اور تقاضائے محبت میں غیر کامل ہو۔ چونکہ محبوب حقیقی وہی ہے اور اس کے سوا مطلوب اضافی ہے، حالانکہ ماقبل میں ایک متفق علیہ حدیث گزری ہے: **لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده و**

ولده والناس أجمعين.

تخریج: اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حاکمؒ نے اسود بن خلف سے، اور طبرانی نے خولہ بنت حکیم سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: **أن الولد مبخلة محبنة مجهلة محزنة.**

ہدیہ باہمی محبت کا باعث ہے

۴۶۹۳: وَعَنْ عَطَاءِ إِلْخِرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبِ الْغِلِّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ۔ (رواه مالك مرسلا)

أخرجه مالك في الموطأ ۲/۹۰۸ الحديث رقم ۱۶۔

ترجمہ: عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہمی مصافحہ کیا کرو اس سے بغض و کینہ جاتا رہے گا اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دشمنی دور ہوگی۔ مالک نے اس کو مرسل نقل کیا ہے۔

تشریح: یذھب: از باب فتح فعل معروف (یَذهَبُ) ہے، اور ایک نسخہ میں از باب افعال فعل معروف (یَذْهِبِ) ہے۔

غل: غین کے کسرہ اور لام کی تشدید کے ساتھ۔ بمعنی حقد (کینہ)۔ ''یذھب'' مجرد سے ہو تو ''الغل'' فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا' اور اگر مزید فیہ سے ہو تو ''الغل'' مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور ضمیر فاعل اس ''تصافح'' کی طرف عائد ہوگی جو ''تصا فحوا'' سے سمجھ میں آ رہا ہے۔

تھادوا: از باب تفاعل، تھادی مصدر سے امر کا صیغہ ہے۔ تاء کے فتحہ اور بائے موحدہ مفتوحہ کی تخفیف کے ساتھ۔

تحابوا: از باب تفاعل، تحابب مصدر سے ہے، ایک تاء حذف ہوا ہے۔

تذھب: مذکورہ بالا یذھب کی مانند دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔

الشحناء: شین معجمہ کے فتحہ کے ساتھ۔ وہ عداوت کہ جس سے سینہ بھرا ہوا ہو۔

''یذھب'' اور ''تحابوا'' یہ دونوں فعل مضارع مجزوم ہیں جواب امر ہونے کی وجہ سے۔

''تذھب'': یہ بھی مجزوم ہے، جواب امر پر عطف ہونے کی وجہ سے۔ باء کا کسرہ عارضی ہے، التقائے ساکنین کی وجہ سے آیا ہے۔

روایاتِ باب:

❶ ابن عدی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے: **تصافحوا يذهب الغل عن قلوبكم.**

❷ ابویعلی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: **تهادوا تحابوا.**

۳ ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے: تهادوا تحابوا وتصافحوا يذهب الغل عنكم.

۴ ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

تهادوا تزدادوا حبا، وهاجروا تورثوا أبناء كم مجدا، وأقيلوا الكرام عثراتهم.

۵ احمد اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے:

تهادوا ان الهدية تذهب وحر الصدر' ولا تحقرن جارة لجارتها ولو شق فرسن شاة.

۶ ابن عدی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے: تهادوا الطعام بينكم فان ذلك توسعة لأرزاقكم.

۷ طبرانی نے ام حکیم بنت رداع سے نقل کیا ہے: تهادوا فان الهدية تضعف الحب وتذهب بغوائل الصدور.

۸ بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

تهادوا فان الهدية تذهب بالسخيمة، ولو دعيت الى كراع لأجبت ولو أهدى الى كراع لقبلت.

عرض مرتب:

ترجمۃ الباب سے مناسبت بظاہر صرف پہلی دو حدیثوں میں نظر آتی ہے۔ دوسری روایت کی مناسبت ہدیہ سے ہے۔

مصافحہ کا اُخروی فائدہ

۴۶۹۴: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا قَبْلَ الْهَاجِرَةِ فَكَاَنَّمَا صَلاَّهُنَّ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْمُسْلِمَانِ اِذَا تَصَافَحَالَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ اِلاَّ سَقَطَ۔

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

أخرجه البيهقى فى الشعب ٦/ ٤٧٤ الحديث رقم ٨٩٥٥۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چار رکعت دوپہر سے پہلے پڑھی گویا اس نے لیلۃ القدر میں اس کو ادا کیا اور جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان جو گناہ بھی ہوتا ہے وہ جھڑ جاتا ہے۔

تشریح: **قوله: فكأنما صلاهن فى ليلة القدر: هاجرة**: نصف نہار سے پہلے کے وقت کو کہتے ہیں۔ اس وقت کو "ظهيره" بھی کہتے ہیں۔

اجر عظیم کا سبب: یہ شدید گرمی کا وقت ہوتا ہے۔ غفلت اور آرام کا وقت ہوتا ہے۔ قولہ: **والمسلمان اذا تصافحالم يبق بينهما ذنب**: گناہ سے مراد بغض و کینہ ہے اور دشمنی ہے، جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں بیان ہوا۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ذنب" کو ان دونوں کی جگہ ذکر کیا کیونکہ "ذنب" ان دونوں کا مسبب ہے۔

عرض مرتب: بظاہر پچھلی حدیث سے مراد عطاء خراسانی کی حدیث ہے: یہ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں، لہٰذا "ذنب" کو عام رہنے دیا جائے، اس صورت میں گناہ سے مراد تمام گناہ ہوں گے، خواہ وہ بغض و کینہ ہو یا کوئی اور گناہ ہو۔

بَابُ الْقِیَامِ

کھڑے ہونے کا بیان

عرض مرتب: ''قیام'' سے متعلقہ احکام ذیل مرتب کی کاوش ہیں۔ (انتھی)

یہاں ''قیام'' سے مراد کسی کے لئے کھڑے ہونا ہے۔

① اگر کوئی ایسا شخص نظر آئے جو علم وفضل اور بزرگی کا حامل ہو تو اس کی تعظیم وتوقیر کے طور پر کھڑے ہو جانا جائز ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

② ایسے شخص کے آنے پر کھڑے ہونا جو نہ صرف یہ کہ اس اعزاز کا مستحق نہ ہو بلکہ اپنے آنے پر لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی طلب وخواہش بھی رکھتا ہو' مکروہ ہے

③ بے جا خوشامد اور چاپلوسی کے طور پر کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے۔

④ دنیاداروں کے لئے کھڑے ہونا اور ان کی تعظیم کرنا بھی نہایت مکروہ ہے۔ اس بارے میں سخت وعید منقول ہے۔

⑤ جہاں زیادہ بے تکلفی ہو کہ بار بار اٹھنے سے اس بزرگ کو تکلیف ہو تو نہ اٹھے۔

⑥ جس شخص کے لئے قیام جائز تھا جب وہ بیٹھ جائے، تو بیٹھ جانا چاہیئے۔

⑦ یہ کفار کی مشابہت ہے کہ سردار بیٹھا رہے اور سب حشم وخدم دست بستہ کھڑے رہیں۔

⑧ کسی شخص کا اہل فضل وعلم، والیٔ عادل کے لئے اور متعلّم کا معلم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ جیسا کہ حدیث سعدؓ سے معلوم ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: حدیث: ۴۶۹۵)

کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں بیٹھنا:

① اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پہلے پہنچ کر بیٹھ جائے جو (ہر خاص وعام کے لئے) مباح ہو۔ مثلاً جمعہ وغیرہ کے دن مسجد میں پہلے پہنچ جائے اور آگے کی صف میں بیٹھ جائے، یا اس کے علاوہ کی اور مجلس وغیرہ میں پہلے پہنچ کر کسی عام جگہ پر بیٹھ جائے، تو وہ اس جگہ بیٹھنے کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہوگا۔ مذکورہ بالا صورت میں کسی شخص کا اس آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنا حرام ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث: ۴۶۹۶، اس حدیث نہی کو امام نوویؒ نے نہی تحریمی قرار دیا ہے)۔

② جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے، اور پھر واپس آجائے، تو اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حقدار ہے، لیکن شرط یہ ہے:
(ا) وہ واپس آنے کے ارادے سے گیا ہو۔ (ب) وہ اپنی نشت پر کوئی نشانی یا چیز رکھ کر گیا ہو۔ (ج) وہ جلد واپس آیا ہو۔

الفصل الاول:

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اکرام

۴۶۹۵: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَۃَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِنْہُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔ (متفق علیه ومضی الحدیث بطوله فی باب حکم الاسرآء)

أخرجه البخاری فی صحیحه ۷/۴۱۱ الحدیث رقم ۴۱۲۱، ومسلم فی ۳/۱۳۸۸ الحدیث رقم ۱۷۶۸، وأبو داؤد فی السنن ۵/۳۹۰ الحدیث رقم ۵۲۱۵، وأحمد فی المسند ۳/۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ نے حضرت سعد کو حکم ثالث مان لیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کی طرف پیغام بھیجا۔ اس وقت حضرت سعد آپ کی قیام گاہ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب وہ مسجد کے قریب ہوئے تو جناب رسول اللہ ﷺ سے انصار کو فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ باب حکم الاسراء میں طویل روایت گزری ہے۔

تشریح: قوله: لما نزلت بنو قریظه علی حکم سعد:

یہ یہود کی ایک جماعت تھی بنو قریظہ نے ان کو ثالث اس لئے بنایا تھا کہ یہ ان کی قوم کے حلیف تھے۔

اہم تنبیہ: صاحب مغرب فرماتے ہیں: سعد جس وقت مطلق بولا جائے تو محدثین کے نزدیک اس سے مراد سعد بن عبادہؓ یا سعد بن معاذؓ ہوتے ہیں۔ اھ۔

قوله: بعث رسول الله ﷺ:

ایک نسخہ صحیحہ میں "الیه" بھی ہے۔

من المسجد: ابن ملکؒ کا کہنا ہے، کہ یہاں مسجد سے مراد مصلےٰ (یعنی مطلقاً نماز گاہ) ہے۔ امام میرکؒ کا کہنا ہے کہ اس روایت میں "مسجد" کا ذکر وہم ہے۔ چونکہ نبی کریم علیہ السلام اس واقعہ کے وقت بنو قریظہ میں فروکش تھے۔ یا یہ کہا جائے کہ اس مسجد سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں اس قیام کے دوران آپ ﷺ نمازیں ادا فرماتے رہے۔

یہاں کونسا قیام مراد ہے:

اس سلسلے میں علماء کی آراء میں شدید اختلاف ہے:

① بعض علماء کا کہنا ہے، کہ اس قیام کا مقصد (تعظیم نہیں تھا بلکہ) سعد بن معاذؓ کی اعانت کرنا تھا، تا کہ وہ گدھے پر سے اتر سکیں، چونکہ حضرت سعد بن معاذؓ بیمار تھے۔

② امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ قیام حسن سلوک اور اکرام کے جذبہ کے پیش نظر تھا، لہٰذا درست تھا۔

ملا علی قاریؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت معاویہ کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: بظاہر صحابہ کرامؓ ان کی خدمت کے لئے کھڑے ہوئے تھے تاکہ تعظیم کے لئے، پس اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث سعد اس پر دلالت کر رہی ہے۔

عرضِ مرتب:

تشریح مزید اگلی دو احادیث میں مکرر آ رہی ہے۔

مجالس میں توسیع کرو

۴۶۹۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيح ۱۱ /۶۲ الحديث رقم ۶۲۶۹، ومسلم في ۴/۱۷۱۴ الحديث رقم ۲۱۷۷، والترمذي في السنن ۵ /۸۲ الحديث رقم ۲۷۴۹، والدارمي في ۲/۳۶۶ الحديث رقم ۲۶۵۳، وأحمد في المسند ۲ /۱۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی آدمی دوسرے کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں خود بیٹھ جائے مگر مجالس میں کشادگی اور توسیع اختیار کرو۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں: یہ نہی تحریمی ہے پس جو شخص کسی موضع مباح مثلاً مسجد وغیرہ میں جمعہ کے دن یا کسی اور نماز وغیرہ کے لئے پہلے پہنچ جائے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے، اس کو وہاں سے اٹھانا حرام ہے، اس حدیث کی بناء پر۔ مگر ہمارے اصحاب نے اس ممانعت سے چند مواقع مستثنیٰ قرار دیئے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں کسی خاص جگہ بیٹھ کر فتویٰ دیتا ہے، یا قرآن پڑھاتا ہے، یا علوم شرعیہ کا درس دیتا ہے، تو ایسی صوت میں یہ شخص اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ کسی شخص کو اس سے نزاع کا حق حاصل نہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس بات کا محل بحث ہونا بالکل واضح ہے۔ چونکہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اور نہی صریح ہے۔ کیا یہ مذکورہ تعلیل اس حدیث کے اس حکم میں تخصیص کے قابل ہے؟ علاوہ ازیں حدیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے، کہ کوئی شخص اپنے لئے جگہ مخصوص کرے، چونکہ اس میں ریاء کاری کا اندیشہ ہے، جو منافی اخلاص ہے۔

لا يقيم: از باب افعال "اقامة" مصدر سے ہے۔

مجلس: اسم ظرف کا صیغہ ہے۔

قوله: ثم يجلس فيه: یہ قید واقعی غالبی ہے۔

تفسحوا: عرب کے قول فسح عنی بمعنی "تنحّ" سے ماخوذ ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "تفسحوا وتوسعوا" سے پہلے عبارت مقدر ہے ای ولكن ليقل: تفسحوا وتوسعوا۔

اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے، بلکہ اس سے یہ کہے: کشادگی سے بیٹھو، اور آنے والے کو جگہ دو۔

تفسحوا وتوسعوا: یہ جملہ تاکید ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ مل مل کر مت بیٹھو، بلکہ کشادہ ہو کر بیٹھو، تاکہ مجلس کشادہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [المجادلة:١١]
''مؤمنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل جاؤ تو کھل کر بیٹھا کرو خدا تم کو کشادگی بخشے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کریگا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔''

جگہ سے اُٹھنے والا لوٹنے پر جگہ کا زیادہ حقدار ہے

٤٦٩٧: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ٤/١٧١٥ الحديث رقم ٢١٧٩، والترمذي في السنن ٥/٨٣ الحديث رقم ٢٧٥١، وابن ماجه في ٢/١٢٢٤ الحديث رقم ٣٧١٧، والدارمي في كتاب الاستئذان ٢/٣٦٦ الحديث رقم ٢٦٥٤، وأحمد في المسند ٢/٤٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بیٹھنے کی جگہ سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس لوٹ آئے تو وہ اپنی جگہ کا دوسرے کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

تشریح: جلدی لوٹ آنے کی قید اس لئے لگائی کہ مثلاً جو شخص عرفہ یا منیٰ میں کوئی جگہ اپنے لئے مخصوص کرے اور اگلے سال دوبارہ وہاں آئے تو اس خاص جگہ کے بارے میں اس کا حق پہلے سے آئے ہوئے لوگوں سے بڑھ کر نہیں ہے، چنانچہ بہت سے لوگوں کو اس سلسلہ میں وہم ہے۔ ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا ہوا ہو، پھر اٹھ کر وضو کے لئے چلا جائے یا کسی معمولی کام کرنے کے لئے چلا جائے، خواہ اپنی جگہ میں اس نے کوئی چادر وغیرہ چھوڑی ہو یا نہ چھوڑی ہو، تو وہ شخص اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے پس اگر وہ واپس لوٹا اور اپنی جگہ کسی کو پائے تو اس کو حق حاصل ہے کہ اس نو وارد کو وہاں سے اٹھا دے، چونکہ اس آمد و رفت سے اس شخص اول کا اختصاص ختم نہیں ہوا۔ اھ۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ شخص وہاں اپنی جگہ کوئی چیز چھوڑ کر نہیں گیا تھا تو اس کا اختصاص باطل ہو جائے گا، مباح اپنی اصل پر لوٹ آئے گا، عنقریب آگے ایک حدیث آ رہی ہے جو اس پر دلالت کر رہی ہے: انه ﷺ **اذا جلس فقام فأراد الرجوع نزع نعله** ...... امام نووی رحمہ اللہ نے ماقبل میں اس کو بلا تعمیم کے ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو...... پھر فرمایا: ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے، اور درست بات پہلی ہی ہے، وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار صرف اس نماز

میں ہوگا۔

الفصل الثانی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے

۴۶۹۸: عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

أخرجه الترمذی فی السنن ٥/٨٤ الحديث رقم ٢٧٥٤۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ومعزز کوئی نہ تھا مگر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھتے تو وہ کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ اس بات سے متعلق آپ کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔

تشریح ......: ناپسندیدگی کی وجہ:

❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "أنا و أتقياء أمتی برآء من التكلف"۔ (میں اور میری امت کے متقی لوگ تکلف سے بیزار ہیں)۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تکلف کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ اہل عرب کی عادات پر ثابت قدم تھے کہ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، پہننے، اخلاق واطوار میں تکلفات سے اجتناب برتتے تھے۔ اور متکبرین ومتبحرین کی عادات کی مخالفت فرماتے تھے۔

❷ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: باہمی کمال محبت کا تقاضا یہی تھا، کہ تکلف وحشمت کے پردے اٹھا دیئے جاتے۔ صحابہ کرام کو حضور سے محبت کس قدر تھی اس کا اندازہ خود اسی روایت کے الفاظ" **لم يكن شخص أحب اليهم من رسول الله ﷺ**" سے لگایا جاسکتا ہے۔

امام حامد فرماتے ہیں: جب اتحاد تام ہوجاتا ہے تو باہمی حقوق مثلاً قیام' اتذار وثناء ہلکے ہوجاتے ہیں' چونکہ اگرچہ حقوق میں سے ہیں لیکن ان کے ضمن میں ایک قسم کی اجنبیت اور تکلف ہے۔ پس جب اتحام تامہ ہوجاتا ہے تو بساط تکلیف بالکلیہ مٹ جاتا ہے' پس اس وقت اپنے جی کی ہی راہ پر چلتا ہے' چونکہ یہ ظاہری آداب' باطنی آداب کا عنوان ہوتے ہیں۔ پس جب دلوں میں خالص ہوجاتی ہے تو دلوں کی بات کے اظہار کے تکلف سے مستغنی ہوجاتے ہیں۔

اور ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ قیام وترک قیام کا تعلق اوقات، اشخاص اور احوال کے تفاوت پر مبنی ہے۔ بعض اوقات، بعض حالات میں بعض آنے والوں کے لئے کھڑا ہوجانا مناسب ہے، اور بعض صورتوں میں کھڑا نہ ہونا مناسب ہے۔

لوگوں کے استقبال کا خواہش مند اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے

۴۶۹۹: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواه الترمذی وابو داؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/٣٩٨ الحديث رقم ٥٢٢٩، والترمذی فی ٥/٨٤ الحديث رقم ٢٧٥٥، وأحمد فی المسند ٤/١٠٠۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے مورتیوں کی طرح کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ یہ ترمذی ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح ...... : اہم تنبیہ:

معاویہ جس وقت مطلقاً بولا جائے، تو اس سے مراد حضرت معاویہؓ بن أبی سفیان ہوتے ہیں۔

قوله: يتمثل له: مثل بين يديه متولاً: أي انتصب قائما سے مأخوذ ہے۔ (کذا ذکرہ بعض الشراح) یعنی اس کے سامنے کھڑے رہیں اس کی خدمت اور تعظیم کے لئے اور ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ خدمت کے لئے کھڑا ہوا کرتے تھے نا کہ تعظیم کے لئے، پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حدیث سعد اس پر دلالت کر رہی ہے۔

قیاماً: امام طیبیؒ لکھتے ہیں: قیاما مفعول مطلق ہے، چونکہ تمثیل میں قیام کے معنیٰ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمیز ہو، چونکہ "مثول" دونوں معنیٰ کے درمیان مشترک ہے۔

من سره: الجامع کی روایت میں "من أحب" کے الفاظ ہیں۔

قوله: فليتبوأ مقعده من النار:

صیغہ اگر چہ امر کا ہے، مگر خبر کے معنیٰ میں ہے۔ گویا تقدیر یوں ہے: **من سره ذلك وجب له أن ينزل منزله من النار**.

یعنی جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے باادب کھڑے رہیں تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے اپنے آپ کو دوزخ میں داخل ہونے کا مستوجب بنالیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ وعید اس شخص کے حق میں ہے جو بطریق تکبر اپنے سامنے لوگوں کے کھڑے رہنے کو پسند کرتا ہو، جیسا کہ الفاظ حدیث اس کا قرینہ ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اس طرح کی طلب وخواہش نہ رکھتا ہو بلکہ لوگ خود اپنی خوشی سے اس کی خدمت کے لئے یا طلب ثواب کی خاطر یا بطور تواضع وانکساری اس کے سامنے کھڑے رہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں خطابی سے یہ نقل کیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ (اس وعید کا تعلق اس شخص کی ذات سے ہے) جو بطریق کبر وفخر لوگوں کو یہ حکم دے کہ وہ اس کے سامنے کھڑے رہیں یا وہ لوگوں کے لئے ضروری قرار دے (وہ جب بھی اس کے سامنے آئیں کھڑے رہیں) نیز کہا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو حدیث گزری ہے وہ اس

بات کی دلیل ہے کہ صاحب فضیلت سردار اور عادل والی کے سامنے کسی شخص کا باادب کھڑے رہنا اور شاگرد کا اپنے استاد کے سامنے کھڑا رہنا' مستحب ہے نہ کہ مکروہ۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ لوگوں کا کھڑے رہنا دراصل بھلائی حاصل کرنے اور تکریم و توقیر کے طور پر کھڑے ہو جانے کے مرادف ہے جیسا کہ (آنحضرت ﷺ کے حکم پر) انصار حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا جیسا کہ حضرت طلحہؓ حضرت کعب بن مالک کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سامنے لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی طلب رکھے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو تو وہ اس سے کینہ رکھے' یا اس کا شکوہ کرے یا اس سے ناراض ہو جائے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ شرح السنہ میں (یہ حدیث یوں) مذکور ہے:

"عن أبی مجلز ان معاویة خرج، وعبد اللّٰه بن عامر، وعبد اللّٰه بن الزبیر جالسان، فقام، ابن عامر، وقعد ابن الزبیر فقال معاویة ان رسول اللّٰه ﷺ قال: من سره أن یتمثل له عباد اللّٰه قیاما فلیتبوأ مقعده من النار".

تعظیم کے لئے کھڑا ہونا فعلِ عجم ہے

۴۷۰۰: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۳۹۸ الحدیث رقم ۵۲۳۰' وابن ماجه فی ۲/۱۲۱۱ الحدیث رقم ۳۸۳۶' وأحمد فی المسند ۲۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ لاٹھی پر ٹیک لگا کر باہر تشریف لے گئے تو ہم کھڑے ہو گئے اس پر آپ نے فرمایا تم عجمیوں کی طرح ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے مت کھڑے ہو۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: **یعظم بعضها:** بعض روایات میں "**بعضهم**" ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس وقت بیمار تھے اس لئے عصا مبارک پر سہارا دیئے ہوئے باہر تشریف لائے تھے' صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو گئے' اس پر آپ ﷺ نے ان سے یہ بات ارشاد فرمائی۔

عجمیانہ تعظیم کا مطلب:

اس سے مراد یہ ہے کہ عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو، چونکہ وہ لوگ مال و منصب کی وجہ سے قیام کرتے ہیں۔ (کہ جب ان کا کوئی سردار یا بڑا آدمی ان کی مجلس میں آتا ہے، تو محض اس کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔) (ذکرہ ابن الملک) ہمارے علماء میں سے ایک سارح نے بھی یہی کہا ہے۔ تعظیم تو علم و صلاح کے باعث ہونی چاہیئے۔ لہٰذا جب قیام و تعظیم اللہ کی خاطر ہو گی تو مستحسن ہو گی۔ اھ

مذکورہ بالا مطلب پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا نقد:

ابن الملکؒ وغیرہ کا کلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے صحابہ کرام کے لئے اس نہی سے مناسبت نہیں رکھتا۔ یہ بات تو بلا غبار ہے، کہ صحابہ کرام کا قیام اللہ کے لئے ہوتا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے ہوتا تھا۔ اور ممکن ہے، کہ یہ ممانعت اس وجہ سے فرمائی ہو کہ صحابہ کرام متمثل ہو کر کھڑے ہوئے ہوں، اس لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہو۔ اور اپنے مقصود کو مبالغہ کے انداز میں ذکر کرتے ہوئے، مطلق قیام سے منع فرما دیا۔ یا اس قیام سے مراد وقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۷۰۱: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِى الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ نَا اَبُوْبَكْرَةَ فِىْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَاَبٰى اَنْ يَّجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ذَا وَ نَهَى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهٗ بِثَوْبِ مَنْ لَّمْ يَكْسُهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فى السنن ٥/١٦٥ الحديث رقم ٤٨٢٧، وأحمد فى المسند ٥/٤٤۔

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ ہمارے ہاں شہادت کے لئے تشریف لائے تو ایک آدمی ان کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا مگر انہوں نے اس جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو دوسرے آدمی کے کپڑے سے ہاتھ صاف کرنے سے منع فرمایا جس کو اس نے کپڑا نہیں پہنایا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: لم یکسه: یاء کے فتحہ اور سین کے ضمہ کے ساتھ۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهٰى عن ذا" کا مطلب:

① ایسی جگہ بیٹھنے سے منع فرمایا کہ جس جگہ سے کوئی شخص اٹھا ہو، تاکہ وہاں کسی دوسرے کو بٹھائے۔ (ذکرہ الطیبی)

② کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے سے منع فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اشارہ اس معنی کی طرف ہو جو سیاق سے مفہوم ہو رہا ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے۔ اور یہ اسی معنی میں ہے۔ اس مفہوم کی تائید ان حدیثوں سے بھی ہوتی ہے:

(ا) **لا يقيم الرجل الرجل من مجلسه ثم يجلس فيه، ولكن تفسحوا وتوسعوا**۔ (حدیث: ۴۶۹۲)

(ب) **عن ابن عمر** رضی اللہ عنہما، **أنه** صلی اللہ علیہ وسلم **نهى أن يقام الرجل من مقعده ويجلس فيه آخر**۔ (بخاری)

ملاحظہ: دونوں صورتوں کا حکم شرعی ایک ہی ہے۔

قوله: نهى النبى صلی اللہ علیہ وسلم **أن يمسح الرجل يده بثوب من لم يكسه:**

اس ممانعت سے مقصود مال غیر میں تصرف کرنے اور ایسے شخص پر تحکم سے جو زیر ولایت نہ ہو، منع فرمانا ہے۔ مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہاتھ کھانے میں لتھڑے ہوئے ہوں تو اپنے ہاتھ کسی اجنبی سے مت پونچھو، پونچھتے ہی ہیں تو اپنے غلام یا اپنے بیٹے وغیرہ کی ازار سے پونچھو کہ جن کو تم نے کپڑا پہنایا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ شاید کپڑے سے مراد

ازار اور منديل (رومال) وغیرہ ہیں۔ پس جب اس پر لفظ ثوب کا اطلاق فرمایا تو معنی کی مناسبت سے اس کے بعد کسوۃ کا ذکر فرما دیا۔ چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ کی اجنبی کے رومال سے پونچھے پس اپنے رومال سے ہاتھ پونچھے یا کسی ایسے شخص کے رومال سے ہاتھ پونچھے جس کو اس نے کپڑا بطور ھبہ پہنایا ہے مثلاً اپنا غلام یا اپنا بیٹا۔ (انتھی)
زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ جواز بھی اسی صورت میں ہوگا جب وہ صاحب کپڑا اس کے اس عمل پر راضی ہو اور اسی طرح جب علم ہو کہ یہ شخص اپنی جگہ سے طیب خاطر کے ساتھ اس کو جگہ دینے کے لئے اٹھا ہے تو وہاں بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿تفسحوا فی المجلس﴾ [المجادلة:۱۱] اور ﴿واذا قيل انشروا ما فانشروا﴾ [المجادلة:۱۱] سے مستفاد ہو رہا ہے۔ اور اس جواز کی ایک دلیل یہ حدیث: صدر الدابة أحق بصا حبها الا اذا أذن بھی ہے۔ فروع میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں جیسا کہ باب امام الجنازۃ میں ہے۔ پس صحابی کا وہاں بیٹھنے سے انکار فرمانا یا تو ان صاحب کی رضامندی کے بارے میں شک کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے کسی کام سے کھڑا ہوا ہو یا شرم وحیاء کی وجہ سے کھڑا ہوا ہو یا ان کا وہاں بیٹھنا احتیاط وورع کے پیش نظر تھا یا انہوں نے ممانعت کی حدیث کو مطلق پر محمول کیا ہوگا:

عرض مرتب: اس جملہ ”نهى النبى ﷺ أن يمسح الرجل يده بثوب من لم يكسه کی مزید تفصیل ”کتاب الاطعمة“ فصل اول، حدیث: ۴۱۶۴ حدیث کعب کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

تخریج: آخری نہی میں امام احمدؒ نے بھی موافقت کی ہے۔

اپنی جگہ لوٹنا ہو تو علامت رکھیں

۴۷۰۲: وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَہٗ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَہٗ اَوْ بَعْضَ مَا یَکُوْنُ عَلَیْہِ فَیَعْرِفُ ذٰلِکَ اَصْحَابُہٗ فَیُثَبِّتُوْنَ۔

(رواہ ابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/ ۱۸۰ الحديث رقم ٤٨٥٤۔

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو ہم آپ کے اردگرد بیٹھتے۔ پھر اگر واپسی کے ارادہ سے گھر تشریف لے جاتے تو اپنے جوتے اتار کر وہاں رکھ جاتے یا جسم سے اور کوئی چیز اتار کر اس جگہ چھوڑ جاتے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

تشریح: نزع نعله: جواب شرط ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت برہنہ پا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے ہوں۔

جلسنا حوله: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں، بائیں اور سامنے بیٹھا کرتے تھے، چاروں طرف نہیں بیٹھا کرتے تھے، چونکہ حلقہ کے درمیان میں بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث: ۴۷۲۲۔

فقام: اس کا عطف ''جلس'' پر ہے۔

فَائِدَہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ننگے پاؤں بھی چلا کرتے تھے۔
چونکہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے: کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اصحاب کو حکم دیا کرتے تھے، کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کرو۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: کوئی بعید نہیں کہ ننگے پاؤں کہیں اور بھی تشریف لے جاتے ہوں۔

دو بیٹھنے والوں کے درمیان مت گھسے

۴۷۰۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۱۷۵ الحدیث رقم ۴۸۴۵، والترمذی فی ۵/۷۳ الحدیث رقم ۲۷۵۲، وأحمد فی المسند ۲/۲۱۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دو بیٹھنے والوں کے درمیان اس کی اجازت کے بغیر جدائی ڈالے۔ یہ ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے۔

تشریح: أن یفرق: راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

ممانعت کی حکمت:

مطلب یہ ہے کہ اگر دو آدمی ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں تو کسی تیسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان گھس کر بیٹھ جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں آدمی آپس میں محبت کا تعلق رکھتے ہوں اور رازدارانہ طور پر ایک دوسرے سے کوئی بات چیت کرنا چاہتے ہوں، اگر کوئی تیسرا آدمی ان کے درمیان حائل ہو کر بیٹھے گا تو اس کا وہاں بیٹھنا ان پر شاق گزرے گا۔ علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ دونوں بیٹھے ہوئے آدمی آپس میں محبت وتعلق رکھتے ہیں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے اور اگر یہ معلوم ہو کہ ان دونوں کے درمیان اتحاد ومحبت کا علاقہ نہیں ہے تو اس صورت میں ان کے درمیان بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا اور اگر ان دونوں کے درمیان تعلق مبہم ہو یعنی یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے درمیان محبت کا علاقہ ہے یا نہیں یا سرے سے یہ معلوم ہی نہ ہو تو اس صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ ان کے درمیان نہ بیٹھے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

أنه ﷺ نهى أن يجلس الرجل بين الرجل الا باذنهما.

پہلے سے بیٹھنے والوں میں بلا اجازت جدائی نہ ڈالو

۴۷۰۴: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ١٧٥/٥ الحديث رقم ٤٨٤٤۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دو آدمیوں کے درمیان مت بیٹھو جو پہلے سے بیٹھے ہوں۔ مگر یہ کہ وہ اجازت دیں۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

فائدہ: جامع کی تصریح کے مطابق "عن جده" سے مراد ابن عمرو ہیں۔

تشریح: قوله: لا تجلس: اگرچہ صیغہ خطاب کا ہے، مگر مراد عام ہے۔

الفصل الثالث:

رخصت کرنے کے لئے کھڑا ہونا

۴۷۰۵: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ۔

أخرجه البيهقی فی شعب الايمان ٤٦٧/٦ الحديث رقم ٨٩٣٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھتے اور باتیں فرماتے۔ پھر جب آپ اٹھتے تو ہم بھی اٹھ جاتے اور دیر تک کھڑے رہتے یہاں تک ہم دیکھتے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اٹھتے تو یہی اس وقت صحابہ کا کھڑا ہونا احتراماً کھڑے ہو جانے کے طور پر نہیں ہوتا تھا بلکہ مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے ہوتا تھا اور ظاہر بھی یہی ہے کہ جب صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت نہیں کھڑے ہوتے تھے تو جانے کے وقت کیوں کھڑے ہوتے تھے۔

اس وقت صحابہؓ دیر تک کھڑے رہتے تھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے لئے فرمائیں گے یا یہ امید ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لائیں گے اور مجلس برقرار رہے گی، لیکن جب یہ اُمید ختم ہو جاتی تو صحابہ اپنی اپنی راہ پکڑتے اور وہیں جے نہیں بیٹھے رہتے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجلس میں (پہلے جیسی) حلاوت نہیں رہتی تھی۔

مسلمان کے لئے جگہ چھوڑ دے

۴۷۰۶: وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ. (رواهما البيهقي في شعب الايمان)

أخرجه البيهقي في الشعب ٦/٤٦٨ الحديث رقم ٨٩٣٣۔

ترجمہ: حضرت واثلہ بن خطابؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جب کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس شخص کو جگہ دینے کے لئے آپ ﷺ اپنی جگہ سے حرکت کر کے ایک طرف سمٹ گئے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مکان میں بیٹھنے کی جگہ کافی کشادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مسلمان کا حق ہے۔ کہ جب اس کو اس کا مسلمان بھائی نظر آئے تو اس کے لئے وہ اپنی جگہ چھوڑ دے اور ایک طرف کھسک جائے۔ ان دونوں روایات کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح: **سعة**: سین کے فتحہ کے ساتھ۔ بمعنی وسع۔

لحقا: لام برائے تاکید حکم ہے اور جامع کی روایت میں یہ لفظ بغیر لام کے ہے۔

اذا: ظرف ہے "أن یتزحزح" کے لئے۔ "ان یتزحزح": یہ جملہ درحقیقت "لحقًا" کا بیان یا بدل ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

① قادم کا اکرام مستحب ہے۔

② قادم کو مجلس کی نمایاں جگہ پر بٹھایا جائے۔

ملا علی قاری مؤخر الذکر مسئلہ پر ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس مفہوم پر حدیث کی دلالت بالکل نہیں ہے۔ البتہ ہر شخص کو اس کے مناسب مقام پر بٹھایا جائے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ وغیرہ سے مرفوعاً مروی ہے: **انزلوا الناس منازلهم.** خرائطی سے مروی ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **أنزل الناس منازلهم۔ من الخير والشر، وأحسن أدبهم على الأخلاق الصالحة** ۔

عرض مرتب:

اس حدیث کی شرح کے لئے ملاحظہ فرمائیے حدیث: ۴۹۸۹ کی تشریح۔

بَابُ الْجُلُوسِ وَالنَّوْمِ وَالْمَشْيِ

بیٹھنے، لیٹنے، سونے اور چلنے کا بیان

الفصل الاول:

گوٹ مار کر بیٹھنا جائز ہے

۴۷۰۷: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ۔

(رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۶۵ الحديث رقم ۶۲۷۲، وابن ماجه فی السنن ۱۲۲۷/۲ الحديث رقم ۳۷۳۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صحن میں ہاتھ کے ساتھ گوٹھ مار کر بیٹھے دیکھا۔ (بخاری)

تشریح: فناء: صاحب قاموس لکھتے ہیں: فاء کے کسرہ اور نون ممدودہ کے ساتھ بروزن كسائما اتسع من أمامها.
فناء الكعبة سے کیا مراد ہے؟ ❶ جانبها من قبل الباب. (ذكره ابن حجر) ❷ هو سعة أمام البيت. ❸ قيل: ما امتد من جوانبه. ❹ قيل: الموضع المتسع المحاذی لبابه.

احتباء کی کیفیت:

سرین کے بل بیٹھ کر، گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا۔ (بسا اوقات پنڈلیوں پر ہاتھوں کے ذریعے حلقہ باندھنے کی بجائے ان پر کپڑا باندھ لیا جاتا ہے۔) اس سے "محتبیاً" بیٹھنے کی سنت بتلانا ہے۔ (ذکرہ ابن الملک) بظاہر فقط اس فعل سے سنت ثابت نہیں ہو سکتی، البتہ بیان جواز اور دلیل استحباب قرار دیا جا سکتا ہے۔

چت لیٹنے کی اباحت

۴۷۰۸: وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا اِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔ (متفق عليه)

أخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱/۸۰ الحديث رقم ۶۲۸۷، ومسلم فی ۱۶۶۲/۳ الحديث رقم ۲۱۰۰ وأبو داوٗد فی السنن ۱۸۸/۵ الحديث رقم ۴۸۶۶، والترمذی فی ۸۸/۵ الحديث رقم ۲۷۶۵، والدارمی فی ۳۶۷/۲ الحديث رقم ۲۶۵۶۔

ترجمہ: حضرت عباد بن تمیم نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدم کو دوسرے پر رکھنے والے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

راویانِ حدیث:

عبداللہ بن زید۔ یہ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری ہیں۔ بنو مازن بن نجار میں سے ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے۔ مگر غزوہ بدر میں شرکت نہیں کر سکے یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے ''**مسیلمہ کذاب**'' کو قتل کیا وحشی بن حرب کے ساتھ شریک ہو کر۔ صاحب تہذیب لکھتے ہیں کہ وحشی نے مسیلمہ پر نیزہ سے حملہ کیا تھا' اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کے وار سے کام تمام کیا تھا۔ یہ عبداللہ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں قتل کر دیئے گئے۔ ان سے ''عباد بن تمیم'' جوان کے بھتیجے ہیں اور ابن المسیّب روایت کرتے ہیں۔ ''عباد'' بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

عباد بن تمیم۔ کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ''الاکمال'' میں دونوں میں سے کسی کے بھی حالات ذکر نہیں فرمائے۔ مرتب عرض کرتا ہے کہ ہمارے نسخہ میں ان کے چچا عبداللہ بن زید بن عاصم کے حالات موجود ہیں۔

تشریح: ''عباد'' عین مہملہ کے فتحہ اور بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ۔ مؤلفؒ نے ان دونوں کا ذکر ''الاسماء'' میں نہیں کیا ہے۔ ان کے چچا کے بارے میں میرکؒ فرماتے ہیں: ان کا نام عبداللہ بن زید بن عاصم تھا' یہ انصاری و مازنی تھے۔ ان کی کنیت ''ابو محمد'' تھی مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ صفت وضوء وغیرہ کے بارے میں ان سے روایات مروی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے ''مسیلمہ کذاب'' کو واصل جہنم کیا تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ میں شہید کر دیئے گئے۔

مستلقیا: حال ہے۔ ای حال کونہ مضطجعًا علی ظهره۔

واضعا: حال داخلہ یا حال مترادفہ ہے۔

فائدہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لینا جائز ہے۔

تعارض:

① ''حضرت عبادہ بن تمیم تابعیؒ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قدم' دوسرے قدم پر رکھا ہوا تھا''۔ (بخاری و مسلم)

② ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس پر رکھ لے درآنحالیکہ وہ چت لیٹا ہوا ہو''۔ (مسلم)

③ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھ لے''۔ (مسلم)

تشریح تعارض:

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ پاؤں کو پاؤں پر رکھ کر لیٹنا جائز ہے۔ دوسری اور تیسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح لیٹنا ممنوع ہے۔

رفع تعارض:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ طریقہ بیان جواز کے لئے اختیار فرمایا اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ جب تم لیٹا کرو تو اس طرح لغتا کرو اور یہ کہ میں نے لیٹنے کے جس طریقے سے تم کو منع کیا تھا وہ علی الاطلاق نہیں ہے وہ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کشف عورۃ سے اجتناب کیا جائے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسا ضرورت کی وجہ سے کیا ہو کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تھکاوٹ ہوگی یا طلب راحت کے لئے ایسا کیا ہو وگرنہ تو یہ بات معلوم ہی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجمع میں دوسری طرح جلوہ افروز ہوا کرتے تھے بلکہ وقار تواضع کے ساتھ متربعا تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ اھ۔ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ حدیث نہی منسوخ ہے۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں اگر یہ نہی سے مقدم ہو۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس قسم کا احتمال معرفت تاریخ کے بغیر صحیح نہیں۔ پس ان دونوں (احتمالات) سے اعراض اولیٰ ہے۔ ممانعت وجواز کا اصل مدار ستر کے کھلنے نہ کھلنے پر ہے۔

مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹنا دو طرح سے ہوتا ہے:

ایک (''وضع القدم علی القدم'' یعنی) یہ کہ دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں اور ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی ہو۔ اس طریقہ پر لیٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ستر کھل جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (لہٰذا عباد بن تمیم رحمہ اللہ کی روایت میں یہی صورت مراد ہے)۔

دوسرا طریقہ یہ ہے: ''وضع الرجل علی الرجل'' یعنی چت لیٹ کر ایک ٹانگ کے گھٹنے کو کھڑا کر لیا جائے اور دوسری ٹانگ کے پیر کو اس کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھ لیا جائے (یہ طریقہ ممنوع ہے۔) لہٰذا جب ستر کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے پاجامہ پہن رکھا ہو یا تہ بند باندھ رکھا ہو اور وہ تہ بند یا کرتے کا دامن اتنا بڑا ہو کہ اس طریقہ سے لیٹنے کی وجہ سے ستر نہ کھل سکتا ہو تو اس طریقہ سے لیٹنا جائز ہے ہاں! اگر ستر کھلنے کا کوئی اندیشہ ہو تو پھر اس طریقہ سے لیٹنا جائز نہ ہوگا۔

چت لیٹے پاؤں پر پاؤں رکھنے کی ممانعت

۴۷۰۹: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم في صحيحه ١٦٦٢/٣ الحديث رقم ٢٠٩٩ وأبو داوٗد في السنن ١٨٧/٥ الحديث رقم ٤٨٦٥، وأحمد في المسند ٢٩٩/٣۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص چت لیٹنے کی حالت میں ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس پر رکھے۔

تشریح: مستلق علی ظهره: اس میں صنعت تجرید ہے، یا تاکید ہے' جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق نہی کا اسلوب اس لئے اختیار فرمایا کہ (اس زمانہ میں لوگوں کی) عام عادت تہبند باندھنے کی تھی۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے ابوسعید سے ان الفاظ سے کے ساتھ ذکر کیا ہے: نهي أن يضع الرجل الخ.

ستر کے کھل جانے کا خطرہ ہو تو پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کی ممانعت

۴۷۱۰: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔ (رواه مسلم)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/٢٥٨ الحديث رقم ٥٧٨٩' ومسلم فی ٣/١٦٥٣ الحديث رقم ٢٠٨٨' والترمذی فی السنن ٤/٥٦٥ الحديث رقم ٢٤٩١' والنسائی فی ٨/٢٠٦ الحديث رقم ٥٣٢٦' والدارمی فی ١/١٢٧ الحديث رقم ٤٣٧' وأحمد فی المسند ٢/٢٦٧۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا اس پر رکھے۔

تشریح: يضع: مرفوع ہے (هو مبتدا محذوف کی خبر ہے) ای هو يضع اور ایک نسخہ میں مجزوم ہے۔ (گویا کہ "لا" مقدر ہے) أي ثم لا يضع. نہی استلقاء مقید کی ہے، نا کہ مطلق استلقاء کی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ماقبل میں بیان ہوا۔

خود پسندی کی فوری سزا

۴۷۱۱: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِيْ بُرْدَيْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ خُسِفَ بِهِ الْاَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (متفق عليه)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/٣٨٠ الحديث رقم ٤١٤٣' والترمذی فی ٥/٩١ الحديث رقم ٢٧٧٠۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی دو دھاری دار کپڑے پہنے جا رہا تھا اور وہ اترا کر مٹک مٹک کر جا رہا تھا اس کے نفسانی غرور نے اسے خود پسندی میں ڈال دیا تھا۔ زمین اس شخص کو نگل گئی چنانچہ قیامت کے دن تک وہ زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: خسف: فعل مجہول ہے۔

"به" خسف کا نائب فاعل ہے۔ ~~الارض~~ "منصوب ہے مفعول ثانی ہے "خسف" کا، اس ترکیب کو سعدی چلپی

نے اس آیت کریمہ کے تحت ذکر کیا ہے: ﴿فخسفنابه وبداره الارض﴾ [القصص:۸۱]

ایک احتمال یہ ہے کہ "الارض" منصوب بنزع الخافض ہو۔ای فیھا۔اس احتمال کی تائید قاموس کی عبارت سے بھی ہوتی ہے: خسف الله بفلان الارض. أی غيب فيها.

يتجلجل: میں دوجہیں ہیں۔ای یغوص ویذهب صاحب النہایہ لکھتے ہیں: الجلجلة: حركة مع الصوت بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے وہ قارون تھا۔بعض کا کہنا ہے کہ وہ اہل فارس میں سے کوئی بدو تھا۔امام نوویؒ نے یہ لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ وہ شخص اس اُمت کا کوئی فرد ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امت کے فرد کا ذکر کیا ہو' جیسا کہ "کتاب اللباس" میں گذرا۔

الفصل الثانی:

بائیں پہلو پر تکیہ لگانے کی اجازت

۴۷۱۲:عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ عَلٰى يَسَارِهٖ۔

(رواه الترمذی)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/ ١٧٥ الحديث رقم ٤٨٤٦، ولم يذكر المسجد۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں پہلو پر تکیہ لگائے دیکھا۔(ترمذی)

تشریح: "رأيت": بمعنی "أبصرت" ہے۔

متكئًا: رأيت کے مفعول سے حال ہے۔

على وسادة: "متكئًا" کے متعلق ہے۔

على يساره: اس کے متعلق میں دو احتمال ہیں: ❶ "كائنة" کے متعلق ہو کر" وسادة " کی صفت ہے۔ أی كائنة على جانب يسارة.

❷ "متكئًا" کے متعلق ہے۔ظرف اول کے ساتھ مقید کرنے کے بعد' چنانچہ یہ "ظریف المظروف" کے قبیل سے ہو گا۔(ذکرہ الحنفی) ابن حجر فرماتے ہیں: (حال ہے) أی: حال کونها موضوعة على يساره. بیان واقع ہے، نا کہ تقیید ہے۔

مسئلہ: تکیہ دائیں جانب رکھ کر یا بائیں جانب رکھ کر ٹیک لگانا جائز ہے۔(ابن حجر)

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: ❶ تکیہ لگا کر بیٹھنا مندوب ہے۔ ❷ تکیہ بائیں جانب رکھنا مستحب ہے۔(انتہی) یہ محل نظر ہے، چونکہ یہ احتمال بہرحال موجود ہے کہ یہ امر اتفاقی ہو۔وگرنہ قیاس کا مقتضی تو یہ ہے، کہ دائیں پہلو پر لیٹنا مندوب ہے۔لہٰذا یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے۔واللہ اعلم۔

تخريج: اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے، نیز شمائل میں دو طریق سے ذکر کیا ہے۔اور لکھا ہے: لم

يذكر وكيع "على يساره" وهكذا روى غير واحد عن اسرائيل نحو رواية وكيع، ولا نعلم أحداً روى "على يساره" الا ما روى اسحاق بن منصور عن اسرائيل، فبتين أن رواية اسحاق" عن يساره" انفرد به اسحاق فهو غريب فى اصطلاح المحدثين.

پنڈلیوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنانے کا ثبوت

۴۷۱۳: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ احْتَبٰی بِیَدَیْهِ۔

رواه رزين

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو دونوں رانوں کو کھڑا کر پنڈلیوں پر ہاتھوں سے حلقہ بنا لیتے۔ (رزین)

اختلاف نسخ: شمائل ترمذی کے بعض نسخوں میں '' فی المسجد'' کے بجائے ''فی المجلس '' کے الفاظ ہیں۔

تخریج: حدیث باب کو ابوداؤدؒ اور بیہقیؒ نے بھی روایت کیا ہے، البتہ اس میں '' فی المسجد '' کی قید مذکور نہیں ہے۔ (الجامع الصغیر)

قرفضاء کی حالت کا جواز

۴۷۱۴: وَعَنْ قَیْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدٌ اَلْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُّ مِنَ الْفَرَقِ۔ (رواه ابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فى السنن ۵/۱۷۶ الحديث رقم ۴۸۴۷۔

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرفصاء کی ہیئت میں بیٹھے دیکھا قیلہ کہتی ہیں کہ میں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر انکساری اور تواضع کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تو مجھ پر رعب طاری ہو گیا۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

قیلۃ بنت مخرمۃ۔ یہ قیلہ ہیں۔ مخرمہ کی صاحبزادی ہیں۔ یہ بنو تمیم میں سے ہیں۔ یہ صحابیہ ہیں۔ ان سے ''علیبہ'' کی دونوں بیٹیاں صفیہ اور حبیبہ روایت کرتی ہیں۔ یہ دونوں ان کی ربیبہ (پروردہ) ہیں اور قیلہ ان دونوں کے والد کی دادی ہیں۔ ''دحیبہ'' اور ''علیبہ'' دونوں مصغر ہیں۔ ''قیلہ'' میں قاف مفتوح اور یائے تحتیہ سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح: لفظ ''قرفصاء'' کے بارے میں اہل لغت اور محدثین کی عبارات ملاحظہ ہوں:

① امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: هو بضم القاف والفاء بينهما راء ساكنة ثم صاد مهملة ومد جلسة المحتبى أن يدير ذراعيه ويديد على ساقيه.

② جوہریؒ لکھتے ہیں: ضرب من القعود يمد ويقصر' فاذا قلت: قعد القرفصاء، فكأنك قلت قعودا مخصوصا.

وهو أن يجلس على اليتيه ويلصق فخديه ببطنه، ويحتبى بيديه ويضعهما على ساقيه' وقيل هو أن يجلس على ركبتيه متكئًا ويلصق بطنه لفخديه ويتأبط كفيه.

④ صاحب قاموس لکھتے ہیں: القرفصه مثلثة القاف والفاء مقصورة، والقرفصاء بالضم والقرفصاء بضم القاف والراء على الاتباع.

مذکورہ بالا عبارات کا حاصل:

① اس لفظ کا مادہ اشتقاق قاف، فاء، راء، صاد مہملہ ہے۔
② قاف اور راء پر تینوں حرکتیں درست ہیں۔قصر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔
③ قاف اور راء پر ضمہ ہو اتباع کی وجہ سے۔
④ قاف پر ضمہ اور راء کو ساکن پڑھا جا سکتا ہے۔مد کے ساتھ پڑھا جائے گا۔
⑤ قرفصاء بیٹھنے کی ایک خاص ہیئت ہے۔

(الف) قرفصاء کی ایک ہیئت یہ ہے کہ محتبیًا بیٹھا جائے، بایں طور کہ سرین کے بل اکڑوں بیٹھ کر ہاتھوں سے ٹانگوں کے گرد گھیرا بنا لیا جائے۔[كما هو مفهوم من عبارة السيوطیؒ]

(ب) قرفصاء کی دوسری ہیئت یہ ہے کہ دونوں زانوؤں کو پیٹ سے لگا کر ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو بغلوں میں دبا لیا جائے۔

المتخشع: باب تفاعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ''خاشع خاضع متواضع'' کے معنیٰ میں ہے۔یہاں اس صیغہ میں باب تفعل کا خاصہ تکلف نہیں ہے بلکہ یہاں زیادتی معنیٰ اور مبالغہ کے معنیٰ مراد ہیں۔جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اسماء میں سے ''متکبر'' میں ہے۔(طیبی)

أرعدت: ماضی مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے۔أى أخذتنى الرعدة والا ضطراب والحركة من أجل الخوف۔

الفرق: فاء اور راء دونوں مفتوح ہیں۔یعنی نبی کریم ﷺ کے خشوع وخضوع کے باوجود میں ان سے ڈر گئی۔

القرفصاء: مفعول مطلق ہے۔

المتخشع: تورپشتی رحمہ اللہ کا کہنا ہے، کہ ''رسول اللہ'' کی صفت بھی ہو سکتی ہے، اور مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے۔معنوی

تقدیر یوں ہوگی: الرجل المتخشع. قاضیؒ کا کہنا ہے: ''المتخشع'' صفت ہے، مفعول ثانی بنانا درست نہیں، چونکہ'' رأیت ''بمعنیٰ'' ابصرت'' ہے۔ المتخشع میں متعدد ترکیبی احتمالات بیان کئے گئے ہیں: حال ہے اگرچہ معرفہ ہے۔ کوفیوں کے ہاں معرفہ کا حال بننا درست ہے، چنانچہ لبید کا یہ شعر ان کا مشہور مستدل ہے:

وأرسلها العراك ولم یردها

بصریین کہتے ہیں، کہ حال کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مستدل کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں: کہ'' العراك'' کا ''ال'' عہد ذہنی کا ہے، یا زائدہ ہے۔ لہٰذا'' العراك'' نکرہ ہی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرید کا مسلک اختیار کیا، بایں طور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے'' رجل متخشع'' کو ایک علیحدہ ذات قرار دیا، اور یہ کمال خشوع اور ہیبت نبوی میں مبالغہ کے معنیٰ کو ظاہر کررہا ہے۔ چنانچہ اگلا جملہ'' أرعدت من الفرق'' اس کا مؤید ہے۔ یہ آیت کریمہ: ﴿فاذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان﴾ [الرحمٰن :۳۷] بھی اس طرح کی ہے۔

صاحب کشاف فرماتے ہیں: عبید بن عمیر نے'' وردة'' کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے، بمعنیٰ فحصلت سماة وردة۔ اس کلام کو'' تجرید'' کہا جاتا ہے۔ اسی کی مانند شاعر کا یہ قول ہے:

؎ فلئن بقيت لأرحلن بغزوة ☆ تحوى الغنائم أويموت كريم

چہار زانو ہوکر بیٹھنا

۴۷۱۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاصَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنَاءَ ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۱۷۸/۵ ۴۸۵۰، وأخرجه مسلم أيضاً في صحيحه ۴۶۴/۱ الحديث رقم (۲۸۷ـ ۶۷۰)، الاأنه لم يذكر "تربع" بل "جلس"۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر سے فارغ ہوتے تو چار زانو بیٹھ جاتے اور سورج اچھی طرح روشن ہوجانے تک اسی طرح بیٹھے رہتے۔ (ابوداؤد)

حسناء: اس لفظ کے ضبط میں محدثین کی مختلف آراء ہیں، وہ تمام آراء من وعن نقل کرنے کے بعد ان عبارات کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

① حسناء: بفتحتين (على ما في أصول المعتمدة) اى طلوعًا ظاهرًا بينًا۔

② وفي بعض النسخ المصححة حسناء بفتح فسكون ممدود اى طلعة كا ملة۔

③، ④ قال القاضي: قيل: حسنا على المصدر أى طلوعًا حسنًا. ومعناه أنه كان يجلس متربعا في مجلسه الى أن ترتفع الشمس. وفي اكثر الشخ حسناء۔

⑤ قال ميرك: هو بفتح الحاء والسين وبالتنوين.

⑥ رواه بعضهم بفتح الحاء وسكون السين وبالمد والنصب.

⑦ راوه بعضهم حيناً بكسر الحاء المهملة وسكون المثناة التحتية وبالنون أى: زمانا يريد مدة جلوسه.

آراء کا خلاصہ:

① اس کا مادہ اشتقاق: حاء مہملہ، سین اور نون ہے۔

② اس لفظ کو باعتبار تلفظ متعدد طریقے سے ضبط کیا گیا ہے: (الف) بروزن قلم (ب) بروزن شمس۔ (ج) بروزن بیضاء۔

③ پہلی صورت میں منوّن اور آخری صورت میں غیر منوّن پڑھا گیا ہے۔

④ حسنا اور حسناء دونوں مفعول لہ ہیں۔ "حسناً" نائب عن المفعول المطلق ہے۔ أى طلوعًا حسنًا.

حسناء: اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:

(ا) مصدر محذوف کی صفت ہے۔ (ب) حال ہے۔

حسناً کو تورپشتی رحمہ اللہ اور قاضی نے صحیح قرار دیا ہے۔

حسنا: کو تورپشتی رحمہ اللہ نے خطا قرار دیا ہے۔ بعض روایتوں میں "حسنا" کے بجائے "حيناً" بمعنیٰ زمانہ آیا ہے۔

قوله: رواه ابو داؤد: "الرض" کے مطابق امام ابوداؤد نے اس حدیث کو صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تخریج: جامع صغیر میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: كان اذا صلى الغدوة جلس فى مصلاه حتى تطلع الشمس. اس حدیث کو احمدؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔

دورانِ سفر سونے کی مختلف کیفیات

۴۷۱۶: وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَیْلٍ اضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَیْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰی کَفِّهٖ۔ (شرح السنة)

أخرجه مسلم فى صحيحه ٤٧٦/١ الحديث رقم (٣١٣-٦٨٣)، والبغوى فى شرح السنة ٣٢٥/١٢ الحديث رقم ٣٣٥٩، وأحمد فى المسند ٣٠٩/٥۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوران سفر آرام کرنے اور سونے کے لئے رات کو اترتے تو دائیں کروٹ لیٹتے اور جب صبح سے ذرا پہلے اترتے تو اس طرح لیٹتے کہ اپنے بازو کو کھڑا کر کے ہتھیلی پر اپنا سر مبارک رکھ لیتے۔ (شرح السنة)

تشریح: عرس: راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ صاحب نہایہ لکھتے ہیں: "رات کے آخری حصہ میں سونے اور آرام

کرنے کیلئے مسافر کے پڑاؤ ڈالنے کو" تعریس " کہتے ہیں"۔ عرّس کے بعد "لیل" کا ذکر کرنا دو وجوہ سے ہے:

❶ برائے تاکید ہے۔ ❷ عرّس میں صنعت "تجرید" ہے۔

امام طیبیؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ:" واذا عرس قبیل الصبح......" سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب آپ ﷺ سفر میں ہوتے اور رات کے وقت کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے اور رات باقی ہوتی تو داہنی کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے جیسا کہ سفر میں داہنی کروٹ پر لیٹنے کی آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی' اور اگر ایسے وقت پڑاؤ ڈالتے کہ صبح ہونے والی ہوتی تو آپ ﷺ پوری طرح لیٹنے کی بجائے دست مبارک کو کھڑا کر لیتے اور اس کی ہتھیلی پر سر رکھ کر آرام فرماتے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے مستدرک میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:" **أنه ﷺ اذا عرس وعليه ليل توسد يمينه، واذا عرس قبيل الصبح وضع رأسه على كفه اليمنى وأقام ساعده**"۔

مسجد سر مبارک کے قریب ہوتی

۴۷۱۷: وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِمَّا يُوْضَعُ فِيْ قَبْرِهٖ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَأْسِهٖ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ۲۹۷/۵ الحديث رقم ۵۰۴۴۔

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اہل میں سے کسی کا کہنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا بچھونا اس کپڑے کی مانند تھا جو آپ ﷺ کی قبر مبارک میں رکھا گیا تھا اور مسجد ہمیشہ آپ ﷺ کے سر مبارک کے قریب ہوا کرتی تھی۔ (ابوداؤد)

تشریح: **قوله: وعن بعض آل أم سلمة**: اس سے مراد یا تو ان کا کوئی خادم ہے' یا ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی فرد مراد ہے جو ان کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔

قوله: كان المسجد عند رأسه:

مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ استراحت فرماتے تو یوں لیٹتے کہ سر مبارک مسجد کی طرف رہتا۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ استراحت کے وقت آپ ﷺ کا "مصلی" یا "سجادہ" آپ کے سرہانے ہوتا تھا (تاکہ جب نماز پڑھنی ہو تو اس کو فوراً بچھا لیا جائے۔)

المسجد: جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ایک نسخہ میں جیم کے فتحہ کے ساتھ بمعنیٰ مُصلّی، (جائے نماز۔)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں:" **نحوًا**" **كان** کی خبر ہے۔" **من**" بیانیہ ہے، اور مبین محذوف ہے۔ **أي: مثل شيء مما يوضع في قبره**۔

ماضی کے صیغہ "**وضع**" کے بجائے "**یوضع**" مضارع کا صیغہ لانا' ماضی سے مضارع کی طرف عدول حکایت حال کے لئے ہے۔

جامع کی ایک روایت میں'' مما يوضع للانسان في قبره'' کے الفاظ ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اس دور میں بعض لوگوں کی قبروں میں نیچے بچھونا بچھایا جاتا تھا۔

كان فراش رسول الله ﷺ نحوًا مما يوضع في قبره:
مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس بچھونے پر استراحت فرماتے تھے اس کی لمبائی چوڑائی اس کپڑے کے تقریباً برابر تھی جو آپ ﷺ کی قبرِ شریف میں رکھا گیا تھا اور اس کپڑے کو کچھ لوگوں نے دیکھ رکھا تھا کہ وہ ایک مختصر سا کپڑا تھا جو زیادہ لمبا چوڑا نہ تھا۔

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک میں سرخ چادر رکھی گئی تھی۔

اوندھا لیٹنے سے اظہارِ نفرت

۴۷۱۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَايُحِبُّهَا اللّٰهُ۔ (رواه الترمذي)

أخرجه الترمذي في السنن في ٥/ ٩٠ الحديث رقم ٢٧٦٨' وأحمد في المسند ٢/ ٣٠٤۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اوندھا لیٹے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کا لیٹنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔(ترمذی)

تشریح: **ضجعة**: ضاد معجمہ کے کسرہ کے ساتھ، یہ برائے نوع ہے۔

هذه: مبتدا ہے (اس کا مشار الیہ ''اضطجاع'' ہے) اور **ضجعة** خبر ہے۔خبر چونکہ مؤنث ہے، لہٰذا مبتدا کو بھی مؤنث لایا گیا۔

فقال ان هذه ضجعة: یہ بات آپ ﷺ نے ان صاحب کو براہ راست ارشاد فرمائی تھی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس شخص کو ناقابل اصلاح سمجھتے تھے، اس لئے یہ تنبیہ بالواسطہ فرمائی، تا کہ اس شخص کو بھی کسی قدر یہ احساس ہو کہ حضور ﷺ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں اور یہ اعتراض فرما رہے ہیں۔

پیٹ کے بل لیٹنے کی مذمت:

پیٹ کے بل لیٹنا اہل غفلت اور نادان لوگوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے کیونکہ اس طرح لیٹنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سینہ اور منہ جو ''اشرف الاعضاء'' ہیں ان کو اوندھا ڈال دیا جائے (جو ان اعضاء کے عز وشرف کے منافی ہے۔) نیز اغلام کرنے والوں کی عادت ہے اس لئے اوندھا لیٹنا اتنی ذلیل ترین برائی کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور اگلی حدیث میں آ رہا ہے: **انها ضجعة يبغضها الله**۔اور ایک حدیث میں ہے: **انما هي ضجعة أهل النار**۔

اُلٹا لیٹنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے

۴۷۱۹: وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسِ الْغَفَّارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ مِنَ السَّحَرِ عَلٰى بَطْنِيْ اِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِيْ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲۹۵/۵ الحدیث رقم ۵۰۴۰، وابن ماجه فی ۱۲۲۷/۲ الحدیث رقم ۳۷۲۳، وأحمد فی المسند ۴۳۰/۳۔

ترجمہ: حضرت یعیش بن طخفہ بن قیس غفاری اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں جو اصحاب صفہ میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن سینہ کے درد کی وجہ سے پیٹ کے بل لیٹا تھا کہ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی شخص مجھے اپنے پاؤں سے ہلا رہا ہے اور پھر میں نے ان کو یہ بھی کہتے سنا کہ لیٹنے کا یہ ڈھنگ اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ چنانچہ میں نے جونہی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

راویٔ حدیث:

یعیش بن طخفہ۔ یہ یعیش ہیں "طخفہ ابن قیس" کے بیٹے ہیں۔ خاندانی اعتبار سے غفاری ہیں۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ ان کے والد اصحاب صفہ میں سے تھے اور ان سے ابوسلمہ نے روایت کی۔ "طخفہ" میں طاء کے نیچے کسرہ اور خاء معجمہ ساکن ہے

تشریح: السحر کے ضبط اور معانی کے بارے میں مختلف آراء ہیں:

① سحر بفتحتين.

② وفي نسخة سحر بسكون الثاني وهو الرئة

③ السحر ويضم ويحرك الرئة. (قاموس)

④ السحر الرئة وكذلك السحر ويحرك. (الصحاح).

⑤ مالصق بالحلقوم من أعلى البطن. (الطيبی).

خلاصة الآراء:

❶ یہ لفظ سین، حاء اور راء کے ساتھ ہے۔

❷ یہ لفظ ان اوزان پر پڑھا جاتا ہے: (ا) بروزن قلم (ب) بروزن شمس (ج) بروزن روح۔

❸ اس لفظ کے دو معنیٰ بیان کئے گئے ہیں: (ا) پھیپڑا (ب) پیٹ کا وہ حصہ جو حلقوم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

قوله: ان هذه ضجعة يبغضها الله: یہ جملہ پچھلی حدیث میں فرمودہ جملہ " ان هذه ضجعة لا يحبها الله" کے

مقابلہ میں زیادہ بلیغ اور زیادہ مؤکد ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں حضرت طخفہ رضی اللہ عنہ کا وہ عذر نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کا عذر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا تو مطلب یہ ہوگا اگر سینہ کے درد کا عذر تھا تو اس صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پیروں کو پھیلائے بغیر ٹانگوں کی طرف جھک کر اپنا سینہ رانوں پر رکھ لیتے۔ واللہ اعلم۔

جس چھت کی منڈیر نہ ہو اس پر سونے کی ممانعت

۴۷۲۰: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ۔

(رواه ابوداؤد وفي معالم السنن للخطاب حجي ۔ رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد في السنن ٥/٢٩٥ ٥٠٤١ وأحمد وى المسند ٥/٧٩۔

ترجمہ: حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات میں گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس کی اطراف میں منڈیر نہ ہو۔ دوسری روایت اس طرح ہے کہ جس کے گرد رکاوٹ والی چیز نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے جاتا رہا۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ خطابی نے معالم السنن میں لفظ حجاب کی بجائے حجی کا لفظ ذکر کیا ہے۔

راوئ حدیث:

علی بن شیبان ۔ یہ علی شیبان ''حنفی ویمانی'' ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے ''عبدالرحمٰن'' روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ''ظهر'': اس سے مراد چھت ہے۔ **ليس عليه**: (یہاں مضاف محذوف ہے۔) **اى على اطرافه**۔

حجار: را کے ساتھ ہے' **حجر** کی جمع ہے۔ ''حجر'' حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے **حجر الكعبة** بھی اس سے مأخوذ ہے۔ **حجي**: میں حائے مہملہ مکسورہ اور پھر جیم ہے۔ بروزن ''الى'' بمعنی عقل اور ایک نسخہ میں حرف اول کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی بروزن ''على'' ناحیہ کے معنی میں ہے۔ **حجي** منون ہے، اور تقدیراً مرفوع ہے۔

''النہایۃ'' میں لکھتے ہیں خطابیؒ معالم السنن میں فرماتے ہیں: **حجيٰ** بروزن ''الى'' ہو، خواہ بروزن ''على'' بہر حال تقدیر ''ستر'' کے معنی میں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کا کہنا ہے، کہ یہ کلمہ بالکسر ہے، تو انہوں نے پردہ کو عقل کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح عقل انسان کو فساد اور امور مہلکہ سے روکتی ہے پس اس پردہ کو جو چھت پر ہوتا ہے اور انسان کو گرنے سے روکتا ہے' تشبیہ دی ہے عقل سے جو انسان کو اپنے برے افعال سے روکتی ہے جو باعث ہلاکت ہوتے ہیں۔ اور جن حضرات نے اس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے تو انہوں نے ناحیہ اور طرف کے معنی لئے ہیں۔

حجي (حاء کے زبر کے ساتھ) کے معنی کنارہ اور گوشہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ چھت کا پردہ چھت کے کناروں پر کھڑی کی

گئی دیوار وغیرہ ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔اس کا مفرد ''حِجی'' فتحہ کے ساتھ آتا ہے۔جامع الاصول میں نے کتاب ابوداؤد میں ''ولیس علیه حجاب'' پڑھا ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں ''حجار'' ہے ''حجاب'' باء کے ساتھ اس کو کہتے ہیں جو انسان کو وقوع سے حاجب ہوتا ہے اور راء کے ساتھ ''حجار ہو تو ممکن ہے کہ 'حجر'' کی جمع ہو' وھو ما حجر به من حائط' اور یہ بھی سوتے ہوئے شخص کو چھت سے گرنے سے روکتا ہے' راء والی روایت کی تائید اگلی حدیث کے ان الفاظ سے بھی ہو رہی ہے: **لیس بمحجور علیه**۔اھ۔مصابیح میں خطابیؒ کے ذکر کردہ کے مثل مذکور ہے' چنانچہ اس کے ایک شارح لکھتے ہیں: **لیس علیه حجی** ۔حاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔

قوله: فقد برئت منه الذمة: قاضیؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسی چھت پر سویا جس پر کوئی چاردیواری وغیرہ نہ تھی تو وہ آدمی اپنی ہلاکت کے درپے ہو گیا' اور اس نے اپنی عصمت کو خود زائل کر دیا اور یہ شخص اس ''مہدر'' کی طرح ہو گیا جس کا کوئی ذمہ نہیں ہے' چونکہ ممکن ہے کہ سوتے میں یہ پلٹا کھائے اور گر کر مر جائے' اور اس لئے بھی (یہ وعید سنائی) کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی نگہبانی و حفاظت کا ذمہ وعہد لیا ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے محض اپنے فضل وکرم سے (ملائکہ مقرر کئے ہیں اور ایسے اسباب وذرائع پیدا فرمائے ہیں جن کو اختیار کر کے انسان اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد کوئی پردہ اور رکاوٹ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اب قدرت کو کیا ضرورت ہے کہ اس کی حفاظت کرے۔لہٰذا اس کی محافظت کا خدائی ذمہ وعہد ساقط ہو گیا۔

بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے، کہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد باقی نہیں رہا۔یہ ایک قسم کی تہدید ہے، کسی پُرخطر جگہ پر سونے کی کراہت کا بیان ہے اور یہ ان آداب میں سے ہے جن کی تعلیم سید اولی الالباب نے دی ہے' بلکہ وہ اکمل واتم ہے' اور ہر رحم کرنے والے سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ جو اعلم لعالمین ہے کا ارشاد ہے: ﴿**وما ارسلناك الا رحمة للعالمين**﴾ [الانبیاء:۱۰۷]

بلا مُنڈیر چھت پر سونا منع ہے

۴۷۲۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ۔ (رواه الترمذی)

أخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۱۳۰الحدیث رقم ۲۸۵٤۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس کے اطراف میں پتھر کی منڈیر نہ ہو۔(ترمذی)

حلقہ کے درمیان میں بیٹھنا باعث لعنت ہے

۴۷۲۲: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ

الْحَلْقَةِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/١٦٤ الحدیث رقم ٤٨٢٦، والترمذی فی السنن ٥/٨٣ الحدیث رقم ٢٧٥٣۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس شخص کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو حلقہ کے درمیان (سردار بن کر) بیٹھے۔ (ترمذی ٗابوداؤد)

تشریح: "وسط": میں سین ساکن ہے۔

"الحلقة": لام کے سکون کے ساتھ ہے۔

قوله :لعن من جلس وسط الحلقة :

شرح السنہ میں اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

اول: کسی جگہ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور بجائے اس کے کہ وہ جہاں جگہ دیکھتا وہیں بیٹھ جاتا لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا درمیان میں جا کر بیٹھ گیا۔ چنانچہ ایسے شخص کو ملعون کہا گیا ہے۔

ثانی: کوئی شخص کچھ لوگوں کے حلقہ کے درمیان اس طرح بیٹھ گیا کہ ان میں سے بعضوں کے چہرے ایک دوسرے سے چھپ گئے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے چہرے نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے اس شخص سے ضرر محسوس کریں۔ ایسا شخص مذکورہ حدیث کا محمول ہے۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے" اس سے مراد وہ شخص ہے جو مسخرا پن کرنے کے لئے حلقہ کے بیچ میں جا کر بیٹھ جائے تاکہ لوگوں کو ہنسائے۔ علاوہ ازیں شعبدہ بازی اور وہ شخص بھی اس حدیث کا مصداق ہے، جو شہرت وناموری کی خاطر مجمع کے بیچوں بیچ کھائے۔

تخریج: جامع صغیر میں لکھتے ہیں: اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے حذیفہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: "**لعن الله من قعد وسط الحلقة**"۔

کشادہ مجلس قابل تعریف ہے

۴۷۲۳: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا۔

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/١٦٢ الحدیث رقم ٤٨٢٠، وأحمد فی المسند ٣/١٨۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ جگہ میں منعقد کی جائے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد نے، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام حاکم نے مستدرک میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں انہی (ابوسعید خدری) سے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو بزار، حاکم اور بیہقی نے حضرت انس سے بھی نقل کیا ہے۔

متفرق بیٹھنے کو ناپسند فرمایا

۴۷۲۴: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ۔

أخرجه مسلم في صحيحه ۳۲۲/۱ الحديث رقم (۱۱۹۔۴۳۰)، وأبو داوٗد في السنن ۱۶۳/۵ الحديث رقم ۴۸۲۳، وأحمد في المسند ۹۳/۵۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف لائے جب کہ صحابہ کرامؓ وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم لوگوں کو متفرق اور الگ الگ بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''عزین'': عین اور زاء دونوں مکسورہ ہیں۔ بمعنی ''متفرقین'' ہے۔ ''عزۃ'' کی جمع ہے۔ عزۃ کی ھاء، یاء کے عوض میں ہے۔ **العزة هي فرقة من الناس متميزة عن غيرها**۔ شرح السنہ میں سفیان سے ''عزین'' کی تفسیر ''حلق'' (حلقوں) کے ساتھ مروی ہے۔

قوله: وأصحابه جلوس: یہ جملہ حالیہ ہے۔

قوله: مالی أراكم عزين:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیٹھنے کو بوجوہ پسند نہیں فرمایا:

1. تاکہ باہم ایک دوسرے کی طرف پشت نہ ہو چونکہ پشت پھیر کر بیٹھنا باہم تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ سب لوگ ایک جگہ حلقہ بنا کر بیٹھو یا صف میں بیٹھو چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا**......﴾ [آل عمران: ۱۰۳] ''اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقے میں نہ پڑو۔''
2. اس طرح بیٹھنا تشبہ بالکفار ہے۔ چنانچہ کفار کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ﴾ [المعارج: ۳۶ - ۳۷] ''تو ان کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ (اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہو کر (جمع ہو جاتے ہیں)۔'' یحییٰ اعمش سے روایت کرتے ہیں:

فقال: "دخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وهم حلق فقال: مالی أراكم عزين" ای متفرقين مختلفين لا يجمعكم مجلس واحد.

تخریج: اس حدیث کو احمد، مسلم، اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی نقل کیا ہے۔

کچھ دھوپ اور کچھ چھاؤں میں بیٹھنا شیطانی بیٹھک ہے

۴۷۲۵: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِى الْفَىْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِى الشَّمْسِ وَبَعْضُهٗ فِى الظِّلِّ فَلْيَقُمْ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/١٦٢ الحديث رقم ٤٨٢١، وابن ماجه فی ٢/١٢٢٧ الحديث رقم ٣٧٢٢، وأحمد فی المسند ٢/٣٨٣۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو اور پھر وہ سایہ ختم ہو رہا ہو اس طرح کہ جسم کا بعض حصّہ دھوپ میں اور بعض حصہ سایہ میں ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہاں سے اٹھ جائے یعنی مکمل سائے میں ہو جائے یا مکمل دھوپ میں۔(ابوداؤد)

تشریح: **الفیء**: فاء کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ۔ بمعنی ظل یعنی سایہ

واذ کان أحدکم فی الفیء فقلص عنه الظل: اس جملہ میں "تفنن" ہے۔(کہ پہلے لفظ "ظل" ارشاد فرمایا اور دوسری مرتبہ "فییٔ" فرمایا)

فصار بعضه الخ: یہ جملہ ماقبل کا بیان ہے۔

فلیقم: یعنی اس کو چاہئے کہ وہاں سے اٹھ جائے اور ایسی جگہ بیٹھے جو پوری طرح سایہ میں ہو یا پوری طرح دھوپ میں ہو۔

اس حکم کی مختلف حکمتیں بیان کی گی ہیں:

① بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔

یعنی کچھ سایہ اور کچھ دھوپ میں بیٹھنا شیطان کا کام ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایسی جگہ کی نسبت شیطان کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ اس جگہ پر کسی شخص کے بیٹھنے یا لیٹنے کا سبب شیطان بنتا ہے ② شیطان جس طرح انسان کے دین کا دشمن ہے اسی طرح اس کے بدن کا بھی دشمن ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ان الشیطان لکم عدو فاتخذوه عدوا﴾ [فاطر:٦]

② خلاف عدالت ہے۔

③ مجانین کی مجلس سے تشبہ ہے۔ اس کی نظر ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت والی حدیث ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کی علت وہی بیان کی جائے جو اگلی حدیث میں آ رہی ہے: **فانه مجلس الشیطان**۔

قوله: هکذا رواه معمر موقوفا:

یعنی یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نہیں ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ "موقوف" حکم کے اعتبار سے "مرفوع" حدیث کے ہی درجہ میں ہے اس موقع پر تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روایت اصل میں مرفوع ہے' اگرچہ مرفوعاً مروی نہیں ہے. دین کی جو بات اجتہاد و قیاس کے ذریعہ ثابت ہونے والی نہیں ہوتی اور اس کو کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اپنے قول کے طور پر نقل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صحابی نے وہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور سنی ہے ورنہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی صحابی دین کی کوئی ایسی بات نقل کرے جو اجتہاد و قیاس سے باہر ہو اور اس بات کو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو۔ خصوصاً جب کہ یہ حکم اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں آیا ہے۔ اس روایت اور اس طرح کی دیگر امثال میں حق کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو بالکل بلاچوں چرا تسلیم کر لیا جائے' چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ

جانتے تھے جو دوسرے لوگ نہیں جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کچھ دیکھتے تھے جو کچھ دوسرے نہیں دیکھتے تھے۔

الجامع الصغیر میں ہے: أنه ﷺ نهى أن يجلس الرجل بين الضبح والظل، وقال: مجلس الشيطان۔ رواه أحمد بسند حسن عن رجل مرفوعًا۔

۴۷۲۶: وفی شرح السنة عنه قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْيَقُمْ فَاِنَّهٗ مَجْلِسُ الشَّيْطٰنِ هٰكَذَا رواه وَرَوَاهُ مُعَمَّرٌ مُوْقُوْفًا۔ (احمد بن حنبل' المسند)

أخرجه البغوی فی شرح النسة ۱۲/۳۰۱ الحديث رقم ۳۳۳۵' واحمد فی المسند ۲/۳۸۳۔

عورتوں کو مردوں سے پیچھے چلنے کا حکم

۴۷۲۷: وَعَنْ اَبِیْ اُسَيْدِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَاخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى اِنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد والبیهقی فی شعب الایمان)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۵/۴۲۲ الحديث رقم ۵۲۷۲' والبيهقی فی الشعب۔

ترجمہ: حضرت ابواسید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے یہ بات اس وقت سنی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے کہ مرد و عورتیں راستہ پر چلتے گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم فرمایا کہ تم مردوں سے پیچھے ہٹ کر چلو۔ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم راستہ کے درمیان میں چلو بلکہ تمہارے لئے لازم ہے کہ تم راستے کے کنارے پر چلو۔ چنانچہ عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس طرح عمل کیا کہ وہ راستہ چلتے ہوئے دیواروں سے اس طرح مل کر چلتیں کہ بعض اوقات ان کے کپڑے دیواروں سے اٹک جاتے۔ (ابوداؤد' بیہقی)

تشریح: استأخرن: اگرچہ باب استفعال سے ہے، مگر باب تفعل کے معنیٰ میں ہے، یعنی'' تأخرن '' کے معنیٰ میں ہے۔ فانه: یہ ضمیر شان ہے۔ قوله: وهو خارج من المسجد: یہ جملہ حالیہ ہے۔

تحققن: پہلے قاف کے ضمہ کے ساتھ۔

حاق: قاف مشددہ کے سات بیچ، ہر شئے کا بیچ۔ حافات: '' حافة '' کی جمع ہے۔ فاء مخففہ ہے، نہایہ میں ہے کہ '' حافة '' کا معنی ہے '' ناحية ''۔ یہ کلمہ اصل کے اعتبار سے اجوف واوی ہے۔ اس کی تصغیر '' حويفة '' آتی ہے۔ '' حافات الطريق '' کا معنی ہے راستہ کے جوانب واطراف۔

تلصق: صاد کے فتحہ کے ساتھ۔

فاختلط: امام طیبیؒ فرماتے ہیں: فاء سببیہ ہے، '' اختلط '' مسبّب ہے سبب محذوف کا' اس سے پہلے مقولہ محذوف ہے. أي:

یقول: کیت کیت فاختلط .اور ''فقال'' کی فاء ''اختلط'' کا مسبب ہے۔حتی ان' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

مرد' عورتوں کے درمیان نہ چلے

۴۷۲۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يَّمْشِيَ يَعْنِيْ الرَّجُلَ بَيْنَ الْمَرْاَتَيْنِ۔ (رواه ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/٤٢٣ الحديث رقم ٥٢٧٥۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ مرد دوعورتوں کے درمیان چلے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''یمشی'' فعل اور ''بین المرأتین'' کے درمیان والا حائل جملہ: '' یعنی الرجل '': جملہ معترضہ ہے۔ ''یعنی الرجل'' راوی کا اپنا قول ہے جس سے الفاظ حدیث کی وضاحت مقصود ہے۔ گویا راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کلام میں ''یمشی'' کا فاعل ''الرجل'' ہے حاصل یہ کہ لفظ ''الرجل'' حدیث کے اصل متن کا جزء نہیں ہے بلکہ اس کو کسی راوی نے بطور وضاحت نقل کیا ہے۔

تخریج: جامع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: نهى أن يمشي الرجل بين المرأتين. رواه ابو داود والحاكم.

مجلس میں جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے

۴۷۲۹: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِيْ۔ (رواه ابوداؤد وذكر حديثا عبيد اللّٰه بن عمر وفي باب القيام وسنذكر حديثي علي وابي هريرة في باب اسمآء النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وصفاته ان شآء اللّٰه تعالٰى)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/١٦٤ الحديث رقم ٤٨٢٥، والترمذی فی ٥/٩٩ الحديث رقم ٢٧٢٥، وأحمد فی المسند ٥/٩١۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم جناب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے تو مجلس میں جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے۔ (ابوداؤد) پہلے باب القیام میں عبداللہ بن عمروؓ کی روایت آچکی آئندہ باب اسماء النبی ﷺ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہوگی۔

تشریح: قوله: جلس احدنا حيث ينتهي: ''ینتهي'' کے فاعل میں دو احتمال ہیں:

❶ ينتهي هو اليا من المجلس۔ ❷ ينتهي المجلس اليه۔

حاصل یہ ہے کہ مجلس نبوی ﷺ میں ہر شخص مجلس نبوی ﷺ کے آداب و وقار کو ملحوظ رکھتا تھا ادب کے پیش نظر کوئی آگے بڑھنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔

قوله: وذكر حديثا عبد اللّٰه بن عمرو: وہ دونوں حدیثیں یہ ہیں:

① لایحل لرجل ان یفرق بین اثنین الا باذ نهما۔(رواہ الترمذی وابوداود)

② لا تجلس بین رجلین الاباذنهما۔(رواہ ابوداود)

قوله: وسنذ كر حديثي علي وأبي هريرة۔۔۔۔۔الخ:

حضرت علیؓ کی وہ حدیث یہ ہے: حدیث: ۵۷۹۰(دسویں جلد) کان رسول الله ﷺ اذا مشی تکفأ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث یہ ہے: ما رأیت أحدا أسرع فی مشیه۔

وضاحت: اکثر اصول معتمدہ میں" حدیث عبد الله" تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ (یعنی" حدیثا عبد الله") ہے۔ سید کے نسخہ میں بصیغہ مفرد" حدیث عبد اللّٰه" بن عمر ہے۔ مصنفؒ نے" حدیثا عبداللہ" فرمایا' حالانکہ حدیث ثانی جیسا کہ ماقبل میں گذرا عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده کی طرف منسوب ہے' چونکہ" جدہ" سے مراد" عبداللہ بن عمرؓ" ہیں۔ اور صحیح بات وہ ہے جو ہم نے ماقبل میں ذکر کی کہ اس میں اختلاف ہے' اور سید کے نسخہ کے مطابق یہ بات متعین ہے کہ اس سے مراد حدیث اول ہے۔

الفصل الثالث:

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا بیٹھنا

۴۷۳۰: عَنْ عَمْرِوبْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّبِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِىَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِىْ وَاَتَّكَأْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِىْ فَقَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/١٧٦ الحديث رقم ٤٨٤٨' وأحمد فی المسند ٤/٣٨٨۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شرید تابعیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا گزر میرے پاس سے ہوا میں اس وقت اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی پشت کے پیچھے رکھا ہوا تھا اور اپنے ہاتھ کی تلی پر ٹیک لگایا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کیا تم ان لوگوں کی طرح بیٹھتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ (ابوداؤد)

راویٔ حدیث:

عمرو بن الشرید۔ نام" عمروؓ" ہے۔" شرید" کے بیٹے ہیں۔ ثقفی اور تابعی ہیں۔ ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما' اپنے والد اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ابو رافع سے حدیث سنی۔ ان سے صالح ابن دینار اور ابراہیم بن میسرہ نے روایت کی ہے۔

تشریح: ألية: ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ۔

القعدة: قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ بیان نوعیت کے لئے ہے۔

قولہ: المغضوب علیهم:

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہودی ہیں۔

یہاں یہودیوں کا صراحت کے ساتھ ذکر کرنے کی بجائے مغضوب علیہم کے ذریعہ ان کی طرف اشارہ فرمایا دو وجہ سے:

ایک وجہ تو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اس ہیئت پر بیٹھنا ان چیزوں میں سے ہے جن کو حق تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ مسلمان چونکہ ایک ایسی امت کا فرد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ونعمت فرمائی ہے اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں کی مشابہت اختیار نہ کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب نازل کیا ہے اور ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ (انتھی)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہاں مغضوب علیهم سے یہود مراد لینا محل بحث ہے، چونکہ یہ اس بات پر موقوف ہے، کہ کیا واقعی یہ ہیئت ان کا شعار ہے؟ چنانچہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں یہود کے مغضوب علیهم ہونے کا ذکر ہے' تو واضح رہے کہ حدیث صحیح میں یوں آتا ہے:

أن المغضوب علیهم فی سورة الفاتحة هم الیهود. ہم اس کی توجیہ "حزب الفتح" کی شرح کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔

عرض مرتب:

(اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سورۃ فاتحہ میں مذکور مغضوب علیہم سے مراد "یہود" میں حصر نہیں ہے۔)

آگ والوں کا لیٹنا

۴۷۳۱: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّبِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَکَضَنِیْ بِرِجْلِہٖ وَقَالَ یَاجُنْدُبُ اِنَّمَا ھِیَ ضِجْعَۃُ اَھْلِ النَّارِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

أخرجه ابن ماجه في السنن ٢/١٢٢٧ الحديث رقم ٣٧٢٤۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جب کہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا اے جندب! یہ آگ والوں کا لیٹنا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: قولہ: یا جندب: جندب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اصل نام ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان کی کنیت کے بجائے اصل نام سے مخاطب فرمایا۔ بظاہر وہ پاؤں پھیلا کر لیٹے ہوئے تھے۔ جیسا کہ اجڈ بدوں کی عادت تھی۔ اس حدیث کے ہم معنی دو حدیثیں ماقبل میں گذر چکی ہیں۔

عرض مرتب: حدیث: ۴۷۱۸ اور حدیث: ۴۷۱۹: اس حدیث سے متعلقہ مباحث کے لئے حدیث: ۴۷۱۸ ملاحظہ فرمائیے۔

بَابُ الْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ

چھینکنے اور جمائی لینے کا بیان

العطاس، عین کے ضمہ کے ساتھ' '' **عطسة**'' (چھینک) سے مأخوذ ہے، مصدر ہے۔ یہ باب نصر سے مستعمل ہے (سیوطی)۔ اور باب ضرب سے پڑھنا بھی جائز ہے۔ (قاموس)۔ **عاطس**: چھینکنے والا۔ اور از باب تفاعل (**تعاطس**) بے تکلف چھینکنے کی کوشش کرنا۔

تثاؤب، باب تفاعل کا مصدر ہے، وثباء (مد کے ساتھ) سے مأخوذ ہے۔ الف کے بعد ہمزہ ہے، واوٴ پڑھنا غلط ہے (کذافی المغرب)۔ امام نووی ؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں '' **تثاؤب**'' مد کے ساتھ ہے اور اکثر نسخوں میں واوٴ کے ساتھ ''**تثاوب**'' ہے۔ (انتھی) صاحب قاموس نے اس کلمہ کو صرف ہمزہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ جوہری کی بھی یہی رائے ہے۔ ''تثاوبت'' 'نہیں کہا جاتا' اس سے اسم ''ثوباء'' آتا ہے مد کے ساتھ۔

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں ثابت کا کہنا ہے کہ ''تثاءب'' 'مد وتخفیف کے ساتھ نہ پڑھ جائے' بلکہ ''**تثارب**'' تشدید اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ (یہ لفظ از باب تفاعل نہیں، بلکہ از باب تفعل ہے۔) ابن درید کا کہنا ہے کہ یہ اصل تثاءب الرجل سے ہے یہ تشدید کے ساتھ ہے'۔ اور ان دو حدیثوں سے مراد بظاہر جوہری فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے: **تثاء بت** 'مد اور تخفیف کے ساتھ بروزن تفاعلت' اس کے معنیٰ ہیں: **استرخی و کسل**. قاموس میں لکھتے ہیں: **تثاء ب أصابه كسل وفترة كفترة النعاس** (انتھی)

عطاس کی پسندیدگی کی وجوہ:

① چھینکنے کی وجہ سے چونکہ دماغ پر سے بوجھ ہٹ جاتا ہے، اور فہم وادراک کی قوت کا تزکیہ ہو جاتا ہے، اور یہ چیز طاعت وحضورِ قلب کا باعث ومددگار بنتی ہے۔

② چھینک دراصل دماغ کی صحت وصفائی اور مزاج میں نشاط وتوانائی کی علامت ہے۔ اور یہ چیز جسمانی صحت وتندرستی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور حصول نعمت پر اللہ کی تحمید کرنی چاہیئے۔

③ چھینکنے کی وجہ سے دماغ پر سے بوجھ ہٹ جاتا ہے، دماغی فضلات خارج ہو جاتے ہیں، روح کی صفائی ہوتی ہے۔ اور حواس (خمسہ) کو تقویت ملتی ہے۔

④ **تشمیت**، شین معجمہ کے ساتھ۔ باب تفعیل کا مصدر ہے، یہ لفظ سین مہملہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ **تسمیت**: یہ سمت سے مأخوذ ہے، **وهو حسن القصد والهدى**. امام ثعلب اس کے معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں: **أبعدك عن الشماتة**. قاضی ؒ فرماتے ہیں: **تشمیت** کے اصل معنی ہیں: **ازاله الشماتة**۔ پھر یہ کلمہ دعا کے لئے استعمال ہونے لگا، چونکہ ازللمه

شماتة بھی ضمنی طور پر دعا ہے۔

تشمیت العاطس کے احکام:

"تشميت العاطس" کی شرعی حیثیت: اس کے حکم شرعی کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

① بعض کا کہنا ہے کہ چھینک کا جواب فرض عین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "**فاذا عطس احدكم وحمد الله كان حقا على كل مسلم سمعه أن يقول له. يرحمك الله**"۔

② اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عاطس کی چھینک کو ایک سے زیادہ افراد سن لیں، تو وہاں موجود لوگوں میں سے کسی ایک شخص کا "**يرحمك الله**" کہہ دینا سب کے ذمہ سے وجوب تشمیت کا ذمہ ساقط کر دے گا۔ ان کی دلیل بھی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ فرض کفایہ ہونا اس حدیث کے منافی نہیں' اس لئے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چھینک کا جواب دینا ہر ایک پر واجب ہے' لیکن بعض کے جواب سے دوسرے بعض سے ساقط ہوتا ہے' اس سقوط کی دلیل کچھ اور ہے' اور ردسلام پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

③ امام شافعیؒ کا کہنا ہے، کہ سنت ہے۔ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کو ندب پر محمول کیا ہے۔

④ حنفیہ اور جمہور کا کہنا ہے، کہ واجب ہے۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۷۳۶]

⑤ سنت مؤکدہ ہے۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۷۳۶]

⑥ امام نوویؒ کا کہنا ہے، کہ سنت کفایہ ہے، اسی کو امام شافعیؒ کا مذہب بھی قرار دیا ہے۔

عاطس کو چاہئے کہ الحمدللہ بآواز بلند کہے، تا کہ اہل مجلس تحمید کو سن لیں، اور عاطس تشمیت کا حق دار بن جائے۔ (شرح السنہ)

[از فوائد حدیث: ۴۷۳]

عاطس چھینکنے کے بعد اگر الحمدللہ نہ کہے تو جواب کا مستحق نہیں۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۳۴، ۴۷۳۵)

حضرت مکحولؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی کونے میں چھینکا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چھینک کی آواز سنی، تو فرمایا: "**يرحمك الله ان كنت حمدت الله**"، یعنی اگر تو نے اللہ کی حمد بیان کی ہے، تو اللہ تجھ پر کرے۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۳۴)

عاطس اگر ایک مجلس میں لگاتار تین بار سے زیادہ چھینکے، تو مزید تشمیت میں اختیار ہے۔ سکوت اختیار کرے، تو رخصت ہے۔ اور تشمیت کو اختیار کرے تو مستحب ہے۔

چھینک کی آواز کو پست رکھنا چاہئے، کیونکہ:

❶ با آواز بلند چھینکنا طبیعت کی سلامتی اور شخصی وقار کے خلاف ہے۔ ❷ بسا اوقات سامعین چونک اٹھتے ہیں۔

تین مرتبہ کے بعد جواب دینا کوئی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن واجب وسنت بھی نہیں ہے۔

چھینک آنا، یہ ایک نعمت ہے۔ اور حصول نعمت پر اللہ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیئے۔

چھینک آنے پر الحمد للہ رب العالمین کہنا الحمد للہ کہنے کے مقابلہ میں احسن ہے۔

چھینک آنے پر الحمد اللہ علی کل حال کہنا افضل ہے۔ (ملا علی قاریؒ نے اس زیادت کو" من باب الاکمل" قرار دیا ہے) اگر چھینک آنے پر ہمیشہ یہ کلمات کہتا ہے، تو اس کی اور بھی فضیلت ہے۔

شعبیؒ فرماتے ہیں: اگر تمہارے کان میں دیوار کے پیچھے سے کسی کے چھینکنے اور الحمد للہ کہنے کی آواز آئے، تو اس کو بھی جواب دو۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۷۴۳) ابراہیم فرماتے ہیں کہ جب تمہیں چھینک آئی اور تم نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، اور تمہارے پاس کوئی بھی شخص موجود نہ ہو تو تم کہو: یغفر اللہ لی ولکم، چونکہ تمہاری چھینک کا جواب وہ دے گا جس نے تجھ کو (یہ کہتے ہوئے) سنا۔ (ماخوذ از فوائد حدیث: ۴۷۳۴)

اگر عاطف" الحمد لله" کے بجائے کوئی اور لفظ کہے تو وہ چھینک کے جواب کا مستحق نہیں۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۴۱)

عاطس نے چھینک آنے پر الحمد للہ اس قدر پست آواز سے کہا، کہ کسی نے بھی نہیں سنا، تو اس صورت میں بھی تشمیت لازم نہیں ہے۔ چونکہ تشمیت کے لئے سماع ضروری ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث: ۴۷۳۲)

سامع" یرحمك الله" کہے۔ یا" یرحمکم الله" کہے، یا" رحمك الله" کہے، یا" رحمکم الله" کہے۔ سامع کے جواب میں عاطس" یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہے۔ یا" یغفر الله لنا ولکم" کہے۔ یا" یغفر الله لی ولکم" کہے۔ دونوں کو جمع کرنا اَولیٰ ہے۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۴۱)

چھینکتے وقت چہرے کو ڈھانپ لینا چاہئے چونکہ:

① چھینک کے ذریعے عام طور پر دماغ کا فضلہ چھوٹے چھوٹے ذرات کی شکل میں نکل آتا ہے۔

② بلغم وغیرہ ناک یا منہ سے نکل پڑتا ہے۔ ③ چھینکتے وقت چہرے کی ہیئت بگڑ جاتی ہے۔ (ماخوذ از فوائد: ۴۷۳۸)

غیر مسلم کی چھینک کے جواب میں یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہئے۔ چونکہ اللہ کی رحمت صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے۔ البتہ ہدایت واصلاح کی دعا کر دینی چاہئے۔

چھینک کی آواز کو پست رکھنا یہ درحقیقت آداب مجلس میں سے ہے۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۳۸)

"یھدیکم اللّٰہ" میں مخاطب کے لئے جمع کا صیغہ لانے کی متعدد وجوہ بیان کی جاتی ہیں:

❶ باعتبار غالب کے ہے، بایں طور کہ عام طور پر عاطس کے پاس کئی آدمی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ دعا میں ان سب کو شریک کرنا چاہئے۔

❷ جمع کا صیغہ لانا بطور تعظیم وتکریم کے ہے۔

❸ اس دعا میں مخاطب کے واسطے سے پوری امت محمدیہ کو شامل کرنا مراد ہے۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۳۳)

جمائی کے ناپسندیدہ ہونے کی وجوہ:

① قاضیؒ فرماتے ہیں جمائی آنا طبیعت کے امتلاء، نفس کے بھاری پن اور حواس کی کدورت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ چیز غفلت، سستی، بدفہمی کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو جمائی ناپسند ہے۔ اور

② ملا قاریؒ فرماتے ہیں جمائی طاعات میں نشاط سے مانع ہے' موجب غفلت ہے اور اسی وجہ سے یہ شیطان کی فرحت کا باعث ہے' اسی کو اگلی حدیث میں ''ضحک شیطان'' سے تعبیر کیا ہے۔

اور وہ اس پر ہنستا ہے۔ (اور ہر وہ کام جس سے شیطان خوش ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے)۔

③ جمائی آنے پر بسا اوقات منہ پر ہاتھ وغیرہ رکھنے کا موقع نہیں مل پاتا، یا دھیان نہیں ہوتا، لہٰذا منہ کھلا دیکھ کر شیطان اس میں گھس جاتا ہے۔

④ جمائی آنے پر منہ کھلا دیکھ کر شیطان اس آدمی پر اثر انداز ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس کو وساوس واوہام میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا جمائی کو حتی الامکان روکنا چاہئے۔

فائدہ نمبر۱: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کسی بھی نبی کو، کبھی بھی جمائی نہیں آئی۔ (از فوائد حدیث: ۴۷۳۲)

فائدہ نمبر۲: خطابیؒ فرماتے ہیں: چھینک آنا محمود ہے، چونکہ یہ طاعت کے لئے معین ومددگار ہے۔ اور جمائی مذموم ہے، چونکہ یہ طاعت سے ہٹانے والی چیز ہے۔

الفصل الاول:

جمائی ناپسند ہے

۴۷۳۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَمِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَائَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَ بَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّیْطَانُ (رواه البخاری وفی روایة لمسلم) فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَالَ هَاضَحِكَ الشَّیْطَانُ مِنْهُ۔

أخرجه البخاری فی صحیحه ۶۱۱/۱۰ الحدیث رقم ۶۲۲۶' وأبو داوٗد فی السنن ۲۸۷/۵ الحدیث رقم ۵۰۲۸' والترمذی فی ۸۱/۵ الحدیث رقم ۲۷۴۷' وأحمد فی المسند ۴۲۸/۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتے ہیں اور اسے جمائی ناپسند ہے۔ پس جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ اس پر الحمد للہ کہے تو اس کی چھینک اور الحمد للہ سننے والے کو یرحمک اللہ سے اس چھینک کا جواب دینا چاہیے۔ رہی جمائی تو یہ شیطانی اثرات کی وجہ سے ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی جمائی کا شکار ہو تو اسے حتی الامکان اس جمائی کو روکنا چاہیے اس لیے کہ جب کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔ (بخاری) اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ جب وہ جمائی کے دوران ہا...... کی آواز نکالتا ہے تو اس پر شیطان ہنستا ہے اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تو (چاہئے کہ حتیٰ الامکان اس جمائی کو روکے) کیونکہ جب تم میں

سے کوئی شخص ہاء کہتا ہے یعنی جمائی لیتا ہے تو اس پر شیطان ہنستا ہے"۔

عرض مرتب:

اس حدیث سے متعلقہ تمام احکام کو ہم نے "احکام باب" کے تحت ذکر کر دیا ہے وہاں ملاحظہ فرمالیجئے۔ (انتھی)

تخریج: حدیث کا پہلا جملہ ابوداؤد اور ترمذیؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

حدیث باب سے متعلقہ مزید روایات:

① الجامع الصغیر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا تثاء ب أحدكم فليرده ما استطاع، فان أحدكم اذا قال: ها ضحك الشيطان منه". رواه البخاری عن انسؓ

② احمد، شیخین اور ابوداؤد کی ابوسعید سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"اذاتثاء ب أحدكم فليضع يده على فمه، فان الشيطان يدخل مع التثاوب".

③ ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

"اذاتثاء ب احدكم فليضع يده على فيه ولا يعوى ، فان الشيطان يضحك منه".

④ بیہقیؒ نے عبادہ بن صامتؓ وغیرہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

"اذاتجشأ أحدكم أوعطس فلا يرفع بهما الصوت فان الشيطان يحب أن يرفع بهما الصوت".

⑤ حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے:

" اذ اعطس أحدكم فليضع كفيه على وجهه وليخفض صوته".

چھینک کا جواب

۴۷۳۳: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْصَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهَ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (رواه البخاری)

أخرجه البخاری فی صحيحه ١٠/٦٠٨ الحديث رقم ٦٢٢٤، والترمذی فی ٥/٧٧ الحديث رقم ٢٧٤١، وابن ماجه فی ٢/١٢٢٤ الحديث رقم ٣٧١٥، وأحمد فی المسند ٤/٤١٢۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ کہنا چاہیے اور اس کے بھائی یا اس کے دوست کو (یرحمک اللہ) کہنا چاہیے اور چھینکنے والے کو (یرحمک اللہ) کے جواب میں یَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ یعنی اللہ تمہیں ~~ہدایت بخشے~~ تمہارے دل کو درست رکھے' کہنا چاہیے۔ (بخاری)

تشریح: شارع علیہ السلام نے اس کو نعمت قرار دیا ہے' پس اس کے بعد حمد بیان کرنا مسنون ہے۔ أو صاحبہ :راوی کو شک ہے کہ کیا الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

قولہ: یرحکم اللہ :مشمّت کی جانب سے ترحم مشروع قرار دیا' اس لئے کہ وہ اپنے رب کی رحمت کے قریب ہے بایں طور کہ اس نے اپنے رب کی تعظیم کی ہے' اپنے رب کی نعمت پر اس کی حمد وثناء کی ہے' اور اپنے رب کی نعمت کی قدر کو پہچانا ہے۔

یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کا مطلب:

یھدیکم اللہ میں مخاطب کے لئے جمع کا صیغہ لانے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں:

① باعتبار غالب کے ہے کہ عام طور پر چھینکنے والے کے پاس کئی آدمی ہوتے ہیں لہٰذا مذکورہ دعا میں ان سب کو شریک کرنا چاہئے۔

② مخاطب کے لئے جمع کا صیغہ بطور تعظیم وتکریم کے ہے۔

③ اس دعا میں مخاطب کے واسطے سے پوری امت مرحومہ کو شامل کرنا مراد ہوتا ہے۔

جواب تشمیت کی حکمت:

دوسرے کو رحمت کی دعا دے گا، تو اس کو خود بھی دعا خیر ملے گی، جو تالیف قلب کا باعث ہوگی۔

الحمدللہ کہنے والا مستحق جواب ہے

۴۷۳۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمِدِ اللّٰهَ۔ (متفق علیہ)

أخرجه البخاري في صحيح ١٠/ ٦١٠ الحديث رقم ٦٢٢٥' ومسلم في ٤/ ٢٢٩٢ الحديث رقم ٢٩٩١' وابن ماجه في السنن ٢/ ٢٢٣ الحديث رقم ٣٧١٣' والدارمي في ٢/ ٣٦٨ الحديث رقم ٢٦٦٠' وأحمد في المسند ٤/ ٤١٢۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آمیوں کو چھینک آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کی چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہ دیا تو جس کی چھینک کا جواب نہ دیا تھا وہ کہنے لگا آپ نے اس کی چھینک کا جواب دیا اور میری چھینک کا جواب نہ دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے الحمدللہ کہا اور تو نے الحمدللہ نہیں کہا یعنی الحمدللہ نہ کہنے کی وجہ سے تم جواب کے حقدار نہ تھے۔

تشریح: بعض روایات میں شین معجمہ کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ "فشمت أحدهما" ہے۔ اور بعض روایات

میں سین مہملہ کے ساتھ" فسمت أحدهما " ہے۔امام جزریؒ فرماتے ہیں: دونوں روایات صحیح ہیں۔

عرض مرتب:

دونوں روایات کا معنوی فرق اُحکام الباب' کے تحت ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

قوله: ان هذا حمد الله: عربی کے عام اسلوب کے مطابق یہاں" هذا " کی بجائے" ذاك" استعمال ہونا چاہئے تھا۔مگر یہ اسلوب بھی بہرحال درست ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آدمی بھی وہیں موجود ہو،لہٰذا" ان هذا"، گویا کہ" ان هذا الرجل" کے معنیٰ میں ہے۔

الحمدللہ نہ کہنے پر جواب نہ دو

۴۷۳۵: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَمْ یَحْمِدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/٢٢٩٢ الحدیث رقم (٥٤۔٢٩٩٢)، وأحمد فی المسند ٤/٤١٢۔

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ اس پر الحمدللہ کہے تو تم اس کی چھینک کا جواب دو اور اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اس کی چھینک کا جواب مت دو۔(مسلم)

تخریج: اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

زیادہ چھینکنے والے کا جواب

۴۷۳۶: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰی فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ (رواه مسلم وفی روایة للترمذی) اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ فِی الثَّالِثَةِ اَنَّهٗ مَزْکُوْمٌ۔

أخرجه مسلم فی صحیحه ٤/٢٢٩٢ الحدیث رقم (٥٥۔٢٩٩٣)، وأبو داوٗد فی السنن ٥/٢٩١ الحدیث رقم ٥٠٣٧، والترمذی فی ٥/٧٩ الحدیث رقم ٢٧٤٣، وابن ماجه فی ٢/١٢٢٣ الحدیث رقم ٣٧١٤، والدارمی فی ٢/٣٦٩، ومالك فی الموطأ ٢/٩٦٥ الحدیث رقم ٤ من کتاب الاستذان وأحمد فی المسند ٤/٤٦۔

ترجمه: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آدمی کی چھینک کا جواب دیتے ہوئے سنا جس کو آپ کے پاس ہوتے ہوئے چھینک آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یرحمک اللہ سے) جواب دیا جب اس کو دوسری مرتبہ چھینک آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کو توزکام ہے۔یہ مسلم کی روایت ہے اور ترمذی کی روایت میں یہ

ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پر فرمائی کہ اس کو زکام ہے۔

تشریح: **قوله: سمع النبی ﷺ وعطس رجل عنده فقال: "وعطس رجل عنده فقال"** یہ جملہ حال ہے "**سمع**" کے مفعول "**النبی** ﷺ" سے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: بظاہر "**فقال له**" کے بجائے "**یقول له**" کے الفاظ ہونے چاہئیں چونکہ یہ جملہ حالیہ ہے۔ صاحب کشاف اس آیت کریمہ: ﴿**اننا سمعنا منادیا ینادی**﴾ [آل عمران:۱۹۳] کے تحت لکھتے ہیں: تم کہتے ہو: **سمعت زیدا یتکلم**. زید پر فعل واقع کرتے ہو، **شیء مسموع** کو حذف کر دیتے ہو اور اس (یعنی یتکلم) کو حال بنا دیتے ہو اور اس کے ذکر سے مستغنی ہو جاتے ہو۔ اھ

چنانچہ صاحب کشاف کی اس تفصیل کا حاصل یہ ہے، کہ کلام یوں ہوتا: "**سمعت النبی** ﷺ **فقال**" **الخ**. اس صورت میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

قوله: فقال: الرجل مزکوم

اس شخص کو چونکہ زکام تھا، اس لئے بار بار چھینک رہا تھا، اور الحمد للہ کہہ رہا تھا، لہٰذا اس کے جواب میں بار بار "یرحمک اللہ" کہنے میں حرج محسوس کیا۔ علاوہ ازیں ایک مجلس کی متعدد چھینکوں کے جواب میں تداخل بھی نہیں ہو سکتا۔ میری ذکر کردہ بات کی تائید عنقریب آنے والی حدیث مرفوع سے ہوتی ہے۔ **فما زاد علی ثلاث مرات فان شئت فشمته وان شئت فلا**۔ کہ یہاں تخییر کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ پس امام نوویؒ کا یہ کہنا بے موقع ہے: **یستحب أن یدعی له 'لکن غیر دعائه للعاطس**۔ چونکہ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تشمیت واجب ہے' یا سنت مؤکدہ ہے' ثلاث مرات کا حکم اختلافی ہے' اور تین بار سے زائد میں اختیار ہے چاہے تو سکوت کرے اور چاہے تو جواب دے' یہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں تم ان لوگوں میں سے نہیں کہ جن کہ چھینک کا جواب اس کے بعد دیا جائے' کیونکہ تمہیں جو ہے یہ مرض ہے۔ تین مرتبہ کی موافقت اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے: **اذا عطس أحد کم فلیشمته جلیسه فان زاد علی ثلاث فهو مذکوم ولا یشمت بعد ثلاث** ۔ یعنی تین مرتبہ کے بعد چھینک کا جواب واجب نہیں ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ ناجائز ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔ علاوہ ازیں یہ کہ ایک ہی مجلس میں کسی شخص کو اگر لگاتار چھینک آتی رہے، اور وہ الحمد للہ کہتا ہے، تو تین چھینکوں تک جواب دیا جائے۔ تیسری مرتبہ کے بعد اختیار ہوگا۔ تین مرتبہ کے بعد جواب دینا کوئی ناجائز بات نہیں، لیکن واجب وسنت مؤکدہ بھی نہیں۔ شرح مسلم میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ جب مریض ہو تو مناسب یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس کے لئے دعا کی جاتی چونکہ وہ دوسروں سے بڑھ کر دعا کا حق دار ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کرنا مستحب ہے لیکن عاطس والی دعا کے علاوہ بلکہ عافیت وانہ سلامتی وغیرہ جیسی وہ دعا جو ایک مسلمان دوسرے مسلم کو دیتا ہے اور یہ باب تشمیت میں نہیں ہوگا' میں کہتا ہوں بلکہ یہ اس لئے فرمایا کہ پتہ چلے گا کہ تشمیت کب واجب ہے اور کب واجب نہیں ہے۔ اگر وہ اس کے لئے عافیت سلامتی جیسی کوئی دعا کرے گا تو اس سے وہم ہوگا کہ دوسری یا تیسری مرتبہ سلامتی وغیرہ جیسی دعا کرنی چاہئے اس کے لئے' چنانچہ وہ وجوب کے تحت داخل ہو جائے گا' اور دعائے صحت مستحبات میں سے ہونا معروف ہے' باوجود زکام محمود ہے کہ بہت سی بیماریوں کو (انسانی جسم) نکال باہر کرتا ہے۔

فی الثالثة "الثالثه" موصوف محذوف کی صفت ہے۔ ای فی المرة الثالثة: ایک نسخہ میں "فی الثالث" ہے۔أی: فی العطاس الثالث.

مشکوٰۃ اور مصابیح کے تمام نسخوں میں انه مزکوم کے الفاظ ہیں۔ جامع الاصول میں ترمذیؒ کی روایت کے الفاظ یوں ذکر کئے ہیں: أنت مزکوم۔

تعارض:

① وعن سلمة بن الاکوع انه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وعطس رجل عنده فقال له یرحمك اللّٰہ ثم عطس اخری فقال الرجل مزکوم.

② عن أبی هریرة مرفوعًا: اذا اعطس أحدکم فلیشمته جلیسه فان زاد علی ثلاث فهو مزکوم. ولا یشمت بعد ثلاث. رواه أبو داود.

③ وعن عبید بن رفاعة عن النَّبِیِّ صلَّی اللّٰہ علیهِ وسلَّم قال شمّت العاطس ثلاثًا فما زَادَ فانْ شئْت فشمّتهُ وَانْ شئْت فلا.

④ وعن ابی هریرة قال: شمّت اخاك ثلثاً فان زاد فهوزکام.

جمائی کے وقت شیطان کا منہ میں داخلہ

۴۷۳۷: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِهٖ عَلٰی فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔ (رواه مسلم)

أخرجه مسلم فی صحیحه ۴/۲۲۹۳ الحدیث رقم (۲۹۹۵۰۵۷)' وأبو داوٗد فی السنن ۵/۲۸۶ الحدیث رقم ۵۰۲۶' والترمذی فی ۵/۸۰ الحدیث رقم ۲۷۴۶' وابن ماجه فی ۱/۳۱۰ الحدیث رقم ۹۶۸' وأحمد فی المسند ۳/۹۶۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھنا چاہیے اس لیے کہ شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: "فلیمسك بیده": باء برائے تعدیہ ہے۔ صاحب مغرب لکھتے ہیں: أمسك بالشئ و تمسك به واستمسك۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں: مسك به وأمسکو تمسك وتماسك استمسك: احتبس واعصتم به۔

حدیث باب میں موجود لفظ "فلیمسك" میں دو نسخہ ہیں: ① علامت مضارع کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ② علامت مضارع کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

"علی فمه": واضعًا کے متعلق ہو کر حال ہے۔

قوله: ''فان الشيطان يدخل''۔

اس کے متعدد معنیٰ بیان کئے گئے ہیں:

اوّل: اس کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں۔ یعنی جمائی آنے پر، خواہ منہ کھلا ہو یا بند ہو، شیطان بہر حال منہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

ثانی: اس کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں، مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ شیطان اگرچہ انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح چلتا ہے۔ لیکن اگر انسان بیدار ہو تو وہ اس پر قدرت حاصل نہیں کر پاتا۔ جمائی آنے پر اگر منہ کھلا ہو، تو شیطان منہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

ثالث: اس کے مجازی معنیٰ مراد ہیں، یعنی شیطان اس شخص کو وساوس اور شبہات میں مبتلا کرنے پر قادر ہوجاتا ہے۔

الفصل الثانی:

چھینک کے وقت کپڑے سے منہ ڈھانپنا

۴۷۳۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰى وَجْهَهُ بِيَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد قال الترمذی وهذا حديث حسن صحيح)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ٥/٢٨٧ الحديث رقم ٥٠٢٩، والترمذی فی ٥/٨٠ الحديث رقم ٢٧٤٥، وأحمد فی المسند ٢/٤٣٩۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھینک کی آواز پست کر دیتے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ''بها'': یہ ''صوته'' کے متعلق ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکمؒ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور امام احمد کی ایک روایت اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''عن عبد الله بن جعفر: أنه ﷺ كان اذ اعطس حمد الله فيقال له: يرحمك الله، فيقول: يهديكم الله ويصلح بالكم.

عرض مرتب: اس حدیث سے متعلقہ فوائد ''احکام الباب'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

چھینک کا مکمل جواب

۴۷۳۹: وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَلْيَقُلِ الَّذِیْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ هُوَ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔

(رواه الترمذی والدارمی)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ٥/ ٢٩٠ الحديث رقم ٥٠٣٣، والترمذی فی ٥/٧٧ الحديث رقم ٢٧٤١، وابن ماجه فی ٢/١٢٢٤ الحديث رقم ٣٧١٥، والدارمی فی ٢/٣٦٨ الحديث رقم ٢٦٥٩، وأحمد فی المسند ٥/٤١٩۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے اس طرح کہنا چاہیے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ) یعنی ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور اسے جواب دینے والے کو (یرحمک اللہ) کہنا چاہیے اور چھینک والے کو اس کے جواب میں يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہنا چاہیے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: قوله:"وليقل الذی يرد عليه": کے الفاظ سے حنفیہ اور جمہور نے تشميت العاطس کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ "وليقل هو يهد يكم الله ويصلح بالكم" کو ندب پر محمول کیا ہے۔

''البال'': اس کا معنی ہے'' قلب'' یعنی دل۔ کہا جاتا ہے:''فلان مایخطر ببالی أی قلبی''''بال'' کے ایک معنی ''رخاء العيش'' ہیں' کہا جاتا ہے: فلان رخی البال۔ای واسع العيش اور''البال'' کے ایک معنی آتے ہیں: الحال' کہا جاتا ہے: مابالك ای حالك ۔حدیث میں یہ لفظ ان تینوں معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ تیرے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔چونکہ اس کا عموم پہلے دونوں کو بھی شامل ہے۔ (کذافی المفاتیح) پہلا (معنی مراد لینا) اولیٰ' چونکہ جب''دل'' صالح ہوتا ہے تو ''حال'' بھی صالح ہو جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سامع کے لئے یرحمک اللہ کہنا سنت کفایہ ہے' پس اگر بعض حاضرین نے کہہ دیا تو باقی کی طرف سے کافی ہوگا۔لیکن افضل یہ ہے کہ ہر شخص یرحمک اللہ کہے۔ دلیل نبی کریم ؑ کے اس فرمان کا ظاہر ہے: كان حقا علی كل مسلم سمعه۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا تشمیت کے وجوب میں اختلاف ہے۔جن حضرات نے اس (تشميت العاطس)''حق المسلم علی المسلم ست''میں سے قرار دیا ہے'انہوں نے اس کو سنت بتلایا ہے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں نبی کریم ؑ کے فرمان:'' كا ن حقا علی كل مسلم'' کے ظاہر کا تقاضہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے ۔اس میں سنت کفایہ ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔جیسا کہ اصحاب ہدایت ونہایت میں سے ارباب درایت پر مخفی نہیں۔اور جہاں تک تعلق ہے نبی کریم ؑ کے اس فرمان:''حق'' موجود نہیں ہے' جیسا کہ باب السلام کی فصل اول کی پہلی دو حدیثوں میں گذرا ہے' بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: للمسلم علی المسلم ست بالمعروف یہ مجمل' چونکہ ''معروف'' وہ ہے جو شریعت میں معروف ہو۔خواہ فرض ہو یا سنت ہو۔

''يرحمك الله'': اگرچہ خبر ہے، مگر معنیً دعا ہے۔

حدیث باب کی تخریج اور اس سے متعلقہ مزید روایات:

الجامع الصغیر میں نقل کرتے ہیں:

اذا عطس أحدكم فليقل: الحمد لله رب العالمين، وليقل له يرحمك الله، وليقل هو :يغفر الله لناولكم.

اس حدیث کو طبرانی، حاکم اور بیہقی نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔

احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم اور بیہقی نے سالم بن عبید الاشجعی سے روایت کیا ہے۔

طبرانی میں ابن عباسؓ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فقال: الحمد لله. قالت الملائكة: رب العالمين، فاذا قال: رب العالمين، قالت الملائكة: رحمك الله.

یہود کی چھینک کا جواب

۴۷۴۰: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ كَانَ الْيَهُوْدُ يَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرْجُوْنَ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

أخرجه أبو داؤد في السنن ٥/٢٩٢ الحديث رقم ٥٠٣٨، والترمذي في ٥/٧٦ الحديث رقم ٢٧٣٩، وأحمد في المسند ٤/٤٠٠۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر جان بوجھ کر چھینکتے تھے اس امید سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں (یرحمک اللہ) فرمائیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں اس طرح فرماتے: يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ یعنی اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دلوں کو درست کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

"أن يقول لهم": اس سے پہلے باءِ سببیہ محذوف ہے۔ **أي يتمنون بهذا السبب أن يقول الخ.**

یہودیوں کی چھینک کے جواب میں "یرحمك الله" نہ کہنے کی وجہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی چھینک کے جواب میں "یرحمک اللہ" نہیں فرماتے تھے، چونکہ اللہ کی رحمت صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حسبِ حال ان کی ہدایت واصلاح اور ان کے لئے ایمان کی دعا فرماتے تھے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کما حقہ حاصل تھی لیکن اسلام قبول کرنے میں تقلید آڑے تھی یا حُبّ ریاست مانع تھی۔ انہیں اس کے مذموم ہونے کا بھی پتہ تھا۔ چنانچہ ان کی چاہت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے یہودیوں کو ہدایت بھی عطا کردے اور حب ریاست کو زائل فرمادے۔ اھ۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: یہ بات محل نظر ہے۔ یہودی صرف اس بات کے متمنی تھے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعائے رحمت کریں وہ ہدایت کی آرزو نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک بات رہی دعائے ہدایت کی، تو وہ دعا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری اُمت کے لئے مانگی ہے: **اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون.** لیکن حقیقت وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ [القصص: ٥٦] اگرچہ فی الجملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول بھی ہوئی۔

چھینک پر سلام علیکم کہنے والے کو سرزنش

۴۷۴۱: وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ

عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ وَعَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ فَكَاَنَّ الرَّجُلَ وَجَدَفِيْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَقُلْ اِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ اِذَا عَطَعَسَ اَحَدُ كُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَّرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُاللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ۔

(رواہ الترمذی وابو داؤد)

أخرجه أبو داوٗد فی السنن ۲۹۰/۵ الحدیث رقم ۵۰۳۱، والترمذی فی ۷۷/۵ الحدیث رقم ۲۷۴۰، وأحمد فی المسند ۷/٦۔

ترجمہ: حضرت ہلال بن یساف ؒ کہتے ہیں کہ ہم سالم بن عبید کے ساتھ تھے کہ جب جماعت کے کسی آدمی کو چھینک آئی اس نے الحمدللہ کی بجائے السلام علیکم کہا تو حضرت سالم نے اس کے جواب میں فرمایا (**وعلیك وعلی امك**) کہ تم پر اور تمہاری ماں پر سلام ہو! تو یوں محسوس ہوا کہ وہ آدمی اس بات پر دل سے ناراض ہوا تو حضرت سالم نے اس سے فرمایا بھائی سنو۔ میں نے تمہیں وہی بات کہی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو فرمائی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس چھینک ماری اور زبان سے السلام علیکم کہا تو جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (**علیك وعلی امك**) اور یہ فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ رب العلمین کہنا چاہیے اور جو اس کی چھینک کا جواب دے (**يَغْفِرُاللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ**) کہنا چاہیے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

راویانِ حدیث:

سالم بن معقل۔ یہ سالم بن معقل ہیں جو ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے آزاد کردہ ہیں۔ ''فارس اصطرخ'' کے رہنے والوں میں سے تھے۔ آزاد کردہ لوگوں میں بڑے فاضل اور افضل و اکرم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ ان کا شمار خاص قراء میں کیا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو ابن ام عبد سے، ابی بن کعب سے، سالم بن معقل مولیٰ ابی حذیفہ سے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔ یہ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ ان سے ثابت بن قیس ؓ اور ابن عمر ؓ روایت کرتے ہیں۔

سالم بن عبید۔ یہ سالم بن عبید ''اشجعی'' ہیں اہل صفہ میں سے تھے۔ ان کو اہل کوفہ میں سمجھا جاتا ہے۔ ان سے ہلال بن یساف وغیرہ روایت کرتے ہیں ''یساف'' دو نقطوں والی یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے ''س'' مہملہ پر تشدید نہیں ہے آخر میں فاء ہے۔

ہلال بن یساف۔ یہ ''ہلال'' یساف کے بیٹے ہیں۔ ''اشجع'' کے آزاد کردہ ہیں۔ تابعین میں سے ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے ثابت ہے۔ سلمہ بن قیس سے روایت کی۔ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے ایک جماعت نے سماعت کی ہے۔

تشریح: ''یساف'' میں یاء مکسور ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ مفتوح ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ میں مفتوح ضبط کیا گیا ہے۔ ''یاء'' اصلی ہے۔ لہٰذا اس کو منصرف پڑھنا متعین ہے اور المغنی میں ہے کہ ''یساف'' یائے مثناۃ تحتیہ مفتوح، سین مہملہ مفتوح اور

آخر میں فاء ہے۔ یا با کے فتحہ وکسرہ اور آخر میں یاء کے بجائے ہمزہ ہے۔

قوله: وجد في نفسه:

"وجد:" کا مفعول محذوف ہے، وہ مفعول الكراهة، الخجالة یا الحزن (وغیرہ) ہوسکتا ہے۔

"وجد" کے دو معنیٰ ہوسکتے ہیں: ❶ اگر اس کا مصدر "موجدة" یا "وجدان" مانا جائے، تو اس کے معنیٰ غضب اور حزن دونوں ہوسکتے ہیں۔ ❷ اگر اس کا مصدر "وجد" بفتح الواؤ مانا جائے، تو بمعنیٰ حزن ہے، چنانچہ جوہریؒ لکھتے ہیں: **وجد عليه في الغضب موجدة و وجدانا ايضًا. و وجد في الحزن وجدا بالفتح، وفي الحديث اذاحمل على الغضب قيل: وجد عليه في نفسه أي: لم يظهر الغضب وكظم الغيظ، و اذا حمل على الحزن قيل: أي أوقع الحزن في نفسه.**

عاطس نے الحمدللہ کی بجائے السلام علیکم کیوں کہا؟

① ممکن ہے کہ اس کا گمان یہ ہو، کہ "الحمدللہ" کی جگہ "السلام علیکم" کہنا درست ہے۔ (ذکرہ ابن الملکؒ)

② ممکن ہے کہ سبقت لسانی ہوگئی ہو، جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ لیکن آپ نے اس کے کلام پر اعتراض کیا۔ "اگلے جملہ **وعليك وعلى أمك**" سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت سالم نے عاطس کے "السلام علیکم" جواب میں "**عليك وعلى أمك**" کہا۔ ان الفاظ کے ذریعہ گویا اس شخص کی نادانی کو ظاہر کیا ہے جو اس شخص میں ماں کے اوصاف سرایت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اسی وجہ سے وہ اپنی ماں کے حق میں آفات سے سلامتی کی دعا کا محتاج تھا۔ (**ذكره ابن الملك**)

ان کا کلام قابل اعتراض ہے اس وجہ سے کہ ایک ذات غائب (یعنی اس کی ماں) کی طرف حماقت کی نسبت کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی، اور نہ اس کی صفات ذمیمہ کے اس کی اولاد میں سرایت کر جانے کے باعث وہ محل تنبیہ ہے، چونکہ اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، یہ تو محض ماں بیٹے کے حق میں سلامتی کی دعا ہے، لیکن اس شخص کے کلام کے موافق ہے، جو اس سے بے موقع محل صادر ہوا تھا۔ ہاں ماں کی تخصیص کا سبب یہ ہوسکتا ہے، کہ یہ ماں کی تربیت سے کنایہ ہو' تا کہ باپ کی تربیت سے چونکہ عورتیں عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ آداب سے (عموماً کما حقہ) واقف نہیں ہوتیں، بخلاف مردوں کے' کہ مردوں کا اٹھنا بیٹھنا چونکہ علماء کے ساتھ رہتا ہے، تو وہ عموماً ان امور سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں۔

قوله: فقال النبي ﷺ عليك وعلى أمك:

توریشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **نبه بقوله عليك وعلى أمك على بلاهته وبلاهة أمه، وأنها كانت محمقة، فصارا مفتقرين الى السلام فيسلمان به من الآفات اھ.**

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: اس مقام پر متعین طور پر لفظ "سلام" کو مقدر نہیں مان سکتے، چونکہ ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو: "**عليك وعلى أمك الملام**" بایں سبب کہ وہ خود بھی ناواقف رہی، اور تمہیں بھی ناواقف رکھا۔ اور اس سے مراد السلام" نہیں ہے بلکہ زجر مقصود

ہے۔ چونکہ یہ سلام بے موقع محل صادر ہوا ہے۔ (چونکہ اس موقع پر حاضرین کو سلام کرنا کوئی معنی رکھتا ہے اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔)
''یرحمك الله'' کہنے والے کے جواب میں چھینکنے والے کو ''یغفر الله لی ولکم'' کے ساتھ ''یھدیکم الله ویصلح بالکم'' بھی کہنا اولی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر چھینکنے والا الحمد للہ کے بجائے کوئی اور لفظ کہے تو وہ چھینک کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں بظاہر جب وہ سلام کرے تو تب بھی جواب کا مستحق نہ ہوگا چونکہ اس کا سلام غلط موقع و محل پر واقع ہوا ہے۔ حاصل یہ کہ نبی کریمؐ نے جب اس پر زجر فرمایا اور اپنے کلام حق میں مزاج کی شیرینی ہوئی تو آپ ﷺ کی نصیحت کی افادیت پہلے سے بڑھ گئی اور دیگر افراد کو شامل ہوگئی۔

چھینک والے کو تین مرتبہ جواب دو

۴۷۴۲: وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلَاثًا فَمَا زَادَ فَإِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا۔ (رواه ابوداؤد والترمذی وقال هذ حديث غريب)

أخرجه أبوداؤد فی السنن ۲۹۱/۵ الحدیث رقم ۵۰۳۶، والترمذی فی ۷۹/۵ الحدیث رقم ۲۷۴۴۔

ترجمہ: حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہا آپ ﷺ نے فرمایا چھینکنے والے کو تین مرتبہ جواب دو۔ اگر اس سے زیادہ چھینکیں آئیں تو پھر جواب دینے اور نہ دینے میں اختیار ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

راویٔ حدیث:

عبید اللہ بن رفاعۃ ۔ یہ عبید اللہ رفاعہ بن رافع کے بیٹے ہیں ''عبید'' تصغیر کے ساتھ ہے۔ اور ''رفاعہ'' میں راء مہملہ مکسور ہے۔ انصار میں سے زرقی ہیں۔ مشہور تابعی ہیں۔ اپنے والد ''رفاعہ'' رضی اللہ عنہ اور ''اسماء بنت عمیس'' رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

عرض مرتب: تفصیلی کلام ماقبل میں حدیث: ۴۷۳۶ کے تحت گزر چکا ہے۔

تشریح: ''ثلاثًا'' کے ساتھ '' فی مجلس واحد '' کی قید بھی ہے، یہ قید اگرچہ اس حدیث میں موجود نہیں مگر دوسری احادیث سے مترشح ہے۔

زکام والے کی چھینک کا جواب لازم نہیں

۴۷۴۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَمِّتْ اَخَاكَ ثَلٰثًا فَاِنْ زَادَ فَهُوَ زُكَامٌ۔

(رواه ابوداؤد وقال لا اعلمه الا انه رفع الحديث الى النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

أخرجه أبو داؤد فی السنن ۲۹۰/۵ الحدیث رقم ۵۰۳۵،

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے مسلمان بھائی کی چھینک کا تین بار تک جواب دو اگر وہ اس سے زائد بار چھینکے تو سمجھو اس کو زکام ہو گیا ہے۔ ابوداؤد نے اس کو روایت کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوع بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث موقوف ہے، موقوف ہونا بالکل واضح ہے۔

فان زاد: ایک نسخہ میں ” فما زاد “ ہے۔

قوله: فهو زكام اس میں دو تاویلات کی گئی ہیں: ❶ العطاس من أثر الزكام وعلامته ❷ صاحب العطاس ذو زكام. اس کی تائید ماقبل کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: انه مزكوم ۔ (دیکھئے حدیث: ۴۷۳۶)

قوله: ”وقال: لا اعلمه الا انه رفع الحديث الى النبى ﷺ:

یہ کلام کس کا ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

① یہ کلام امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ہے۔

② یہ کلام اس راوی کا ہے جس نے یہ حدیث ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے اسے حکایت کیا ہے۔

الا انه ”رفع الحديث الى النبى ﷺ“: اگر یہ قول ابوہریرہؓ کے کسی شاگرد سے صادر ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے لیکن حسب ظاہر یوں کہنا اولیٰ تھا: لاأظن الاأنه 'ولكنى ما أدرى باى لفظ كان من سمعت أو قال ونحوهما۔ اور اگر اس روایت کو حدیث موقوف (یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا قول) کہا جائے تو بھی یہ روایت حدیث مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی) کے حکم میں ہوگی کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تین کے عدد کا تعین شارع علیہ السلام سے سنے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔

الفصل الثالث:

چھینک کے غلط جواب پر ناراضی

۴۷۴۴: عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلاً عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

(رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب)

أخرجه الترمذى فى السنن ۵/ ۷۶ الحديث رقم ۲۷۳۸۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر کے قریب ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے اس طرح کہا:

(الحمد لله و السلام علی رسول الله) اور ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نہیں سکھایا کہ ہم اس طرح کہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: قوله: عطس الی جنب ابن عمر رضی اللہ عنہ: میں (معنوی اعتبار سے تقدیری عبارت یوں ہے:) منتهیا جلوسه الی جنبه :قوله: وليس هكذا: بقول طیبیؒ یہ جملہ حالیہ ہے۔ اور ''علمنا رسول الله ﷺ'' یہ جملہ مستانفہ ہے، جو کلام مقدر پر دلالت کر رہا ہے۔

عاطس نے ''الحمد للہ'' کی بجائے ''الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ'' کیوں کہا؟ اسکی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں:

① وہ شخص حکم شرعی سے ناواقف تھا۔

②، ③ اس کا گمان تھا، کہ والسلام علی رسول اللہ کی زیادتی مستحب ہے۔ چونکہ یہ بھی فی الجملہ ذکر ہے۔

④ اس شخص نے قیاساً کہا۔ چونکہ بہت سے مواقع پر ''الحمد للہ'' کے بعد سلام کے صیغے بھی آتے ہیں، مثلاً ابتدائے خطبہ وغیرہ میں کہتے ہیں: ''الحمد لله والصلوٰة والسلام علی رسول الله اما بعد!'' یا مسجد میں داخل ہوتے وقت کہتے ہیں۔ لیکن بہرحال اگر یہ قیاس تھا، تو قیاس مع الفارق تھا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ''الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ'' کہنے کی وجہ:

یعنی جیسے تم اس کے قائل ہو، میں بھی اس کا قائل ہوں، چونکہ '' الحمد لله'' اور '' السلام علی رسول الله'' یہ دونوں ذکر ہیں۔ یہ دونوں ذکر مأمور بہ ہیں۔ لیکن ہر بات کا اپنا اپنا موقع محل ہوتا ہے۔ لکل مقال مقام، یہ کوئی ادب شرعی نہیں ہے، کہ چھینک کے موقع پر ''الحمد للہ'' کے ساتھ السلام کا اضافہ کرو، بلکہ اصل ادب یہی ہے کہ امر شرعی کی ٹھیک ٹھیک اتباع کی جائے، اپنی طرف سے نہ کوئی کمی کی جائے، نا کوئی اضافہ کیا جائے، الّا یہ کہ قیاس جلی ہو۔

قوله: علمنا رسول الله ﷺ أن نقول :الحمد الله علی كل حال: پس پتہ چلا کہ زیادت مطلوبہ وہ ہے جو حمد کے متعلق ہو خواہ وہ (زیادت) منقول ہو یا نہ ہو۔

''علی كل حال'': اس کا متعلق کیا ہے؟

اس میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق ''الحمد للہ'' کے ساتھ ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ: ان تقول کے متعلق ہو اس صورت میں معنوی تقدیر یوں ہوگی: أی: علمنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن نقول عند العطسة علی كل حال: من الأحوال من غير تفاوت في الأفعال.

واضح رہے کہ اس موقع پر ''الحمد للہ'' کے ساتھ بطور ضمیمہ کوئی اور زیادت مستحسن نہیں، چونکہ بعض مرتبہ سامع یہ گمان کرتا ہے، کہ یہ بھی فی الجملہ مأمور ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: وليس هكذا أی والحال أنه ليس كذلك لأن شأن العاطس أن يقول: الحمد لله، كما علمنا رسول الله عليه السلام.

''علمنا رسول الله ﷺ:'' یہ جملہ مستانفہ ہے، کلام مقدر پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ اسلوب کلام از باب'' الرجوع الی ما هو أحق وأجرى على طريق ارخاء العنان والتساهل والاجتناب عن التخشن'' کے قبیل سے ہے۔ بخلاف حضرت سالم کے اس قول کے: عليك وعلى أمك کے، جیسا کہ ماقبل حدیث میں گزرا ہے۔ اھ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی طرف ''تخشن'' کی نسبت کرنا بہت بڑی جرأت کی بات ہے۔ ما قبل حدیث میں حضرت سالم کا فرمودہ جملہ بعینہٖ وہی ہے، جو آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوا تھا۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے، کہ حدیث ہلال میں ہے کہ جس نے جواب میں ''السلام علیکم'' کہا تھا آنحضرت ﷺ نے اس عاطس پر زجر فرمایا اور اس عاطس کی ماں کا ذکر'' على سبيل الفظاظة'' فرمایا۔ حالانکہ وہ شخص رفق کے زیادہ قابل تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس نے بارہا تشمیت سنی ہو۔ اور اس کے باوجود یہ اسلوب کلام اختیار کیا ہو' اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس پہ زجر فرمایا ہو۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل آغاز تعلیم وارشاد میں واقع ہوا ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس اعتراض کا یہ جواب امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلے گناہ سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ جو انہوں نے اعتراض وارد کے جواب میں بطور اعتذار پیش کیا تھا۔ اے کاش! کہ طیبی کے تمام دانت جھڑ گئے ہوتے اور ان کے پوروں کے اقلام بکھر گئے ہوتے، ان کی تقریر وتحریر میں تو کیا، ان کے دل میں بھی ''فظاظت'' کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرنے کا خیال دل سے نہ گزرتا۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ......﴾ [آل عمران: ۱۵۹] ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے ہیں تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے'' چونکہ یہ (امام طیبی کی بات) کفر صریح ہے، اس کا کوئی عذر صحیح نہیں ہے، چونکہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کی بابت ''فظاظت'' سے مبرا ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ مزید یہ کہ کیا طیبی کو علم غیب حاصل ہے، کہ وہ جانتے ہیں کہ اس عاطس نے آنحضرت ﷺ سے تشمیت بار بار سنی تھی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واقعہ کو ابتداء پر محمول کرنا بھی غیر معقول بات ہے۔ کتب سیر میں یہ بات کہیں منقول نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے کسی صحابیؓ کو اس طرح کی کسی بات پر متعدد بار منع فرمایا ہو اور اس نے پھر اسی منہی عنہ کا ارتکاب کیا ہو، حتی کہ شفقت ومہربانی کی بجائے اس کے زجر کی نوبت پیش آئی ہو۔ ہم نے الحمد اللہ ان کے کلام کی لطافت کو اپنی قدرت کے مطابق بیان کیا ہے' اور ہم نے صراحت کی ہے' اور ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے' باوجود اس کے ہمیں اعتراف ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے کلام کی فہم' شرف وکرم اور بڑائی کو پہنچنے سے عاجز ہیں مزید یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحب میں اور آنحضرت ﷺ کے صاحب میں آسمان وزمین کا فرق ہے کہ اوّل نے عند العطاس ''سلام متعارف'' کو رکھا، اور ثانی نے ''الحمد للہ'' کے بعد ''والسلام علی رسول اللہ'' فرمایا۔